

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تفسیر طہری

جلد دوم

تالیف

حضرت علامہ قاضی محمد شہداء اللہ عثمانی مجددی پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ متن

ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ الانہری رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ تفسیر

زیر اہتمام: ادارہ ضیاء الامین، بھیر شریف

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور-کراچی-پاکستان

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

تفسیر مظہری (جلد دوم)	نام کتاب
حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ	تالیف
فضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ	ترجمہ متن
الاستاذ مولانا ملک محمد بوستان، مولانا سید محمد اقبال شاہ	مترجمین
مولانا محمد انور مگھا لوی	
فضلاء دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف	
ایک ہزار	تعداد
دسمبر 2002ء (رمضان المبارک 1323 ہجری)	اشاعت
12348	کمپیوٹر کوڈ

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلسٹی کنٹینر

داتا دربار روڈ، لاہور۔ 7221953

9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ 7225085-7247350

فیکس:- 042-7238010

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون:- 021-2210212-2212011-2630411

e-mail:- zquran@brain.net.pk

Website:- www.ziaulquran.com

فہرست

46	سنا فقین کی علامات	13	سورۃ الملک
48	حضرت یونس علیہ السلام کا قصہ	14	موت و حیات کی بحث
	مخلوق کی طرف سے تکالیف پر صبر	15	اعیان ثابتہ اور عالم امثال کا ذکر
52	نظر حق ہے (احادیث)	17	موت و اعظ کافی ہے اور یقین غناء کافی ہے۔
52	حضرت حنظلہ والی حدیث	17	سات اعمال میں جلدی کرو
53	اولیاء اللہ کی علامات	19	تمام ستارے آسمان دنیا میں ہیں۔
53	نظر کی دوا	21	اللہ تعالیٰ کا خوف سب سے بڑی حکمت ہے۔
54	سورۃ الحاقہ	23	اللہ تعالیٰ ہر رات آسمان دنیا پر نزول اجلال فرماتا ہے۔
55	حضرت صالح علیہ السلام کا قصہ		حضور ﷺ سے پوچھا گیا کافر کو منہ کے بل کیسے چلایا
56	یہ دل برتن ہیں	26	جائے گا؟
56	اللہ تعالیٰ کا فرمان إِذَا نَفَخَ فِي الصُّورِ	28	سورۃ الملک کے فضائل
60	آسمان و زمین کے درمیان دوری	31	سورۃ قلم
60	اللہ تعالیٰ کے حضور پیشی اور صحائف کا اڑنا	31	سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا گیا (حدیث)
63	زنجیر کا ستر گز لمبا ہونا	31	اللہ تعالیٰ مخلوقات کی تقادیر لکھتا ہے (حدیث)
64	حدیث کبریائی میری چادر ہے		گدھی نے کعبہ کو سجدہ کیا جب حضرت طہیرہ حضور
65	غسلین کی تفسیر	32	ﷺ کے ساتھ اس پر سوار ہوئیں
	نفس کے فناء کے بعد قرآن کی تلاوت ترقی کا سبب	32	اللہ تعالیٰ کا فرمان وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ
67	ہے۔	32	حضور ﷺ کے اخلاق کریمانہ
68	رکوع کی تسبیحات میں وارد ہونے والی احادیث	32	حسن خلق کے فضائل
68	سجدہ اور تسبیح کی فضیلت	43	اللہ تعالیٰ کا فرمان يَوْمَ يَكْشَفُ عَن سَاقِ
68	رکوع اور سجدہ کی تسبیحات	43	مخشر کے بارے میں احادیث
69	سورۃ المعارج	43	دیدار الہی اور کشف ساق
70	جنت کے سو درجے ہیں	43	بل صراط سے گزرنا اور شقاقت
70	جنتی اہل اعراف کو دیکھیں گے	46	رافضی اور دوسرے اہل ہوا سجدہ نہ کر سکیں گے۔

100	عروج و نزول کے کمالات	اللہ تعالیٰ کا فرمان فی یَؤْمِرُكَ بِمَا يَشَاءُ وَيُعْظِمُ لَكَ الْكُلْمَةَ
102	جنوں کا فرشتوں کی باتیں سننا	70
	نیک جنوں کے لئے ثواب اور گناہگاروں کے لئے	70
105	عذاب	71
109	مساجد کی عظمت اور ان کی صفائی	73
109	سات ہڈیوں پر سجدہ کرنے کا حکم	75
	اللہ تعالیٰ کا فرمان عَلِيمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ	75
112	أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَى مِنْ رَسُولٍ	76
112	مسئلہ علم غیب	76
112	اولیاء کا الہام	76
113	اولیاء کی کرامات	76
	میں حجر میں ہوں اور قریش مجھ سے معراج کے بارے	77
113	میں سوال کر رہے ہیں (حدیث)	77
113	حضرت عمر کا لشکر بھیجنا	78
113	یا ساریۃ ارشاد فرمانا	78
113	نجاشی کا فوت ہونا اور اس کی قبر پر ہمیشہ نور کا ہونا	81
113	العلماء وروثة الانبياء وامناء الرسل (حدیث)	81
114	صالح خواتین نبوت کا چالیسواں حصہ ہیں۔	83
114	صالح خواتین اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔	83
114	علم لدنی	83
115	خالق اور مخلوق کے درمیان تعلق	84
116	کاہنوں، نجومیوں اور طبیعوں کا علم	84
116	نقاط، خطوط اور جادو کا علم	85
	میرے بندوں میں سے کچھ مجھ پر ایمان کی حالت میں	85
117	صحیح کرتے ہیں اور ستاروں کا انکار کرتے ہیں۔	87
117	جس نے علم نجوم سیکھا اس نے جادو سیکھا۔	87
	کاہنوں کے پاس نہ جادو اور بدفالی تمہیں کسی کام سے	99
		99

- 132 انکال، جنہیوں کا کھانا اور ان کا عذاب 117 نہ روکے گی۔
- 134 اسے آجہم جنم کا حصہ نکالو 117 سورۃ المزمل
- 135 غور و فکر اللہ کا راستہ ہے جو محبت اور معیت کو لازم ہے۔ 117 وہ احادیث جن میں یہ ذکر ہے کہ حضور ﷺ اتنا قیام فرماتے کہ آپ کے قدم سوج جاتے۔
- 136 کیا تہجد کی نماز حضور ﷺ پر واجب تھی۔ 122 قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا مستحب ہے اور اچھے لہجے میں
- 138 قرأت کی مقدار 123 پڑھا جائے نہ کہ نغمہ کی صورت۔
- 141 کیا ہر رکعت میں پورا قرآن پڑھنا واجب ہے؟ 123 ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے کی حکمت تدبر کرنا
- 143 عمل میں میانہ روی اور اس پر مواظبت 123 دو کلمے جو زبان پر خفیف ہیں۔
- 143 قرأت میں کم سے کم پچاس آیتیں اور زیادہ سے زیادہ 124 مجھے بوڑھا کر دیا ہے۔
- 143 ہزار آیتیں 124 قرآن کی حقیقت کا منکشف ہونا
- 143 کسے اپنے مال کی بجائے وارث کا مال زیادہ محبوب ہے؟ 125 جب قرآن نازل ہوتا تو آپ کو سخت مشقت برداشت کرنا پڑتی۔
- 144 انسان کو نیک اعمال پر ہی بھروسہ نہیں کرنا چاہئے بلکہ 125 اور پیشانی سے پسینہ نمودار ہو جاتا
- 144 استغفار بھی کرنی چاہئے۔ 125 نبوت کی ولایت پر فضیلت
- 146 سورۃ المدثر 126 عروج و نزول کی بحث
- 146 توحید باری تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کی تعظیم 126 میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔
- 146 تکبیر تحریر کے بارے میں علماء کے اقوال 126 رات کی نماز کی فضیلت
- 147 مکان، کپڑوں، بدن، دل اور نفس کی پاکیزگی 128 دل کا ذکر
- 149 صور اور حضرت اسرافیل کا ذکر 128 قرآن پڑھتے وقت بسم اللہ شریف پڑھنا
- 151 جہنم میں پہاڑ پر چڑھنا 129 دو سورتوں کے درمیان بسم اللہ شریف پڑھنا
- 152 جہنم کے داروغوں کی صفات، ان کی تعداد 130 صوفیاء کا قول الطریقة خطونان
- 154 ان کی حقیقی تعداد اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے 131 اللہ کا ہونا یہ زندگی میں رکاوٹ کا باعث نہیں۔
- 157 آخرت میں کفار کا مواخذہ اعمال فرعیہ پر بھی ہوگا۔ 131 اللہ تعالیٰ پر توکل ہی حقیقت میں توکل ہے۔
- 157 کافر مسلمان ہو جائے تو سابقہ عبادات اور عقوبات 131 روح قدس نے یہ بتایا ہے کہ کوئی انسان اس وقت تک
- 157 سب ساقط ہو جاتی ہیں۔ 131 نہیں مرتا یہاں تک کہ وہ اپنا رزق مکمل نہیں لے لیتا۔
- 58 کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لئے شفاعت 131 زہد کا مطلب یہ نہیں کہ انسان حلال چیز کو حرام کر دے
- 159 شفاعت کا کون مستحق نہیں؟ 131 سلوک کی منازل، صبر کا مقام سب سے بلند ہے۔
- 159 وہ گناہ جو شفاعت میں رکاوٹ ہیں۔ 132

210	لوگ تین جماعتوں میں اٹھائے جائیں گے۔	سورۃ القیامۃ
210	میری امت دس جماعتوں میں اٹھائی جائے گی۔	نفس امارہ، لوامہ اور مطمئنہ کا ذکر
212	پل صراط کا بیان	محکم اور متشابہ
212	جہنم گناہگاروں کی تاز میں ہے۔	دیدار الہی
213	طائفین سے مراد خواہش پرست ہیں۔	امید ہے انبیاء اور اولیاء، اللہ کا دیدار کریں گے
213	احقاب، حمیم اور غساق سے کیا مراد ہے؟	کچھ لوگ دن میں دو دفعہ، کچھ ہر جمعہ، کچھ سال میں
216	اہل ہواء اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلاتے ہیں۔	ایک دفعہ یا دو دفعہ زیارت کریں گے۔
216	مومن گناہگاروں کے لئے عذاب	سورۃ الدھر
217	متقیوں کو اخلاص اور قرب کے مراتب کے مطابق بدلہ دیا جائے گا۔	کُلُّ اٰتٰی عَلٰی الْاِنْسَانِ کِی تفسیر صوفیاء کی نظر میں
218	میرے صحابہ کو گالی نہ دو۔	انسان زمانے کو گالی دے کر مجھے اذیت دیتا ہے
218	صحابہ کمالات میں مستغرق رہتے تھے۔	(حدیث)
219	میری امت کی مثال بارش جیسی ہے۔	جنتیوں اور ان کو حاصل ہونے والی نعمتوں کا ذکر
220	سابقہ امتوں کے زمانے کے مقابلے میں تمہارا وقت	نذر کے مسائل
220	عصر سے مغرب تک کا ہے۔	مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور مسجد نبوی میں نماز کی فضیلت
220	روح کیا ہے؟	کمزوروں کے بارے میں اللہ سے ڈرو
222	قبر کا عذاب اور ثواب	صدقہ اللہ تعالیٰ کا غضب دور کر دیتا ہے۔
223	جانوروں سے قصاص	جنت کے پیالوں کی شان
224	سورۃ النازعات	مقرہین کو شراب طہور دی جائے گی۔
224	مومنوں اور کفار کی روحوں کو نکالنا	نماز میں لوگوں جیسی گفتگو مناسب نہیں۔
225	نفس، روح اور قلب کی تحقیق	لوگوں کے دل اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں۔
233	جہنم کو شہوات نے گھیر رکھا ہے۔	سورۃ المرسلات
233	دنیا ملعون ہے۔	پیدائش کے مراحل
234	خواہش نفس تمام منہیات کی سردار ہے۔	احسان کی وضاحت
234	خواہش شرعاً اور عقلاً قبیح ہے، کفر بھی ان میں سے ایک	سورۃ ہود، سورۃ واقفہ اور مرسلات نے مجھے بوڑھا کر دیا
234	ہے۔	ہے۔
234	خواہش نفس کا غلام کتنا برا ہے؟	سورۃ النبأ
210		صور سے کیا مراد ہے؟

- 254 تعین اول حقیقت محمدیہ ہے۔ 235 خواہش نفس چھوڑنے کے تین مرتبے
- 255 حضور ﷺ کا اپنے رب کا دیدار کرنا 236 عقائد کی اصلاح، اعمال کو پاک کرنا اور ارادہ کو فناء کے ساتھ نفی کرنا
- 255 عبدیت کا آخری مقام حقیقت احمدیت ہے۔ 236 تم میں کوئی اس وقت تک مومن نہیں بن سکتا جب تک وہ اس پیغام حق کی پیروی نہ کرے جو میں اس کے لئے لایا ہوں۔
- 257 حضور ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں 236 جب بندہ نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔
- 260 جب نطفہ رحم میں قرار پکڑتا ہے۔ 237 سورہ عبس جو قرآن پڑھتا ہے۔
- 260 قبروں میں جنت اور دوزخ کو پیش کرنا 242 دنیا میں اس طرح رہو جس طرح اجنبی اور مسافر رہتا ہے۔
- 262 سورہ المطففین 244 بعض تا فرمانیوں کی سزا دنیا میں ہی مل جاتی ہے۔
- 244 کم تولنے والے کھڑے ہوں گے یہاں تک کہ پسینہ سردار نے گھر بنایا اور کھانا تیار کیا
- 264 ان کے کانوں تک پہنچ رہا ہوگا۔ 244 حضرت خدیجہ نے ان بچوں کے بارے میں پوچھا تھا جو دور جاہلیت میں فوت ہوئے۔
- 246 موقف، سورج کے قریب ہونے، گرمی اور پسینے کے 246 سورہ کورت جو قیامت دیکھنا پسند کرے
- 265 بارے میں وارد ہونے والی روایات 248 زندہ درگور کرنے والی اور زندہ درگور ہونے والی دونوں
- 266 تھیں کیا ہے؟ 250 جہنمی ہیں۔
- 267 اس روز جہنم کو لایا جائے گا جبکہ اس کی ایک ہزار لگا میں ہوں گی۔ 251 حمل گرانے کا مسئلہ
- 269 جب مومن گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے۔ 251 جنین گرانے کی صورت میں غرہ واجب ہوگا۔
- 270 علیوں ساتویں آسمان کے اوپر ہے۔ 251 لونڈی اور آزاد سے عزل کرنا
- 270 انبیاء، صدیقین، شہداء، صالحین اور فاسقوں کی رو میں سورج عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے۔
- 270 کہاں ہوتی ہیں؟ 253 جب اللہ تعالیٰ کلام فرماتا ہے تو آسمانوں پر زلزلہ طاری ہو جاتا ہے۔
- 273 دنیوی سامان پر مقابلہ مناسب نہیں۔ 254 سب سے پہلے جبرئیل امین سر اٹھاتا ہے
- 278 جس کا حساب میں مناقشہ ہو اوہ عذاب میں مبتلا کیا گیا 254 عند ذی العرش مکین مطاع ثم امین نبی کریم
- 280 تم پہلے لوگوں کی طریقوں پر چلو گے شہرا بشیر 254 ﷺ کی صفات ہیں

	281	سجدۂ تلاوت کے مسائل
		سورۃ البیروج
310		گواہوں کی تعظیم بجالاؤ۔
310	285	لوح محفوظ کے آغاز پر لا الہ الا اللہ، دینہ الاسلام
313		اور محمد عبده ورسوله لکھا ہوا ہے۔
	291	لوح محفوظ سفید موتی کی ہے۔
316	291	سورۃ الطارق۔ سورۃ الاعلیٰ
316		تسبیح کا واجب ہونا
316	296	اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی مقادیر لکھ دی ہیں۔
317	297	ہر شے اندازے کے مطابق ہوتی ہے۔
318	297	قرآن کو یاد رکھنے اور نہ بھلانے کا حکم
319	298	تکبیر تحریر نماز کی شرط ہے یا رکن؟
320	300	عید کی نماز سے پہلے صدقہ فطر
	301	دعا کی سنت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ثناء کی جائے اور اول
321		وآخر میں درود پاک پڑھا جائے۔
321	301	سلوک کا پہلا مقام توبہ اور تزکیہ ہے پھر دائمی ذکر
323	302	(لسانی، قلبی، روحی، سری) پھر مشاہدات۔
323	302	سلسلہ مجددیہ کے اذکار
	302	سورۃ البیلد
324	303	فارسی زبان میں قرأت کا مسئلہ
326	303	سورۃ الاعلیٰ کی فضیلت
327	303	عروج میں سورۃ الاعلیٰ کا اثر
		سورۃ الغاشیہ
332	305	جہنمیوں کا کھانا اور ان کا مشروب
332		جنت کی صفت اور اس میں نہریں، پیالے اور گدے
333	306	وغیرہ
333		سورۃ الفجر
	310	دسویں ذی الحجۃ اللہ تعالیٰ کا محبوب ترین دن ہے۔
		حضرت صالح کی اونٹنی کو قتل کرنے والا سب سے

- بد بخت ہے۔ 334 سب سے اچھا گھروہ ہے جس میں یتیم کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے۔ 351
- حضرت آدم کا بیٹا جس نے اپنے بھائی کو قتل کیا۔ 334
- سورۃ اللیل انسان صبح کرتا ہے وہ اپنے نفس کو بیچنے والا، اسے آزاد کرنے والا اور اسے ہلاک کرنے والا ہوتا ہے 336
- اپنے آپ کو جہنم سے بچاؤ، خواہ کھجور کے ٹکڑے سے۔ 337
- جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ درود نہ پڑھے تم میں سے ہر ایک کا ٹھکانہ جنت یا دوزخ میں لکھ دیا گیا ہے۔ 337
- ہر کسی کو ایسے ہی عمل کی توفیق دی جاتی ہے جس کے لئے اسے پیدا کیا گیا ہے۔ 337
- تمام صحابہ عادل ہیں۔ 340
- صحابہ کی شان میں احادیث مومن ہمیشہ جہنم میں نہیں رہتا اگرچہ فاسق ہی کیوں نہ ہو۔ 340
- حضرت ابوبکر صدیق انبیاء کے بعد سب سے افضل ہیں۔ 341
- ہم حضور ﷺ کے زمانے میں حضرت ابوبکر جیسا کسی کو نہ سمجھتے تھے پھر حضرت عمر پھر حضرت عثمان سورۃ النضحیٰ 344
- اہل بیت کے لئے اللہ تعالیٰ نے آخرت کو پسند کیا۔ 347
- جس کے دودن برابر ہیں وہ خسارے میں ہے۔ 347
- میرا ایک امتی بھی جہنم میں ہوا تو میں راضی نہیں ہوں گا مسئلہ عروج و نزول 349
- جس قدر مجھے اذیتیں دی گئیں اس جیسی کسی کو اذیتیں نہیں دی گئیں۔ 349
- قیامت اور نفس کی غنا 351
- سورۃ الم نشرح سورۃ مضمیٰ سے لے کر آخری سورت کے اختتام پر تکبیر کہنا 353
- رسول اللہ ﷺ کے شرح صدر کے بارے میں وارد ہونے والی احادیث 355
- شرح صدر اور حقیقی اسلام 355
- اللہ تعالیٰ کا فرمان جب میرا ذکر ہوگا تیرا بھی میرے ساتھ ذکر ہوگا 357
- ایک تنگی کے ساتھ دو آسانیاں 358
- جنتی صرف اس گھڑی پر حسرت کرے گا جس میں اس نے اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کیا ہوگا۔ 359
- سورۃ الم نشرح کی قرأت مقام نزول میں مددگار ہے۔ 360
- سورۃ والتین 347
- ہر بچے کو فطرت سلیم پر پیدا کیا گیا ہے۔ 362
- جب ایک انسان بڑھاپے یا مرض کی وجہ سے عمل کرنے سے عاجز آ گیا تو اس سے پہلے جو وہ عمل کرتا تھا اللہ تعالیٰ اس کا وہ عمل لکھ لے گا۔ 364
- سورۃ العلق 349
- وحی کا آغاز اور حضور ﷺ کا غار حرا میں قیام کرنا 366

- 368 بسم اللہ شریف سورت کا جز نہیں۔
جس نے لا الہ الا اللہ کہا ہو گا وہ جہنم سے نکل آئے گا 393
- صوفی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر کرے تاکہ کسی تک ہدایت پائے۔ 368
کافر کی نیکیاں حقیقت میں نیکیاں نہیں۔ 394
- توبہ کے بغیر گناہگار کی معافی جائز ہے۔ 394
یہ بھی جائز ہے کہ گناہ صغیرہ کی وجہ سے مومن کو عذاب دیا جائے۔ 394
- گناہ صغیرہ سے بچنا چاہئے 376
اس سورت کی فضیلت 395
- سورة القدر 379
لیلة القدر آخری عشرہ میں بدلتی رہتی ہے۔ 397
- لیلة القدر کی فضیلت 383
سورة البیئة 399
- خاص بشر خاص فرشتوں سے فضیلت رکھتے ہیں۔ 387
عام بشر (صالحین) عام ملائکہ سے فضیلت رکھتے ہیں۔ 387
- بندے کو لایا جائے گا اور اسے میزان کے درمیان کھڑا کر دیا جائے گا، فرشتہ ندا کرے گا کہ یہ سعید ہے یا بد بخت 388
- تمہیں اس سے بھی افضل عطا فرمانے والا ہوں۔ 401
اللہ تعالیٰ سے بندے کے راضی ہونے کی کئی صورتیں ہیں۔ 401
- میزان نصب کیا جائے گا اور نماز، صدقہ، حج اور شہادت کا پورا پورا اجر دیا جائے گا۔ 388
- حضور ﷺ کا حضرت امی کے لئے فرمان 389
سورة الزلزال 402
- شائد اہل بلاء سے مراد اہل عشق ہیں۔ 402
قیامت کے روز اللہ تعالیٰ حضرت آدم سے فرمائے گا 403
- جس کے گناہوں کا پلڑا بھاری ہوگا۔ پھر لا الہ الا اللہ کے ایک پرزے سے نیکیوں کا پلڑا بھاری ہو جائے گا۔ 390
- سورة التکاثر 391
زمین اپنے جگر کے کلڑے باہر پھینک دے گی۔ 404
- تکاثر سے نبی اور تو اضع کا حکم 405
زمین پر جو عمل کیا گیا ہو گا وہ اس بارے میں گواہی دے گی۔ 406
- ہم عذاب قبر میں شک کرتے تھے۔ 392
جس نے کھجور کے برابر صدقہ کیا 393
- خبر مشاہدہ جیسی نہیں ہو سکتی۔ 407
کسی نیکی کو حقیر نہ جانو۔ 393
- 408
جو نا، ٹھنڈا پانی اور گندم کی روٹی یہ بھی نعمت ہے۔ 407
گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنے والا انسان ہمیشہ جہنم میں علم میں خیانت مال میں خیانت سے بڑھ کر ہے۔ 408
- 393
نہیں رہے گا۔ 393

	سورۃ النصر		سورۃ العصر
435	فتح مکہ کا واقعہ	409	نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا واجب ہے۔
446	اہل یمن سب سے نرم دل ہیں۔		سورۃ البقرہ
447	دن میں ستر دفعہ استغفار پڑھنے کا حکم	412	آرزو اور موت کے بارے میں حضور ﷺ کا خط کھینچنا
448	دعا سے پہلے تسبیح، تحمید اور درود شریف پڑھنے کا حکم	413	ہزار سال تک جہنم جلائی گئی۔
	سورۃ اللہب		جو جہنم میں ہمیشہ رہیں گے انہیں تابوتوں میں بند کر دیا جائے گا۔
450	ہاتھ کی کمائی سب سے عمدہ کھانا ہے۔	413	سورۃ الفیل
450	تمہاری اولاد بھی تمہاری کمائی ہے۔		اصحاب فیل کا واقعہ
	سورۃ الاخلاص	415	سورۃ القریش
453	اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی شریک نہیں۔		قریش کے فضائل
453	لا موجود الاھو	421	سورۃ الماعون
454	مسائل ذات اور صفات میں بحث و تفتیش درست نہیں		نماز سے غفلت کرنے والوں سے کیا مراد ہے؟
455	جو تیرا مقصود ہے وہی تیرا معبود ہے۔	426	ریا کاری کے طور پر نماز پڑھنے والے کا حکم
455	لا الہ الا اللہ کا معنی لا مقصود الا اللہ	426	مانگنے پر جو چیز دینا ضروری ہے
456	بنی آدم نے میری تکذیب کی۔	426	خزب شیطان
456	سورۃ اخلاص کے فضائل	427	سورۃ الکوثر
	سورۃ القلق اور سورۃ الناس		الکوثر سے کیا مراد ہے؟
464	اگر بوڑھے لوگ اور دودھ پیتے بچے نہ ہوں	429	سورۃ الکافرون
465	دونوں سورتوں کے فضائل		سورت کے فضائل
467	قرآن کے فضائل	434	



سورۃ ملک

﴿ آیتھا ۲۰ ﴾ ﴿ سورۃ الملک مکیہ ۶۷ ﴾ ﴿ رکوعاھا ۲ ﴾

سورۃ الملک کی ہے، اس میں دو رکوع اور تیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

تَبٰرَکَ الَّذِیْ بَیْدَہِ السُّلْکُ وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱﴾

”منزہ و برتر ہے۔ وہ جس کے قبضہ میں (سب جہانوں کی) بادشاہی ہے اور وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔“

۱۔ تبارک برکت سے مشفق ہے جس کا معنی زیادہ ہونا ہے، کمال اور عدم نقصان اس کو لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات میں

مہادی (۱) مراد نہیں ہوتے بلکہ غایات مراد ہوتی ہیں۔ یہ بھی ان صیغوں میں سے ہے جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی بیان کی جاتی ہے۔ اسے مخلوقات کی صفات سے پاک ہونا لازم آتا ہے کیونکہ مخلوقات کی صفات نقصان سے خالی نہیں ہوتیں۔

۲۔ یدد تقابہات میں سے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اعضاء سے پاک ہے۔ متاخرین نے اس کا معنی قدرت کیا ہے۔ ملک کا معنی ہر چیز پر اس کی بادشاہت اور تمام امور میں اس کا تصرف ہے۔

۳۔ وہ جو چاہے اس پر قادر ہے۔ وہ جو ارادہ کرے کوئی اس میں رکاوٹ پیدا نہیں کر سکتا۔ اس لئے خوف ورجاء اسی سے ہونا چاہئے۔

جب یہ آیت اللہ تعالیٰ کے وجود، اس کی صفات کے کمال اور عیوب سے مبرا ہونے پر دعویٰ کی طرح ہے جبکہ دعویٰ دلیل کا تقاضا کرتا ہے تو اس کے پیچھے ایسی آیات کا ذکر کیا ہے جو اس پر دلیل ہیں۔ ان میں سے کچھ ایسی دلیلیں ہیں جو مکلفین کی ذات میں موجود ہیں جیسے موت اور حیات کچھ آسمان کی تخلیق میں ہیں جنہیں کسی پھنسن کے بغیر پیدا کیا۔ کچھ زمین کی پیدائش، اس کے مسخر ہونے اور ان میں مختلف قسم کے رزق پیدا کرنے میں ہیں اور کچھ پرندوں میں ہیں جو پر پھیلائے فضا میں اڑتے پھرتے ہیں۔ درمیان میں کفار کے عذاب کو بطور استطراد (ب) ذکر کیا ہے جو نہ حق بات سنتے ہیں اور نہ دلائل و براہین میں غور و فکر کرتے ہیں اور ان لوگوں کے ثواب کو ذکر فرمایا جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور جو دلائل و براہین سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیْوَةَ لَیَبْلُوْکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ ﴿۲﴾

”جس نے پیدا کیا ہے موت اور زندگی کو۔ تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے عمل کے لحاظ سے کون بہتر ہے۔ اور

(۱) جیسے رحمت سے اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفت اور رحیم استعمال ہوتے ہیں۔ رحمت کا معنی رقت قلبی اور تعطف ہے۔ رقت قلبی یعنی دل کا کھینچ جانا یہ انفعال ہے، اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے۔ اس لئے جب رحمت کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہوگی تو اس کا معنی رقت قلبی نہ کیا جائے گا بلکہ تعطف یعنی فضل کرنا مہربانی کرنا لیا جائے گا۔

یہاں بھی تبارک کا معنی یہ نہ ہوگا کہ پہلے کچھ کی تھی بعد میں اضافہ ہوا بلکہ اس کا معنی ہوگا وہ ہمیشہ سے عظمت و شان والا ہے۔ (مترجم)

(ب) یہ ایک اصطلاح ہے جس کا معنی ہوتا ہے ایک موضوع سے دوسرے موضوع کی طرف منتقل ہونا۔ (مترجم)

وہی دائمی عزت والا بہت بخشنے والا ہے۔“

۱۔ اسم موصول محل رفع میں ہے یا تو اس لئے کہ پہلے اسم موصول سے بدل ہے جو فعل کا فاعل ہے یا یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے جو ہو ہے یا مدح کے طور پر منصوب ہے۔ حیات یہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک ہے جو صفات علم، قدرت، ارادہ اور دوسری صفات کمال کو لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ صفت ممکنات کو بھی ودیعت کی ہے، جیسا ارادہ تھا اور ممکنات کی جتنی استعداد تھی اس کے مطابق ان میں پیدا کیا۔ ممکنات میں یہ صفت کئی مراتب کے لحاظ سے ظہور پذیر ہوئی۔ بعض میں یہ صفت اس اعتبار سے ظاہر ہوئی کہ جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات کی معرفت حاصل ہوئی جس کی کوئی کیفیت نہیں۔ یہ وہ امانت ہے جو انسان کو عطا کی گئی اور جس سے آسمان، زمین اور پہاڑ ڈر گئے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور القاء کرنے کی صورت میں نصیب ہوئی۔ حیات کی یہ قسم جس کے مقابلہ میں موت بھی ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان **أَوْ مَن كَانَ مَيِّتًا فَآخِيزْنَاهُ** سے سمجھی گئی ہے۔ حضور ﷺ کا فرمان بھی ہے: **إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ خَلْقَهُ فِي ظُلْمَةٍ فَالْقَى عَلَيْهِمْ مِنْ نُورِهِ فَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذَلِكَ النُّورِ اهْتَدَى وَمَنْ أَخْطَأَهُ ضَلَّ فَلِذَلِكَ أَقُولُ قَدْ جَفَّ الْقَلَمُ عَلَى عِلْمِ اللَّهِ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ (1)**۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق ظلمت میں پیدا کی ان پر اپنا نور ڈالا، جسے اس نور میں سے کوئی حصہ پہنچا تو وہ ہدایت پا گیا اور جسے وہ نور نہ پہنچا وہ گمراہ ہو گیا۔ اسی وجہ سے میں کہتا ہوں علم الہی میں فیصلہ ہو چکا ہے۔

بعض مخلوقات میں یہ صفت اس طریقہ پر ظاہر ہوئی جس کے باعث ان میں حیوانی حس اور حرکت نمودار ہوئی جسے اور اس کے مقابلہ میں موت کو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں تعبیر کیا ہے **كُنْتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمَيِّتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ** الآیہ۔ بعض مخلوقات میں یہ صفت اس انداز میں ظاہر ہوئی کہ اس نمو (بڑھوتری) نے جنم لیا جسے اور اس کی ضد کو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں تعبیر کیا گیا ہے: **يُحْيِي الْأَمْوَاتَ بَعْدَ مَوْتِهَا** یعنی اللہ تعالیٰ نباتات کے خشک ہونے کے بعد ان کو تر و تازہ کر دیتا ہے۔

زندگی کی آخری دو قسمیں اجسام میں روح انسانی، روحی حیوانی اور روح نباتاتی پھونکنے سے ہوتی ہے۔ جمادات میں مذکورہ تینوں زندگیوں میں سے کوئی زندگی نہیں ہوتی۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بتوں کے بارے میں فرمایا **أَمْوَاتٌ غَيْرٌ أَحْيَاءَ** یہ مردہ ہیں زندہ نہیں۔ لیکن جمادات بھی ایک طرح کی زندگی سے خالی نہیں جس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے: **وَإِنْ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ حَشِيَّةِ اللَّهِ** اس کی تفسیر سورہ بقرہ میں گزر چکی ہے۔ زندگی کی یہ قسم ہر وجود کو لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَإِنْ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا لِنُحْيِيهِ بِحُدُودِ** زندگی کے جتنے مراتب ذکر کئے گئے ہیں ان میں سے کسی کے نہ ہونے کو موت کہتے ہیں یا جس میں زندگی ہونی چاہئے اس میں زندگی نہ ہونے کو موت کہتے ہیں۔ ان میں تقابل عدم اور ملکہ کا ہو گا یا ایجاب اور سلب کا ہو گا اس لحاظ سے موت ایک عدی صفت ہوگی جس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ ممکن کی موت اس زندگی پر مقدم ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے ودیعت کی گئی جس پر وہ آیت دلالت کرتی ہے جسے ہم نے تلاوت کیا ہے: **أَوْ مَن كَانَ مَيِّتًا فَآخِيزْنَاهُ** اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: **كُنْتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ** اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: **كُلٌّ فَيَمُوتُونَ**۔

جب ہر مرتبہ میں موت، حیات سے مقدم ہے تو یہاں موت کو پہلے ذکر کیا ہے یا کیونکہ موت کا ذکر انسان کو زیادہ خوف دلاتا ہے اس لئے پہلے ذکر کرنا مناسب تھا۔ بعض علماء نے کہا موت ایک وجودی صفت ہے اس کا حیات کے ساتھ تقابل ضد کی صورت میں ہے۔ پس موت اجسام میں ایسی کیفیت ہوگی جو علم، قدرت، حس، حرکت اور ایسی دوسری چیزوں سے مانع ہے وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں

کیونکہ جب موت کو پیدا کیا تو یہ موت کے وجود کا تقاضا کرتا ہے جبکہ اعدامِ اصلیہ (جو اصلاً معدوم ہیں) مخلوق نہیں۔

ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ عقل بدیہی طور پر اس پر شاہد ہے کہ ہم اموات میں ایسی چیز نہیں پاتے جو اس کی ذات کے ساتھ باہر سے آکر ملے بلکہ موت ایک امر انتزاعی ہے جو مردہ سے اخذ کیا جاتا ہے جس طرح نابینا کو دیکھ کر بے بصارتی کو سمجھا جاتا ہے۔ کشف کی بصیرت یہ فیصلہ کرتی ہے کہ تمام صفات اللہ تعالیٰ کے علم میں اپنی اضداد کے ساتھ جدا جدا متحقق ہیں۔ حیات کی نقیض موت ہے۔ علم کی نقیض جہالت ہے، قدرت کی نقیض عجز ہے، بصر کی نقیض اندھا پن ہے۔ اسی طرح یہ اصلاً معدوم ہیں اور مرتبہ علم میں اپنی اضداد کی طرف اضافت کے اعتبار سے ثابت ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت اور اس کے رنگ دینے کی وجہ سے اعدامِ اصلیہ بھی اسی رنگ میں رنگی ہوئی ہیں جس رنگ میں اس کی صفات کمال رنگی ہوئی ہیں۔ انہیں کو مرتبہ علم میں اعیان ثابتہ اور اس مرتبہ وجود کے رنگ سے رنگے ہونے کی وجہ سے انہیں کون اول کہتے ہیں اور خارج میں کون کا یہ سبب ہیں جس طرح ہم نے سورہ بقرہ کی آیت لَنْ فَبَيِّنُونَ کی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔ پس اعیان ثابتہ صفات کا ظلال ہیں اور خارج میں ممکنات ان اعیان ثابتہ کا ظل ہیں۔ ممکنات کا اعیان ثابتہ کے ظل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مبداء فیاض (اللہ تعالیٰ) سے وجود اور اس کے توابع کا فیضان ان ممکنات پر جو خارج میں موجود ہیں انہیں اعیان ثابتہ کے توسط سے ہوتا ہے۔ جس طرح وہ چراغ جو شیشے کے اندر ہوتا ہے اس کا نور دوسری چیزوں کی طرف شیشے کے واسطے سے پہنچتا ہے۔ اس مفہوم کی طرف اللہ تعالیٰ کے فرمان: مَثَلُ نُورِهِ كَمِثْلِ نُورٍ كَوِّقٍ فِيهَا مَصَابِيحٌ الْوُضُوءِ فِي زُجَاجَةٍ میں اشارہ کیا گیا ہے۔ پھر یہ بھی ذہن میں رکھو کہ صفات اور ممکنات کے درمیان اعیان کا واسطہ ہوگا یہ صرف دنیا تک محدود ہے۔ جہاں تک آخرت کا تعلق ہے وہاں صفات سے ممکنات کی طرف وجود اور اس کے توابع کا فیضان اعیان کے واسطے کے بغیر ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں ممکنات پر فناء طاری ہوگی لیکن آخرت میں ان پر فناء طاری نہ ہوگی۔

قرآن حکیم کی آیات یعنی كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاحْيَاكُمْ، اَوْ مَن كَانَ مَيِّتًا فَاحْيِيْهِ اور اس جیسی دوسری آیات یہ واضح کرتی ہیں کہ موت ممکن کی صفت ہے جو ممکن کی ایجاد سے پہلے متحقق ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کے فرمان خَلَقَ الْمَوْتَ کا معنی یہ ہوگا کہ زندگی پیدا کرنے کے ساتھ موت کو ظاہر فرمایا یا زندگی زائل کرنے کے ساتھ اسے ظاہر فرمایا یا اموات کو پیدا فرمایا تاکہ اس سے زندگی نہ ہونے کا تصور کیا جاسکے۔ خلق کا معنی تقدیر بھی ہے، یعنی موت اور حیات کو مقدر کیا۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ”خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَوَةَ“ کا معنی یہ ہے کہ دنیا میں موت کو پیدا کیا اور آخرت میں حیات کو پیدا کیا۔ میں کہتا ہوں شائد حضرت ابن عباس نے یہ معنی لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیوی زندگی کو موت اور اخروی زندگی کو حیات سے تعبیر کیا۔

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے جس طرح ہم بیان کر آئے ہیں کہ اعیان ثابتہ دنیا میں ممکنات کے مرتبہ ہیں۔ تاہم عدم ان کی ماہیت میں داخل ہے۔ اس لئے دنیاوی زندگی موت کے شاہد سے خالی نہیں ہوتی۔ یہ بات درست ہے اِنَّكَ مَيِّتٌ وَاِنَّهُمْ مَمِيْتُونَ یعنی فی الحال موت ثابت ہے اسی طرح كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا قَانٍ اور كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ میں ہے کیونکہ اسم مشتق میں حقیقت میں حال کا معنی ہوتا ہے ماضی اور مستقبل مجاز ہوتا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

ایک جماعت کا نقطہ نظر یہ ہے کہ موت جسم ہے عرض نہیں۔ اسے چتکبرے مینڈھے کی صورت میں اور زندگی کو چتکبری گھوڑی کی صورت میں پیدا کیا گیا ہے۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے بدور السافرہ میں اختیار کیا ہے۔ اس قول کی بنیاد حضرت ابن عباس رضی

اللہ عنہما کا اثر ہے جسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے موت کو چستکبرے مینڈھے کی صورت میں پیدا کیا یہ جس چیز کے پاس سے گزرتا ہے یا جس چیز کو اس کی خوشبو پہنچتی ہے وہ مر جاتا ہے اور زندگی کو ایک چستکبری گھوڑی کی صورت میں پیدا کیا۔ یہی وہ گھوڑی ہے جس پر جبرئیل امین اور انبیاء سواری کرتے۔ یہ جس چیز کے پاس سے گزرتی یا جس چیز کو اس کی خوشبو پہنچتی تو وہ زندہ ہو جاتی۔ یہی وہ گھوڑی تھی جس کے قدموں کی جگہ سے سامری نے مٹھی بھر مٹی لی تھی اور پھڑے میں ڈال دی تھی تو اس پھڑے میں زندگی کے آثار نمودار ہو گئے تھے۔

میں کہتا ہوں یہ اثر اس امر پر دلالت نہیں کرتا کہ موت جسم ہے عرض نہیں ہے۔ اسی طرح زندگی بھی جسم ہے بلکہ یہ اثر اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ مخلوقات میں سے ایک جسم ہے جو چستکبرے مینڈھے کی صورت میں ہے جسے موت کہتے ہیں اور ایک جسم گھوڑی کی صورت میں ہے جسے زندگی کہتے ہیں۔ یہ جس چیز کے پاس سے گزرتے ہیں یا جس چیز کو ان کی ہوا پہنچتی ہے تو پہلے کے ساتھ وہ چیز مر جاتی ہے اور دوسری کی وجہ سے وہ زندہ ہو جاتی ہے۔ اس حیوان میں موت اور حیات اس کا جسم نہیں بلکہ اثر ہے جو اس کے گزرنے اور خوشبو پانے پر مرتب ہوتا ہے جس طرح زہریا اس جھسی چیز کے قریب سے اثر مرتب ہوتا ہے۔ صحیحین میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے جو مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب جہنمی جہنم میں چلے جائیں گے تو موت کو لایا جائے گا یہاں تک کہ جنت اور جہنم کے درمیان رکھا جائے گا پھر اسے ذبح کر دیا جائے گا پھر ایک ندا کرنے والا ندا کرے گا اے جنتیو اب کوئی موت نہیں ہوگی اے جہنمیو اب کوئی موت نہیں ہوگی۔ تو جنتی یہ سن کر بہت خوش ہوں گے اور جہنمی یہ سن کر سخت غمگین ہوں گے (1)۔ صحیحین میں ہی حضرت ابن سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے روز موت کو لایا جائے گا گویا وہ چستکبرے مینڈھا ہے اسے جنت اور جہنم کے درمیان کھڑا کیا جائے گا..... پھر اسے ذبح کرنے کا حکم دیا جائے گا (2)۔ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا اور اسے صحیح قرار دیا اور ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ چستکبرے مینڈھے کی صورت میں موت کو لایا جائے گا! (3)۔ اسلاف کا طریقہ تو یہ تھا کہ وہ اس کے معنی کی تحقیق میں توقف کرتے تھے، اس پر ایمان لانے کا حکم دیتے اور اس کا علم اللہ کے سپرد کر دیتے۔ جس طرح تمام تشابہ روایات میں ان کا معمول تھا۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ سے یہی نقل کیا ہے۔ جب صوفیاء کے لئے عالم امثال ظاہر ہوا اور عالم امثال میں ہر جوہر، ہر عرض بلکہ مجردات کی بھی مثال ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے لئے بھی مثال (1) ہے حالانکہ وہ شبہ اور مثال سے پاک اور مادہ ہے۔ اس حدیث کا محل بھی عالم امثال ہے۔ میں نے اپنے والد کو بے ریش جوان اور گھٹکھریا لے بالوں والا دیکھا۔ ان کے پاؤں میں سونے کے جوتے تھے۔ بعض اوقات اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ صورت مثالیہ میں عالم امثال سے عالم شہادت کی طرف منتقل ہوتی ہے۔ یہ چیز کثیر اولیاء سے بطور کرامت مشہور ہے۔ شاید اللہ تعالیٰ آخرت میں موت کی صورت مثالیہ کو عالم امثال سے عالم شہادت کی طرف حاضر کرے گا، اسے ذبح کرنے کا حکم دے گا یہاں تک کہ جنتیوں اور جہنمیوں پر یہ ظاہر ہو جائے گا کہ اب یہاں ہمیشہ رہنا ہے اور اب موت واقع نہ ہوگی۔ اسلام، ایمان، قرآن، اعمال، امانت، رحم اور ایام دنیا کو دوبارہ اٹھانے میں بھی یہی تاویل کی جائے گی جس طرح احادیث صحیحہ نے اس کو بیان کیا ہے جن کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں۔

3- مستدرک حاکم، جلد 1، صفحہ 156 (العلمیہ)

2- ایضاً

1- صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 382 (قدیمی)

(1)۔ چیزیں صوفیاء کی شیطیات میں سے ہیں جن پر اعتقاد رکھنا اور ان کی پیروی کرنا درست نہیں۔ فقہاء اس پر سخت تنبیہ کرتے ہیں۔

سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بدورسافرہ میں کہا ہے اعمال اور معانی سب مخلوق ہیں، اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی کوئی نہ کوئی صورت بھی ہے جن کا ہم مشاہدہ نہیں کر سکتے۔ علماء حقیقت نے وضاحت کی ہے کہ کشف کی قسموں میں سے ایک قسم یہ بھی ہے کہ معانی کے حقائق پر آگاہی ہو جاتی ہے اور صورتوں کو اجسام کی صورتوں میں ادراک کر لیا جاتا ہے۔ احادیث اس کی شاہد ہیں، یہ بہت زیادہ ہیں۔ عالم امثال کے بارے میں یہ قول امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول بھی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۔ اے جن و انس تمہیں احکام کا مکلف بنا کر تمہارے ساتھ ممتحن کا سامنا کرے۔ ایتکم احسن غملاً یہ جملہ لیلو کم کا مفعول ثانی ہے جو اپنے ضمن میں ”یعلم“ کا معنی لئے ہوئے ہے۔ یہاں فعل معلق نہیں کیونکہ اس کا مفعول اول کلمہ استفہام سے مقدم ہے۔ اگر یہاں فعل کو معلق کیا جاتا تو کلمہ استفہام مفعول اول سے مقدم ہوتا۔

فراہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا بلوی کا فعل ای پر اس وقت عامل نہیں بنایا جاتا جب ای کے بعد ضمیر ہو جس طرح کہا جاتا ہے بَلَوْنَاكُمْ لِأَنْظُرَ ایتکم اَطْوَعُ (1)۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت مروی ہے کہ اس کا معنی ہے کون از روئے عمل کے سب سے اچھا ہے، کون سمجھ بوجھ میں سب سے اچھا ہے، کون اللہ تعالیٰ کی محارم کے بارے میں احتیاط کرنے والا ہے، کون اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں سب سے تیز ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان لیلو کم یہ خلق الموت والحیوة کے متعلق ہے۔ مطلب یہ ہے کہ موت اور زندگی کے پیدا کرنے میں حکمت یہ ہے کہ مطیع نافرمان سے نمایاں ہو جائے کیونکہ زندگی پر ہی تکلیف کا دار و مدار ہے اور اسی سے قدرت ممکنہ حاصل ہوتی ہے موت ایک نصیحت ہے جس سے ذہین آدمی نصیحت حاصل کرتا ہے اور آخرت کے لئے زاد راہ کے حصول میں فرصت کے لمحات کو غنیمت جانتا ہے۔ احوال یعنی موت اور زندگی کا بدلنا یہ اللہ تعالیٰ جو صانع حکیم اور مختار ہے کے وجود پر دلیل ہے۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع روایت مروی ہے موت بہترین واعظ ہے اور یقین بہترین غنا ہے (2)۔ اسے طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ربیع بن انس رضی اللہ عنہ سے مرسل روایت نقل کی ہے کہ موت دنیا سے بے رغبت کرنے اور آخرت کی رغبت دلانے کے لئے کافی ہے۔ (3)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے سات چیزیں جن کا تم سامنا کرنے والے ہو ان سے پہلے عمل کر لو ایسے فقر سے جو ہر چیز کو بھلا دے، ایسی دولت سے جو سرکش بنا دے، ایسی مرض سے جو ہر چیز کو فاسد کر دے، ایسا بڑھاپا جو بے علم بنا دے، ایسی موت جو دنیا چھڑا دے، دجال یہ ایسا شر ہے جس کا پہلے بھی انتظار کیا جاتا رہا اور قیامت جو بہت ہی بڑی مصیبت ہے۔ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا (4)۔ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے روایت کیا اور صحیح کہا۔ امام احمد اور امام مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے انہیں سے مرفوع روایت نقل کی کہ چھ واقعات کے ظہور پذیر ہونے سے پہلے اچھے اعمال کر لو، مغرب کی جانب سے سورج طلوع ہونے سے پہلے، دھواں ظاہر ہونے سے پہلے، دابة الارض کے نکلنے سے پہلے، دجال کے ظاہر ہونے سے پہلے، تمہاری موت آنے سے پہلے، امر عام یعنی قیامت سے پہلے (5)۔ خوبصورت سے مراد موت ہے اور امر عام سے مراد قیامت ہے۔ بیہمی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حضرت ابی امامہ رضی اللہ عنہ سے اسی طرح کی حدیث مروی ہے۔

۱۔ جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے اس سے انتقام لینے میں وہ غالب ہے اور جس کو چاہے اسے بخش بھی دیتا ہے۔

1- تفسیر بغوی زیر آیت ہذا۔ 3- مجمع الزوائد، جلد 10 صفحہ 554 (الفکر) 3- شعب الایمان، جلد 7، صفحہ 353 (العلمیہ) 4- جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 54 (وزارت تعلیم) 5- صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 406 (قدیمی)

الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ طِبَاقًا ۗ مَا تَرَىٰ فِي خَلْقِ الرَّحْمَنِ مِن تَفَوُّتٍ ۗ
فَأَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسُورَاتُ الْأَكْمَامِ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لِيَذَّبَنَّهُ
بِالْمَاءِ فَصَالِحٌ ۗ وَإِن تُرَىٰ فِي السَّمَاءِ سَاقِبَاتٌ مِنَ السَّمَاءِ يُمْرَسْنَ فِيهَا
السَّمَكُ ۗ وَإِن تَرَ فِي الْغَمَامِ قَلْبًا مِّنَ الْإِبْرَاهِيمَ ۗ وَإِن تَرَ فِي السَّمَاءِ
سَاقِبَاتٌ مِنَ السَّمَاءِ يُمْرَسْنَ فِيهَا السَّمَكُ ۗ وَإِن تَرَ فِي الْغَمَامِ قَلْبًا مِّنَ
الْإِبْرَاهِيمَ ۗ وَإِن تَرَ فِي السَّمَاءِ سَاقِبَاتٌ مِنَ السَّمَاءِ يُمْرَسْنَ فِيهَا
السَّمَكُ ۗ وَإِن تَرَ فِي الْغَمَامِ قَلْبًا مِّنَ الْإِبْرَاهِيمَ ۗ

”جس نے بنائے ہیں سات آسمان اوپر نیچے لے تمہیں نظر نہیں آئے گا (خداوند) رحمن کی آفرینش میں کوئی خلل ہے۔
ذرا پھر نگاہ اٹھا کر دیکھو کیا تجھے کوئی رخند دکھائی دیتا ہے۔“

۱۔ اسم موصول یہ ہو ضمیر کی دوسری خبر ہے یا یہ سابقہ اسم موصول سے بدل ہے۔ طباق اسم جامد ہے اور اس سے پہلے ذاکاللفظ
مضاف محذوف ہے۔ یہ طبق کی جمع ہے جس طرح جبل کی جمع حبال آتی ہے۔ یا یہ طبقہ کی جمع ہے جیسے رحبہ کی جمع رحاب آتی
ہے۔ یا یہ فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی طبقہ طبقہ طباقاً یہ طباق النعل سے مشتق ہے۔ یہ سبع کی صفت ہے
یا اس سے حال ہے۔ ہم نے سورہ بقرہ میں وہ روایات ذکر کی تھیں جو آسمانوں اور ان کی دوری کے بارے میں وارد ہوئی تھیں۔

۲۔ خطاب حضور ﷺ کو ہے یا ہر مخاطب کو ہے۔ اس میں ما نافیہ ہے یا ما استفہامیہ ہے جو تری کا مفعول ہے اور انکار کا معنی دیتا
ہے۔ خلق الرحمن میں اضافت عہدی ہے اور اس سے مراد وہی سات آسمان ہیں جن کا ذکر ہو چکا۔ لفظ رحمن کی طرف اضافت
تعظیم کے لئے ہے۔ یہ جائز نہیں کہ اضافت جنس کے لئے ہو کیونکہ مخلوقات کی جنس میں واضح تفاوت ہے جو کسی پر بھی مخفی نہیں۔ ہاں اگر
یہ کہا جائے کہ یہاں تفاوت سے مراد ایسی چیز کا فوت ہونا ہے جو اس میں پائی جانی چاہئے اور تفاوت کا معنی عدم تناسب ہے۔ تو عبارت
کا مقتضی یہ ہوگا کہ یہ جس خوبصورت نظام پر اب موجود ہیں اس سے زیادہ خوبصورت نظام میں ممکن نہ تھا۔

من تفوت میں من زائدہ ہے یا بعضیہ ہے جب ما کو نافیہ مانا جائے۔ من بیانیہ ہوگا جب اسے استفہامیہ مانا جائے۔ یہ جملہ سبع
کی صفت ہے یا خلق کے فاعل سے حال ہے یا اس کے مفعول سے حال ہے۔ خلق الرحمن میں اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کو رکھا ہے۔
مقصود یہ وضاحت کرنا ہے کہ اس میں کسی قسم کی کجی اس لئے نہیں پائی جاتی کیونکہ یہ اس ذات کی طرف منسوب ہے جو نقص سے پاک
اور رحمت کی صفت کے ساتھ متصف ہے۔ یا یہ کیف خلقت کے جواب میں جملہ استاqqہ ہے۔ حمزہ اور کسائی رحبہما اللہ تعالیٰ نے
اسے باب تفعیل سے من تفوت پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے باب تفاعل سے پڑھا ہے۔ دونوں کا معنی ایک ہے جس طرح تعہد اور
تعاهد کا معنی ایک ہوتا ہے۔ یہ فوت سے مشتق ہے کیونکہ دو چیزیں جو آپس میں متفاوت ہوتی ہیں ان میں سے ایک میں دوسری چیز کی
نسبت کوئی چیز فوت ہوتی ہے، یعنی اس میں کوئی کجی اور نقصان نہیں جس طرح تم انسانوں کی بنائی ہوئی چیزوں میں دیکھتے ہو۔
۳۔ یہ محذوف شرط کا جواب ہے۔ معنی یہ ہوگا اگر تو یہ گمان کرے کہ بار بار نظر کرنے سے فرق ظاہر ہو سکتا ہے تو نظر کو بار بار بار لونا قطور کا
معنی شقوق ہے۔ یہ فطرہ سے مشتق ہے۔ یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب وہ کسی چیز کو پھاڑ دے۔ اس میں من زائدہ ہے یا بعضیہ
ہے اور استفہام معنی کو ذہن میں راسخ کرنے کے لئے ہے۔

لَهُمَّ اَنْزِلْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسُورَاتُ الْأَكْمَامِ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لِيَذَّبَنَّهُ
بِالْمَاءِ فَصَالِحٌ ۗ وَإِن تُرَىٰ فِي السَّمَاءِ سَاقِبَاتٌ مِنَ السَّمَاءِ يُمْرَسْنَ فِيهَا
السَّمَكُ ۗ وَإِن تَرَ فِي الْغَمَامِ قَلْبًا مِّنَ الْإِبْرَاهِيمَ ۗ وَإِن تَرَ فِي السَّمَاءِ
سَاقِبَاتٌ مِنَ السَّمَاءِ يُمْرَسْنَ فِيهَا السَّمَكُ ۗ وَإِن تَرَ فِي الْغَمَامِ قَلْبًا مِّنَ
الْإِبْرَاهِيمَ ۗ

”پھر بار بار نگاہ ڈالو آسمان سے تیری طرف (تیری) نگاہ ناکام ہو کر در آں حالیکہ وہ تھکی ماندی ہوگی لے۔“

۱۔ اس کا عطف فارغ ہے۔ یہاں تشبیہ کا لفظ کثرت بیان کرنے کے لئے ہے، یعنی یکے بعد دیگرے جس طرح لیک میں ہے
بنقلب جواب امر کی وجہ سے مجزوم ہے۔ خاصناً کا معنی اپنے مقصد کو پانے سے بہت دور جبکہ اس میں ذلت اور حقارت بھی موجود ہو۔

حسیب کا معنی تھکی ہوئی کیونکہ اس نے بار بار نظر کی ہے۔ یہ بقلب کے فاعل سے حال کے بعد حال ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضرت کعب سے روایت کیا گیا ہے آسمان دنیا ایک بند مویج ہے جبکہ دوسرا آسمان سفید مویج ہے، تیسرا لوہے کا ہے، چوتھا تانبے کا ہے، پانچواں چاندی کا ہے، چھٹا سونے کا ہے اور ساتواں سرخ یا قوت کا ہے، ساتویں آسمان سے لے کر سات بجایوں تک نور کے صحراء ہیں۔

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحٍ وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا لِلشَّيْطَانِ وَأَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيرِ ①

”اور بے شک ہم نے قرہبی آسمان کو چراغوں سے آراستہ کر دیا ہے۔ اور بنا دیا ہے انہیں شیاطین کو مار بھگانے کا ذریعہ اور ہم نے تیار کر رکھا ہے ان کے لئے دہکتی آگ کا عذاب۔“

۱۔ آسمان دنیا یعنی سب سے نیچے والا آسمان جو زمین کے سب سے زیادہ قریب ہے۔ مصابیح سے مراد ستارے ہیں کیونکہ ستارے بھی تاریکیوں کے چراغ ہیں جن کے ذریعے راستوں کو تلاش کیا جاتا ہے۔ آیت کا ظاہر اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ تمام ستارے دنیا والے آسمان میں مرکوز ہیں۔ فلاسفہ نے جو ٹکمان کیا ہے اس پر کوئی دلیل نہیں۔ ان کی (ستاروں کی) حرکات کے متعدد ہونے پر افلاک کے متعدد ہونے کا استدلال کرنا یہ اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک آسمانوں پر خرق و التیام (۱) کا امتناع ثابت نہ ہو جبکہ یہ عقلاً جائز ہے اور شرعاً واجب ہے۔

۲۔ ہم نے ان ستاروں کو شیاطین کے لئے رجم بنا دیا ہے جو چوری چھپے آسمان والوں کی باتیں سننے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ ستارے اپنی جگہ سے زائل نہیں ہوتے بلکہ ان سے آگ کے شعلے الگ ہوتے ہیں اور آخرت میں ان کے لئے دہکتی آگ تیار کر رکھی ہے۔ جب سابقہ کلام شیاطین کے ذکر کو اپنے ضمن میں لئے ہوئے تھی اس کے پیچھے کفار کا ذکر کیا کیونکہ شیاطین کفار کی جماعت میں سے ہیں اور کفار شیاطین کے بھائی ہیں تو فرمایا:

وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَ الْمَصِيرُ ① إِذَا النُّفُوفُ فِيهَا سَمِعُوا الْهَاسِلَ يَهَيِّقًا
هِيَ تَفُورًا ② تَكَادُ تَمَيِّزُ مِنَ الْغَيْظِ ۖ كُلَّمَا أُلْقِيَ فِيهَا فَوْجٌ سَأَلَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَذِيرٌ ③

”اور جنہوں نے انکار کیا اپنے رب کا ان کے لئے عذاب جہنم ہے اور جہنم بڑی بری لوٹنے کی جگہ ہے۔ جب وہ اس میں جھونکے جائیں گے تو اس کی زوردار گرج سنیں گے اور وہ جوش ماری رہی ہوگی۔“ (ایسا معلوم ہوتا ہے) گویا مارے غضب کے پھٹنا چاہتی ہے جب بھی اس میں کوئی جھٹھا جھونکا جائے گا تو ان سے دوزخ کے محافظ پوچھیں گے کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا۔“

۱۔ جب کفار کو جہنم میں ڈالا جائے گا تو وہ اس سے گدھے کی سی آواز سنیں گے جو آگ سے نکل رہی ہوگی یا ان سے نکل رہی ہوگی جو ان سے پہلے جہنم میں داخل ہوئے یا ان جنہیوں سے نکل رہی ہوگی شہیقاً ذوالحال ہے اور لہا اس سے حال ہے ذوالحال کیونکہ نکرہ ہے اس لئے حال کو ذوالحال پر مقدم کیا ہے۔

(۱) یہ ثابت نہ کر دیا جائے کہ آسمان نہ پھٹے گا اور نہ جزے گا بلکہ اس کا پھٹنا اور جزنا متنع ہے۔ مترجم

جہنم اس طرح جوش مار رہی ہوگی جس طرح بندا جوش مارتی ہے۔ ہرمتہ نادرمتہ اللہ علیہ نے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے جہنم ان جہنمیوں کے ساتھ یوں جوش مار رہی ہوگی جس طرح زیادہ پانی تھوڑے دانوں کے ساتھ جوش مارے گا (1) یہ کلام بطور مجاز ہے۔

۲۔ قریب ہے کہ جہنم غصے سے پھٹ جائے جس غیظ تمیز کے متعلق ہے۔ یہ جملہ نفور کے فاعل سے حال ہے اور ہی نفور لہا کی ضمیر سے حال ہے۔ اس غیظ سے مراد اللہ تعالیٰ کا غیظ ہے یا عذاب کے فرشتوں کا غیظ ہے یا جہنم کی آگ کا اللہ تعالیٰ کے دشمنوں پر غیظ ہے۔ غیظ کی آگ کی طرف نسبت یا تو مجازی ہے اور اس میں استعارہ جاری ہوگا یا یہ نسبت حقیقی ہوگی مگر اس وقت جب آگ کے لئے شعور کو ثابت کیا جائے جس طرح ہم نے جمادات میں شعور کو ثابت کیا ہے۔

۳۔ جب بھی جہنم میں کافروں کی جماعت پھینکی جائے گی تو جہنم کے داروغے انہیں شرمندہ کرنے کے لئے پوچھیں گے کیا تمہارے پاس ڈرانے والا نہیں آیا جو تمہیں آگ کے عذاب سے بچائے یہ جملہ مستانفہ ہے اور مقدر سوال کا جواب ہے مَا يُقَالُ لَهُمْ جِئِن يُلْقَوْنَ اور کلمہ ظرف ہے جو سالہم کے متعلق ہے یہاں استفہام تقریر کے لئے ہے۔

قَالُوا بَلَىٰ قَدْ جَاءَنَا نَذِيرٌ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللَّهُ مِن شَيْءٍ ۗ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ كَبِيرٍ ۝

”وہ کہیں گے کیوں نہیں بے شک ہمارے پاس ڈرانے والا آیا تھا پس ہم نے اس کو جھٹلایا اور ہم نے اس کو (صاف

صاف) کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے تو کوئی چیز نہیں اتاری تم لوگ کھلی گمراہی میں مبتلا ہو رہے۔“

۱۔ یہ حال مستقبل کی حکایت ہے، یعنی جب ان سے پوچھا جائے گا تو وہ کہیں گے یہ جملہ مستانفہ ہے۔ گویا یہ بھی ایک مقدر سوال کا جواب ہے مَا يُقَالُونَ جِئِن يُسْأَلُونَ كَذَلِكَ۔

بلی یہ قالوا کا مفعول ہے۔ نذیر یہ فعل کا وزن ہے صفت کا معنی دیتا ہے اور جمع کے معنی میں ہے یا یہ مصدر ہے اور اس کا مضاف مقدر ہے ہے جو اہل ہے یا یہ مصدر ہے اور مبالغہ کے لئے اس کے ساتھ صفت لگائی گئی ہے یا یہ صفت کا صیغہ ہے اور واحد کے معنی میں ہے۔ پھر آیت کا معنی یہ بنے گا ہم میں سے ہر ایک کی طرف ایک ڈرانے والا آیا۔ یہ جملہ بلی کے معنی کی ہی وضاحت کرتا ہے۔ ہم نے نذیر کی تکذیب کی اور جھٹلانے میں زیادتی کی یہاں تک کہ یہ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ بھی نازل نہیں کیا، یعنی وحی نازل کرنے اور رسول بھیجنے کی مطلقاً نفی کر دی۔

ان انتم..... کبیر ظاہر سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ کفار کا کلام ہے جنہوں نے رسولوں کی تکذیب میں مبالغہ کیا اور انہیں بڑی گمراہی کی طرف منسوب کیا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ مقولہ ہو اور جہنم کے داروغوں نے کفار سے جو کلام کی اس کی حکایت ہو نذیر اگر واحد کے معنی میں ہو تو خطاب اسی کو ہوگا اور اس کے مثل پر اسے غلبہ دیا گیا ہوگا یا ایک رسول کے جھٹلانے کو تمام رسولوں کے جھٹلانے کے قائم مقام رکھا گیا ہے۔

وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ ۝

”وہ کہیں گے کاش ہم (ان کی نصیحت کو) سنتے اور سمجھتے تو (آج) ہم دوزخیوں میں نہ ہوتے۔“

۱۔ اس کا عطف قالوا پر ہے۔ نسمع کا مفعول بہ کلام النذیر ہے، یعنی انہوں نے کہا کاش ہم انبیاء کا کلام عناد کے بغیر قبول

کرنے کے لئے سنتے اور جو چیز دلائل سمعیہ سے ثابت ہوتی اس پر ایمان لاتے یا ہم آیات اور دلائل قطعیہ میں غور و فکر کرتے جو اللہ تعالیٰ، رسول اللہ اور ان کے لئے ہوئے پیغام پر ایمان کو واجب کرتے ہیں۔ یہاں دلیل نقلی کو دلیل عقلی پر مقدم کیا ہے کیونکہ دلائل نقلیہ دلائل عقلیہ کی نسبت اتباع کرنے اور حق تک پہنچنے میں زیادہ مدد و معاون ہیں۔ آیت اس چیز پر دلالت کرتی ہے کہ عقل سلیم وحی کے مطابق ہوتی ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ او کا کلمہ واؤ کے معنی میں ہو۔ پھر معنی یہ ہوگا کاش ہم انبیاء کے کلام کو سنتے اور اس کے معنی کو سمجھتے اور اس میں صاحب بصیرت لوگوں کی طرح غور و فکر کرتے تو ہم جہنمی نہ ہوتے۔

فَاعْتَرَفُوا بِذَنبِهِمْ فَسُحِقًا لَّصَحْبِ السَّعِيرِ ⑩

”پس (اس روز) اپنے گناہوں کا اعتراف کریں گے تو پھٹکار ہو اہل جہنم پر لے۔“

لے اس کا عطف قالوا پر ہے اور یہ عطف تفسیری ہے۔ انہوں نے اس وقت گناہ کا اعتراف کیا جب اعتراف انہیں کوئی فائدہ نہیں دیتا۔ اعتراف کا معنی معرفت کا اقرار کرنا ہے۔ یہاں ذنب کا معنی کفر ہے۔ اس کی جمع ذکر نہیں کی گئی کیونکہ یہ اصل میں مصدر ہے۔ فسحقا مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی فَاذْهَبْهُمْ اللَّهُ سُحِقًا یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی رحمت سے دور کر دیا کلام کو مختصر کرنے اور مبالغہ کے اظہار کے لئے فعل کو حذف کیا گیا۔ کسائی رحمۃ اللہ علیہ نے حاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اے حاء کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں جس طرح رعب میں دونوں لغتیں استعمال ہوتی ہیں۔ یہ دعائیہ جملہ معترضہ ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ⑪

”بے شک جو لوگ اپنے رب سے بن دیکھے ڈرتے ہیں ان کے لئے (اللہ کی) مغفرت اور اجر عظیم ہے لے۔“

لے ربہم سے پہلے عذاب کا لفظ محذوف ہے اور بالغیب اس سے حال ہے۔ وہ اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے ہیں جو عذاب ان سے غائب ہے جسے انہوں نے ابھی تک نہیں دیکھا یا یہ واؤ ضمیر سے حال ہے۔ معنی یہ ہوگا وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے ہیں اس حال میں کہ وہ عذاب سے غائب ہیں یا وہ جب لوگوں کی آنکھوں سے غائب ہوں وہ منافقین کی طرح نہیں۔ یا جار مجرور فعل کے متعلق ہے کہ وہ اپنے دلوں سے ڈرتے ہیں ان کے لئے ان کے رب کی طرف سے گناہوں کی بخشش ہے اور بہت بڑا اجر ہے۔ ہر وہ چیز جو لذت کا باعث ہے وہ اس کے مقابلہ میں حقیر ہے۔ یہ جملہ معترضہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کفار کی وعید کے مقابلہ میں مومنین کے ساتھ وعدہ کا ذکر کیا ہے۔ ان کا تعارف اللہ سے ڈرنے والے کے الفاظ کے ساتھ کر دیا گیا ہے مقصود یہ شعور دلانا ہے کہ ایمان کا مطلوب یہی چیز ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اَسْ أَلْحِكْمَةِ مَخَافَتُهُ (۱) اللہ تعالیٰ سے ڈرنا دانشمندی کا کمال ہے۔ اسے حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ مشرک رسول اللہ ﷺ کے بارے میں نازیبا باتیں کرتے تو جبرئیل امین حضور ﷺ کو آگاہ کر دیتے تو انہوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا آہستہ بات کرو، کہیں حضرت محمد ﷺ کا اللہ سن ہی نہ لے تو یہ آیت نازل ہوئی۔

وَأَسِرُّوا قَوْلَكُمْ أَوِ اجْهَرُوا بِهِ ۗ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ⑫

”تم اپنی بات آہستہ کہو یا بلند آواز سے (اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا) بے شک وہ خوب جاننے والا ہے جو کچھ سینوں میں ہے۔“

۱۔ اسروا امر کا صیغہ ہے اور انشاء ہے مگر معنی خبر کا دے رہا ہے، یعنی دونوں اللہ تعالیٰ کے علم میں برابر ہیں۔ یہ غائب کے صیغہ سے مخاطب کے صیغہ کی طرف التفات ہے۔ اس میں تہدید ہے کیونکہ وہ دلوں کے بھید اس وقت سے جاننے والا ہے جبکہ ان نے ابھی خفیہ یا بلند آواز سے ظاہر نہ کیا ہو۔ انہ علیہم۔ الخ اس تہدید کی تعلیل ہے۔

الَّا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ۖ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ﴿۱۰﴾

” (نادانوں) کیا وہ نہیں جانتا (بندوں کے احوال کو) جس نے (انہیں) پیدا کیا وہ بڑا باریک بین ہر چیز سے باخبر ہے۔“

۱۔ وہ ذات پاک جس نے سینوں کو سینوں میں موجود رازوں کو اور ہر شے کو پیدا کیا کیا وہ سراور جبر کو نہیں جانتا۔ یا اس کا معنی یہ ہے کیا اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات کو نہیں جانتا۔ اس میں استفہام انکاری ہے۔ نفی کا انکار علم کا اثبات ہوتا ہے۔ اس لئے یہ سابقہ کلام کی تاکید ہے۔ اللہ تعالیٰ لطیف وخبیر ہے کیونکہ اس کا علم ظاہر اور باطن تک پہنچنے والا ہے۔ یہ خلق کے فاعل سے حال ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کی جہالت پر متنبہ کیا اور اپنی ان حسین صنعتوں کو ذکر کیا جو اس کے علم اور قدرت کی وسعت پر دلالت کرتی ہیں اور لوگوں کی صفت کی قباحت پر دلالت کرتی ہیں کیونکہ انہوں نے انعام کے مقابلہ میں کفر کیا جو شکر کا تقاضا کرنے والی ہیں۔

هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذُلُولًا فَامشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِن رِّزْقِهِ ۗ وَإِلَيْهِ النُّشُورُ ﴿۱۱﴾

”وہی تو ہے جس نے نرم کر دیا ہے تمہارے لئے زمین کو پس (اطمینان سے) چلو اس کے راستوں پر۔ اور کھاؤ اس کے (دیئے ہوئے) رزق سے اور اسی کی طرف تم کو (قبروں سے) اٹھ کر جانا ہے۔“

۱۔ ذلولاً کا معنی نرم اور مطیع ہے اس زمین میں چلنا مشکل نہیں جس طرح مطیع اونٹنی پر سواری کرنا مشکل نہیں ہوتا۔ تم زمین کی اطراف میں چلو۔ اسی سے منکب الرجل ہے جس کا معنی آدمی کا کندھا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا مناکب سے مراد پہاڑ ہیں۔ یہ زمین کے حد درجہ مسخر ہونے کی مثال ہے کیونکہ اونٹ کا کندھے پر سواری قدم نہیں جما سکتا اور نہ ہی کندھا اس کے لئے مسخر ہوتا ہے۔ جب زمین اتنی مسخر کر دی گئی ہے کہ اس کی اطراف میں چلنا ممکن ہے تو اس میں سے کوئی بھی حصہ ایسا باقی نہ رہا جو مسخر نہ ہو۔

۲۔ اس کی نعمتوں کو تلاش کرو۔ اس کا عطف فامشوا پر ہے۔ تمہارا لوٹنا اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر جو انعام کیا ہے اس کے بارے میں تم سے سوال کرے گا۔

عَاَصِمْتُمْ مِّن فِي السَّمَاءِ أَنْ يَخْسِفَ بِكُمْ الْأَرْضَ فَإِذَا هِيَ تَمُورًا ﴿۱۲﴾

”کیا تم بے خوف ہو گئے ہو اس سے جو آسمان میں ہے کہ وہ تمہیں زمین میں غرق کر دے اور وہ زمین تھر تھر کانپنے لگے۔“

لے قبل رحمۃ اللہ علیہ نے النشور و امنتہم پڑھا ہے، یعنی ہمزہ استفہام کو واؤ سے بدل دیا۔ یہ وصل کی صورت میں ہے۔ اگر نشور پر وقف کیا جائے تو ہمزہ کو ثابت رکھا جائے گا۔ ابن ذکوان رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں ہمزوں کو ثابت رکھا ہے جبکہ باقی قراء نے دوسرے ہمزہ کو تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ سب اپنے اپنے اصولوں پر قائم ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا من فی السماء سے مراد اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے (1)، یعنی اگر وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کریں تو کیا وہ اللہ کے عذاب سے بے خوف ہو گئے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب رات کا تیسرا حصہ باقی ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ ہر رات آسمان دنیا پر نزول اجلال فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کون مجھ سے دعا کرتا ہے کہ میں اس کی دعا قبول کروں کون مجھ سے سوال کرتا ہے کہ میں اسے عطا کروں کون مجھ سے بخشش کا طلب گار ہے کہ میں اسے بخش دوں، متفق علیہ۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے پھر وہ اپنے ہاتھ پھیلاتا ہے اور فرماتا ہے کون ہے جو اس ذات سے اعراض کرتا ہے جو کسی کو نہ معدوم رکھتی ہے اور نہ یہ ظلم کرتی ہے یہ ندر لوج طلوع ہونے کے وقت تک جاری رہتی ہے (2)۔ یہ آیت متشابہات میں سے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ آسمان میں مکان بنانے سے منزہ ہے۔ اسلاف کا مذہب اس بارے میں یہ تھا کہ وہ خاموش رہتے اور صوفیاء کا قول اللہ تعالیٰ کے فرمان یَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِنَ الْعُتَمَاءِ کی ترجمہ میں گزر چکا ہے۔ متاخرین نے اس کی کئی تاویلیں کی ہیں کہ من فی السماء سے مراد اللہ تعالیٰ کا امر اور اس کی قضاء ہو۔ یا یہ کلام عربوں کے مکان کے مطابق کی گئی یا آسمان سے مراد رتبہ کے اعتبار سے بلندی ہے مکان کے اعتبار سے بلندی نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا من فی السماء سے مراد فرشتے ہیں جو امور کی تدبیر پر معین ہیں جن کی حیثیت زمین کو دھنسانے اور ان پر پتھر برسانے میں آگ کی ہے۔

وہ تمہیں زمین میں دھنسا دے جس طرح اس نے قارون کے ساتھ سلوک کیا۔ یا یہ من سے بدل اشمال ہے۔ جبکہ وہ تھر تھرا رہی ہو گی اس جملے کا عطف بحسب پر ہے۔ اذا مفا جاتیہ ہے جو مابعد جملہ کی طرف مضاف ہے۔

أَمْرًا مِّنْكُمْ مَّن فِي السَّمَاءِ أَنْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ۖ فَسَتَعْلَمُونَ كَيْفَ نَذِيرٍ ۝

”کیا تم بے خوف ہو گئے ہو اس سے جو آسمان میں ہے کہ وہ بھیج دے تم پر پتھر برسانے والی ہوا جب تمہیں پتہ چلے گا کہ

میرا ڈرانا کیسا ہوتا ہے۔“

ام منقطع ہے جوہل کے معنی میں ہے اور استفہام انکار کا معنی دے رہا ہے۔ حاصبا ایسی ہوا جس میں پتھر ہوں جس طرح حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب نازل ہوا۔ فستعلمون کا عطف سابقہ جملہ کے مضمون پر ہے، یعنی تم جان لو گے کہ میرا ڈرانا کیسا ہے، یعنی میرا عذاب کیسا ہے مگر تمہارا اس وقت جاننا تمہیں کوئی نفع نہ دے گا۔ ورس نے اسے نذیری پڑھا ہے۔ اسی طرح اس نے نکبوری پڑھا ہے۔ وصل کی صورت میں یاء کو آخر میں ثابت رکھا ہے اور وقف کی صورت میں دونوں جگہ کو یاء کو حذف کیا ہے جبکہ باقی قراء نے دونوں میں یاء کو حذف کیا ہے۔

وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرٍ ۝

”اور جو لوگ ان سے پہلے گزرے انہوں نے بھی جھٹلایا (خود دیکھ لو) کہ (ان پر) میرا عذاب کتنا سخت تھا۔“

یہ کلام محذوف قسم کا جواب ہے۔ ان پر عذاب نازل کر کے میرا انکار کرنا کیسا ہوگا۔ ان آیات میں حضور ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے اور کفار کے لئے دھمکی ہے۔ یہاں استفہام تعجب اور تقریر کے لئے ہے۔ جملہ استفہامیہ جملہ خبریہ کی تاویل میں ہو کر کذب پر معطوف ہے۔ اس جملہ میں خطاب سے غائب کے صیغہ کی طرف التفات ہے۔

أَوْلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صَفْتٍ وَيَقْبِضْنَ مَا يُسْكِنْنَ إِلَّا الرَّحْمَنُ إِنَّهُ
بِكُلِّ شَيْءٍ بَصِيرٌ ۝

”کیا انہوں نے پرندوں کو اپنے اوپر (اڑتے) کبھی نہیں دیکھا پر پھیلائے ہوئے اور کبھی پر سمیٹ بھی لیتے ہیں نہیں روکے ہوئے انہیں کوئی (فضا میں) بجز رحمن کے بے شک وہ ہر چیز کو خوب دیکھنے والا ہے۔“

۱۔ ہمزہ استفہام کے لئے ہے اور واو عاطفہ ہے۔ معطوف علیہ محذوف ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی: أَلَمْ يَنْظُرُوا مَا خَلَقْنَا مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَغَيْرِهَا وَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ یہ ظرف ہے اس کا تعلق صفات کے ساتھ ہے۔ یہ الطیر سے حال ہے۔ اس روایت سے مراد آنکھ سے دیکھنا ہے کیونکہ یہ ”بالی“ کے ساتھ متعدی ہے، یعنی وہ اڑنے کے وقت فضا میں اپنے پروں کو پھیلائے ہوئے ہیں کیونکہ جب وہ پروں کو پھیلاتے ہیں تو اپنے تو اوم (وہ پر جو لہے ہوتے ہیں) صف در صف کر دیتے ہیں اور اپنے پہلو میں اپنے پر سمیٹ لیتے ہیں۔ یقبضن کا عطف صفات پر ہے۔ اسم فاعل سے فعل کی طرف اس لئے عدول (پھرنا) کیا گیا ہے تاکہ حدوث اور تجدد پر دلالت ہو کیونکہ اڑنے میں اصل تو پروں کو پھیلانا ہے اور پروں کا سینٹا اور پہلوؤں کے ساتھ مارنا وقفہ وقفہ سے ہوتا ہے تاکہ حرکت کرنے کے لئے ان سے مدد لے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یقبضن کا عطف یسطن پر ہو۔ تقدیر کلام یہ ہوگی يَسْطُن تَارَةً وَيَقْبِضْنَ أُخْرَى۔

قاعدہ طبعیہ کے خلاف فضا میں انہیں اللہ تعالیٰ ہی روکے ہوئے ہے۔ یہ جملہ صفات کے فاعل سے حال ہے۔ اللہ تعالیٰ کیونکہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے اس لئے خوب جانتا ہے کہ غراب کو کس طرح تخلیق کرنا ہے اور جانبات میں کس طرح تدبیر کرنی ہے۔

أَمَّنْ هَذَا الَّذِي هُوَ جُنْدٌ لَكُمْ يَنْصَرُّكُمْ مِّنْ دُونِ الرَّحْمَنِ إِنِ الْكَافِرُونَ إِلَّا فِى
عُرْوٍ مَّيْمَانٍ ۝

”(اے منکرو) کیا تمہارے پاس کوئی ایسا لشکر ہے جو تمہاری مدد کرے (خداوند) رحمن کے علاوہ بے شک منکرین دھوکہ

میں مبتلا ہیں۔“

۱۔ ام متصل ہے اور اس کا مقابل اولم یروا ہے۔ معنی یہ ہوگا کیا وہ اس قسم کی صنعتوں میں غور نہیں کرتے اور ہماری اس قدرت کو نہیں جانتے کہ ہم انہیں زمین میں دھنسانے اور پتھر برسنانے پر قادر ہیں یا تمہارے پاس لشکر ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے مقابلہ میں تمہاری مدد کریں گے اور تم سے عذاب دور کر دیں گے۔ اگر وہ تم پر اپنا عذاب بھیج دے۔ ایک قول یہ کیا گیا ام ابتداء ہے نہ یہ متصل ہے اور نہ ہی یہ منقطع ہے اور ہمزہ اور هل کے معنی میں ہے۔ یہ اس لئے ذکر کیا تا کہ استفہام کا تکرار نہ ہو من استفہامیہ مبتدأ ہے اور ہذا اس کی خبر ہے۔ اسم موصول اپنے صلہ کے ساتھ مل کر اس کی (خبر کی) صفت ہے۔ یا اس سے بدل ہے بنصر کم جند کی صفت ہے اور بنصر کو مفرد ذکر کیا کیونکہ جند کے لفظ کا اعتبار کیا گیا ہے۔

یہاں اسم اشارہ اور اسم موصول دونوں ذکر کئے گئے ہیں جب کہ ایک کے ترک کرنے کے ساتھ وہی معنی سمجھا جا سکتا ہے جیسے اَمَّنْ هُوَ جُنْدٌ لَكُمْ۔ اس طرح کلام لانے کی حکمت یہ ہے کہ جب مبہم کے بعد مفصل کلام لائی جائے تو دل میں بہت بڑا اثر ہوتا ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ هذا مبتداء ہو اور اسم موصول صلہ کے ساتھ مل کر اس کی خبر ہے اور جملہ یقال کا مفعول ہو۔ تقدیر کلام یہ ہوگی اَمَّنْ يُقَالُ هَذَا الَّذِي هُوَ جُنْدٌ لَكُمْ اس آیت میں اور بعد والی آیت میں هذا کے منار الیہ سے مراد بت ہیں جنہیں وہ اپنا معبود خیال کرتے ہیں، یعنی وہ بت جن کے بارے میں یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ مدد کریں گے یا رزق دیں گے یا اس سے مراد ان کے مددگار ہیں جو ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ کافر شیطان کی وجہ سے دھوکے میں مبتلا ہیں کیونکہ وہی انہیں دھوکے میں مبتلا کرتا ہے کہ عذاب ان پر نازل نہیں ہوگا جب کہ ان کے پاس ایسی کوئی دلیل بھی نہیں ہوتی جس پر وہ انحصار کر سکیں۔ اس میں غائب کے صیغہ سے خطاب کے صیغہ کی طرف التفات ہے۔

اَمَّنْ هَذَا الَّذِي يَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهُ بَلْ لَجُّوا فِي عُتُوٍّ وَّنُفُوْرٍ ۝۱۱

”کیا کوئی ایسی ہستی ہے جو تمہیں رزق پہنچا سکے اگر اللہ تعالیٰ اپنا رزق بند کر لے لیکن یہ لوگ سرکشی اور حق سے نفرت میں بہت دور نکل گئے ہیں۔“

۱۔ یعنی بارش اور وہ اسباب جو رزق عطا کرنے والے ہیں اور تم تک پہنچانے والے ہیں انہیں روک کر تمہیں رزق سے محروم کر دے یا ان چیزوں کا اثر زائل کر دے۔ اس میں بھی وہی گفتگو ہوئی جو اس سے قبل کلام میں گفتگو ہوئی۔ یہ کفار لوگوں کو گمراہ کرنے اور حق سے دور ہونے میں بہت آگے نکل گئے ہیں کیونکہ ان میں جہالت حد درجہ کی موجود ہے اور ان کی طبیعتیں حق سے بہت ہی زیادہ متنفر ہیں۔

اَفَسَنْ يَّسِئُ مِكْبًا عَلٰی وَّجْهِهٖ اَهْدٰى اَمَّنْ يَّسِئُ سَوِيًّا عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝۱۲

”کیا وہ شخص جو منہ کے بل گرنا پڑتا چلا جا رہا ہے وہ راہ راست پر ہے یا جو سیدھا ہو کر صراط مستقیم پر گامزن ہے۔“

۱۔ اس میں ہمزہ استفہام تقریر کا معنی دیتا ہے، یعنی مخاطب کو برا بیخفتہ کرتا ہے کہ وہ حق بات کو تسلیم کرے۔ اس میں من موصولہ مبتداء ہے۔ اهدی اس کی خبر ہے۔ مکبا، یمشی کے فاعل سے حال ہے۔ اکباب یہ کب سے نکلا ہے جس طرح یہ جملہ بولا جاتا ہے کَبَيْتُهُ فَاكَبَّ۔ باب افعال کا مطاوعت سے آنا غرائب میں سے ہے جس طرح قَشَعُ اللّٰهُ السَّحَابَ فَاقْشَعُ۔ یا اس کا معنی ہوگا وہ اپنے آپ کو منہ کے بل گرانے والے ہیں۔ قاموس میں ہے کبہ یعنی اسے الٹ دیا اسے گرا دیا۔ اسی طرح اکبہ کا لفظ بھی استعمال ہوتا ہے کبیتہ فاکب میں یہ لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا اس کا معنی ہے وہ چلتا ہے اور ہر لمحہ لڑکھڑاتا ہے اور منہ کے بل گر پڑتا ہے کیونکہ راستہ پر پیچ ہے اور اس میں نشیب و فراز ہیں۔

سویا کا معنی کھڑا ہونے والا سرکشی سے اعراض کرنے والا صراط مستقیم، ہموار راستہ کو کہتے ہیں۔ من مبتداء کی خبر یہاں محذوف ہے اور معطوف علیہ میں جو خبر ذکر کی گئی اسی پر اکتفا کیا گیا ہے۔ اب یہ اقرار کرنا واجب ہے کہ جو کھڑے ہو کر صراط مستقیم پر چلتا ہے وہ زیادہ ہدایت یافتہ ہے۔ اسی طرح وہ مومن جو عقل و نقل کی راہ پر بصیرت کے ساتھ چلتا ہے اس کافر سے زیادہ ہدایت یافتہ ہے جو نہ حق بات سنتا ہے اور نہ ہی حق بات سمجھتا ہے۔

اہدی کا کلمہ اس بات کا تقاضا نہیں کرتا کہ مفضل علیہ میں ہدایت حقیقتاً موجود ہو بلکہ اس میں فرضی اور تقدیری ہدایت کافی ہے۔ قنادرہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جو دنیا میں نافرمانیوں میں منہمک رہا وہ آخرت میں منہ کے بل گرے گا جبکہ مومن قیامت کے روز سیدھا چلے گا۔ شیخین نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ کافر کو منہ کے بل کیسے جہنم کی طرف لے جایا جائے گا تو حضور ﷺ نے فرمایا کیا اللہ تعالیٰ نے اسے دنیا میں قدموں پر نہیں چلایا تھا تو وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ قیامت کے روز منہ کے بل چلائے (1)۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔ اس جملہ میں کفار پر ایک اور طعن کیا گیا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کا فرمان امن هذا الذی ہو جندلکم ینصرکم اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ”امن هذا الذی یوزقکم“ ان کے لشکروں کی طرف سے مدد اور رزق کے انکار کے لئے لائے گئے تو یہ سوال پیدا ہوا کہ پھر ہماری مدد کون کرے گا اور ہمیں کون رزق دے گا تو اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے اس ارتداد سے دیا۔

قُلْ هُوَ الَّذِي أَنْشَأَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ﴿١٧﴾

”آپ فرمائیے وہی تو ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے لئے کان، آنکھیں اور دل بنائے (لیکن) تم بہت کم شکر کیا کرتے ہو۔“

۱۔ فرمادے تمہاری مدد وہی ذات کرے گی اور تمہیں رزق بھی وہی ذات دے گی جس نے تمہیں پیدا کیا تاکہ تم اپنے رب کو پہچانو اور اس کی عبادت کرو، اسی نے تمہارے لئے کان بنائے تاکہ تم نصیحتوں کو سناؤ، آنکھیں بنائیں تاکہ تم اس کی صنعتوں کو دیکھو، تمہارے دل بنائے تاکہ تم سوچ و بچار کرو۔ جب سمع اصل میں مصدر ہے اور مصدر کی جمع نہیں آتی تو مفرد کا صیغہ ذکر کیا جبکہ بصر اور فواد کا معاملہ مختلف ہے۔ اسی طرح سمع سے جو علم حاصل ہوتا ہے اس کی ایک ہی نوع ہوتی ہے جو آواز ہے اور جو علم آنکھ اور دل سے حاصل ہوتا ہے اس کی مختلف انواع ہیں۔

قلیلا یا تو شکر کی صفت ہے یا پھر زمان کی صفت ہے۔ ما زائدہ ہے اور قلت کی تاکید کے لئے ہے۔ یعنی پہلی صورت میں قلیلا مفعول مطلق اور دوسری صورت میں مفعول فیہ ہے۔ یہاں قلت سے مطلقاً نفی مراد ہے۔

قُلْ هُوَ الَّذِي ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ وَإِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿١٧﴾

”آپ فرمائیے اسی نے تم کو پھیلا دیا ہے زمین میں اور (روزِ حشر) تم اسی کے پاس جمع کئے جاؤ گے۔“

۱۔ یہ ہو اللہ الذی انشاکم سے بدل ہے اور الیہ تحشرون یہ ذراکم کے فاعل سے حال ہے۔ یہ دونوں جملے اس طریقہ پر ہیں جس طرح یہ جملے ہیں جَاءَ زَيْدٌ وَهُوَ رَاكِبٌ۔

وَيَقُولُونَ مَتَى هَذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿١٥﴾

”(کفار ازراہ مذاق) پوچھتے ہیں کہ (بتاء) یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو۔“

۱۔ کفار قیامت کا انکار کرنے کے لئے اور اس کے واقع ہونے میں دیری ہو جانے کی وجہ سے یہ کہتے ہیں اے نبی اور مومنین اگر تم سچے

ہو تو قیامت کب برپا ہوگی اس لئے قیامت کا وقت واضح کرو۔

قُلْ إِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٦١﴾

”آپ فرمائیے (اس کا) علم تو اللہ ہی کے پاس ہے میں تو محض واضح طور پر خبردار کرنے والا ہوں۔“

۱۔ یہ جملہ مستانفہ ہے۔ مقدر سوال کا جواب ہے جو ما اقول لہم ہے، یعنی قیامت کے وقت کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، اس کے سوا کوئی بھی نہیں جانتا۔ میں تو واضح ڈرانے والا ہوں۔ ڈرانے کے لئے اتنا علم ہی کافی ہے کہ جس چیز سے ڈرایا جا رہا ہے وہ واقع ہوگی۔ ڈرانے کے لئے اس چیز کے واقع ہونے والے وقت کا علم ضروری نہیں۔ دونوں جملے معطوف اور معطوف علیہ مل کر قول کا مقولہ ہیں۔

فَلَمَّا سَأَوْا كَلِمَةً سَيِّئَةً وُجُوهُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَقِيلَ هَذَا الَّذِي كُنْتُمْ بِهْتَدَ عُنُونَ ﴿٦٢﴾

”پھر جس وقت اسے فریب آتے دیکھیں گے تو کافروں کے چہرے بڑ جائیں گے اور انہیں کہا جائے گا کہ یہ ہے جس کا تم بار بار مطالبہ کرتے ہو۔“

۱۔ ضمیر الوعد کی طرف لوٹ رہی ہے جو الموعد کے معنی میں ہے۔ اکثر مفسرین نے کہا اس سے مراد آخرت کا عذاب ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے بدر کا عذاب مراد ہے (۱)۔ زلفۃ یہ مفعول کی ضمیر سے حال ہے اور اس سے پہلے مضاف ذمذوف ہے اور لہذا ظرف ہے جس کا سینٹ کے ساتھ تعلق ہے۔ جب انہوں نے عذاب کو قریب دیکھا تو کافروں کے چہرے سیاہ ہو گئے۔ اس وقت انہیں کہا جائے گا کہ اسی عذاب کو تم طلب کر رہے تھے اور جلدی مچا رہے تھے۔ اس صورت میں یہ دعاء سے مشتق ہوگا یا یہ دعویٰ سے مشتق ہے۔ اس وقت معنی ہوگا کہ تم یہ دعویٰ کرتے تھے کہ قیامت برپا نہیں ہوگی۔

قُلْ أَسْرَأَيْتُمْ إِنْ أَهْلَكْنِي اللَّهُ وَمَنْ مَعِيَ أَوْ سَأَجْتَنِ اللَّهُ فَمَنْ يُجِيرُ الْكَافِرِينَ مِنْ عَذَابِ أَلِيمٍ ﴿٦٣﴾

”آپ فرمائیے (اے منکرو) ذرا غور تو کرو اگر اللہ تعالیٰ مجھے اور جو میرے ساتھ ہیں کو ہلاک کر دے یا ہم پر رحم فرمادے تو

کون بچائے گا کافروں کو دردناک عذاب سے۔“

۱۔ خطاب حضور ﷺ کو ہے کہ آپ مشرکین مکہ سے کہہ دو جو تمہاری ہلاکت کی آرزو کرتے ہیں۔ اہل کینہ میں یاء کو حمزہ نے سکون کے ساتھ جبکہ باقی قراء نے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ معنی میں یاء کو حمزہ، کسائی اور ابو بکر رحمہم اللہ تعالیٰ نے سکون کے ساتھ جبکہ باقی قراء نے فتح کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی اگر اللہ تعالیٰ مجھے اور میرے ساتھیوں کو موت عطا کر دے یا ہماری اموات کے وقت کو مؤخر کر کے ہمارے اوپر رحم فرمائے، اور ایتم میں استفہام تقریر کے لئے ہے اور رویت علم کے معنی میں ہے۔ معنی اس کا یہ ہوگا مجھے خبر دو۔ افعال قلوب کے بعد جملہ شرطیہ نفی اور استفہام کی طرح ہوتا ہے۔ اس لئے تعلق واجب ہے۔

فمن یجیر میں استفہام انکار کے لئے ہے۔ یہ جملہ شرط کی جزاء ہے، یعنی انہیں کوئی پناہ نہیں دے گا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ ہماری ہلاکت میں تمہارا کوئی فائدہ نہیں کہ تم ہماری ہلاکت کا مطالبہ کرنے لگو بلکہ تمہارے لئے فائدہ تو اس میں ہے کہ تم ان کی اتباع کرو جو تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچائیں۔ بتوں سے یہ تصور نہیں کیا جاسکتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے۔ اس کا معنی یہ ہے اگر اللہ تعالیٰ مجھے

اور مومنین کو ہلاک کر دے تو پھر یا تو یہ صورت ہوگی کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کو ان کے گناہ کی وجہ سے انہیں عذاب دے گا یا وہ ہم پر رحم فرمائے گا اور ہمیں بخش دے گا ہم ایمان رکھنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے ہیں کیونکہ ہم سے گناہ صادر ہوئے اور اس کا حکم ہم میں نافذ ہے۔ یہ بتاؤ تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کون پناہ دے گا جبکہ تم تو کافر ہو۔

قُلْ هُوَ الرَّحْمَنُ اِمْتَابِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا فَسْتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِي ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٢٩﴾

”فرمائیے وہ (میرا خالق) بڑا ہی مہربان ہے ہم اسی پر ایمان لائے ہیں اور اسی پر ہم نے توکل کیا ہے پس عنقریب تمہیں پتہ چل جائے گا کہ کھلی گمراہی میں کون ہے۔“

۱۔ وہ رحمن ہے یعنی جس کے وجود، قدرت اور کمال پر دلائل گزر چکے ہیں اسی کی میں عبادت کرتا ہوں اور اسی کی طرف تمہیں دعوت دیتا ہوں۔ وہ تمام نعمتوں کا مالک ہے۔ ہم اس پر ایمان لائے کیونکہ ہم اس کو جانتے ہیں۔ اس میں سابقہ جملہ ہو الرحمن کے معنی کی ہی وضاحت ہے۔ ہم اسی پر بھروسہ کرتے ہیں کیونکہ ہمیں اس پر اعتماد ہے۔ توکل کا انحصار ایمان لانے پر ہے۔ یہاں ظرف کو مقدم کیا ہے جو حصر کا فائدہ دیتا ہے جس طرح ہو الرحمن کے جملہ سے حصر حاصل ہو رہا تھا۔ یہ جملہ پہلے دونوں جملوں کے معنی کی وضاحت کرتا ہے۔ یہ آیت سابقہ دلائل کا نتیجہ ہے۔ اسی پر کافروں اور مومنوں کی حالت پر حکم مرتب ہوتا ہے اسی وجہ سے آگے فاء سیدہ کا ذکر کیا۔

کسانی رحمۃ اللہ علیہ نے فسعی علمون پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے فستعلمون پڑھا ہے۔ یہ جملہ مابعد استفہامیہ جملہ کے ساتھ معلق ہے کہ تم قیامت کے روز جان لو گے کہ کون واضح گمراہی میں ہے ہم یا تم۔ اس میں دھمکی بھی ہے اور خوف بھی دلایا گیا ہے۔ یہی چیز مابعد آیت میں بھی ہے۔

قُلْ اَسْءَلِيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَا وُكُم غَوْرًا فَمِنْ يَّاتِيْكُمْ بِسَاءٍ مَّعِيْنٍ ﴿٣٠﴾

”آپ پوچھئے اگر کسی صبح تمہارا پانی زمین کی تہہ میں اتر جائے تو تمہیں مینھا صاف پانی کون لا دے گا۔“

۱۔ غورا مصدر ہے۔ اسم فاعل کے معنی میں استعمال ہو رہا ہے، یعنی وہ پانی اتنا گہرا چلا جائے کہ وہاں تک ڈول نہ پہنچ سکیں یا یہ حقیقت میں مصدر ہے اور مبالغہ کے لئے اسی کے ساتھ صفت ذکر کی گئی۔ معین یہ عین جاریہ (جاری چشمہ) سے مشتق ہے۔ معنی ہو گا ماء جار (جاری پانی) یا عین باصداہ سے مشتق ہے، یعنی جو دکھائی دے ظاہر ہو اور اسے حاصل کرنا آسان ہو کیونکہ عقل بدیہی طور پر اس پر گواہ ہے کہ یہ بت اس طرح کرنے پر قادر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کوئی بھی اس کے کرنے پر قادر نہیں قاری کے لئے یہ کہنا مستحب ہے کہ وہ جب سورت کو ختم کرے تو اللہ رب العالمین کے الفاظ کہے۔ جلال الدین محلی نے کہا حدیث اسی طرح آئی ہے۔

فصل

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قرآن کی ایک سورت ہے جس میں تیس آیات ہیں وہ انسان کے لئے شفاعت کرتی ہے یہاں تک کہ اس بندے کو بخش دیا جاتا ہے۔ وہ سورت تَبٰرَكَ الَّذِيْ يَدْبِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (1)۔ اسے امام احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان اور حاکم رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا۔ حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے صحیح قرار دیا۔ امام

بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے: کتاب اللہ کی ایک سورت ہے۔ اس کی صرف تیس آیات ہیں۔ وہ آدمی کی سفارش کرتی ہے، قیامت کے روز جہنم سے نکالتی ہے اور اسے جنت میں داخل کر دیتی ہے۔ یہ سورۃ تبارک الذی ہے (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہی محفوظ رکھنے والی اور نجات دینے والی ہے۔ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (2)۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ اس وقت تک نہ سوتے جب تک الم تنزیل اور تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُسْلِكُ کی تلاوت نہ کرتے تھے (3)۔ اسے امام احمد، امام ترمذی اور دارمی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔ خالد بن معدان سے مروی ہے مجھے الم تنزیل کے بارے میں خبر پہنچی اور اسی طرح سورۃ تَبَارَكَ الَّذِي کے بارے میں خبر پہنچی کہ ایک آدمی ان دونوں کو پڑھتا تھا ان کے علاوہ کچھ نہیں پڑھتا تھا۔ اس کے بے شمار گناہ تھے۔ اس نے اس آدمی پر اپنے پر پھیلا لئے اور عرض کی اے میرے رب اسے بخش دے کیونکہ یہ مجھے کثرت سے پڑھا کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس بندے کے حق میں اس کی شفاعت قبول فرماتا ہے اور فرماتا ہے اس کی ہر خطا کے بدلے میں ایک نیکی لکھ لو، اس کا درجہ بلند کر دو۔ یہ بھی کہا گیا کہ یہ اپنے تلاوت کرنے والے کے حق میں قبر میں جھگڑا کرتی ہے، عرض کرتی ہے اے میرے اللہ اگر میں تیری کتاب کا حصہ ہوں تو اس کے حق میں میری سفارش قبول فرما۔ اگر میں تیری کتاب سے نہیں ہوں تو مجھے اپنی کتاب سے مٹا دے۔ وہ پرندے کی صورت بنا کر اس پر اپنے پر پھیلا لیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس قاری کے حق میں اس صورت کی شفاعت قبول کر لیتا ہے اور قبر کے عذاب سے اسے محفوظ کر دیتا ہے۔ طاؤس رحمۃ اللہ علیہ نے کہا دونوں سورتیں (الم تنزیل، تبارک الذی) دوسری سورتوں پر ساٹھ نیکیوں میں فضیلت رکھتی ہیں (4)۔ اسے دارمی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔

www.muhammadsaleem.com
www.nafseislam.com



سورۃ القلم

﴿ ایتھا ۵۲ ﴾ ﴿ سورۃ القلم مکیہ ۶۸ ﴾ ﴿ مرکوعا تھا ۲ ﴾

سورۃ القلم مکی ہے اس میں 2 رکوع اور 52 آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

ن وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ ﴿۱﴾ مَا أَنْتَ بِنِعْمَةٍ مِّن رَّبِّكَ بِمَجْنُونٍ ﴿۲﴾ وَإِنَّ لَكَ لَأَجْرًا
غَيْرَ مَمْنُونٍ ﴿۳﴾ وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خَلْقٍ عَظِيمٍ ﴿۴﴾

”ن“ قسم ہے قلم کی اور جو کچھ وہ لکھتے ہیں آپ اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں۔ اور یقیناً آپ کے لئے ایسا اجر ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا۔ اور بے شک آپ عظیم الشان خلق کے مالک ہیں۔“

ن حرف مقطعات میں سے ہے۔ سورۃ بقرہ کے آغاز میں حروف مقطعات کے بارے میں بحث گزر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہ پچھلی کا نام ہے اور اس سے مراد جنس ہے یا اس سے مراد بہوت پچھلی ہے جس پر زمین قائم ہے یا اس سے مراد دو ات ہے کیونکہ بعض پھیلیوں سے ایسا مادہ نکلتا ہے جو روشنائی سے بھی زیادہ سیاہ ہوتا ہے، اس کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔ لیکن ”ن“ کو حروف کی صورت میں لکھا جانا اور وصل و وقف دونوں صورتوں میں سکون کے ساتھ پڑھنا پہلے قول کی تائید کرتا ہے اور دوسرے اقوال کا انکار کرتا ہے۔ ابن عامر، کسائی اور یعقوب رحمہم اللہ تعالیٰ نے نون کے اخفاء کے ساتھ پڑھا ہے اور واو منقطعہ کو واو متصل کی جگہ رکھا ہے جبکہ باقی قراء نے نون میں اظہار کیا ہے۔

واو تسمیہ ہے اور قلم سے مراد وہ قلم ہے جس نے لوح محفوظ کو لکھا۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا فرمایا اسے فرمایا لکھ۔ قلم نے عرض کی کیا لکھوں؟ فرمایا تقدیر لکھ (۱)۔ اس نے تا ابد سب کچھ لکھ دیا۔ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کی تخلیق سے ستر ہزار سال پہلے مخلوقات کی تقدیر کو لکھ دیا تھا فرمایا جبکہ اس کا عرش پانی پر تھا۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا (۲)۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ نور کا قلم ہے، اس کی لمبائی زمین اور آسمان کے درمیان فاصلہ کے برابر ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد قلم کی جنس ہو۔ قلم کی قسم اس لئے اٹھائی کہ اس کے فوائد بے شمار ہیں۔

یسطرون میں واو ضمیر قلم کی طرف لوٹ رہی ہے اگر قلم سے پہلا معنی لیا جائے تو پھر جمع کی ضمیر تعظیم کے لئے ہوئی۔ دوسرا معنی لیا جائے تو قلم میں جنس کا اعتبار کرتے ہوئے جمع کی ضمیر ذکر کی۔ یہاں فعل کی نسبت آء کی طرف کی گئی اور وہی احکام (۱) جاری کئے گئے

جو ذوی العقول کے لئے ہوتے ہیں کیونکہ قلم کو ذوالعقول کے قائم مقام رکھا ہے۔ یا قلم کے دوسرے معنی کی صورت میں ضمیر قلم والوں کی طرف لوٹ رہی ہے، یعنی لکھنے والوں کی قسم اٹھاتا ہوں یا ضمیر کرانا کا تین کی طرف لوٹ رہی ہے جس کا ذکر پہلے نہیں ہوا جو لوگوں کے اعمال لکھتے ہیں یا ضمیر علماء کی طرف لوٹ رہی ہے جو دینی علوم لکھتے ہیں۔

۲۔ بنعمۃ ربک یہ حال ہے۔ آپ اس حال میں کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت آپ پر کی گئی ہے مجنون نہیں۔ نعمت سے مراد نبوت، مروت، کمال عقل، کمال فہم، جلال فضل، مکارم اور علوم کی مختلف انواع مراد ہیں اس حال میں عامل نفی کا معنی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا اس میں عامل مجنون ہے کیونکہ باء زائدہ ہے جو ماقبل میں عمل کرنے سے نہیں روکتا۔ لیکن علماء نے اس قول کو معنوی اعتبار سے ضعیف قرار دیا کہ اس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ جنون کی آپ سے مطلق نفی نہیں کی گئی بلکہ بعض مواقع پر نفی کی گئی ہے جو درست نہیں۔ یہ کفار کے قول کا جواب ہے کیونکہ وہ یہ کہتے تھے: **يَا أَيُّهَا الَّذِي نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ** یعنی اے وہ جس پر ذکر نازل کیا گیا تو مجنون ہے۔ ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ نے ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ سے اسی طرح نقل کیا ہے کیونکہ وہ اس دعویٰ کو بہت ہی ناممکن خیال کرتے تھے جو حضور ﷺ نے اپنے بارے میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہونے کا کیا تھا اور تنگدستی اور کفار کے غلبہ کے دور میں تمام لوگوں کی مخالفت کی تھی۔ جب اس کا ناممکن ہونا کفار کے گمان میں تو کسی اور مستحکم تھا تو انہوں نے اپنے قول کو باقی اور لام قسم کے ساتھ متوکد کیا ان کے انکار میں کیونکہ شدت پائی جاتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے جواب قسم کو بھی متوکد ذکر کیا اور خبر میں باء کا اضافہ کیا تاکہ نفی کی تاکید ہو۔ اس میں حضور ﷺ سے اس حال میں جنون کی نفی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی نعمت آپ کو شامل ہوتا کہ یہ قیدی پر برہان اور دلیل بن جائے جس کی علم، عقل، فہم اور کمال میں یہ شان ہو اس کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ مجنون ہے یہ محض بے وقوفی ہے۔ اس قسم کی بات وہی کر سکتا ہے جو گدھے سے بھی بڑھ کر بے وقوف اور کند ذہن ہو کیا تم نے یہ نہیں سنا کہ مادہ دراز گوش نے اس وقت کعبہ کی طرف تین دفعہ سجدہ کیا۔ جب حضرت حلیمہ حضور ﷺ کے ساتھ اس پر سوار ہوئی تھیں اور مادہ دراز گوش نے کہا تھا۔ اس کی پشت پر انبیاء میں سے افضل، رسولوں کے سردار، اولین و آخرین میں سے بہترین اور رب العالمین کے حبیب ہیں۔ ایک طویل حدیث میں مواہب لدنیہ میں اسی طرح مذکور ہے کفار تو گدھے سے بھی زیادہ کند ذہن ہیں۔

۳۔ آپ نے کفار سے جواز میں اٹھائی ہیں اور اللہ تعالیٰ کا پیغام لوگوں تک پہنچایا ہے اس پر ایسا عظیم اجر دیا جائے گا جو ختم نہ ہو گا یا لوگوں کی طرف سے آپ پر کوئی احسان نہیں جتایا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کو عطا فرماتا ہے اور لوگوں پر آپ کا احسان ہے۔ اجورا کو عظمت بیان کرنے کے لئے نکرہ ذکر کیا ہے۔ اس جملے کا عطف جواب قسم پر ہے یا یہ بھی انت سے حال ہے۔ یہی صورت حال مابعد جملہ کی ہے۔

۴۔ آپ کو ایسی باتیں برداشت کرنا پڑیں جیسی دوسرے انبیاء نے برداشت نہ کیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی راہ میں جو مجھے اذیتیں دی گئیں ایسی اذیتیں کسی اور (نبی) کو نہ دی گئیں (۱)۔ اسے ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے حلیہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اسی کی مثل روایت کیا ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کفار کے خلاف بددعا فرمائیں۔ فرمایا میں لعنت کرنے والا بنا کر مبعوث نہیں کیا گیا، میں تو

۱۔ کنز العمال، جلد 3، صفحہ 132 (التراث الاسلامی)

(حاشیہ گزشتہ صفحہ) (۱) قلم سے جس قلم مراد لی جائے تو فعل تسطر ہونا چاہئے کیونکہ جمع مذکر کا سینہ اسی وقت آتا ہے جب ضمیر جمع مذکر ذوالعقول کی طرف لوثی ہو۔ جبکہ یہاں ضمیر قلم کی جنس کی طرف لوٹ رہی ہے جو غیر ذوالعقول ہے، (مترجم)۔

رحمت بنا کر مبعوث کیا گیا ہوں۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (1)۔ جب کفار نے حضور ﷺ پر جنون کا الزام لگایا جبکہ مجنون تو کسی اجر کا مستحق نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کا کوئی اچھا اجر ہوتا ہے۔ ان جملوں کو عطف اور حال کی صورت میں لانا یہ سابقہ جملہ جس میں جنون کی نفی تھی اس کی تاکید اور کفار کے قول کا بلیغ ترین انداز میں رد ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا خلق عظیم سے مراد عظیم دین ہے، دین اسلام سے بڑھ کر نہ کوئی دین میرے لئے پسندیدہ ہے اور نہ ہی محبوب ہے (2)۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے کہا خلق عظیم سے مراد قرآن کے آداب ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضور ﷺ کے اخلاق کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا آپ ﷺ کے اخلاق قرآن تھے کیا (3)۔ قرآن کی تلاوت نہیں کرتا فلاح المؤمنون۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ادب مفرد میں نقل کیا ہے۔ قنادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا خلق عظیم سے مراد یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرتے اور اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں سے منع کیا ہے اس سے رک جاتے۔ معنی یہ ہوا آپ ان اخلاق پر ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے قرآن میں حکم دیا ہے (4)۔ جن دنے کہا خلق عظیم یہ ہے کہ آپ کا مقصود اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ اور کچھ نہ ہو۔

حضور ﷺ کے اخلاق عظیمہ کے بارے میں فصل

حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ تمام لوگوں سے زیادہ خوبصورت اور سب سے اچھے اخلاق والے تھے نہ زیادہ لمبے قد والے اور نہ ہی چھوٹے قد والے تھے (5)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے دس سال حضور ﷺ کی خدمت کی آپ ﷺ نے کبھی مجھے اف تک نہیں کہی اور نہ ہی کبھی مجھے کسی ایسے کام کے بارے میں کہا جو میں نے کیا ہو کہ تو نے یہ کیوں کیا اور جو میں نے چھوڑ دیا اس کے بارے میں یہ نہیں فرمایا تو نے اسے کیوں چھوڑا۔ حضور ﷺ تمام لوگوں سے اچھے اخلاق والے تھے۔ میں نے حضور ﷺ کے ہاتھ سے بڑھ کر خبز (ایک قسم کا ریشم)، ریشم اور کسی اور چیز کو نرم نہیں پایا اور نہ آپ ﷺ کے پسینے سے بڑھ کر کستوری اور عطر کو خوشبودار پایا۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ (6)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک عورت کی عقل کچھ خراب تھی۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے آپ سے ایک ضروری کام ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے ام فلاں جہاں تم بیٹھنا چاہو میں تمہارے ساتھ بیٹھوں گا حضور ﷺ اس کے پاس بیٹھ گئے یہاں تک کہ اس نے گزارش کی۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا (7)۔ آپ سے ہی مروی ہے کہ مدینہ کی عورتوں میں سے ایک عورت حضور ﷺ کا ہاتھ پکڑتی اور جہاں چاہتی آپ ﷺ کو لے جاتی۔ اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (8)۔ آپ سے ہی روایت مروی ہے کہ حضور ﷺ جب کسی سے مصافحہ فرماتے تو آپ اپنا ہاتھ نہ کھینچتے یہاں تک کہ وہ خود ہاتھ کھینچ لیتا آپ اس سے اپنا چہرہ نہ پھیرتے اور آپ کو اس حال میں نہیں دیکھا گیا کہ آپ ﷺ نے اپنے گھنٹے کسی بیٹھنے والے کے سامنے پھیلائے ہوں۔ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (9)۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ ہمارا رسول

3- کنز العمال، جلد 7، صفحہ 222 (التراث الاسلامی)

2- تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

1- صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 323 (قدیمی)

5- صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 258 (قدیمی) 6- ایضاً، صفحہ 253-257

4- تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

8- صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 897 (د۔ ت) 9- جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 72 (وزارت تعلیم)

7- ایضاً، جلد 2، صفحہ 256

اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے کسی کو نہیں مارا مگر جب آپ ﷺ جہاد کر رہے ہوں۔ آپ نے کسی خادم اور عورت کو نہیں مارا جو آدمی آپ کی حق تلفی کرتا تو آپ اس سے انتقام نہ لیتے مگر جو آدمی اللہ تعالیٰ کی حدود کی پامالی کرتا تو آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے لئے اس سے انتقام لیتے۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (1)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے میں حضور ﷺ کے ساتھ چل رہا تھا۔ آپ نے موٹے حاشیوں والی ایک نجرانی چادر زیب تن کی ہوئی تھی۔ ایک اعرابی آپ کو ملا۔ آپ کی چادر کے ساتھ آپ کو سختی سے کھینچا یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ آپ کے کندھے پر چادر کے حاشیہ کے نشان پڑ گئے ہیں۔ پھر کہا اے محمد ﷺ آپ کے پاس جو اللہ کا مال ہے اس میں سے میرے لئے حکم فرمادیں۔ رسول اللہ ﷺ اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ آپ مسکرائے پھر اسے مال عطا کرنے کا حکم دیا، متفق علیہ (2)۔ آپ سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں میں سے سب سے حسین سب سے زیادہ بخئی اور سب سے زیادہ بہادر تھے، متفق علیہ (3)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ایسا نہیں ہوا کہ حضور ﷺ سے کسی چیز کا سوال کیا گیا ہو تو آپ نے جواب میں لا (نہیں) کہا ہو۔ یہ روایت متفق علیہ ہے (4)۔ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اسی اثناء میں کہ وہ حضور ﷺ کے ساتھ چل رہا تھا جبکہ آپ خنین سے واپس آرہے تھے۔ بدو سوال کرتے ہوئے چٹ گئے یہاں تک کہ آپ کو سرمہ (درخت) کی طرف جانے پر مجبور کر دیا۔ انہوں نے آپ ﷺ کی چادر کو اچک لیا۔ رسول اللہ ﷺ ٹھہر گئے۔ فرمایا مجھے میری چادر دوے دو اگر ان سنگریزوں کے برابر میرے پاس جانور ہوتے تو میں تمہارے درمیان تقسیم کر دیتا۔ تم مجھے بخیل، جھوٹا اور بزدل نہ پاتے۔ اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (5)۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نہ بخش کلام کرتے، نہ نقش کلام کرنے کے لئے تصنع کرتے، نہ آپ بازاروں میں شور و غل کرتے، نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے بلکہ آپ معاف فرماتے اور درگزر سے کام لیتے۔ حسن اخلاق کی فضیلت میں احادیث بے شمار ہیں۔ (6)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں اس لئے مبعوث کیا گیا ہوں تاکہ حسن اخلاق کو مکمل کر دوں (7)۔ اسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا۔ حضرت ابو ذرؓ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ قیامت کے روز مومن کے میزان میں سب سے بھاری چیز اس کا حسن خلق ہوگا۔ اللہ تعالیٰ بخش اور زیادہ گوئی کرنے والے کو ناپسند کرتا ہے (8)۔ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے اور کہا یہ روایت حسن ہے۔ ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ سے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ لوگوں کو سب سے زیادہ کوئی چیز جنت میں داخل کرتی ہے۔ لوگوں نے عرض کی اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں تو فرمایا جنت میں سب سے زیادہ لوگوں کو اللہ کا تقویٰ اور حسن خلق داخل کرتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ مومن حسن خلق کے ذریعے رات کو قیام کرنے والے اور دن کو روزہ رکھنے والے کا مقام حاصل کر لیتا ہے (9)۔ اسے ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں

- | | |
|--|--|
| 1- صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 256 (قدیمی) | 2- صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 899 (وزارت تعلیم) |
| 3- صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 252 (قدیمی) | 4- ایضاً، جلد 2، صفحہ 253 |
| 6- الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 389 (العلمیہ) | 7- مؤطا امام مالک، جلد 1، صفحہ 705 (و۔ت) |
| 9- سنن ابی داؤد، جلد 2، صفحہ 305 (وزارت تعلیم) | 5- صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 396 |
| | 8- مشکوٰۃ المصابیح، جلد 3، صفحہ 187 (الفکر) |

سے میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو تم میں سے سب سے زیادہ اچھے اخلاق والا ہو۔ سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (1)۔ صحیحین میں ان الفاظ کے ساتھ ہے کہ تم میں سے بہترین آدمی وہ ہے جو تم میں سے از روئے اخلاق کے سب سے بہترین ہو (2)۔ مزہ کے ایک آدمی سے مروی ہے، امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں شعب الایمان میں مروی ہے، اسامہ بن شریک سے شرح السنہ میں مروی ہے کہ عرض کی یا رسول اللہ ﷺ انسان کو جو کچھ عطا کیا گیا ہے ان میں سے سب سے بہتر کوئی چیز ہے، فرمایا حسن اخلاق حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ جب میں نے اپنا پاؤں رکاب میں رکھا تو حضور ﷺ نے سب سے آخری نصیحت مجھے یہ فرمائی لوگوں کے لئے اپنے اخلاق کو اچھا رکھو۔ سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔

فَسْتَبْصِرُوا وَيُبْصِرُونَ ۝ بِأَسْيَأِكُمُ الْمَفْتُونُونَ ۝

”عنقریب آپ بھی دیکھیں گے اور وہ بھی دیکھ لیں گے۔ کہ تم میں سے (واقعی) مجنون کون ہے؟“
 ۱۔ خطاب حضور ﷺ کو ہے اور سن تحقیق کے لئے ہے۔ ”بصرون“ میں داؤد ضمیر کفار کے لئے ہے، یعنی قیامت کے روز تم اور وہ دیکھ لیں گے کہ کسے جنون ہے۔

۲۔ ایکم مبتدا ہے۔ ہاء زائدہ ہے۔ مفتون مجنون کے معنی میں ہے۔ یہ مبتدا کی خبر ہے یا مفتون مصدر ہے۔ جنون کے معنی میں ہے جس طرح معقول اور مجلو مصدر ہیں۔ اس صورت میں خبر مقدم ہے اور مبتدا موخر ہے۔ یا معنی یہ ہے کہ کس جماعت کو جنون لاحق ہے۔ کیا مومنوں کی جماعت کو جنون ہے یا کافروں کی جماعت کو کس میں ایسی علامات ہیں جس وجہ سے وہ اس نام کا مستحق ہے۔ جملہ استفہامیہ مفرد کی تاویل میں ہو کر دونوں سابقہ فعلوں میں سے ایک کا مقول ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جنون مومنوں کو نہیں بلکہ کفار کو ہے کیونکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ عقل کا تقاضا یہ ہے کہ جسے دو بھلائیوں میں سے ایک کے انتخاب کا اختیار دیا جائے تو وہ ان میں سے بہترین کا انتخاب کرتا ہے اور جسے دو مصیبتوں میں ایک میں ڈالا جائے تو ان میں سے آسان کا انتخاب کرتا ہے مومنوں نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے ذکر و فکر میں مشغول کیا جو جمیل ہے تمام صفات کمالیہ سے متصف ہے اور تمام عیوب سے پاک ہے مومنوں نے نفع مند چیز کا انتخاب کیا اپنی صلاحیتیں اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے خرچ کیں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے اسباب سے اجتناب کیا اور آخرت کی قوی اور ابدی نعمتوں کو دنیا کی کمزور اور زائل ہونے والی نعمتوں کو پسند کیا جن کی کوئی حیثیت ہی نہیں جبکہ کفار نے ایسے ممکنات کا انتخاب کیا جو نہ نقصان دیتے ہیں اور نہ ہی نفع دیتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے اذن سے نفع و نقصان دیتے ہیں بلکہ انہوں نے تو عبادت کے لئے پتھروں کا انتخاب کیا اللہ وحدہ لا شریک جو قہار اور قیوم ہے اس کو چھوڑ دیا۔ انہوں نے ابدی نعمتوں پر دنیا کی نعمتوں کو ترجیح دی جنہیں اتنا ہی حاصل کیا جاسکتا ہے جتنا اللہ چاہے نیز انہوں نے جنت پر جہنم کو ترجیح دی۔

إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ ۖ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ۝

”بے شک آپ کا رب خوب جانتا ہے ان کو جو اس کی راہ سے بہک گئے ہیں اور انہیں بھی خوب جانتا ہے جو ہدایت یافتہ ہیں۔“

۱۔ ہو ضمیر فصل ہے۔ بمن ضل جار مجرور اعلم کے متعلق ہے۔ حقیقت میں گمراہ ہی مجنون ہیں کیونکہ جنون کا نتیجہ راہ حق سے گمراہ

ہونا ہے اور اللہ تعالیٰ کمال عقل کو پانے والوں اور جمیل مطلق تک پہنچنے والوں کو خوب جانتا ہے۔

فَلَا تُطِيعُ الْمَكْذِبِينَ ① وَذُو الْوَتْدِ هُنَّ فَيَدْهُنَّ ②

”پس آپ بات نہ مانیں (ان) جھٹلانے والوں کی لے وہ تو تمنا کرتے ہیں کہ کہیں آپ نرمی اختیار کریں تو وہ بھی نرم پڑ جائیں گے۔“

لے اس میں فاء سببیہ ہے، یعنی جب یہ بات ظاہر ہو چکی ہے کہ آپ ہدایت پر ہیں اور جھٹلانے والے گمراہ ہیں تو آپ ان کی اطاعت نہ کریں۔

۱۔ یہ جملہ قد کے مضمحل ماننے کے ساتھ مکذبین سے حال ہے، نو تمنی کے لئے ہے اور یہ و داذکا بیان ہے۔ ادھان کا معنی نرم کرنا ہے جو دھن سے مشتق ہے۔ فیدھنون میں فاء عاطفہ ہے اور تعقیب کا معنی دے رہا ہے، یعنی وہ دونوں جانب سے نرمی کے خواستگار ہیں لیکن وہ چاہتے ہیں کہ وہ اس وقت نرمی کریں گے جب آپ نرمی کریں گے۔

یا فاء سببیہ ہے، یعنی انہوں نے پسند کیا کہ کاش آپ نرمی کرتے تو وہ بھی نرم ہو جاتے۔ یا اس کا معنی ہے وہ آپ کی نرمی چاہتے ہیں اور اسی لالچ میں وہ اب بھی آپ سے نرمی کر رہے ہیں، یعنی اگر آپ ان سے نرمی کریں کہ انہیں شرک سے نہ روکیں یا وقتاً فوقتاً بعض معاملات میں ان کے ساتھ موافقت کریں تو وہ بھی آپ پر طعن کرنا چھوڑ دیں گے اور بعض معاملات میں موافقت کریں گے۔ مسئلہ:۔ یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ دین کے معاملہ میں مہانت حرام ہے۔

وَلَا تُطِيعُ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ③ هَمَّامٍ مَّشَاءً بَنِيْمٍ ④ مَّنَّاءٍ لِلْخَيْرِ مُعْتَدٍ ⑤
أَثِيمٍ ⑥ عَتَلٌ بَعْدَ ذَلِكَ زَنِيْمٍ ⑦

”اور بات نہ ماننے کسی (جھوٹی) قسم میں کھانے والے ذلیل شخص کی لے جو بہت نکتہ چین، چغلیاں کھاتا پھرتا ہے۔“

سخت منع کرنے والا بھلائی سے حد سے بڑھا ہوا بزدل کار ہے لے اکھڑ مزاج ہے اس کے علاوہ بد اصل ہے لے۔ یہ عمومی حکم دینے کے بعد خاص حکم دیا جا رہا ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ آیت ولید بن مغیرہ کے حق میں نازل ہوئی۔ منذر رحمۃ اللہ علیہ نے کلبی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے سعدی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت انص بن شریق کے حق میں نازل ہوئی۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے عطاء رحمۃ اللہ علیہ کا قول ذکر کیا ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے قول نقل کیا ہے کہ یہ آیت اسود بن عبد یغوث کے حق میں نازل ہوئی۔

کل کا لفظ اس لئے وارد ہوا تاکہ اس امر کی تاکید لائی جائے کہ نبی ہر فرد کو شامل ہے یہاں مقام کا قرینہ اسی چیز کا تقاضا کرتا ہے۔ یہ اس چیز پر دلالت نہیں کرتا کہ بعض جھوٹی قسمیں اٹھانے والے کی اطاعت جائز ہے۔ حلاف سے مراد بہت زیادہ جھوٹی قسمیں اٹھانے والا ہے۔ اس کی بحث سورہ بقرہ میں وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّآيٰمِنٰكُمۡ کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔

مسئلہ:۔ زیادہ قسمیں اٹھانا مکروہ ہے۔

مہین کا معنی حقیر ہے۔ یہ مہانہ سے مشتق ہے جس کا معنی حقارت ہے۔ یہ رائے اور تمیز میں کچی ہے۔

۱۔ ہماز کا معنی عیب لگانے والا۔ غیبت کرنے والا ایک قول یہ کیا گیا اس سے مراد وہ آدمی ہے جو آنکھ اور آبرو سے لوگوں کے عیوب کی طرف اشارہ کرے۔ ہشاء بن مہم چغل خور۔

۲۔ ہناع للخیر جو لوگوں کو ایمان لانے، اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے اور عمل صالح سے روکتا ہے معتد جو ظلم میں حد سے تجاوز کرنے والا ہے۔ ائیم جو بہت زیادہ گناہ کرنے والا ہے۔

۳۔ قاموس میں عتل کا معنی پیٹو، متکبر، ترش رو اور اکھڑ مزاج ہے۔ بعد ذلک یہ زنیم کی طرف ہے۔ بعد کا کلمہ مع کے معنی میں ہے۔ یا اس کا معنی یہ ہے جو عیوب اس کے شمار کئے گئے ہیں۔ ان کے بعد وہ بداصل ہے۔ قاموس میں زنیم کا معنی قوم کے ساتھ لاحق ہونے والا جو اس قوم کا فرد نہیں ہوتا اور بداصل اس میں یہ بھی ہے۔ ذبیحی فنیی کے وزن پر ہے اسے کہتے ہیں جسے تو متنبی بنائے اور جس کی نسبت میں تہمت ہو۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا زنیم یہ زنیمتی الشاة سے ماخوذ ہے۔ یہ گوشت کے ان لوتھڑوں کو کہتے ہیں جو کان اور حلق کے نیچے لٹک رہے ہوتے ہیں۔ ولید بن مغیرہ کے بارے میں اس کے باپ نے اٹھارہ سال کی عمر میں اپنا بیٹا تسلیم کیا تھا۔ اخض بن شریق اصل میں بنو ثقیف سے تعلق رکھتا تھا اور اپنا شمار بنی زہرہ میں کرتا۔

عکرم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے فرمایا اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی لعنت تھی لیکن معلوم نہ ہو سکا کہ کس پر ہے یہاں تک کہ زنیم کا لفظ ذکر فرمایا تو اس کا پتہ چل گیا کیونکہ اس کے گلے میں گوشت کا لوتھڑا تھا جس سے وہ پہچانا جاتا (1)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ پر یہ آیت نازل ہوئی تو ہمیں کچھ پتہ نہ چلا کہ کس کے بارے میں نازل ہوئی یہاں تک کہ اس کے آخر میں زنیم کے الفاظ نازل ہوئے تو ہم نے اسے پہچان لیا کیونکہ اس میں بھی اسی طرح گوشت کا لوتھڑا لٹک رہا تھا جس طرح بکری کا ہوتا ہے۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ وہ برائی میں اسی طرح معروف تھا جس طرح بکری گوشت کے اس لوتھڑے کے ساتھ معروف اور نمایاں ہوتی ہے (2)۔ میں کہتا ہوں جب یہ صفت یعنی زنیم سابقہ عیوب کی بنسبت قباحت میں بڑھ کر تھی۔ اس لئے بعد ذلک زنیم فرمایا واللہ تعالیٰ اعلم۔

حارث بن وہب خزاعی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تمہیں جنتیوں کے بارے میں نہ بتاؤں۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کو قسم دے کر کوئی گزارش کریں تو وہ ضرور پوری کر دے کیا میں تمہیں جہنمیوں کے بارے میں آگاہ نہ کروں وہ ہر سخت دل ترش رو اور متکبر ہے۔ اسے امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ابوداؤد اور طبرانی رحمہما اللہ تعالیٰ نے ابودرداء سے اسی طرح نقل کیا ہے۔

أَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَبَنِينَ ۖ إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا قَالَ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۝

” (یہ غرور و سرکشی) اس لئے کہ وہ مالدار اور صاحب اولاد ہے۔ جب ہماری آیات اس کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو کہتا

ہے یہ تو پہلے لوگوں کے افسانے ہیں۔“

۱۔ ابو جعفر، ابن عامر، حمزہ، ابو بکر اور یعقوب رحمہم اللہ تعالیٰ نے اُن کان پڑھا ہے۔ وہ ہمزدوں میں سے ایک استفہام کا ہے پھر حمزہ اور ابو بکر رحمہما اللہ تعالیٰ نے دونوں ہمزدوں میں تخفیف کی ہے اور مد بھی نہیں کرتے۔ ابو جعفر، ابن عامر اور یعقوب رحمہم اللہ تعالیٰ دونوں ہمزدوں میں سے پہلے حمزہ کو مد کے ساتھ دوسرے حمزہ میں تسہیل کا قاعدہ جاری کرتے ہیں، جبکہ دوسرے قراء نے صرف ایک حمزہ

پڑھا ہے ہمزہ استفہام نہیں پڑھا۔ تقدیر کلام یہ ہوگی لان کان اس کا تعلق نمی کے ساتھ ہوگا۔ جب ہمزہ استفہام نہ ہو تو معنی یہ ہوگا جس میں یہ عیوب ہوں اس کی آپ اس لئے اطاعت کریں کیونکہ وہ مال والا اور اولاد والا ہے جس طرح لوگوں کی عادت ہے کہ وہ صاحب مال کی اطاعت کرتے ہیں۔ اگر ہمزہ استفہام ہو تو پھر معنی یہ ہوگا کیا آپ اس لئے اطاعت کرتے ہیں کیونکہ وہ صاحب مال اور صاحب اولاد ہے۔ اس صورت میں ہمزہ استفہام انکار کا معنی دے گا یا بعد والا جملہ جس معنی پر دلالت کرتا ہے اس کے ساتھ اس کا تعلق ہوگا، یعنی اس نے کفر اس لئے کیا اور قرآن کو اس لئے جھٹلایا کیونکہ وہ مال دار ہے اور یہ سب کچھ وہ تکبر اور غرور کی وجہ سے کرتا ہے۔ معنی یہ بنے گا کہ غنا تو شکر کا سبب ہے لیکن جو مناسب تھا اس کے برعکس اس نے ناشکری کی۔

۲۔ یہ کلام ایسی شے ہے جسے لوگوں نے پہلے لوگوں کے قصے کہانیوں سے جھوٹ لکھ لیا ہے۔ قاموس میں اساطیر کا معنی ایسی باتیں جن میں کوئی نظم اور ترتیب نہ ہو اظافہ کا تعلق قال کے ساتھ ہے۔

سَنَسِيْمُهُ عَلَى الْخُرْطُوْمِ ⑩ اِنَّا بَلَوْنَهُمْ كَمَا بَلَوْنَا اَصْحَابَ الْجَنَّةِ اِذَا قَسَمُوا
لِيَصْرُ مِنْهَا صٰٓبِحِيْنَ ⑪ وَلَا يَسْتَشُوْنَ ⑫

”ہم بہت جلد اس کی سونڈ پر داغ لگائیں گے۔ ہم نے ان (مکہ والوں) کو بھی آزمایا جیسے ہم نے آزمایا تھا باغ والوں

کو جب انہوں نے قسم کھائی کہ وہ ضرور توڑ لیں گے اس کا پھل صبح سویرے ۱۲ اور انہوں نے ان شاء اللہ بھی نہ کہا ۱۱“

۱۔ خورطوم کا معنی ناک ہے گویا اس بد بخت کو ہاتھی اور خنزیر کے ساتھ تشبیہ دی اور اس کی ناک کو خورطوم کے ساتھ تشبیہ دی یہ جملہ مستانفہ ہے اس میں دھمکی دی گئی ہے۔ فراء نے کہا یہاں خورطوم سے مراد چہرہ ہے کیونکہ جزء بول کر کل مراد لیا جاتا ہے۔ ابو العالیہ اور مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا اس کا چہرہ سیاہ ہو جائے گا۔ آخرت میں یہی چیز اس کے لئے علامت بن جائے گی جس کے ساتھ اسے پہچان لیا جائے گا جو اس کے چہرے کی سیاہی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہم اس کی ناک میں تلوار کی ٹیل ڈالیں گے۔ یہ غزوہ بدر کے روز اس کے ساتھ ہوا۔ (۱)

۲۔ ہم نے اہل مکہ کو قحط اور بھوک کے ساتھ آزمائش میں ڈالا جب حضور ﷺ نے ان کے پارے میں یہ دعا کی تھی اے اللہ ان پر اسی طرح قحط نازل فرما جس طرح تو نے حضرت یوسف علیہ السلام کے دور میں قحط نازل فرمایا تھا یہاں تک کہ لوگ ہڈیاں اور مردار کھانے لگے تھے۔ یہ جملہ مستانفہ ہے اور ایک مقدر سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہوگا مَا فَعَلْ بِهٖمْ جِئْنَ كَذَّبُوْا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالُوْا مَجْنُوْنٌ۔

كَمَا بَلَوْنَا یہ محذوف مصدر کی صفت ہے۔ یہاں اضافت اور الف لام عہد خارجی کے لئے ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ ابو جہل نے بدر کے روز کہا انہیں پکڑ لو یا انہیں باندھ دو، ان میں سے کسی کو بھی قتل نہ کرنا تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ تو معنی یہ ہوگا ہم نے کفار کو مومنوں پر قدرت دے کر آزمایا جس طرح باغ والوں کو قدرت دے کر آزمایا تھا۔ محمد بن مروان رحمۃ اللہ علیہ نے کلبی رحمۃ اللہ علیہ سے کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن صالح رحمۃ اللہ علیہ سے ابن صالح رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یمن میں ایک باغ تھا جسے صدوان کا نام دیا جاتا۔ یہ صنعا سے دو فرسخ کے فاصلے پر تھا جسے ایک

نیک آدمی نے لگایا تھا جب وہ کھجور کا پھل کاٹتا تو وہ مساکین کے لئے وہ پھل چھوڑ دیتا جو رات سے رہ جاتا جب کھجور سے پھل نیچے چادر پر پھینکا جاتا تو جو پھل چادر سے دور جا کر گرتا وہ بھی مساکین کے لئے چھوڑ دیتا۔ جب وہ فصل صاف کرتا تو جو دانے ادھر ادھر بکھر جاتے، وہ بھی مساکین کے لئے چھوڑ دیتا۔ جب وہ خود صالح آدمی فوت ہو گیا تو اس کے تین بیٹے اس کے وارث بنے۔ انہوں نے کہا اللہ کی قسم مال تھوڑا ہے اور خاندان کے افراد زیادہ ہیں۔ یہ عمل تو اس وقت کیا جاسکتا ہے جب مال زیادہ ہو اور زیر کفالت افراد تھوڑے ہوں۔ جب مال تھوڑا ہو جائے اور زیر کفالت افراد زیادہ ہو جائیں تو ہم ایسا عمل نہیں کر سکتے۔ تو انہوں نے باہم قسم اٹھائی کہ ذبح داخل ہوتے ہی پھل کاٹ لیں گے۔ اذنا قسمو ایہ بلونا کے متعلق ہے۔ لیصر منہا جواب قسم ہے۔ مصبحین یہ لیصر منہا کے فاعل سے حال ہے۔

یہ جملہ اقسامو کے فاعل سے حال ہے وہ قسم اٹھاتے ہیں تو ان شاء اللہ بھی نہیں کہتے ان شاء اللہ کو بھی استثناء کا نام دیا ہے کیونکہ اس میں بھی ماقبل کے حکم سے خارج کیا جاتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ جو چیز ان شاء اللہ کے ساتھ خارج کی جاتی ہے وہ مذکورہ چیز کے خلاف ہوتی ہے جبکہ استثناء کی صورت میں جسے خارج کیا جاتا ہے وہ مستثنیٰ کا معنی ہوتا ہے۔ یا اس لئے استثناء کا معنی دیا کیونکہ لا افعَلُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ اور لا اَفْعَلُ اِلَّا اِنْ يَشَاءَ اللّٰهُ کا معنی ایک ہی ہے۔ یہ بھی احتمال موجود ہے کہ لا يستنون کا جملہ لیصر منہا پر معطوف ہے اور جواب قسم میں داخل ہو۔ معنی یہ ہوگا وہ مساکین کا حصہ نہیں نکالتے جس طرح ان کا باپ نکالتا تھا۔ یا یہ جملہ مستأنف ہے یعنی ان کا یہ عمل تھا۔

قَطَافٌ عَلَيْهَا طَافٌ مِّنْ سُرَّتِكَ وَهُمْ تَأْسُؤُونَ ۙ فَاصْبَحْتَ كَالصَّرِيمِ ۙ

فَتَنَادَوْا مُصْبِحِينَ ۙ اِنْ اَعْدُوْا عَلٰى حَرْبِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صَرِيْمِيْنَ ۙ

”پس چکر لگا گیا اس باغ پر ایک چکر لگانے والا آپ کے رب کی طرف سے درآں حالانکہ وہ سوئے ہوئے تھے۔“

چنانچہ (لہلہاتا) باغ کٹے ہوئے کھیت کی مانند ہو گیا۔ پھر انہوں نے ایک دوسرے کو ندا دی صبح سویرے کہ سویرے

سویرے اپنے کھیت کی طرف چلو اگر تم پھل توڑنا چاہتے ہو۔“

۱۔ اس جملے کا عطف اقسامو پر ہے ہا ضمیر سے مراد ان کا باغ ہے۔ طائف صفت ہے اس کا موصوف بلاء محذوف ہے جس سے

مراد آگ ہے، یعنی رات کے وقت آگ کی صورت میں عذاب آیا جس نے باغ کو جلا دیا۔ من ربک میں من ابتدا یہ ہے۔

۲۔ صبح کے وقت وہ باغ اس طرح ہو گیا جس طرح ایسا باغ ہوتا ہے جس کا پھل کاٹ لیا گیا ہو اور اس میں کوئی چیز باقی نہ رہی ہو، یہ فعل

اسم مفعول کے معنی میں ہے یا یہ جلا ہوا ہونے اور سیاہ ہونے میں رات کی طرح ہو گیا یا زیادہ خشک ہونے کی وجہ سے سفید ہونے میں دن

کی طرح ہو گیا رات اور دن دونوں کو صریم کہا گیا کیونکہ ان میں سے ہر ایک دوسرے سے منقطع ہوتا ہے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ

علیہ نے کہا اس سے خیر منقطع کر دی گئی اس میں کوئی خیر باقی نہ رہی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا وہ سیاہ راگھ کی طرح ہو

گیا۔ یہ معنی اہل خزیمہ کی لغت کے مطابق ہے (۱)۔ اس جملے کا عطف طاف پر ہے۔ صبح ہوتے ہی باغ کے مالکوں نے ایک دوسرے کو

بلایا اس جملے کا عطف بھی اصبحت پر ہے۔

۳۔ اس میں ان مفسرہ ہے کیونکہ تنادوا قول کے معنی میں ہے۔ علی حربکم، اعدوا کے متعلق ہے یعنی تم اپنی کھیتوں کی طرف نکلو

علی حرف جار کے ساتھ اس لئے متعدی کیا گیا ہے کیونکہ اعدوا اپنے ضمن میں اقبلوا کا معنی لئے ہوئے ہے یا صبح کے وقت پھل

کاٹنے کو صبح کے وقت حملہ کرنے والے دشمن سے تشبیہ دی جس میں غلبہ کا معنی موجود ہوتا ہے۔ یہ بھی احتمال ہے اغدوا افعال ناقصہ میں سے ہو اور علی حرثکم اس کی خبر ہو۔ صارمین کا معنی کاٹنے والے یہاں جزاء ذکر نہیں کی کیونکہ سابقہ جزا کی وجہ سے شرط اس سے مستغنی ہے۔

فَانْطَلِقُوا وَهُمْ يَتَخَفَتُونَ ﴿١٤﴾ اَنْ لَا يَدْخُلَهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مَسْكِينٌ ﴿١٥﴾

”سو وہ چل پڑے اور ایک دوسرے کو چپکے چپکے کہتے جاتے کہ (خبردار) اس باغ میں ہرگز داخل نہ ہو آج تم پر کوئی مسکین نہ۔“

۱۔ باغ کے مالک چلے جگہ وہ رازدار انداز میں باتیں کر رہے تھے۔ خفی، خفت اور خفد سب کا معنی چھپانا ہے۔
۲۔ ہا ضمیر سے مراد باغ ہے ان مفسرہ ہے کیونکہ يتخافون قول کے معنی میں ہے۔ محو کد انداز میں مسکینوں کو داخل ہونے سے نہیں ہے۔ مقصود انہیں داخل ہونے کا موقع دینے سے نہیں میں مبالغہ کا اظہار ہے جس طرح یہ جملہ کہا جاتا ہے لا اربنک ہہنا مقصود یہ ہوتا ہے کہ تم یہاں نہ آیا کرو۔

وَعَدُوا عَلَىٰ حَرْدٍ قَدِيرِينَ ﴿١٥﴾ قَلْبًا سِرًا وَهَاقَالُوا اِنَّا لَصَالُونَ ﴿١٦﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ﴿١٧﴾

”اور تڑکے چلے (یہ سمجھتے ہوئے) کہ وہ اس ارادہ پر قادر ہیں کہ پھر جب باغ کو دیکھا تو کہنے لگے (غالباً) ہم راستہ بھول گئے۔“

۱۔ جملہ کا عطف انطلقوا پر ہے۔ جار مجرور قادرین شبہ فعل کے متعلق ہے جو غدوا کی خبر ہے لغت میں حرد کا معنی قصد کرنا، منع کرنا اور ناراض ہونا ہے۔ حضرت حسن بصری، قتادہ اور ابو العالیہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا اس کا معنی ہے وہ جدوجہد پر قادر تھے۔ قرطبی، مجاہد اور عکرمہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا کہ اس کا معنی ہے کہ جس امر پر انہوں نے اتفاق کیا تھا اس پر وہ قادر تھے سب معنوں میں قصد کا مفہوم ہی پایا جاتا ہے۔ ابو عبیدہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وہ مساکین کو روکنے پر قادر تھے۔ امام شعبی اور سفیان رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا وہ مساکین پر ناراض ہونے پر قادر تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا وہ اپنے نزدیک اپنے باغ اور پھل پر قادر تھے۔ (۱)
۲۔ جب انہوں نے باغ کو چلے ہوئے دیکھا تو کہنے لگے ہم تو راستہ بھول گئے۔ لسا ظرف ہے جس کا فالو فعل کے ساتھ تعلق ہے کہنے لگے۔ یہ ہمارا باغ نہیں یا یہ معنی ہے جب ہم نے مساکین کو باغ میں داخل ہونے سے روکا تو ہم نے غلطی کی اور ہم نے ان شاء اللہ بھی نہ کہا اس لئے ہمیں باغ کے پھل سے محروم کر دیا گیا۔

قَالَ اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ اَقُلْ لَكُمْ لَوْ لَا تَسْبِحُونَ ﴿١٨﴾ قَالُوا سُبْحٰنَ رَبِّنَا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿١٩﴾ فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ يَتَلَوْنَ ﴿٢٠﴾

”ان میں جو زیرک تھا بول اٹھا کہ کیا میں تمہیں کہتا نہ تھا کہ تم (اس کی) تسبیح کیوں نہیں کرتے کہنے لگے پاک ہے ہمارا رب بے شک ہم ہی ظالم تھے۔“

۱۔ جو عمر میں درمیانہ تھا یا زیادہ انصاف پسند اور عقلمند تھا اس نے کہا یہ جملہ مستانفہ ہے۔ اَلَمْ میں ہمزہ استفہام تقریر کے لئے ہے اور

لوہل کے معنی میں ہے تم کیوں نہیں ان شاء اللہ کہتے یہاں استثناء کو تسبیح کا نام دیا ہے کیونکہ اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہے اور اس امر کا اقرار ہے کہ تم میں سے کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی رضا کے بغیر کسی چیز پر قادر نہیں۔

ابوصالح رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ان کی استثناء سبحان اللہ تھی یا اس کا معنی ہے تم اللہ تعالیٰ کی تسبیح کیوں نہیں بیان کرتے اور اس نے جو تمہیں عطا فرمایا ہے اس پر شکر کیوں نہیں بجالاتے اور مساکین کو داخل ہونے سے نہ روکو کیونکہ شکر کا مطلب ہی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کو اللہ تعالیٰ کی رضا میں صرف کرنا۔ ایک قول یہ کیا گیا تم اپنے عمل پر استغفار کیوں نہیں کرتے۔

۲۔ یہ جملہ مستافقہ ہے انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اس امر میں پاکی بیان کی کہ اللہ تعالیٰ ظالم ہو سکتا ہے اور اپنے بارے میں اقرار کیا کہ انہوں نے ظلم کیا ہے کیونکہ انہوں نے مساکین کو باغ میں داخل ہونے سے روکا ہے۔

۳۔ جملے کا عطف قالوا پر ہے۔ بتلاومون یہ اقبل کے قائل اور مفعول دونوں سے حال ہے، یعنی انہوں نے مساکین کو حق دینے سے جو روکا تھا اس پر ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے۔

قَالُوا يَا وَيْلَنَا إِنَّا كُنَّا طُغْيَانٌ ۝ عَسَىٰ رَبُّنَا أَنْ يُبَدِّلَنَا خَيْرًا إِنَّهَا إِلَىٰ رَبِّنَا
لُرَغِيبُونَ ۝

”کہنے لگے تف ہے ہم پر ہم ہی سرکش تھے۔ امید ہے کہ ہمارا رب ہمیں (اس کا) بدلہ دے گا جو بہتر ہوگا اس سے ہم (اب) اپنے رب کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔“

۱۔ یہ جملہ مستافقہ ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں عطا کی گئیں تو جس طرح ہمارے باپ نے شکر ادا کیا تھا ہم نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کیا۔
۲۔ جب وہ اپنے کئے پر نادم ہوئے تو بے شکر اور مال خرچ کرنے پر پختہ ارادہ کیا تو کلام کا رخ اپنی طرف پھیر کر امید کے انداز میں کہنے لگے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس جملے ہوئے باغ کی بنسبت اچھا باغ عطا فرمائے ہم اپنے رب کی طرف رغبت رکھنے والے ہیں۔ یہاں الی حرف جا اس لئے ذکر کیا تا کہ انتہائی رغبت پر دلالت ہو یا اس لئے الی ذکر کیا کیونکہ رغبت میں رجوع کا معنی پایا جاتا ہے۔ یہ جملہ (انا الی ربنا راعبون) علت کی جگہ واقع ہے اور امید کا معنی دیتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت یہ انعام کو واجب کرتی ہے۔
امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے یہ خبر پہنچی کہ ان لوگوں نے اخلاص کا مظاہرہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان سے سچائی کو پہچان لیا تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے بدلے میں انہیں دوسرا باغ عطا فرما دیا جسے حیوان کہتے اس میں انگور تھے جس کے ایک گچھے کو خچر اٹھاتا تھا۔

كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ۗ وَالْعَذَابُ الْآخِرَةُ اَكْبَرُ ۗ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُوْنَ ۝۳۳
لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّتِ النَّعِيْمِ ۝۳۴

” (دیکھ لیا) ایسا ہوتا ہے عذاب اور آخرت کا عذاب تو بہت بڑا ہے کاش یہ لوگ (اس حقیقت کو) جانتے لے بے شک پر ہیزگاروں کے لئے اپنے رب کے پاس نعمتوں بھری جنتیں ہیں۔“

۱۔ کذا لک خبر ہے اور ما بعد اس کا مبتداء ہے، یعنی جو آدمی شکر نہیں کرتا اس کے لئے دنیا میں ایسا عذاب ہے جیسا عذاب ہم نے اہل

مکہ اور باغ والوں کو دیا تھا۔ کفر، نافرمانی شکر چھوڑنے اور زکوٰۃ نہ دینے پر آخرت میں عذاب اس سے بھی بڑا ہوگا جو سخت بھی ہوگا اور باقی رہنے والا ہوگا۔ لو کانوا یعلمون شرط ہے جو جزاء سے مستغنی ہے کیونکہ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی: لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْعَذَابَ مَا فَعَلُوا فِعْلَهُمْ اگر وہ عذاب کو جانتے ہوتے تو ایسا نہ کرتے۔

۲۔ عند ربہم یعنی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں خالص نعمتیں ہیں۔ یہ جملہ مستانفہ ہے پہلے مجرموں کے لئے وعید کا ذکر کیا پھر متقین کے لئے وعید ذکر کیا۔ جب مشرکین مکہ نے یہ کہا اگر بفرض محال قیامت برپا ہوئی تو ہمیں تمہاری بنسبت بہتر عطا کیا جائے گا۔ یا اسی کی مثل عطا کیا جائے گا جو ہمیں دنیا میں دیا گیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں جھٹلاتے ہوئے فرمایا۔

أَفَجَعَلُ الْمُسْلِمِينَ كَالْمُجْرِمِينَ ۗ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ۗ أَمْ لَكُمْ كِتَابٌ فِيهِ تَدْرُسُونَ ۗ إِنَّ لَكُمْ فِيهِ لَمَا تَخَيَّرُونَ ۗ

”کیا ہم فرمانبرداروں کا حال مجرموں کا سا کر دیں گے؟ تمہیں کیا ہو گیا تم کیسے فیصلے کرتے ہو؟ کیا تمہارے پاس

کوئی کتاب ہے جس میں تم یہ پڑھتے ہو؟ کہ تمہارے لئے اس میں ایسی چیزیں ہیں جن کو تم پسند کرتے ہو؟“

۱۔ ہمزہ استفہام مجرموں اور مسلمانوں میں برابری کے انکار کے لئے ذکر کیا گیا ہے تو مجرموں کے لئے فضیلت نہ ہونے کو بدرجہ اولیٰ ثابت کرے گا۔ یہ جملہ ایک محذوف جملہ کا معطوف ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی: أَلَا نَفْضِلُ الْمُسْلِمِينَ الْمُطِيعِينَ عَلَي الْمُجْرِمِينَ فَتَجْعَلُ الْمُسْلِمِينَ كَالْمُجْرِمِينَ کیا ہم مسلمان اطاعت شعاروں کو مجرموں پر فضیلت نہیں دیں گے اور مسلمانوں کے ساتھ مجرموں جیسا سلوک کریں گے۔

۲۔ کیف یہ تحکمون کے فاعل سے حال ہے۔ حال کو ذوالحال سے اس لئے پہلے ذکر کیا کیونکہ کلام کے آغاز میں ہونے کا تقاضا کرتا ہے تم عقل کے خلاف عجیب و غریب فیصلہ کر رہے ہو کیونکہ عقل تو یہ فیصلہ کرتی ہے کہ اطاعت شعار نافرمان سے اچھی حالت میں ہو۔ اس میں غائب کے صیغہ سے خطاب کے صیغہ کی طرف التفات ہے۔

۳۔ ام منقطعہ ہے بل کے معنی میں ہے۔ سابقہ جملہ کے حکم سے انضراب ہے، یعنی اگر یہ عقل کا فیصلہ نہیں تو کیا تمہارے پاس ایسی سمعی اور نقلی دلیل ہے جو آسمان سے نازل ہوئی ہے جس میں سے تم یہ پڑھ کر سنا لے ہو۔

۴۔ تمہارے لئے وہ کچھ ہوگا جس کی تم خواہش کرو گے۔ تخیرون کی ایک تاء کو حذف کر دیا گیا ہے۔ یہ جملہ تدرسون کا مفعول ہے یا تو اس سے پہلے قول محذوف ہوگا اور یہ مقولہ ہوگا یا اصل میں ان تھا جب ماتخیرون میں لام مفتوح آیا تو ہمزہ کو کسرہ دے دیا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ جملہ مستانفہ ہو اور انکار کے طریقہ پر اسے لایا گیا ہو۔

أَمْ لَكُمْ آيَاتٌ عَلَيْنَا بِالْعَهْدِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۗ إِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُونَ ۗ سَلِّمُوا إِلَيْهِمْ ۗ بِذَلِكَ زَعِيمٌ ۗ أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ ۗ فَلْيَأْتُوا بِشُرَكَائِهِمْ ۗ إِنْ كَانُوا صَادِقِينَ ۗ

”کیا تمہارے لئے قسمیں ہم پر (لازم) ہیں جو باقی رہنے والی ہیں قیامت تک کہ تمہیں وہی ملے گا جو تم حکم کرو گے؟

ان سے پوچھئے ان میں سے کون ان (بے سرو پا) باتوں کا ضامن ہے؟ کیا ان کے پاس کوئی گواہ رہے ہیں اگر ہیں تو

پھر پیش کریں اپنے گواہوں کو اگر وہ سچے ہیں سہ۔“

۱۔ لکم ظرف مستقر ہے اور ایمان اس شبہ فعل کا فاعل ہے۔ لکم جس کے متعلق ہے یعنی ہم پر ایسی مؤکد قسمیں ہیں جو تا کید میں انتہاء درجے کو پہنچی ہوئی ہیں اور قیامت تک مؤثر ہیں الی یوم القیمة۔ یہ بھی اسی شبہ فعل کے متعلق ہے جس کے متعلق لکم تھا۔ یعنی ہم ان کی ذمہ داری سے اس وقت تک فارغ نہیں ہوں گے جب تک قیامت کے روز تمہارے حق میں فیصلہ نہیں کر دیتے۔ یا الی یوم القیمة جار مجرور بالغۃ کے متعلق ہے، یعنی ایسی قسمیں جو قیامت تک مؤثر ہیں۔ ان لکم لہما تحکمون یہ اس قسم کا جواب ہے جو ایمان کے لفظ سے بھی جار ہی ہے، یعنی کیا ہم نے تمہارے لئے قسم اٹھا رکھی ہے کہ تمہارے لئے وہی کچھ ہوگا جو تم فیصلہ کرو گے۔

۲۔ ان کے پاس کون ہے جو اس کا دعویٰ کرے اور اسے صحیح ثابت کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں ان تمام دلائل کی نفی کر دی جن کے ذریعے وہ اپنا موقف ثابت کر سکتے تھے جیسے عقلی اور نقلی دلیل جس سے ان کا استحقاق ثابت ہو سکتا تھا یا وعدہ یا ایسے شخص کی تقلید جو اپنا دعویٰ ثابت کرنے پر قادر ہو۔

جب اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے اس امر کی نفی کر دی کہ وہ کفار اور مومنوں میں مساوات کرے گا۔ ساتھ ہی اس کی بھی نفی کر دی کہ یہ مساوات ان شریکوں کی طرف سے ہو جنہیں وہ اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہیں تو فرمایا۔

۳۔ کیا ان کے ایسے شریک ہیں جو انہیں قیامت کے روز مومنوں جیسا بنادیں گے تو وہ اپنے شرکاء لے آئیں اور یہ ثابت کریں کہ یہ واقعی اللہ تعالیٰ کے ساتھ علم، قدرت، ارادہ اور تخلیق کرنے میں شریک ہیں۔ یہاں فاء سببہ ہے اور امران کے عجز کو ظاہر کرنے کے لئے ہے یہاں شرط مذکور ہے جزا نہیں کیونکہ ان کا انوار صدیقین سابقہ ظلم کی وجہ سے جزا سے مستغنی ہے۔

یَوْمَ يَكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَيُدْعُونَ إِلَى السُّجُودِ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ ﴿۱۰﴾

”جس روز پردہ اٹھایا جائے گا ایک ساق سے لے تو ان (نابکاروں) کو سجدہ کی دعوت دی جائے گی سہ تو اس وقت وہ سجدہ نہ کر سکیں گے سہ۔“

۱۔ یوم ظرف ہے اور اذکر کے ساتھ متعلق ہے۔ کشف الساق سے مراد میدان محشر میں اللہ تعالیٰ کی تجلیات کی ایک قسم ہے۔ شیخین اور دوسرے محدثین نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ کچھ لوگوں نے حضور ﷺ سے سوال کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا ہم قیامت کے روز اپنے رب کا دیدار کریں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہاں دو پہر کے وقت جب بادل وغیرہ بھی نہ ہوں تو کیا تمہیں سورج کے دیکھنے میں کوئی شک ہوتا ہے جب چودھویں رات ہو بادل وغیرہ بھی نہ ہوں تو کیا چاند کے دیکھنے میں کوئی شک و شبہ ہوتا ہے۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہرگز نہیں فرمایا قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے دیدار میں تمہیں کوئی شک و شبہ نہیں ہوگا جس طرح تمہیں ان دنوں میں کسی کے دیکھنے میں کوئی شک نہیں رہتا۔ جب قیامت کا دن ہوگا تو ایک اعلان کرنے والا اعلان کرے گا ہر امت اس کے پیچھے پیچھے چلے جس کی وہ عبادت کرتی تھی تو اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ جو بھی کسی بت کی عبادت کرتے تھے (۱) سب جہنم میں گر جائیں گے یہاں تک کہ نیک و بد میں سے صرف وہ رہ جائیں گے جو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے ایک روایت میں ہے کہ اہل کتاب کے علاوہ کوئی نہیں رہے گا تو یہودیوں کو بلایا جائے گا انہیں کہا جائے گا کس کی عبادت

کرتے تھے تو وہ کہیں گے ہم عزیر بن اللہ کی عبادت کرتے تھے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہو گا تم نے جھوٹ بولا اللہ تعالیٰ نے تو کسی کو اپنا بیٹا اور بیوی نہیں بنایا۔ ارشاد ہو گا اب کیا چاہتے ہو تو عرض کریں گے اے ہمارے رب ہمیں سخت پیاس ہے ہمیں پانی پلانا تو انہیں اشارہ کیا جائے گا کیا تم دیکھتے نہیں تو انہیں جہنم کی طرف ہانکا جائے گا گویا جہنم اس وقت سراب ہو گا جو اپنے آپ کو کھا رہی ہوگی تو وہ جہنم میں گر پڑیں گے پھر نصرانیوں کو بلایا جائے گا تو انہیں کہا جائے گا تم کس کی عبادت کرتے تھے تو وہ جواب دیں گے ہم مسیح بن اللہ کی عبادت کرتے تھے۔ انہیں کہا جائے گا تم نے جھوٹ بولا پھر ان سے اسی طرح کلام کی جائے گی جس طرح یہودیوں سے کی گئی تھی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ہے۔ نیز دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے محدثین نے اسے صحیح کہا کہ جو بھی غیر اللہ کی عبادت کرتا تھا جیسے سورج، چاند اور بت وغیرہ تو ان کے لئے ان چیزوں کو مثالی صورت دی جائے گی جو حضرت عزیر علیہ السلام کی عبادت کرتے تھے ان کے لئے حضرت عزیر علیہ السلام کے شیطان کو مثالی صورت دی جائے گی اور جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کرتے تھے۔ ان کے لئے حضرت مسیح علیہ السلام کے شیطان کو مثالی صورت میں لایا جائے گا وہ سب ان کے ساتھ جہنم کی طرف چل پڑیں گے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت مروی ہے جو طبرانی، ابویعلیٰ، بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ اور دوسرے محدثین کے ہاں ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک فرشتے کو حضرت عزیر علیہ السلام اور ایک فرشتے کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صورت میں لائے گا۔ یہودی اور عیسائی ان کی اتباع کریں گے۔ پھر ان کے معبود انہیں جہنم کی طرف لے جائیں گے۔ یہی کہیں گے لَوْ كَانَ هَؤُلَاءَ الْاٰیٰةً مِّنْ عِنْدِ رَبِّكَ لَوَدَّعَرَبُوْنَ سَبِيْلَكَ وَلٰكِنْ لَّا يَخْتَلِفُ ذِيْ الْاَلْبَابِ فِيْ غُلُوْبِ الْاَكْثَرِيْنَ۔ اب ہم پھر صحیحین کی طرف لوٹتے ہیں یہاں تک کہ نیک و بد میں سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے کے علاوہ کوئی نہیں رہے گا تو رب العالمین جلوہ افروز ہو گا۔ ارشاد فرمائے گا تم کیا دیکھ رہے ہو، ہر امت تو جس کی عبادت کرتی تھی وہ اس کے پیچھے پیچھے جا چکی تو لوگ عرض کریں گے اے ہمارے رب ہم دنیا میں ان لوگوں سے الگ تھلگ رہے جبکہ ہمیں ان کی سخت ضرورت تھی، ہم نے ان سے دوستی اور سنگت اختیار نہ کی تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں تمہارا رب ہوں تو لوگ کہیں گے ہم تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہیں ٹھہراتے۔ وہ یہ بات دو یا تین دفعہ کہیں گے یہاں تک کہ ان میں سے بعض پلٹنے لگیں گے تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کیا کوئی ایسی نشانی ہے جس کے ذریعے تم اسے پہچان لو گے تو لوگ عرض کریں گے ہاں۔ تو پنڈلی سے پردہ ہٹایا جائے گا تو جو خلوص دل سے عبادت کرتا تھا اسے سجدہ کی اجازت دیدی جائے گی اور جو نفاق اور ریا کاری کے طور پر سجدہ کرتا تھا اس کی پشت کو اللہ تعالیٰ ایک تختہ کی مانند بنا دے گا۔ جب بھی وہ سجدہ کرنے لگے لگا تو گدی کے بل گر پڑے گا۔ پھر جہنم پر چل رکھ دیا جائے گا۔

ایک روایت میں ہے عرض کی گئی یا رسول اللہ ﷺ یہ بل صراط کیا ہے تو حضور ﷺ نے فرمایا یہ پھسلنے والا کچھڑ جس پر آنکڑے (لوہے کے کانٹے) اور نجد میں پیدا ہونے والی خاردار گھاس یعنی سعدانہ کے خمیدہ کانٹے ہوں گے۔ شفاعت کی اجازت ہو جائے گی۔ انبیاء عرض کریں گے سلّم سلّم اے اللہ انہیں سلامتی عطا فرما مومن پلک جھپکنے کی طرح، ہوا کی طرح، پرندے کی طرح، عمدہ گھوڑوں کی طرح اور اونٹوں کی رفتار میں گزر جائیں گے، کچھ مسلمان صحیح و سالم نجات پا جائیں گے، کچھ زخمی ہوں گے اور کچھ جہنم میں گر پڑیں گے یہاں تک کہ جب مومنوں کو جہنم سے چھٹکارا مل جائے گا تو اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے ان سے زیادہ تم میں سے کوئی اپنے حق کا مطالبہ کرنے والا نہ ہو گا اللہ تعالیٰ مومنوں کے لئے جہنم میں موجود ان کے بھائیوں کو ظاہر کر دے گا۔ وہ عرض کریں گے اے ہمارے رب وہ ہمارے ساتھ روزے رکھتے تھے، ہمارے ساتھ نمازیں پڑھتے، تھے ہمارے ساتھ حج کرتے تھے تو اللہ

تعالیٰ ارشاد فرمائے گا جنہیں تم پہچانتے ہو انہیں جہنم سے نکال لو، ان مومنوں کے چہرے جہنم پر حرام ہوں گے۔ جہنم ان کے چہروں کو نقصان نہ پہنچائے گی۔ وہ بے شمار لوگوں کو نکال لیں گے پھر وہ کہیں گے اے ہمارے رب جن کے بارے میں تو نے ہمیں حکم دیا ہے ان میں سے اب کوئی بھی نہیں بچا تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا واپس پلٹ جاؤ جس کے دل میں دینار کے برابر ایمان اور خیر پاؤ اسے نکال لاؤ تو وہ بے شمار لوگوں کو نکال لائیں گے پھر ارشاد فرمائے گا واپس جاؤ جس کے دل میں نصف دینار کے برابر خیر اور ایمان پاؤ اسے بھی جہنم سے نکال لاؤ تو وہ بے شمار لوگوں کو نکال لائیں گے۔ پھر ارشاد ہو گا واپس جاؤ اور جن کے دل میں ذرہ برابر ایمان پاؤ تو اسے بھی نکال لاؤ تو وہ بے شمار لوگوں کو نکال لائیں گے۔ پھر وہ عرض کریں گے اب ہم نے اس جہنم میں کوئی خیر نہیں دیکھی تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا اب ملائکہ، انبیاء اور مومنوں نے شفاعت کر لی ارحم الرحیمین کے سوا کوئی نہیں بچا اللہ تعالیٰ جہنم میں سے ایک منھی بھرے گا تو قوم کو نکالے گا جنہوں نے کبھی کوئی اچھائی نہ کی ہوگی وہ کونلہ بن چکے ہوں گے اللہ تعالیٰ اسے ایک دریا میں ڈال دے گا جسے نہر حیات کہتے ہیں تو وہ اس سے یوں نکلیں گے جس طرح دانہ سیلاب والی مٹی سے نکلتا ہے۔ وہ موتیوں کی طرح باہر نکلیں گے۔ ان کی گردنوں میں یہ مہر ہوگی۔ جنتی انہیں کہیں گے یہ اللہ تعالیٰ کے آزا کردہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بغیر عمل کے جنت میں داخل کیا ہے اور نہ ہی انہوں نے پہلے کوئی اچھائی کی تھی۔ اللہ تعالیٰ انہیں فرمائے گا جو تم دیکھ رہے ہو یہ بھی تمہارے لئے ہے اور اس کی مثل بھی تمہارے لئے ہے۔ (۱)

کشف الساق کا ذکر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں آیا ہے جو حاکم رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے محدثین کے ہاں بھی مذکور ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جو صحیحین میں ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کے پاس ایسی صورت میں آئے گا جسے وہ نہیں پہچانتے ہوں گے۔ لاکائی نے السنۃ میں اور اجزی نے کتاب الرؤیۃ میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں نے حضور ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جب قیامت کا روز ہوگا تو ہر قوم دنیا میں جس کی عبادت کرتی تھی اسے ایک مثالی صورت میں لایا جائے گا۔ ہر قوم اپنے معبود کے ساتھ چلی جائے گی صرف تو حید والے رہ جائیں گے۔ انہیں کہا جائے گا لوگ تو چلے گئے تو لوگ کہیں گے ہم دنیا میں ایسے رب کی عبادت کرتے تھے جسے ہم نے دیکھا نہیں تو ارشاد فرمائے گا جب تم اسے دیکھو گے تو پہچان لو گے تو لوگ عرض کریں گے ہم پہچان لیں گے۔ ارشاد ہوگا تم اسے کس طرح پہچانو گے جبکہ تم نے اسے دیکھا ہی نہیں۔ لوگ عرض کریں گے اس کی کوئی مثل نہیں تو ان کے لئے حجاب اٹھا دیا جائے گا وہ اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے اور سجدہ میں گر جائیں گے کچھ لوگ اسی طرح رہ جائیں گے۔ ان کی پشتوں کے مہرے تل کی پشت کے مہروں جیسے ہو جائیں گے وہ سجدہ کا ارادہ کریں گے لیکن سجدہ نہ کر سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا سر اٹھاؤ میں نے تمہاری جگہ (جہنم میں) ایک یہودی اور عیسائی کو داخل کر دیا ہے۔

یہ احادیث دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی تجلیات کی کئی قسمیں ہیں ان میں سے کچھ اس کی صورت کی تجلیات ہیں۔ یہ عالم مثال میں ہے۔ یہ حقیقت میں روایت نہیں ہوتی جس طرح حضور ﷺ نے اپنے رب کو بے ریش نوجوان گھٹکھریا لے بالوں والا دیکھا جس کے پاؤں میں سونے کے جوتے تھے۔ اسی تجلی کے موقع پر محشر میں لوگوں نے کہا ہم تجھ سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں ہم اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے۔ ان تجلیات میں سے ایک صورت یہ ہے کہ اس کی کوئی مثل نہیں ہوتی اس میں ظلیت کا شائبہ ہوتا ہے۔ شائد اس آیت میں اسی نوع کا ارادہ فرمایا یَوْمَ یُكشَفُ عَنْ سَاقٍ تو مومنوں اور فجار نے بغیر حجاب کے اسے اس طرح

دیکھا جس طرح تم سورج کو دوپہر کے وقت دیکھتے ہو جبکہ بادل وغیرہ نہ ہوں اور چاند کو چودھویں کی رات میں دیکھتے ہو جس طرح ہم نے اس سے پہلے روایت کیا ہے اس تجلی میں کفار کا کوئی حصہ نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: كَلَّا إِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَمَحْجُوبُونَ اور حضور ﷺ کا ارشاد ہے یہاں تک کہ نیک اور فاجر کے علاوہ جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے کوئی نہیں رہے گا تو ان کا رب آئے گا۔

ساق کا لفظ متشابہات میں سے ہے جس طرح بد، وجہ متشابہات میں سے ہے۔ اس کی تاویل اللہ اور راسخ فی العلم علماء، جانتے ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے۔ ان تجلیات کی ایک قسم وہ ہے جو جنت میں ظلمت کے شائبہ کے بغیر ہوگی جسے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ذکر کیا گیا ہے لَنْ نَبْزِيَنَّهُمْ أَحْسَنُ الْوُجُوهِمْ وَلَا نَزِيدُهُمْ فِي عَذَابِهِمْ شَيْئًا۔

۲۔ نیک مومنوں اور فجار کو سجدہ کرنے کی دعوت دی جائے گی۔ یہ سجدے کی دعوت اس باب سے تعلق نہیں رکھتی جو دنیا میں انسان کو بطور حکم دی جاتی ہے کیونکہ آخرت میں وہ مکلف نہیں بلکہ یہ ایک طبعی دعوت ہے کیونکہ جب عظمت و جلال کے پردے بنا دیئے جائیں تو ممکن کو واجب الوجود کے سامنے بھٹکنا چاہئے جبکہ کوئی مانع نہ ہو۔

۳۔ تو تا فرمان اس کی طاقت نہ رکھیں گے کیونکہ ان کی پشتیں ایک تختہ کی مانند ہو چکی ہوں گی۔ اس کی وجہ گناہوں کا بوجھ ہوگا۔ يستطعمون کی ضمیر ان بعض لوگوں کے لئے ہے جنہیں سجدہ کی دعوت دی گئی تھی۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ضمیر بعض کی طرف لوٹ رہی ہے۔ وَبُعُوثَهُنَّ أَحْسَنَ مِمَّ مَاتْنَ وَأَنَّ لَهُنَّ فِي عَذَابِهِمْ أَجْرًا۔

اسی مفہوم پر مذکورہ احادیث بھی دلالت کرتی ہیں کہ جو سجدہ کرنے کی طاقت نہ رکھیں گے وہ ایسے مومن ہوں گے جو نماز نہیں پڑھتے تھے یا جماعت کے ساتھ نماز نہیں پڑھتے تھے۔ اگر پڑھتے بھی تھے تو تفسیر کے طور پر پڑھتے تھے جس طرح رافضی وغیرہ بدعتی لوگ ہیں یا لوگوں کو دکھانے کے لئے سجدہ کرتے تھے عمل میں اخلاص نہیں ہوتا تھا۔ اگر یہ حوالہ کیا جائے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے راویوں کی احادیث میں یہ وارد ہوا ہے جب مومنوں کے علاوہ کوئی باقی نہ ہوگا اور ان میں منافق بھی ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے ہاں نزول اجلال فرمائے گا..... تو پنڈلی ظاہر ہوگی تو اللہ تعالیٰ کی عظمت ان کے لئے عیاں ہوگی جس سے وہ پہچان لیں گے کہ یہ ان کا رب ہے تو وہ منہ کے بل اس کے سامنے سجدہ ریز ہوں گے اور ہر منافق پشت کے بل گر پڑے گا اور اللہ تعالیٰ ان کے مہروں کو اس طرح بنا دے گا جس طرح بیل کی پشت کے مہرے ہوتے ہیں۔ ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں ان احادیث میں منافق سے مراد عمل میں نفاق کرنے والا ہے نہ کہ اعتقاد میں نفاق کرنے والا ہے کیونکہ جو اعتقاد میں نفاق کرتا ہے وہ پکا کافر ہے بلکہ کافروں سے بھی سخت کافر ہے اور وہ جہنم کے سب سے نچلے گڑھے میں ہوگا۔ انہیں قیامت کے روز اپنے رب کا دیدار نہیں ہوگا۔ ان کے لئے دیدار الہی کا شرف کیسے ہو سکتا ہے۔ احادیث طیبہ میں گناہگار کے لئے بھی منافق کا لفظ استعمال ہوا ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا چار خصلتیں جس میں ہوں وہ خالص منافق ہے اور جس میں ان میں سے ایک خصلت ہو اس میں نفاق کی ایک خصلت ہے یہاں تک کہ وہ اسے چھوڑ دے جب اسے امین بنایا جائے تو وہ خیانت کرے جب بات کرے تو جھوٹ بولے جب وعدہ کرے تو اسے توڑ دے جب جھگڑا کرے تو گالی دے (1)۔ یہ حدیث حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور متفق علیہ ہے۔ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت

مروئی ہے کہ منافق کی تین علامتیں ہیں۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ اگرچہ وہ روزہ رکھے اور نماز پڑھے اور یہ گمان کرے کہ وہ مسلمان ہے۔ پھر دونوں محدثین نے ان الفاظ کے نقل کرنے میں اتفاق کیا ہے، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو اسے توڑ دے۔ جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔

خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ وَقَدْ كَانُوا يُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ وَهُمْ سَالِمُونَ ﴿۳۳﴾

”ندامت سے ہنکی ہوں گی ان کی آنکھیں ان پر ذلت چھا رہی ہوگی حالانکہ انہیں (دنیا میں) بلایا جاتا تھا سجدہ کی طرف جبکہ وہ صحیح سلامت تھے۔“

۱۔ خشوع اصل میں ذات کی صفت ہے اور آنکھوں کی طرف مجازاً منسوب ہے کیونکہ اس کا ظہور آنکھوں میں ہوتا ہے۔ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ یعنی انہیں ذلت لاحق ہوگی۔ انہیں دنیا میں سجدہ کی دعوت دی جاتی تھی۔ وہ اس طرح سجدہ نہیں کرتے تھے جس طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں اخلاص کے ساتھ سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا جبکہ اس وقت ان کی پشتیں ایک بے جوڑ تختہ کی مانند تھیں۔ یہ جملہ (وَهُمْ سَالِمُونَ) دوسرے يُدْعَوْنَ کے نائب فاعل کا حال ہے۔ باقی خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ سے لے کر وَقَدْ كَانُوا يُدْعَوْنَ تک سب پہلے يُدْعَوْنَ کے نائب فاعل سے حال ہیں۔ وَقَدْ كَانُوا يُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ وَهُمْ سَالِمُونَ یہ آخرت میں ان کے سجدہ نہ کرنے کی طاقت پر علت ہے۔

فَذَرْنِي وَ مَنْ يَكْذِبُ بِهَذَا الْحَدِيثِ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۳۴﴾ وَأَمْ لِي لَهُمْ ۭ إِن كَيْدِي مُتَبِينٌ ﴿۳۵﴾

”بس (اے صیب) آپ چھوڑ دیجئے مجھے اور اسے جو اس کتاب کو بھلاتا ہے ہم انہیں بتدریج تباہی کی طرف لے جائیں گے اس طرح کہ انہیں علم تک نہ ہوگا۔ اور میں نے (سر دست) انہیں مہلت دے رکھی ہے میری خفیہ تدبیر بڑی پختہ ہے۔“

۱۔ مَنْ يَكْذِبُ کا عطف یا تو فذر نسی کی ضمیر منصوب پر ہے۔ یا اس کا مفعول معد سے ہذا الحدیث سے مراد قرآن ہے۔ فذر نسی کا جملہ کفار کو وعید اور نبی کریم ﷺ کی تسلی کے لئے بطور معترضہ ذکر کیا ہے، یعنی آپ ﷺ تکمیل نہ ہوں اسے میری طرف سپرد کر دیں میں اسے کافی ہو جاؤں گا۔

سَنَسْتَدْرِجُهُمْ میں ہم ضمیر منصوب من کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اسے جمع معنی کی وجہ سے لایا گیا ہے۔ درج کا معنی خط یا کپڑے کو لپیٹنا لپیٹی گئی چیز کو درجی کہتے ہیں۔ درج بطور مجاز موت کے معنی میں مستعمل ہے جس طرح طی کا لفظ موت کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ جوہری رحمۃ اللہ علیہ نے یہی کہا ہے اور کہا اللہ تعالیٰ کا فرمان سَنَسْتَدْرِجُهُمْ کا معنی یہ ہے ہم خط کی طرح اسے لپیٹ دیں گے، یعنی انہیں غافل رکھیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی ہے ہم درجہ بدرجہ انہیں پکڑیں گے۔ خلاصہ کلام یہ ہوا ہم انہیں مہلت اور تدریج کے ساتھ عذاب میں پکڑیں گے اور انہیں پتہ بھی نہیں چلے گا کہ انہیں عذاب کیسے پہنچتا ہے۔

۲۔ میں انہیں مہلت دوں گا بے شک میری تدبیر بڑی مضبوط ہوگی۔ اس کا دور کرنا اس کے بس کی بات نہ ہوگی۔ ان کیدی متین یہ جملہ مستانفہ ہے۔ کید کا معنی مکر اور حیلہ ہے اور اس نے جو برائی اپنے دل میں چھپا رکھی ہے۔ اس کے برعکس ظاہر کرنا اللہ تعالیٰ کی

طرف سے تدبیر یہ ہوگی کہ انعام کی صورت میں وہ انتقام لیتا ہے۔ جوہری رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ تعالیٰ کے فرمان ان کیسی متین میں فرمایا کہ بعض کا قول ہے کہ کید سے مراد عذاب ہے جبکہ صحیح یہ ہے کہ اس کا معنی مہلت دینا ہے، یعنی دنیا میں ان کفار کو جو ہم نعمتیں عطا فرماتے ہیں۔ یہ مومنوں پر فضل و احسان نہیں جس طرح انہوں نے گمان کیا ہے بلکہ ان کے ساتھ کید اور استدراج ہے۔

فائدہ:- جس نے گناہ کا ارتکاب کیا اور دنیا میں مصیبت کے ذریعے اس کو سزا مل گئی اس کے گناہ کی بخشش کی امید ہوتی ہے جو گناہ کا ارتکاب کرے۔ پھر اس پر نعمت کی زیادتی دکھائی دے اس کے بارے میں مکر اور استدراج کا اندیشہ ہوتا ہے نعوذ باللہ منہ۔

﴿أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا فَهُمْ مِنْ مَغْرَمٍ مُثْقَلُونَ﴾ ﴿١٦﴾ ﴿أَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُونَ﴾ ﴿١٧﴾

”آیا آپ ان سے کچھ اجرت مانگتے ہیں پس وہ اس تاوان (کے بوجھ) سے دبے جاتے ہیں۔ کیا ان کے پاس غیب کی خبر آتی ہے اور وہ اس کو لکھ لیتے ہیں۔“

اے کیا آپ ان سے تبلیغ یا اجرت مانگتے ہیں ام منقطع ہے بل کے معنی میں ہے اس کا عطف ام لہم شرکاء پر ہے درمیان میں جملہ معترضہ ہیں۔ پس وہ اجرت کی چکی کے نیچے دبے جا رہے ہیں وہ چکی سے بچنے کے لئے بغیر کسی دلیل کے تجھ سے امراض کر رہے ہیں جملہ اسمیہ کا عطف فاء سببیہ کے ذریعے جملہ فعلیہ پر کیا ہے۔

غیب سے مراد لوح محفوظ یا مغیبات ہیں اور وہ اسی سے فیصلہ کرتے ہیں۔ ام عندہم کا عطف ام تسئلہم پر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سابقہ آیات میں دلیل عقلی، نقلی اور تقلید کی نفی کی جس سے عوام استدلال کرتے ہیں۔ یہاں مغیبات سے کشف اور الہام کی نفی کی جو خواص کے علم کا ذریعہ ہے جیسے انبیاء، ملائکہ اور بعض اولیاء کیونکہ اللہ تعالیٰ ان ہستیوں پر لوح محفوظ اور مغیبات ظاہر کر دیتا ہے، یعنی جن چیزوں کا ہم نے ذکر کیا ہے ان میں سے کوئی چیز بھی ان کے پاس نہیں ہے تو پھر وہ باطل اور لغو فیصلہ کرتے ہیں۔

﴿فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ إِذْ نَادَىٰ وَهُوَ مَكْظُومٌ﴾ ﴿١٨﴾

”پس انتظار فرمائے اپنے رب کے حکم کا اور نہ ہو جائیے مچھلی والے کی مانند۔ جب اس نے پکارا اور وہ غم و اندوہ سے بھرا ہوا تھا۔“

بلکہ اے محمد ﷺ اپنے رب کے فیصلے پر صبر کیجئے کہ اس نے کفار کو مہلت دی اور استدراج سے کام لیا۔ آپ نہ تنگ دل ہوں اور نہ ہی جلد بازی کا مظاہرہ کریں۔ تنگ دلی اور جلدی کرنے میں مچھلی والے کی طرح نہ ہو جائیں۔ ولا تکن کا مطلق فاصبر پر ہے۔ وہب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ یونس بن موسیٰ ایک صالح انسان تھے۔ آپ کے اخلاق میں تنگی تھی۔ جب آپ پر نبوت کا بوجھ ڈالا گیا تو اس سے بوجھل ہوئے اور اس کے اٹھانے سے اسی طرح اعراض کیا جس طرح اونٹ کے بچے پر بھاری بوجھ لادا جائے تو اسے سامنے پھینک دیتا ہے اور بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں اولوالعزم رسولوں سے خارج کر دیا۔ حضور ﷺ سے فرمایا اسی طرح صبر کریں جس طرح اولوالعزم رسول صبر کرتے ہیں، آپ مچھلی والے کی طرح نہ ہو جائیں۔

حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قصہ

حضرت ابن مسعود، حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہما اور وہب رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اہل نبیوں کی

طرف مبعوث فرمایا جن کی تعداد ایک لاکھ یا اس سے زیادہ تھی۔ آپ نے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی تو لوگوں نے آپ کی دعوت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ آپ نے لوگوں کو خبردار کیا کہ تین دنوں تک عذاب تمہیں آپہنچے گا۔ لوگوں نے کہا اس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ نہیں بولا دیکھو اگر اس رات بھی یہ تمہارے ساتھ رہا تو پھر عذاب نہیں ہوگا۔ اُس رات نے رات نہ نزاری تو جان لینا کہ صبح عذاب آجائے گا۔ حضرت یونس علیہ السلام نصف رات کو گھر سے نکل گئے۔ جب صبح ہوئی تو عذاب ظاہر ہونے لگا ان کے سروں پر ایک میل کے فاصلہ پر تھا۔ آسمان پر سیاہ بادل نمودار ہوئے بلکہ سخت دھواں چھا گیا وہ نیچے آنے لگا یہاں تک کہ ان کے شہر کو ڈھانپ لیا اور ہر طرف اندھیرا پھیل گیا۔ جب انہوں نے یہ حالات دیکھے تو انہیں اپنی ہلاکت کا یقین ہو گیا۔ انہوں نے حضرت یونس علیہ السلام کو تلاش کیا اور انہیں تلاش نہ کر سکے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں توبہ کا خیال ڈالا تو وہ سب کھلے میدان کی طرف نکل گئے ان کی عورتیں، بچے اور جانور سب ساتھ تھے۔ انہوں نے کبل کا لباس زیب تن کیا، ایمان اور توبہ کا اظہار کیا ارادے کو خالص کیا والدہ اور بچوں اور مادہ جانوروں اور ان کے بچوں میں علیحدگی کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم فرمایا ان کی دعا قبول فرمائی۔ عذاب ان پر آچکا تھا کہ ان سے عذاب کو دور کر دیا۔ یہ دس محرم کی تاریخ تھی۔ حضرت یونس علیہ السلام بستی سے نکل گئے تھے اور عذاب کے نازل ہونے اور اپنی قوم کے ہلاک ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔ انہوں نے اس میں سے کچھ بھی نہ دیکھا۔ اب آپ علیہ السلام اپنے آپ کو جھوٹوں میں شمار کرنے لگے اور عذاب نہ آنے کی کوئی دلیل بھی نہ تھی۔ حضرت یونس علیہ السلام نے فرمایا میں اب اپنی قوم کے پاس کیسے جاؤں جبکہ میں ان کے پاس جھوٹا ثابت ہو چکا ہوں تو آپ علیہ السلام چل پڑے سمندر کے کنارے آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ کچھ لوگ کشتی پر سوار ہیں۔ انہوں نے حضرت یونس علیہ السلام کو پہچان لیا اور بغیر کرایہ کے کشتی پر سوار کر لیا کشتی درمیان میں جا کر کھڑی ہوئی نہ چھپتی تھی اور نہ ہی آگے جاتی تھی۔ لوگ کہنے لگے ہماری کشتی کے ساتھ کوئی خاص واقعہ ہو گیا ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام نے کہا میں اس کا سبب جان چکا ہوں ایک گناہگار آدمی اس پر سوار ہو گیا ہے۔ لوگوں نے پوچھا وہ کون ہے تو کہنے لگے میں ہوں مجھے سمندر میں پھینک دو۔ انہوں نے کہا ہم آپ کو ہرگز نہیں پھینکے گے یہاں تک ہم آپ کو آپ پر قربان کر دیں گے۔ انہوں نے قرعہ ڈالا۔ تین دفعہ آپ کا نام ہی نکلا۔ ایک مچھلی کشتی کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی جو اپنا منہ کھولے ہوئے تھی۔ اپنے رب کے حکم کا انتظار کر رہی تھی۔ حضرت یونس علیہ السلام نے فرمایا اللہ کی قسم تم سب ہلاک ہو جاؤ گے مگر اس صورت میں بچ جاؤ گے کہ مجھے سمندر میں پھینک دو۔ انہوں نے آپ کو سمندر میں پھینک دیا۔ لوگ چلے گئے اور مچھلی نے آپ کو اپنے منہ میں لے لیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے جب کشتی رک گئی تو ملاحوں نے کہا یہاں کوئی نافرمان آدمی ہے یا کوئی بھاگا ہوا غلام ہے۔ یہی کشتی کا ضابطہ ہے اور ہمارے قانون میں یہ بھی ہے کہ ہم قرعہ اندازی کریں تو انہوں نے تین دفعہ قرعہ اندازی کی تینوں دفعہ قرعہ حضرت یونس علیہ السلام کے نام نکلا آپ نے سمندر میں چھلانگ لگا دی مچھلی نے آپ کو نگل لیا۔ اس مچھلی کو ایک اور مچھلی نے نگل لیا جو اس سے بڑی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس مچھلی کو حکم دیا ہم نے حضرت یونس علیہ السلام کو تیرے لئے خوراک نہیں بنایا بلکہ ہم نے تیرے پیٹ کو اس کی پناہ گاہ اور مسجد کی جگہ بنا دی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ ہم نے اسے قید خانہ بنا دیا ہے۔ روایت کی گئی ہے کہ آپ قرعہ اندازی سے پہلے کھڑے ہو گئے اور کہا میں ہی گناہگار اور بھاگا ہوا غلام ہوں۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ علیک السلام ہم آپ کو سمندر میں نہیں پھینکیں گے یہاں تک کہ ہم قرعہ اندازی نہ کر لیں۔ قرعہ آپ کے نام ہی نکلا تو آپ نے پانی میں چھلانگ لگا دی۔ قصہ میں یہ

بھی مروی ہے کہ جب سمندر تک پہنچے تو آپ کے ساتھ آپ کی بیوی اور دو بیٹے بھی تھے۔ ایک کشتی آئی آپ نے سوار ہونے کا ارادہ کیا آپ نے بیوی کو آگے کیا تاکہ اس کے بعد کشتی پر سوار ہوں تو موج آپ کے اور کشتی کے درمیان حائل ہوئی۔ پھر دوسری موج آئی اور ان کے بڑے بیٹے کو بہا کر لے گئی۔ پھر ایک بھڑیا آیا اور آپ کے چھوٹے بیٹے کو پکڑ کر لے گیا۔ ایک اور کشتی آئی تو آپ اس پر سوار ہو گئے۔ پھر کشتی پانی میں جا کر رک گئی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا مچھلی نے اسے نگل لیا اور ساتویں زمین میں جا کر بیٹھ گئی۔ آپ اس کے پیٹ میں چالیس دن تک رہے۔ آپ نے سنگریزوں کی تسبیحات سنیں تو ان تاریکیوں میں یہ تسبیح پڑھی: لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ۔

۲۔ معصیت اور مشقت میں پڑنے کی وجہ غصے اور غم کے عالم میں کہا۔ اذ ظرفیہ فعل محذوف۔ اذکر کے متعلق ہے۔ یہ ظرف فعل نہیں کے متعلق نہیں کیونکہ ان کا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں ندا کرنا اچھا عمل ہے۔ یہ ان امور میں سے نہیں ہو سکتا جس کی نہیں کی گئی ہو۔ تقدیر کلام یہ ہوگی آپ حضرت یونس علیہ السلام کی طرح نہ ہو جائیں کہ آپ کفار کے عذاب کے لئے جلدی کر رہے ہوں۔ اس وقت کو یاد کرو جب آپ نے توبہ کرتے ہوئے مدائنی جبکہ آپ غصے سے بھرے ہوئے تھے کیونکہ وہ غصے کو ضبط نہ کر سکے۔ اس کی وجہ ان کی جلد بازی اور صبر نہ کرنا تھا۔

لَوْلَا أَنْ تَدَارَكَ نِعْمَةً مِنْ رَبِّكَ لَنَبَذْنَا بِالْعَرَاءِ وَهُوَ مَذْمُومٌ ①

”اگر اس کی چارہ سازی نہ کرتا اس کے رب کا لطف تو زال دیا جاتا اسے چنیل میدان میں درآں حالیکہ اس کی مذمت کی جاتی ہے۔“

۱۔ تدارک فعل ماضی ہے اور ادر کہہ کے معنی میں ہے کیونکہ فعل اور فاعل کے درمیان فاصلہ ہے۔ اس لئے فعل کو مذکر لانا بہت اچھا ہے یا یہ فعل مضارع منصوب ہے اور تفاعل کی ایک تاء کو حذف کر دیا گیا اور حال ماضیہ کی حکایت کی گئی ہے۔ یہ مصدر کی تاویل میں ہو کر مبتداء ہے جو شرط کے قائم مقام ہے۔ نعمة یہ فعل تدارک کہہ کا فاعل ہے۔ من ربہ یہ نعمة کی صفت ہے اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی رحمت توبہ کی توفیق اور اس کی قبولیت ہے۔ مبتداء کی خبر محذوف ہے۔ تقدیر کلام یوں ہے: لَوْلَا تَدَارَكَ نِعْمَةً مِنْ رَبِّكَ لَنَبَذْنَا بِالْعَرَاءِ وَهُوَ مَذْمُومٌ۔

لنبد یہ لولا کا جواب ہے تو انہیں درختوں اور ٹھکانوں سے خالی زمین پر پھینک دیا جاتا جبکہ آپ مذموم ہوتے۔ وهو مذموم یہ لنبد کے نائب فاعل سے حال ہے جواب کا انحصار اسی حال پر ہے اور نفی اسی طرف متوجہ ہے، یعنی اگر اللہ تعالیٰ کی رحمت نہ ہوتی تو انہیں مذمت کیا گیا پھینک دیا جاتا کیونکہ آپ اپنی قوم میں نہ ٹھہرے اور اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر قوم سے نکل آئے تھے۔ اولی امر کو چھوڑنا یہ انبیاء کا گناہ شمار ہوتا ہے کیونکہ وہ عظمت شان کے حامل ہوتے ہیں، اگرچہ وہ حقیقت میں گناہ نہ ہو اور عصمت کے منافی نہ ہو۔ لیکن جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کو ندا کی اور توبہ کی تو انہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت نے آلیا اور انہیں بے آب و گیاہ جگہ پر پھینک دیا گیا جبکہ آپ بیمار تھے جس طرح سورہ صافات میں محمود امر حوما کے الفاظ ہیں۔ عوفی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے محدثین نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام اور آپ کی قوم فلسطین میں رہتی تھی۔ ایک بادشاہ نے ان پر حملہ کر دیا تو سازھے نو خاندانوں کے افراد کو اس نے گرفتار کر لیا اور اڑھائی خاندان کے افراد باقی بچ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ بادشاہ حزقیاء کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ اس دوسرے بادشاہ کے پاس ایک مضبوط اور دانشمند آدمی کو بھیجئے۔

میں ان لوگوں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا تو وہ بنی اسرائیل اس کے ساتھ بھیج دے گا۔ بنی اسرائیل کے بادشاہ کی مملکت میں اس وقت پانچ نبی تھے۔ بادشاہ نے حضرت یونس علیہ السلام کو بلا بھیجا اور دوسرے بادشاہ کے پاس جانے کو کہا حضرت یونس علیہ السلام نے کہا کیا اللہ تعالیٰ نے تجھے یہ حکم دیا ہے کہ تو مجھے بھیجے۔ بادشاہ نے کہا نہیں آپ نے پوچھا کیا اس نے میرا نام لیا تھا۔ اس نے کہا نہیں تو آپ نے کہا یہاں میرے علاوہ قوی انبیاء ہیں۔ لوگوں نے آپ سے اصرار کیا تو آپ ناراض ہو کر گھر سے نکل پڑے تو بحر روم کے کنارے آ گئے اور کشتی پر سوار ہو گئے۔

فَاجْتَبِهٖ رَبُّهُ فَجَعَلَهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ③

”پھر چن لیا اس کو اس کے رب نے اور بنا دیا اس کو اپنے نیک بندوں سے۔“

۱۔ فجعله کا عطف فاجتبه پر ہے، یعنی وحی کا سلسلہ دوبارہ شروع کر دیا اور اسے کامل صالحین میں سے بنا دیا کہ اسے ایسی بات کرنے سے محفوظ کر دیا جس کا ترک کرنا بہتر تھا۔ صوفی پر لازم ہے کہ جب مخلوق اسے اذیتیں دے تو اس وقت وہ صبر کرے اور جو اس کی بات نہ مانے اس کے لئے بددعا نہ کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے خلاف بددعا کی اجازت نہیں دی بلکہ صبر کا حکم دیا تو جو ولی کا منکر ہو اور مومن ہو تو اس کے بارے میں بددعا کرنا کیسے جائز ہو سکتا ہے، واللہ اعلم۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کفار نے ارادہ کیا کہ وہ حضور ﷺ کو نظر لگائیں قریش کے کچھ لوگوں نے آپ کو دیکھا تو کہا ہم نے آپ جیسا کوئی نہیں دیکھا اور آپ کی دلیل جیسی کوئی دلیل نہیں تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا بنی اسد میں ایسے لوگ تھے جو نظر لگاتے تھے جو کوئی موٹی تازی اونٹنی یا گائے ان میں سے کسی کے پاس سے گزرتی تو وہ اسے دیکھتے ہی کہتے اب لونڈی نوکری اور درہم لے جاؤ اور اس کا گوشت لے آؤ وہ تھوڑی دور نہ جاتی کہ گر پڑتی اور اسے ذبح کر دیا جاتا۔

کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ایک عرب تھا۔ وہ دو یا تین دن کھانا نہ کھاتا۔ پھر اپنے خیمے میں واپس آ جاتا۔ اس کے پاس سے اونٹوں یا بھیڑ بکریوں کا ریوز گزرتا تو وہ کہتا میں نے آج تک ان جیسے اونٹ یا بھیڑ بکریاں نہیں دیکھی۔ وہ تھوڑا دور نہیں جاتے تھے کہ ایک دم ان جانوروں میں سے کچھ گر پڑتے کفار نے اس آدمی سے مطالبہ کیا کہ وہ حضور ﷺ کو نظر لگائے اور انہیں ہلاک کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو ان کے شر سے محفوظ رکھا اور فرمایا۔

وَإِنْ يَكَادُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَيُزِقُوكَ بِأَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَ
يَقُولُونَ إِنَّهُ لَمَجْنُونٌ ④ وَمَاهُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ⑤

”اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ کفار پھسلا دیں گے آپ کو اپنی (بد) نظروں سے جب وہ سنتے ہیں قرآن اور وہ کہتے ہیں کہ یہ

تو مجنون ہے۔ مالا نکہ وہ نہیں مگر سارے جہانوں کے لئے وجہ عز و شرف ہے۔“

۱۔ ان مثقلہ سے مخففہ ہے جس پر لام مفتوح دلالت کرتا ہے۔ لیزقونک یہ یکانک کی خبر ہے۔ نافع رحمۃ اللہ علیہ نے اسے یاء کے فتح کے ساتھ مجرد کا صیغہ پڑھا ہے جبکہ باقی نے یاء کے ضم کے ساتھ باب افعال سے پڑھا ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں۔ اس کا معنی ہے یہ امر نافذ ہو جاتا۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے ذلق السنہم۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب ان کی زبانیں مؤثر ہو جائیں۔

سدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی ہے وہ تمہیں نظر لگا دیں۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وہ تمہیں ہلاک کر دیں۔ بابصارہم جار

مجرورین لقون کے متعلق ہے لما سمعوا الذکر کا بھی اسی کے ساتھ تعلق ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آنکھ (نظر) انسان کو قبر میں داخل کر دیتی ہے اور اونٹ کو بٹڈیا میں داخل کر دیتی ہے۔ اسے ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے حلیہ میں نقل کیا ہے۔ ابن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔ صحیحین اور دوسرے محدثین نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نظر حق ہے۔ امام احمد اور امام مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نظر حق ہے (1)۔ اگر کوئی چیز تقدیر پر سبقت لے سکتی تو نظر سبقت لے جاتی۔ جب تم سے غسل کا مطالبہ کیا جائے تو غسل کر لیا کرو (2) (نظر لگانے والے کا پانی اس پر ڈالا جاتا)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت مروی ہے کہ نظر حق ہے نظر کے وقت شیطان حاضر ہوتا ہے اور انسان پر حسد کرتا ہے۔ صبیہ بن رفاعہ سے مروی ہے کہ اسما و بنت عمیس نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے بچوں کو نظر لگ جاتی ہے۔ آپ کچھ انہیں دم کو دیں۔ فرمایا ہاں اگر کوئی چیز تقدیر پر سبقت لے جاتی۔ تو نظر سبقت لے جاتی اسے امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ ابن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اللہ تعالیٰ یہاں یہ ارادہ نہیں فرماتا کہ وہ تمہیں نظر لگا دیں گے جس طرح ایک نظر لگانے والا نظر لگاتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ کیا ہے کہ جب آپ قرآن حکیم کی تلاوت کرتے ہیں تو وہ آپ کو سخت غصے سے دیکھتے ہیں۔ قریب ہے کہ وہ آپ کو ہلاک کر دیں جس طرح یہ حملہ بولا جاتا ہے۔ اس نے مجھے ایسی نظر سے دیکھا قریب تھا کہ مجھے ہلاک کر دیتا۔ اسی کی مثل یکاد یا کلنی جملہ بولتے ہیں کہ قریب تھا کہ مجھے کھا جاتا یہ دشمنی سے کہنا یہ ہے۔ اس معنی کی صحت پر قرآن سننے کے وقت کی قید دلالت کرتی ہے کیونکہ اس وقت وہ سخت ناپسندیدگی کا اظہار کرتے تھے اور غصے کی نظر سے دیکھتے تھے (3)۔ جب آپ کو قرآن پڑھتے ہوئے سنتے تو کہتے آپ مجنون ہیں۔ بقولون والابملہ یکاد الذین کفروا پر معطوف ہے۔

۲۔ قرآن تمام عالمین کے لئے نصیحت ہے آپ مجنون نہیں قرآن ایسی چیز نہیں جسے مجنون اپنی زبان سے ادا کریں بلکہ یہ عام ذکر ہے اسے وہی پاسکتا ہے جو تمام لوگوں سے کامل اور صحیح رائے رکھتا ہو۔ میرے شیخ اور امام یعقوب چرخ رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا یہاں ہو ضمیر میں یہ بھی احتمال ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کی طرف راجع ہو تو پھر معنی یہ ہوگا کہ حضور ﷺ تمام جہانوں کے لئے نصیحت ہیں جس طرح زید عدل جملہ کہتے ہیں۔

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مجھے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ملے پوچھا اے حنظلہ تیرا کیا حال ہے؟ میں نے عرض کی حنظلہ منافق ہو گیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا سبحان اللہ! ہوش کرو، کیا کہہ رہے ہو۔ میں نے کہا ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ ہمارے سامنے جنت اور دوزخ کا ذکر کرتے ہیں تو گویا وہ ہمارے سامنے ہوتی ہیں۔ جب ہم حضور ﷺ کے پاس سے نکلتے ہیں تو ہم بیویوں، بچوں اور جاگیروں میں مشغول ہو جاتے ہیں اور بہت کچھ بھول جاتے ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم بھی یہی حالت پاتے ہیں۔ پس میں اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہما چل پڑے یہاں تک کہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ میں نے عرض کی حنظلہ منافق ہو گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہ کیسے؟ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ جہنم اور جنت کا ہمارے سامنے ذکر کرتے ہیں تو وہ ہمارے

آنکھوں کے سامنے آجاتے ہیں جب ہم آپ ﷺ کے پاس سے اٹھ کر چلے جاتے ہیں تو ہم اپنی بیویوں، بچوں اور جاگیروں میں مصروف ہو جاتے ہیں تو بہت کچھ بھول جاتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر تم اسی حالت پر رہو جس پر تم ذکر کے وقت ہوتے ہو تو تمہارے بستروں اور تمہارے راستوں پر فرشتے تم سے مصافحہ کریں۔ لیکن اس حنظلہ وقت وقت کی بات ہوتی ہے یہ بات آپ ﷺ نے تین دفعہ کہی اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ (1)

فائدہ:- یہ اولیاء اللہ کی علامت ہے کہ ان کے دیدار اور ان کی نصیحت سے اللہ یاد آ جائے۔ بعض مرفوع روایات میں آیا ہے کہ حضور ﷺ سے سوال کیا گیا اولیاء اللہ کون ہیں؟ فرمایا جب ان کا دیدار کیا جائے تو اللہ تعالیٰ یاد آ جائے۔ حضور ﷺ سے مروی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے بندوں میں سے میرے اولیاء وہ ہیں جنہیں میرے ذکر سے یاد کیا جاتا ہے اور ان کے ذکر سے میری یاد ہوتی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

فائدہ:- حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا نظر لگنے کا علاج یہ ہے کہ انسان اس آیت کی تلاوت کرے، واللہ تعالیٰ اعلم۔



سورة الحاقة

﴿ ایتھا ۵۲ ﴾ ﴿ سورة الحاقة مکیة ۶۹ ﴾ ﴿ مرکوعاتها ۲ ﴾

سورة الحاقہ مکی ہے، اس میں دو رکوع اور باون آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

”اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے“

اَلْحَاقَّةُ ۝۱ مَا اَلْحَاقَّةُ ۝۲ وَ مَا اَدْرٰکُ مَا اَلْحَاقَّةُ ۝۳ کَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَ عَادُ
بِالْقَارِعَةِ ۝۴ فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاهْلٰکُوْا بِالطَّاغِیَةِ ۝۵

”وہ ہو کر رہنے والی ہے کیا ہے وہ ہو کر رہنے والی ہے اور اسے مخاطب تم کیا سمجھو وہ ہو کر رہنے والی کیا ہے۔ جھٹلایا ثمود

اور عاد نے ٹکرا کر پاش پاش کرنے والی کو ہے میں ثمود کو انہیں ہلاک کر دیا گیا سخت چٹنگھاڑ سے ہے“

۱۔ الحاقہ سے مراد قیامت ہے۔ اسے حاقہ سے تعبیر اس لئے کیا کیونکہ قیامت حق ہے اور اس کا وقوع ثابت ہے۔ اس میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں یا اس لئے حاقہ کا نام دیا کیونکہ اس میں امور کی حقیقت کا علم ہو جائے گا۔ یا اس لئے یہ نام دیا کہ اس دن میں اعمال کی جزا ثابت ہوگی۔ جب کوئی چیز ثابت ہو جائے تو یہ جملہ بولا جاتا ہے حق علیہ السبی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: حَقَّتْ کَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْکٰفِرِیْنَ۔ اس میں اسناد مجازی ہے یعنی فعل کی نسبت زمانہ کی طرف ہے۔ ترکیب کلام میں یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر ما الحاقہ ہے۔

۲۔ اس میں کلمہ استفہام قیامت کی عظمت بیان کرنے اور اس کی ہولناکی بیان کرنے کے لئے ہے۔ یہاں رابطہ اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر ہے، یعنی ماہی کی جگہ ما الحاقہ ذکر کیا۔

۳۔ اس میں ما مبتدا ہے اور ادراک اس کی خبر ہے اور کلمہ استفہام انکار کا معنی دیتا ہے۔ ما الحاقہ میں جملہ استفہامیہ قیامت کی ہولناکی بیان کرنے کے لئے ہے اور یہ ادراک کا مفعول ہے۔ آیت کا معنی ہوگا قیامت کتنی ہولناک چیز ہے تو اس کی حقیقت نہیں جانتا یہ کسی کے ادراک سے عظیم ترین ہے۔

۴۔ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ثمود اور حضرت ہود علیہ السلام کی قوم عاد نے اس ساعت کو جھٹلایا جو لوگوں کو خوفزدہ کر کے کھٹکھٹاتی ہے اور اجرام کو توڑنے اور بکھیرنے کے ساتھ کھٹکھٹاتی ہے۔ قارعہ سے مراد قیامت ہے جس کا ذکر ”الحاقہ“ کے لفظ کے ساتھ ہو چکا ہے۔ یہاں اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر اور سابقہ لفظ کا مرادف اور اس کے وصف میں جو شدت پائی جاتی ہے۔ اس کو بیان کرنے کے لئے قارعہ ذکر کیا۔ یہ جملہ پہلے حاقہ کی خبر کے بعد خبر ہے۔ یا سابقہ دونوں جملہ معترضہ ہیں جو ہولناکی بیان کرنے کے لئے لائے گئے ہیں۔ یا یہ جملہ مستأنف ہے جو پہلے جملہ متحقق ہونے اور ثابت ہونے کی تاکید بیان کرتا ہے کیونکہ قیامت کا انکار اور اس کا جھٹلانا ہلاکت کو واجب کرتا ہے۔

ہے اما مجمل کلام کی تفصیل بیان کرتا ہے۔ اس جملے کا عطف کذبت پر ہے۔ فاما پر فاء سیویہ ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے کہ کذبت ثمود و عاد بالفارعة فاهلکوا بسبب تکذیبہا جہاں تک قوم ثمود کا تعلق ہے انہیں اس چیخ کے ساتھ ہلاک کیا گیا جو چیخ کی مقدار سے تجاوز کر گئی تو انہیں ہلاک کر دیا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی کہا ہے (1)۔ یہی صحیح قول ہے اس کی صورت یہ بنی کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے ایک چیخ ماری تو وہ سب ہلاک ہو گئے۔ ایک قول یہ کیا گیا آسمان سے ایک چیخ آئی جس میں ہرگزک اور زمین کی ہر چیز کی آواز تھی جس کی وجہ سے ان کے سینوں میں ان کے دل پھٹ گئے۔ ایک قول یہ کیا گیا طاغیہ عافیہ کی طرح مصدر ہے جس کا معنی طغیان ہے یعنی انہیں تکذیب میں حد سے تجاوز کرنے ناقہ (اونٹنی) کو قتل کرنے اور اس جیسے دوسرے ائمال کی وجہ سے قتل کیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ طاغیہ سے مراد قدار بن سالف ہے جس نے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی کوچیں کاٹی تھیں۔ اس صورت میں طاغیہ کے آخر میں تا، مبالغہ کے لئے ہے یا اس سے مراد وہ جماعت ہے جس نے اونٹنی کی کوچیں کاٹنے پر اتفاق کیا تھا اور قدار کو اس کی کوچیں کاٹنے کے لئے بھیجا تو یہی اونٹنی ان کی تباہی کا سبب بن گئی۔ یہ واقعہ اس طرح ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام کو قوم ثمود کی طرف بھیجا۔ حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی۔ انہوں نے آپ کی دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا اور یہ مطالبہ کر دیا کہ اس چٹان سے دس ماہ کی گابھن اونٹنی بطور معجزہ نکالے پھر وہ آپ پر ایمان لائیں گے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی تو اس وقت اس چٹان سے ایک عظیم اونٹنی نکل پڑی جس کے دونوں پہلوؤں کے درمیان ایک سو بیس ہاتھ کا فاصلہ تھا۔ وہ دس ماہ کی گابھن تھی۔ اس نے اسی وقت اپنے جیسا بچہ جنا۔ وہ پھر بھی ایمان نہ لائے اور کہا یہ بھی اس کا جادو ہے تو اللہ تعالیٰ نے اسی اونٹنی کو ان کے لئے آزمائش بنا دیا۔ ان کے پاس پانی کم تھا۔ وہ اونٹنی ان کا ایک روز کا پانی پی جاتی تھی اور دوسرے دن کا پانی ان کے لئے چھوڑ دیتی گھاس کی بھی۔ یہی حالت تھی قوم ثمود کی ایک جماعت نے انہیں قتل کرنے پر اتفاق کر لیا۔ انہوں نے بد بخت ترین آدمی قدار بن سالف کو بھیجا جس نے اونٹنی کی کوچیں کاٹ ڈالیں اور اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی اور کہا اے صالح اگر تم سچے ہو تو وہ عذاب لے آؤ جس کا تم ہم سے وعدہ کرتے تھے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا اس اونٹنی کے قتل کے بعد اپنے گھروں میں چند روز لطف اندوز ہو لو پہلے دن تمہارے چہرے زرد ہوں گے، دوسرے دن سرخ ہوں گے اور تیسرے دن سیاہ ہوں گے، چوتھے دن تمہیں عذاب آ لے گا۔ پھر اسی طرح عذاب آ گیا۔ ظالموں کو عذاب نے آ لیا تو وہ اپنے گھروں میں مرے پڑے تھے۔ گویا وہ یہاں بستے ہی نہ تھے۔ ان تاویلات کی صورت میں کہ طاغیہ سے مراد مصدر ہو یا قدار بن سالف ہو اس پر اما عاد کے ساتھ جو عطف کیا جا رہا ہے وہ ان کی تائید نہیں کرتا۔

وَأَمَّا عَادُ فَاهْلَكُوا بِرِيحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۗ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَثَلَاثِينَ
آيَاتٍ ۖ حُسُومًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صَارِعِي ۙ كَانَتْهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۚ

”رہے عاد تو انہیں برباد کر دیا گیا آندھی سے جو سخت سرد بے حد تھی اے اللہ نے مسلط کر دیا اسے ان پر (مسل) سات

رات اور آٹھ دن تک جو جڑوں سے اکھیڑنے والی تھی تو تو دیکھتا قوم عاد کو ان دنوں کہ وہ گرے پڑے ہیں گویا وہ مڈھ ہیں

کھوکھلی بھجور کے ۛ“

۱۔ ہریح نہیں ہوا استعانت کے لئے ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس سے پہلے جملہ میں الطاغیہ پر بھی ہوا استعانت کے لئے ہو تاکہ دونوں جملے جمل کلام کی تفصیل ہوں۔ صر صر کا معنی تخت ٹھنڈک اور سخت آواز ہے۔ قاموس میں اسی طرح ہے عاتیہ یعنی وہ شدت اور ٹھنڈک میں حد سے تجاوز کرنے والی ہے۔ قاموس میں ہے عتا یعنی اس نے تکبر کیا اور حد سے تجاوز کیا اس سے اسم فاعل کا صیغہ عات ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے مسنط کیا تھا۔ یہ جملہ مستانہ ہے یا یہ ریح کی صفت ہے اور اس وہم کو دور کرنے کے لئے ہے کہ اس وہم کو دور کیا جائے کہ یہ آندھی فضا میں کسی تغیر کی وجہ سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے۔

ہم ضمیر سے مراد قوم عاد ہے۔ یہ طوفان ایک بدھ کی صبح سے لے کر دوسرے بدھ کی شام تک رہی۔ وہب نے کہا یہ ہوا ان ایام میں چلی جنہیں عرب ایام بجز کہتے ہیں جو تخت ٹھنڈ اور تیز ہوا والے تھے انہیں بجز اس لئے کہتے ہیں کیونکہ یہ موسم سرما کے آخر میں تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ انہیں ایام بجز اس لئے کہتے ہیں کہ قوم عاد کی ایک بوزھی عورت ایک درندے کی بل میں گھس گئی۔ ہوا اس پر چلتی رہی یہاں تک کہ آٹھویں دن اسے ہلاک کر دیا پھر عذاب کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ (۱)

حسوما یہ مسخر کے مفعول بہ سے حال ہے جس کا معنی پے در پے ہے۔ یہ حاسم کی جمع ہے۔ اس کا معنی پے در پے ہے یہ حسام الکسی سے مشتق ہے جس کا معنی کاویہ کے ساتھ یامری کی جگہ کو پے در پے داغنا ہے یہاں تک کہ وہ اس سے صحت یاب ہو جائے۔ مجاہد اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہی کہا ہے۔ یا اس کا معنی منخوس ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے فی ایام نحسات یعنی ان دنوں نے ہر بھلائی کو ختم کر دیا اور اسے جڑ سے اکھیرا لیا عطیہ نے اسی طرح کہا ہے یا اس کا معنی ختم کرنے والے جنہوں نے ان کی جڑ کو ہی ختم کر دیا۔ زجاج اور نصر بن شمیل نے یہی کہا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے منسوب ہو یا یہ فعل مقدر کا مفعول مطلق ہو۔

فسری میں خطاب غیر معین مخاطب کو ہے۔ یہ حال ماضیہ کی حکایت ہے۔ القوم سے مراد قوم عاد ہے۔ فیہا میں ہا ضمیر سے مراد وہ راتیں اور دن ہیں یا ان کا درمیانی عرصہ ہے۔ صرعی صریح کی جمع ہے جو اسم مفعول کے معنی میں ہے۔ یہ تری کا مفعول ثانی ہے اگر یہ افعال قلوب میں سے ہو۔ بصورت دیگر یہ مفعول بہ سے حال ہوگا۔

معجاز کا معنی تے ہیں خواویہ یعنی اندر سے کھوکھلے۔ یہ جملہ حال مفرد کے بعد حال بن رہا ہے کیونکہ یہ حال مفرد کے بعد حال ہے اور اس کے آغاز میں کمان ہے۔ اسی وجہ سے واؤ کو ترک کر دیا گیا۔

فَهَلْ تَرَىٰ لَهُمْ مِّنْ بَاقِيَةٍ ۖ وَجَاءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهُ وَالْمُؤْتَفِكَةُ بِالْأَخَاصِۃِ ۙ

”کیا تمہیں نظر آتا ہے ان کا کوئی باقی ماندہ فرد لے اور فرعون اور جو اس سے پہلے تھے اور الثانی جانے والی بستیوں کے

باشندوں نے غلطی کا ارتکاب کیا ہے۔“

۱۔ اس میں استفہام تقریری ہے، یعنی مخاطب کو اقرار کرنے پر براہیخند کیا گیا ہے۔ لہم میں ہم ضمیر سے مراد قوم عاد ہے۔

۲۔ ابو عمر اور کسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے قاف کے کسرہ کے ساتھ قبلہ پڑھا ہے جس کا معنی جانب ہوتا ہے، یعنی اس کے لشکروں اور

پیر و کاروں میں سے جو اس کے پاس تھے جبکہ باقی قراء نے اسے قبلہ پڑھا ہے۔ پھر معنی ہوگا اس سے قبل جو کافر تو میں ہوئیں۔
مؤنفاکات سے مراد حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی بستیاں ہیں جنہیں اللہ دیا گیا تھا۔ یہ افک سے مشتق ہے جس کا معنی اٹھانا ہے۔ یہاں اس سے مراد بستیوں والے ہیں۔ خاطرہ یا تو مصدر ہے یا اسم فاعل کا صیغہ ہے اور اسم محذوف فعلہ کی صفت ہے یا یہ اسم مفعول کے معنی میں ہے۔

فَقَصَّوْا سُرُوسًا سَرَابِيَةً فَأَخَذَهُمْ أَخَذَةً سَرَابِيَةً ۝ إِثَالَمَا طَعَا الْمَاءُ حَمَلَنَكُمْ فِي
الْجَارِيَةِ ۝ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَتَعِيَهَا أذُنٌ وَاعِيَةٌ ۝

”پس انہوں نے نافرمانی کی اپنے رب کے رسولوں کی تو اللہ نے پکڑ لیا انہیں بڑی سختی سے۔ ہم نے جب سیلاب حد سے نزر گیا تو تمہیں کشتیوں میں سوار کر دیا۔ تاکہ ہم بنادیں اس واقعہ کو تمہارے لئے یادگار اور محفوظ رکھیں اسے یاد رکھنے والے کان سے۔“

۱۔ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اور جبرائیل نے اپنے نبی کی نافرمانی کی۔ یہ جملہ حاء فرعون کا عطف تفسیری ہے۔ فأخذہم میں فاء سببہ ہے۔ رابیۃ یعنی شدت میں بہت بڑھکر۔ اخذہ رابیۃ یہ اخذہم کا مفعول مطلق ہے۔
۲۔ جب پانی اپنی حد سے تجاوز کر گیا یہاں تک کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں ہر چیز سے بلند ہو گیا۔ لہذا طرف سے اور مابعد کے متعلق ہے۔ حملنکم میں کم ضمیر سے مراد تمہارے آباؤ اجداد ہیں جبکہ تم ان کی پشتوں میں تھے۔ جاریدہ سے مراد حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی ہے۔

۳۔ ہا ضمیر سے مراد کشتی ہے یا ان مومنوں کو نجات دینا ہے جو کشتی میں سوار تھے جبکہ پانی سرکش تھا اور تمام حد و دے سے تجاوز کر چکا تھا۔
تذکرۃ یعنی عبرت اور نصیحت بنایا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اس کی حکمت اور رحمت کے کمال پر دلالت کرتی ہے اور یاد رکھنے والے کان اسے یاد رکھتے ہیں۔ تعیہا کا معنی یاد رکھتے ہیں سمجھتے ہیں اور اس میں سوچ و بچار کرتے ہیں۔ جمہور نے اسے عین کے کسر اور یاء کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے عین کے اختلاس کے ساتھ پڑھا ہے۔ صاحب تیسیر نے کہا ابن کثیر کی قرأت درست نہیں۔ نافع رحمۃ اللہ علیہ نے اذن کو تخفیف یعنی ذال کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ جمہور نے دونوں پر ضمہ پڑھا ہے۔ و عی یہ دل اور نفس کی صفت ہے۔ اس کی نسبت کانوں کی طرف مجازاً کی ہے یا اس سے مراد کان والے ہیں۔ مضاف کو حذف کیا اور مضاف الیہ پر مضاف کے احکام جاری کئے۔ اذن کو کمرہ اس لئے ذکر کیا کیونکہ ایسے کان تھوڑے ہوتے ہیں مگر جس کی یہ شان ہو وہ قبیل ہونے کے باوجود کثیر افراد کی نجات اور ان کی نسل کے باقی رکھنے کا سبب بن جاتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ دل برتن ہیں ابن میں سے بہترین وہی ہے جو زیادہ یاد رکھنے والا ہو (۱)۔ اسے طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ جب قیامت کی ہولناکی بیان کرنے میں مبالغہ سے کام لیا اور اس کا انکار کرنے والوں کے انجام کا ذکر کیا تو پھر دوبارہ اس کی وضاحت کی۔

فَإِذَا نَفَخَ فِي الصُّورِ نَفْحَةً وَاحِدَةً ۝ وَحِيلَتِ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً

وَاحِدًا ۱۳

”پھر جب پھونک ماردی جائے گی صورت میں ایک بار لے اور زمین اور پہاڑوں کو اٹھا کر دفعتاً چور چور کر دیا جائے گا۔“
 حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ صورت ایک سنگ ہے جس میں پھونکا جائے گا (1)۔ اسے
 امام ترمذی، ابوداؤد اور دارمی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ فعل کی نسبت مصدر کی طرف کی گئی ہے اور یہ بہت اچھا ہے کیونکہ مصدر
 کی صفت واحدا سے لگائی گئی جس وجہ سے نکرہ مقید ہو گیا ہے۔ فعل کو نہ کر ذکر کرنا بھی اچھا ہے کیونکہ فعل اور فاعل کے درمیان فاصلہ آ
 گیا ہے اس نفعہ سے مراد فناء کا نفعہ ہے نفعات کی تعداد میں اختلاف ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ نفعے تین ہیں: 1۔ نفعۃ الفزع گھبراہٹ کا نفعہ، 2۔ موت کا نفعہ، 3۔ دوبارہ اٹھائے جانے کا نفعہ کیونکہ
 اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَمَنْ فِي السَّلَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ** وَكُلُّ أَتَوْكَادُخْرَيْنِ أَيْك اور جگہ
 فرمان ہے: **وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَبَقَ مَنْ فِي السَّلَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ** ایک اور جگہ فرمان ہے: **لَهُمْ نُفُوحٌ فِينَهُ أُخْرَىٰ فَإِذَا
 هُمْ قِيَامٌ يَنْظُرُونَ**۔ اس قول کو ابن عربی نے پسند کیا ہے۔ اسی طرح ایک طویل حدیث جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔
 اس میں بھی صراحتہ ذکر ہے کہ اس میں تین نفعے ہوں گے۔ پہلا نفعہ فزع کا نفعہ ہے، دوسرا نفعہ صقع کا نفعہ ہے، تیسرا
 نفعہ رب العالمین کے لئے کھڑا ہونے کا نفعہ ہے (2)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر، طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے مطولات اور
 ابویعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند، بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے بحث اور دوسرے محدثین نے ذکر کیا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا نفعے صرف دو ہیں:۔ ایک فزع کا نفعہ ہے اور دوسرا صقع کا نفعہ ہے کیونکہ دونوں امر لازم ملزوم ہیں
 یعنی وہ سخت گھبرائے تو مر گئے۔ اس قول کو قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح قرار دیا ہے (3)۔ اس موقف پر دلیل یہ قائم کی گئی کہ دونوں سے
 استثناء کی گئی ہے دونوں سے استثناء یہ دلالت کرتی ہے کہ یہ دونوں نفعے ایک ہی نفعہ ہیں۔ اکثر احادیث میں صرف دو کا ذکر ہے۔
 ان دونوں نفعوں کے درمیان چالیس سال کا عرصہ ہے۔ اس طویل حدیث کے راویوں میں ایسے راوی بھی ہیں جن میں اعتراضات
 کئے گئے ہیں۔ اس حدیث کی صحت میں بھی علماء کا اختلاف ہے۔ ابن عربی اور قرطبی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے صحیح قرار دیا۔ بیہقی اور
 عبدالحق رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے ضعیف قرار دیا اس حدیث کا دارودار اسماعیل بن رافع پر ہے جو مدینہ طیبہ کے قاضی تھے اس پر اعتراض
 کیا گیا ہے۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس روایت کے سیاق میں کچھ بے تعلقی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا اس روایت کو مختلف طرق
 اور مختلف مقامات سے جمع کر کے ایک سیاق بنا دیا گیا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

یہاں ظرف اذا نفع فی الصور سے طویل زمانہ مراد ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں الحاقہ، القارعة، القيامة،
 الواقعة وغیرہ سے تعبیر کیا ہے۔ اس زمانے کا آغاز نفعہ اولی سے ہوگا اور اس کی انتہاء جنتوں کے جنت میں داخل ہونے اور
 جہنمیوں کے جہنم میں داخل ہونے پر ہوگی۔ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے زیاد بن مخرق سے نقل کیا ہے کہ حجاج نے عکرمہ جو حضرت ابن
 عباس رضی اللہ عنہما کے غلام تھے سے یوم قیامت کے بارے میں پوچھا کیا وہ دن دنیا کے دنوں جیسا ہوگا یا آخرت کے دنوں جیسا ہوگا تو

2۔ تفسیر طبری، جلد 24، صفحہ 20 (الامیریہ)

1۔ من ابی داؤد، جلد 4، صفحہ 379 (دارالکتب العربیہ بیروت)

3۔ تفسیر قرطبی، جلد 13، صفحہ 240 (دارالکتب المصریہ)

تعالیٰ نے حضرت عباس بن مطلب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ان کا گمان ہے کہ وہ بطحاء میں ایک جماعت میں بیٹھے ہوئے تھے جبکہ رسول اللہ ﷺ ان کے درمیان تشریف فرما تھے۔ ایک بادل گزر لوگوں نے اسے دیکھا۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا تم اسے کیا کہتے ہو تو لوگوں نے کہا بادل۔ حضور ﷺ نے فرمایا اسے مزین بھی کہتے ہو۔ صحابہ نے عرض کی مزین بھی کہتے ہیں فرمایا عنان بھی۔ صحابہ نے عرض کی عنان بھی کہتے ہیں۔ فرمایا کیا تم جانتے ہو زمین اور آسمان کے درمیان کتنی دوری ہے۔ تو صحابہ نے عرض کی ہم تو کچھ نہیں جانتے۔ فرمایا زمین اور آسمان کے درمیان اکبر (71)، بہتر (72) یا تہتر (73) سال کی مسافت ہے۔ وہ آسمان جو اس سے اوپر ہے اس کی بھی یہی حالت ہے یہاں تک کہ آپ نے سات آسمانوں کو شمار کیا۔ پھر ساتویں آسمان سے اوپر ایک سمندر ہے جو بلندی سے پستی تک کو محیط ہے جس طرح ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک پھر اس سے اوپر آٹھ پہاڑی بکرے ہیں جن کے کھروں اور سرینوں کے درمیان دو آسمانوں کے درمیان کا فاصلہ ہے۔ پھر ان کی پشتوں پر عرش ہے جس کے پائے کے سرے اور بلندی کے درمیان ایک آسمان سے دوسرے آسمان کے درمیان کا فاصلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے بھی ماوراء ہے۔ (1)

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث اسی طرح ذکر کی ہے۔ تاہم زمین اور آسمان کے درمیان اور ایک آسمان سے دوسرے آسمان کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت کا ذکر ہے۔ اسی طرح سمندر کی پستی اور بلندی کے درمیان، پہاڑی بکروں کے کھروں اور ان کی سرینوں کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے۔ یہ مسافت کا اختلاف سفر طے کرنے والوں کے اختلاف کی بناء پر ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حدیث میں آیا ہے کہ آج وہ پندرہ ہیں۔ جب قیامت کا دن ہوگا اللہ تعالیٰ چار اور کے ساتھ ان کی مدد فرمائے گا وہ پہاڑی بکروں کی صورت میں ہیں ان کے کھروں اور سرینوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جس طرح ایک آسمان سے دوسرے آسمان کے درمیان ہے۔ حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ ان چار میں سے ایک انسان کی شکل میں ہے، دوسرا شیر کی شکل میں ہے، تیسرا تیل کی شکل میں ہے اور چوتھا گدھ کی شکل میں ہے (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اس روز تیرے رب کے عرش کو فرشتوں کی آٹھ صفیں اٹھائے ہوئے ہوں گی جن کی تعداد کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہوگا۔

يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُونَ لَا تَخْفَىٰ مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ۝ فَأَمَّا مَنْ أُوْتِيَ كِتَابًا بِسَيِّئِهِ

فَيَقُولُ هَٰؤُلَاءِ مِمَّا قَدَّعُوا كِتَابِيَةَ ۝

”وہ دن جب تم پیش کئے جاؤ گے تمہارا کوئی راز پوشیدہ نہ رہے گا۔ پس جس کو دے دیا گیا اس کا نام عمل دائیں ہاتھ میں

تو وہ (فرط مسرت سے) کہے گا لو پڑھو میرا نامہ عمل۔“

۱۔ اے لوگو تم سب کو حساب کیلئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کیا جائے گا۔ یہ اس نفع کے بعد ہوگا جس میں سب کو وہ بارہ اٹھایا جائے گا۔ یہ جملہ مستانفہ ہے۔ گویا یہ ایک مقدر سوال کا جواب ہے ما يفعل بنا ذلك اليوم۔ جمہور نے تخفی پڑھا ہے کیونکہ فاعل مومن ہے جبکہ حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے بناء کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ فعل اور فاعل کے درمیان فاصلہ ہے۔

خافية کا معنی مخفی ہے لا تخفی منکم خافية یا تو یہ تعرضون سے بدل ہے یا اس کے فاعل سے حال ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے روز لوگوں کو تین دفعہ پیش کیا جائے گا۔ دو پیشیاں تو جھگڑے اور معذرت کی صورت میں ہوں گی۔ تیسری

پیشی کے موقع پر صحائف لوگوں کو ہاتھوں میں دے دینے جائیں گے کچھ دائیں ہاتھ میں انہیں لیں گے اور کچھ بائیں ہاتھ میں انہیں لیں گے۔ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جدال دشمنوں کی طرف سے ہوگا کیونکہ وہ اپنے رب کو نہیں پہچانتے ہوں گے تو وہ گمان کریں گے کہ جب وہ جھگڑا کریں گے تو نجات پا جائیں گے اور ان کی حجت قائم ہو جائے گی۔ معذرت کی پیشی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگی۔ اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام اور تمام انبیاء کے سامنے عذر پیش کرے گا اور دشمنوں کے خلاف ان کے سامنے حجت قائم فرمائے گا پھر انہیں جہنم کی طرف بھیج دے گا۔ تیسری پیشی مومنین کی ہوگی۔ اس کی صورت یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ انہیں تہائی میں عتاب فرمائے گا یہاں تک کہ اسے حیا آجائے گی پھر اللہ تعالیٰ انہیں بخش دے گا اور ان سے راضی ہو جائے گا۔

یہ مومن کے لئے ہوگا۔ اس جملے کا عطف تعرضوں پر ہے۔ اس میں اس تیسری پیشی کی تفصیل ہے۔ وہ مومن خوشی سے کہے گا لو میری کتاب پڑھو۔ ہاء اسم فعل ہے خذ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اسے یوں استعمال کیا جاتا ہے ہاء یا رجل ہانما یا رجلاں ہاؤم یا رجال ہاء یا امرأۃ ہانما یا امرأتان ہاؤن یا نسوة۔ یہ فیقول والا جملہ من اوفیٰ کی خبر ہے۔ کتابیہ کس کا مفعول ہے۔ اس میں ہاء م اور اقراء وا کا تعلق ہے۔ اس میں دوسرے فعل کو عامل بنایا کیونکہ مفعول بہ کے قریب ہے اور پہلے فعل کا مفعول نہ حذف کر دیا۔ اگر معاملہ اس کے برعکس ہوتا تو یوں کلام ہوتی اقراء وہ۔

کتابیہ، حسابیہ، مالیہ اور سلطانیہ میں ہاؤن کا استعمال ہے جو وقف کی صورت میں ثابت رہتی ہے اور وصل کی صورت میں گرجاتی ہے کیونکہ یہ ایام خالیہ میں ثابت ہے۔ اس لئے اس پر وقف کرنا مستحب ہے۔ اس لئے وصل کی صورت میں بھی اس ہاء کو ثابت رکھا گیا ہے۔

إِنِّي ظَنَنْتُ أَنِّي مُلاقٍ حِسَابِيَّةٍ ﴿٦٠﴾ فَهَوِيَ عِيسَىٰ مِن أَصِيَّةٍ ﴿٦١﴾ فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿٦٢﴾

”مجھے یقین تھا کہ میں اپنے حساب کو پہنچوں گا۔ پس یہ (خوش نصیب) پسندیدہ زندگی بسر کرے گا۔ عالیٰ شان جنت میں ہے۔“

ظننت کا معنی علمت اور یقنت ہے۔ جب حساب کا یقین ہونا افعال صالحہ کے بجا آنے کو مستلزم ہے تو اسے کنایہ کی صورت میں ذکر کیا۔ گویا یہ کہا میں نے نیک عمل کیا لیکن تواضع کی وجہ سے صواحۃ یہ نہیں کہا کہ میں نے نیک عمل کیا۔ نیز یہی وجہ ہے کہ علم کو ظن سے تعبیر کیا مقصود اللہ تعالیٰ جو عالم الغیوب ہے، کی بارگاہ اقدس میں اپنے دعویٰ علم کو نامناسب خیال کرنا ہے۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا شاندا سے یہاں ظن کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ مقصود یہ شعور دلانا ہے کہ اعتقاد میں وہ وساوس نقصان نہیں دیتے جو دل میں کھٹکتے ہیں اور جن سے علوم نظر یہ جدا نہیں ہوتے۔

انسی ملاق حسابیہ یہ ظننت کا مفعول ہے جو دو مفعولوں کے قائم مقام ہے۔ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے ابو عثمان ہمدانی سے نقل کیا ہے کہ مومن کو کتاب پڑے میں دی جائے گی وہ اپنے گنہ پڑھے گا اس کا رنگ بدل جائے گا۔ پھر وہ اپنی نیکیاں پڑھے گا تو اس کا رنگ واپس لوٹ آئے گا پھر وہ دیکھے گا تو اس کی برائیاں نیکیوں میں بدل جائیں گی۔ اس موقع پر وہ کہے گا لو میری کتاب پڑھو۔ (۱)

ع قاموس میں ہے راضیۃ کا معنی مرضیۃ ہے۔ یہ فعل مجہول لایا جاتا ہے: رَضِیْتُ الْعِیْشَةَ یہ کہا جاتا ہے۔ رَضِیْتُ الْعِیْشَةَ نہیں کہا جاتا۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اسم فاعل کا صیغہ نسبت کا معنی دے رہا ہے یا فعل کی نسبت مجازاً زندگی کی طرف کر دی۔
 ع جار مجرور ظرف مستقر ہے۔ فعل یا شبہ فعل اس سے پہلے محذوف ہوگا۔ عالیہ کا معنی بلند ہے یا تو معنی یہ ہوگا اس کا رتبہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بلند ہوگا کیونکہ اسے اللہ کا قرب حاصل ہے یا یہ جنت بلند جگہ واقع ہے کیونکہ یہ آسمان میں ہے یا اس کا درجہ، مکانات اور درخت بلند ہیں۔ جب درختوں کی بلندی یہ وہم دلاتی ہے کہ اس کے پھل بہت دور ہوں گے اور ان کا حصول آسان نہیں ہوگا تو اس کے بعد ایک اور صفت ذکر کی۔

قُطُوفُهَا دَانِيَةٌ ۝ كَلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا أَسْلَفْتُمْ فِي الْأَيَّامِ الْخَالِيَةِ ۝

”جس کے خوشے جھلے ہوں گے (اذن ملے گا) کھلاؤ اور پیو مزے اڑاؤ یہ ان اعمال کا اجر ہے جو تم نے آگے بھیج دیئے گزشتہ دنوں میں“

ع قطوف سے مراد پھل ہیں۔ یہ قطف کی جمع ہے دالبہ کا معنی قریب ہیں، یعنی ان کا کھڑے بیٹھے اور لیٹے ہوئے لینا ممکن ہے۔
 ع ہنیئاً یہ اکلنا اور شربا کی صفت ہو کر مجہول مطلق ہے۔ ہنیئہ ہر ایسی چیز کو کہتے ہیں جس کے استعمال کرنے کے بعد کسی قسم کی مشقت اور تھکاوٹ اور بد ہضمی نہ ہو یا یہ اپنے فعل محذوف کا مجہول مطلق ہے۔ یہ جملہ قول مقدر کے بعد خبر کے بعد خبر ہے یہاں جمع کی ضمیر معنی کا اعتبار کرتے ہوئے لائی گئی ہے، یعنی ان جنٹیوں کو کہا جائے گا کہ کھاؤ اور پیو یا یہ جملہ مستانہ ہے اور ایک مقدر سوال کا جواب ہے، یعنی انہیں جنت میں کہا جائے گا بما اسلفتم یہ کلووا و اشربوا کے متعلق ہے اور اس میں تنازع فعلین کا قاعدہ جاری ہوگا۔ یہ بات انہیں ان اعمال صالحہ کی وجہ سے کہی جائے گی جو انہوں نے آگے بھیجے ہیں سلف سے مراد گزر جانے والی شے ہے۔

ایام خالیہ سے مراد دنیا کے گزرے ہوئے دن ہیں۔ زمان و مکان میں سے خالی اسے کہتے ہیں جس میں کوئی کام کرنے والا نہ ہو۔ خالی زمانہ اس وقت کو کہتے ہیں جب اس زمانے میں رہنے والا کوئی نہ رہے گزرنا اور چلے جانا اسے لازم ہے۔ اسی وجہ سے ماضی کو خالی سے تعبیر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ

وَأَمَّا مَنْ أُوْتِيَ كِتَابَهُ بِشِمَالِهِ فَيَقُولُ يَلَيْتَنِي لَمْ أُوتَ كِتَابِيهِ ۝

”اور جس کو دیا جائے گا اس کا نامہ عمل بائیں ہاتھ میں وہ کہے گا اے کاش مجھے نہ دیا جاتا میرا نامہ عمل“

ع اس سے مراد کافر ہے جس کا بائیں ہاتھ پشت کی طرف آیا جائے گا جس کے ساتھ وہ اپنی کتاب پکڑے گا۔ یعنی رحمۃ اللہ علیہ نے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ ابن سائب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا بائیں ہاتھ پشت پر موڑ دیا جائے گا پھر اسے کتاب دی جائے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا اس کا بائیں ہاتھ سینے سے کھینچ کر بیٹھنے کے پیچھے کیا جائے گا (1) تو وہ اپنے اعمال کی قباحت اور برے انجام کو دیکھ کر کہے گا بے کاش مجھے کتاب نہ دی جاتی۔ حرف ، ا کے بعد منادی محذوف ہے۔ تفسیر کلام یہ ہوگی یا قَوْمٌ لَيْتَنِي لَمْ أُوتَ كِتَابِيهِ

وَلَمْ أَدْرِ مَا حِسَابِيهِ ۝ يُنَبِّئُهَا كَانَتْ الْقَاضِيَةَ ۝ مَا أَغْنَىٰ عَنِّي مَالِيهِ ۝

”اور میں نہ جانتا میرا حساب کیا ہے اے کاش موت نے ہی (میرا) قندہ پاک کر دیا ہوتا۔ آج میرا مال میرے کسی

کام نہ آیا ہے۔“

۱۔ ما حسابیہ جملہ استفہامیہ لم ادر کا مفعول بہ ہے۔

۲۔ ہا ضمیر کا مرجع نفعہ ہے یا اس کا مرجع مذکور ہی نہیں۔ معنی یہ ہوگا اے میری قوم ہائے کاش وہ موت جو مجھ پر دنیا میں گزری یا وہ حالت جس میں میں اب ہوں وہ میرا معاملہ ختم کرنے والی ہوتی اور مجھے بعد میں زندہ نہ کیا جاتا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وہ اب موت کی تمنا کرتا ہے جبکہ دنیا میں موت سے بڑھ کر اس کے لئے ناپسندیدہ چیز کوئی نہ تھی (۱)۔ ان دونوں جملوں کے درمیان حرف عطف اس لئے ذکر نہیں کیا کیونکہ دونوں جملوں کا معنی ایک ہے اور دوسرا جملہ پہلے جملے کی تاکید ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ پہلے جملے میں حساب نہ ہونے اور کتاب نہ دیئے جانے کی تمنا ہے جبکہ معنی کے اعتبار سے یہ دوبارہ نہ اٹھائے جانے کی تمنا کے لئے کنایہ ہے جبکہ دوسرے جملے میں دوبارہ نہ اٹھائے جانے کی تمنا کی صراحت ہے۔

۳۔ اس میں مانا یہ ہے یا استفہامیہ ہے اور انکار کا معنی دیتا ہے اور اغنی کا مفعول ہے، یعنی جو کچھ میرا ہے اس نے مجھے کوئی نفع نہ دیا وہ مال ہو یا خدام۔

هَلَكَ عَنِّي سُلْطَانِيَّةٌ ۝۱۱ خُذْ وَكَفَعَلُوۡا ۝۱۲ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوۡا ۝۱۳

”میری بادشاہی بھی فنا ہو گئی۔ (فرشتوں کو حکم ہوگا) پکڑ لو اس کو اور اس کی گردن میں طوق ڈال دو۔ پھر اسے دوزخ میں جھونک دو۔“

۱۔ سلطانیہ سے مراد میری بادشاہت اور میرا غلبہ لوگوں سے ختم ہو گیا یا وہ میری دلیل جاتی رہی دنیا میں جس کے ذریعے میں لوگوں پر غلبہ پاتا تھا۔ حمزہ رحمۃ اللہ علیہ نے حالیہ اور سلطانیہ میں وصل کی صورت میں ہاء کو حذف کیا جبکہ باقی قراء نے وصل اور وقف دونوں صورتوں میں ہاء کو ثابت رکھا ہے۔

۲۔ جہنم کے داروغوں کو اللہ تعالیٰ فرمائے گا اسے پکڑ لو اور اس کے ہاتھوں کو گردن کے ساتھ باندھ دو۔

۳۔ پھر اسے جہنم میں داخل کر دو۔ ثم کا لفظ دونوں عذابوں کی شدت میں فرق بیان کرنے کے لئے ہے۔ حصر کے لئے مفعول کو مقدم کیا ہے یعنی اسے کسی چیز میں داخل نہ کرو مگر جہنم میں داخل کرو جحیم سے مراد بڑی آگ ہے۔

ثُمَّ فِي سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُونَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوۡا ۝۱۴

”پھر ستر گز لمبے زنجیر میں اس کو جکڑ دو۔“

۱۔ فاسلکوا میں فاء زائدہ ہے اور نظم کلام کو حسین بنانے کے لئے ذکر کی گئی ہے۔ یہ عاطفہ نہیں اگر عاطفہ ہوتی ہو پھر معطوف اور معطوف علیہ کا جمع ہونا لازم ہوتا۔

ابن ابی حاتم اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے عوفی رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ وہ زنجیر اس کی در میں داخل کی جائے گی اور اس کے ناک سے نکالی جائے گی اور وہ اپنے پاؤں پر کھڑا نہ ہو سکے گا۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہی نقل کیا ہے کہ اس زنجیر کو اس کی سرین سے داخل کیا جائے گا پھر منہ سے

انکا جانے کا پھر نہیں اس زنجیر میں پرودیا جائے گا جس طرح مکڑی کو سلاخ میں پرودیا جاتا ہے پھر اسے آگ پر بھونا جائے گا۔ نوب بکائی شامی نے کہا وہ زنجیر ستر گز لمبی ہوگی۔ ہر ذراع متر باغ کا ہوگا اور ہر باغ یہاں سے مکہ تک ہوگا۔ اس وقت وہ کوفہ کے میدان میں تھے۔ بناؤ اور ابن مبارک رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے نقل کیا ہے کہ سفیان نے کہا ہر ذراع متر ذراع کے برابر ہوگا۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کہا اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ اس ذراع سے کونسا ذراع مراد ہے (1)۔ میں کہتا ہوں یہ جہنم کے داروغوں میں سے ایک فرشتے کا ذراع ہو یا جہنم میں کافر کا ذراع ہو کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ جہنم میں کافر کی دائرہ احد پیاز کے برابر ہوگی اور اس کی جلد کی موٹائی تین دن کی مسافت جتنی ہوگی۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع انداز میں نقل کیا ہے۔

امام احمد، امام ترمذی اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے جبکہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک سر کی کھوپڑی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر اس زنجیر کا اتنا گولا آسمان سے زمین کی طرف پھینکا جائے جبکہ آسمان اور زمین کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے تو وہ زمین تک رات سے پہلے پہنچ جائے۔ اگر اس زنجیر کا سرا جہنم میں انکا یا جائے تو جہنم کی گہرائی تک پہنچنے تک اسے چالیس سال لگ جائیں (2)۔ ابن مبارک نے کعب رحمۃ اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ اس زنجیر کا ایک حلقہ دنیا کے تمام لوہے کے برابر ہے۔ ابو نعیم نے محمد بن منکدر رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ اگر دنیا کا تمام لوہا جمع کر دیا جائے تو جہنم کی اس زنجیر کے ایک حلقہ کے برابر نہ ہوگا۔

إِنَّهُ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ الْعَظِيمِ ۚ وَلَا يَحْضُّ عَلَىٰ طَعَامِ الْمُسْكِينِ ۗ

”بے شک یہ بد بخت ایمان نہیں لایا تھا اللہ پر جو بزرگ (وہ بزرگ) ہے اور نہ ترغیب دیتا تھا مسکین کو کھانا کھلانے کی حد“

یہ جملہ مستانہ ہے۔ اس عذاب کے سبب کو بیان کرتا ہے۔ عظیم کا ذکر اس بات کا شعور دلانے کے لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی عظمت کا مستحق ہے۔ جو اس کے علاوہ اپنے آپ کو بڑا جانتا ہے وہ عذاب کا مستحق بن گیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میری چادر ہے، عظمت میری ازار ہے جس نے ان میں کوئی ایک بھی چھیننے کی کوشش کی میں اسے جہنم میں داخل کروں گا اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا۔ (3)

۱۔ وہ آبی اور کوبھی اسے کھانا کھلانے پر برا بیچتے نہیں کرتا، چہ جائیکہ وہ اپنا مال خرچ کرے۔ حصص کا ذکر یہ شعور دلانے کے لئے ہے کہ جو برا بیچتے نہیں کرتا اس کا یہ حال ہے اور جو عمل نہیں کرتا اس کا کیا حال ہوگا۔ اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ کفار کو بھی فرعی اعمال میں عذاب دیا جائے گا۔ شائد ان دو امور کو خصوصی طور پر اس لئے ذکر کیا ہے کہ قبیح ترین عقیدہ اللہ تعالیٰ کا انکار کرنا اور قبیح ترین اخلاق بخل اور دل کی سختی ہے۔

فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هَاهُنَا حَمِيمٌ ۗ وَلَا طَعَامٌ إِلَّا مِنْ غَسِيلٍ ۗ ۙ لَا يَأْكُلُهُ إِلَّا الْخَاطِئُونَ ۗ

”پس آج یہاں اس کا کوئی دوست نہیں ہے اور نہ کوئی طعام بجز پیپ کے ہے جسے کوئی نہیں کھاتا۔ بجز خطا کاروں کے ہے۔“

۱۔ اس میں فناء سیئہ ہے۔ الیوم اور ہنہنا دونوں ظرف مستقر ہیں۔ حمیم کا معنی قرہی ہے جو حمایت کرے۔

2- جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 83 (وزارت تعلیم)

1- تفسیر بخاری، جلد 7، صفحہ 121 (التجاریہ)

3- مشکوٰۃ المصابیح، جلد 3، صفحہ 92، حدیث: 5110 (القدر)

۲۔ الا من غسلین یہ استثناء مفرغ ہے اور طعام کی صفت ہے لا زائدہ ہے اور قصر اضافی ہے۔ غسلین سے مراد جنہیوں کی پیپ وغیرہ ہے یہ غسل سے فعلین کے وزن پر ہے۔ ابن ابی حاتم نے عکرمہ رحمہما اللہ تعالیٰ کے واسطے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہا غسلین سے مراد جنہیوں کی پیپ ہے۔ ضحاک اور ربیع رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا یہ ایسا درخت ہے جسے جنہمی کھائیں گے (۱)۔ ابن ابی حاتم نے مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ کے واسطے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ میں نہیں جانتا کہ غسلین کیا ہے لیکن میرا گمان ہے کہ اس سے مراد زقوم ہے۔

۳۔ مخاطبون فاعل کے محل سے استثناء مفرغ ہے۔ یہ جملہ غسلین کی صفت ہے۔ اس سے مراد گناہگار لوگ ہیں۔ یہ خطی الرجال سے مشتق ہے جس کا معنی ہے اس نے جان بوجہ کر گناہ کیا یہ خطا سے مشتق نہیں جو صواب کی ضد ہے۔

فَلَا أَقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُونَ ۝ وَمَا لَا تَبْصِرُونَ ۝ إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۝

”پس میں قسم کھاتا ہوں ان چیزوں کی جنہیں تم دیکھتے ہو اور جنہیں تم نہیں دیکھتے۔ بے شک یہ قول ہے عزت والے رسول کا۔“

۱۔ قسم اس لئے نہیں اٹھاتا کیونکہ معاملہ ظاہر ہے اور اس لئے بھی کیونکہ وہ قسم کے ذریعے ثابت کرنے سے مستغنی ہے۔ یا یہ کہا جائے گا کہ لا زائدہ ہے اور اس کا معنی ہے میں قسم اٹھاتا ہوں۔ یا لا الگ کلام ہے اور اقسام الگ کلام ہے۔ معنی یہ ہوگا بات اس طرح نہیں جس طرح کفار کہتے ہیں کہ حضور ﷺ قرآن اپنی طرف سے گھڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کر دیتے ہیں یا وہ شاعر اور کاہن ہیں یا بعثت اور دوبارہ اٹھانا نہیں ہوگا۔ یہ سب غلط ہے اور میں قسم اٹھاتا ہوں ان کی جنہیں آنکھ یا بصیرت سے دیکھتے ہو جیسے مظاہر قدرت اور اللہ تعالیٰ کی صفات کے معانی اور ان کی بھی قسم اٹھاتا ہوں جن کا آنکھیں اور بصیرتیں ادراک نہیں کر سکتیں جیسے صفات کے مراتب اور اللہ تعالیٰ کی ذات ایک قول یہ کیا گیا ما تبصرون سے مراد دنیا ہے اور ما لا تبصرون سے مراد آخرت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ما تبصرون سے مراد اجسام اور ما لا تبصرون سے مراد ارواح ہیں یا ما تبصرون سے مراد ایمان اور ما لا تبصرون سے مراد ملامت اور جن ہیں یا اس سے مراد ظاہری اور باطنی نعمتیں ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ ما تبصرون سے مراد اللہ تعالیٰ کے وہ علوم ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں، جنوں اور انسانوں پر ظاہر کیا اور ما لا تبصرون سے مراد وہ علوم ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے ساتھ خاص کیا ہے اور کسی کو بھی اس پر مطلع نہیں کیا۔

۲۔ قرآن رسول کریم کا قول ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہنچاتا ہے وہ اسے اپنی طرف سے نہیں کہتا۔ وہ اللہ تعالیٰ پر بڑے معزز ہیں، اس سے مراد حضور ﷺ کی ذات یا جبرئیل امین ہے۔

وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيلًا مَّا تُوْمِنُونَ ۝ وَلَا يَقُولُ كَاهِنٍ قَلِيلًا مَّا تَدْكُرُونَ ۝

”اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں لیکن تم بہت کم ایمان لاتے ہو۔ اور نہ ہی یہ کسی کاہن کا قول ہے تم لوگ بہت کم توجہ کرتے ہو۔“

۱۔ وہ شاعر کا قول نہیں جس طرح تم کبھی گمان کرتے ہو۔ قلیلا مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے یا ظرف ہونے کی حیثیت سے

منسوب ہے۔ ما زائدہ ہے قلت کی تاکید کا فائدہ دیتی ہے اور قلیلا ما کا تعلق ما بعد کلام سے ہے، یعنی تم بہت کم ایمان لاتے ہو یا بہت تھوڑا عرصہ ایمان لاتے ہو جب اس کا صدق تمہارے لئے ظاہر ہوتا ہے۔ تلیل ایمان لانا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اکثر ایمان نہ لایا جائے جو عناد اور تعنت پر مبنی ہے کیونکہ وہ سرکشی اور عناد کی وجہ سے کامل ایمان نہیں رکھتے تھے کوئی اور وجہ نہیں تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ قلت ایمان سے مراد ایمان کی مطلق نفی ہے جس طرح جو آدمی تیری ملاقات کے لئے نہیں آتا تو تو اسے کہتا ہے۔ قلیلا ما تا تینا یہ جملہ معترضہ ہے جو کفار کی مذمت کے لئے آیا ہے۔

۲۔ اس میں لا زائدہ ہے اور اس کا ما بعد ما هو کی خبر کا معطوف ہے۔ شاعریت کی نفی کے ساتھ ایمان کا ذکر اور کہانت کی نفی کے ساتھ تذکر کا ذکر کیا کیونکہ قرآن کی شعر سے عدم مشابعت واضح ہے جس کا انکار دشمنی رکھنے والا ہی کر سکتا ہے جہاں تک قرآن کا کہانت سے اختلاف ہے۔ یہ اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب کوئی آدمی رسول اللہ ﷺ کے احوال اور قرآن کے معانی میں غور و فکر کرے جو کاہنوں کے احوال اور ان کے اقوال کے معانی کے منافی ہیں۔ ابن کثیر، ابن عامر اور یعقوب رحمہم اللہ تعالیٰ نے یومنون اور یذکرون پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے تاء کے ساتھ مخاطب کا صیغہ پڑھا ہے۔

تَنْزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۳۰﴾ وَ لَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضُ الْأَقَاوِيلِ ﴿۳۱﴾
لَا خَذَانًا لَهُ بِالْيَمِينِ ﴿۳۲﴾

”بلکہ یہ نازل شدہ ہے رب العالمین کا۔ اگر وہ خود گھڑ کر بعض باتیں منسوب کرتا۔ تو ہم اس کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے۔“

۱۔ تنزیل مصدر ہے اسم مفعول کے معنی میں ہے اور مبتدا، مخذوف کی خبر ہے جو ہو ہے۔ یہ قرآن جبرئیل امین کی زبان پر رب العالمین کی طرف سے ہے جو جملہ مستانفہ ہے اور مقدر سوال ما هو کا جواب ہے۔

۲۔ اگر وہ ہم پر وحی کے بغیر جھوٹا بول بولتا یا قول میں تکلف اور تصنع کرتا۔ اقواویل اقوال کی جمع ہے جو قول سے مشتق ہے جس طرح اضاحیک اضحوکة کی جمع ہے جھوٹی باتوں کو اقواویل کہتے ہیں۔

۳۔ منہ میں ہضمیر سے مراد مفتری ہے۔ بالیمین کا تعلق اخذنا کے ساتھ ہے، یعنی اس کو ذلیل کرنے کے لئے اس کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے۔ یا اس کا معنی ہے کہ ہم اس کو دائیں ہاتھ سے پکڑ لیتے اس تعبیر کی صورت میں من زائدہ ہے اور یمن تشابہات میں سے ہے۔ بعض اوقات یمن کا معنی قوت اور قدرت کیا جاتا ہے کیونکہ ہر شے کی قوت اس کے دائیں ہاتھ میں ہوتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس کا معنی ہے ہم اسے قوت اور قدرت کے ساتھ پکڑ لیتے (۱)۔ یہ بھی احتمال ہے کہ لاخذنا منہ میں من سبب ہو اور ضمیر نقول کی طرف لوٹ رہی ہو۔ معنی یہ بنے گا ہم اس کے جھوٹ بولنے کی وجہ سے اس کو پکڑ لیتے۔

ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ ﴿۳۳﴾ فَمَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ ﴿۳۴﴾

”پھر ہم کاٹ دیتے اس کی رگ دل لے پھر تم میں سے کوئی بھی (ہمیں) اس سے روکنے والا نہ ہوتا۔“

۱۔ وتین دل میں ایک رگ ہے۔ جب وہ منقطع ہو جائے تو وہ آدمی مر جاتا ہے۔

۲۔ منکم میں من بیانہ ہے۔ احد یہ مشابہ بلیس کا اسم ہے اور من زائدہ ہے۔ عنہ میں ہضمیر سے مراد قتل یا مقتول ہے جس نے

بہتان باندھا۔ اس کا مابعد کے ساتھ تعلق ہے۔ حاجزین احد کی صفت ہے کیونکہ احد نکرہ ہے اور نفی کے تحت داخل ہے اور یہ جملہ شرط کی جزاء پر معطوف ہے جو لاخذنا ہے۔ جملہ شرطیہ معطوف علیہ اور معطوف کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔ معطوف علیہ یہ جملہ ہے انہ لقول رسول کریم اور معطوف مابعد آیت ہے۔

وَإِنَّهُ لَتَذَكَّرٌ لِلْمُتَّقِينَ ۝ وَإِنَّا لَنَعْلَمُ أَنَّ مِنْكُمْ مُكَذِّبِينَ ۝

”اور بے شک یہ تو ایک نصیحت ہے پرہیزگاروں کے لئے اور ہم خوب جانتے ہیں کہ تم میں سے بعض جھٹلانے والے ہیں۔“

۱۔ ضمیر سے مراد قرآن ہے۔ یہ متقین کے لئے نصیحت ہے کیونکہ وہی اس سے نفع اٹھاتے ہیں۔
فائدہ:۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ قرآن کی تلاوت نفس کے فناء اور عین اور اثر کے زائل ہونے کے بعد ترقی کا سبب ہے کیونکہ تقویٰ کا تصور فناء کے بعد ہی ہوتا ہے۔ قرآن کا تذکرہ ہونا یہ متقی کے ساتھ مختص ہے جس پر لام تخصیص دلالت کرتا ہے۔ فناء کے قبل تلاوت ابرار کے عمل میں داخل ہے۔ مقررین کے عمل میں داخل نہیں جو اپنے آپ کو نفس کے رذائل سے بچاتے ہیں۔

۲۔ ہم جانتے ہیں کہ تم میں جھٹلانے والے ہیں۔ اس وجہ سے ان کے جھٹلانے اور نصیحت حاصل نہ کرنے پر ہم انہیں جزاء دیں گے۔

وَإِنَّهُ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكَافِرِينَ ۝ وَإِنَّهُ لَحَقُّ الْيَقِينِ ۝

”اور یہ باعث حسرت ہوگی کفار کے لئے اور بے شک یہ یقیناً حق ہے۔“

۱۔ جب کفار نصیحت حاصل کرنے والے مومنوں کا ثواب دیکھیں گے تو یہ ان کے حسرت کا سبب ہوگا۔

۲۔ قاموس میں ہے یقین کا معنی شک کو ختم کرنا ہے۔ صحاح میں ہے یقین علم کی صفت ہے جس کا درجہ معرفت سے اوپر ہوتا ہے۔ قرآن حکیم پر اس کا حمل کرنا ایسے ہی ہے جیسے زید عدل یعنی قرآن کے واضح ہونے اور اس کی دلیل کے روشن ہونے کی وجہ سے عقل مند اس پر یقین رکھتا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کرتا حق باطل کی ضد ہے۔ صاحب البحر الموائج نے کہا یہ یقین حق ہے یقین باطل نہیں۔ یقین باطل سے مراد جہل مرکب ہے تو اس اعتبار سے یہاں صفت اپنے موصوف کی طرف مضاف ہوگا۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ یہاں یقین سے مراد ایسی چیز ہے جس کے واضح ہونے اور دلیل کے روشن ہونے کی وجہ سے عقل مند اس پر یقین کر لیتا ہے تو اس اعتبار سے یقین سے مراد حق ہے۔ اس سے مراد وہ یقین نہیں جو باطل کو بھی عام ہے جو جہل مرکب ہے۔ اس وجہ سے حق کی اس طرف نسبت کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ ہم اس کا جواب دیتے ہیں بات اسی طرح ہے لیکن یہاں حق کی یقین کی طرف اضافت تاکید اور تویح کی زیادتی کے لئے ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا دونوں سے ایک ہی معنی مراد ہے۔ یہاں اضافت اپنی ہی ذات کی طرف ہے اور اضافت اس لئے کی کہ الفاظ آپس میں مختلف ہیں۔

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ۝

”پس (اے حبیب) آپ تسبیح کیا کریں اپنے رب کی جو عظمت والا ہے۔“

۱۔ اللہ تعالیٰ کے عظیم نام کو ذکر کرنے کے ساتھ اس کی پاکی بیان کیجئے۔ اس پر بہتان باندھنے اور نامناسب بات کرنے سے راضی

ہونے پر اس کی پاکی بیان کیجئے اور حوان کی طرف وحی کی گئی ہے اس پر شکر بجالاتے ہوئے اس کی پاکی بیان کیجئے۔

ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی ہے کہ اپنے رب کو یاد کرتے ہوئے اور اس کے حکم کی وجہ سے اس کی نماز پڑھو۔ ایک قول یہ کیا گیا اس میں بقاء زائدہ ہے اور اسم کا لفظ زائدہ ہے۔ اس کا معنی یہ ہے اپنے عظیم رب کی پاکی بیان کیجئے۔

حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضور ﷺ پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو حضور ﷺ نے فرمایا اسے اپنے رکوع میں رکھ لو۔ جب سبح اسم ربک الاعلیٰ نازل ہوئی تو حضور ﷺ نے فرمایا اسے اپنے سجدوں میں رکھ لو (1)۔

اسے ابوداؤد، ابن ماجہ اور دارمی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی آپ رکوع میں سبحان ربی العظیم اور سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ پڑھتے۔ جب تلاوت میں

رحمت کی آیت پڑھتے تو توقف کرتے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں سوال کرتے۔ جب کوئی عذاب والی آیت تلاوت کرتے تو آپ ﷺ ظہر جاتے اور اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے (2)۔ اسے امام ترمذی، ابوداؤد اور دارمی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی

رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اسے امام نسائی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ عون بن عبد اللہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی رکوع کرے اور رکوع میں یہ تین بار کہے

سبحان ربی العظیم تو اس کا رکوع مکمل ہو گیا۔ یہ ادنیٰ مقدار ہے۔ جب وہ سجدہ کرے اور سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ تین دفعہ کہے تو اس کا سجدہ مکمل ہو جاتا ہے۔ یہ ادنیٰ مقدار ہے۔ اسے امام ترمذی، ابوداؤد اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کی سند متصل نہیں کیونکہ عون حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نہیں ملا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دو کلمے جو زبان پر ہلکے میزان میں بھاری اور اللہ کو محبوب ہیں وہ سبحان اللہ وبحمدہ

سبحان اللہ العظیم ہیں، متفق علیہ (3)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے سبحان اللہ العظیم وبحمدہ کہا اس نے اپنے لئے جنت میں کھجور کا درخت لگایا۔ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا۔ (4)

مسئلہ:۔ رکوع اور سجدہ کی تسبیحات جمہور کے نزدیک سنت ہیں کمال کی ادنیٰ مقدار تین تسبیحات ہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا واجب ہیں۔ اسی طرح ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہونے کی تکبیرات، قومہ میں تسبیح (ا) اور تحمید (ب)۔ امام احمد

رحمۃ اللہ علیہ نے حضور ﷺ کے اس ارشاد سے استدلال کیا ہے کہ اسے رکوع میں رکھ لو فرمایا امر واجب کے لئے آتا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں رکوع کے مکمل ہونے کو اس کے ساتھ معلق کیا ہے جبکہ جمہور علماء امر کوندب پر محمول کرتے

ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

2- ایضاً، جلد 1 صفحہ 35

1- جامع ترمذی، جلد 1، صفحہ 36 (وزارت تعلیم)

4- جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 184 (وزارت تعلیم)

3- صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 344 (قدیمی)

(ا) جلسہ میں رب اغفر لی کے علاوہ سب میں اختلاف ہے، کسی نے بھی اس کے واجب ہونے کا قول نہیں کیا۔

(ب) (سمع اللہ لمن حمدہ اور ربنا لک الحمد کہنا۔

سورة المعارج

﴿ آیتھا ۲۳ ﴾ ﴿ سورة المعارج مکیہ ۷۰ ﴾ ﴿ رکوعاھا ۲ ﴾

سورة المعارج مکی ہے، اس میں دو رکوع اور چوالیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

”اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے“

سَأَلَ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَاقِعٍ ۝ لِّلْكَافِرِينَ لَيْسَ لَهُ دَافِعٌ ۝ مِّنَ اللّٰهِ ذِي
الْمَعَارِجِ ۝

”مطالبہ کیا ایک سائل نے ایسے عذاب کا جو ہو کر رہے لے وہ سن لے یہ تیار ہے کفار کے لئے اسے کوئی ماننے والا نہیں ہے۔ یہ اللہ کی طرف سے ہے جو عروج کے زینوں کا مالک ہے۔“

لے نافع اور ابن عامر رحمہما اللہ تعالیٰ نے سال الف ساکن کے ساتھ پڑھا ہے جو ہمزہ کا بدل ہے جبکہ باقی قراء نے ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ حمزہ نے وقف کی صورت میں بین بین پڑھا ہے۔ امام نسائی اور ابن ابی حاتم رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ یہاں سائل سے مراد نضر بن حارث ہے۔ اس نے یہ کہا تھا: اللَّهُمَّ إِن كَانَ هَذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَصْطِرْ عَلَيْنَا جِجَارَةً مِّنَ السَّمَاءِ أَوْ ابْتِنَا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ ۝ ابن ابی حاتم نے سدی رحمہما اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے کہ اس عذاب سے مراد بدر کا دن ہے۔ یہاں سوال سے مراد طلب کرنا ہے۔ اس معنی پر دلالت یہ ہے کہ اسے باء کے ساتھ متعدی کیا گیا ہے۔ نافع رحمۃ اللہ علیہ کی قرأت کے مطابق یہ بھی احتمال ہے کہ سال میلان سے مشتق ہے۔ معنی یہ ہوگا وادی عذاب سے بہہ پڑی نعل ماضی اس لئے ذکر کیا کیونکہ اس کا وقوع یقینی ہے یا تو دنیا میں جس طرح بدر میں ان کو قتل کر دیا گیا یا آخرت میں وہ آگ کا عذاب ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا سائل جہنم کی وادیوں میں سے ایک وادی ہے یہ عبدالرحمن بن زید سے مروی ہے۔ ابن مندور رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی سَأَلَ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَاقِعٍ لَوُكُلٍ لَوُكُلٍ نے پوچھا کس پر یہ عذاب نازل ہوگا تو اللہ تعالیٰ نے علی الکافرین لیس لہ دافع نازل فرمایا۔ اس صورت میں سوال استفہام کے معنی میں ہے۔ اس صورت میں باء عن کے معنی میں ہوگا۔ یا اسے باء کے ساتھ اس لئے متعدی کیا کیونکہ سال اہتم کے معنی میں ہے۔ واقع عذاب کی صفت ہے۔ لے یہ جار مجرور عذاب کی ایک اور صفت ہے یا واقع کا صلہ ہے۔ اگر سوال یہ ہو کہ عذاب کس کے بارے میں واقع ہوگا تو یہ اس کا جواب ہوگا اور لیس لہ دافع یہ عذاب کی ایک اور صفت ہوگی یا یہ بھی جواب کے زمرہ میں ہے۔

لے یہ اللہ کی طرف سے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے ہے۔ ذی المعارج یہ لفظ اللہ کی صفت ہے، یعنی وہ سیرھیوں والا ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا اس کا معنی وہ درجات والا ہے۔ میں کہتا ہوں اس سے مراد قرب کے درجات ہیں جن کی کوئی کیفیت بیان نہیں کی جاسکتی

جن تک انبیاء، ملائکہ اور اولیاء ہی پہنچ سکتے ہیں یا اس سے مراد قبولیت کے درجات ہیں جن سے پاکیزہ کلمات اور عمل صالح بلند ہوتے ہیں یا اس سے مراد جنت کی سیڑھیاں ہیں اور جنت کے درجات ہیں۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت میں سو درجے ہیں، ہر دو درجات میں اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان اور زمین میں فاصلہ ہے۔ فردوس ان میں سے سب سے بلند ہے جس سے جنت کے چاروں دریا بہتے ہیں۔ اس سے اوپر عرش ہے جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو اس سے فردوس کا سوال کرو۔ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (1)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی کی مثل مروی ہے۔ اس میں یہ وضاحت بھی ہے کہ دونوں درجوں میں سو سال کی مسافت ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بالا خانوں والے جنتی ایک دوسرے کو اس طرح دیکھیں گے جس طرح تم مشرق و مغرب کے افق میں چمکدار ستاروں کو دیکھتے ہو کیونکہ جنتیوں کے مراتب میں باہم فضیلت کے اعتبار سے فرق ہوگا۔ لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ انہیں تو انبیاء ہی پائیں گے۔ کوئی اور ان تک نہ پہنچ سکے گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا قسم ہے مجھے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے وہ لوگ اسے پائیں گے جو اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان لائے اور جنہوں نے رسولوں کی تصدیق کی، متفق علیہ (2)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس کا معنی ہے کہ وہ آسمانوں والا ہے جسے معارج کا نام دیا کیونکہ فرشتے ان میں اور پہنچتے ہیں۔ قنادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے مراد انعامات والا ہے۔ (3)

تَعْرُجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُ أَلْفِ سَنَةٍ ۝

”عروج کرتے ہیں فرشتے اور جبرئیل اللہ کی بارگاہ میں یہ عذاب اس روز ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہے۔“

۱۔ کسائی رحمۃ اللہ علیہ نے عروج پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے تاء کے ساتھ مونث کا صیغہ پڑھا ہے۔ یہ جملہ معارج کی صفت ہے جس طرح اس جملہ میں جملہ فعلیہ اللئیم کی صفت ہے: وَ لَقَدْ أَمَرُ عَلَى اللَّيْمِ نَسْبِي. اس میں رابطہ والی ضمیر محذوف ہے۔ نقد یہ کلام یہ ہے تعرج فیہا الملئکة والروح یہاں روح سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ ان کی فضیلت کی وجہ سے اسے الگ ذکر کیا ہے یا یہ ملائکہ سے بھی بڑی مخلوق ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ روح سے مراد بشری روح ہے جو عالم امر سے متعلق ہے کیونکہ انبیاء اور اولیاء کی روحمیں بعد اور غفلت کی پستی سے قرب اور حضور کی بلند یوں کی طرف بلند ہوتی ہیں۔

الیہ میں ہ ضمیر سے مراد اللہ تعالیٰ یا اس کا عرش ہے۔ فی یوم شبہ فعل محذوف کے متعلق ہے جس پر واقع کا لفظ دلالت کرتا ہے، یعنی عذاب ان پر ایسے دن میں واقع ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہوگی۔ امام بیہقی نے عکرمہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ یمان نے کہا یوم قیامت میں پچاس منزلیں ہوں گی اور ہر منزل کی مسافت ایک ہزار سال کی مسافت جتنی ہوگی۔ شیخین نے صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جو بھی کسی خزانے کا مالک جب اپنے مال کی زکوٰۃ نہیں دیتا مگر اس خزانے کو جہنم کی آگ میں گرم کیا جاتا ہے تو اس (خزانے) سے تختے بنائے جاتے ہیں۔ پھر اس کے پہلوؤں اور پیشانی پر انہیں لگایا جاتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان اس دن میں فیصلہ کر دے گا جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔ پھر اسے جنت کی طرف لے جایا جائے گا یا جہنم کی طرف لے

جایا جائے گا۔ جو بھی اونٹوں کا مالک اپنے مال کی زکوٰۃ نہیں دیتا۔ جب قیامت کا دن ہوگا تو بلباتے اونٹ اس پر دوڑیں گے۔ کوئی اونٹ کا بچہ بھی مشقود نہ ہوگا وہ اپنے پاؤں کے نیچے روندیں گے اور منہ سے کانٹیں گے جب ایک جماعت اس پر گزر جائے گی تو دوسری اس پر لوٹا دی جائے گی۔ یہ اس دن میں ہوتا رہے گا جس کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہے یہاں تک کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دیا جائے گا۔ پھر اسے جنت یا جہنم میں داخل کیا جائے گا اور جو بکریوں کا مالک ہوگا اور زکوٰۃ ادا نہیں کرتا تھا وہ اسے لتاڑیں گی ان بکریوں میں کوئی سینگ مڑی، منڈی اور فونٹے ہوئے سینگ والی نہ ہوگی مگر اسے سینگ سے مارے گی اور کھروں سے روندے گی۔ جو نبی پہلی جماعت گزر جائے گی اس پر دوسری لوٹا دی جائے گی۔ یہ اس دن میں سلسلہ چنتا رہے گا جس کی طوالت پچاس ہزار سال کے برابر ہوگی۔ یہ سلسلہ اس دن میں جاری رہے گا یہاں تک کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دیا جائے گا۔ پھر اسے جنت یا دوزخ کی راہ دکھائی جائے گی۔ (۱)

امام احمد، ابو یعلیٰ، ابن حبان اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے حسن سند کے ساتھ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ سے اس دن کے بارے میں پوچھا گیا جس کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہے کہ وہ دن کتنا لمبا ہوتا ہے؟ تو حضور ﷺ نے فرمایا مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ وہ مومن پر بہت خفیف ہوگا یہاں تک کہ وہ دنیا میں جتنے وقت میں فرض نماز ادا کرتا تھا اس سے بھی کم وقت کا ہوگا (۲)۔ میں کہتا ہوں اس تاویل کی بنا پر اس آیت اور اس آیت *يَذُوبُ إِلَّا مَرَمِينَ* *السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ أَلْفَ سَنَةٍ مِمَّا تَعُدُّونَ* کی معنی یہ ہے اللہ تعالیٰ حکم نازل فرماتا ہے اس سے کہ جبرئیل امین آسمان سے زمین کی طرف نازل ہوتا ہے۔ پھر جبرئیل امین آسمان کی طرف دنیا کے ایک دن میں عروج کرتا ہے جبکہ اس کی مسافت ہزار سال کے برابر ہے پانچ سو سال اترنے کے اور پانچ سو سال اوپر چڑھنے کے کیونکہ زمین اور آسمان کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے، یعنی اگر انسانوں میں سے کوئی اسے طے کرتا تو اسے پانچ سو سال لگ جاتے لیکن فرشتے اسے ایک دن بلکہ اس سے بھی کم عرصہ میں طے کر لیتے ہیں۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے واسطے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت *يَعْرُجُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ أَلْفَ سَنَةٍ مِمَّا تَعُدُّونَ* کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ یہ دنیا میں ہوگا کہ فرشتے ایک دن میں اتنا سفر کر لیتے ہیں جس کی مقدار ایک ہزار سال کے برابر ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے فرمان *فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ أَلْفَ سَنَةٍ مِمَّا تَعُدُّونَ* سے بھی آسان اور مختصر ہوگا۔ اس قیامت کے دن کو اللہ تعالیٰ کفار پر پچاس ہزار سال کا بنا دے گا (۳)۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ دونوں آیتوں سے مراد قیامت کا دن ہے کہ یہ دن بعض افراد کے لئے لمبا اور بعض کے لئے مختصر ہوگا یہاں تک کہ مومنین کے لئے فرض نماز کے وقت سے بھی آسان اور مختصر ہوگا۔ جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔ امام حاکم اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع اور موقوف روایت نقل کی ہے کہ مومنین کے لئے یہ ظہر اور عصر کے درمیان کا وقت ہوگا (۴)۔ اس صورت میں اللہ تعالیٰ کے فرمان *يَذُوبُ إِلَّا مَرَمِينَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ* کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ دنیا کے ایام تک تمام کائنات کے نظام کی تدبیر کرتا رہے گا۔ پھر دنیا کے فناء ہونے، امراء اور حکام کے امر کے انقطاع کے بعد تمام امور کی تدبیر براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف منتقل ہو جائے گی اس دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ

2- تفسیر خازن، جلد 7، صفحہ 124 (التجاریہ)

1- صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 319 (قدیمی)

4- ایضاً

3- الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 416 (العلمیہ)

اللہ تعالیٰ کے فرمان فی یوم کان مقداره خمبین ألف سنة میں طرف معراج کے متعلق ہے جس طرح سورہ تنزیل میں معراج کے متعلق ہے۔ پھر دو آیتوں میں تطبیق کی صورت یہ ہوگی کہ سورہ تنزیل میں آیت کی مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے زمین تک کے معاملہ کی تدبیر ایک دن میں فرماتا ہے جس میں مسافت ایک ہزار سال کے برابر ہے پانچ سو سال اترنے اور پانچ سو سال اوپر چڑھنے کے ہیں جبکہ اس آیت میں مسافت کی مدت سات زمینوں کی پستی سے لے کر سات آسمانوں کی بلندی تک ہے۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ایٹھ نے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ اس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اگر کوئی انسان طبعی چال چلے تو دنیا سے عرش تک اسے پچاس ہزار سال لگیں گے (۱)۔ اسی وجہ سے صوفیاء کہتے ہیں کہ صوفی کو جو فناء قلب اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور ﷺ اور مشائخ کے واسطے نصیب ہوتا ہے اگر کوئی انسان اسے شیخ کے جذب کے بغیر عبادات اور ریاضات کے ذریعے حاصل کرنے کا ارادہ کرے تو اسے یہ مقام اتنے زمانے میں حاصل ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہوگی۔ جب کسی ایک انسان کے لئے اتنی مدت تک باقی رہنا بلکہ دنیا کا اتنے عرصے تک باقی رہنا متصور نہیں ہو سکتا تو اس سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنا محال ہے جب تک مشائخ کے توسط جو عام طریقہ ہے اور روح کا توسط جو بعض اویسی افراد کو نصیب ہوتا ہے کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کشش نصیب نہ ہو۔

فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيلًا ۝ اِنَّهُمْ يَرَوْنَهُ بَعِيدًا ۝ وَنَرَاهُ قَرِيْبًا ۝

”ایسا صبر کیجئے جو بہت خوبصورت ہو۔ کفار کو تو یہ بہت دور نظر آتا ہے۔ (لیکن) ہم اسے قریب دیکھ رہے ہیں۔“
 ۱۔ اے محمد ﷺ جو وہ آپ کی تکذیب کرتے ہیں اس پر آپ صبر کیجئے اس میں جلد بازی، اضطراب اور جزع فزع کا شعور نہ ہو اس میں فاء سببیہ ہے جو سوال کے متعلق ہے کیونکہ وہ سوال سرکشی اور استہزاء کے طور پر کرتے تھے۔ اسی سے حضور ﷺ کی طبیعت تنگ ہوتی تھی۔ تو معنی یہ ہوگا آپ صبر کیجئے ان کے سوال سے تنگ نہ پڑیے اور ان کے لئے عذاب میں جلدی نہ کیجئے۔ یا اس کا تعلق سنائی کے ساتھ ہے جو نافع کی قرأت ہے۔ یا یہ بھی محذوف کے متعلق ہے جس کے ساتھ فی یوم متعلق ہے، یعنی آپ صبر کیجئے عذاب انہیں بہالے جائے گا اور اس کا وقوع قریب آچکا ہے۔

۲۔ کفار سے ناممکن اور عقل سے بعید خیال کرتے ہیں۔ اگر اس کا احتمال آتا بھی ہے تو احتمال ضعیف ہوتا ہے۔
 ۳۔ جب کہ ہم اسے قریب ہی واقع ہوتا ہوا دیکھتے ہیں کیونکہ جو چیز وقوع پذیر ہونے والی ہو وہ قریب ہوتی ہے۔ وقوع میں قرب اس امر کو مستلزم ہے کہ وہ محذوف کلام کے متعلق ہوا۔ گروہ معراج کے متعلق ہو تو یہ مضمحل کلام کے متعلق ہوگا جس پر واقع شبہ فعل دلالت کرتا ہے۔

يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَاوَاتُ كَالْمُهْلِ ۝ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ۝ وَلَا يَسْئَلُ حَمِيمٌ حَمِيْمًا ۝

”اس روز آسمان پگھلی ہوئی دھات کی مانند ہوگا۔ اور پہاڑ رنگ برنگی اون کی طرح ہو جائیں گے۔ اور کوئی جگری دوست کسی جگری دوست کا حال نہ پوچھے گا۔“

۱۔ مہل سے مراد پگھلا ہوا تانبہ ہے یا دوسری پگھلی ہوئی دھات یا تیل کی تلچٹ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے فرمایا آسمان کبھی مختلف رنگوں والا ہوگا کبھی وہ پگھلے ہوئے تانبے جیسا ہوگا کبھی سرخ ہوگا جس طرح تیل ہوتا ہے اور وہ

کنزور ہو کر پھٹ جائے گا۔

جسے عہن سے مراد مختلف رنگوں میں رنگی ہوئی اون ہے کیونکہ پہاڑوں کے رنگ مختلف ہوتے ہیں۔ جب انہیں پھین دیا جائے گا اور فضاء میں آزاد یا جائے گا تو وہ دھنی ہوئی رنگ دار اون کی طرح ہو جائے گا جبکہ اس اون کو ہوا اڑا رہی ہو۔

سے کوئی قریبی دوسرے قریبی سے اس کا حال نہیں پوچھے گا کیونکہ وہ خود سخت مصیبت کا شکار ہوگا۔ اس جملے کا عطف اس جملے پر ہے جس کی طرف یوم کا لفظ مضاف ہے۔ براء نے ابن کثیر رحمہما اللہ تعالیٰ سے مجہول کا صیغہ پڑھا ہے، یعنی کسی قریبی دوست سے کسی دوست کے بارے میں محاسبہ نہیں کیا جائے گا۔ یا اس سے حال نہیں پوچھا جائے گا یہ اختلاف قرأت مشہورہ میں نہیں اور نہ اسے تیسیر میں ذکر کیا ہے۔

يُبْصِرُونَ نَهْمَ يَوْمِ الْمَجْرِمِ لَوْ يَفْقَدُونَ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ مِثْلِ يَوْمِ بَيْنِيهِ ۝۱۱ وَصَاحِبَتِهِ وَ
أَخِيهِ ۝۱۲ وَفَصِيلَتِهِ الَّتِي تُسْوِيهِ ۝۱۳ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ يُبْجِيهِ ۝۱۴

”دکھائی دیں گے ایک دوسرے کو ہر مجرم تمنا کرے گا کہ کاش بطور فدیہ دے سکتا آج کے عذاب سے بچنے کے لئے اپنے بیٹوں کو اپنی بیوی کو اپنے بھائی کو اپنے خاندان کو جو (ہر مشکل میں) اسے پناہ دیتا تھا اور (بس چلے تو) جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کو، پھر یہ فدیہ اس کو بچالے گا۔“

یہ بصر و نہم وہ ایک دوسرے کو دکھائی دیں گے۔ یہ جملہ حمیم کی صفت ہے یا جملہ مستانہ ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ سوال سے مانع چیز خفاء نہیں یا تو وہ اس لئے ایک دوسرے سے سوال نہیں کرتے کیونکہ ہر ایک اپنی مصیبت میں پھنسا ہوا ہے یا اس وجہ سے سوال نہیں کرتے کہ حال کے مشاہدہ کی وجہ سے سوال سے بے نیاز ہیں جس طرح ان کا چہرہ سیاہ ہوگا۔ یا سفید ہوگا فاعل اور مفعول دونوں ضمیریں جمع کی ذکر کی ہیں کیونکہ نکرہ نفی کے تحت داخل ہے اور عموم پر دلالت کرتا ہے۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ قیامت کے روز ہر مخلوق جیسے جن اور انسان نظروں کے سامنے ہوں گے۔ آدمی کا باپ، بھائی، رشتہ دار اور دوستوں کو وہ دیکھے گا۔ اپنی مصیبت میں پریشان ہونے کی وجہ سے وہ کسی دوسرے سے کلام نہیں کرے گا (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا بصر و نہم کا معنی ہے کہ وہ ایک دوسرے کو پہچان لیں گے جہاں تک مومن کا تعلق ہے ان کے چہرے سفید ہیں گے اور کافر کا چہرہ سیاہ ہوگا۔ یوم المجرم یہ بصر و نہم کے فاعل یا مفعول سے حال ہے۔ اس جملہ میں مجرم کو اسم ضمیر کی جگہ رکھا ہے۔ یا یہ جملہ مستانہ ہے اور ایک مقدر سوال کا جواب ہے جو ما یصنع المجرم ہے یعنی مجرم دوسروں سے بے نیاز ہو کر اپنی ذات کے بارے میں مشغول ہوگا اور تمنا کرے گا کہ وہ اپنے قریبی رشتہ دار اور دنیا میں محبوب ترین انسان کو فدیہ کے طور پر دے دیں، چہ جائیکہ وہ اس کی حالت کا خیال کرے اور اس کا حال پوچھے۔ اس اعتبار سے اللہ تعالیٰ کا فرمان لایسنل حمیم حمیما کفار کے ساتھ خاص ہوگا۔ جہاں تک مومنین کا تعلق ہے وہ اپنے دوستوں کے بارے میں پوچھیں گے، ان کے حق میں شفاعت کریں گے۔ اس میں احادیث معنوی اعتبار سے متواتر ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تم میں کوئی بھی اپنے حق کے بارے میں اتنا جھگڑا نہیں کرتا جتنا جھگڑا مومن اپنے بھائیوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے کریں گے، وہ کہیں گے اے ہمارے رب یہ ہمارے ساتھ نمازیں پڑھا کرتے تھے، متفق علیہ (2)۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ایک

طویل حدیث میں یہ مروی ہے۔

لو یفتدی والا جملہ و داد کا بیان ہے۔ یفتدی کی ضمیر یا تو مجرم کے لئے ہے یا آرزو کرنے والے کے لئے ہے، من عذاب یہ جار مجرور یفتدی کے متعلق ہے اور عذاب کا لفظ یوم کی طرف مضاف ہے۔ جمہور قراء یوم کے لفظ کو مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے مجرور پڑھا ہے۔ نافع اور کسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے میم کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ یہ عذاب کا مفعول فیہ ہے۔

بینہ اپنے معطوفات کے ساتھ ل کر یفتدی کے متعلق ہے صاحبہ کا معنی بیوی ہے فصیلہ کا معنی قبیلہ ہے جن سے وہ الگ ہوتا ہے اور جو اسے مصائب میں پناہ دیتا ہے۔ من فی الارض سے مراد جن و انس اور تمام مخلوقات ہے۔ ثم ینجیہ کا عطف یفتدی پر ہے۔ ثم کے ساتھ اس کا عطف استبعاد کے لئے ہے۔

كَلَّا إِنَّهَا لَلظَى ۝ نَزَّاعَةً لِّلشَّوْمَى ۝ تَدْعُو مَن آدْبَرَ وُتُوٰى ۝

” (لیکن) ایسا ہرگز نہ ہوگا بے شک آگ بھڑک رہی ہوگی! نہ نوح لے گی گوشت پوست کو نہ وہ بلائے گی جس نے

(حق سے) پیٹھ پھیری اور منہ موڑا تھا۔“

۱۔ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے انہیں کوئی چیز نجات نہ دے گی۔ اس میں مجرم کو اس قسم کی خواہش کرنے سے جھڑکا جا رہا ہے۔
 ۲۔ یاہا ضمیر کا مرجع پہلے مذکور نہیں۔ اس سے مراد وہ آگ ہے جس پر عذاب دلالت کرتا ہے۔ یاہا ضمیر مبہم ہے جس کی تفسیر ما بعد جملہ کرتا ہے۔ لظی یہ خبر ہے یاہا ضمیر سے بدل ہے یا ضمیر قصہ ہے لظی مبتدا ہے اور اس کی خبر بعد میں ہے۔ اس صورت میں نزاعہ مرفوع ہوگا۔ لظی کا معنی خالص آگ ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ جہنم کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا یہ دوسرا گڑھا ہے۔ اسے لظی کا نام اس لئے دیا کیونکہ وہ بھڑکتا رہتا ہے (1)۔ حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے لظی، شوی، تولی، فاعلی میں امالہ کیا ہے۔ ورش اور ابو عمر رحمہما اللہ تعالیٰ نے بین بین پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے مفتوح پڑھا ہے۔

۳۔ شوی سے مراد اطراف ہیں یعنی ہاتھ اور پاؤں یہ شواہ کی جمع ہے۔ سر کی جلد کو شواہ کہتے ہیں۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح کہا ہے۔ ابراہیم بن مہاجر نے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے ہی نقل کیا ہے۔ اس سے مراد ایسا گوشت ہے جو ہڈی کے بغیر ہو (2)۔ سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ اس سے مراد پیٹھے اور ایڑی ہے۔ قلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وہ آگ تمام دماغ کو کھا جائے گی پھر وہ پہلی طرح ہو جائے گا (3)۔ حفص نے عاصم رحمہما اللہ تعالیٰ سے نزاعہ کو منصوب پڑھا ہے۔ یہ اختصاص کی وجہ سے منصوب ہے یا حال مؤکدہ مرادف ہے یا منتقلہ ہے۔ اس کی صورت یہ ہوگی کہ لظی ملتظیہ کے معنی میں ہوگا جبکہ باقی قراء نے اسے مرفوع پڑھا ہے۔

۴۔ یہ جملہ ان کی خبر کے بعد خبر ہے یا لظی کی خبر ہے، یعنی جنہوں نے حق سے اعراض کیا اور حق سے روگردانی کی ان کو جہنم کی آگ بلائے گی آگ کہے گی اے مشرک میری طرف آئے منافق میری طرف آئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا وہ کافروں اور منافقوں کو فصیح زبان میں ان کے ناموں سے پکارے گی۔ پھر انہیں یوں اچک لے گی جس طرح پرندہ دانے کو اچک لیتا ہے۔ (4)

وَجَمَعَ فَأَوْعَى ۝ إِنَّ الْإِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا ۝ إِذْ أَمْسَهُ الشَّرُّ جَزُوعًا ۝ وَإِذَا

مَسَّهُ الْخَيْرَ مَنُوعًا ۝

”اور مال جمع کرتا رہا پھر اسے سنبھال سنبھال کر رکھتا رہا۔ بے شک انسان بہت لالچی پیدا ہوا ہے۔ جب اسے تکلیف پہنچے تو سخت گھبرا جانے والا ہے اور جب اسے دولت ملے تو حد درجہ بخیل ہے۔“

۱۔ اس نے مال جمع کیا اور برتن میں محفوظ کر لیا اسے اپنے پاس روک لیا اور اللہ تعالیٰ کا حق ادا نہ کیا۔
 ۲۔ اگر ہلوعا سے بالفعل متصف ہونا مراد ہو تو پھر یہ حال مقدرہ ہوگا۔ اگر اس صفت کے مبداء پر مشتمل ہونا مراد ہو تو اس سے حال محقق مراد ہوگا کیونکہ یہ طبعی امور ہیں جو نفس کے رذائل میں سے ہیں جن سے انسان بالقوۃ متصف ہوتا ہے۔ یہ جملہ ادب کی علت ہے۔ ہلوع کا معنی ایسے امر کی حرص کرنے والا جو حلال نہیں ہوتا۔ سدی نے ابو صالح رحمہما اللہ تعالیٰ سے اور انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے کہا ہلوع کا معنی بخیل ہے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی مضطرب ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جزع کرنے والا۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا تنگ دل اور ہلع کا معنی حرص کی شدت اور قلت صبر ہے عطیہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ قول نقل کیا ہے کہ اس لفظ کی تفسیر مابعد کلام کرتی ہے۔ (1)

۳۔ جب اس کے پاس مال آتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتا اور نہ ہی شکر بجالاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں اگر انسان کی مال کی دو وادیاں ہوں تو وہ تیسری وادی کی خواہش کرتا ہے انسان کے پیٹ کو مٹی ہی بھر سکتی ہے اور جو توبہ کرے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرتا ہے، متفق علیہ۔ (2)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آدمی بوڑھا ہو جاتا ہے دو چیزیں اس میں جوان رہتی ہیں مال کی حرص اور عمر کی حرص، متفق علیہ۔ (3)

إِلَّا الْمُصَلِّينَ ۝ الَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ ۝

”بجز ان نمازیوں کے۔ جو اپنی نماز پر پابندی کرتے ہیں۔“

۱۔ مصلین سے مراد کامل مومن ہیں مومن کامل کو مصلی سے تعبیر کیا جس طرح آیت کریمہ مَا كَانَ اللَّهُ لِيُضَيِّعَ أَيْمَانَكُمْ مِّنْ صَلَوةِكُمْ ایمان سے تعبیر کیا کیونکہ نماز مومن کا اعلیٰ ترین درجہ ہے۔ یہی مومن کی معراج اور دین کا ستون ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا انسان جن مقامات کو حاصل کر سکتا ہے ان میں سے بلند ترین مقام نماز ہے۔ یہاں معشقی متصل ہے اگر انسان پر الف لام جنسی یا استغراقی ہو۔ یہ لفظ میں مفرد ہے مگر معنی کے اعتبار سے جمع ہے۔ یا معنی یہ ہے کہ مجرم نے پیٹھ پھیری اور روگردانی کی کیونکہ انسان کی جنس یا اس کے ہر فرد میں حرص اور بے صبری مقدر کر دی گئی ہے مگر کامل مومن جو مذکورہ صفات سے متصف ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طاعت میں مستغرق ہونے، مخلوقات پر شفقت کرنے، روز جزا پر ایمان لانے، عذاب سے ڈرنے، خواہش نفس کو مارنے، دنیا کو آخرت پر ترجیح نہ دینے پر دلالت کرتی ہیں کیونکہ انہیں بے صبر پیدا نہیں کیا گیا بلکہ انہیں اس طرح پیدا کیا گیا ہے کہ وہ تکلیف پر صبر کا مظاہرہ کرتے ہیں اور خوشی پر شکر کرتے ہیں جو جنسوں میں تکریم کا باعث ہیں۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حبیب سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مومن کے معاملہ پر تعجب ہے۔ اس کا سارا معاملہ خیر ہے۔ یہ صرف مومن کے لئے ہے۔ اگر اسے خوشی آئے تو وہ شکر گزار ہوتا ہے تو یہ بھی اس کے حق میں خیر ہے۔ اگر اسے تکلیف آئے تو وہ صبر کرتا ہے، یہ بھی اس کے حق میں خیر ہے (1)۔ جب یہ تاویل کی جائے تو اس آیت کا معنی اور مفہوم وہی ہوگا جو، إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُفٍ خَسِيفٌ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا، کا معنی اور مفہوم ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ مستثنیٰ منقطع ہو اگر انسان پر الف لام عہدی ہو۔ معنی یہ ہوگا مجرم جو پینٹھ پھیرتا ہے اور روگردانی کرتا ہے اسے بے صبر پیدا کیا گیا لیکن وہ مومن جو ان صفات سے متصف کیا گیا اسے اس طرح پیدا نہیں کیا گیا بلکہ اسے جنتوں میں تکریم کے اہل پیدا کیا گیا ہے۔ دونوں تاویلوں کی صورت میں یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ انسان خلقت میں مختلف استعدادوں پر پیدا کیا گیا ہے جس طرح حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مومن کے تعینات کے مبادی اللہ تعالیٰ کے اسم ہادی کی جزئیات ہیں اور کفار کے تعینات کے مبادی اسم مفضل کی جزئیات ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگ بھی سونے اور چاندی کی کانوں کی طرح ہیں۔ تم میں سے جو دور جاہلیت میں بہترین تھے اسلام میں بہترین ہیں (2)۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے جنت کے لئے لوگوں کو اہل بنایا جبکہ وہ آباء کی پشتوں میں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جہنم کے لئے لوگوں کو اس وقت اہل بنایا تھا جبکہ وہ آباء کی پشتوں میں تھے۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (3)۔ اس باب میں کثیر احادیث ہیں۔

۳۔ جب تک وہ نماز میں ہوتے ہیں تو ان کے دل اللہ تعالیٰ کی طرف اور آنکھیں سجدہ گاہ پر لگی ہوتی ہیں۔ اس آیت کا بھی وہی معنی ہے جو سورہ مومنین کی آیت کا معنی ہے: الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَائِعُونَ۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کے فرمان وَالَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ کے ساتھ تکرار لازم نہیں آتا کیونکہ دوام سے مراد دائمی حضور ہے جو اس کی محافظت کرنے، نماز، اس کی شرائط، ارکان اور آداب کے فوت ہونے سے بچنے کے ساتھ ہی ممکن ہے۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے ابو الخیر سے روایت کیا ہے کہ ہم نے عتبہ بن عامر سے اللہ تعالیٰ کے فرمان هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ ذَائِعُونَ کے بارے میں سوال کیا کیا اس کا معنی یہ ہے کہ وہ ہمیشہ نماز ادا کرتے ہیں؟ فرمایا نہیں بلکہ اس کا معنی یہ ہے جب وہ نماز پڑھتے ہیں تو وہ دائیں، بائیں اور پیچھے متوجہ نہیں ہوتے (4)۔ امام احمد، ابوداؤد، نسائی اور دارمی رحمہم اللہ تعالیٰ نے ابوزر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تک ایک انسان نماز میں ہوتا ہے اور کسی چیز کی طرف متوجہ نہیں ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ جب وہ کسی اور چیز کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے رخ پھیر لیتا ہے (5)۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے سنن کبیر میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اے انس جہاں سجدہ کرتے ہو وہاں اپنی نظر رکھو (6)۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا نماز میں ادھر ادھر متوجہ ہونا ہلاکت ہے۔

فائدہ:۔ وساوس کو دور کرنا ہو اور دل حاضر رکھنا ہو تو نظر کو سجدہ گاہ پر رکھا جائے تو اس کا بہت اثر ہوتا ہے۔ (7)

وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ ۖ لِّلرَّسَائِلِ ۖ وَالْمَحْرُومِ ۗ وَالَّذِينَ يُصَدِّقُونَ بِيَوْمِهِم

3- ایضاً، صفحہ 337

2- ایضاً، صفحہ 331

1- صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 413 (قدیمی)

5- سنن ابی داؤد، جلد 1، صفحہ 342 (وزارت تعلیم)

4- تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 126 (التجاریہ)

7- جامع ترمذی، جلد 1، صفحہ 76 (وزارت تعلیم)

6- سنن کبریٰ از بیہقی، جلد 2، صفحہ 284 (الفکر)

الذین ﴿۱۶﴾ وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ عَذَابٍ رَبِّهِمْ مُشْفِقُونَ ﴿۱۷﴾ إِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَأْمُونٍ ﴿۱۸﴾

”اور وہ جن کے مالوں میں مقررہ حق ہے سائل کے لئے اور محروم کے لئے اور جو تصدیق کرتے ہیں روز جزاء کی ۱۷

اور جو اپنے رب کے عذاب سے ہمیشہ ڈرنے والے ہیں ۱۸ بے شک ان کے رب کا عذاب نڈر ہونے کی چیز نہیں ہے۔“

۱۷ حق معلوم سے مراد زکوٰۃ اور فرض صدقات ہیں۔ سائل سے مراد جو سوال کرتا ہے اور محروم سے مراد جو سوال نہیں کرتا۔ اس وجہ سے عموماً عطیہ سے محروم رہ جاتا ہے۔ للسائل حق کی صفت کے بعد صفت ہے۔

۱۸ اگر انسان روز جزاء کی حقیقت میں تصدیق کرے تو انسان مضیبت میں جزع فزع نہ کرے بلکہ جزاء کی خاطر صبر کرے اور نہ ہی مال خرچ کرنے میں کوتاہی کرے بلکہ ثواب کی طلب میں مال وقف کر دے۔

۱۹ مشفق کا معنی ڈرنے والا کیونکہ ایمان اور تصدیق کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے ڈرے اور اس کی رحمت کا امیدوار ہو۔ ۲۰ کوئی بھی اس کے عذاب سے امن میں نہیں کیونکہ اس کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں۔

وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ﴿۱۹﴾ إِلَّا عَلَىٰ آزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ ﴿۲۰﴾ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ﴿۲۱﴾

”اور جو لوگ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں ۱۹۔ بجز اپنی بیویوں کے یا اپنی کنیزوں کے تو ان پر کوئی ملامت نہیں ۲۰۔“

۱۹ فواصل کی رعایت کرتے ہوئے لفروجہم کو مقدم کیا ہے۔ لام کا اضافہ اس لئے کیا تاکہ اسم مشتق حفظون کے عمل کو قوت حاصل ہو، فروج مرد اور عورت کی شرمگاہ کو کہتے ہیں۔ حفظ فروج کا معنی یہ ہے کہ خواہش نفس میں انہیں استعمال نہ کیا جائے۔ ۲۰ یہ استثناء مفرغ ہے۔ یہاں اثبات کی صورت میں استثناء مفرغ اس لئے درست ہے کہ حفظ نفسی کے معنی کو اپنے ضمن میں لئے ہوئے ہے اور علی کا صلہ اسی طرح ہے جس طرح تیرا یہ قول ہے احفظ علی عنان فرسی، یعنی وہ اپنی شرمگاہیں عورتوں پر محفوظ رکھتے ہیں مگر اپنی بیویوں پر۔ اس صورت میں علی من کے معنی میں ہے یا یہ حال ہے۔ معنی یہ ہوگا وہ تمام احوال میں اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں مگر جب وہ ان کی بیویاں ہوں یا ان کی باندیاں ہوں۔ یہ بھی احتمال ہے کہ استثناء فعل منفی سے ہو جو مقدر ہو اور اس پر حفظ کا اسم مشتق دلالت کرتا ہے، یعنی وہ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں وہ اسے کسی عورت پر خرچ نہیں کرتے مگر اپنی بیویوں پر ہی خرچ کرتے ہیں۔

ما ملک ایمانہم سے مراد ان کی لونڈیاں ہیں۔ یہاں ما کا لفظ ذکر کیا ہے اور لونڈیوں کو غیر ذوی العقول کی حیثیت دی ہے (جبکہ حقیقت میں وہ ذوی العقول ہیں اور ذوی العقول کے لئے ما کا لفظ آتا ہے)۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے کفر کی وجہ سے انہیں غیر ذوی العقول کے ساتھ شامل کیا ہے اسی وجہ سے ان کی بیع کرنا اور ان سے خدمت لینا جائز ہے۔ یہاں ما ملک ایمانہم سے مراد لونڈیاں ہیں، غلام نہیں کیونکہ مردوں کے لئے یہ جائز نہیں کہ غلام سے لواطت کریں کیونکہ اس کی حرمت ہم سورہ بقرہ کی آیت یسئلونک عن المحیض میں سنت اور قیاس کے ساتھ بیان کر آئے ہیں۔ اگر یہ سوال کیا جائے سنت اور قیاس کو کتاب کی نص جو

یہاں موجود ہے پر کیسے مقدم کیا جاسکتا ہے کیونکہ یہاں حکم عام ہے، غلاموں اور لونڈیوں دونوں کو شامل ہے۔ ہم کہیں گے یہ حکم عام نہیں کیونکہ حالت حیض اور ظہار کی صورت میں بیوی سے بھی وطی کرنا جائز نہیں۔ اسی طرح وہ لونڈی جو رضاعت کی وجہ سے حرام ہو اس سے بھی وطی کرنا جائز نہیں اس نص کی تخصیص خبر واحد اور قیاس سے کرنا جائز ہے۔ عورت کے لئے اپنے غلام کی شرمگاہ سے لطف اندوز ہونا جائز نہیں کیونکہ علی اور ہا کے کلمات اس پر دلالت کرتے ہیں کہ ہما لیک (لونڈیاں) کو ہفتہ مش (ان سے خواہش پوری کی جائے) تو بنایا جاسکتا ہے اس کے برعکس کرنا جائز نہیں یہ صورت لونڈی سے وطی کرنے میں تو بنتی ہے غلام کو اپنے اوپر قدرت دینے میں نہیں بنتی۔

فانہم غیر ملومین میں استثناء کے مضمون کی تعلیم ہے کیونکہ بیوی اور لونڈی کے ساتھ خواہش پوری کرنا اور شروع طریقے سے متمتع ہونا ملامت کا باعث نہیں کیونکہ نسل کو باقی رکھنے کے لئے اس کا مباح ہونا ضروری ہے۔ سیاق کلام اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ جماع میں اصل حرمت ہے جس طرح ہم سورہ بقرہ میں بیان کر آئے ہیں۔ یہ اسی صورت میں درست ہوگا جب نکاح کی شرائط پائی جائیں، وہ اس کی لونڈی ہو جزئیات موجود نہ ہو، وہ حیض اور نفاس سے پاک ہو، وہ قبل میں جماع کرے دبر میں جماع نہ کرے۔

فَمَنْ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعُدْوَانُ ﴿۳۱﴾

”البتہ جو خواہش کریں گے ان کے علاوہ تو وہی لوگ حد سے بڑھنے والے ہیں۔“

۱۔ اس میں فاء سببیہ ہے۔ پس جو بیویوں اور لونڈیوں کے علاوہ عورتوں کی خواہش کرے وہ سرکشی میں انتہاء کو پہنچ چکے ہیں کیونکہ انہوں نے ایک حرام فعل کا ارتکاب کیا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے جسے حلال کہا تھا وہ اس کے لئے کافی تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو آدمی کسی عورت کو دیکھے اور وہ عورت اسے اچھی لگے تو وہ اپنی بیوی کے پاس چلا جائے کیونکہ اس کی بیوی کے پاس وہ کچھ ہے جو اس کے پاس ہے۔ اسے دارمی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ (1)

مسئلہ:۔ یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ نکاح متعہ جائز نہیں کیونکہ عورت نکاح متعہ کے ساتھ بیوی نہیں بنتی یہاں تک کہ وہ لوگ جو نکاح متعہ کو جائز سمجھتے ہیں وہ بھی اس وجہ سے وراثت جاری ہونے کا قول نہیں کرتے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس میں یہ دلیل بھی موجود ہے کہ مشیت زنی بھی حرام ہے۔ یہی علماء کا قول ہے۔ ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ نے کہا میں نے عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے اس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا مکروہ ہے۔ میں نے سنا ہے ایک قوم کو اٹھایا جائے گا تو ان کے ہاتھ حاملہ ہوں گے۔ میرا خیال ہے وہ یہی مشیت زنی کرنے والے ہوں گے۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو عذاب میں مبتلا کرے گا جو اپنی شرمگاہوں سے کھیلے تھے۔ میں کہتا ہوں اس باب میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے مشیت زنی کی وہ ملعون ہے۔ اسے ازدی نے ضعفاء میں ذکر کیا ہے۔ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے حسن بن عرف کے واسطے سے ان الفاظ کے ساتھ حدیث نقل کی ہے کہ سات افراد جن کی طرف اللہ تعالیٰ نظر رحمت نہیں فرمائے گا ان میں مشیت زن کا بھی ذکر کیا۔ اس کی سند ضعیف ہے۔

وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمْتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ ﴿۳۱﴾ وَالَّذِينَ هُمْ بِشَهَادَتِهِمْ قَائِمُونَ ﴿۳۲﴾

وَالَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ﴿۳۳﴾ أُولَٰئِكَ فِي جَنَّاتٍ مُّكْرَمُونَ ﴿۳۴﴾

”اور جو اپنی امانتوں اور عہد و پیمان کی پاسداری کرتے ہیں اور جو لوگ اپنی گواہیوں پر قائم رہنے والے ہیں اور جو

لوگ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہی لوگ مکرم (محترم) ہوں گے جنتوں میں سے۔“

ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں امانات جمع کا صیغہ اور سورہ مومنین میں واحد کا صیغہ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے تمام جگہ جمع کا صیغہ پڑھا ہے، یعنی وہ امانتوں کی حفاظت کرتے ہیں اور امانتیں مستحقوں کے حوالے کرتے ہیں کچھ اللہ اور بندوں کے درمیان ہیں جس طرح نماز، روزہ، غسل جنابت فرائض جو حقوق اللہ شمار ہوتے ہیں۔ اسی طرح تمام کمالات جو انسان کو میسر ہیں جیسے انسان کا وجود اس کے توابع، ظاہری اور باطنی نعمتیں سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ یہ جاننا اور اقرار کرنا ضروری ہے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ ہیں یہاں تک کہ اپنے آپ کو وہ فقیر اور ان سے خالی پائے اگرچہ اس کے پاس موجود بھی ہوں جس طرح ایک انسان مانگا ہوا کپڑا پہنے ہوئے ہو تو وہ حقیقت میں تنگا ہی ہے وہ یہ بھی جانے کہ کبریائی اور عظمت اللہ تعالیٰ کی ردا اور ازار (لباس) ہے کسی کو بھی اس سے جھگڑنا جائز نہیں۔ جب نعمتیں میسر ہوں تو وہ شکر بجالائے اور جب نہ رہیں تو صبر کرے اور جزع نہ کرے اور کچھ امانتیں بندوں کے درمیان ہیں جیسے کسی کو کوئی مال امانت کے طور پر دیا، بضاعت کے طور پر دیا یا ادھار دیا تو بندے پر لازم ہے کہ ان کی پابندی کرے وہ ان وعدوں کو پورا کریں جو انہوں نے یوم میثاق کو اللہ تعالیٰ سے کئے تھے۔ اسی طرح دوسرے وعدے جو اللہ سے کئے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے وعدہ لیا کہ وہ حضور ﷺ کی نعت بیان کریں اسے نہ چھپائیں اسی طرح ان وعدوں کو پورا کریں جو لوگوں کے درمیان ہیں جیسے معاملات اور معاشرت کے وعدے ان سب کو پورا کرنا واجب ہے۔ شیخین نے صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا منافق کی تین علامتیں ہیں۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے اگرچہ وہ روزہ رکھے اور نماز پڑھے اور گمان کرے کہ وہ مسلمان ہے۔ باقی الفاظ میں شیخین کا اتفاق ہے، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو اسے توڑ دے، جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔ (1)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا چار چیزیں جس میں پائی جائیں وہ خالص منافق ہے جس میں ان میں سے کوئی خصلت ہے ان میں نفاق کی ایک خصلت پائی جا رہی ہے یہاں تک کہ اسے چھوڑ دے جب اسے امین بنایا جائے تو وہ خیانت کرے، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے، تو خلاف ورزی کرے جب جھگڑا کرے تو گالی گلوچ نکالے (2)۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے عبد اللہ بن ابی الحکم سے روایت کیا ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے خرید و فروخت کی میرے ذمہ کچھ چیز باقی تھی۔ میں نے آپ سے وعدہ کیا کہ میں ابھی آپ کو یہاں لا کر دیتا ہوں۔ پھر میں بھول گیا تین دن بعد مجھے یاد آیا تو آپ اسی جگہ موجود تھے تو آپ نے فرمایا تو نے مجھے تکلیف دی میں تین دنوں سے یہاں تیرا انتظار کر رہا ہوں۔

ابن حفص نے عاصم اور یعقوب رحمہم اللہ تعالیٰ سے شہادات جمع کا صیغہ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے واحد کا صیغہ پڑھا ہے، یعنی وہ گواہیاں حق کے ساتھ دیتے ہیں اسے چھپاتے نہیں اور نہ ہی ان میں تبدیلی کرتے ہیں اور نہ ہی ملامت کرنے والے کی ملامت سے ڈرتے ہیں خواہ وہ شہادت محض اللہ تعالیٰ کے لئے ہو جیسے توحید و رسالت پر شہادت اہل کتاب کی۔ حضور ﷺ کی نعت پر شہادت جو

تورات میں موجود ہے۔ رمضان شریف کے چاند کے طلوع ہونے کی شہادت، حدود کے بارے میں شہادت وغیرہ یا وہ بندوں کے حقوق کے بارے میں شہادت ہو جیسے لوگوں کے آپس میں معاملات ہوں، خواہ انہیں یہ اپنے خلاف دینی پڑے یا والدین اور رشتہ داروں کے خلاف دینی پڑے وہ گواہی دیتے ہیں۔

۳۔ وہ نماز کے اوقات، ارکان، سنن اور آداب کی رعایت کرتے ہیں اور ان چیزوں کے ضائع ہونے سے حد درجہ بچتے ہیں نماز کا مکرر ذکر کرنا اور ابتداء اور آخر میں دو مختلف صورتوں میں نماز کے ساتھ ان کی صفت بیان کرنا اس بات پر دلالت کرنے کے لئے ہے کہ ارکان اسلام میں سے اسے دوسرے ارکان پر فضیلت حاصل ہے۔

۴۔ مکرمون یہ اولئک کی خبر ہے۔ فی جنت طرف ہے اور مکرمون کے ساتھ متعلق ہے۔ فواصل کی رعایت کرتے ہوئے اسے مقدم ذکر کیا ہے۔

فَمَالِ الَّذِينَ كَفَرُوا قِبَلَكَ مُهْطِعِينَ ﴿٣١﴾ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ

عِزِينَ ﴿٣٢﴾ أَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ أَنْ يَدْخُلَ جَنَّةَ نَعِيمٍ ﴿٣٣﴾

”پس ان کافروں کو کیا ہو گیا ہے کہ آپ کی طرف ٹنگی باندھے بھاگتے چلے آ رہے ہیں۔ ایک گروہ دائیں طرف سے اور دوسرا گروہ بائیں طرف سے۔ کیا طمع کرتا ہے ان میں سے ہر شخص کہ (ایمان و عمل کے بغیر) نعمتوں بھری جنت میں اسے داخل کیا جائے۔“

۱۔ اس میں فاء سیبہ ہے اور ما استفہامیہ مبتدأ ہے۔ مقصود انہیں شرمندہ کرنا ہے اور مابعد اس کی خبر ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا آیت کفار کی ایک جماعت کے حق میں نازل ہوئی۔ یہ حضور ﷺ کے ارد گرد جمع ہو جاتے تھے، آپ کا کلام سنتے، آپ کا مذاق اڑاتے اور آپ کو جھٹلاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں شرمندہ کرنے کے لئے فرمایا انہیں کیا ہو گیا ہے۔ وہ آپ کو دیکھتے ہیں، آپ کے پاس بیٹھتے ہیں اور جو کچھ آپ سے سنتے ہیں اس سے کچھ فائدہ نہیں اٹھاتے۔ (1)

قبلک ظرف ہے جو مابعد کے متعلق ہے۔ مهطعين الذين كفروا سے حال ہے۔ اس کا عامل معنی فعل ہے۔ یعنی کفار تیزی سے آتے ہوئے گردنیں لمبی کئے ہوئے نظریں آپ پر جمائے ہوئے کیوں آتے ہیں۔ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح کہا ہے (2)۔ قاموس میں ہے هطع هطوعا و هطعا یعنی وہ جلدی سے آیا جبکہ وہ خوفزدہ تھا نظر ایک چیز پر لگائی ہوئی تھی اس سے نظر ہٹا نہیں رہا تھا۔ اھطع مزید فیہ کا معنی اس نے گردن لمبی کی ہوئی تھی اور اپنے سر کو سیدھا کیا ہوا تھا۔

۲۔ جار مجرور کا تعلق معطین شبہ فعل کے ساتھ ہے۔ عزین عز کی جمع ہے جس کا معنی جماعت ہے۔ صحاح میں اسی طرح ہے۔ قاموس میں ہے عزة جس طرح عدة ہوتا ہے لوگوں کی ایک جماعت کو کہتے ہیں۔

۳۔ اس میں استفہام انکاری ہے اور ان کے قول کا رد ہے جبکہ ان کا گمان یہ بھی تھا کہ دوبارہ اٹھانا محال ہے۔ وہ یہ طمع کرتے کہ اگر معاملہ اسی طرح ہو جس طرح حضور ﷺ کہتے ہیں تو ہم ایمان اور عمل صالح کے بغیر بھی ان سے مرتبہ میں بلند ہوں گے جس طرح ہم دنیا میں تھے۔

كَلَّا ۙ اِنَّا خَلَقْنَهُمْ مِّمَّا يَعْلَمُونَ ﴿٢٩﴾ فَلَا اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ اِنَّا
لَقَدِرُونَ ﴿٣٠﴾ عَلٰى اَنْ تُبَدَّلَ خَيْرًا مِنْهُمْ ۗ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ ﴿٣١﴾

”ہرگز نہیں ہم نے ان کو پیدا کیا ہے اس (مادہ) سے جس کو وہ بھی جانتے ہیں۔ پس میں قسم کھاتا ہوں مشرقوں اور مغربوں کے رب کی کہ ہم پوری قدرت رکھتے ہیں۔ کہ ان کے بدلے میں ان سے بہتر لوگ لے آئیں اور ہم ایسا کرنے سے عاجز نہیں۔“

۱۔ اس باطل طمع سے انہیں جھڑکا جا رہا ہے۔ اس آیت میں پہلی دفعہ پیدا کرنے سے دوسری دفعہ پیدا کرنے پر استدلال کیا جا رہا ہے اور موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کو جو وہ محال خیال کرتے تھے اس کو باطل قرار دیا جا رہا ہے۔ نیز ایمان کے بغیر جو وہ جنت میں داخل ہونے کی طمع رکھتے تھے اس کے باطل ہونے کی علت بیان کی جا رہی ہے۔ معنی اس کا یہ ہے کہ ہم نے انہیں گندے نطفے سے پیدا کیا پھر جسے ہوئے خون سے پھر گوشت کے اوتھڑے سے ان میں سے کوئی بھی چیز عزت و تکریم کے لائق نہیں اور نہ ہی عالم قدس کے مناسب ہے تو جو آدمی ایمان اور طاعت کے ساتھ اپنے آپ کو مکمل نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ اخلاق سے اپنے آپ کو مزین نہیں کرتا وہ جنت میں داخل ہونے کا اہل نہیں۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ بسر بن جراح سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب کہ ایک روز آپ نے اپنے ہاتھ پر لعاب رکھا اس پر اپنی انگلی رکھی فرمایا اللہ تعالیٰ انسان سے کہتا ہے تو مجھے کیسے عاجز کر سکتا ہے جبکہ میں نے تجھے اس جیسی حقیر چیز سے پیدا کیا پھر تجھے درست کیا اور تجھے اعتدال پر پیدا کیا پھر تو وہ چادریں پہن کر چلا جبکہ زمین پر تو زور سے چل رہا تھا (تکبر کر رہا تھا) تو نے مال جمع کیا اسے خرچ کرنے سے رکے رہا۔ جب جان ہنسی کی ہڈی تک پہنچ گئی تو تو نے سچ کہا مگر اب سچی بات کہنے کا وقت کہاں رہا۔ یا اس کا معنی ہے کہ ہم نے جس مقصد کے لئے انہیں پیدا کیا ہے وہ اسے جانتے ہیں (1)۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ۔ تو جو آدمی علم اور عمل سے اپنے آپ کو کامل نہیں بناتا تو وہ کاملین کے مقامات کی طمع کیسے کر سکتا ہے۔

۲۔ ستاروں کے طلوع ہونے اور ان کے غروب ہونے کی جگہیں یا سورج اور چاند کے سال کے دنوں میں طلوع اور غروب ہونے کی جگہیں مراد ہیں۔ اس وجہ سے مشارق اور مغارب جمع کا صیغہ ذکر کیا ہے۔

۳۔ یعنی انہیں ہلاک کر دیں اور ان سے بہتر مخلوق لے آئیں یا حضور ﷺ کو تم سے بہتر بدل عطا فرمادیں وہ مومن ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کے مددگار ہیں۔

اگر ہم انہیں ہلاک کرنے کا ارادہ کریں تو ہم پر غلبہ نہیں پایا جا سکتا۔ وما نحن بمسبوقین کا عطف انا لقادرون پر ہے۔ ان آیات میں رب المشارق و المغارب ذکر کر کے اللہ تعالیٰ نے آسمان، سورج، چاند اور ستارے پیدا کرنے کی قدرت پر استدلال کیا ہے اور ہر روز سورج اور چاند کے طلوع و غروب کی جگہوں کے مختلف ہونے سے بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کے عاجز نہ ہونے پر استدلال ہے کہ وہ ان سے بہتر بندے پیدا کر سکتا ہے اور انہیں بدل سکتا ہے۔

قَدَرْتُمْ يَخَوْضُوا وَيَلْعَبُوا حَتَّىٰ يُلْقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي يَوعَدُونَ ﴿٣١﴾

”سو آپ رہنے دیجئے انہیں کہ (خرافات میں) مگن رہیں اور کھیلتے کودتے رہیں حتیٰ کہ وہ ملاقات کریں اپنے اس دن سے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔“

۱۔ اس میں فاء سیبہ ہے، یعنی جب تو یہ جان چکا ہے کہ ہم انہیں ہلاک کرنے پر قادر ہیں تو ان کی وجہ سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہم نے ان کے ساتھ استدراج (۱) کا ارادہ کیا ہے اور سخت عذاب دینے کا ارادہ کیا ہے۔ یخوضوا اور یلعبوا دونوں فعل جواب امر کی وجہ سے مجزوم ہیں۔ حتی یلقوا کا تعلق ذرہم کے ساتھ ہے۔

يَوْمَ يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ سِرَاعًا كَانْتَهُم إِلَى نُصُبٍ يُوفِضُونَ ۝۱۰۰
خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ تَرَاهُمْ ذَلَّةً ۚ ذَٰلِكَ الْيَوْمَ الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ ۝۱۰۱

”اس روز نکلیں گے (اپنی) قبروں سے جلدی جلدی گویا وہ (اپنے بتوں کے) استہانوں کی طرف دوڑے جا رہے ہیں۔ جھکی ہوں گی ان کی آنکھیں چھارہی ہوگی ان پر ذلت یہی وہ دن ہے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا۔“

۱۔ اجداث کا معنی قبریں ہیں۔ یوم یخرجون، یومہم سے بدل ہے۔ سراعا سریع کی جمع ہے جس طرح کرام کریم کی جمع ہے۔ یہ یخرجون کے فاعل سے حال ہے۔ الی نصب یوفضون کے ساتھ متعلق ہے۔ یوفضون کا معنی ہے کہ وہ جلدی کرتے ہیں یہ حال کے بعد حال ہے۔ ابن عامر اور حفص رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے (نصب) نون کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے نون کے فتح اور صاد کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ مقاتل اور کسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن بتوں کی پوجا کرتے تھے، ان کی طرف جلدی جاتے تھے۔ اسی طرح اب وہ اپنے اعمال کی جزاء دیکھنے کے لئے جلدی جلدی میدان محشر کی طرف جائیں گے۔ کبھی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وہ جہنم کے طرف جلدی جائیں گے، یعنی جس طرح لشکر والے اپنے اپنے جہنموں کی طرف جلدی جاتے ہیں۔

۲۔ خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ یہ بھی حال ہے۔ تَرَاهُمْ ذَلَّةً یعنی ان پر ذلت چھائی ہوگی۔ یہی وہ دن ہے جن کا دنیا میں ان سے وعدہ کیا جاتا تھا اور وہ اس کا انکار کرتے تھے۔ یہ جملہ یا تو سابقہ جملے کی تاکید ہے یا یہ جملہ مستاقہ ہے۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

(۱) ظاہر میں نعمت عطا فرمائی تاکہ وہ اپنے حال میں مگن رہیں اور سرکشی میں بڑھتے رہیں تاکہ سخت سزا کے مستحق ٹھہریں، مترجم۔

سورہ نوح

﴿ابتداء ۲۸﴾ ﴿سورۃ نوح مکیۃ ۱﴾ ﴿رکوعاھا ۲﴾

سورہ نوح کی ہے، اس میں 2 رکوع اور 28 آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

”اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے“

اِنَّا اَرْسَلْنَا نُوحًا اِلٰی قَوْمِهٖ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاتِيَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

”بے شک ہم نے بھیجا نوح کو ان کی قوم کی طرف (اور فرمایا اے نوح) بروقت خبردار کرو اپنی قوم کو اس سے پہلے کہ نازل ہو جائے ان پر عذاب الیم“

۱۔ کلام کی ابتدا میں اِن کو ذکر کیا ہے۔ مقصود اہتمام کا اظہار ہے۔ یہاں حضرت نوح علیہ السلام کو اپنی قوم کی طرف بھیجنے کی قید اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام تمام لوگوں کی طرف مبعوث نہیں کئے گئے تھے۔ جس طرح حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی اسی مفہوم پر دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے پانچ ایسی شانیں عطا فرمائی گئیں جو مجھ سے قبل کسی کو نہیں دی گئیں، مجھے ایک ماہ کی مسافت پر سے رعب عطا کیا گیا، میرے لئے زمین مسجد اور پاکیزگی عطا کرنے والی بنائی گئی، میری امت کا کوئی بھی فرد جہاں کہیں نماز کا وقت پائے تو وہ وہاں ہی نماز پڑھ لے، میرے لئے غنیمتیں حلال کی گئیں جبکہ مجھ سے قبل کسی کے لئے مال غنیمت حلال نہیں تھا، مجھے شفاعت کرنے کی اجازت دی گئی، نبی اپنی قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا جبکہ مجھے تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا، متفق علیہ (۱)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے چھ چیزوں میں انبیاء پر فضیلت دی گئی۔ باقی حدیث سابقہ حدیث کی طرح ذکر کی مگر یہ ذکر نہیں کیا کہ مجھے شفاعت کا مقام عطا کیا گیا ہے بلکہ یہ ذکر کیا مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر مبعوث کیا گیا اور مجھ پر نبوت کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ (2)

اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ مِیْن قَبْلِ اَنْ یَّاتِیَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ میں ان مفسرہ ہے کیونکہ ارسال قول کا معنی دیتا ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ ان مصدر یہ ہو اور پہلے قول مخذوف ہو۔

تقدیر کلام یہ ہوگی بان قلنا له اندر۔ یہ تعبیر کرنا صحیح نہ ہوگی کہ بان اندر قومک کیونکہ اس طرح کلام غائب اور خطاب کی ضمیروں کی وجہ سے گڑبڑ ہو جائے گی۔

عَذَابٌ اَلِیْمٌ سے مراد آخرت کا عذاب ہے یا طوفان ہے۔ اگر وہ ایمان نہ لائے تو انہیں اس عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔

قَالَ یَقُوْمِرٰی لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۝ اِنِ اعْبُدُوْا اللّٰهَ وَاتَّقُوْا وَاَطِیْعُوْنَ ۝

”آپ نے فرمایا اے میری قوم میں تمہیں صریح طور پر ڈرانے والا ہوں ۱۔ کہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اس سے ڈرو

اور میری پیروی کرو۔“

۱۔ اے میری قوم! کیونکہ میں واضح ڈرانے والا ہوں اس لئے میں تمہیں خبردار کرتا ہوں اور تمہارے سامنے حقیقت حال واضح کرتا ہوں۔
۲۔ اللہ سے ڈرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ تو حید اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے بارے میں تمہیں جو کہتا ہوں اس میں میری اطاعت کرو۔

يَغْفِرْ لَكُمْ مِنْ ذُنُوبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ إِنَّ أَجَلَ اللَّهِ إِذَا جَاءَ لَا يُؤَخَّرُ ۚ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۰﴾

”وہ بخش دے گا تمہارے لئے تمہارے گناہ اور مہلت دے گا تمہیں ایک مقررہ میعاد تک بلاشبہ اللہ کا مقررہ وقت جب آ جاتا ہے تو اسے مؤخر نہیں کیا جاسکتا کاش تم (حقیقت کو) جان لیتے۔“

۱۔ یہ فعل جواب امر کی وجہ سے مجزوم ہے کیونکہ ایمان اور اطاعت مغفرت کا سبب ہیں۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے عرض کی اپنا دایاں ہاتھ آگے بڑھائیے تاکہ میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کروں۔ آپ نے اپنا دایاں ہاتھ آگے بڑھایا۔ تو میں نے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا اے عمرو تجھے کیا ہوا؟ میں نے عرض کی میں شرط لگانا چاہتا ہوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کوئی شرط لگانا چاہتے ہو؟ میں نے عرض کی مجھے بخش دیا جائے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اے عمرو تو جانتا نہیں کہ اسلام سابقہ گناہوں کو ختم کر دیتا ہے، ہجرت سابقہ گناہوں کو ختم کر دیتی ہے اور حج سابقہ گناہوں کو ختم کر دیتا ہے۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (۱)۔ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں حضور ﷺ کے پیچھے گدھے پر سوار تھا۔ میرے اور آپ کے درمیان زین کا آخری حصہ حائل تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا اے معاذ کیا تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا بندوں پر کیا حق ہے اور بندوں کا اللہ تعالیٰ پر کیا حق ہے؟ میں نے عرض کی اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کا بندوں پر حق یہ ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں، بندوں کا اللہ تعالیٰ پر حق یہ ہے کہ جو شرک نہیں کرتا اسے عذاب نہ دے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ کیا میں اس کے بارے میں لوگوں کو خوشخبری نہ دے دوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا انہیں خوشخبری نہ دو وہ تکلیف کرنے لگیں گے، متفق علیہ (۲)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ قصہ اسی طرح مروی ہے۔ اس میں ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے گناہ سے بچنے کے لئے موت کے وقت یہ حدیث بیان کی، متفق علیہ۔

من ذنوبکم میں من زائدہ ہے یا تبعیض کے لئے ہے، یعنی تمہارے بعض گناہ بخش دیئے جو حقوق اللہ میں شمار ہوتے ہیں اور تمہیں اتنی دیر مہلت دے جو ایمان اور اطاعت کی شرط کے ساتھ تمہارے حق میں لمبی مدت مقدر کر رکھی ہے۔ اس سے پہلے تمہیں سزا نہ دے بلکہ تمہیں معاف کر دے۔

مسئلہ ۲۔ قضاء کی دو قسمیں ہیں: قضاء مبرم، قضاء معلق۔ قضاء معلق یہ ہے کہ لوح محفوظ میں یہ لکھا ہوا ہے کہ اگر فلاں نے اطاعت کی تو فلاں مدت تک اسے معاف کیا جائے گا۔ اگر اس نے نافرمانی کی تو اللہ تعالیٰ اس پر طوفان اور اس جیسے دوسرے عذاب نازل فرمائے گا۔ اگر شرط مفقود ہو اس قسم کی قضاء کا تبدیل ہونا جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان یَسْخُورُ اللَّهُ فَمَا يَسْأَلُ وَيُشْفِئُ وَيُعْذَرُ أَمَّا الْكُتُبُ۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قضاء کو دعا ہی رو کر سکتی ہے اور نیکی ہی عمر میں اضافہ کرتی ہے۔ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا (1)۔ اس آیت لا تبديل لكلمات الله في قضاء مبرم مراد ہے۔ وہ اجل جو اللہ تعالیٰ نے مقدر کی اگر مقدر صورت میں متحقق ہو جائے تو اس کو مؤخر نہیں کیا جائے گا۔ جہاں تک قضاء مبرم کا تعلق ہے اسے تو مؤخر کیا ہی نہیں جاتا۔ جہاں تک قضاء معلق کا تعلق ہے اگر شرط کے متحقق ہونے کے ساتھ واقع ہو جائے تو اس کو بھی مؤخر نہیں کیا جائے گا اس اجل مبرم کے آنے سے پہلے مہلت اور تاخیر کے لحاظ میں طاعت میں جلدی کر لو، ان معاصی کا ارتکاب نہ کرو جو عذاب کا سبب ہیں اور اجل معلق تک لے جانے والے ہیں۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے اہل سنت کا مذہب تو یہ ہے کہ اجل ایک ہے اس میں کمی بیشی نہیں ہوتی یہاں تک یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مشغول اپنی اجل سے مراد ہے۔ حدیث طیبہ میں جو یہ وارد ہوا کہ نیکی عمر میں اضافہ کرتی ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ نیکی ثواب کی کثرت کے ساتھ عمر کی برکات میں اضافہ کرتی ہے اور جو کچھ ذکر کیا گیا وہ معتزلہ کے مذہب کے مشابہ ہے۔

ہم کہتے ہیں بات اس طرح نہیں بلکہ معتزلہ تقدیر کا انکار کرتے ہیں اور قاتل کو موت کا خالق بناتے ہیں جو کچھ ذکر کیا گیا وہ اہل سنت کا مذہب ہے کیونکہ اہلسنت کا یہ قول کہ اجل ایک ہے زیادتی اور کمی نہیں ہوتی وہ وہ اجل ہے جو قضاء مبرم سے ثابت ہے، اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی، نہ اسے پہلے کر سکتے ہیں اور نہ ہی اسے پیچھے کر سکتے ہیں۔ مشغول اپنی اجل مبرم پر مرتا ہے اگرچہ لوح محفوظ میں یہ معلق ہو کہ اگر اسے فلاں نے قتل کیا تو وہ مر جائے گا۔ وہ نہیں مرے گا لیکن اس کے بارے میں قضاء مبرم یہ ہے کہ اسے فلاں ہر صورت قتل کرے گا اور اس کے قتل کرنے سے وہ فلاں وقت ضرور قتل ہوگا۔ اس وقت کے بعد اس کے باقی رہنے کی شرط نہیں پائی گئی۔ اس وقت اس حدیث کی تاویل کی ضرورت نہیں جو ابی حزام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جسے وہ اپنے باپ سے نقل کرتا ہے، کہا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا یہ جو ہم دم وغیرہ کراتے ہیں، دوا کرتے ہیں اور پیچھے کرتے ہیں کیا یہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو بدل دیتے ہیں؟ تو حضور ﷺ نے فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں سے ہے (2)۔ اسے امام احمد، امام ترمذی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ مقدر کیا کہ وہ دوائی استعمال کرے گا تو دوا کے ساتھ اسے شفا حاصل ہوگی۔

اگر تم اہل علم اور اپنی مصلحتوں میں نظر کرنے والے ہو۔ اس میں یہ اشارہ بھی ہے کیونکہ وہ شہوات میں منہمک ہیں اس لئے انہیں موت کے بارے میں شک ہو گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا حضرت نوح علیہ السلام پر وحی کا سلسلہ اس وقت شروع ہوا جب آپ کی عمر چالیس سال تھی اور طوفان کے بعد آپ ساٹھ سال تک زندہ رہے۔ مقابل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا آپ کو جب مجبور بنا دیا گیا تو اس وقت آپ کی عمر سو سال تھی۔ ایک قول کیا گیا کہ آپ کی عمر پچاس سال تھی۔ آپ کی کل عمر ایک ہزار چار سو پچاس سال تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ ساڑھے نو سو سال تک اپنی قوم میں رہ کر دعوت حق دیتے رہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم آپ کو مارتی یہاں تک کہ آپ گر پڑتے۔ وہ آپ کو مردہ سمجھ کر منہ میں لپیٹ کر گھر میں ڈال جاتے۔ آپ دوسرے دن گھر سے باہر آتے اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلا تے۔ محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے عبید بن عمر لیبی سے روایت کیا ہے کہ آپ کو خبر پہنچی ہے کہ آپ کی قوم کے افراد آپ کو پکڑ لیتے، گاٹھونٹتے یہاں تک کہ آپ پر غشی طاری ہو جاتی

۔ جب آپ کو افاقہ ہوتا تو کہتے اے میرے رب میری قوم کو بخش دے کیونکہ وہ نہیں جانتے یہاں تک کہ وہ پھر نافرمانیاں کرنے لگتے۔ ان کی طرف سے آپ پر مصیبت شدید ہو جاتی تو آپ اگلی نسل کا انتظار کرتے۔ بعد والی نسل پہلی نسل سے بھی بدتر ہوتی یہاں تک کہ وہ بعد میں آنے والے لوگوں کو کہہ جاتے یہ ہمارے آباؤ اجداد کے ساتھ بھی اسی طرح مجنون رہا ہے تو بعد والے لوگ بھی اس کی کوئی بات نہیں مانتے تھے۔ تو اس موقع پر آپ نے اللہ تعالیٰ سے شکایت کی۔

قَالَ رَبِّ إِنِّي دَعَوْتُ قَوْمِي لَيْلًا وَنَهَارًا ۝ فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَائِي إِلَّا فِرَارًا ۝

”نوح نے عرض کی اے میرے رب میں نے دعوت دی اپنی قوم کو رات کے وقت اور دن کے وقت۔ لیکن میری

دعوت کے باعث ان کے فرار (و نفرت) میں ہی اضافہ ہوا۔“

۱۔ لیلًا و نهارًا سے مراد ہے کہ ہمیشہ ہمیشہ میں انہیں دعوت دیتا رہا۔

۲۔ کوفیوں نے دعاء ہی کو یاء کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے یاء کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی وہ ایمان اور اطاعت سے بھاگتے ہیں۔ زیادتی کے فعل کو دعاء کی طرف منسوب کیا ہے۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح فعل کی نسبت سبب کی طرف کی جاتی ہے۔

وَإِنِّي كَلِمَاتٍ عَوَّلْتُمْ لِي تَتَّخِرْتُمْ جَعَلُوا أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ وَاسْتَعْشُوا شِيَاءَ بَنِيهِمْ وَ
أَصْرُوا وَأَوَّسْتُمْ كِبَارًا ۝ ثُمَّ إِنِّي دَعَوْتُهُمْ جَهَارًا ۝ ثُمَّ إِنِّي أَعْلَنْتُ
لَهُمْ وَأَسْرَرْتُ لَهُمْ إِسْرَارًا ۝

”اور جب بھی میں نے انہیں بلایا تا کہ تو ان کو بخش دے (تو ہر بار) انہوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیں

اور اپنے ابو پر لپیٹ لئے اپنے کپڑے اور ازبگئے (کفر پر) اور پرلے درجے کے متکبر بن گئے۔ پھر (بھی) میں نے ان

کو بلند آواز سے دعوت دی۔ پھر انہیں کھلے بندوں سمجھایا اور چپکے چپکے بھی انہیں (تلقین) کی گئی۔“

۱۔ جب بھی میں نے انہیں ایمان کی طرف دعوت دی تا کہ ایمان کے سبب تو انہیں بخش دے تو انہوں نے اپنے کان بند کر لئے۔ اپنے آپ کو کپڑوں سے ڈھانپ لیا تا کہ مجھے نہ دیکھ سکیں کفر اور معاصی پر اصرار کیا اور بہت زیادہ تکبر کیا۔

۲۔ جہاراً مطلق ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے کیونکہ یہ دعاء کی ایک قسم ہے یا مصدر محذوف کی صفت ہے اور مجاہر کے معنی میں ہے یا یہ حال ہے۔

۳۔ کوفیوں اور ابن عامر نے انہی کی یاء کو ساکن پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ ثم کا لفظ دعوت کی صورتوں میں جو تفاوت (فرق) ہے اس کو ظاہر کرنے کے لئے ذکر کیا کیونکہ جہاراً امرار سے سخت ہے۔ دونوں صورتوں کو جمع کرنا ایک صورت سے سخت ہے۔ یا تم تراخی زمانی کے لئے ہے، یعنی یہ صورتیں یکے بعد دیگرے کچھ وقت گزرنے کے بعد واقع ہوئیں۔

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ۝ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا ۝

”پس میں نے کہا (ابھی وقت ہے) معافی مانگ لو اپنے رب سے بے شک وہ بہت بخشنے والا ہے۔ وہ برسائے گا

آسمان سے تم پر موسلا دھار بارش ہے۔“

۱۔ یہ دعوتیہم کا بیان ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جب حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے طویل زمانہ تک حضرت نوح علیہ السلام کو جھٹلایا۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے بارش کو روک لیا۔ چالیس سال تک ان کی عورتوں کے رحموں کو بانجھ کر دیا، ان کی اولادیں، ان کے مال اور چوپائے ہلاک ہو گئے۔ اس موقع پر حضرت نوح علیہ السلام نے ان سے کہا (1) کفر سے توبہ کر کے، معاصی پر شرمندگی کا اظہار کر کے اور آئندہ زمانہ میں ایسے اعمال چھوڑ کر اپنے رب سے بخشش طلب کرو، اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو بخشے والا ہے: اللہ کان غفاراً یہ استغفروا کی علت ہے۔

۲۔ السماء سے مراد بارش ہے۔ حال کو محل کا نام دیا ہے۔ مدار ارا یہ السماء سے حال ہے، یعنی اس کی خیر بہت زیادہ ہوگی۔ اس وزن میں مذکر اور مونث برابر ہوتے ہیں۔ یوسل اور اس کے معطوف استغفروا امر کے جواب میں ہونے کی وجہ سے مجزوم ہیں۔ یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ استغفار بارش اور دوسری دنیاوی نعمتوں کے حصول اور مصیبتوں کو دور کرنے کا سبب ہے، یا تو عموماً ایسا ہوتا ہے یا خصوصی موقع پر جہاں مصیبت کا نزول نافرمانیوں کی نحوست کی وجہ سے ہو۔ جس طرح حضرت نوح علیہ السلام کی قوم میں تھا، جس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان اس پر دلالت کرتا ہے: مَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ۔

جب یہ مصیبت درجات کے بلندی کے لئے نازل ہو تو پھر یہ معاصی کی نحوست کی وجہ سے نہیں ہوتی اور نہ ہی یہ استغفار سے دور ہوتی ہے جس طرح حضرت ایوب علیہ السلام اور دوسرے انبیاء کے ساتھ ہوا۔ حضرت سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگوں میں سے سب سے زیادہ آزمائشیں انبیاء کو آتی ہیں پھر اس سے جو نیچے درجے پر فائز ہوں، پھر اس سے جو نیچے درجے پر فائز ہوں۔ ہر ایک آدمی کو اس کے دین کے مرتبہ کے مطابق آزمائشیں میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ اگر وہ دین میں مضبوط ہو تو اس کی مصیبت سخت ہوتی ہے۔ اگر اس کے دین میں نرمی ہو تو اس کے دین کے مطابق اسے آزمائش میں ڈالا جاتا ہے۔ آزمائش صرف وعدہ کرنے سے دور نہیں ہوتی یہاں تک کہ وہ اسے چھوڑ دے اور گناہ کے بغیر زمین پر چلے پھرے (2)۔ اسے امام احمد، امام بخاری، امام ترمذی، ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ میں حضور ﷺ کی ایک زوجہ سے ان الفاظ کے ساتھ روایت نقل کی ہے دنیا میں سب سے زیادہ آزمائش نبی پر آتی ہے یا اللہ کے منتخب ولی پر۔ حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے مستدرک میں ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ اور عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے ابوسعید رضی اللہ عنہ سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔ اس میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ انہیں آزمائش کی وجہ سے اتنی خوشی ہوئی ہے جتنی تمہیں عطیہ کی وجہ سے خوشی نہیں ہوتی۔ یہ کہنا بھی ممکن ہے کہ قحط عام مصیبت ہے۔ اس کا تصور اس وقت تک نہیں کیا جاتا جب تک عام لوگوں کی طرف سے گناہوں کی نحوست نہ ہو۔ استغفار عموماً بارش کا سبب ہے۔ اسی وجہ سے بارش کی طلب میں استغفار کا حکم دیا گیا ہے۔ مطرف نے امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوگوں کے ساتھ بارش کی دعا کرنے کے لئے نکلے اور استغفار سے زیادہ کچھ نہ کیا۔ آپ سے عرض کیا گیا ہم نے سنا تھا کہ آپ بارش کے لئے دعا کریں گے تو آپ نے فرمایا میں نے بارش ان چشموں سے طلب کی ہے جن کے ذریعے بارش ہوتی ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی (ترجمہ) اپنے رب سے مغفرت طلب کرو، وہ غفار ہے، وہ تم پر موسلا دھار بارش برساتا ہے۔ (3)

2- سنن ابن ماجہ، جلد 4، صفحہ 411، حدیث: 4023 (العلویہ)

1- تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 128 (التجاریہ)

3- تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 128 (التجاریہ)

وَيُؤَدِّدُكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَلُ لَكُمْ جَنَّاتٍ وَيَجْعَلُ لَكُمْ أَنْهَارًا ۝ مَا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلَّهِ وَقَارًا ۝ وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَصْوَارًا ۝

”اور مدد فرمائے گا تمہاری اموال اور فرزندوں سے اور بنا دے گا تمہارے لئے باغات اور بنا دے گا تمہارے لئے نہریں۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم پر وہ نہیں کرتے اللہ کی عظمت و جلال کی حوالہ اس نے تمہیں کئی مرحلوں سے گزار کر پیدا کیا ہے“

۱۔ عطا، رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی ہے وہ تمہارے مال اور اولاد میں اضافہ کرے گا۔ جنات کا معنی باغ ہیں، یعنی جس طرح پہلے اس کے تم پر احسانات تھے جب تم نے حضرت نوح علیہ السلام کی تکذیب نہ کی تھی اسی طرح بعد میں ایسا کرے گا۔

۲۔ ما استفہامیہ مبتدأ ہے اور لکم اس کی خبر ہے۔ لا ترجون والا جملہ یہ مخاطب کی ضمیر سے حال ہے۔ عامل معنی فعل ہے۔ للہ یہ وقار اسے حال ہے۔ تکرر ہوئے کی وجہ سے حال کو مقدم کیا گیا اور ذوالحال کو مؤخر کیا گیا۔ وقار کا معنی عظمت ہے جو توفیق مصدر سے اسم ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی یہ ہے تم اعتقاد میں اللہ تعالیٰ کے لئے عظمت نہیں دیکھتے۔ اعتقاد کو رجاء سے تعبیر کیا ہے جو ظن کا ادنیٰ مرتبہ ہے۔ مقسود مبالغہ کا اظہار ہے۔ کلمی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی ہے تم اللہ تعالیٰ کی عظمت سے نہیں ڈرتے۔ اس صورت میں رجاء کا معنی خوف ہوگا۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے کہا تم اللہ تعالیٰ کا حق نہیں پہچانتے اور اس کی نعمت کا شکر بجا نہیں لاتے۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی ہے تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم عبادت میں یہ امید نہیں رکھتے۔ تم اللہ تعالیٰ کی جو تعظیم بجالاتے ہو وہ تمہیں اس کا بدلہ عطا فرمائے گا (1) یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت میں یہ امید کیوں نہیں رکھتے کہ وہ تمہیں عزت عطا فرمائے۔ للہ یہ مؤخر کا بیان ہے۔

۳۔ تمہیں مختلف مراحل سے گزار کر پیدا کیا۔ پہلے عناصر، پھر مرکبات جو انسان کی غذا ہیں، پھر اخلاط، پھر نطفہ، پھر علق، پھر مضغ، پھر ہڈیاں اور گوشت بنایا، پھر روح پھونکنے کے ساتھ تمہیں ایک اور زندگی عطا فرمائی۔ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ۔ پھر تمہیں موت عطا کر لیا ہے۔ تم میں سے جو اطاعت گزار ہوتا ہے اسے عزتیں عطا فرماتا ہے اور گناہ گار کو سزا دیتا ہے۔ یہ جملہ ترجون کے فاعل سے حال ہے یا لفظ اللہ سے حال ہے۔ نفسی دلائل کے بعد آفاقی دلائل ذکر فرمائے۔

أَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللَّهُ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ طِبَاقًا ۝ وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا ۝ وَجَعَلَ الشَّمْسُ سِرَاجًا ۝

”کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کیسے پیدا کیا ہے سات آسمانوں کو تہ بہ تہ اور بنایا ہے چاند کو ان میں روشنی اور بنایا ہے سورج کو (درخشاں) چراغ ہے“

۱۔ الم یہ تعجب کے اظہار سے مجاز ہے۔ کیف کلمہ استفہام ہے جو اللہ کی عظمت کو ذہن میں لانے کے لئے ذکر کیا ہے۔ یہ بعد میں آنے والے جملے کے فاعل یا مفعول سے حال ہے۔ اسے آغاز میں اس لئے ذکر کیا کیونکہ یہ صدر کلام کا تقاضا کرتا ہے۔ طباقاً یعنی آسمانوں کو ایک دوسرے کے اوپر پیدا کیا نیچے اور اوپر والے آسمان کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے جس پر یہ احادیث دلالت کرتی ہیں۔

۱۔ فیہن سے مراد ہے ان میں سے بعض میں چاند بنایا وہ آسمان دنیا ہے جس طرح مابعد جملہ میں ایک گھر مراد ہے۔ نَزَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي ذُوْرِ بَنِي نَجَارٍ۔ امام بخوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا کہ سورج اور چاند کے چہرے آسمانوں کی طرف ہیں سورج اور چاند کی روشنی ان سب میں ہے اور ان کی شعاعیں زمین کی طرف منعکس ہوتی ہیں (۱)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہ مروی ہے۔

سورج کو سورج سے تشبیہ دی کیونکہ سورج ہر اس چیز سے تاریکی کو دور کر دیتا ہے جو اس کے مقابل آتی ہے۔ جس طرح چراغ اپنے ارد گرد کے ماحول سے تاریکی کو دور کر دیتا ہے۔ یہاں سورج کو چراغ سے تشبیہ دی جبکہ چراغ روشنی میں سورج سے کم ہے۔ اس تشبیہ کی وجہ یہ ہے کہ چراغ کا معاملہ سامعین کے ذہنوں میں ظاہر ہے اور کوئی ایسی چیز بھی نہیں جس کے ساتھ اسے تشبیہ دی جائے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان جَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا وَجَعَلَ الشَّمْسُ سِرًا جَا میں یہ بتانا مقصود ہے کہ چاند سورج سے نور حاصل کرتا ہے کیونکہ نور دیے سے حاصل ہوتا ہے۔

وَاللَّهُ أَنْبَتَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ نَبَاتًا ۚ ثُمَّ يُعِيدُكُمْ فِيهَا وَيُخْرِجُكُمْ إِخْرَاجًا ۚ
وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ بِسَاطًا ۚ لِتَسْكُنُوا مِنْهَا سُبُلًا فِجَا جَا ۚ

”اور اللہ تعالیٰ نے تم کو زمین سے عجب طرح اگایا ہے۔ پھر لوٹا دے گا تمہیں اس میں اور (اسی سے) تمہیں (دوبارہ)

نکالے گا۔ اور اللہ نے ہی زمین کو تمہارے لئے فزٹش کی طرح بچھا دیا ہے۔ تاکہ تم اس کے کھلے راستوں میں چلو سکو۔“

۱۔ اللہ تعالیٰ کا اسم پاک مذکور ہے۔ ضمیر پر اکتفاء نہیں مقصود اللہ نام کے کر شاد کام ہونا ہے جو کائنات کا محبوب ہے اور یہ اظہار کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں پیدا کیا۔ انشاء کو مجازاً انبات سے تعبیر کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انبات کا لفظ حدوت پر دلالت کرتا ہے۔ نبات مصدر ہے اور مفعول مطلق ہے مگر فعل کے مصدر کے وزن پر نہیں جس طرح تَبَلُّبٌ تَبَلُّبًا میں تبیل مفعول مطلق ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا نبات مصدر نہیں بلکہ اسم ہے جو مصدر کی جگہ رکھا گیا ہے یا یہ فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی: وَاللَّهُ أَنْبَتَكُمْ فَبِتُّمُ نَبَاتًا کیونکہ انبات اور نبات آپس میں لازم و ملزوم ہیں اس لئے ایک کا فعل اول دوم کے کا مصدر ذکر کر دیا۔

۲۔ موت کے بعد تمہیں دوبارہ زمین میں لوٹا دے گا پھر تمہیں حشر کے موقع پر دوبارہ زمین سے نکالے گا۔ یہاں مفعول مطلق کے ساتھ فعل کی تاکید ذکر کی ہے جس طرح پہلے فعل کی مفعول مطلق کے ساتھ تاکید ذکر کی تھی۔ مقصود موت کے بعد دوبارہ اٹھانے کو ثابت کرنا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے پہلی دفعہ انسانوں کو پیدا کیا۔

۳۔ بساط یعنی جس میں تم ادھر ادھر جاتے ہو۔

۴۔ فجاج فج کی جمع ہے۔ من حرف جار اس لئے ذکر کیا کیونکہ فعل اپنے ضمن میں اتخاذ کا معنی لئے ہوئے ہے۔

قَالَ نُوحٌ رَّبِّ إِنَّهُمْ عَصَوْني وَاتَّبَعُوا مَنْ لَمْ يَزِدْهُ مَالَهُ وَوَلَدًا إِلَّا
خَسَارًا ۚ وَمَكَرُوا مَكْرًا كَبِيرًا ۚ

”نوح نے عرض کی اے میرے پروردگار انہوں نے میری نافرمانی کی اور اس کی پیروی کرتے رہے جس کو نہ بڑھایا

اس کے مال اور اولاد نے بجز خسارہ کے لے اور انہوں نے بڑے بڑے مکر و فریب کئے تھے۔

۱۷ حضرت نوح علیہ السلام نے عرض کی اے میرے رب انہوں نے میری ان معاملات میں نافرمانی کی جن کا میں نے انہیں حکم دیا تھا۔ یہ جملہ سابقہ جملہ قال رب انی دعوت..... کی تاکید کے طور پر ہے۔ یہ بھی کہا دونوں جملوں کا معنی ایک ہی ہے کیونکہ دعا سے فرار، کانوں کو بند کرنا اور آنکھوں پر پردہ ڈال لینا یہی تو عین نافرمانی ہے یا اس کے اسباب میں سے ہے۔ اسی وجہ سے جملہ سے پہلے حرف عطف ذکر نہیں کیا اور کہا نافرمانی کرنے کے قول کو مکرر ذکر کیا ہے جبکہ سابقہ آیت میں بھی اس کا ذکر تھا۔ دوبارہ لانے کی وجہ یہ ہے کہ پہلی کلام اس لئے چلائی گئی تاکہ تبلیغ کے فریضہ کی ادائیگی کا بیان ہو جبکہ یہ کلام اس لئے چلائی گئی تاکہ ان کے خلاف بددعا کی تمہید بن جائے۔ قوم کے کمزور لوگوں نے اپنے سرکش سرداروں کی اتباع کی جو اپنے مال اور اولاد کی وجہ سے دھوکے میں مبتلا ہو چکے تھے۔ یہی چیز آخرت میں ان کے خسارہ کا سبب بن گئی۔ نافع، عاصم اور ابن عامر رحمہم اللہ تعالیٰ نے وندہ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے وندہ پڑھا ہے کیونکہ یہ بھی ایک نعت ہے جس طرح حزن میں دونوں نعتیں ہیں یا یہ جمع ہے جیسے اسد کی جمع اسد آتی ہے۔

۱۸ اس جملے کا عطف من لم یزلفہ پر ہے۔ ضمیر من کی طرف لوٹ رہی ہے اور جمع کی ضمیر معنی کی وجہ سے آئی ہے یا اس کا عطف اتبعوا پر ہے۔ کُتِبَ لَہِمْ سَبْعُ مِائَاتٍ مِّنْ حَسَنَاتٍ سے بلیغ ہے اور کُتِبَ لَہِمْ سَبْعُ مِائَاتٍ مِّنْ حَسَنَاتٍ سے بلیغ ہے، یعنی انہوں نے بڑا مکر کیا یہ ان کا دین میں حیلہ سازی کرنا تھا سرداروں کی طرف سے مکر یہ تھا کہ وہ لوگوں کو حضرت نوح علیہ السلام کو اذیتیں دینے پر برا بھینتہ کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کا انکار کرتے تھے جبکہ کمزور لوگوں کا مکر یہ تھا کہ وہ حضرت نوح علیہ السلام کو مختلف اذیتیں دیتے تھے۔

وَقَالُوا لَا تَدْرُسْ إِلٰهَتَكُمْ وَلَا تَذْمُنْ وَدَّمَآؤُاْ وَلَا سِوَاعًا وَوَلَا يَعْوَتُ وَيَعْوَقُ وَ

نَسْرًا ۝ وَقَدْ أَضَلُّوْا كَثِيْرًا ۚ وَلَا تَرِدِ الظَّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا ۝

”اور رئیسوں نے کہا (اے لوگوں کو نوح کے کہنے پر) ہرگز نہ چھوڑنا اپنے خداؤں کو اور (خاص طور پر) ود اور سواع کو مت چھوڑنا اور نہ یعوث، یعوق اور نسر کو لے اور انہوں نے گمراہ کر دیا بہت سے لوگوں کو، (الہی) تو بھی ان کی گمراہی میں اضافہ کر دے۔“

۱۹ اس جملے کا عطف مکروا پر ہے۔ بعض نے بعض سے کہا اپنے بتوں کی عبادت کو نہ چھوڑنا اور ود کو نہ چھوڑنا۔ نافع نے ودا پڑھا ہے جبکہ باقی نے واو پر زبر پڑھی ہے۔ پہلے عمومی ذکر کیا بعد میں ان بتوں کی تخصیص کر دی مقصود ان کا اہتمام کرنا ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا محمد بن کعب نے کہا یہ صالح لوگوں کے نام ہیں جو حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان ہو گزرے ہیں۔ جب وہ لوگ فوت ہو گئے تو ان کی جو لوگ اقتداء کرتے تھے اور عبادت میں ان کے طریقے اپناتے تھے۔ ان کے پاس ابلیس آیا، انہیں کہا اگر تم ان کی تصویریں بنا لو تو یہ تمہارے لئے زیادہ نشاط کا باعث ہوگا اور تمہیں عبادت میں شوق دلانے گا۔ انہوں نے ایسا ہی کیا پھر ان کے بعد ایک قوم آئی۔ انہیں ابلیس نے کہا تم سے پہلے لوگ ان تصویروں کی عبادت کرتے تھے تو بعد کے لوگوں نے ان تصویروں کی عبادت کرنا شروع کر دی۔ اس طرح بتوں کی عبادت شروع ہو گئی پھر ان تصویروں کے یہ نام پڑ گئے (1)۔ عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے وہ بت جن کی حضرت نوح علیہ السلام کی قوم عبادت کرتی تھی بعد میں عربوں میں

بھی انہیں کی پوجا کی جائے گی۔ و د یہ بنی کلب کا بت تھا جو دومة الجندل کے مقام پر نصب تھا۔ سواع بنی ہذیل کا بت تھا، یغوث بنی مرہ کا بت تھا۔ پھر یہی بت بنی غطف نے اپنا لیا جو جرف کے مقام پر نصب تھا۔ یعوق، بنی ہمدان کا بت تھا۔ نسر، بنی حمیر کا بت تھا جو آل ذی کلاع تھے۔ یہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے صالح لوگوں کے نام تھے۔ جب یہ مر گئے تو شیطان نے ان کی قوموں کے دلوں میں القاء کیا کہ جن جگہوں میں وہ عبادت کیا کرتے تھے انہیں ان کے بت نصب کر دو اور ان بتوں کے نام ان افراد کے نام پر رکھ دو۔ انہوں نے ایسا ہی کیا مگر ان کی عبادت نہ کی۔ جب یہ لوگ بھی مر گئے تو بعد میں ان کی عبادت کی جانے لگی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ان بتوں کو طوفان نے دفن کر دیا تھا اور منی نے انہیں چھپا دیا تھا۔ یہ اسی طرح دفن رہے یہاں تک کہ شیطان نے مشرکین مکہ کے لئے انہیں باہر نکالا۔ (1)

۲۔ قد اضلوا میں ضمیر یا تو بتوں کے لئے ہے یا قوم نوح کے رؤساء کے لئے ہے۔ جب فعل کی نسبت بتوں کی طرف ہوگی تو یہ اسناد مجازی ہوگا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے: **لَقَدْ اَضَلْنَا كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ** کیونکہ شیطان نے ان بتوں کے ذریعے انہیں گمراہ کیا تھا۔ یہ جملہ یا تو قائلوا کے فاعل سے حال ہے یا لاتذون کے مفعول سے حال ہے یا یہ جملہ معترضہ ہے۔

ظلمین سے مراد کافر ہیں ضلالا سے مراد ہلاکت اور ضیاع ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کے فرمان **اِنَّ الْجِنَّةَ سَبَّحْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ لَكِنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ لَفِي ضَلَالٍ** میں ضلال سے مراد ہلاکت اور ضیاع ہے۔ یا ضلال سے مراد خیمہ تدبیر ہے جس کا انہوں نے ارادہ کیا تھا یا دنیاوی فوائد مراد ہیں، یعنی اس کی طرف انہیں ہدایت نہ دے۔ اس جملہ کا عطف قال رب انہم عصونی کے مقولہ پر ہے، یعنی حضرت نوح علیہ السلام نے یہ قول کیا۔ یہاں مفرد کا عطف مفرد پر ہے۔ انشاء کا عطف خبر پر نہیں ہے۔

مِمَّا خَطِيئَتِهِمْ أُغْرِقُوا فَادْخُلُوا نَارًا اُولَئِكَ يَلْمِزُكَ الْفٰسِقُونَ ﴿۱۵﴾

”اپنی خطاؤں کے باعث انہیں غرق کر دیا گیا۔ پھر انہیں آگ میں ڈال دیا گیا پھر انہوں نے نہ پایا اپنے لئے اللہ کے سوا کوئی مددگار۔“

۱۔ جمہور قرآن اور ابو عمر و رحمۃ اللہ علیہ نے خطیئہم کی جگہ خطایاہم پڑھا۔ مما میں ما زائدہ ہے اور تاکیدیہ اور تفسیر کے لئے ہے۔ من سبب ہے اور اغرقوا کے متعلق ہے۔ معنی ہوگا ان کے گناہوں کے باعث انہیں طوفان میں غرق کر دیا گیا اور عالم برزخ میں آگ میں داخل کیا گیا عالم برزخ جسے عالم قبر کہتے ہیں کیونکہ قبر یا تو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔ اس تعبیر کی بناء پر آیت عذاب قبر کے ثابت ہونے پر دلیل ہے کیونکہ فاء تعقیب کے لئے ہے اور ادخلوا کا صیغہ ماضی پر دلالت کرتا ہے جبکہ معتزلہ اور دوسرے بدعتیوں نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ انہوں نے اس آیت کی یہ تاویل کی ہے کہ یہ فاء یہاں اس لئے داخل کی گئی کیونکہ انہیں غرق کرنے اور جہنم میں داخل کرنے کے درمیان کوئی اور عذاب ان کے لئے تیار نہیں کیا گیا یا۔ اس وجہ سے فاء داخل کیا گیا ہے کہ مسبب پیچھے آنے والے کی طرح ہوتا ہے جس طرح جب سبب پایا جائے تو مسبب متحقق ہو جاتا ہے اور ماضی کا صیغہ اس لئے ذکر کیا کیونکہ جس چیز کا وقوع یقینی ہو وہ واقع کی طرح ہے۔ ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں اصل یہ ہے کہ کلام کا حقیقی معنی لیا جائے جبکہ یہ تمام تاویلات مجاز پر محمول ہیں جبکہ مجازی معنی دلیل کے بغیر جائز نہیں معتزلہ کا قول کیسے درست ہو سکتا ہے جبکہ بے شمار ایسی

احادیث ہیں جو عذاب قبر پر دلالت کرتی ہیں اس پر اسلاف کا اجماع بھی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب ایک بندے کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اسے دفنانے والے واپس آتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے۔ تو وہ فرشتے اس کے پاس آتے ہیں۔ وہ اسے بٹھاتے ہیں۔ وہ اسے کہتے ہیں تم اس ہستی پاک یعنی حضرت محمد ﷺ کے بارے میں کیا کہتے تھے۔ مومن یہ کہتا ہے آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اسے کہا جائے گا جہنم میں اپنے ٹھکانے کو دیکھو، اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلے میں جنت میں تیرا ٹھکانہ بنا دیا ہے۔ وہ ان دونوں کو دیکھے گا۔ جہاں تک منافق اور کافر کا تعلق ہے اسے کہا جائے گا تم اس ہستی پاک کے بارے میں کیا کہتے تھے؟ وہ کہے گا میں کچھ نہیں جانتا، میں وہی کچھ کہتا تھا جو لوگ کہتے تھے۔ تو اسے کہا جائے گا تو خود جانتا بھی نہ تھا اور تو نے پڑھا بھی نہ تھا۔ اس لئے لوہے کے گرزوں کے ساتھ مارا جائے گا۔ وہ سخت چیخے گا جن وانس کے علاوہ جو بھی ہوں گے سب اس کی چیخ و پکار کو سنیں گے (1)۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے میں نے رسول اللہ ﷺ کو نہیں دیکھا کہ آپ نے نماز پڑھی ہو اور عذاب قبر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ نہ چاہی ہو، متفق علیہ (2)۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے جب آپ کسی قبر پر کھڑے ہوتے تو روتے یہاں تک کہ آپ کی داڑھی تر ہو جاتی۔ آپ سے عرض کیا گیا آپ جنت کا ذکر کرتے ہیں تو آپ نہیں روتے جبکہ قبر پر روتے ہیں۔ تو فرمایا رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے قبر آخرت کی منازل میں سے پہلی منزل ہے۔ اگر کوئی قبر میں نجات پا گیا تو بعد والا مرحلہ اس کے لئے آسان ہے، اگر اسے یہاں نجات نہ ملی تو بعد کا مرحلہ اس سے بھی سخت ہوگا۔ یہ بھی کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے قبر سے زیادہ ڈراؤنی کوئی چیز نہیں دیکھی اسے امام ترمذی اور ابن ماجہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ (3)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قبر میں کافر پر ننانوے سانپ مسلط کر دیئے جاتے ہیں جو اسے قیامت قائم ہونے تک کاٹتے اور ڈستے رہیں گے۔ اگر ان میں سے ایک سانپ بھی زمین میں سانس لے تو زمین پر سبزہ نہ اگے۔ اسے دارمی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (4)۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی کی مثل روایت کیا ہے۔ اس میں انہوں نے ننانوے کی بجائے ستر سانپوں کا ذکر کیا ہے۔ نادر کی تعظیم کے لئے اسے نکرہ ذکر کیا۔ یا اس نادر سے مراد جہنم کی آگ کے علاوہ اور آگ ہے۔ اغرقوا والا جملہ اپنے معطوف کے ساتھ جملہ مستانہ ہے۔ گویا یہ ایک متقدم سوال کا جواب ہے۔ جب حضرت نوح علیہ السلام نے قوم کی نافرمانی کی شکایت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ کیا کیا۔

۲۔ وہ کوئی بھی دوسرے کو اپنا مددگار نہیں پائے گا کیونکہ جب جمع کا مقابلہ جمع سے ہو تو وہ واحد کا واحد پر منقسم ہونے کا تقاضا کرتی ہے۔ احد نکرہ ہے [نفسی کے تحت داخل ہے جو عموم کا معنی دیتا ہے۔ اس جملہ میں اشارہ کے ساتھ یہ بات کی گئی ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کو معبود بنا لیا ہے جو ان کی مدد کرنے پر قادر نہیں۔

وَقَالَ نُوحٌ سَرَبٌ لَا تَدْرُ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ۝ اِنَّ
تَدْرَهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْا اِلَّا فٰجِرًا كَفّٰرًا ۝

1۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 178 (وزارت تعلیم)

2۔ ایضاً جلد 1 صفحہ 183

3۔ سنن ابن ماجہ، جلد 4، صفحہ 544، حدیث: 4267 (العلمیہ)

4۔ سنن الدارمی، جلد 2، صفحہ 238، حدیث: 2818 (المحاصر)

”اور نوح نے عرض کی اسے میرے رب نہ چھوڑ روئے زمین پر کافروں میں سے کسی کو بستا ہوا۔ اگر تو نے ان میں سے کسی کو چھوڑ دیا تو وہ گمراہ کر دیں گے تیرے بندوں کو اور نہ جنیں گے مگر ایسی اولاد جو بڑی بدکار سخت ناشکر گزار ہوگی۔“

یہ اس جملے کا عطف قال نوح رب انہم عصونی پر ہے۔ الارض سے مراد آپ کی قوم کی سر زمین ہے اور اس پر الف لام عہد خارجی کے لئے ہے۔ دیوار سے مراد کوئی گھر ہے جس میں وہ لوگ رہتے ہوں۔ یہ نکرہ ہے، نفی کے تحت داخل ہے اس لئے عموم کا فائدہ دیتا ہے۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے کہ یہ اصل میں دیوار تھا پہلے واؤ کو یاء سے بدلا، پھر یاء کو یاء میں ادغام کر دیا۔ جس طرح سید میں ہوتا۔ یہ فعال کا وزن نہیں۔ اگر فعال کا وزن ہوتا تو پھر یہ دوار ہوتا۔

یہ جملہ ان کے بارے میں بدوفا کی علت ہے۔ وہ تیرے بندوں کو گمراہ کرنے کا ارادہ کریں گے، فاجر اور کافر جنیں گے۔ محمد بن کعب، مقاتل اور ربیع رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا حضرت نوح علیہ السلام نے یہ بددعا اپنی قوم کے خلاف کی جب ہر مومن ان کی پشتوں اور ان کی عورتوں کی رحموں سے نکالا جا چکا تھا۔ ان کے مردوں کی پشتیں عذاب سے چالیس سال پہلے یا نوے سال پہلے بانجھ ہو چکی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو آگاہ کیا تھا کہ اب یہ ایمان نہیں لائیں گی اور نہ ہی کسی مومن کو جنیں گی۔ عذاب کے وقت ان میں کوئی بچہ نہیں تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے جب قوم نوح نے رسولوں کو جھٹلایا تو ہم نے انہیں غرق کر دیا۔ جھٹلانے کا فعل بچوں سے ثابت نہیں ہوتا (1)۔ اس سے یہ بھی استدلال کیا جاتا ہے کہ عذاب تمام زمین پر نہیں آیا تھا بلکہ صرف آپ کی قوم پر آیا تھا تاکہ بغیر جھٹلانے کے عذاب نازل ہونا لازم نہ ہو۔

رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَ لِوَالِدَيَّ وَ لِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيْ مُؤْمِنًا وَ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَ
 الْمُؤْمِنَاتِ ۗ وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِيْنَ اِلَّا تَبَارًا ﴿۱۸﴾

”میرے رب بخش دے مجھے اور میرے والدین کو اور اسے بھی جو میرے گھر میں ایمان کے ساتھ داخل ہوا اور بخش دے سب مومن مردوں اور عورتوں کو اور کفار کی کسی چیز میں اضافہ نہ کر۔ بجز ہلاکت و بربادی کے۔“

حضرت نوح علیہ السلام کے والد کا نام لمک بن متوخ تھا۔ آپ کی والدہ نام سحاء بنت انوش تھا۔ یہ دونوں مومن تھے۔ حفص اور ہشام نے نبی کی یاء کو مفتوح جبکہ باقی قراء نے اسے ساکن پڑھا ہے۔ اس سے مراد میرا گھر ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا بیٹی سے مراد میری مسجد ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا اس سے مراد میری کشتی ہے جو میرے گھر میں مومن کی حیثیت سے داخل ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا اس دعا کے ساتھ اے آپ کی کشتی سے نکل گیا جبکہ وہ پہلے داخل ہو گیا تھا۔ مومنین اور مومنات سے مراد قیامت تک مومن ہیں۔ ظالمین سے مراد کافر ہیں۔ تبار سے مراد ہلاکت ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں حضرت نوح کی دعا قبول فرمائی۔

سورۃ جن

﴿ آیتھا ۲۸ ﴾ ﴿ سورۃ الجن مکیۃ ۲ ﴾ ﴿ رکوعاھا ۲ ﴾

سورۃ معارج مکیہ ہے اس میں دو رکوع اور اٹھائیس آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

”اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے“

قُلْ اُوْحٰی اِلٰیَّ اِنَّہٗ اَسْتَمِعُ نَفْرًا مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۙ

”آپ فرمائیے میری طرف وحی کی گئی ہے کہ بڑے غور سے سنا ہے (قرآن کو) جنوں کی ایک جماعت نے۔ پس

انہوں نے (جا کر دوسرے جنات کو) بتایا کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے، ۱۔“

۱۔ نفور کا اطلاق تین سے لے کر دہائی تک کے افراد پر ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہ نصیبین کے جنوں میں سے نوجن تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ان کی تعداد سات تھی۔ جن ذی روح اجسام ہیں جس طرح حیوان ہوتا ہے۔ یہ ذوی العقول میں سے ہیں جس طرح انسان ذوی العقول ہیں یہ لوگوں کی آنکھوں سے اوجھل ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے انہیں جن کہتے ہیں۔ یہ آگ سے پیدا کئے گئے ہیں جس طرح انسان مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَالْجَآئِ حَافِظُوْهُ مِنْ قَبْلِہٖ مِنْ نَّارِ السُّوْرِ۔ یہ مذکر بھی ہوتے ہیں اور مونث بھی۔ ان میں تو والد (پیدائش) کا سلسلہ بھی جاری ہوتا ہے۔ ظاہر یہی ہے کہ شیاطین بھی جنوں کی ایک قسم ہے۔ ملائکہ کا معاملہ ان سے مختلف ہے کیونکہ وہ مذکر اور مونث نہیں ہوتے۔ جنوں، شیاطین اور ملائکہ کا وجود شرع سے ثابت ہے جبکہ فلاسفہ نے جنوں کا انکار کیا ہے۔ عقول عشرہ جنہیں فلاسفہ نے ایجاد کیا ہے وہ ملائکہ میں سے نہیں کیونکہ عقول عشرہ کو فلاسفہ مجردات کہتے ہیں جبکہ ملائکہ کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ وہ ایسے اجسام ہیں جو ذی روح ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

اس کلام کا سیاق تقاضا کرتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جنوں کو نہیں دیکھا تھا۔ وہ آپ کی قرأت کے اوقات میں سے کسی وقت میں اتفاقاً حاضر ہوئے تھے۔ انہوں نے آپ کی تلاوت کو سنا۔ اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو آپ پر وحی کی صورت میں بیان کر دیا۔ شیخین، ترمذی رحمہم اللہ تعالیٰ اور دوسرے محدثین نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جنوں پر تلاوت نہیں کی تھی اور نہ ہی آپ نے ان کو دیکھا تھا۔ آپ اپنے چند صحابہ کے ساتھ عکاظ کی منڈی کی طرف جا رہے تھے۔ اس وقت شیاطین پر آسمان کی خبریں لینے پر رکاوٹ قائم کر دی گئی تھی اور انہیں شہا بے مارے گئے۔ جنوں نے کہا یہ کسی خاص سبب کی وجہ سے ہے۔ اس لئے مشرق و مغرب میں پھیل جاؤ، دیکھو کیا واقعہ ہوا۔ وہ نکل پڑے۔ جنوں کا وہ وفد جو تہامہ کی طرف گیا تھا وہ حضور ﷺ کی طرف جا نکلا جبکہ آپ نخلہ کے مقام پر لوگوں کو صبح کی نماز پڑھا رہے تھے۔ جب انہوں نے قرآن حکیم کو سنا تو وہ اس کی طرف متوجہ ہوئے تو کہا یہی چیز تمہارے اور آسمان کی خبروں کے درمیان حائل ہوئی ہے۔ تو وہ اپنی قوم کی طرف پلٹ آئے۔ تو کہا اے قوم ہم نے عجیب شان والا قرآن سنا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنی نبی پر قل او حی والی آیت نازل فرمائی۔ (۱)

اکثر مفسرین نے یہ کہا جب ابو طالب کا وصال ہو گیا تو حضور ﷺ اکیلے طائف تشریف لے گئے تاکہ ثقیف سے مدد اور حمایت حاصل کریں۔ محمد بن اسحاق نے یزید بن زیاد رحمہما اللہ تعالیٰ سے انہوں نے محمد قرظی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ طائف پہنچے تو بنی ثقیف کی ایک جماعت کے پاس تشریف لے گئے۔ ان دنوں وہی لوگ بنی ثقیف کے سردار اور معززین شمار ہوتے تھے۔ وہ تین بھائی تھے۔ عبد یاسیل مسعود اور حبیب جو عمیر کے بیٹے تھے۔ ان میں سے ایک کے عقد میں قریش کے خاندان بنی نج کی ایک عورت بھی تھی۔ آپ ان کے پاس بیٹھ گئے اور انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی اور جس مقصد کے لئے آپ تشریف لائے کہ وہ اسلام کی مدد کریں اور آپ کی قوم کے مخالفین کے خلاف آپ کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوں۔ ان میں سے ایک نے کہا اگر اللہ تعالیٰ نے تجھے رسول بنا کر بھیجا ہے تو وہ بیت اللہ شریف کا غلاف لباس بنائے گا۔ دوسرے نے کہا کیا اللہ تعالیٰ کو تیرے سوا کوئی اور نہیں ملاحظا جسے وہ اپنا رسول بناتا۔ تیسرے نے کہا اللہ کی قسم میں تجھ سے کبھی کلام نہیں کروں گا، اگر تم اللہ کے رسول ہو جس طرح تم کہتے ہو تو تم اس امر سے عظیم ہو کہ میں تجھ سے کلام کروں۔ اگر تم اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتے ہو تو مجھے آپ سے کلام کرنا اچھا نہیں لگتا۔ رسول اللہ ﷺ اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ ثقیف کی طرف سے کسی بھلائی سے مطلقاً مایوس ہو چکے تھے۔ آپ نے ان سے فرمایا جو کچھ تم نے کیا وہ کیا، اسے مخفی رکھنا۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ ناپسند کیا کہ یہ خبر آپ کی قوم تک پہنچے کیونکہ یہ ان کی بے باکی میں اضافہ کر دے گی۔ انہوں نے ایسا نہ کیا۔ انہوں نے قوم کے بے وقوفوں اور اپنے غلاموں کو اس بات پر برا بھینختے کیا کہ وہ آپ کو گالیاں دیں اور آپ پر آواز سے کہیں یہاں تک کہ بہت سارے لوگ جمع ہو گئے اور آپ کو ایک باغ میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا جو عقبہ اور شیبہ کی ملکیت تھا جو ربیعہ کے بیٹے تھے۔ وہ دونوں اس وقت وہاں موجود تھے۔ بنو ثقیف کے سفہاء اور دوسرے لوگ واپس چلے گئے۔ آپ نے انگور کے درخت کے سایہ کا قصد کیا۔ اس کے سایہ میں بیٹھ گئے جبکہ ربیعہ کے دونوں بیٹے آپ کو دیکھ رہے تھے اور بنو ثقیف کے بے وقوفوں سے جو آپ کو تکلیف پہنچی تھی۔ وہ بھی سب اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ حضور ﷺ بنی نج کی اس عورت سے بھی ملے تھے اور اس کے سسرالی رشتہ داروں کے رویہ کی بھی شکایت کی تھی۔ جب حضور ﷺ مطمئن ہو گئے تو عرض کی اے اللہ میں اپنی قوت کی کمزوری، تدبیر کی کمی اور لوگوں پر اپنے ضعیف ہونے کی تیری بارگاہ اقدس میں شکایت کرتا ہوں۔ تو ارحم الراحمین ہے، تو کمزوروں کا رب ہے، تو میرا بھی رب ہے، تو مجھے کس کے سپرد کر رہا ہے؟ کیا کسی اجنبی کے سپرد کر رہا ہے جو میرے ساتھ ترش روئی سے پیش آئے یا دشمن کے سپرد کر رہا ہے؟ اگر تو مجھ سے ناراض نہیں تو مجھے کچھ پرواہ نہیں۔ تیری عافیت میرے لئے کافی ہے۔ میں تیرے چہرے کے نور کی پناہ چاہتا ہوں جس کے باعث تاریکیاں چھٹ گئیں اور دنیا و آخرت کے امور درست ہو گئے اس سے کہ تیری ناراضگی مجھ پر آئے یا تیرا غضب مجھ پر نازل ہو۔ تجھے ناراض ہونے کا حق ہے یہاں تک کہ تو راضی ہو جائے لا حول ولا قوۃ الا بک۔

جب ربیعہ کے بیٹوں نے یہ منظر دیکھا تو رحمت کے جذبات آپ کے لئے متحرک ہوئے۔ انہوں نے اپنے نصرانی غلام کو بلایا جس کا نام عدا تھا۔ اس سے کہا انگور کا ایک گچھا لو، اس برتن میں رکھو، پھر اسے اس آدمی کے پاس لے جاؤ، اسے کہو کہ وہ اسے کھالے۔ عدا نے اسی طرح کیا پھر اسے لایا اور آپ کے سامنے رکھ دیا جب وہ رکھ چکا تو حضور ﷺ نے کھانے کے لئے ہاتھ بڑھایا اور کہا بسم اللہ، پھر اسے کھایا۔ عدا آپ کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا اللہ کی قسم یہ کلام یہاں کے لوگ نہیں کرتے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم کس علاقہ کے رہنے والے ہو اے عدا اس اور تمہارا دین کیا ہے؟ تو عدا نے جواب دیا میں نصرانی ہوں اور منیوی کا رہنے والا ہوں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا اس شہر کا رہنے والا ہے جو حضرت یونس بن متی علیہ السلام کا شہر تھا تو عداس نے پوچھا آپ کو یونس بن متی کے بارے میں کس نے بتایا؟ حضور ﷺ نے فرمایا وہ میرا بھائی تھا، نبی تھا، میں بھی نبی ہوں۔ عداس آپ پر جھک گیا، آپ کے سر، ہاتھ اور قدم چومے۔ ربیعہ کے دونوں بیٹوں نے ایک دوسرے سے کہا تیرے غلام کو بھی اس نے خراب کر دیا۔ جب عداس اپنے مالکوں کے پاس گیا تو دونوں نے اس سے کہا تو ہلاک ہو تو کس لئے اس آدمی کو، اس کے ہاتھ اور پاؤں چوم رہا تھا؟ تو عداس نے کہا اے میرے آقا روئے زمین پر اس سے بہتر کوئی انسان نہیں، اس نے مجھے ایسی باتوں کے بارے میں بتایا ہے جنہیں نبی کے بغیر کوئی نہیں جانتا۔ مالکوں نے اسے کہا اے عداس تو ہلاک ہو، وہ تجھے تیرے دین سے پھیر نہ دے کیونکہ تیرا دین اس کے دین سے بہت بہتر ہے۔ جب آپ ﷺ طائف کی بھلائی سے مایوس ہو گئے تو آپ مکہ مکرمہ لوٹ آئے۔ واپسی پر نخلہ کے مقام پر قیام کیا۔ رات کو نماز پڑھ رہے تھے کہ نصیبین کے جنوں کا وہاں سے گزر ہوا تو انہوں نے قرآن حکیم سنا۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو یہ اپنی قوم کی طرف پلٹے تاکہ انہیں خبردار کریں جبکہ یہ ایمان لائے تھے اور جو سنا تھا اس کو تسلیم کر لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس قصہ سے حضور ﷺ کو باخبر کیا۔

ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الصفوۃ میں اپنی سند سے سہل بن عبد اللہ سے نقل کیا ہے میں زراع کے علاقہ میں تھا کہ میں نے ایک ایسا شہر دیکھا جو پہاڑ کو کھود کر بنایا گیا تھا۔ اس کے درمیان پتھر کا بنا ہوا محل تھا جس میں جن رہتے تھے۔ میں اس میں داخل ہوا تو وہاں ایک عظیم الجثہ شیخ کعبہ کی طرف منہ کئے نماز پڑھ رہا تھا۔ اس پر اون کا ایک جبہ تھا جس میں بڑی صفائی تھی۔ میں اس کے عظیم الجثہ ہونے سے اتنا متعجب نہیں ہوا جتنا متعجب اس کے جبہ کی صفائی سے ہوا تھا۔ میں نے اسے سلام کیا۔ اس نے مجھے سلام کا جواب دیا۔ اس نے کہا اے سہل بدن کیڑوں کو بوسیدہ نہیں کرتے گناہوں کی بدبو اور حرام خوری اسے بوسیدہ کرتی ہے۔ یہ جب سات سو سال سے میں نے زیب تن کیا ہوا ہے۔ اسی میں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ سے ملا تھا۔ میں ان دونوں پر ایمان لایا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا میں ان میں سے ہوں جن کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

ایک جماعت نے کہا رسول اللہ ﷺ کو حکم ہوا کہ جنوں کو ڈرائیں اور اللہ کی طرف دعوت دیں، انہیں قرآن پڑھ کر سنائیں۔ نبیوی کے جنوں کی ایک جماعت آپ کے پاس آئی۔ حضور ﷺ نے فرمایا مجھے حکم ہوا ہے کہ آج رات میں جنوں کو قرآن سناؤں، تم میں سے کون میرے ساتھ جائے گا تو صحابہ نے اپنے سر جھکا لئے۔ پھر آپ نے ساتھ چلنے کو کہا تو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ساتھ ہوئے۔ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہمارے ساتھ کوئی اور نہ تھا۔ ہم چلتے رہے یہاں تک کہ بالائی مکہ میں پہنچے تو حضور ﷺ ایک گھاٹی میں داخل ہو گئے جسے شعب جنون کہتے۔ میں آپ نے میرے لئے ایک خط کھینچا۔ پھر آپ نے مجھے حکم دیا کہ میں اس میں بیٹھ جاؤں۔ آپ نے فرمایا جب تک میں تیرے پاس واپس نہ آؤں اس سے نہ نکلنا۔ پھر آپ چلے گئے یہاں تک کہ کھڑے ہو کر قرآن پڑھنے لگے۔ میں دیکھ رہا تھا کہ گدھوں جیسے جانور اتر رہے ہیں۔ میں نے سخت شور و غل بھی سنا مجھے حضور ﷺ کے بارے میں خوف ہوا۔ پھر سیاہ پر چھائیاں سی چھا گئیں جو میرے اور آپ ﷺ کے درمیان حائل ہو گئیں یہاں تک کہ میں آپ کی آواز نہیں سن سکتا تھا۔ پھر جس طرح بادل بکھرتے ہیں وہ پر چھائیاں نکلنے نکلنے ہوئے لگیں۔ حضور ﷺ فجر کی نماز کے وقت فارغ ہوئے تو آپ میرے پاس تشریف لائے۔ آپ نے پوچھا کیا تو سو گیا تھا؟ میں نے عرض کی نہیں یا رسول اللہ ﷺ اللہ کی قسم میں نے کئی دفعہ ارادہ کیا کہ لوگوں سے مدد طلب کروں یہاں تک کہ میں آپ کی آواز سنتا کہ آپ اپنے عصا کو کھٹکھٹاتے اور فرماتے بیٹھ جاؤ۔ فرمایا اگر

آپ اس دائرے سے باہر آتے تو مجھے خوف تھا کہ ان میں سے کوئی تجھے اچک لیتا، پھر آپ نے فرمایا کیا تو نے کوئی چیز دیکھی ہے؟ میں نے عرض کی ہاں میں نے ایسے سیاہ رنگ کے لوگ دیکھے تھے جن پر سفید کپڑے تھے۔ آپ نے فرمایا وہی نصیبین کے جن تھے۔ انہوں نے مجھ سے زادراہ کے بارے میں پوچھا تھا تو میں نے ان کے لئے موٹی ہڈی، لید اور مینگنیاں معین کر دی ہیں۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ لوگ اسے آلودہ کر دیتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے ہڈی اور گوہر وغیرہ سے استنجاء کرنے سے منع کر دیا۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ یہ انہیں کیا فائدہ دے گا۔ فرمایا وہ کوئی ہڈی نہیں پائیں گے مگر اس پر گوشت ملے گا۔ وہ گوہر نہیں پائیں گے مگر اس سے وہ دانے پائیں گے جن سے گوہر بنتا ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں نے بہت زیادہ شور و غل سنا تھا۔ فرمایا جنوں میں ایک مقتول کے بارے میں جھگڑا تھا۔ انہوں نے میرے سامنے اپنا مسئلہ پیش کیا۔ میں نے ان میں حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا پھر رسول اللہ ﷺ ظاہر ہوئے۔ پھر میرے پاس تشریف لائے، فرمایا کیا تیرے پاس پانی ہے؟ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میرے پاس برتن میں نیند ہے۔ آپ نے وہی طلب کی۔ میں نے آپ کے ہاتھوں پر اسے اٹھایا۔ آپ نے وضو کیا، فرمایا یہ عمدہ کھجور ہے اور پاک کرنے والا پانی ہے۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے علی بن محمد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ ہمیں اسماعیل بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے انہوں نے داؤد رحمۃ اللہ علیہ سے انہوں نے عامر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہا میں نے علقمہ سے سوال کیا کہ کیا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ لیلۃ الجن کو حضور ﷺ کے ساتھ تھے؟ تو علقمہ نے کہا میں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے سوال کیا تھا کہ کیا لیلۃ الجن کو تم میں سے کوئی حضور ﷺ کے ساتھ تھا تو کہا ہم ایک رات رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے کہ آپ ہمارے درمیان سے اٹھ کر تشریف لے گئے۔ ہم نے آپ کو دادیوں اور گھانیوں میں تلاش کیا۔ ہم نے کہا آپ کو کوئی چیز اڑا کر لے گئی ہے یا آپ کے ساتھ کوئی دھوکہ ہو گیا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا وہ رات مسلمانوں کے لئے بدترین رات تھی۔ حضور ﷺ نے فرمایا جنوں کا داعی میرے پاس آیا۔ میں اس کے ساتھ گیا تھا۔ میں نے ان پر قرآن پڑھا۔ پھر حضور ﷺ ہمیں ساتھ لے کر گئے اور ہمیں جنوں اور آگ کے آثار دکھائے۔ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جنوں نے حضور ﷺ سے اپنی خوراک کے بارے میں پوچھا۔ یہ جزیرہ کے جن تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے لئے ہر وہ ہڈی خوراک ہے جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔ وہ ہڈی تمہارے ہاتھ لگے تو اس میں تمہارے لئے گوشت ہوگا اور یہ مینگنیاں تمہارے جانوروں کے لئے چارہ ہوں گی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان دونوں چیزوں کے ساتھ استنجاء کرو کیونکہ تمہارے جن بھائیوں کی خوراک ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے جاٹ قوم کے لوگوں کو دیکھا تو کہا کہ لیلۃ الجن کو میں نے جن جنوں کو دیکھا تھا یہ ان کے مشابہ ہیں۔

میرے نزدیک ظاہر یہ ہے کہ جنوں نے نبی کریم ﷺ سے قرآن اس وقت سنا تھا جب آپ ﷺ عکاظ کی منڈی میں جا رہے تھے اور طائف سے واپس آرہے تھے۔ یہ پہلا واقعہ تھا۔ اسی کا ذکر قل او حی الی میں ہوا ہے۔ جہاں تک لیلۃ الجن جس کا ذکر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کیا وہ اس کے بعد کا واقعہ ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے سورۃ احقاف کی تفسیر میں کہا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ نخلہ کے مقام پر جب جنوں نے حضور ﷺ سے قرآن کو سنا تو ان میں سے ایک جماعت نے ایمان قبول کر لیا۔ پھر اپنی قوم کی طرف پلٹ گئے اور انہیں خبردار کیا تو ان کی دعوت کی وجہ سے ستر جن حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے

جلال اور عظمت ہے۔ مجاہد، مکرمہ اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح کہا ہے۔ اسی سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جب کوئی آدمی سورہ بقرہ اور آل عمران پڑھ لیتا تو اس کی قدر ہم میں بڑھ جاتی۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جلد کا معنی امر ہے۔ حسن رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی غناء ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا اس کا معنی قدرت ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی فعل ہے۔ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق پر نعمتیں ہیں۔ انفوش رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جلد کا معنی ملک ہے۔ (1)

اسے یہ خبر کے بعد خبر ہے گویا یہ اس کی تاکید اور اس کا بیان ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی عظمت کسی کو بیوی بنانے اور بیٹا بنانے سے بلند و بالا ہے جس طرح ان لوگوں کی شان ہے جن کی پرورش کی جارہی ہے۔ گویا انہوں نے قرآن حکیم کا ایک ایسا حصہ سنا جس نے انہیں ان کی ایسی خطا پر آگاہ کیا جس کا عقیدہ میں وہ ارتکاب کرتے تھے جیسے عبادت میں شرک، بیوی اور بچے کو اس کی طرف منسوب کرنا۔

وَأَنْتَ كَانُ يَقُولُ سَفِيهُنَا عَلَى اللَّهِ شَطَطًا ۗ وَأَنَا ظَنُّنَا أَنَّ لَنَا تَقْوَالَ الْإِنْسِ
وَالْجِنُّ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا ۗ

”اور (یہ راز بھی کھل گیا کہ) ہمارے احمق اللہ کے بارے میں ناروا باتیں کہتے رہے اور ہم تو یہ خیال کئے ہوئے تھے کہ انسان اور جن اللہ کے بارے میں کبھی جھوٹ نہیں بول سکتے۔“

۱۔ سفید سے مراد جاہل ہے۔ قتادہ اور مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا اس سے مراد ابلیس ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا اس سے مراد سرکش جن ہے۔ شططا ترکیب کلام میں قولاً مصدر محذوف کی صفت ہے، مگر مفعول مطلق ہے۔ اس کا معنی دوری ہے یعنی ایسی بات کی جو اللہ تعالیٰ کی شان سے بہت ہی بعید ہے۔ یا اس کا معنی حکم میں ناانسانی کرنا اور حد سے تجاوز کرنا ہے۔ قاموس میں ہے شط علیہ فی حکم یعنی اس پر ظلم کیا مقدار اور حد سے تجاوز کیا اور حق سے دور ہوا، یعنی سفید اللہ تعالیٰ پر ناحق بات کرتا۔ ناحق فیہلہ کرتا یہاں اس سے مراد بیوی اور بچے کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا ہے۔

۲۔ سفید کی جو وہ بیوی کرتے رہے اس پر معذرت کر رہے ہیں کیونکہ جن یہ گمان کرتے تھے کہ ان کا سردار اللہ تعالیٰ پر جھوٹ نہیں بولے گا۔ کذباً یہ مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے کیونکہ جھوٹ بھی قول کی قسم ہے۔ یا مفعول بہ ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے اور یہ تقویٰ کا مقولہ ہے۔ یا یہ مصدر محذوف کی صفت ہے اور کذباً اسم مفعول کے معنی میں ہے۔ ابو جعفر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے باب تفعیل سے تقول پڑھا ہے۔ اس صورت میں یہ مفعول مطلق ہوگا کیونکہ تقول کا معنی جھوٹ ہوتا ہے۔ ظننا کے بعد ان مصدر یہ ہے یا خلفہ ہے۔ دونوں آیتوں کا معنی یہ ہوگا کہ ہمیں یقین ہو گیا کہ ہمارے سردار کی بات حق سے دور ہے اور وہ حکم میں ظلم کرنے والا ہے اور ہم جو یہ گمان کرتے تھے کہ جن جھوٹ نہیں بولتا وہ باطل تھا۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ حضور ﷺ کی بعثت سے قبل جن آسمان میں ایسی جگہوں پر بیٹھے جہاں سے وہ فرشتوں کی آوازیں سن لیتے وہ فرشتوں کی تسبیح اور دوسرے کلام کو سننے کے باوجود ان کے اپنے سردار کی اتباع اور ان کے اس گمان کی کیا توجیہ ہو سکتی ہے کہ جن اللہ تعالیٰ پر جھوٹ نہیں بول سکتا۔ وہ اکثر فرشتوں کا کلام سنتے رہے اور ایمان نہ لائے جبکہ انہوں نے ایک دفعہ حضور ﷺ سے قرآن حکیم سنا تو ایمان لے آئے، اس کی کیا توجیہ ہوگی۔ میں اس کا جواب یہ دوں گا ایمان وہی چیز ہے اور اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے اس عطیہ

خداوندی کا حصول واسطہ سے ہی ممکن ہے جو واسطہ اپنی عظیم الشان استعداد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ مناسبت معنویہ رکھتا ہو اور اللہ تعالیٰ سے فیض کو حاصل کرے اور مخلوقات کے ساتھ صوری مناسبت کی وجہ سے مخلوقات پر اس کا فیضان کرے یہ واسطہ انبیاء ہی ہو سکتے ہیں کیونکہ انہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ معنوی مناسبت ہے کیونکہ انبیاء کے تعین کا مبداء اور مربی اللہ تعالیٰ کی صفات عالیہ ہیں۔ نیز انبیاء کو نزول کے مراتب میں کمال کی وجہ سے مخلوقات کے ساتھ صوری مناسبت ہوتی ہے۔ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ تو فرشتوں جیسی مناسبت حاصل ہے مگر انہیں مخلوقات کے ساتھ مناسبت نہیں کیونکہ وہ بہت بلند ہیں اور انہیں نزول کے مراتب حاصل نہیں۔ اسی وجہ سے جن ان سے متاثر نہ ہوتے فرشتوں سے اگرچہ انہوں نے ہدایت کے کلمات سنے پھر بھی ایمان نہ لائے کیونکہ انہیں سرکش جنوں اور شیاطین کے ساتھ کامل مناسبت تھی۔ اس لئے ان سے متاثر ہوتے۔ اسی طرح لوگ ان انبیاء سے متاثر نہ ہوتے جو نزول کے مراتب میں کمال پر فائز نہ تھے جبکہ حضور ﷺ سے لوگ متاثر ہوتے کیونکہ آپ بنیادی اور تہی کمالات کی طرف دعوت دینے والے تھے۔ نیز آپ عروج و نزول کے درجات کو جامع تھے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا بلکہ جن و انس سب کی طرف مبعوث کیا۔ اسی وجہ سے آپ کی ہدایت کے نور سے تمام جہانوں نے نور حاصل کیا اور آپ کی ہدایت کی ضو سے جمہور مکلفین نے ضیاء پائی۔ صرف وہی محروم رہا جس کے دل اور کانوں پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔ اللہ تعالیٰ نے جس میں ہدایت قبول کرنے کی استعداد ہی پیدا نہ فرمائی ہو تو اس سے اللہ تعالیٰ کے بعد کون ہدایت عطا فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہی جس کے حق میں چاہتا ہے اسے صراط مستقیم کی ہدایت عطا فرماتا ہے۔ حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا یہی معنی ہے کہ لوگوں نے حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت اس لئے قبول نہ کی کیونکہ آپ ﷺ مرتبہ عروج کے کمال پر فائز تھے اور آپ کی امت آپ سے مناسب نہ رکھتی تھی جبکہ حضور ﷺ کی دعوت کو لوگوں نے قبول کیا کیونکہ آپ عروج اور نزول دونوں کے مرتبہ کمال پر فائز تھے۔

وَأَنَّهُ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْإِنسِ يَعُوذُونَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوهُمْ رَهَقًا ۝۱

”اور یہ کہ انسانوں میں سے چند مرد پناہ لینے لگے جنات میں سے چند مردوں کی پس انہوں نے بڑھا دیا جنوں کے غرور کو۔“

۱۔ ہ ضمیر ضمیر شان ہے۔ ابن منذر، ابن ابی حاتم اور ابن ابی شیبہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے کروم بن سائب انصاری سے نقل کیا ہے کہ میں اپنے باپ کے ساتھ کے ایک کام کے لئے مدینہ کی طرف نکلا۔ یہ وہ وقت تھا جس میں رسول اللہ ﷺ کا ذکر ہو رہا تھا۔ ہمیں ایک چرواہے کے پاس رات گزارنا پڑی۔ جب نصف رات ہوئی تو ایک بھیڑیا آیا۔ اس نے ایک مینا پکڑ لیا۔ چرواہا اس پر جھپٹ پڑا۔ اس نے کہا اے وادی کے مالک یہ تیری پناہ میں تھا۔ کسی ندا کرنے والے نے ندا کی جسے ہم نہیں دیکھ رہے تھے اے سر جان (بھیڑیے) اسے چھوڑ دو۔ مینہ دوڑتا ہوا آیا یہاں تک کہ ریوڑ میں داخل ہو گیا اور اسے خراش تک نہیں آئی۔ اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ میں اپنے رسول پر اس بارے میں اس آیت کو نازل فرمایا (۱)۔ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے ابورجاء عطار دی سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی جب کہ میں گھر والوں کی بکریاں چراتا اور ان کے دوسرے کام سرانجام دیتا۔ اسی زمانہ میں ہم گھر سے بھاگ کر نکل کھڑے ہوئے۔ ہم بے آباد جگہ پہنچے۔ جب ہمیں ایسی جگہ رات ہو جاتی تو ہمارا شیخ کہتا ہم اس وادی کے جنوں کے سردار کی پناہ مانگتے ہیں۔ تو اس نے اسی طرح کہا تو ہمیں (غیب سے) کہا گیا اس وادی کی پناہ کا راستہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت دینا ہے جس نے اس کا اقرار کیا اس

کی جان اور مال محفوظ ہو گیا (یہ سن کر) ہم اسلام کی طرف لوٹ آئے۔ ابورجاء نے کہا میرا خیال تو یہ ہے کہ یہ آیت میرے اور میرے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی (1)۔ جزائمی نے اپنی کتاب ہوائف الجن میں اپنی سند کے ساتھ سعید بن جبیر سے نقل کیا کہ بنو تمیم کا ایک آدمی جسے رافع بن عمیر کہتے۔ وہ اپنے اسلام لانے کا واقعہ بیان کرتا کہ ایک رات میں عالج کے ریگستان میں سفر کر رہا تھا کہ مجھے نیند آ گئی۔ میں اپنی سواری سے نیچے اتر ا۔ اونٹنی کو بٹھایا اور خود سو گیا۔ میں نے سونے سے پہلے تعویذ پڑھا۔ میں نے کہا میں اس وادی کے بڑے جن کی پناہ چاہتا ہوں۔ میں نے خواب میں ایک آدمی کو دیکھا جس کے ہاتھ میں برچھا تھا جو میری اونٹنی کی گردن میں مارنا چاہتا تھا۔ میں گھبرا کر جاگ گیا۔ میں نے دائیں بائیں دیکھا مگر کوئی چیز نہ دیکھی۔ میں نے کہا یہ برا خواب ہے۔ پھر سو گیا تو میں نے پھر اسی طرح ایک آدمی دیکھا۔ میں جاگ گیا میں نے اپنی اونٹنی کے ارد گرد چکر لگایا مگر کوئی چیز نہ دیکھی۔ میں کیا دیکھتا ہوں کہ میری اونٹنی کانپ رہی ہے۔ میں پھر سو گیا۔ پھر وہی خواب دیکھتا ہوں۔ میں جاگ جاتا ہوں اور اپنی اونٹنی کو کانپتا ہوا دیکھتا ہوں۔ میں مڑتا ہوں تو ایک نوجوان دیکھتا ہوں جس کی شکل و صورت ایسی ہی تھی جیسا آدمی میں نے خواب میں دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں برچھا تھا اور ایک بوڑھا شخص اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھا جو اسے برچھا مارنے سے روک رہا تھا۔ اسی اثناء میں کہ وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے تین جنگلی بیل اس طرف آئے۔ بوڑھے نے نوجوان سے کہا اٹھو اور ان میں سے جو چاہو پکڑ لو۔ وہ اس آدمی کی اونٹنی کا فدیہ ہوگا۔ وہ نوجوان اٹھا اور بڑا بیل پکڑ لیا اور چلا گیا۔ پھر بوڑھا میری طرف متوجہ ہوا اور کہا اے فلاں جب تم کسی وادی میں اترو اور تمہیں اس سے خوف لاحق ہو تو یہ کہو اَعُوذُ بِرَبِّ مُحَمَّدٍ مِّنْ هَؤُلَاءِ الْوَادِي فِي هَذَا الْوَادِي میں اس وادی کے خوف سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں جو حضور ﷺ کا رب ہے، کسی جن کی پناہ طلب نہ کرو کیونکہ اب اس کا معاملہ باطل ہو چکا ہے۔ میں نے پوچھا محمد کون ہے؟ تو اس بوڑھے نے جواب دیا وہ نبی عربی ہے نہ شرقی ہے نہ غربی، اسے پیر کے روز مبعوث کیا گیا۔ میں نے پوچھا اس کی رہائش کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا یثرب جو کھجوروں والا شہر ہے۔ جب صبح ہوئی تو میں اپنی سواری پر سوار ہو گیا۔ میں تیز رفتاری سے چلا یہاں تک کہ مدینہ طیبہ پہنچا۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے دیکھا۔ آپ نے میرے بتانے سے پہلے ہی سارا واقعہ ذکر کر دیا۔ پھر آپ ﷺ نے مجھے اسلام کی دعوت دی تو میں نے اسلام قبول کر لیا۔

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے کہا ہم یہی خیال کرتے تھے یہ آیت کریمہ اسی کے بارے میں نازل ہوئی (2)۔ انسانوں نے جنوں کے سرداروں سے پناہ چاہنے کے ساتھ انہیں زیادہ گناہ گار بنا دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا دھقا کا معنی گناہ ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی سرکشی ہے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی گمراہی ہے۔ حسن رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی برائی ہے۔ ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی عظمت ہے۔ اسی وجہ سے جن کہا کرتے تھے کہ ہم جنوں اور انسانوں کے سردار بن گئے (3)۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ جنوں نے انسانوں کی گمراہی میں اضافہ کر دیا اس طرح کہ انسانوں کو اتنا گمراہ کیا کہ لوگ جنوں کی پناہ چاہنے لگے۔ دھق کا معنی کسی چیز کو ڈھانپ لینا ہے یہاں اس سے ممنوع اعمال اور گناہ کا ارتکاب کرنا ہے اس جملہ میں ان کا یہ اعتراف موجود ہے کہ ان کا عقیدہ غلط ہے۔

وَأَنَّهُمْ ظَنُّوا كَمَا ظَنَنْتُمْ أَن لَّنْ يَبْعَثَ اللَّهُ أَحَدًا ۗ

”اور ان انسانوں نے بھی یہی گمان کیا جیسے تم گمان کرتے ہو کہ اللہ کسی کو رسول بنا کر مبعوث نہیں کرے گا۔“

اے ہم ضمیر سے مراد انسان ہیں، یعنی انسانوں نے اسی طرح گمان کیا جس طرح اے جنو! تم نے گمان کیا کہ اللہ تعالیٰ موت کے بعد کسی کو دوبارہ نہیں اٹھائے گا ان لن یبعث یہ دو منفعولوں کے قائم مقام ہے۔ پہلے وہ ظن فاسد رکھتے تھے مگر قرآن کے نازل ہونے کے بعد وہ غیب پر ایمان لے آئے تو اے جنو! تم بھی قیامت پر اسی طرح ایمان لے آؤ جس طرح وہ ایمان لائے ہیں۔ یہ جنوں نے ایک دوسرے سے کلام کی۔ یہ تاویل اس صورت میں ہوگی جب ہم انہم کے ہمزہ کو مکسور پڑھیں گے مگر جب اس کے ہمزہ پر فتح پڑھیں تو یہ جملہ اور ماقبل جملہ معترضہ ہوں گے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کلام ہوگا اور ان کا عطف اندہ استمع پر ہوگا۔ اس تقدیر کی صورت میں آیت کا معنی یہ ہوگا کہ جنوں نے اسی طرح گمان کیا جس طرح اے کفار تم نے گمان کیا کہ قیامت برپا نہ ہوگی۔ جب قرآن نازل ہوا اور جنوں نے سنا تو وہ قیامت پر ایمان لے آئے تو اے کفار تم پر لازم ہے کہ جس طرح وہ ایمان لائے تم بھی ایمان لاؤ۔

وَأَنَّا لَنَسْنَا السَّمَاءَ فَوَجَدْنَا حَرَاسًا شَدِيدًا وَأَشْهُبًا ۝

”اور (سنو) ہم نے سناؤنا چاہا آسمان کو تو ہم نے اس کو سخت پیروں اور شہابوں سے بھرا پایا۔“

اے ہم نے حضور ﷺ کی بعثت کے بعد آسمان تک پہنچنا چاہا۔ ظاہر یہ ہے کہ یہاں السماء سے مراد بادل ہیں کیونکہ السماء کا اطلاق ہر اس چیز پر ہوتا ہے جو تیرے اوپر ہو۔ اس تاویل پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث دلالت کرتی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ فرشتے بادل میں اترتے ہیں اور آسمان میں جس امر کا فیصلہ ہو چکا ہوتا ہے اس کا ذکر کرتے ہیں تو شیاطین ان باتوں کو چوری چھپے سن لیتے ہیں۔ پھر ان باتوں کو کانہوں تک پہنچاتے ہیں جو ان باتوں کے ساتھ سو جھوٹ ملا دیتے ہیں۔ اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا (1)۔ اگر یہ کہا جائے کہ بعض روایات میں ایسے الفاظ واقع ہوئے ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں السماء سے مراد آسمان ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ آسمان میں کسی بات کا فیصلہ فرماتا ہے تو فرشتے عاجزی کا اظہار کرتے ہوئے اپنے پر ہلاتے ہیں تو ایسی آواز پیدا ہوتی ہے جس طرح چٹان پر زنجیر لگنے سے آواز پیدا ہوتی ہے۔ جب کلام ختم ہو جاتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں تمہارے رب نے کیا ارشاد فرمایا تو دوسرے فرشتے کہتے ہیں اس نے جو کہا حق کہا ہے جبکہ وہ بلند اور بڑا ہے۔ چوری چھپے سننے والے اسے سن لیتے ہیں۔ اسی طرح بعض بعض کو یہ کلام پہنچاتے ہیں۔ ان کا یہ عمل اس لئے تھا تا کہ وہ اللہ کا حکم سن لیں۔ چوری چھپے سننے والا پھر اسے نیچے والے پر القاء کرتا ہے یہاں تک کہ آخر میں جادو گر یا کاہن پر القاء کرتا ہے، کبھی القاء کرنے سے پہلے اوپر والے کو شہابیہ آ پہنچتا ہے اور کبھی شہابیہ پہنچنے سے پہلے وہ القاء کر دیتا ہے تو وہ ساتھ ساتھ سو جھوٹ ملا دیتا ہے۔ اس حدیث کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ (2)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے جب ہمارا رب کوئی حکم دیتا ہے تو عرش کو اٹھانے والے فرشتے اس کی تسبیح کرتے ہیں پھر عرش کے ساتھ والے آسمان کے فرشتے اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں یہاں تک کہ یہ تسبیح آسمان دنیا تک آ پہنچتی ہے۔ پھر عرش اٹھانے والے پوچھتے ہیں تمہارے رب نے کیا حکم دیا ہے تو دوسرے فرشتے نہیں بتاتے ہیں۔ پھر ایک آسمان والے دوسرے آسمان والوں سے پوچھتے ہیں یہاں تک کہ یہ بات آسمان دنیا تک آ پہنچتی ہے تو جن ان باتوں کو اچک لیتے ہیں۔ تو وہ اپنے چیلوں تک پہنچا دیتے ہیں۔ جو بات وہ اس خبر کے مطابق کریں وہ سچی ہوتی ہے لیکن وہ اس میں اضافہ اور مبالغہ کرتے ہیں۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (3)۔ ہم کہتے ہیں ان دونوں حدیثوں اور جو احادیث ان کے ہم معنی ہیں ان میں ایسی کوئی دلیل

نہیں کہ جن آسمان دنیا سے خبر لیتے ہیں۔ اس کا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ خبر آسمان دنیا تک پہنچی ہو۔ پھر آسمان دنیا والے بادل تک اترتے ہوں اور آسمان میں جو فیصلہ ہوا ہو اس کا ذکر کرتے ہوں تو چوری چھپے سننے والے جن اس خبر کو سن لیتے ہوں اور جنوں میں سے بعض بعض سے اوپر ہوتے ہوں اور بادل تک ان کی قطار ہوتی ہو اس طرح آسمان کے ستاروں کے شہابے انہیں آلیتے ہوں۔

فوجدناھا میں ھا ضمیر سے مراد السماء (آسمان) ہے۔ حوسا اسم جمع ہے جس طرح خدم اسم جمع ہے۔ حوسا کا معنی نگہبان ہے۔ شدید کا معنی قوی ہے، یعنی طاقتور فرشتے انہیں سننے سے روکتے ہیں۔ شہب شہاب کی جمع ہے۔ یہ آگ کا شعلہ ہے جو ستاروں سے الگ ہوتا ہے۔

وَأَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ۖ فَمَنْ يَسْتَمِعِ الْآنَ يَجِدْ لَهُ شِهَابًا رَّصَدًا ۗ

وَأَنَّا لَنُنَادِيهِمْ أَشْرًا لِمَا يَكْسِبُونَ فِي الْأَرْضِ ۚ أَذْهَبْنَا لَهُمْ رِشْدًا ۗ

”اور پہلے تو ہم بیٹھ جایا کرتے تھے اس کے بعض مقامات پر سننے کے لئے لیکن اب جو (جن) سننے کی کوشش کرے گا تو وہ پائے گا اپنے لئے کسی شہاب کو انتظار میں لے اور ہم نہیں سمجھتے (اس کی کیا وجہ ہے) کیا کسی شرکاء ارادہ کیا جا رہا ہے زمین کے کینوں کے بارے میں یا ان کے رب نے ان کو ہدایت دینے کا ارادہ فرمایا ہے؟“

لے ھا ضمیر السماء کی طرف لوٹ رہی ہے جس سے مراد بادل ہیں یہ مقاعد سے حال ہے کیونکہ ذوالحال نکرہ ہے۔ اس لئے حال مقدم ہے۔ مقاعد سے مراد ایسی جگہیں ہیں جو نگہبانوں اور شہابیوں سے خالی ہیں جو تاڑنے اور سننے کے مناسب ہیں۔ یہ نقعد کی ظرف ہے۔ للسمع یہ نقعد کے متعلق ہے یا یہ مقاعد کی صفت ہے۔ جو حضور ﷺ کی بعثت کے بعد سننے کی کوشش کرے گا وہ اپنے لئے تاڑنے والا شہاب ہے پائے گا اور رجم کے ذریعے اسے منع کر دے گا۔ رصد یا تو مصدر ہے اور اسم فاعل کے معنی میں ہو کر شہاب کی صفت ہے یا یہ راصد سے اسم جمع ہے اور شہاب سے پہلے ذوی کا لفظ محذوف ہے۔ یہ جنوں کے لئے حضور ﷺ کا معجزہ ہے جس کی وجہ سے جن ایمان لائے۔

لے آسمان کی نگہبانی کی وجہ ہم پہلے نہیں جانتے تھے مگر اب جب ہم نے قرآن کو سنا تو ہمیں معلوم ہوا کہ اس رکاوٹ کی وجہ اس نبی کی بعثت ہے یہاں تک کہ یہی امر معجزہ بن گیا۔ اب کا ہن اس قسم کی خبر لانے سے عاجز ہیں۔ اس سے یہ امر ظاہر ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے عالمین کی ہدایت کا ارادہ کیا ان تینوں آیات میں قرآن کی حقانیت اور رسول اللہ ﷺ کی صداقت پر دلیل ہے۔ شر اور خیر اگرچہ دونوں اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور ارادہ سے واقع ہوتے ہیں لیکن خیر کے ارادہ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف صراحت اور شر کے ارادہ کی نسبت کنایہ کی صورت میں ہے، یعنی مجہول کا صیغہ ذکر فرمایا۔

وَأَنَّا مِمَّا الصَّالِحُونَ وَمِمَّا دُونَ ذَلِكَ ۖ كُنَّا ظُرَاقًا قِدَادًا ۗ

”اور ہم میں بعض نیک بھی ہیں اور بعض اور طرح کے ہم بھی تو کئی راستوں پر گامزن ہیں“

لے صالحون سے مراد وہ جن ہیں جو تورات، دوسری آسمانی کتابوں اور سابقہ انبیاء پر ایمان لائے۔ دونوں ذلک سے پہلے قوم موصوف محذوف ہے۔ طرائق سے پہلے ذوی کا لفظ محذوف ہے، یعنی ہم مختلف مذہب رکھتے ہیں یا احوال کے مختلف ہونے میں ہماری حالت بھی ایسی ہے جیسی مختلف راستوں کی ہوتی ہے۔ قداد کا معنی متفرق ہے۔ یہ جملہ کنا طرائق قداد سابقہ جملے انا منا

الصالحون کے مضمون کی تاکید ہے۔ قددا یہ قدہ کی جمع ہے جس کا معنی ٹکڑا ہے۔ حسن بصری اور سدی رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا جن بھی تمہاری مثل ہیں یعنی قدریہ، مرجیہ، رافضی (1) وغیرہ۔ ان کی آپس میں گفتگو انا منا الصالحون یہ مابعد آیات کی تمہید ہے، یعنی ہمارا ایمان لانا اور رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کرنا کوئی نیا امر نہیں بلکہ اس سے قبل بھی جن مختلف حالتوں میں تھے، کچھ صالح تھے اور کچھ اس کے علاوہ تھے، اگرچہ ہم نے غلط بات میں اپنے سردار کی اتباع کی۔ لیکن جب ہم نے قرآن کو سنا تو ہمیں یقین ہو گیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے۔ ہم نے ہدایت کو سنا، اس پر ایمان لائے جس طرح ہمارے بعض پیشرو ایمان لائے تھے۔

وَأَنَّا ظَنَنَّا أَن لَّن نَّعْجِزَ اللَّهَ فِي الْأَرْضِ وَلَكِن نُّعْجِزُكَ هَرَبًا ۗ وَأَنَّا لَبَسْنَا عَلَىٰ
الْهُدَىٰ أَمْنَابِهِ ۖ فَمِنْ يُؤْمِنُ بِرَبِّهِ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَلَا رَهَقًا ۗ

”اور (اب) ہمیں یقین ہو گیا ہے کہ ہم زمین میں بھی اللہ تعالیٰ کو ہرگز عاجز نہیں کر سکتے اور نہ بھاگ کر اسے ہرا سکتے ہیں لے اور (اے جن بھلاؤ!) ہم نے جب پیغام ہدایت سنا تو ہم اس پر ایمان لے آئے پس جو شخص اپنے رب پر ایمان لاتا ہے تو اسے نہ کسی نقصان کا خوف ہوتا ہے اور نہ ظلم کا۔“

۱۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تعلیم دینے اور اس کی ہدایت سے ہم نے جان لیا اور ہمیں یقین ہو گیا۔ یا اس کا معنی یہ ہوگا ہم اس سے پہلے گمان کرتے تھے۔ یا اس کا معنی یہ ہوگا کورات میں جو کچھ ہے اس کے جاننے کی وجہ سے ہم یقین رکھتے تھے کہ ہم زمین میں جہاں کہیں بھی ہوں۔ اگر اللہ تعالیٰ ہمارے بارے میں کسی برائی کا ارادہ کرے تو ہم اس کی گرفت سے باہر نہیں ہو سکتے اور نہ ہی زمین سے آسمان کی طرف بھاگ کر اسے عاجز کر سکتے ہیں۔ یہ تعبیر اس وقت درست ہوگی جب ہم ہر با کو حال بنائیں گے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ ہر بامفعول مطلق ہو۔ تقدیر کلام یہ ہوگی نہرب ہر با یا یہ مفعول لہ ہو۔ تقدیر کلام یہ ہوگی نعجزہ للهرب۔ یا ظرف ہو تو تقدیر کلام یہ ہوگی نعجزہ فی الهرب یا نسبت فاعلی سے تمیز ہو نعجزہ ہر با۔

۲۔ ہدی سے مراد قرآن ہے کیونکہ قرآن ہدایت کا سبب ہے۔ ہم قرآن سن کر ایمان لائے۔ اس لئے اے جنوں کی ہماری قوم تم بھی ایمان لاؤ۔

فمن یؤمن برہ یہ شرط ہے۔ اس پر فاء سببیہ ہے اور اس کی جزاء بعد میں ہے۔ فلا یخاف جملہ فعلیہ مبتدا منذوف کی خبر ہے۔ جو ہو ہے تقدیر کلام یہ ہوگی فہو لا یخاف۔ بخص کا معنی جزاء میں کمی اور رھق کا معنی زلت کا چھا جانا ہے یا اس کا معنی ہے انہیں اطاعت میں کوتاہی اور ظلم کرنے کی جزاء کا خوف نہیں ہوگا کیونکہ قرآن پر ایمان لانے کا حق یہ ہے کہ انسان ان چیزوں (طاعت میں کمی اور ظلم) سے اجتناب کرے۔

وَأَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُونَ وَمِنَّا الْقَاسِطُونَ ۖ فَمِنَ الْأَسْلَمِ فَأُولَٰئِكَ تَحَرَّوْا وَّاسَدًا ۗ وَ
أَمَّا الْقَاسِطُونَ فَكَانُوا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ۗ

”اور بے شک ہم میں سے کچھ تو فرمانبردار ہیں اور کچھ ظالم تو جنہوں نے اسلام قبول کیا تو انہوں نے حق کی راہ تلاش کر لی لے اور جو حق سے منحرف ہوتے ہیں تو وہ جہنم کا ایندھن ہیں لے۔“

۱۔ مسلموں سے مراد نیک اور قاسطون سے مراد حق سے انحراف کرنے والے ہیں۔ جب کوئی آدمی عدل کرے تو اس وقت کہتے ہیں اقسط الرجل اور جب کوئی ظلم کرے تو اس وقت کہتے ہیں قسط الرجل۔ یہاں اس جملہ کا ذکر کیا جبکہ اس سے قبل اس کے مضمون کو انا منا الصالحون و منا دون ذلك میں ذکر کیا تاکہ یہ دونوں فریقوں کی حالت کی تفصیل کی تمہید ہو۔ یہاں سے اس کی حالت کی تفصیل بیان کی جا رہی ہے جبکہ سابقہ کلام میں صرف یہ بتانا مقصود تھا کہ اسلام کوئی نئی چیز نہیں۔ یہ بھی احتمال ہے کہ جن جنوں نے قرآن حکیم سنا ان میں سے بعض مسلمان ہو گئے اور بعض مسلمان نہ ہوئے تو یہ ان مسلمان جنوں کا اس وقت کا مقولہ ہو جب وہ واپس لوٹ آئے؟ جو مسلمان ہو گئے انہوں نے اس راستے کا قصد کیا جو فلاح تک لے جانے والا تھا۔

۲۔ جس طرح دنیا کی آگ کو ایندھن سے جلایا جاتا ہے۔ اسی طرح تمہارے ساتھ جہنم کی آگ کو جلایا جائے گا۔ ان سات جملوں "انا لمسنا السماء سے لے کر انا منا المسلمون" کے بارے میں کوئی شک نہیں کہ یہ جنوں کا کلام ہے۔ اس لئے ان پڑھنے میں کوئی قدغن نہیں۔ اگر ان پر ہمیں تو یہ تکلف کرنا ضروری ہوگا کہ ان کا عطف آنا بہ کے جار مجرور پر ہے۔ ان جملوں کا عطف انہ استمع نفر من الجن پر کرنے کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ یہ امر ظاہر ہے مخفی نہیں۔

۳۔ بد پر عطف کرنے کی صورت میں معنی یہ ہوگا ہم قرآن پر ایمان لائے اور آفاق میں موجود اس کے معجزات کا ہمیں یقین ہو گیا جن کا اظہار لمنا السماء سے وانا کنا نفعل منها مقاعد سے اور انا لاندري ما اراد الله بالشهب سے ہوتا ہے یہاں تک کہ ہم نے قرآن اور اس کے معجزات کے بارے میں سنا اور نفسوں میں جو اس کی تاثیر ہے اس کے بارے میں ہمیں یقین حاصل ہوا اور ہمیں یہ علم ہوا کہ ہم میں سے صالح بھی ہیں اور کچھ دوسرے بھی اور ہمیں یہ بھی یقین ہوا کہ ہم اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے۔ ہم نے ہدایت کو سنا اس پر ایمان لائے اور ہمیں یقین ہو گیا کہ ہم میں سے جو مسلمان تھے انہوں نے ہدایت کو پالیا ہے جو ظالم اور حق سے انحراف کرنے والے ہیں وہ جہنم کا ایندھن ہیں۔

مسئلہ:۔ ائمہ اس بات پر متفق ہیں کہ جنوں میں سے جو کافر ہیں انہیں جہنم میں عذاب دیا جائے گا جس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے: **وَأَمَّا الْقَاسِطُونَ فَكَانُوا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا**۔ ان جنوں میں سے جو مومن ہیں ان کے ثواب کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ ایک قوم کا یہ خیال ہے ان کا ثواب یہی ہے کہ انہیں جہنم سے نجات مل گئی۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استدلال کیا ہے: **وَأَمْثَلُوا بِهِ يَغْفِر لَكُمْ مِنْ ذُنُوبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ**۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہی نقطہ نظر ہے سفیان نے لیث سے یہی نقل کیا ہے کہا جنوں کا ثواب یہی ہے کہ انہیں جہنم سے پناہ دے دی جائے گی۔ پھر انہیں کہا جائے گا چوپاؤں کی طرح مٹی ہو جاؤ۔ ابی الزیاد سے مروی ہے کہا جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دیا جائے گا مومن جنوں کو کہا جائے گا مٹی ہو جاؤ تو وہ مٹی ہو جائیں گے اس موقع پر کافر کہے گا ہائے کاش میں مٹی ہو جاتا (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارے میں توقف کیا ہے کیونکہ حضور ﷺ کا فرمان ہے اللہ تعالیٰ نے جس امر کو مبہم رکھا ہے اسے مبہم رکھو، اللہ تعالیٰ نے جنوں میں سے جو کافر ہیں ان کے عذاب کا تو ذکر کیا ہے، ان میں سے جو مطیع ہیں ان کے ثواب کا ذکر نہیں کیا۔ صرف اتنا بتایا ہے کہ انہیں جہنم سے پناہ دی جائے گی۔ دوسرے علماء نے یہ کہا اچھے اعمال کی صورت میں ان کے لئے ثواب ہوگا جس طرح گناہ کی صورت میں ان کے لئے عذاب ہوگا۔ یہی حکم انسانوں کے لئے ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ابی یعلیٰ رحمۃ اللہ

علیہ کا یہی مسلک ہے۔ جریر نے ضحاک رحمہما اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے کہ جن جنت میں داخل ہوں گے، کھائیں گے اور پیئیں گے۔ اسے ابوالشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے۔ نقاش نے اپنی تفسیر میں حدیث ذکر کی ہے وہ (جن) جنت میں داخل ہوں گے۔ ان سے پوچھا گیا کیا وہ نعمتیں پائیں گے تو انہوں نے جواب دیا اللہ تعالیٰ ان کے دل میں تسبیح اور ذکر القاء کرے گا تو جن ان سے وہ لذت حاصل کریں گے جو انسان جنت کی نعمتوں سے لذت حاصل کریں گے۔ میں کہتا ہوں شاید انہوں نے مومن جنوں کو ملائکہ کے ساتھ ملا دیا ہے۔ طاء بن منذر نے کہا میں نے حمزہ بن حبیب سے پوچھا کیا جنوں کے لئے ثواب ہے؟ کہا ہاں اور یہ آیت تلاوت کی لَمْ يَطْمِئِنُّنَّ اَنْسُ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ۔ ساتھ ہی کہا انسانوں میں ایسی عورتیں انسانوں کے لئے اور جنوں میں سے ایسی عورتیں جنوں کے لئے ہوں گی۔ ابوالشیخ نے ضحاک رحمہما اللہ تعالیٰ کی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ تمام مخلوق تین حصوں میں تقسیم ہوگی۔ ایک مخلوق سب کی سب جنت میں ہوگی۔ وہ فرشتے ہیں۔ ایک مخلوق مکمل جہنم میں ہوگی۔ دو قسم کی مخلوق جنت اور جہنم میں ہوگی۔ ان کے لئے عذاب اور ثواب ہے۔ ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ان سے پوچھا گیا کیا جنوں کے لئے ثواب اور عتاب ہے؟ فرمایا ہاں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

أُولَئِكَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِي أُمِّهِمْ أَن كَانُوا مِنَّا وَلَئِن لَّمْ يَظْهَرُوا مِنَّا لَإِنَّا لَنُؤَذِّبُكُمْ فِي سَعَاتِكُمْ وَاللَّيْلُ كَأَن لَّمْ يَأْتِكُم مِّنَ النَّوْمِ ۚ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ۚ

عمر بن عزیز نے کہا مومن جن جنت کے ارد گرد میدانوں میں ہوں گے وہ جنت میں نہیں ہوں گے جو علماء جنوں کے حق میں ثواب کے قائل ہیں وہ عمومی آیات سے استدلال کرتے ہیں جیسے إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا۔ اسی طرح کی دوسری آیات ہیں جو سورہ رحمن میں وارد ہیں جہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلِمَن خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّاتٌ ۖ فِيهَا أَيْ آيَةُ الْآلَاءِ مَا تَكْتُمُ بَيْنَ يَدَيْهِ خُورٌ مَّقْصُورَةٌ فِي الْخَيْبِ ۖ فِيهَا أَيْ آيَةُ الْآلَاءِ مَا تَكْتُمُ بَيْنَ يَدَيْهِ لَمْ يَطْمِئِنُّنَّ اَنْسُ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ ۖ فِيهَا أَيْ آيَةُ الْآلَاءِ مَا تَكْتُمُ بَيْنَ يَدَيْهِ حُورٌ دیا ہے کہ دلالت عرف کی وجہ سے ان عمومی آیات کو انسانوں پر محمول کیا جائے گا کیونکہ اہل عرف اس سے انسان ہی سمجھتے ہیں جہاں تک سورہ رحمن میں آيَةُ الْآلَاءِ مَا تَكْتُمُ بَيْنَ يَدَيْهِ سے جو خطاب کیا گیا ہے اس میں جنوں اور انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی عمومی نعمتیں جھٹلانے پر شرمندہ کیا گیا۔ خصوصاً اس نعمت کے جھٹلانے پر شرمندہ نہیں کیا گیا جس کا ذکر اس آیت سے پہلے ہوا۔ یہ خصوصی نعمت کیسے مراد ہو سکتی ہے جبکہ بعض آیات میں نعمت کا تصور ہی ممکن نہیں جیسے يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شَوْاظٌ مِّن نَّارٍ وَنُحَاسٌ فَلَا تَلْبَسُونَ ۖ فِيهَا أَيْ آيَةُ الْآلَاءِ مَا تَكْتُمُ بَيْنَ يَدَيْهِ يُعْرَفُ الْمُجْرِمُونَ بِسِيمَاهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالسَّوَابِكِ وَالْأَقْدَامِ ۖ فِيهَا أَيْ آيَةُ الْآلَاءِ مَا تَكْتُمُ بَيْنَ يَدَيْهِ اسی طرح کی دوسری آیات بھی ہیں۔ بعض آیات میں ایسی نعمتوں کا ذکر ہے جو صرف انسانوں کے ساتھ خاص ہیں جنوں کے ساتھ خاص نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَلِلَّهِ الْجَوَابِرُ الْمُسْتَكْبِرِينَ ۖ فِيهَا أَيْ آيَةُ الْآلَاءِ مَا تَكْتُمُ بَيْنَ يَدَيْهِ۔ یہ بھی احتمال موجود ہے کہ جنت کی نعمتیں انسانوں کے ساتھ خاص ہوں اور جن و انس کو خطاب اس لئے ہو کہ جن و انس نے جو عمومی نعمتوں کی ناشکری کی ہے اس پر انہیں شرمندہ کیا جائے۔

میرے نزدیک صحیح بات وہ ہے جو جمہور کا نقطہ نظر ہے۔ امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما کا نقطہ نظر بھی یہی ہے۔ صاحبین فرماتے ہیں جس نے جنوں کے لئے ثواب کو ثابت کیا ہے تو اس کا قول دلیل اور شہادت پر مبنی ہے جبکہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ وہ کسی دلیل پر مبنی نہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت ابن عباس، حضرت عمر عبدالعزیز رضی اللہ عنہما اور ان جیسے ثقہ صحابہ اور تابعین کے اقوال مرفوع حکمی ہوں گے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے انہوں نے نبی کریم ﷺ

۱۔ اس کا عطف ان لو استقاموا پر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ مساجد سے مراد وہ جگہیں ہیں جو نماز کے لئے بنائی گئی ہوں۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جب یہود و نصاریٰ اپنی عبادت گاہوں میں داخل ہوتے تو وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے تو اللہ تعالیٰ نے مومنین کو حکم دیا کہ وہ جب مسجد میں داخل ہو جائیں تو اپنی دعاؤں کو اللہ کے لئے خالص کریں یہاں مساجد سے مراد تمام مساجد ہیں (1)۔ مساجد کے پاک رکھنے کا حکم دیا، فرمایا میرے گھر کو طواف کرنے والوں کے لئے پاک رکھو۔ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا اپنی مساجد کو بچوں، مجنون، معبودان باطلہ، خرید و فروخت، جھگڑوں، آواز بلند کرنے، حدود قائم کرنے، تلواریں سونٹنے سے دور رکھو، اس کے دروازوں پر لوٹے رکھو، اور جمعہ کے موقع پر اس میں دھونی دو (2)۔ اسے ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے واصلہ سے مرفوع روایت کیا ہے اور مسجد میں شعر پڑھنے، خرید و فروخت کرنے اور جمعہ کے روز نماز سے پہلے مسجد میں حلقے بنانے سے منع کیا ہے (3) اسے ابو داؤد اور ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ نے عمرو بن شعیب سے روایت کیا انہوں نے اپنے باپ سے روایت کیا انہوں نے دادا سے روایت کیا ہے فرمایا مسجد میں ریشہ پھینکنا خطا ہے اس کا کفارہ اسے دفن کرنا ہے (4)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے مجھ پر میری امت کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں یہاں تک جو آدمی مسجد سے نکلا ہر پھینکتا ہے وہ بھی پیش کیا جاتا ہے۔ اسے ابو داؤد اور ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا جس نے کسی کو مسجد میں اپنی گمشدہ چیز کا اعلان کرتے ہوئے سنا تو وہ کہے اللہ تعالیٰ تیری چیز تجھ پر نہ لوٹائے کیونکہ مساجد اس کام کے لئے نہیں بنائی گئیں۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی اور دارمی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے اور یہ الفاظ زائد ذکر کئے ہیں جب تم کسی کو دیکھو کہ وہ مسجد میں خرید و فروخت کرتا ہے تو کہو اللہ تعالیٰ تیری تجارت میں نفع پیدا نہ فرمائے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا مساجد سے مراد تمام جگہیں ہیں کیونکہ اس امت کے لئے تمام زمین کو مسجد بنا دیا گیا ہے (5)۔ معنی ہوگا کسی جگہ بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کی عبادت نہ کرو۔ ابن ابی حاتم نے ابو صالح رحمہما اللہ تعالیٰ کے واسطے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جنوں نے عرض کی کیا آپ اجازت دیتے ہیں کہ ہم آپ کی مسجد میں آپ کے ساتھ نماز میں شامل ہوں تو اللہ تعالیٰ نے آیت کو نازل فرمایا۔ ابن جریر نے جبیر رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہا جنوں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا ہم مسجد میں کیسے حاضر ہوں جبکہ ہم آپ سے بہت دور رہتے ہیں یا کہا ہم نماز میں کیسے حاضر ہوں جبکہ ہم آپ سے بہت دور رہتے ہیں تو یہ آیت نازل ہوئی (6)۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ مساجد سے مراد وہ اعضاء ہیں جن کے ساتھ سجدہ کیا جاتا ہے، یعنی یہ اعضاء اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے گئے ہیں، ان کے ساتھ کسی اور کی تعظیم بجانہ لاؤ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے سات ہڈیوں پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے پیشانی، ہاتھ، گھٹنے، دونوں قدموں کی طرف، وہ نہ کپڑوں کو سینے اور نہ ہی بالوں کو۔ (7)

۲۔ ضمیر ضمیر شان ہے۔ نافع اور ابو بکر رحمہما اللہ تعالیٰ نے ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ ان جملوں کو جملہ مستانہ کے طور پر پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے ان کے ہمزہ پر فتح پڑھا ہے۔ اس کا عطف اس کلام پر ہے جو وحی کی گئی۔

2- سنن ابن ماجہ، جلد 1، صفحہ 408، حدیث: 750 (العلویہ)

4- صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 207 (التجاریہ)

7- ایضاً

6- ایضاً

1- تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 134 (التجاریہ)

3- جامع ترمذی، جلد 1، صفحہ 43 (وزارت تعلیم)

5- تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 134 (التجاریہ)

عبداللہ سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہے۔ یہاں لفظ عبد ذکر کیا رسول اور نبی ذکر نہیں کیا۔ مقصود تو واضح کا اظہار ہے کیونکہ یہ کلام اس طرح واقع ہے جس طرح حضور ﷺ اپنے بارے میں کلام کر رہے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ یہ شعور دلانا مقصود ہے کہ آپ کے قیام کا تقاضا کرنے والی چیز یہی ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا عبودیت کمال کا انتہائی مرتبہ ہے۔ بدعوہ یہ عبداللہ سے حال ہے۔ معنی ہوگا وہ اس کی عبادت کرتا ہے اور اس کا ذکر کرتا ہے۔ ہشام نے لبد کو لام کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے لام کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ لبدہ کی جمع ہے۔ لبد کا اصل معنی ایک دوسرے پر جمع ہونا ہے۔ حضرت حسن بصری، قتادہ اور ابن زید رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا اس کا معنی ہے جب اللہ کا بندہ تو حید کی طرف دعوت دینے کے لئے کھڑا کیا تو قریب تھا کہ جن اور انسان آپ کی دعوت کو باطل کرنے کے لئے جمع ہو جاتے۔ وہ ارادہ یہ رکھتے تھے کہ وہ اپنے بندے سے اللہ کا نور بھجادیں جبکہ اللہ تعالیٰ اپنے نور کو مکمل کرنا چاہتا ہے اور جو اس نور سے دشمنی کرے اللہ تعالیٰ اپنے نور کی مدد فرمائے گا (1)۔ یہ معنی بھی ہو سکتا ہے جب اللہ کا بندہ نخلہ کے مقام کھڑا ہوا کہ دعوت دے اور قرآن کی قرات کرے تو جن قرآن سننے کے شوق میں تہ در تہ جمع ہونے لگے کیونکہ ان کی تعداد بہت زیادہ تھی۔

قُلْ إِنَّمَا أَدْعُوا رَبِّي وَلَا أُشْرِكُ بِهِ أَحَدًا ۝ قُلْ إِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ صَرًّا وَلَا رَشَدًا ۝ قُلْ إِنِّي لَنْ يُخَيِّرَنِي مِنَ اللَّهِ أَحَدٌ ۝ وَلَنْ أجدَ مِنْ دُونِهِ مُتَحَدًّا ۝

”آپ فرمائیے میں تو بس اپنے رب کی عبادت کرتا ہوں اور شریک نہیں ٹھہراتا اس کا کسی کو۔ آپ فرمائیے (اللہ کے اذن کے بغیر) نہ میں تمہیں نقصان پہنچانے کا اختیار رکھتا ہوں اور نہ ہدایت کا۔ آپ فرمائیے مجھے اللہ تعالیٰ سے کوئی پناہ نہیں دے سکتا اور نہ میں پاسکتا ہوں اس کے بغیر کہیں پناہ۔“

عاصم، حمزہ اور ابو جعفر رحمہم اللہ تعالیٰ نے امر کا صیغہ قل پڑھا ہے اور یہ مابعد کے موافق ہے جبکہ باقی قراء نے ماضی کا صیغہ پڑھا ہے یعنی اللہ کے بندے نے کہا میں اپنے رب کی عبادت کرتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا تو تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم میری دعوت کو روکنے کے لئے اتفاق کر رہے ہو۔ یا معنی یہ ہے جب جن آپ کی کلام کے مشتاق ہوئے تو آپ نے کہا میں اپنے رب کی عبادت کرتا ہوں، تم بھی اللہ کی عبادت کرو اور کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کفار مکہ نے نبی کریم ﷺ سے کہا آپ نے بہت بڑا کام کر دیا ہے، اس سے رجوع کر لو، ہم آپ کو پناہ دے دیں گے تو یہ اور مابعد آیت نازل ہوئی۔ (2) میں تمہارے نفع اور نقصان کا مالک نہیں یا تمہاری گمراہی اور ہدایت کا مالک نہیں۔ ایک اسم کو اپنے ذاتی اسم اور دوسرے کو اس کے سبب یا مسبب کے نام سے ذکر کیا۔ مقصود یہ شعور دلانا تھا کہ یہاں دونوں معنی مراد ہیں۔

ملتحدا کا معنی پناہ گاہ ہے، یعنی اگر اللہ تعالیٰ مجھے سزا دینے کا ارادہ کرے تو میں اس پناہ گاہ میں پناہ لے لوں۔ یہ دونوں مستاتھ جملے گویا مقدر سوال کا جواب ہیں کہ وہ کفار جنہوں نے میری دعوت کو روکنے کے لئے اتفاق کر لیا ہے۔ جب وہ یہ کہیں اگر آپ نبی ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے اوپر عذاب لے آئیں یا کفار یہ کہیں اپنے دین سے رجوع کر لیں پھر ہم آپ کو پناہ دیں گے تو میں کیا کہوں۔ یہ احتمال بھی موجود ہے کہ پہلا جملہ اس مقدر سوال کا جواب ہو کہ جن میری زیارت اور ملاقات کا اشتیاق رکھتے ہیں کیونکہ ان کا بھیڑ کرنا اس بات پر دلیل ہے کہ نبی کریم ﷺ ان کے نفع اور نقصان کے مالک ہیں۔ یا دوسرا جملہ پہلے جملے کے مضمون کی تاکید ہے

کہ حضور ﷺ اس کے مالک نہیں۔ ابن جریر نے حضرت رحمہما اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے کہ جنوں کے سردار نے اپنے تبعین سے کہا کہ محمد ﷺ ارادہ رکھتے ہیں کہ ہم جن انہیں پناہ دیں تو میں انہیں پناہ دیتا ہوں تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ (1)

إِلَّا بَلَاغًا مِّنَ اللَّهِ وَرِسَالَاتِهِ ۗ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ لَهُ نَارًا جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا أَبَدًا ۖ

”البتہ میرا فرض صرف یہ ہے کہ پہنچا دوں اللہ کے احکام اور اس کے پیغامات پس (اب) جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی تو اس کے لئے جہنم کی آگ ہے جس میں (یہ نافرمان) ہمیشہ رہیں گے۔“

۱۔ رسالت کا عطف بلاغاً پر ہے۔ استثناء یا تولا املک سے ہے کیونکہ تبلیغ، راہنمائی کرنا اور نفع دینا ہے۔ درمیان میں جملہ معترضہ ہے جو استطاعت کی نفی کی تاکید بیان کرتا ہے۔ اس لئے اجنبی چیز سے فاصلہ لازم نہیں آتا۔ معنی یہ ہوگا میں تمہارے لئے تکلیف دور کرنے اور ہدایت دینے کا مالک نہیں مگر میں تبلیغ کرنے اور پیغام حق پہنچانے کا مالک ہوں۔ یا یہ احدا اور ملتحدہ سے تازع فعلین کے طریقہ پر مستثنیٰ ہے۔ معنی یہ ہوگا اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں کوئی بھی کسی پناہ گاہ میں مجھے پناہ نہیں دے گا مگر تبلیغ اور پیغام حق پہنچانا مجھے پناہ گاہ دے گا کیونکہ تبلیغ اور پیغام حق پہنچانا اللہ تعالیٰ کی جانب سے مجھ پر فرض ہے۔ یہی مجھے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچائے گا اور اگر میں نے ایسا نہ کیا تو وہ مجھے عذاب دے گا۔ حسن اور مقاتل رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا اس کا معنی یہ ہے میں تمہارے حق میں خیر و شر اور ہدایت کا مالک نہیں لیکن میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے پیغام حق پہنچانے والا ہوں (2) (یعنی الا لکن کے معنی میں ہے)۔ ایک قول یہ کیا گیا الا یہ ان لا سے مرکب ہے، ان شرطیہ ہے اور لانا فیہ ہے اور شرط کی جزاء محذوف ہے اور سابقہ جزاء پر ہی اکتفا کیا گیا ہے۔ معنی یہ ہوگا اگر میں تمہیں وہ پیغام نہ پہنچاؤں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھ پر فرض ہے تو اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں مجھے کوئی پناہ نہیں دے گا۔ جو توحید کے معاملہ میں اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی خلاف ورزی کرے گا اور وہ ایمان نہیں لائے گا اس کے لئے جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

فعل مضارع يعص اور له کی ضمیر واحد ہے۔ یہ من کے لفظ کے اعتبار سے ہے اور خالدين کی ضمیر جمع ہے۔ یہ من کے معنی کے اعتبار سے ہے ومن يعص اللہ کے جملہ کا عطف مقدر جملے پر ہے، یعنی میں تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغام پہنچانے کا مالک ہوں جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے وہی ہدایت یافتہ ہیں اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو اس کے لئے عذاب جہنم ہے۔ حتیٰ اذا راوا یا تو یكونون علیہ لبداء کی غایت ہے اگر اس سے مراد کفار کا اجتماع ہو اور مقصد حضور ﷺ کے امر کو باطل کرنا ہو۔ ورنہ یہ کلام محذوف کی غایت ہوگا جس پر حال دلالت کرتا ہے کہ کفار حضور ﷺ کو کمزور جانتے اور آپ کی نافرمانی کرتے گویا یہ کہا گیا وہ ہمیشہ آپ کی نافرمانی کرتے رہیں گے اور آپ کو کمزور جانتے رہیں گے۔

حَتَّىٰ إِذَا سَاءَ وَءَادُوْنَ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ أَضْعَفُ نَاصِرًا وَّ أَقَلُّ عَدَدًا ۖ

قُلْ إِنْ أَدْرِيْٓ أَقْرَبُ مَا تُوْعَدُوْنَ أَمْ يَجْعَلُ لَّهُ سَرِيًّا ۖ

”یہاں تک کہ جب وہ دیکھ لیں گے (وہ عذاب) جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے تو انہیں پتہ چل جائے گا کہ کون ہے جس کا مددگار کمزور ہے اور جس کی تعداد کم ہے ۱۔ آپ فرمائیے (میں اپنی سوچ بچار سے) نہیں جانتا کہ وہ دن قریب

ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے یا مقرر کر دی ہے اس کے لئے میرے رب نے لمبی مدت ۱۔

۱۔ مابعدون سے مراد یا تو دنیا کا عذاب ہے جس طرح بدر کا واقعہ یا موت کی گھڑی ہے کیونکہ جو آدمی مر جاتا ہے اس کے لئے قیامت قائم ہو جاتی ہے جو جہنم پر مشتمل ہے جبکہ قیامت موت سے بہت بڑی مصیبت اور سخت تکلیف دہ ہے۔ جب وہ ساعت قائم ہو جائے گی تو انہیں علم ہو جائے گا کہ کس کے مددگار کمزور ہیں اور ان کی تعداد کم ہے ان کے یا حضور ﷺ کے یہ جملہ استفہامیہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے فرمان فسبعللمون کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے بعض کفار نے کہا یہ وعدہ کب برپا ہوگا تو مابعد آیت نازل ہوئی۔

۲۔ اے محمد ﷺ میں نہیں جانتا کہ جس عذاب یا ساعت کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ قریب ہے یا میرے رب نے اس کے لئے لمبی مدت معین کی ہے۔ قریب خبر مقدم ہے اور مابعد مبتداء موخر ہے یا قریب دوسری قسم کا مبتداء ہے اور مابعد اس کا فاعل ہے۔ مابعدون سے مراد عذاب اور قیامت ہے۔ نافع ابن کثیر اور ابو عمرو جہما اللہ تعالیٰ نے ربی کی یا کوفتہ کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ امد سے مراد غایت اور اجل ہے کیونکہ اس کی مدت بہت طویل ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ یہ جملہ استفہامیہ اوری کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے۔

عَلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا ۝ إِلَّا مَن ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ فَإِنَّهُ
يَسْأَلُكَ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ مَرَدًّا ۝

” (اللہ تعالیٰ) غیب کو جاننے والا ہے پس وہ آگاہ نہیں کرتا اپنے غیب پر کسی کو سوا بجز اس رسول کے جس کو اس نے پسند

فرمایا ہو (غیب کی تعلیم کے لئے) تو مقرر کر دیتا ہے اس رسول کے آگے اور اس کے پیچھے محافظ ۱۔

۱۔ علم الغیب یہ ربی کی صفت ہے یا مبتداء محذوف کی خبر ہے جو ہو ضمیر ہے۔ گویا یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان لا ادری کی علت ہے۔ غیب سے مراد وہ چیز ہے جو ابھی تحقق نہ ہو جسے قیامت کی خبریں یا پائے جانے کے بعد معدوم ہو جائے جس طرح کائنات کے آغاز کی خبریں اور ماضی کے واقعات جن کی روایت کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے۔ رہے اللہ تعالیٰ کے اسماء اور اس کی توفیقی صفات جن پر کوئی دلیل دلالت نہیں کرتی جو بندوں سے غائب ہیں اور جن پر کوئی دلیل اور برہان دلالت کرتی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا موجود ہونا، اس کا واجب ہونا، اس کا واحد ہونا اور اس کی صفات کمال سے متصف ہونا جبکہ وہ نقص اور زوال سے پاک ہے یہ غیب میں سے نہیں بلکہ یہ شہادت میں سے ہے کیونکہ عالم اس پر گواہی دیتا ہے۔ اسی طرح عالم کے حادث ہونے کا مسئلہ یہ بھی غیب میں سے نہیں بلکہ یہ عالم شہادت میں سے ہے کیونکہ اس کے قابل تغیر ہونے کا مشاہدہ کیا جاتا ہے اور اس کا قابل تغیر ہونا اس کے حدوث پر دلالت کرتا ہے۔ یہ غیب کی وہ قسمیں ہیں جن کا علم اللہ تعالیٰ کی توفیق کے بغیر ممکن نہیں۔ غیب کی ایک قسم وہ ہے جو بعض کے اعتبار سے غیب ہے جس طرح جنوں کے احوال اور بعض اشیاء جو دور ہیں ان کے احوال۔ یہ انسانوں کے اعتبار سے تو غیب ہیں جنوں کے اعتبار سے غیب نہیں۔ اسی وجہ سے انسانوں نے یہ گمان کیا کہ جن غیب جانتے ہیں حالانکہ وہ بھی وہی کچھ جانتے ہیں جن کا وہ مشاہدہ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصہ میں فرمایا کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کا جسد اطہر زمین یوس ہو تو جنوں کو معلوم ہوا اگر وہ غیب جانتے تو وہ ذلت آمیز مصیبت میں نہ رہتے۔ اسی طرح آسمان کے حالات زمین والوں کے لئے غیب ہیں آسمان والوں کے لئے غیب نہیں مشرق والوں کے احوال مغرب والوں کے لئے غیب ہیں۔ علم غیب کی اس قسم کا علم کبھی وحی اور الہام کے ذریعے

حاصل ہوتا ہے، کبھی حجاب اٹھانے کے ساتھ اور کبھی درمیانی حجابات شفاف کرنے کی صورت میں حاصل ہوتا ہے۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا میں حجر میں موجود ہوں اور قریش مجھ سے سفر معراج کے بارے میں پوچھ رہے ہیں۔ انہوں نے مجھ سے بیت المقدس کی کچھ چیزیں پوچھیں جو مجھے یاد نہ تھیں۔ مجھے سخت پریشانی ہوئی، اس جیسی پریشانی مجھے کبھی لاحق نہ ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے درمیان سے پردے اٹھادیئے اور میں اسے دیکھنے لگا۔ وہ مجھ سے جس چیز کے بارے میں بھی سوال کرتے میں انہیں بتا دیتا (1)۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ابو عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک لشکر بھیجا جس پر ایک آدمی کو امیر بنایا جس کا نام ساریہ تھا۔ ایک روز آپ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے تو آپ بلند آواز سے پکارنے لگے یا ساریۃ العجل اسے ساریہ پہاڑ کی طرف ہو جاؤ (2)۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت نجاشی کا وصال ہوا تو ہم آپس میں باتیں کرتے تھے کہ ان کی قبر پر ہمیشہ نور دکھائی دیتا ہے۔ جب حجابات اٹھادیئے جائیں تو وہ علم غیب سے نہیں رہتا بلکہ وہ علم شہادت میں سے ہو جاتا ہے اگر چہ وہ معجزہ اور کرامت میں سے ہو۔ (3)

ع من ارتضیٰ میں ضمیر عائشہ صوفیہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے پسندیدہ بندوں پر علم غیب کبھی کبھی ظاہر کر دیتا ہے تاکہ وہ اس کے لئے معجزہ ہو جائے وہ اطاعت شعاروں کو بشارت دیتا ہے اور نافرمانوں کو ڈراتا ہے۔

رسول کا لفظ بشر اور فرشتوں کو عام ہے۔ نیز رسول کا لفظ انبیاء کو بھی شامل ہے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو لوگوں کی طرف احکام کی تبلیغ کے لئے بھیجا۔ رسول کے لفظ کو ایسی ذات کے ساتھ خاص کرنا جسے نئی شریعت اور کتاب دی گئی ہو یہ اصطلاح ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ عموم مجاز کے طریقہ پر رسول کا لفظ اولیاء کو شامل ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے علماء انبیاء کے وارث ہیں (4)۔ اسے امام احمد، امام ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی رحمہما اللہ تعالیٰ نے کثیر بن قیس کی حدیث، ابن بخاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اور ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔ علماء زمین کے چراغ اور انبیاء کے خلیفہ ہیں یا میرے اور انبیاء کے وارث ہیں۔ ابن عقیل رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے، علماء رسولوں کے امین ہیں جب تک بادشاہوں سے میل جول نہ رکھیں اور دنیا میں نہ گھس جائیں۔

اہل سنت و جماعت نے کہا اولیاء کی کرامات ان کے نبی کا معجزہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ہم نے کسی رسول کو نہیں بھیجا مگر اس کی قوم کی زبان میں پیغام عطا کرنے والا جبکہ اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین کو تمام لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔ تو اہل سنت نے علماء اور اولیاء میں سے حضور ﷺ کے تبعین کو آپ کی زبان قرار دیا تاکہ حضور درست ہو۔ لسان قومہ میں اضافت کا استغراق اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ رسول کا لفظ اولیاء کو شامل ہو۔ اگر انہیں بطور کرامت علم غیب حاصل ہو تو نقص لازم نہیں آتا۔ اگر رسول کا لفظ انہیں شامل نہ ہو تو ہم یہ کہیں گے کہ یہاں علم سے مراد علم قطعی ہے اور اولیاء کو الہام اور دوسرے طریقوں سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ ظنی ہوتا ہے قطعی نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے صوفیاء کہتے ہیں کہ جو علم صوفیاء کو حاصل ہوتے ہیں انہیں کتاب و سنت پر پیش کرنا ضروری ہے۔ اگر وہ علوم کتاب و سنت کے مطابق ہوں تو انہیں قبول کیا جائے کیوں کہ جو چیز قطعی دلیل کے مطابق ہو وہ خود قطعی ہوتی ہے، اگر اس کے مخالف ہو تو اسے رد کر دیا جائے۔ علماء نے کہا ہر حقیقت جسے شرع رد کر دے وہ زندقہ ہے۔ اگر شریعت اس بارے میں خاموش ہو تو خطا کے احتمال

2- مشکوٰۃ المصابیح، جلد 3، صفحہ 318، حدیث: 5954 (الفکر)

1- صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 96 (قدیمی)

4- جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 93 (وزارت تعلیم)

3- سنن ابی داؤد، جلد 2، صفحہ 322 (دارالکتب العربیہ بیروت)

أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلَكِنْ لَا تُبْصِرُونَ ہم تم سے زیادہ اس کے قریب ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَخُنْ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلَكِنْ لَا تُبْصِرُونَ ہم تم سے زیادہ اس کے قریب ہیں لیکن تم دیکھتے نہیں یعنی اے عوام اسے دیکھنا تمہارے بس کی بات نہیں اللہ تعالیٰ جسے دکھائے وہ اسے دیکھ سکتا ہے اولیاء کو یہ علم انبیاء کے واسطے ملتا ہے اگرچہ درمیان میں کتنے ہی واسطے کیوں نہ ہوں۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان وَخُنْ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْكُمْ میں خطاب تمام لوگوں کو ہے۔ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ تمام لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے بارے میں علم حضوری ہو اور اس علم سے بڑھ کر ہو جو انسان کو اپنے نفس کے بارے میں ہے۔

ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں بات اسی طرح ہے لیکن علم زندگی کے تابع ہے زندگی کے بغیر علم کا تصور نہیں کیا جا سکتا سورہ ملک میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ زندگی کی چار قسمیں ہیں، ان میں سے ایک قسم وہ ہے جو معرفت کو لازم ہے۔ یہ زندگی تجلیات ذاتی اور تجلیات صفاتی سے عبارت ہے۔ اسی زندگی کو حاصل کرنے کے لئے علم کسی اور تصوف کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے اگر یہ دوسرا علم (علم حضوری) قطعی ہے تو اس میں خطا کیوں واقع ہوتی ہے۔ صوفیاء کے اقوال کیوں مختلف ہوتے ہیں۔ بعض اوقات ان سے غلطی بھی واقع ہوتی ہے جس پر ان کے اقوال کا تعارض دلالت کرتا ہے۔ یہ تعارض اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ دو متنافی چیزوں میں سے ایک غلط ہے ان میں سے بعض تو حید و جود کی کا قول کرتے ہیں اور بعض تو حید شہودی کا قول کرتے ہیں۔ اسی طرح کے دوسرے اختلاف ہیں۔ میں کہتا ہوں اختلاف علم حضوری کے جاننے میں ہوتا ہے علم حضوری میں اختلاف نہیں ہوتا۔ بعض اوقات یہ اختلاف اس کے بیان کرنے اور تصویر کشی میں ہوتا ہے کیونکہ لغت میں ان معانی کو بیان کرنے کے لئے الفاظ وضع ہی نہیں کئے گئے۔

فارسی کا ایک شعر ہے:

گفتگوئے کفر و دین آخر بیک جامی کشد خواب یک خوابت باشد مختلف تعبیر ہا
دین و کفر کی گفتگو نے آخر کار ایک ہی جامہ اپنا لیا خواب ایک ہی ہے جس کی تعبیریں مختلف ہیں

شعر میں کفر سے مراد طریقت کا ذکر ہے جسے تو حید و جود کی کہتے ہیں دین سے مراد شریعت ہے۔ اس مقام پر کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ خالق اور مخلوق کے درمیان ایسی نسبت ہے جو کوئی سی دو فرض کی گئی چیزوں کے درمیان نہیں کیونکہ خالق تو صرف وہی ہے۔ اس لئے یہ ممکن نہیں کہ کوئی اور نسبت اسی نسبت کے مشابہ ہو خالق کی مخلوق کے ساتھ جو نسبت ہے وہ نقاش کی نقش اور نچار (بڑھئی) کی پیالہ کے ساتھ نہیں کیونکہ پیالے کا مادہ لکڑی اور نقش کا مادہ رنگ ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ بڑھئی کے عمل کے بعد جو خاص صورت سامنے آتی ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے بڑھئی کا عمل بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے، خواہ معجزہ ذلیل و رسوا ہوں بڑھئی تو بعض معاملات میں کا سب ہے تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اتنی بات بھی نہیں سمجھتے۔

دو چیزیں جو خارج یا ذہن میں موجود ہوتی ہیں ان میں نسبت عینیت کی ہوتی ہے یا غیریت کی ہوتی ظلیت کی ہوتی ہے یا کوئی اور جس کا عقل میں ادراک کیا جاتا ہے۔ ان کا اس نسبت سے کوئی تعلق نہیں جو خالق اور مخلوق کے درمیان ہے بلکہ وہ نسبت ان نسبتوں سے ماوراء ہے۔ اس کے لئے کوئی ایسا لفظ بھی وضع نہیں کیا گیا جو اس پر دلالت کرے بعض اوقات اس نسبت کو یوں بیان کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کا عین نہیں تو یہ قول وہم دلاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کا غیر ہے یا مخلوق اس کا ظل ہے کبھی یوں تعبیر کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کا غیر ہے اور وہاں ظلیت کی نسبت بھی نہیں تو اس سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا عین ہے۔ پھر کبھی بطور مجاز یوں کہا جاتا ہے کہ اللہ

تعالیٰ تمام اشیاء کا عین ہے کیونکہ عینیت اور غیریت کا سلب (نفی) آپس میں لازم و ملزوم ہیں۔ کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوقات کا غیر ہے اور کبھی کہا جاتا ہے کہ مخلوقات اس کا نکل ہیں۔ یہ اختلاف اور تعارض علم حضوری کے مراتب کی تعبیر میں ہے کیونکہ عبادات کا جامہ ان کے تعبیر کرنے میں تنگ ہے۔ اس مقام پر بہترین تعبیر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: **لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ** ان تصورات سے مقدس و علم لدنی ہے۔ وہ علوم نہیں جو ظنون میں حاصل ہوتے ہیں کیونکہ ان کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا کیونکہ ظن حق کا فائدہ نہیں دیتا، واللہ اعلم۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اولیاء کے علوم مستثنیٰ میں داخل ہیں یا مستثنیٰ منہ سے خارج ہیں کیونکہ یہ ظنی ہیں تو تمہارا کاہنوں اور نجومیوں کے علم نیز طبیب جو امراض کا علم رکھتے ہیں یا جن چیزوں میں مریضوں کے لئے شفا ہوتی ہے اور نباتات کے خواص وغیرہ کا علم رکھتے ہیں ان کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے کیونکہ خبریں اور تجربات اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ ان کی بعض خبریں سچی ہوتی ہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابی ناظور سے ایلیا کے حاکم کی حدیث نقل کی ہے جبکہ وہ مسلمان ہو گیا تھا۔ وہ بیان کرتا ہے کہ ہر قل بیت المقدس آیا۔ ایک روز اس کی طبیعت میں سخت اضمحلال تھا۔ ایک سردار نے عرض کیا آج ہم آپ کی طبیعت عجیب دیکھتے ہیں۔ ہر قل علم نجوم کا ماہر تھا۔ جب ساتھیوں نے اس سے سوال کیا تو اس نے جواب دیا آج کی رات جب میں ستاروں کا مطالعہ کر رہا تھا تو میں نے دیکھا تختہ کرنے والی قوم کا بادشاہ ظاہر ہو گیا ہے۔ پھر ہر قل نے اپنی رائے اپنے نجومی ساتھی کو لکھ بھیجی۔ اس کا یہ ساتھی بھی علم نجوم میں گہری نظر رکھتا تھا۔ اس کی رائے بھی ہر قل کی رائے کے موافق تھی کہ نبی کا ظہور ہو چکا ہے اور وہ نبی برحق ہے اس نے اس کا اظہار خط میں کیا تھا۔ یہ بات بھی درست ہے کہ کاہنوں اور نجومیوں نے فرعون کو بتایا تھا کہ حضرت موسیٰ ظاہر ہوں گے اور اس کی بادشاہت کا زوال بنی اسرائیل کے ایک بچے کے ذریعے ہوگا۔ اسی وجہ سے فرعون بنی اسرائیل کے بچوں کو ذبح کر دیتا اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھتا (1)۔ ہم اس کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ کاہنوں کا جو علم واقع کے مطابق ہوتا ہے وہ ہوتا ہے جو وہ فرشتوں سے سنتے ہیں۔ ملائکہ اللہ کے رسول ہیں لیکن کاہن اور شیاطین اپنی طرف سے ان میں جھوٹ ملا دیتے ہیں۔ اسی وجہ سے شرع نے ان کی تصدیق کرنے سے منع کیا ہے۔ حضور ﷺ کی بعثت کے بعد جنوں کو چوری چھپے سننے سے یا تو مطلقاً منع کر دیا گیا یا عموماً منع کر دیا گیا۔ اسی طرح کہانت کا سلسلہ باطل ہو گیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے کاہنوں کے بارے میں پوچھا گیا اور عرض کی گئی کبھی کبھی وہ سچی باتیں کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا یہ دو بات ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے جسے جن اچک لیتا ہے پھر اپنے دوست کو مرئی کے ٹھونکے کی طرح القا کر دیتا ہے پھر وہ لوگ اپنی طرف سے سینکڑوں باتیں اس میں ملا لیتے ہیں، متفق علیہ۔ (2)

جہاں تک علم طب اور علم نجوم کا تعلق ہے تو ان کی بنیاد تجربہ پر ہے۔ تجربہ علم شہادت سے تعلق رکھتا ہے علم غیب سے تعلق نہیں رکھتا مگر زیادہ مناسب یہ ہے کہ یہ دونوں علم یعنی ادویہ اور طبائع کے خواص کا علم، اسی طرح ستاروں کے خواص یعنی سعادت اور نحوست وغیرہ کا علم یہ انبیاء کے علوم سے اخذ شدہ ہیں۔ اب یہ دونوں علوم کتابوں میں باقی ہیں اور روایت کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے۔ اب لوگوں نے ان کی معرفت کے لئے تجربہ پر اکتفاء کر لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ کے بارے میں فرمایا **فَنظَرَ نَظْرًا فَنُجُورًا** فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ یعنی آپ نے ستاروں میں ایک نظر کی فرمایا میں بیمار ہو جاؤں گا۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے سورہ سبأ کی تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی موجودگی میں ہر روز بیت المقدس کے محراب میں ایک درخت لگ جاتا۔ آپ اس سے پوچھتے تیرا نام کیا

ہے تو وہ کہتا میرا فلاں نام ہے۔ آپ پوچھتے کس مقصد کے لئے تجھے پیدا کیا گیا؟ وہ بتاتا مجھے فلاں فلاں مقصد کے لئے پیدا کیا گیا۔ آپ اسے کٹنے کا حکم دیتے تو وہ کٹ جاتا۔ اگر وہ بوئے جانے کے قابل ہوتا تو اسے بودیا جاتا۔ اگر وہ دوا ہوتا تو اس کے بارے میں لکھ لیا جاتا۔ یہاں تک کہ محراب میں خرو بہ اگی، آپ نے پوچھا تو کیا ہے؟ اس نے جواب دیا خرو بہ ہوں۔ آپ نے پوچھا تجھے کس مقصد کے لئے پیدا کیا گیا ہے، تو اس نے جواب دیا آپ کی مسجد کو برباد کرنے کے لئے۔ حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے المنقذ من الضلال میں اسی طرح ذکر کیا ہے۔

ایک اور بات یہ ہے کہ علم طب اور علم نجوم یہ علم قطعی عطا کرنے والے نہیں کیونکہ ادویہ اور ستاروں میں جو تاثیرات ہیں وہ عادی امر ہیں۔ ان ادویہ کے استعمال اور ان ستاروں کے ظاہر ہونے کے بعد قدرت الہیہ جاری ہوتی ہے جو ان آثار کو پیدا فرماتی ہے۔ کئی دفعہ ان چیزوں کے استعمال اور ستاروں کے ظاہر ہونے کے بعد بھی آثار ظاہر نہیں ہوتے۔ اس سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے جو آدمی ستاروں سے کسی چیز پر استدلال کرتا ہے اور یہ گمان کرتا ہے کہ اس ستارے کے طلوع ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ ایسا کرے گا جس طرح اس کا قانون ہے تو اسے کافر قرار نہیں دیا جائے گا۔ جس طرح کوئی آدمی یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ دوائی پینے کے بعد شفا دیتا ہے اور زہر پینے کے بعد موت دیتا ہے۔ مگر جو آدمی یہ گمان کرتا ہے کہ اس چیز کا وجود اس ستارے کی وجہ سے ہے تو اسے کافر قرار دیا جائے گا۔ جس طرح جو آدمی یہ اعتقاد رکھے کہ دوائی شفا دینے میں مؤثر حقیقی ہے۔ حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حدیبیہ کے مقام پر ہمیں حضور ﷺ نے صبح کی نماز پڑھائی جبکہ رات کے وقت آسمان پر علامات ظاہر ہوئی تھیں۔ جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے، فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا ہے؟ لوگوں نے عرض کی اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا میرے بندوں میں سے ایک قوم نے صبح اس حالت میں کی کہ وہ مجھ پر ایمان رکھنے والی تھی اور کچھ کفر کرنے والی تھی۔ جن لوگوں نے یہ کہا اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت سے ہم پر بارش ہوئی تو وہ مجھ پر ایمان لانے والے ہیں اور ستاروں سے کفر کرنے والے ہیں۔ مگر جنہوں نے یہ کہا ہم پر فلاں فلاں ستارے کی وجہ سے بارش ہوئی وہ مجھ سے کفر کرنے والے ہیں اور ستاروں پر ایمان رکھنے والے ہیں، متفق علیہ۔ (1)۔ یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے مؤخر الذکر عقیدہ کفر ہے جبکہ پہلا عقیدہ کفر نہیں مگر علوم نجوم میں مشغول ہونا مکروہ ہے کیونکہ یہ بے فائدہ کام ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے علم نجوم حاصل کیا اس نے جادو کا ایک حصہ حاصل کیا۔ اس نے علم میں اضافہ کیا لیکن حقیقت میں کوئی اضافہ نہیں کیا (2)۔ اسے امام احمد، ابو داؤد اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے علم نقاط اور علم خطوط کا بھی یہی حال ہے۔ اس علم کو علم املاء کہتے ہیں۔ یہ بھی انبیاء سے اخذ کیا گیا ہے یہ ظن کا فائدہ دیتا ہے علم قطعی کا فائدہ نہیں دیتا۔ قال پکڑنا کوئی شے نہیں۔

معاویہ بن حکم سے مروی ہے کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہم دور جاہلیت میں کچھ کام کیا کرتے تھے۔ ہم کانہوں کے پاس آتے تو آپ نے فرمایا کانہوں کے پاس نہ جایا کرو۔ میں نے عرض کی ہم فال پکڑتے تھے۔ فرمایا یہ ایسی چیز ہے جو تم اپنے نفوس میں پاتے ہو۔ یہ فال تمہیں کسی کام سے نہ روکے۔ میں نے عرض کی ہم خط لگایا کرتے تھے۔ فرمایا انبیاء میں سے ایک نبی خط لگایا کرتا

تھا۔ جس کا خط نبی کے خط کے موافق ہو گیا تو وہ اسی طرح ہو جاتا ہے۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (1)۔ اسی طرح جادو کا علم آسمان سے نازل ہوا لیکن جادو کرنا کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَا أُتِيَ عَلَى السَّادِّينَ بِبَابِلَ هَامُوتَ وَمَامُوتَ وَمَا يُعَلِّمُنَ مِنْ أَحَدٍ حَتَّى يَقُولَ آتَمَانَ حَنْ فُتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ۔ سورہ بقرہ میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ بعض اوقات علم غیب بھوکے رہنے والوں اور ریاضت کرنے والے کافروں کو بھی ہو جاتا ہے جو بطور استدراج ہوتا ہے۔ ہم کہتے ہیں اس علم کا منشا کشف اور عالم امثال کا مطالعہ ہے۔ کشف اور عالم امثال کے مطالعہ کی دو صورتیں ہیں:-

(1) صوفی شریعت کی اتباع اور سنت کے نور کے ذریعے یہ حاصل کرتا ہے جب اس کے لئے ظاہری اور باطنی حواس جلا پا جاتے ہیں اسی کو فراست مومن کہتے ہیں۔

(2) بھوک، ریاضت اور نفس کی مخالفت کرنے سے بھی یہ چیز حاصل ہو جاتی ہے۔ بعض اوقات اس کے ذریعے بعض غیب سے یا مثالی صورتوں سے حجابات اٹھ جاتے ہیں تو وہ ان چیزوں کو عیاں دیکھتا ہے تو یہ علم شہادت سے تعلق رکھتا ہے۔

ساتھ ہی ساتھ جب وہ علم جو اولیاء کو کشف اور امثال کے ذریعے حاصل ہوتا ہے وہ ظنی ہوتا ہے، خطا کا احتمال رکھتا ہے تو کفار کو جو علوم حاصل ہوتے ہیں ان کا کیا حال ہوگا کیونکہ کفار شیطانوں کے شاگرد ہوتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کو جھوٹی باتیں دھوکہ دینے کے لئے القاء کرتے ہیں۔ اگر تیرا رب چاہے تو ایسا نہ کر سکیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ وہی کرتا ہے جو وہ ارادہ کرتا ہے۔ جو چیزیں اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ یہاں ظہور غیب سے علم قطعاً ہے۔ جہاں تک پہنچنے کا شیطان کو کوئی راہ نہیں وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے۔

فانہ میں فاء سببیہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ رسول کے آگے اور پیچھے فرشتوں میں سے نگہبان معین کرتا ہے۔ رصداً یہ راصد کی جمع ہے۔ یہ نگہبان اس چیز کی حفاظت کرتے ہیں کہ شیطان اس میں سے کوئی چیز اچک نہ لیں یا جو چیز وحی میں نہ ہو اس کو خلط ملط نہ کر دیں۔

مقاتل رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے علماء نے کہا جب اللہ تعالیٰ کسی رسول کو مبعوث کرتا ہے۔ انہیں اس رسول کے پاس فرشتے کی صورت میں آتا اور اسے خبر دیتا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے آگے پیچھے فرشتے معین کر دیئے جو اس کی حفاظت کرتے اور شیطانوں کو دور بھگاتے۔ جب شیطان فرشتے کی صورت میں اس رسول کے پاس آتا تو فرشتے اس رسول کو بتاتے کہ یہ شیطان ہے اس سے بچ کر رہو۔ جب فرشتہ حاضر ہوتا تو فرشتے کہتے یہ تیرے رب کا پیغام پہنچانے والا ہے۔ اسی کی مثل یہ آیت ہے لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ ۗ

لِيَعْلَمَ أَنْ قَدْ أَبْلَغُوا رِسَالَاتِهِمْ وَأَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَأَحْصَىٰ كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ۝

”تا کہ وہ دیکھ لے کہ انہوں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیئے ہیں (درحقیقت پہلے ہی) اللہ ان کے حالات کا

احاطہ کئے ہوئے ہے اور ہر چیز کا اس نے شمار کر رکھا ہے۔“

۱۔ لِيَعْلَمَ کا قائل اسم جلال ہے۔ معنی ہوگا تا کہ اس کا علم اس کے ساتھ متعلق ہو۔ یہی مفہوم اس آیت کریمہ کا بھی ہے لِيَعْلَمَ اللَّهُ مَنْ يَتَصَدَّقُ دَرَسَلَهُ بِالْغَيْبِ جَارِ مَجْرُورِ مَسْلُوكِ کے متعلق ہے اور یہ شیاطین سے محفوظ رکھنے کی علت ہے۔

ان مثقلہ سے مخفف ہے۔ اس کا اسم ضمیر شان مخدوف ہے۔ ابلغوا میں ضمیر سے مراد رسول ہیں۔ معنی یہ ہوگا کہ رسولوں سے ان کے رب کے پیغام کو پہنچانے کا عمل پایا جائے اور اس میں کسی قسم کی تبدیلی اور اختلاط نہ پایا جائے۔ ایک قول یہ کیا گیا یعلم کی ضمیر رسول کی

طرف لوٹ رہی ہے۔ معنی ہوگا رسول قطعی طور پر جان لے اور اس میں کوئی شک نہ رہے کہ اس نے اور دوسرے رسولوں نے ان کے رب کا پیغام پہنچا دیا ہے اور شیطان نے اس میں کوئی دخل اندازی نہیں کی۔ یعقوب رحمۃ اللہ علیہ نے لیعلم کو مجہول کا صیغہ پڑھا ہے۔ معنی ہوگا کہ لوگ جان جائیں کہ رسولوں نے پیغام حق پہنچا دیا ہے۔ رسولوں کے پاس جو علم ہے اللہ تعالیٰ اسے احاطہ میں لئے ہوئے ہے، اس پر کوئی چیز مخفی نہیں اس نے پہاڑوں کے وزن، سمندروں کی گہرائی، بارش کے قطرات اور درختوں کے پتے رات نے جن پر تاریک ہوئی اور جن پر سورج چمکا سب کی تعداد کو شمار کئے ہوئے ہے۔ عدد ایا تو حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے یا مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی عدد ایا تمیز کی حیثیت سے منصوب ہے۔ اخصی عدد کل شئی یعنی اس نے ہر چیز کی تعداد کو شمار کر رکھا ہے، واللہ اعلم۔



سورۃ منزل

﴿ابتدأ ۲﴾ ﴿سُورَةُ الْمُرْسَلِ مَكِّيَّةٌ ۴۳﴾ ﴿رُكُوعَاتُهَا ۲﴾

سورۃ منزل کی ہے، اس میں 2 رکوع اور 20 آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

”اللہ کے نام سے شروع کرنا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے“

يَا أَيُّهَا الْمُرْسَلُ ۚ قُمْ الْبَيْلَ إِلَّا قَلِيلًا ۚ نُّصِفَةٌ أَوْ أَنْقُصَ مِنْهُ قَلِيلًا ۚ
أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَاتِلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا ۚ

”اے چادر لپٹنے والے! اے رات کو (نماز کے لئے) قیام فرمایا کیجئے مگر تھوڑا سا یعنی نصف رات یا کم کر لیا کریں اس

سے بھی تھوڑا سا یا بڑھا دیا کریں اس پر اور (حسب معمول) خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کیجئے قرآن کریم کو۔“

اے المرسل یہ ترمزمل بیتیابہ سے مشتق ہے۔ یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی آدمی اپنے اوپر کپڑا لپیٹ لے۔ تاء کوزاء سے بدلا اور زاء کوزاء میں ادغام کر دیا۔ اسی کی مثل مدثر ہے۔ یہ فذکر بشوبہ سے مشتق ہے۔

رسالت کی تبلیغ سے پہلے وحی کے آغاز میں آپ کو اس طرح خطاب کیا گیا۔ بعد میں یا ایہا النبی اور یا ایہا الرسول کے الفاظ سے خطاب ہونے لگا۔ وحی کے آغاز میں وحی کی ہیبت کی وجہ سے آپ خوف زدہ ہوئے اور اپنے آپ کو کپڑے میں لپیٹ لیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ سے وحی کے انقطاع کے بارے میں ارشاد فرماتے ہوئے سنا۔ آپ نے فرمایا اسی اثناء میں کہ میں چل رہا تھا کہ میں نے آواز سنی میں نے اپنی نظر آسمان کی طرف اٹھائی تو وہی فرشتہ جو غار حراء میں میرے پاس آیا تھا۔ وہ آسمان اور زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ میں اس کے رعب کی وجہ سے ڈر گیا۔ فریب تھا کہ میں زمین پر گر پڑتا۔ میں اپنے گھر آیا۔ میں نے کہا مجھے چادر اوڑھا دو۔ تو اللہ تعالیٰ نے یا ایہا المدثر سے لے کر فہجر تک آیات کو نازل فرمایا۔ پھر لگا تا وحی آنے لگی، متفق علیہ۔ (1)

صحیحین میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک طویل حدیث مروی ہے کہ حضور ﷺ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لے گئے۔ فرمایا مجھے چادر اوڑھا دو۔ یہ کلمات آپ نے دو دفعہ کہے۔ گھر والوں نے آپ کو چادر اوڑھا دی۔ یہاں تک کہ آپ سے خوف جاتا رہا (2)۔ ہم ان شاء اللہ اس حدیث کو سورۃ اقرأ باسم ربک میں ذکر کریں گے۔ بزار اور طبرانی رحمہما اللہ تعالیٰ نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ قریش دار الندوہ میں جمع ہوئے۔ کہنے لگے اس آدمی کو ایسا نام دو جس کے باعث لوگ ان سے دور ہو جائیں۔ بعض نے کہا اسے کاہن کا نام دے دو۔ دوسروں نے کہا وہ کاہن تو نہیں۔ بعض نے کہا اسے مجنون کہ دو۔ دوسروں نے کہا وہ مجنون بھی نہیں۔ بعض نے کہا اسے جادوگر کہ دو۔ دوسرے کہنے لگے وہ جادوگر بھی تو نہیں۔ یہ بات حضور ﷺ

تک پہنچی تو آپ نے اپنے اوپر کپڑا پیٹ لیا۔ جبرئیل امین حاضر ہوئے یا ایہا المزمل اور یا ایہا المدثر سے خطاب کیا۔ (1)

۲۔ نماز کو قیام سے تعبیر کیا۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح کل کو جزء کا نام دے دیا گیا۔ یہ آیت اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ قیام نماز کا رکن ہے۔ اسی پر اجماع ہے۔ اللیل یہ ظرف زمان ہے۔ حرف جر حذف ہے اور استیعاب پر دلالت کرتا ہے۔ جس طرح صمت شہرا میں پورا مہینہ مراد ہے جبکہ صمت فی الشہر سے مراد مکمل مہینہ نہیں۔ الا قلیلا سے رات کے بعض حصے کا قیام باقی رہا جبکہ مستثنیٰ مبہم ہو تو مستثنیٰ منہ میں بھی ابہام آجاتا ہے جس وجہ سے محکوم بہ مجمل ہو جاتا ہے جسے بیان کی ضرورت ہوتی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد کے ساتھ وضاحت فرمائی۔

۳۔ یہ اللیل سے بدل کل ہے جس سے قلیل کو مستثنیٰ کر لیا گیا ہے کیونکہ جب کسی چیز سے استثناء کی گئی ہو تو باقی ماندہ ہی منطوق کے حکم میں ہوتا ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی قم نصف اللیل۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہ قلیل سے بدل ہے اور اس کا بیان ہے۔ مستثنیٰ کے بیان سے باقی ماندہ بھی واضح ہو گیا اور ابہام زائل ہو گیا اس صورت میں تقدیر کلام یہ ہوگی قم اللیل الانصفہ۔ دونوں تقدیروں کا معنی ایک ہی ہے۔ نصف کو جو قلیل کہا گیا یہ نصف کو کل کی طرف منسوب کرنے کے اعتبار سے ہے۔ نصف رات تک سونا عموماً نیند سے کم ہی ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رات کو اس لئے پیدا فرمایا ہے تاکہ تم اس میں سکون حاصل کرو اور اس لئے بھی کہ تہجد کے لئے جب اس نے نصف رات قیام کیا تو باقی نصف رہ گیا جس میں مغرب اور عشاء کی نماز ادا کی جاتی ہے۔ اسی طرح دوسری بشری ضروریات ہوتی ہیں جیسے کھانا پینا اور بیت الخلاء جانا۔ اس لئے نصف سے کم ہی وقت سونے کے لئے رہ گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا نصفہ یہ اللیل سے بدل ہے اور استثناء نصفہ سے ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی قم نصف اللیل الا قلیلا، اس صورت میں استثناء نصف سے ہوگی جو ذکر میں مستثنیٰ کے بعد ہے۔ اس صورت میں نصفہ، اللیل سے بدل بعض ہوگا۔ قصر میں بدل بعض کا حکم وہی ہوتا ہے جو استثناء کا ہوتا ہے۔ کلام کا مقتضی یہ ہوگا کہ بدل کے ذریعے قصر پر استثناء کے ذریعے قصر کو مقدم کیا جائے۔ اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ کلام بیان کے بعد مجمل ہو۔

انقص کا عطف قم اللیل پر ہے۔ منہ میں ہ ضمیر سے مراد نصف باقی ہے جو استثناء کے بعد باقی بچتا ہے۔ قلیلا یہ یا تو زمانا کی صفت ہو کر مفعول فیہ ہے یا نقصانا کی صفت ہو کر مفعول مطلق ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ قیام چوتھائی حصہ سے زیادہ ہو یا نصف سے زیادہ ہو جتنا آپ چاہیں۔ اس آیت میں یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ رات کا قیام چوتھائی حصہ سے زیادہ ہو اگر چہ ایک ساعت ہی زیادہ کیوں نہ ہو۔ ظاہر یہ ہے کہ اس آیت میں قیام کا حکم وجوب کے لئے ہے جس طرح اصل میں امر کا مقتضی ہے۔ بغوی کے کلام کا مفہوم بھی یہی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور دوسروں کے قول سے بھی یہی معنی سمجھ آتا ہے کہ اس آیت کے ذریعے حضور ﷺ اور آپ کی امت پر رات کا قیام واجب ہے۔ پھر اس حکم کو منسوخ کر دیا گیا۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ اسی حساب سے قیام فرماتے لیکن آدمی کو پتہ نہیں چلتا تھا کہ رات کا تیسرا حصہ، نصف دوثلث کب ہوں گے۔ وہ صبح تک عبادت کرتے رہتے۔ خوف یہ ہوتا کہ جتنا حصہ قیام کرنا ضروری ہے وہ رہ نہ جائے۔ یہ ان پر بہت مشکل ہو گیا اور ان کے قدموں میں سوجن آگئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم فرمایا ان پر تخفیف فرمائی اور اس حکم کے ساتھ فَأَقْرَبُوا مَا بَيْنَهُمْ مِنْهُ کے ساتھ حکم منسوخ فرمایا (2)۔ اب اس طرح قیام کرنا سنت ہے۔

حضرت سعید بن ہشام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس حاضر ہوا، عرض کی آپ مجھے رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کے بارے میں بتائیں۔ آپ نے فرمایا کیا تو قرآن نہیں پڑھتا؟ میں نے عرض کی میں پڑھتا ہوں۔ فرمایا نبی کریم ﷺ کے اخلاق قرآن تھے۔ میں نے عرض کی رسول اللہ ﷺ کا قیام تو مومنوں کے لئے تکلیف کا باعث ہے۔ فرمایا کیا تو سورہ مزمل نہیں پڑھتا؟ میں نے عرض کی میں پڑھتا ہوں۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے سورت کے آغاز میں رات کے قیام کو فرض قرار دیا تو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ نے ایک سال تک قیام کیا یہاں تک کہ ان کے قدموں میں سوجن آگئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے اختتام کو ایک سال تک آسمانوں میں روک رکھا۔ پھر اس سورت کے اختتام میں تخفیف کو نازل فرمایا۔ پھر یہ فرض نفل ہو گیا (1)۔ اسے ابوداؤد، نسائی اور بغوی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا۔ حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح نقل کیا۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کی مثل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے صحابہ سے روایت کیا ہے۔ مقاتل اور ابن کيسان رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا یہ حکم مکہ مکرمہ میں تھا جب تک پانچ نمازیں فرض نہیں ہوئی تھیں پھر پانچ نمازوں کی فرضیت کے ساتھ یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ میرے نزدیک ظاہر یہ ہے نماز تہجد کا وجوب حضور ﷺ کی ذات کے ساتھ خاص تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اسی امر پر دلالت کرتا ہے: **إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنَىٰ مِن سُكُوتِ الْأَيْلِ وَنِصْفَهُ وَثُلُثَهُ وَكُلَّ بِقَعٍ مِّنَ الْأَرْضِ مَعَكَ** کیونکہ من کا کلمہ بعضیہ ہے اور اس امر میں صریح ہے کہ بعض صحابہ دوسرے صحابہ سے کم قیام کرتے تھے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اگر تہجد کا وجوب حضور ﷺ کی ذات کے ساتھ خاص تھا تو تخفیف کی یہ علت کیسے بن سکتی ہے: **عَلِمَ أَنَّ سَيَكُونُ مِنْكُمْ مَّرْضَىٰ وَآخَرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ مِن فَضْلِ اللَّهِ وَآخَرُونَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ** یہ آیت تو اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ اس رخصت میں امت کی حالت اور کمزوری کا اعتبار کیا گیا ہے۔

ہم اس کا جواب یہ دیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے اس معاملہ میں تخفیف اس لئے کی کیونکہ آپ کی امت میں کمزوری ہے اور ان میں کئی رکاوٹیں پائی جاتی ہیں۔ حضور ﷺ جب کسی عمل پر مواظبت اختیار کرتے ہیں تو امت کے لئے وہ مسنون ہو جاتا ہے اگرچہ وہ واجب تو نہیں ہوتا لیکن امت سے اس کے بجالانے کا مطالبہ کیا جاتا ہے بلکہ جو اس عمل کو ترک کرتا ہے اس پر ملامت بھی کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَحَدَّثَ بِالْحَقِّ** اس امر کو کہتے ہیں جس پر حضور ﷺ نے بطور نفل مواظبت اختیار کی ہو بطور نفل کی قید صوم وصال اور اس جیسے امور سے بچنے کے لئے لگائی گئی تو یہ کوئی چیز نہیں کیونکہ جن امور پر حضور ﷺ نے مواظبت اختیار کی ہے۔ ان میں اصل ان کی پیروی کرنا ہے۔ ان امور کو اس وقت تک نہیں چھوڑا جا سکتا جب تک وہ امر امت کے حق میں حرام یا ممنوع نہ ہو۔ جس طرح صوم وصال، چار سے زیادہ عورتوں سے ایک وقت میں شادی کرنا۔ اسی طرح کے دوسرے خاص کام جو حضور ﷺ کے ساتھ خاص ہیں۔ اس لئے اس قید کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔

سُورَةُ الْقُرْآنِ كَا عَطْفِ هَمِ اللَّيْلِ پر ہے۔ جو یہ بات کی گئی کہ تزییل کا حکم مندوب (مستحب) ہے اور اس پر علماء کا اجماع ہے اور تزییل کا عطف ہم پر ہے تو یہ عطف اس بات کا بھی تقاضا کرے گا کہ قیام کا حکم بھی مندوب (استحباب) کے لئے ہوگا تو یہ بھی کوئی چیز نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حافظ قرآن کو کہا جائے گا پڑھتا جا اور منازل پڑھتا جا۔ اسی طرح ٹھہر ٹھہر کر پڑھ۔ جس طرح تو دنیا میں ٹھہر ٹھہر کر پڑھتا تھا۔ تیرا ٹھکانہ وہاں ہوگا جہاں تو آخری آیت پڑھے گا۔ اسے

امام احمد، امام ترمذی، ابوداؤد اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ (2)

توتیل کا معنی یہ ہے کہ منہ سے کلمات سہولت اور درستگی کے ساتھ ادا کرنا صراح اور قاموس میں اسی طرح ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا معنی یہ مروی ہے کہ قرآن کو واضح کر کے الفاظ کو جدا جدا کر کے پڑھو۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے بھی یہی معنی مروی ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی الگ الگ الفاظ ادا کرنا ہے (1)۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا، نبی کریم ﷺ کی قرأت کیسے تھی؟ فرمایا آپ کی قرأت میں طوالت تھی۔ پھر آپ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم کی تلاوت کی۔ آپ نے لفظ اللہ لفظ الرحمن اور لفظ رحیم کو کھینچ کر روایت کیا۔ اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھا ہے (2)۔ میں کہتا ہوں ان تینوں کلمات کو کھینچ کر پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ لفظ اللہ میں لام کے بعد الف اور الرحمن میں میم کے بعد الف کو ایک حرکت کے برابر کھینچ کر پڑھتے تھے۔ رحیم میں وقف کی صورت میں مد کو دو، چار یا چھ حرکتوں کے برابر لبا کرنا جائز ہے۔ وصل کی صورت میں ایک حرکت کے برابر لبا کرنا جائز ہے۔ اسی پر تمام قاریوں کا اجماع ہے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضور ﷺ کی قرأت کے بارے میں آپ سے پوچھا گیا تو آپ نے آپ کی قرأت کی صفت بیان کرتے ہوئے ہر ہر لفظ کو الگ الگ کر کے پڑھا (3)۔ اسے امام ترمذی، ابوداؤد اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا۔ ان دونوں سے یہ بھی مروی ہے کہ حضور ﷺ جملوں کو الگ الگ کر کے پڑھتے آپ الحمد للہ رب العالمین پر وقف کرتے۔ پھر آپ الرحمن الرحیم پڑھ کر وقف کرتے۔ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (4)۔ میں کہتا ہوں توتیل کا معنی قرآن کو اچھی لے کے ساتھ پڑھنا بھی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کسی چیز کی طرف اتنا متوجہ نہیں ہوتا جتنا اس نبی کی طرف متوجہ ہوتا ہے جو اچھی آواز میں قرآن پڑھتا ہے، متفق علیہ (5)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی ایک روایت مروی ہے اللہ تعالیٰ کسی کی طرف اتنا متوجہ نہیں ہوتا جتنا اس نبی کی طرف متوجہ ہوتا ہے جو بلند آواز کے ساتھ اچھی لے میں قرآن پڑھتا ہے، متفق علیہ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو آدمی اچھی لے میں قرآن نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۔ اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (6)۔ یہاں بتغنی سے مراد اچھی آواز سے قرآن پڑھنا ہے جس طرح دوسری روایات میں صراحت کے ساتھ آیا ہے۔ اسے گانے کے انداز میں پڑھنا صحیح نہیں کیونکہ وہ حرام اور ممنوع ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عربوں کے لہجے اور ان کی آواز میں قرآن پڑھو عاشقوں اور اہل کتاب کے انداز میں قرآن نہ پڑھو۔ میرے بعد ایک ایسی قوم آئے گی جو گانے اور نوحہ کے انداز میں قرآن پڑھیں گے۔ قرآن ان کے گلے سے نیچے نہیں اترے گا۔ ان کے دل بھی آزمائش میں ڈالے گئے اور ان کے دل بھی فتنہ میں مبتلا کئے گئے ہیں جنہیں ان قاریوں کا اس طرح پڑھنا اچھا لگتا ہے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے شعب میں روایت کیا ہے۔ (7)

فائدہ: قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے کی حکمت یہ ہے کہ قرآن کے معانی اور الفاظ میں نصیحت حاصل کرنے کے لئے تدبر کیا جائے، وعید والی آیت پر اللہ سے ڈرا جائے، وعدہ والی آیت پر اللہ تعالیٰ سے امید رکھی جائے۔ اسی طرح کی دوسری روایات ہیں۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے قرآن کو ردی کھجوروں کی طرح نہ کھیرو اور نہ شعر کی طرح اسے گاؤ۔

- 1- تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 137 (التجاریہ)
 2- صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 754 (وزارت تعلیم)
 3- جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 116 (وزارت تعلیم)
 4- ایضاً
 5- صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 751 (وزارت تعلیم)
 6- مشکوٰۃ المصابیح، جلد 1، صفحہ 600 (الفلک)
 7- شعب الایمان: 2649 (العلمیہ)

اس کے عجائبات پر ٹھہرو، اس کے ساتھ اپنے دلوں کو حرکت دو، سورت کا ختم کرنا تمہارا مقصود نہ ہو (1)۔ حضرت حدیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی۔ آپ کوئی ایسی آیت پڑھتے جس میں جنت کا ذکر ہوتا تو ٹھہر جاتے اور جنت کا سوال کرتے اور اور کوئی ایسی آیت پڑھتے جس میں آگ کا ذکر ہوتا تو آپ ٹھہر جاتے اور جہنم سے پناہ چاہتے۔

حضرت عبید اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، یہ صحابی تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے قرآن کے حاملین قرآن کو تکلیف نہ بنا لو، دن رات اس کو اس طرح تلاوت کرو جس طرح تلاوت کرنے کا حق ہے۔ اسے پھیلاؤ، اچھی آواز میں اس کی تلاوت کرو، جو کچھ اس میں ہے اس میں غور و فکر کرو تا کہ تم فلاح پا جاؤ، اسے جلدی جلدی نہ پڑھو کیونکہ اس کے پڑھنے کا بھی ثواب ہے۔ اسے یہی رحمت اللہ علیہ نے شعب میں روایت کیا ہے۔ حضرت سعد بن عبد اللہ ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اسی اثناء میں کہ ہم تلاوت کر رہے تھے کہ حضور ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے۔ فرمایا الحمد للہ کتاب ایک ہے۔ تم میں نیک لوگ ہیں، سرخ ہیں، سیاہ ہیں اور سفید ہیں۔ ان قوموں کے آئے سے پہلے قرآن پڑھو جو قرآن کی تلاوت کریں گے۔ وہ حروف کو اس طرح درست کریں گے جس طرح تیر سیدھا کیا جاتا ہے قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ وہ جلدی اجر کی خواہش کریں گے اور آخرت کے اجر کی خواہش نہیں رکھیں گے۔ (2)

إِنَّا سُنِّقِي عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا ۝ إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْأًا وَأَقْوَمُ قِيْلًا ۝

”بے شک ہم جلد ہی القاء کریں گے آپ پر ایک بھاری کلام۔ بلاشبہ رات کا قیام (نفس کو) سختی سے روندتا ہے اور بات کو درست کرتا ہے۔“

۱۔ قول ثقیل سے مراد رات میں قیام کرنے کا حکم ہے کیونکہ یہ حکم ثقیل ہے اور نفس پر بڑا شاق گزرتا ہے۔ یہ جملہ اس تاویل کی بناء پر سابقہ جملہ کے لئے تذکیر اور تاکید ہے۔ سنلقی میں سین تاکید کے لئے ہے زمانہ مستقبل کے لئے نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا اس سے قرآن مراد ہے۔ محمد بن کعب نے کہا قرآن منافقین پر ثقیل ہے۔ میں کہتا ہوں یہ ارشاد بھی اس ارشاد کی طرح ہے کَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ۔ حسن بن فضل نے کہا قرآن میزان میں ثقیل ہے (3)۔ میں کہتا ہوں اس قول کی مثل حضور ﷺ کا یہ فرمان ہے كَلِمَتَانِ خَفِيفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيلَتَانِ فِي الْمِيزَانِ حَبِيبَتَانِ إِلَى الرَّحْمَنِ سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ متفق علیہ (4)۔ یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ مقال رحمتہ اللہ علیہ نے کہا قرآن اس لئے ثقیل ہے کیونکہ اس میں امر، نہی اور حدود ہیں۔ قتادہ رحمتہ اللہ نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ ابو العالیہ نے کہا وعدہ اور وعید میں ثقیل ہے (5)۔ ان اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ ثقیل اس لئے ہے کیونکہ اس میں مشکل احکامات ہیں، اس میں وعدہ اور وعید ہے، قیامت کا ذکر مکلفین پر ثقیل ہے، خصوصاً حضور ﷺ کے لئے ثقیل ہے کیونکہ حضور ﷺ پر یہ بھی لازم ہے کہ آپ اس کے احکامات کو اپنے اوپر لازم کریں اور اپنی امت پر بھی اسے لازم کریں۔ اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سورہ ہود اور اس جیسی دوسری سورتوں نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے۔ اسے طہرانی رحمتہ اللہ علیہ نے عتبہ بن عامر اور ابن ابی حنیفہ سے روایت کیا ہے، یعنی اس میں جو احکامات ہیں انہوں نے مجھے بوڑھا کر

دیا ہے جیسے فَاسْتَقِيمْ كَمَا أَمُرْتُ يَا اس میں قیامت اور سابقہ امتوں کے عذاب کا ذکر ہے۔ اسی مفہوم پر وہ روایت بھی دلالت کرتی ہے جسے حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔ مجھے سورہ ہود، واقعه، مرسلت، عم یسألون اور اذا الشمس کوردت نے بوڑھا کر دیا ہے۔ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ (1) حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے۔ ابن مردویہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اسی کی مثل حضرت انس رضی اللہ عنہ سے عبد اللہ بن احمد نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا مجھے ہو اور اس جیسی سورتوں نے بوڑھا کر دیا ہے کیونکہ ان میں قیامت اور دوسری امتوں کے واقعات ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ غور و فکر کرنے والے کے لئے ثقیل ہے کیونکہ غور و فکر کرنے والے کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ اپنے دل کو پاک کرے اور نظر و فکر کو دوسری چیزوں سے الگ تھلگ کرے کیونکہ ان کے الفاظ باوقار اور معانی بڑے مضبوط ہیں۔ یہ تعبیر پہلی اور بعد والی آیتوں کے زیادہ مناسب ہے کیونکہ ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے کا مطلب ہی یہ ہے کہ اس میں تدبر کیا جائے اور اس کو سمجھا جائے اور نماز تہجد دل کو زبان کے زیادہ موافق کرنے والی ہوتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہ صوفی کے باطن پر زیادہ ثقیل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ مخلوق کے دل پر تجلی فرماتا ہے۔ فرما رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح کہا ہے کہ قرآن ثقیل (بھاری) ہے ہلکا اور لچر نہیں کیونکہ یہ ہمارے رب کا کلام ہے (2)۔ ہمارے شیخ اجل یقین کے راستہ کی طرف راہنمائی کرنے والے رب العالمین کے محبوب سیف الملت والدين نے فرمایا کہ قرآن کی حقیقت کا انکشاف سالک کے باطن پر ثقیل ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنَّا سَلَّمْنٰكَ عَلٰیكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا۔ میں کہتا ہوں اس معرفت کی تائید اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی کرتا ہے: لَوْ اَنَّزَلْنَا هٰذَا الْقُرْآنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاٰیْتَهُ خَاشِعًا مُّصْبًا عَابَسًا خَشِيْمًا اللّٰہ۔ ایک قول یہ بھی کیا گیا ہے کہ قرآن کو لینا بڑا بھاری ہے۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب حضور ﷺ پر وحی نازل ہوتی تو یہ آپ کے لئے بڑے کرب کا باعث ہوتی اور آپ کا چہرہ زرد پڑ جاتا۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ اپنا سر جھکا لیتے اور آپ کے صحابہ بھی سر جھکا لیتے جب وحی کا سلسلہ ختم ہو جاتا تو آپ اپنا سر اٹھا لیتے۔

صحیحین میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے یہ روایت مروی ہے کہ حارث بن ہشام نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ آپ پر وحی کیسے آتی ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کبھی ٹھنسی کی آواز کی صورت میں مجھ پر وحی آتی ہے۔ یہ صورت مجھ پر بہت سخت ہوتی ہے۔ وحی ختم ہوتی ہے تو میں اسے یاد کر چکا ہوتا ہوں۔ کبھی فرشتہ انسانی شکل میں میرے پاس آتا ہے، وہ مجھ سے کلام کرتا ہے تو جو وہ کہتا ہے میں اسے یاد کر لیتا ہوں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا میں نے سخت سردی میں آپ پر وحی نازل ہوتے ہوئے دیکھی، وحی کا سلسلہ ختم ہوتا تو آپ ﷺ کی پیشانی سے پسینہ بہ رہا ہوتا، متفق علیہ۔ (3) اس قول کا بھی احتمال ہے کہ یہ اس بناء پر ثقیل ہے کیونکہ اس میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ دعوت و تبلیغ اور ارشاد و تکمیل کے لئے مخلوق کی طرف متوجہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے قُمْ فَانذِرْ۔ اسی طرح فرمان ہے وَ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ جبکہ پہلے آپ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ تھے اور اسی کے ذکر میں مشغول رہتے تھے۔ آپ ﷺ غار حراء میں اکیلے ہوتے اور کئی کئی راتیں وہاں عبادت کرتے رہتے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ گھر جانا اور زوارہ لینا یہ ثقیل تھا کیونکہ آپ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لاتے اور زوارہ لے کر

پھر غار حراء میں تشریف لے جاتے۔ صحیحین میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اسی طرح مروی ہے۔ کسی کی راہنمائی کرنا اور دوسرے کو کمال عطا کرنا اگرچہ اپنے آپ کو کامل بنانے اور خلوت گزینی سے افضل ہے۔ لیکن بعض اوقات صوفی کے نزدیک اس کے برعکس ہوتا ہے جس وجہ سے وہ اسے اپنے اوپر بوجھ خیال کرتا ہے۔ صوفی یہ گمان کرتا ہے کہ مخلوق کی ہدایت اور انہیں مرتبہ کمال پر فائز کرنا یہ توجہ الی اللہ اور خلوت گزینی سے کم درجہ کی چیز ہے۔ اسی وجہ سے یہ قول بھی کیا جاتا ہے کہ ولایت نبوت سے افضل ہے، یعنی نبی کی ولایت نبی کی نبوت سے افضل ہے کیونکہ ایسا قول کرنے والے کا یہ گمان ہے کہ ولایت کا معنی اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کرنا ہے اور نبوت کا معنی مخلوق کی طرف متوجہ ہونا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ قول حقیقت پر مبنی نہیں بلکہ نبوت ولایت سے مطلقاً افضل ہے کیونکہ نبوت کا مطلب ذات باری تعالیٰ میں سیر کرنا ہے اور ولایت کا مطلب صفات میں سیر کرنا ہے۔ دونوں کے درمیان بہت زیادہ تفاوت ہے۔ اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کو عروج اور مخلوق کی طرف توجہ کرنے کو نزول کہتے ہیں۔ دونوں سیروں کے درمیان صوفی کو عروج و نزول دونوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ فرق یہ ہوتا ہے کہ مقام ولایت میں مرتبہ نزول پر فائز ہونے والا شخص اگرچہ مخلوق کی طرف متوجہ ہوتا ہے لیکن وہ مرتبہ عروج میں اپنی انتہا کو نہیں پاتا اس لئے وہ بلند یوں کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ مقصود کمال کی انتہاء کو پانا ہوتا ہے۔ مقام نبوت پر فائز ہستی مرتبہ نزول پر اسی وقت فائز ہوتی ہے۔ جب وہ مقام عروج کی انتہاء کو پا چکی ہوتی ہے۔ اسی لئے وہ مخلوق کو مرتبہ کمال پر فائز کرنے کے لئے مکمل طور پر متوجہ ہوتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کی رضا ہوتی ہے، اگرچہ یہ اس کی طبیعت کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ مقام نبوت پر فائز ہونے والی ہستی افضل و اکمل ہوتی ہے۔ یہ جہاد کا سلسلہ باقی رہے گا جب تک یہ زندگی باقی ہے۔ اس زندگی سے فارغ ہونے کے بعد وہ رفیقِ اعلیٰ سے جا ملتا ہے۔ اس وقت وہ اپنے اجر اور جنہوں نے اس کی کاوشوں سے ہدایت پائی ان کے اجر کی وجہ سے وہ مکمل طور پر بلند درجات کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ حقیقت حال اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

انا سنلقی والا جملہ یا تو سابقہ جملہ کی تذکیل و تاکید ہے جس طرح ہم نے پہلے ذکر کیا۔ یا یہ جملہ معترضہ ہے اور رات کو قیام کرنے کی حکمت کو بیان کرتا ہے کیونکہ رات کو قیام کرنے کی وجہ سے نفس کو مشقت پر مشق ہوتی ہے اور نفس کی مخالفت کرنے پر تجربہ ہوتا ہے یا نماز حضور ﷺ کے لئے قرار کا باعث ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں رکھ دی گئی ہے (۶)۔ اسے امام احمد، نسائی اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرمایا اے بلال نماز کی اقامت کہہ کر ہمیں راحت پہنچاؤ۔ اسے ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک خزاعی صحابی سے روایت کیا ہے۔ اس طرح حضور ﷺ کو مخلوق کی طرف متوجہ ہونے کی وجہ سے جو بوجھ برداشت کرنا پڑتا تھا۔ وہ تہجد کی وجہ سے دور ہو جاتا یا رات کو حضور ﷺ کا قیام امت کے نفوس میں گہرا اثر چھوڑتا تا کہ جو نبی امت کے افراد حضور ﷺ کا ارشاد سنیں تو فوراً اسے قبول کریں۔ جس طرح جب جنوں نے آپ کی زبان سے قرآن حکیم کو سنا تو فوراً اسے قبول کر لیا یا آپ ﷺ کے رات کے قیام کا آپ کے مقام شفاعت پر کھڑا ہونے میں بڑا دخل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَمِنْ آيَاتِهِ لَيُلَقِّنُ الْبَلَّاءَ فَتَهْتَدِي بِهِمْ نَافِلَةٌ لَكَ تَعْسَىٰ أَنْ يُبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْضُودًا۔

۲۔ ناشئۃ اللیل کا معنی قیام اللیل ہے۔ ناشئہ مصدر ہے جو اسم فاعل کے وزن پر آیا ہے۔ جس طرح عافیہ عفو کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ ازہری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح کہا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا ناشئہ سے مراد سونے کے بعد رات کو قیام کرنا ہے۔ یہ تہجد کے معنی میں ہے۔ ابن کیمان رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ رات کے آخری پہر میں قیام کرنا ہے۔ سعید

بن جبیر اور ابن زید رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا رات کے جس حصہ میں اس نے قیام کیا تو اس پر نشا کا اطلاق ہوگا۔ حبشیوں کی زبان میں نشا فلان کا معنی قام فلان ہے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ رات کے پہلے پہر قیام کرنا ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ مغرب اور عشاء کے درمیان نوافل پڑھتے تو فرماتے۔ یہی ناشئہ اللیل ہے (1)۔ ظاہر بات یہ ہے کہ یہ دونوں قول اس مقام کے مناسب نہیں کیونکہ حضور ﷺ کو رات کے آخری حصہ میں قیام کا حکم دیا گیا تھا۔

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے کہا عشاء کے بعد جو بھی نماز ہوتی ہے وہ ناشئہ ہے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہ اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ اس سے مراد وہ نفس ہے جو اپنے بستر سے عبادت کے لئے اٹھتا ہے۔ یہ نشا من مکانہ سے مشتق ہے جب وہ رات کی تمام ساعتوں میں اٹھا۔ رات کی ہر ساعت ناشئہ ہے کیونکہ اس ساعت کا آغاز ہوتا ہے۔ اسی سے نشات السحابة کہتے ہیں۔ ہر چیز جو رات کو پیدا ہو اور ظاہر ہو اسے ناشی کہتے ہیں۔ اس کی جمع ناشئہ ہے۔ ابن ابی ملیکہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا میں نے حضرت ابن عباس اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے اس لفظ کے معنی کے بارے میں پوچھا تو دونوں نے فرمایا تمام رات ناشئہ ہے (3)۔ اس صورت میں ناشئہ اللیل میں اضافت بیان یہ ہوگی۔ ابن عامر اور ابو عمرو رحمہما اللہ تعالیٰ نے وطاء پڑھا ہے جس کا معنی موافقت ہے، یعنی رات کا قیام دل کو زبان کے زیادہ موافق کرنے والا ہے کیونکہ دن کی نسبت رات کے وقت یہ موافقت زیادہ ہوتی ہے جبکہ جمہور قراء نے اسے وطاء پڑھا ہے۔ معنی یہ ہوگا دن کی نماز کے مقابلہ میں رات کی نماز زیادہ مشکل ہے کیونکہ رات خیند اور راحت کے لئے بنائی گئی۔ ہے اسی معنی میں حضور ﷺ کا یہ ارشاد بھی ہے اے اللہ مضر پر اپنی پکڑ سخت کر دے۔ جب ایک انسان مشکل ترین عبادت کا عادی ہو جائے تو اس پر تمام اعمال کی مشقت آسان ہو جاتی ہے۔ عبادت نفس پر جتنی مشکل ہوگی اگر اس میں سنت کی رعایت کی جائے تو اس کا ثواب بھی زیادہ ہوگا۔ میزان میں وہ زیادہ وزنی ہوگی اور نفوس میں اس کا اتنا ہی زیادہ اثر ہوگا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا رات کے پہلے حصے میں ان کا نماز پڑھنا اس کے زیادہ مناسب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو قیام ان پر فرض کیا ہے اس کو ملحوظ رکھیں کیونکہ انسان جب سو جاتا ہے تو وہ یہ نہیں جانتا کہ کب بیدار ہوگا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی ہے کہ رات کا قیام بھلائی میں زیادہ ثابت قدم کرنے والا اور قرأت کو زیادہ محفوظ کرنے والا ہے۔ فراء رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی ہے رات کا قیام نماز شب کی تیاری کو پختہ کرنے والا اور دن کی نماز کی نسبت نمازی کے لئے زیادہ آسانی کا باعث ہے کیونکہ دن کو لوگوں کے کام کاج کے لئے بنایا گیا ہے جبکہ رات خلوت اور عبادت کے لئے بنائی گئی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے زیادہ چستی کا باعث ہے کیونکہ جو عمل نفس پر زیادہ ثقل کا باعث ہو وہ صوفی کے لئے اتنی ہی لذت کا باعث ہوتا ہے۔ ابن زبیر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا دن کی نسبت رات کا قیام زیادہ فارغ البالی کا باعث ہوتا ہے کیونکہ رات کے وقت نہ کوئی کام رکاوٹ بنتا ہے اور نہ ہی کوئی اور مانع ہوتا ہے۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے کہا یہ بھلائی کے زیادہ مناسب اور شیطان سے زیادہ محفوظ کرنے والا ہے۔ نیز رات کا قیام ماحول اور آوازوں کے پرسکون ہونے کی وجہ سے قرأت کو زیادہ ثابت کرنے والا اور الفاظ کو درستگی عطا کرنے والا ہے۔ (4)

إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا ۖ وَادْكُرُ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبْتَئِلُ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ۖ

”یقیناً آپ کو دن میں بڑی مصروفیتیں ہیں۔ اور ذکر کیا کر داپنے رب کے نام کا اور سب سے کٹ کر اسی کے ہور ہو۔“

لے صبح کا معنی جانے میں جلدی کرنا ہے۔ اسی سے پانی میں تیرنے کے لئے مسباحہ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ معنی یہ ہے کہ دن کے

وقت آپ کو اہم کام سرانجام دینے ہوتے ہیں، مخلوق کی دعوت و تبلیغ کرنا ہوتی ہے، احکام کی تعلیم دینا ہوتی ہے، ساتھ ہی ساتھ مختلف امور کے بارے میں مصروفیت ہوتی ہے۔ اس لئے تہجد کو لازم پکڑو کیونکہ رات اس کے لئے زیادہ فارغ ہوتی ہے۔ یہ آیت سابقہ آیت کے لئے علت کی طرح ہے۔

رات کی نماز کی فضیلت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر رات ہمارا رب دنیا کے آسمان پر جلوہ فرماتا ہے۔ جب رات کا تیسرا حصہ باقی ہوتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کون مجھ سے دعا کرتا ہے کہ میں اس کی دعا کو قبول کروں، کون مجھ سے سوال کرتا ہے کہ میں اسے عطا کروں، کون ہے جو مجھ سے بخشش طلب کرے کہ میں اس کے گناہ بخش دوں، متفق علیہ (1)۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے پھر وہ اپنے ہاتھ بڑھاتا ہے اور فرماتا ہے وہ کون ہے جو اس ذات کو قرض دے جو نہ مفلس ہے اور نہ ہی ظلم کرنے والی ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ رات میں ایک ایسی گھڑی ہے جس میں کوئی مسلمان اللہ تعالیٰ سے دنیا و آخرت کی بھلائی کا سوال کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے وہ بھلائی عطا فرمادیتا ہے۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (2)۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نمازوں میں سے سب سے اللہ کو محبوب حضرت داؤد علیہ السلام کی نماز ہے اور روزوں میں سے سب سے زیادہ اللہ کو محبوب حضرت داؤد علیہ السلام کے روزے ہیں۔ آپ نصف رات سوتے رات کا تیسرا حصہ عبادت کرتے اور چھٹا حصہ سو جاتے ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے، متفق علیہ (3)۔

ابی امامہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم پر رات کا قیام لازمی ہے کیونکہ یہ تم سے پہلے صالحین کا طریقہ ہے یہ تمہیں تمہارے رب کے قریب کرنے والا ہے گناہوں کو مٹانے والا اور گناہوں سے روکنے والا ہے۔ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا (4)۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین قسم کے لوگ ایسے ہیں جنہیں دیکھ کر اللہ تعالیٰ مسکراتا ہے: (1) جب ایک آدمی رات کو نماز پڑھتا ہے، (2) قوم جب وہ نماز میں صف بندی کرتی ہے، (3) قوم جب دشمن سے جنگ کرنے میں صف بندی کرتی ہے۔ اسے امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح السنہ میں روایت کیا ہے۔ عمرو بن عبیدہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا رات کے آخری حصہ میں اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ اگر تم یہ طاقت رکھو کہ تو ان لوگوں میں سے ہو جائے جو اس وقت اللہ کا ذکر کرتے ہیں تو ان لوگوں میں سے ہو جا۔ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (5)۔ حسن رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ صحیح ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت میں سے بہترین لوگ حاملین قرآن اور رات کو عبادت کرنے والے ہیں۔ اسے امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے شعب میں روایت کیا ہے۔

۲۔ اذکر اسم ربک کا عطف قم اللیل پر ہے۔ اس سے مراد رات دن اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے جس میں کوئی انقطاع اور سستی نہ ہو۔ ایسا عمل زبان سے تو ممکن نہیں، زبان اور اعضاء سے تسبیح، تہجد، قرأت اور اس جیسے جو ذکر ہوتے ہیں ان میں نیت کا فتور آ ہی جاتا ہے۔ اس آیت میں ذکر سے مراد دل کا ذکر ہے۔ ذکر کی حقیقت بھی یہی ہے کیونکہ ذکر کا معنی غفلت کو دور کرنا ہے۔ جس طرح رسول اللہ ﷺ کے فرمان میں مقابلہ تقاضا کرتا ہے ذاکر اللہ فی العافیلین بمنزلة الصابری فی الغارمین۔ جو نماز، تسبیح اور قرأت غافل

1- صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 153 (وزارت تعلیم) 2- صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 258 (قدیمی) 3- صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 152 (وزارت تعلیم)

4- جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 194 (وزارت تعلیم) 5- ایسا

حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت عمار بن یاسر، حضرت عبداللہ بن معقل، حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں اسی طرح کبار تابعین سے بھی ایسی روایات مروی ہیں جن میں حضرت حسن بصری، امام شعبی، سعید بن جبیر، ابراہیم، قتادہ، عمر بن عبدالعزیز، اعمش اور ثوری رحمہم اللہ تعالیٰ ہیں۔ علماء نے حضرت معاویہ، عطاء، طاؤس اور مجاہد رحمہم اللہ تعالیٰ سے اس کے برعکس روایت کیا ہے۔ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح کہا ہے۔

تبتیل یہ تبتیل کا مفعول مطلق ہے فواصل کی رعایت کرتے ہوئے اس کو تبتیل کی جگہ ذکر کیا ہے۔ نیز اس امر کی طرف اشارہ ہے عموماً تبتیل کسی امر ہے جسے حاصل کرنے کے لئے تعقیق اور اجتہاد کی ضرورت ہے۔ تبتیل تبتیل سے مقدم ہے۔ اسی وجہ سے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تفسیر میں کہا کوشش کرو۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا تبتیل کا معنی دنیا اور مافیہا کو چھوڑنا اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے اس کی التماس کرنا ہے (1)۔ گویا یہ فرمایا اپنے دل کو غیر اللہ سے الگ کرو اور صرف اللہ کے ہو رہو۔ تبتیل کا مطلب یہ نہیں کہ لوگوں سے ملاقات ترک کر دی جائے، لوگوں کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کی جائے اور اللہ تعالیٰ نے جن کے ساتھ صلہ رحمی کا حکم دیا ہے ان کو چھوڑ دیا جائے کیونکہ دین میں کوئی رہبانیت نہیں کیونکہ تیرے نفس کا تجھ پر حق ہے، تیرے گھر والوں کا تجھ پر حق ہے، تیرے مہمان کا تجھ پر حق ہے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ دل سے حسی اور علمی تعلق کو ختم کر دیا جائے۔ صوفیاء نے کہا ہم جس راستے کو طے کرنا چاہتے ہیں اس کو طے کرنے کی دو منزلیں ہیں۔ پہلی منزل مخلوقات سے قطع تعلق کرنا، دوسری منزل حق تک پہنچنا۔ ان میں سے ہر ایک دوسری کو لازم ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے دونوں منزلوں کو واؤ عاطفہ کے ساتھ ذکر کیا ہے جو جمع کے لئے آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمان و اذکر اسم ربک کو تبتیل سے پہلے ذکر کیا جس کا معنی حق تک پہنچنا ہے۔ تبتیل (مخلوق سے قطع تعلق) کا مقصود بھی حق تک پہنچنا تھا (اس لئے مقصود پہلے ذکر کیا)۔ ہم نے یہ کہا کہ اس ذکر سے مراد حق تک پہنچنا ہے کیونکہ وہ ذکر جس میں سستی اور تساہل واقع نہیں ہوتا وہ علم حضوری ہے جس کا علم حصولی میں تصور نہیں کیا جاسکتا۔ علم حضوری سے مراد یہ ہے کہ نفس معلوم عالم کے پاس حاضر رہے اسی کو دوام حضور، وصول، اتصال، اتحاد اور ان جیسے مختلف الفاظ کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے۔ متقدمین اسی کو اخلاص سے تعبیر کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا خالص اللہ کے لئے عمل کرو (2)۔ یہاں و اذکر اسم ربک فرمایا ہے اذکر ربک نہیں فرمایا کیونکہ تبتیل کو جو چیز لازم ہوتی ہے۔ اسی کو فناء کہتے ہیں۔ یہ اسماء و صفات کا علم ہے۔ یہ وہ علم نہیں جو ذات سے متعلق ہو کیونکہ وہ تو وراء الورداء ہے۔ یہ احتمال بھی موجود ہے کہ ذکر سے مراد زبانی ذکر ہو جو دل کے موافق ہو اور دوام ذکر سے مراد دوام عرفی ہو جس کا معنی بشری طاقت کے مطابق زیادہ سے زیادہ ذکر کرنا ہے۔ یہی چیز انسان کو تبتیل کی طرف لے جاتی ہے اور اس تک پہنچنے کا وسیلہ ہوتی ہے۔ اس میں یہ شرط بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں منتخب کیا جائے جس طرح انبیاء اور اولیاء میں سے افراد کو چنا جاتا ہے یا شیخ کی طرف سے جذب ہو۔ اسی وجہ سے تبتیل پر ذکر کو مقدم کرنا زیادہ مناسب اور موزوں ہے۔

یہ چیز بھی ذہن نشین رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان و اذکر اسم ربک میں اسم ذات کے تکرار کی طرف اشارہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے فرمان رَبُّ الشَّرْقِ وَ الْمَغْرِبِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ میں جب لفظ رب کو مجرور پڑھا جائے تو یہ اس تصور کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام

ممکنات کو محیط ہے۔ نفی اور اثبات کا ذکر اور اسم ذات کا تکرار ہی کمالات ولایت کے حاملین کے طریقہ کی بنیاد ہیں۔ اس تاویل کی بناء پر معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان مغایرت ثابت ہوتی ہے۔ میری مراد قم اللیل، رتل القرآن واذکر اسم ربک ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ان چاروں امور یعنی نماز، قرآن کی تلاوت، اسم ذات کا ذکر اور نفی واثبات ہی قرب کے مراتب اور درجات کو حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں۔ فبرق یہ ہے کہ پہلے دونوں ان کا ذریعہ ہیں جو کمال کی انتہاء پر فائز ہوتے ہیں اور آخری دو اہل ابتداء کے لئے ذریعہ ہیں۔ پہلے دونوں ذریعوں کو مقدم ذکر کیا جبکہ دوسرے دونوں کو مؤخر ذکر کیا کیونکہ پہلے میں مخاطب حضور ﷺ کی ذات ہے جو اہل انتہاء کی اکمل ترین ذات ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا ①

”مالک ہے شرق و غرب کا اس کے سوا کوئی معبود نہیں پس بنائے رکھئے اسی کو اپنا کارساز۔“

لے نافع، ابن کثیر، ابو عمر و اور حفص رحمہم اللہ تعالیٰ نے لفظ رب کو مرفوع پڑھا ہے کیونکہ یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے۔ ہو رب المشرق و المغرب یا یہ مبتداء ہے اور اس کی خبر لا الہ الا هو ہے جبکہ باقی قراء نے لفظ رب کو مجرور پڑھا ہے کیونکہ یہ ربک سے بدل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہاں صرف قسم مضموم ہے اور اس کا جواب لا الہ الا هو ہے۔ فاتخذ میں فاء سببہ ہے کیونکہ وہ تمام مخلوقات کا رب ہے۔ اس کا اکیسے اللہ ہونا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ تمام امور کو اسی کے سپرد کیا جائے۔ اس آیت میں ایک وہم کو دور کیا گیا ہے۔ وہم یہ ہے کہ مخلوق سے انقطاع ممکن ہے جو اس کی زندگی کے معاملات میں خلل کا باعث ہو کیونکہ انسان مدنی الطبع ہے۔ انسان ایک دوسرے سے مستغنی نہیں ہو سکتے۔ اس وہم کو اس طرح باطل کر دیا کہ اللہ تعالیٰ مشرق و مغرب کا رب ہے۔ مشرق و مغرب میں موجود انسان، شہر، افعال، منافع اور دل سب اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں، وہ جس طرح چاہتا ہے ان میں تصرف کرتا ہے، وہی معبود برحق ہے کسی کے لئے نفع و نقصان کا تصور اس کے اذن کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ پس اسے کارساز بنائیے وہ دوسروں کے مقابلہ میں تمہارے لئے کافی ہو جائے گا اور وہ کتنا بہترین کارساز ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر تم اللہ تعالیٰ پر اس طرح توکل کرو جس طرح توکل کرنے کا حق ہے تو وہ تمہیں اس طرح رزق عطا فرمائے گا جس طرح وہ پرندوں کو رزق عطا فرماتا ہے۔ وہ صبح بھوکے روانہ ہوتے ہیں اور شام کو بھرے پیٹ واپس لوٹتے ہیں۔ اسے امام ترمذی اور ابن ماجہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ روح القدس نے میری روح میں القاء کیا ہے کہ کوئی نفس بھی اس وقت تک نہیں مرتا یہاں تک کہ وہ اپنا مکمل رزق حاصل کر لیتا ہے۔ خبردار اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنی طلب میں حسن پیدا کرو۔ اسے امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح السنہ میں اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہ شعب میں بیان کیا ہے۔

حضرت ابو ذر نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں دنیا میں زہد یہ نہیں کہ انسان حلال چیز کو اپنے اوپر حرام کر لے اور مال ضائع کرتا رہے بلکہ دنیا میں زہد یہ ہے کہ جو کچھ تیرے قبضہ میں ہے وہ تیرے نزدیک اللہ تعالیٰ کے پاس جو کچھ ہے اس سے زیادہ قابل اعتماد نہ ہو اور جب تمہیں کوئی مصیبت پہنچے تو اس کے بدلہ کی اتنی امید ہو کہ تم اس مصیبت کے باقی رہنے کی تمنا کرنے لگو۔ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا (1)۔ ہمارے شیخ اجل ہمارے امام اور ہمارے قبلہ یعقوب کرخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا سورت کے آغاز سے

اس آیت تک سلوک کے مقامات کی طرف اشارہ ہے کہ رات کو خلوت اختیار کی جائے، قرآن پڑھنے میں مشغول رہا جائے، رحمن کا ذکر کیا جائے، ماسوا کی لٹھی کی جائے، اللہ تعالیٰ پر توکل کیا جائے پھر سلوک کے اعلیٰ مقامات کی طرف اشارہ کیا وہ دشمنوں کے ظلم پر صبر کرنا ہے۔

وَأَصْبِرْ عَلَىٰ مَا يِقُولُونَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَبِيلًا ① وَذُرْنِي وَالْمُكَذِّبِينَ أُولِي النَّعْمَةِ وَمَهْلِكُمْ قَتِيلًا ② إِنَّ لَدَيْنَا أَنْكَالًا وَجَحِيمًا ③ وَطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَعَذَابًا أَلِيمًا ④

”اور صبر کیجئے ان کی (دلآزار) باتوں پر اور ان سے الگ ہو جائیے بڑی خوبصورتی سے ۱۔ آپ چھوڑ دیں مجھے اور ان جھٹلانے والے ماں داروں کو اور انہیں تھوڑی سی مہلت دیں ۲۔ ہمارے پاس ان کے لئے بھاری بیڑیاں اور بھڑکتی آگ ہے ۳ اور نڈا ہو گئے میں پچھس جائے واپس ہے اور دردناک عذاب ہے ۴“

۱۔ کفار جو خرافات کہتے ہیں ان پر صبر کیجئے کیونکہ وہ حضور ﷺ کے بارے میں کبھی یہ کہتے کہ آپ کا ہن ہیں، کبھی کہتے آپ شاعر ہیں، کبھی کہتے آپ مجنوں ہیں بس آپ ان سے پہلو تہی کیجئے، ان کا مقابلہ نہ کریں، ان کے معاملے کو میرے سپرد کر دیں۔ اس آیت کا حکم آیت قتال سے منسوخ ہے۔

۲۔ وَالْمُكَذِّبِينَ میں واو مع کے معنی میں ہے، اسے عاطفہ بنانا جائز نہیں۔ معنی یہ ہوگا ان کے معاملے کو میرے سپرد کر دیں۔ میں تیری طرف سے انہیں بدلہ دینے میں کافی ہوں ان کی باتیں آپ کو ٹھکن نہ کریں۔ اولیٰ النعمة سے مراد قریش کے سردار ہیں۔ قلیلا یا تو زمانا کی صفت ہو کر مفعول فیہ ہے یا امھالا کی صفت ہو کر مفعول مطلق ہے، یعنی انہیں موت تک مہلت دو یا جہاد کا حکم آنے تک انہیں مہلت دو۔ پھر اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں سے انہیں عذاب دے گا، مومنوں کے سینوں کو شفاف کر دے گا اور ان کے دلوں کے غصہ کو ختم کر دے گا۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ آیت بدر کے مقتولوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس آیت کے نازل ہونے کے تھوڑے عرصہ بعد انہیں بدر کے مقام پر قتل کر دیا گیا۔ (۱)

۳۔ یہ جملہ سابقہ جملہ میں فعل امر کی علت بیان کر رہا ہے۔ نکل بھاری بیڑی کو کہتے ہیں۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انکال سے مراد آگ کی بیڑیاں ہیں۔

۴۔ وہ گلے میں اٹک جائے گا، نہ نیچے اترے گا نہ باہر نکلے گا۔ ابن جریر اور ابن ابی الدنیا رحمہما اللہ تعالیٰ نے جہنم کی صفت میں حاکم اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے طعنا ذَا غُصَّةٍ کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ اس سے مراد قوم کا درخت ہے (۲)۔ عبداللہ بن احمد نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ضریع جہنم میں ایک چیز ہے جو کانٹے کے مشابہ ہوگی۔ مصر سے کڑوی، مردار سے بدبودار اور آگ سے زیادہ گرم ہوگی۔ جب جہنمی اسے کھائے گا تو وہ پیٹ میں داخل نہیں ہوگی اور نہ ہی منہ کی طرف نکلے گی۔ وہ درمیان میں اٹکی رہے گی، نہ وہ جسم کو موٹا کرے گی اور نہ ہی بھوک سے نجات دے گی۔

ابن ابی الدنیا رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت نقل کی ہے کہ جہنمیوں پر جہنم کے سانپ اور بچھو گریں گے۔ اگر ان میں ایک سانپ مشرق میں پھنکارے تو اہل مغرب کو جلادے۔ اگر ان میں سے ایک بچھو اہل دنیا کو ڈنک مارے تو سب کو جلادے۔ یہ جہنمیوں پر گریں گے تو جہنمیوں کے گوشت اور جلدوں میں داخل ہو جائیں گے۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ابوسعید خدری

رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے آسان عذاب ابو طالب کا ہوگا، انہیں دو جوتے پہنائیں جائیں گے جن سے ان کا دماغ جوش مارنے لگے گا۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے جنہیوں میں سے سب سے آسان عذاب اس کا ہوگا جسے دو جوتے پہنائے جائیں گے جس کے تھے آگ کے ہوں گے جن سے اس کا دماغ یوں جوش مارے گا جس طرح ہنڈیا جوش مارتی ہے۔ وہ یہ خیال کرے گا کہ اس کا عذاب سب سے سخت ہے حالانکہ اس کا عذاب سب سے ہلکا ہوگا (1)۔

حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔

يَوْمَ تَرْجُفُ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيلًا ۝ إِنَّا أَرْسَلْنَا
إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا ۝ فَعَصَىٰ
فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ فَأَخَذْنَاهُ أَخْذًا وَبِيْلًا ۝

” (یہ اس روز) جس دن لرزے لگیں گے زمین اور پہاڑ اور پہاڑ ریت کے بتے ٹیلے بن جائیں گے (اے اہل مکہ!) ہم نے بھیجا ہے تمہاری طرف ایک (عظیم الشان) رسول تم پر گواہ بنا کر، جیسے ہم نے فرعون کی طرف (موسیٰ کو) رسول بنا کر بھیجا ہے پس نافرمانی کی فرعون نے رسول کی تو ہم نے اس کو بڑی سختی سے پکڑ لیا ہے۔“

لہٰذا یہ ان لدینا انکالا میں فعل کا معنی پایا جا رہا ہے۔ یوم اس کی طرف ہے ظاہر یہ ہے کہ زمین اور پہاڑوں میں زلزلہ یہ نکتہ اولیٰ سے پہلے ہوگا جبکہ کفار کو بیڑیوں اور جحیم کے ساتھ عذاب دوبارہ اٹھائے جانے کے بعد ہوگا تو اس ظریفیت کی وجہ یہ ہوگی کہ قیامت کا دن ایک طویل زمانہ ہے جو نکتہ اولیٰ سے شروع ہو کر جنتیوں کے جنت میں داخل ہونے اور جہنمیوں کے جہنم میں داخل ہونے تک پھیلا ہوا ہے۔

كانت الجبال کا عطف ترجف پر ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کثیبا مہیلا کا معنی یہ نقل کیا ہے بننے والی ریت۔ کلیبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے مراد وہ ریت ہے کہ جب تو اس میں سے کوئی حصہ لے تو باقی ماندہ اس جگہ آپڑے۔

۱۱ الیکم میں کم ضمیر سے مراد اہل مکہ ہیں۔ اس کلام میں التفات ہے کیونکہ سابقہ کلام میں خطاب حضور ﷺ کو تھا۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان و اصبر علیٰ ما یقولون میں کفار کا ذکر غائب کے صیغوں میں تھا۔ یہاں خطاب کفار کو ہے اور حضور ﷺ کا ذکر غائب کے صیغوں میں ہے۔ اس کلام انا ارسلناک میں سابقہ کلام انا سنلقیٰ علیک قولاً ثقیلاً کی تاکید ہے کیونکہ دونوں آیتوں کا مضمون ایک ہے۔ یہ رسول تم پر گواہی دے گا کہ کون ہے جس نے دعوت کو قبول کیا یا وہ کون ہے جس نے دعوت کا انکار کیا۔ کما ارسلنا محذوف مصدر کی صفت ہے۔ رسول سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔

۱۲ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی کی تو ہم نے اسے سختی سے پکڑ لیا۔ اسی سے طعام و بیل ہے۔ یعنی بھاری کھانا جو ہضم نہ ہوتا ہو۔ اسی سے و اہل کا لفظ ہے جس کا معنی عظیم بارش ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے سمندر میں غرق کیا۔ پھر اسے جہنم میں داخل کر دیا۔ اگر تم نے رسول کی نافرمانی کی تو تمہارے ساتھ بھی یہی سلوک کرے گا۔

فَكَيْفَ تَتَّقُونَ إِن كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ سِيبًا ۝ السَّمَاءُ مَنفُطَةٌ ۝ كَانِ

وَعْدُكَ مَفْعُولًا ۝۱۱ اِنَّ هٰذِهِ تَذٰكِرَةٌ ۝۱۲ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذْ اِلٰى رَبِّهِ سَبِيْلًا ۝۱۳

” (ذرا سوچو) کہ تم کیسے بچو گے اگر تم کفر کرتے رہے اس روز جو بچوں کو بوڑھا بنا دے گا۔ (اور) آسمان پھٹ جائے گا اس (کے ہول) سے اللہ کا وعدہ تو پورا ہو کر رہے گا۔ یقیناً یہ (قرآن) نصیحت ہے پس اب جس کا جی چاہے اختیار کر لے اپنے رب کی طرف سیدھا راستہ۔“

۱۔ اے اہل مکہ اگر تم نے رسول کی نافرمانی کی تو اس دن کے عذاب سے کیسے بچو گے۔ یہاں عذاب کا لفظ یوم سے پہلے محذوف ہے اور مضاف الیہ کو مضاف کے قائم مقام رکھا گیا اور مضاف کا اعراب دیا گیا۔ ظرف تنقون کے متعلق ہے۔ معنی یہ ہوگا اس دن تم عذاب سے کیسے بچو گے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ کفر تم کا مفعول ہو، یعنی اگر تم روز جزا کا انکار کرو تو تم عذاب سے کیسے بچو گے جو دن ہولناکی کی شدت اور اپنی طولت کی وجہ سے بچوں کو بوڑھا کر دے گا۔ یہ کلام بطور فرض یا بطور تمثیل ہے۔ اصل یہ ہے کہ غم قوتوں کو کمزور کر دیتے ہیں اور جلد بڑھا پالاتے ہیں۔ شبہا یہ اشیاء کی جمع ہے جس طرح بیض انبض کی جمع ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے آدم تو حضرت آدم علیہ السلام جواب دیتے ہیں تَبِيْكَ وَنَعْدِيْكَ وَالنَّخِيْرُ فِيْ يَدِيْكَ میں حاضر ہوں، ہر بھلائی تیرے قبضہ میں ہے۔ حکم ہوگا جہنم کا حصہ نکالو۔ حضرت آدم عرض کریں گے جہنم کا حصہ کیا ہے۔ فرمایا ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے۔ اس وقت جو ان بوڑھے ہو جائیں گے اور حاملہ کا حمل گر جائے گا۔ تم لوگوں کو نشہ کی حالت میں دیکھو گے حالانکہ وہ نشہ میں نہیں ہوں گے لیکن اللہ کا عذاب سخت ہوگا۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ وہ کیسا کون ہوگا؟ فرمایا تمہیں بشارت ہو، ایک تمہیں میں سے ہوگا۔ ہزار یا جوج و ما جوج میں سے ہوں گے۔ پھر فرمایا مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جلت ہے، میں امید کرتا ہوں تم جنتیوں کا چوتھائی حصہ ہو گے تو ہم نے نعرہ تکبیر بلند کیا فرمایا تم لوگوں میں اس طرح ہو جس طرح سفید رنگ والے نیل کی جلد میں سیاہ بال یا سیاہ رنگ والی جلد میں سفید بال، متفق علیہ (1)۔ یہ جملہ یوم کی صفت ہے۔ ضمیر عائد فاعل کی ضمیر ہے اور فعل کی یوم کی طرف نسبت بطور مجاز ہے جس طرح اس جملہ میں فعل کو زمانہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ صام نہارہ یا ضمیر عائد محذوف ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی یَوْمًا يَجْعَلُ اللّٰهُ فِيْهِ الْوَلْدَانَ شِيْبًا۔

۱۱۔ آسمان اپنی عظمت اور مضبوطی کے باوجود پھٹ جائے گا۔ خبر کو مذکر ذکر کرنے کی دو وجہیں ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ السماء سقف کے معنی میں ہے، دوسری یہ کہ منقطر سے پہلے شے، موصوف محذوف ہے۔ بہ میں ہ ضمیر سے مراد وہ دن ہے، یعنی اس دن کی شدت کی وجہ سے آسمان بھی پھٹ جائے گا تو دوسری چیزوں کی کیا حیثیت ہے۔ یہ جملہ یوما کی دوسری صفت ہے۔ کان وعدہ مفعولاً یہ یوما کی تیسری صفت ہے۔ وعد مصدر ہے جو مفعول بہ کی طرف مضاف ہے جو یوم کی طرف لوٹ رہی ہے۔ یا ضمیر عائد محذوف ہے اور مصدر اپنے فاعل کی طرف مضاف ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی كَانَ وَغَدَّ اللّٰهُ بِالْعَذَابِ فِيْهِ مَفْعُولًا۔ یہاں دو جملوں کو واو عاطفہ کے بغیر ذکر کیا ہے۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح ان آیات میں بغیر واو عاطفہ کے ذکر کیا اَللّٰهُمَّ ۝ عَلَّمَ الْقُرْآنَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ۔

سے یہ آیات جنہیں ہم تم پر القاء کرتے ہیں یہ بندوں کو مبدأ اور معاد کو یاد دلاتی ہیں اور اس راستہ کی وضاحت کرتی ہیں جو اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والا ہے، یعنی اس کی سخاوت اس کے انعام، اس کی رضا اور اس کی ہدایت تک پہنچانے والا ہے۔ پس جو نصیحت حاصل کرنا چاہئے اور اپنے رب تک پہنچنا چاہے وہ اس راستہ کو اپنالے۔ اس میں فاء سیبیہ ہے، یعنی اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا کوئی اور ذریعہ نہیں۔ صرف یہی تذکرہ ہی واسطہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہمارے نفوس سے بھی زیادہ قریب ہے۔ ہمارے اور اس کے درمیان کوئی اور حجاب نہیں۔ صرف ہماری غفلت اور اس کی عظمت کبریائی کا حجاب ہے۔ انہیں حجابات کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نور و ظلمت کے ستر ہزار پردے ہیں۔ عظمت و کبریائی کے پردے نور کے پردے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کبریائی میری رداء ہے، عظمت میرا ازار ہے، یعنی عظمت و کبریائی میرا لباس ہے اور بندوں کی غفلت کے حجاب ظلمانی حجاب ہیں۔ اگر یہ پردے ہٹا دیئے جائیں تو اس کی ذات کے انوار حدنگاہ تک مخلوق کو جلا دیں۔ ان حجابات کو یاد دلانے اور نصیحت کے ذریعے دور کیا جاسکتا ہے کیونکہ یاد غفلت کو زائل کر دیتی ہے اور معیت کی وجہ سے محبت کو واجب کرتی ہے جس طرح رسول اللہ ﷺ نے فرمایا الصبر مع من أحب محبت محبت کو محبوب تک پہنچاتی ہے یہاں تک کہ عظمت و کبریائی کے حجابات بھی اس سے مانع نہیں ہوتے ذات باری تعالیٰ کے انوار کا جلانا یہ فنا و بقاء سے کنایہ ہے، اگرچہ وہ مرتبہ علم میں ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا اس کا معنی یہ ہے کہ اس پر تھیر طاری ہوگا۔ یہ دھمکی سے کنایہ ہے۔

إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنَىٰ مِنْ ثُلُثِي اللَّيْلِ وَنِصْفَهُ وَثُلُثَهُ وَطَائِفَةٌ مِّنَ الَّذِينَ مَعَكَ ۗ وَاللَّهُ يُقَدِّرُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۗ عَلِمَ أَنْ لَّنْ نَّحْصُوهُ أَفْتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ ۗ عَلِمَ أَنْ سَيَكُونُ مِنْكُمْ مَّرْضَىٰ وَ أَخْرُونَ يُضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ مِن فَضْلِ اللَّهِ ۗ وَ آخْرُونَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۗ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۗ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاقْرَأُوا ۗ وَاللَّهُ قَرِيبٌ مَّا حَسَّنَا ۗ وَمَا تُقَدِّرُ مَوْلَا ۗ تَفْسِكُمْ ۗ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ هُوَ خَيْرٌ ۗ وَأَعْظَمَ أَجْرًا ۗ وَاسْتَغْفِرُوا لِلَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٥٠﴾

”بے شک آپ کا رب جانتا ہے کہ آپ (نماز میں) قیام کرتے ہیں کبھی دو تہائی رات کے قریب، کبھی نصف رات اور کبھی تہائی رات اور ایک جماعت ان سے جو آپ کے ساتھ ہیں وہ بھی (یونہی قیام کرتے ہیں) اور اللہ تعالیٰ ہی چھوٹا بڑا کرتا رہتا ہے رات اور دن کو وہ یہ بھی جانتا ہے کہ تم اس کی طاقت نہیں رکھتے تو اس نے تم پر مہربانی فرمائی پس تم اتنا قرآن پڑھ لیا کرو جتنا تم آسانی سے پڑھ سکتے ہو وہ یہ بھی جانتا ہے کہ تم میں سے کچھ بیمار ہوں گے اور کچھ سفر کرتے ہوں گے زمین میں تلاش کر رہے ہوں گے اللہ کے فضل (رزق حلال) کو اور کچھ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہوں گے تو پڑھ لیا کرو قرآن سے جتنا آسان ہو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ کو قرض حسند دیتے رہا کرو اور جو نیکی تم آگے بھیجو گے اپنے لئے تو اسے اللہ کے پاس موجود پاؤ گے یہی بہتر ہے اور (اس کا) اجر بہت بڑا ہوگا اور مغفرت طلب کیا کرو اللہ تعالیٰ سے بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔“

۱۔ ادنیٰ کا معنی اقرب ہے۔ بشام رحمۃ اللہ علیہ نے ثلثی کو امام سے سکون کے ساتھ جبکہ باقی قراء نے لام کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اور کوفیوں نے نصفہ وثلثہ کو ادنیٰ پر عطف کرتے ہوئے منصوب پڑھا ہے، یعنی رات کے دوثلث سے تم قیام کرتے ہیں اور نصف رات قیام کرتے ہیں اور ایک ثلث قیام کرتے ہیں، جبکہ باقی قراء نے انہیں مجرور پڑھا ہے۔ اس وقت اس کا ثلثی پر عطف ہوگا۔ یہ قرأت اس پر دلالت کرتی ہے کہ قیام چوتھائی رات سے زیادہ ہوتا۔ ہم نے چوتھائی رات سے زیادہ کا قول کیا ہے کیونکہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان او انقص منه قليلا یہ تقاضا کرتا ہے کہ قیام چوتھائی رات سے زیادہ ہو۔

طائفۃ کا عطف تقوم فعل کے فاعل پر ہے، یعنی صحابہ کی ایک جماعت بھی آپ کی سنت کی اقتداء کرتے ہوئے قیام کرتی ہے۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تفسیر میں فرمایا، یعنی مومن آپ کے ساتھ قیام کرتے ہیں (۱)۔ یہ تاویل بہت بعید ہے کیونکہ جو حضور ﷺ کے ساتھ تھے وہ مومن تھے۔ کافر نہیں تھے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے: **مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ**

من الذین میں من بعضیہ ہے جو اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ قیام کرنے والے بعض صحابہ تھے تمام صحابہ نہ تھے۔

واللہ یقدر کا عطف ان ربکم بعلم پر ہے۔ اس میں اسم نماہر کو اسم ضمیر کی جگہ رکھا ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی وھو یقدر اللیل والنہار یعنی اللہ تعالیٰ ان دونوں کی مقداروں کو جانتا ہے جس طرح وہ اصل میں ہیں جبکہ تم ان کی اصلیت کو نہیں جانتے۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا لفظ اللہ اسم جلال کو مبتدائی حیثیت سے مقدم کرنا اور یقدر کو اس کی خبر بنا کر یہ اختصاص کا شعور دلاتا ہے۔ یہ عبد القاہر اور زمخشری کا مذہب ہے کسائی کا مذہب نہیں۔

علم ان میں ان منقلہ سے مخفف ہے۔ اس کا اسم ضمیر شان مخدوف ہے، یعنی اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ تم اوقات کا اندازہ نہیں لگا سکتے اور نہ ہی اس کی ساعتوں کو ضبط کر سکتے ہو۔ اسی وجہ سے پانچوں نمازوں کا وجوب امر بظاہر کے ساتھ ملا دیا گیا ہے جس طرح صبح کا طلوع ہونا، سورج کا طلوع ہونا، سورج کا ڈھلنا، سورج کا غروب ہونا، سایہ کی مقدار اور شفق کا غروب ہونا۔ اللہ تعالیٰ نے سختی سے نرمی کی طرف رجوع کیا ہے۔ آپ سے اس مقدار کو ساقط کر دیا تاکہ تیری امت پر اس کی پیروی مشکل نہ ہو۔

فافرء وا میں فاء سببیہ ہے۔ اس کا معنی یہ ہے رات کے وقت جتنا نماز پڑھنا تمہارے لئے آسان ہو اسے پڑھو۔ یہاں نماز کو قرأت سے تعبیر کیا جس طرح سابقہ آیات میں اسے قیام سے تعبیر کیا گیا یہاں کل کو جزء کا نام دیا۔ یہ آیت تقاضا کرتی ہے کہ قرأت نماز کا رکن ہے جس طرح سابقہ آیت قیام کے رکن ہونے کا تقاضا کرتی تھی۔ اس پر علماء کا اجماع بھی ہے۔ آیت کے اس حصہ نے اس مقدار کے قیام کے حکم کو منسوخ کر دیا جبکہ مطلق رات کے قیام کا حکم باقی رہا۔ پھر اس حکم کو بھی پانچ نمازوں کے حکم کے ساتھ منسوخ کر دیا گیا۔ فریضہ کے بعد اس کے نطفی ہونے پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مقاتل اور ابن کيسان رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی دلالت کرتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ابتداء میں رات کو قیام کرنے کا حکم حضور ﷺ اور آپ کی امت پر واجب تھا آپ کی امت کے حق میں اس کے منسوخ ہونے پر تمام امت کا اجماع ہے۔ جہاں تک حضور ﷺ کے حق میں منسوخ ہونے کا تعلق ہے اس میں علماء کا اختلاف ہے، خواہ یہ ابتداء میں حضور ﷺ پر خاص طور پر واجب تھا یا یہ حضور ﷺ اور آپ کی

امت پر عموماً واجب تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ حضور ﷺ کے حق میں رات کے وقت قیام کرنے کا حکم منسوخ نہیں ہوا بلکہ یہ آخری عمر تک آپ پر واجب رہا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ حکم آپ ﷺ کے لئے منسوخ کر دیا گیا۔ اب رات کا قیام آپ کے لئے بطور نفل تھا۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ نافلة کا معنی زائد ہے یعنی آپ کی ذات پر واجب ہونے اعتبار سے زائد ہے۔ آپ کی امت پر واجب نہیں۔ میرے نزدیک یہی پسندیدہ ہے اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے وَ مِنْ آيَاتِهِ أَنْ يُنَزِّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَيَكْنُزُ بِهِ نَافِلَةً لَكُمْ۔ یہ آیت اس کے نافلة ہونے میں صریح ہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ نافلة کا معنی زائدہ ہے، یعنی آپ پر واجب ہونے میں زائدہ ہے۔ آپ کی امت پر یہ واجب نہیں۔ میں کہتا ہوں اگر یہ بات اس طرح ہے تو کلام یوں ہوتی نافلة علیک کیونکہ وجوب کا صلہ علی آتا ہے لام نہیں آتا۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ حضور ﷺ کے ساتھ خاص ہونے کی دلیل یہ ہے کہ یہ تمام امت کے لئے نفل ہے، کسی ایک کے لئے بھی ممنوع نہیں۔

ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ مجاہد، حسن اور ابی امامہ رحمہم اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ اس کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کے لئے خاص طور پر اسے نافلة قرار دیا کیونکہ آپ کے حق میں درجات کی بلندی کے لئے عام ہے جبکہ دوسروں کے حق میں گناہوں کو مٹانے کے لئے نفل ہے۔ حضور ﷺ کے حق میں اس کے نفل ہونے پر حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی دلالت کرتی ہے کہ حضور ﷺ نے قیام کیا یہاں تک کہ آپ کے قدموں میں سوجن آگئی۔ آپ سے عرض کی گئی آپ ایسا کیوں کرتے ہیں جبکہ آپ کے اگلی پچھلی خطائیں معاف کر دی گئی ہیں۔ فرمایا کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ مجھ پر خاص طور پر فرض ہیں۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سفر میں اپنی سواری پر اشاروں سے رات کی نماز پڑھتے جبکہ سواری کا منہ جدھر بھی ہوتا جبکہ فرض سواری پر نہ پڑھتے آپ وتر سواری پر پڑھ لیتے تھے، متفق علیہ۔ (1)

مسئلہ :- اس مسئلہ میں اختلاف ذکر کیا گیا ہے کہ امت کے حق میں رات کی نماز سنت مؤکدہ ہے یا مستحب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ ہمارے حق میں یہ مستحب ہے۔ یہ ان لوگوں کا قول ہے جو یہ کہتے ہیں کہ شب کی نماز حضور ﷺ کے وقت وصال تک فرض رہی۔ انہوں نے کہا قوی دلائل مندوب ہونے فائدہ دیتے ہیں جبکہ ہمیشہ کا عمل بطور نفل نہیں تھا۔ سنت اسے کہتے ہیں جس پر حضور ﷺ نے بطور نفل مواظبت اختیار کی ہے۔ میرے نزدیک پسندیدہ امر یہ ہے کہ یہ سنت ہے جس طرح ہم نے ذکر کیا ہے کہ حضور ﷺ کی مواظبت بطور نفل تھی۔ اگر یہ فرض کیا جائے کہ حضور ﷺ نے بطور وجوب اس پر مواظبت اختیار کی۔ جب تک آپ کی طرف سے ممانعت نہ ہوگی امت کے لئے وہ مستنون رہے گا جس طرح صوم وصال سے حضور ﷺ نے منع کر دیا۔

وہ روایات جو نماز تہجد کے سنت ہونے پر دلالت کرتی ہیں ان میں سے ایک حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ کے پاس ایک آدمی کا ذکر کیا گیا۔ عرض کی گئی وہ صبح تک سویا رہتا ہے، وہ نماز کے لئے نہیں اٹھتا۔ آپ نے فرمایا وہ ایسا آدمی ہے جس کے کان میں شیطان نے پیشاب کر دیا ہے، متفق علیہ (2)۔ مستحب کو ترک کرنے کی وجہ سے ایک آدمی ملامت اور عتاب کا مستحق نہیں بنتا، واللہ اعلم۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ فَاقْرَأْ ذَا مَاتِيسَرَ مِنَ الْقُرْآنِ سے مراد پانچوں نمازوں میں قرآن پڑھنا ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے مغرب اور عشاء کی نماز میں قرآن پڑھنا ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا قیس بن حازم نے کہا میں نے بصرہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پیچھے نماز پڑھی۔ آپ نے پہلی رکعت میں سورہ حمد (فاتحہ) اور سورہ بقرہ کی

پہلی آیت پڑھی۔ پھر آپ دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہوئے آپ نے اس میں سورۃ فاتحہ اور سورۃ بقرہ کی دوسری آیت پڑھی۔ پھر آپ نے رکوع کیا پھر آپ ہماری طرف متوجہ ہوئے، فرمایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ۔ یہ احتمال بھی ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ جتنا قرآن آسانی سے پڑھ سکتے ہو وہ پڑھو۔

مسئلہ:- علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ کتنی قرأت سے نماز جائز ہوتی ہے اور کتنی قرأت کرنا واجب ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ مروی ہے کہ کم از کم اتنی قرأت کرنا ضروری ہے جس پر قرآن کا اطلاق کیا جاسکے وہ لوگوں کی کلام کے مشابہ نہ ہو۔ یہ روایت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ آیت سے کم بھی تلاوت کرنے سے نماز ہو جاتی ہے۔ امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی قول کیا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری روایت یہ ہے۔ یہی امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ مکمل آیت ہے اس سے کم تلاوت کی صورت میں نماز جائز نہیں۔ صاحب ہدایہ نے اسے ہی پسند کیا ہے۔ امام اعظم کی ایک اور روایت میں ہے اور یہی صاحبین کا نقطہ نظر ہے کہ تین چھوٹی آیات کی قرأت ضروری ہے جس طرح سورۃ کوثر ہے یا ایک ایسی آیت اس جیسی تین آیات کے مساوی ہو لیکن ائمہ احناف کے نزدیک سورۃ فاتحہ شریف اور ایک سورت کی مقدار ساتھ ملانا واجب ہے۔ اگر ان میں سے کوئی بھی چیز چھوڑ دی، اگر بھول کر چھوڑی تھی تو سجدہ ہو واجب ہوگا، اگر سجدہ نہ کیا اور جان بوجھ کر اسے چھوڑ دیا تو وہ گناہگار ہوگا اور اس پر نماز کا اعادہ واجب ہوگا اعادہ فرض نہ ہوگا۔

امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک سورۃ فاتحہ شریف کے بغیر نماز صحیح نہیں ہوتی ان کے نزدیک ساتھ سورت کا ملنا سنت ہے مگر واجب نہیں۔ انہوں نے حضور ﷺ کے اس ارشاد سے استدلال کیا ہے کہ جو سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں، متفق علیہ۔ (1)۔ یہ حدیث عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اسے دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے کہ جس نے سورۃ فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز جائز نہ ہوگی کیا اس کی سند صحیح ہے؟ ابن خزیمہ اور ابن حبان رحمہما اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اس میں یہ بھی ذکر ہے۔ راوی نے کہا میں نے پوچھا اگر میں امام کے پیچھے ہوں تو کہا انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا اپنے دل میں اس کو پڑھ لینا۔ امام مسلم اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے ان الفاظ میں روایت کیا ہے جس نے نماز پڑھی اور اس نے نماز میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی تو وہ نماز نامکمل ہے، نامکمل ہے، نامکمل ہے۔ میں نے کہا اسے ابو ہریرہ میں کبھی کبھی امام کے پیچھے ہوتا ہوں۔ فرمایا اے فارسی اسے اپنے دل میں پڑھ لے (2)۔ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اشہب کے واسطے سے ابو عقبہ سے انہوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ محمد بن ربیع سے، وہ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت کرتے ہیں۔ سورۃ فاتحہ تو غیر کا عوض ہے مگر کوئی اور سورت سورۃ فاتحہ کا عوض نہیں۔

ہم نے اس حدیث کے جو مختلف الفاظ ذکر کئے ہیں ان سے ان لوگوں کا دعویٰ غلط ہو جاتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ لَا صَلَوةَ اِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ کا معنی یہ ہے کہ نماز ہو تو جاتی ہے لیکن کامل نہیں ہوتی جس طرح اس ارشاد میں کمال کی نفی ہے نفس شے کی نفی نہیں لَا صَلَوةَ لِجَارِ الْمَسْجِدِ اِلَّا فِي الْمَسْجِدِ کیونکہ یہ تاویل ان الفاظ میں جاری نہیں ہوتی جو ہم نے ذکر کئے ہیں کیونکہ جار مجرور جب خبر بن رہے ہوں تو اس وقت وہ عام فعل کے متعلق ہوتے ہیں۔ معنی یہ ہوگا نماز ہوتی ہی نہیں کیونکہ جب شرعی اعتبار سے کوئی عمل متحقق نہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ درست نہیں ہے مگر دوسری حدیث لَا صَلَوةَ لِجَارِ الْمَسْجِدِ اِلَّا فِي الْمَسْجِدِ میں جب دلیل پائی گئی

کہ نماز ہو جاتی ہے تو ہم نے اسے خاص فعل کے ساتھ متعلق کر دیا ہے وہ دلیل اجماع ہے۔ یہاں فعل خاص محذوف مانیں گے تو یہاں خبر حذف ہے جار مجرور خبر نہیں بن رہا۔

سورۃ فاتحہ کی تفسیر میں جو چیز گزری تھی کہ نماز میرے اور میرے بندے کے درمیان تقسیم ہے۔ وہاں صلوة سے مراد سورۃ فاتحہ ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ سورۃ فاتحہ کا پڑھنا اور ساتھ ہی سورت کا ملنا واجب ہے کیونکہ بعض روایات میں یہ آیا ہے لَا صَلْوَةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَصَاعِدًا۔ اسے امام مسلم، ابی داؤد اور ابن حبان رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے ابو سعید سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے اس آدمی کی نماز نہیں جس نے اس میں الحمد اور سورت نہ پڑھی، وہ نماز فرض ہو یا کوئی اور اس کی سند ضعیف ہے۔ ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت ہے جو بہام کے واسطے سے قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے، وہ اسے ابو بصر سے روایت کرتے ہیں، وہ ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ ہم نماز میں سورۃ فاتحہ اور جو پڑھنا آسان ہو وہ پڑھیں اس کی سند ضعیف ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ نہیں فرمایا کہ سورۃ فاتحہ نماز کا رکن ہے۔ اگر سورۃ فاتحہ نہ پڑھی جائے تو نماز ہی نہیں ہوتی۔ آپ اس آیت کریمہ سے استدلال کرتے ہیں فَأَقْرَأُوا الْقُرْآنَ وَمِنْ أَلْفِ مَوْجِدٍ لَكُمْ كِتَابٌ فِيهِ آيَاتٌ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ۔ صاحب ہدایہ نے کہا خبر واحد کے ساتھ کتاب اللہ کے حکم پر زیادتی جائز نہیں لیکن اس پر عمل کرنا واجب ہے۔ اسی لئے ہم نے دونوں کو واجب قرار دیا ہے۔

میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ سورۃ فاتحہ کا پڑھنا اور ساتھ ہی سورت کا ملنا نماز کا رکن ہے۔ نماز ان دونوں کے بغیر جائز نہیں ہوتی۔ اس آیت سے رکنیت کی نفی کرنا درست نہیں جس طرح ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ قرأت کا ظاہر معنی رات کی نماز ہے اور اللہ تعالیٰ کے فرمان فتاب علیکم فاقراءوا ما تيسر۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ رات کے قیام میں تخفیف کر دی گئی ہے اب جتنی نماز پڑھنا تمہارے لئے آسان ہے وہ پڑھو۔ اس آیت میں قرأت کی مقدار اور اس کے لازم ہونے کے بارے میں کوئی دلیل نہیں۔ جو یہ تاویل کی گئی کہ اس کا معنی یہ ہے کہ پانچوں نمازوں میں جتنا تمہارے لئے آسان ہو اتنا قرآن پڑھو یہ بھی حقیقت سے بہت ہی بعید اور ضعیف تاویل ہے جب وجوب کے لئے حجت ہونے کے احتمال کا تصور نہیں کیا جاسکتا تو اس کے قطع ہونے کا حکم کیسے لگایا جاسکتا ہے اور یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ اس پر خبر واحد سے زیادتی کرنا درست نہیں جبکہ حدیث کو امت نے قبول کیا اور اس پر عمل کرنے کے اعتبار سے علماء کا اجماع ہے۔ یہ روایت لگاتار نقل ہوتی آرہی ہے اور یہ معنی متواتر ہے کیونکہ حضور ﷺ اور سلف و خلف میں سے کسی کے بارے میں یہ منقول نہیں کہ انہوں نے سورۃ فاتحہ کے بغیر نماز پڑھی ہو اس جیسی خبر سے کتاب اللہ کے حکم پر زیادتی کرنا جائز ہے کیونکہ اس پر علماء کا اجماع ہے کہ نماز کا حکم مجمل ہے اور اخبار آحاد مجمل کا بیان بننے کا احتمال رکھتی ہیں اور نماز کے ارکان کی وضاحت کرتی ہیں۔ احناف نے یہ کہا ہے کہ آخری قعدہ فرض ہے اور انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے: إِذَا قُلْتَ هَذَا أَوْ فَعَلْتَ هَذَا فَقَدْ تَمَّتْ صَلَاتُكَ إِنْ بَشْتِ أَنْ تَقُومَ فَقُمْ وَإِنْ بَشْتِ أَنْ تَقْعُدَ فَاقْعُدْ۔ احناف نے کہا نماز کے مکمل ہونے کو دو امور میں سے ایک امر کے ساتھ متعلق کیا ہے تو یہ فرض ہے حالانکہ یہ حدیث آحاد میں سے ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

احناف نے سورۃ فاتحہ کے رکن نہ ہونے پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جب تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو تو تکبیر کہو پھر قرآن میں سے جو تمہارے لئے آسان ہو اسے پڑھو، متفق علیہ (۱)۔ اس کا جواب یہ ہے یہ

حدیث مطلق قرأت کے واجب ہونے پر دلالت کرتی ہے اور حضور ﷺ کا فرمان لَا صَلَاةَ إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ یہ تعین پر دلالت کرتا ہے۔ دونوں حدیثوں پر عمل کی صورت یہ ہوگی کہ مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے تو اس وجہ سے ہم نے سورۃ فاتحہ کے رکن ہونے کا قول کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث بعض طرق سے ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے کَبُرَ ثُمَّ اقْرَأْ بِأَمِّ الْقُرْآنِ ثُمَّ اقْرَأْ بِمَا بَنَتْ۔ اس حدیث کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے رفاعہ بن رافع سے روایت کیا ہے۔ دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے رفاعہ کی حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے: ثُمَّ يُكَبِّرُ اللَّهُ وَيُنشِئُ عَلَيْهِ ثُمَّ يَقْرَأُ بِأَمِّ الْقُرْآنِ وَمَا أُذِنَ لَهُ فِيهِ وَمَا تَسْرَ۔

مسئلہ: کیا مقتدی پر قرأت واجب ہے یا کہ نہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا مقتدی پر بھی سورۃ فاتحہ کی قرأت واجب ہے جس طرح امام اور اکیسے نماز پڑھنے والے پر واجب ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت ابن عباس، حضرت معاذ رضی اللہ عنہم سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا مقتدی پر سورۃ فاتحہ پڑھنا واجب نہیں۔ پھر ان ائمہ میں مزید اختلاف یہ ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا امام کے پیچھے مقتدی کی قرأت مکروہ ہے۔ امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا صرف جہری نمازوں میں مکروہ ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا سری نمازوں میں مقتدی کے لئے سورۃ فاتحہ پڑھنا مستحب ہے۔ اسی طرح جہری نمازوں میں امام کے سکتے کے درمیان پڑھنا مستحب ہے، امام کی قرأت کے ساتھ مستحب نہیں۔ امام زہری، امام مالک اور ابن مبارک رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی یہی کہا۔ حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت عروہ بن زبیر اور ابو القاسم بن محمد سے بھی یہی مروی ہے۔ مقتدی پر امام کے ساتھ قرأت واجب ہونے کی دلیل حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے حضور ﷺ نے فرمایا جس کا امام ہو تو امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہوتی ہے۔ اسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا (1)۔ دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے جابر رضی کی سند سے روایت کیا۔ دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ضعیف قرار دیا۔ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ثوری اور شعبہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے ثقہ قرار دیا۔ دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ایک اور سند سے بھی روایت کیا ہے۔ اس سند میں لیث راوی ہے جسے ابن علیہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اسے کئی لوگوں سے روایت کیا گیا۔ یہ روایت ایک اور سند سے مروی ہے جس میں یحییٰ بن سلام ضعیف ہے۔ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہم نے کسی عالم کو نہیں دیکھا جس نے یحییٰ بن سلام کو ضعیف قرار دیا ہو۔ دارقطنی، بیہقی اور ابن عدی رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا صحیح یہ ہے کہ یہ روایت مرسل ہے کیونکہ حفاظ حدیث جیسے سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، ابوالاحوص، شعبہ، اسرائیل، شریک ابن خادوالانی، جریر، عبد الحمید، زائدہ اور زہیر نے اسے موسیٰ بن عائشہ سے، انہوں نے عبد اللہ بن شداد سے، انہوں نے نبی کریم ﷺ سے مرسل روایت کی ہے۔ ہم کہتے ہیں ہمارے نزدیک مرسل حجت ہے۔ اس روایت کو جو متصل ذکر کیا گیا ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے متصل کی تضعیف کا انکار کیا ہے کیونکہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح سند کے ساتھ شیخین کی شرطوں پر اسے نقل کیا ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے مؤطا میں ذکر کیا ہے کہ ہمیں ابو حنیفہ نے خبر دی آپ نے فرمایا ہمیں ابوالحسن موسیٰ بن ابی عائشہ نے عبد اللہ بن شداد سے، انہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے۔ احمد بن منیع نے اپنی سند میں صحیح سند کے ساتھ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی شرط پر روایت کیا ہے کہ ہمیں اسحاق ارزق نے خبر دی، انہوں نے کہا ہمیں

سفیان اور شریک نے موسیٰ بن ابی عائشہ سے روایت کیا، انہوں نے عبداللہ بن شداد سے، انہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ اس باب میں اور بھی احادیث ہیں جو ضعیف ہیں۔ ہم نے طوالت کو ناپسند کرتے ہوئے انہیں ذکر نہیں کیا۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان **فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ** یہ تمام نمازیوں کے بارے میں عام ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قاعدہ کے مطابق خبر واحد سے اس کی تخصیص جائز نہیں۔ ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں یہ عام خصص عنہ البعض ہے۔ جو آدمی امام کو رکوع میں پائے وہ بالا جماع اس حکم سے خارج ہے اس کے بعد مقتدی کی تخصیص بھی جائز ہے۔ سری نمازوں میں سورۃ فاتحہ کے پڑھنے کے مستحب ہونے کی دلیل حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب میں بلند آواز سے قرأت کر رہا ہوں تو تم میں سے کوئی بھی سورۃ فاتحہ کے سوا قرآن کی قرأت نہ کرے۔ اسے دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے اور کہا اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ جہری نمازوں میں منع کی تخصیص سری نمازوں میں اس کے مستحب ہونے کا تقاضا کرتی ہے۔ سورۃ فاتحہ کی استثناء اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ سکتہ کے وقت اسے پڑھ لیا جائے۔ یہی احادیث کو جمع کرنے کی صورت ہے اور اللہ تعالیٰ کے فرمان **وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا** پر عمل بھی ہو جاتا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

صحابہ کی ایک جماعت سے یہ بھی مروی ہے کہ وہ امام کے پیچھے قرأت نہیں کرتے تھے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے مؤطا میں حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ وہ امام کے پیچھے قرأت نہیں کرتے تھے (1)۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت زید بن ثابت اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ان سب نے فرمایا امام کے پیچھے کوئی قرأت نہ کرو۔ (2)۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے مؤطا میں روایت کیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے امام کے پیچھے قرأت کرنے کے بارے میں پوچھا گیا۔ فرمایا خاموش رہ کیونکہ نماز میں روکنے والی چیز موجود ہے اور تیرے لئے امام کافی ہے۔ (3)۔ محمد بن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ جو امام کے پیچھے قرأت کرے اسے پسند کرتا ہوں کہ اس کے منہ میں انگارہ ہو (4)۔ عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی کی مثل روایت کیا ہے مگر انہوں نے یہ کہا کہ اس کے منہ میں پتھر ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے داؤد بن قیس سے انہوں نے عجلان سے روایت کیا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے کاش اس کے منہ میں پتھر ہوتا (5)۔ ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مصنفہ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا ہے کہ امام بلند آواز سے نماز میں قرأت کرے یا آہستہ آواز میں متذنی اس کے پیچھے قرأت نہ کرے (6)۔ یہ اقوال جہری بلکہ سری نمازوں میں قرأت کے مکروہ ہونے کی دلیل ہیں کیونکہ یہ اقوال مطلق ہیں۔ جہری نمازوں میں قرأت کو ترک کرنے کا تقاضا تو اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی کرتا ہے **وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا** اور حضور ﷺ کا فرمان **إِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا** اسے ابو داؤد، نسائی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ذکر کیا ہے۔ ہم اس آیت کی تفسیر ان شاء اللہ بیان کریں گے۔

مسئلہ: کیا ہر فرض اور نفل نماز کی رکعت میں قرأت کرنا فرض ہے؟ امام شافعی، امام احمد اور امام مالک رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہر رکعت میں مطلقاً یہ فرض ہے کیونکہ قرأت کا حکم رکوع اور سجود کے حکم جیسا ہے۔ تاہم امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ مروی ہے کہ تین

2۔ شرح معانی الآثار، جلد 1، صفحہ 129 (وزارت تعلیم)

4۔ ایضاً، صفحہ 101

5۔ ایضاً، صفحہ 102

1۔ مؤطا امام مالک، جلد 1، صفحہ 86 (التراث العربی)

3۔ مؤطا امام محمد، جلد 100 (وزارت تعلیم)

6۔ مصنف ابن ابی شیبہ، جلد 1، صفحہ 330 (دارالاج)

یا چار رکعتوں والے فرضوں میں سے ایک رکعت میں قرأت ترک کرنے کی کمی سجدہ سہو سے پوری ہو جاتی ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا وتر اور نفل کی ہر رکعت میں قرأت فرض ہے جو سجدہ سہو سے وہ کمی پوری نہیں ہوتی کیونکہ اس کی دو رکعتیں مکمل نماز ہوتی ہیں۔ جہاں تک فرضوں کا تعلق ہے اس کی دو رکعتوں میں قرأت فرض ہے۔ تاہم قیاس کا تقاضا یہ ہوگا کہ صرف ایک رکعت میں قرأت کرنا فرض ہو کیونکہ امر تکرار کا تقاضا نہیں کرتا۔ لیکن ہم نے کہا جب فرض کی پہلی دو رکعتوں میں قرأت فرض ہے اور باقی کو اس حکم میں شامل نہیں کیا جائے گا۔ یہ کلام اس توجیہ پر موقوف ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان **فَاذْكُرُوا مَا كُنْتُمْ عَلَيهِ مِنَ الْقُرْآنِ** کا حکم نماز میں قرأت کے بارے میں ہے جبکہ یہ ممنوع ہے۔

جمہور کی دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے ایک آدمی مسجد میں داخل ہوا، اس نے نماز پڑھی جبکہ نبی کریم ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ پھر وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ کو سلام کیا، آپ نے سلام کا جواب دیا۔ فرمایا واپس لوٹ جاؤ، نماز پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔ اس نے یہ عمل تین دفعہ کیا۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا مجھے اس ذات پاک کی قسم ہے جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا میں اس سے اچھی نماز نہیں پڑھ سکتا۔ آپ مجھے تعلیم ارشاد فرمائیں آپ ﷺ نے فرمایا جب تو نماز پڑھنے کا ارادہ کرے تو تکبیر کہہ، پھر جو قرآن پڑھنا تیرے لئے آسان ہو اسے پڑھ، پھر رکوع کر یہاں تک کہ اطمینان کے ساتھ رکوع کرے، پھر اپنا سر اٹھا یہاں تک اطمینان کے ساتھ قنوت کرے، پھر اطمینان کے ساتھ سجدہ کر، پھر سر اٹھا یہاں تک کہ اطمینان سے بیٹھ۔ ایک روایت میں ہے پھر اٹھ یہاں تک کہ سیدھا کھڑا ہو جائے، پھر اپنی پوری نماز میں اسی طرح کر، متفق علیہ (1)۔ رفاعہ کی حدیث بھی اسی کی مثل ہے جسے امام احمد، ابو داؤد، ترمذی اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ ابو قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نماز پڑھتے تو آپ ظہر اور عصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ اور دو سورتیں پڑھتے اور آخری دو رکعتوں میں صرف سورۃ فاتحہ پڑھتے۔ آپ ظہر اور فجر کی پہلی رکعت کو دوسری رکعت پر طویل کرتے، متفق علیہ (2)۔ یہ حدیث حضور ﷺ کے فرمان **صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ اَصْلَبِيْ** کے ساتھ مل کر کتاب اللہ کے مجمل حکم کے لئے بیان ہوگی۔ اس طرح حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ ایک آدمی نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ کیا ہر نماز میں قرآن ہے؟ فرمایا ہاں ایک انصاری نے کہا یہ فرض ہو گیا۔ اگر یہ سوال کیا جائے یہ احادیث اخبار آحاد ہیں ان کے ساتھ کتاب اللہ پر زیادتی جائز نہیں۔ اس کا یہ جواب دیا جائے گا کہ اس اصولی مسئلہ کو تسلیم کرنے کے بعد ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ حکم اس وقت ہوگا جب کتاب کا حکم قطعی الدلالة ہو اللہ تعالیٰ کا فرمان **فَاذْكُرُوا مَا كُنْتُمْ عَلَيهِ مِنَ الْقُرْآنِ** اس طرح نہیں بلکہ تاویل کی کئی وجوہ کا احتمال رکھتا ہے۔ نماز میں جس قرأت کا حکم دیا گیا ہے وہ مجمل ہے۔ یہ جائز ہے کہ اخبار احاد بطور بیان اس کے ساتھ لاحق ہو جائیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

علم فعل کا فاعل ہو ضمیر ہے جس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ ان مثقلہ سے مخففہ ہے۔ اس کا اسم ضمیر شان مخدوف ہے۔ یہ جملہ علم ان لن تحصوه سے بدل اشتمال ہے۔ فاقروہ و ابرائے تاکید مکرر ذکر کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہ جملہ مستانفہ ہے جو ایک اور حکمت کو بیان کرتا ہے جو تخفیف کا تقاضا کرتی ہے۔ اسی وجہ سے حکم کو اس پر مرتب کرتے ہوئے مکرر ذکر کیا ہے۔ آخرون کا عطف یکون کے اسم پر ہے۔ بضر بون فی الارض سے مراد تجارت یا حصول علم یا حج کے لئے سفر کرنا ہے۔ بیتغون یہ بضر بون کی ضمیر

سے حال ہے۔ فضل اللہ سے مراد تجارت میں نفع یا علم اور ثواب ہے اور کچھ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں۔ اس قسم کے لوگ رات کو قیام کی طاقت نہیں رکھتے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ابراہیم سے، انہوں نے ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے جو آدمی بھی مسلمانوں کے شہروں سے کوئی چیز کسی شہر کی طرف لایا جبکہ وہ تکلیف پر صبر کرنے والا تھا اور اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھتا تھا۔ پھر اس نے وہ چیز اس دن کے بھاد سے بیچ دی اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا درجہ شہداء جیسا ہوگا۔ پھر حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تلاوت کی (1)۔ قرآن سے جو تمہارے لئے آسان ہو اسے پڑھو۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ ما کا حکم عام ہے جتنا پڑھنا آسان ہو اس میں سب کو یہ حکم شامل ہے تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ یہی حکم تھا۔ ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں سیاق کلام اس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ جتنی وہ قرأت کر سکتا تھا اس نے اس میں سے جو بھی حصہ تلاوت کیا تو وہ حکم پر عمل کرنے والا ہوگا۔

مسئلہ:۔ عمل میں درمیانی راہ کو اپنانا مستحب ہے، افراط و تفریط درست نہیں۔ افراط تفریط کو چھوڑ کر درمیانی راہ پر مواظبت اختیار کرنا مستحب ہے۔ متوسط کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ وہ پچاس سو آیات پڑھے اور اکثر یہ ہے کہ ہزار آیتیں پڑھے تاکہ قرآن حکیم کا ختم ہفتہ میں ہو جائے۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے، انہوں نے نبی کریم ﷺ سے نقل کیا ہے کہ فَاَقْرَأْ ذُو الْقُرْآنِ مِنَّا مَنَّهُ سے مراد سو آیتیں ہیں۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ روایت بہت ہی غریب ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا جس نے دن اور رات میں پچاس آیات کی تلاوت کی وہ غافلین میں شمار نہیں ہوگا، جس نے سو آیات کی تلاوت کی وہ قانتین میں شمار ہوگا، جس نے ہر روز دو سو آیات کی تلاوت کی قیامت کے روز قرآن اس سے جھگڑا نہیں کرے گا، جس نے ہر روز پانچ سو آیات کی تلاوت کی اس کے لئے اجر کا قطار لکھا جائے گا (2)۔ دارمی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے مسئلہ روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس نے ایک رات میں سو آیات کی تلاوت کی قرآن اس رات میں اس سے جھگڑا نہیں کرتا، جس نے ایک رات میں دو سو آیات پڑھیں اس کے لئے اس رات کا قنوت (عبادت) لکھ دی جائے گی، جس نے پانچ سو سے ایک ہزار آیات کی تلاوت کی اس کے لئے اجر کا قطار لکھ دیا جاتا ہے۔ لوگوں نے پوچھا قطار کسے کہتے ہیں آپ نے فرمایا بارہ ہزار درجے (3)۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر ماہ میں ایک دفعہ قرآن پڑھو (مکمل کرو)۔ میں نے عرض کی میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں۔ فرمایا میں پڑھوں۔ میں نے عرض کی میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں۔ تو آپ نے فرمایا سات راتوں میں پڑھو اس سے زیادہ نہ پڑھو (4)۔ صحیحین میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کو سب سے محبوب عمل وہ ہے جس پر دوام اختیار کیا گیا ہو اگرچہ وہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو (5)۔ اسی میں یہ بھی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اتنا عمل کرو جتنا تم طاقت رکھتے ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ عطا فرمانے سے نہیں اکتاتا بلکہ تم عمل کرنے سے اکتا جاؤ گے (6)۔ انہیں میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تم میں سے ایک آدمی اس وقت تک نماز پڑھے جب تک اس میں نشاط موجود ہو جب اس میں سستی اور کالی آ جائے تو بیٹھ جائے (7)۔ ان دونوں میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کسی کو نماز پڑھتے ہوئے اونگھ آ جائے تو وہ سو جائے یہاں

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 142 (التجاریہ)

2۔ کنز العمال: 21467 (التراث العربی)

3۔ ایضاً، جلد 7، صفحہ 799

5۔ مشکوٰۃ المصابیح، جلد 1، صفحہ 361 (الفکر)

6۔ ایضاً

7۔ ایضاً

4۔ ایضاً، جلد 1، صفحہ 612

تک کہ اس سے نیند جاتی رہے کیونکہ تم میں سے کوئی جب اونگھتے ہوئے نماز پڑھ رہا ہو تو اسے پتہ نہیں ہوگا کہ کیا کہہ رہا ہے، ممکن ہے وہ دعا مانگتے ہوئے اپنے آپ کو گالی دے رہا ہو۔ (1)

واقیموا الصلوٰۃ یہ جملہ اپنے معطوف کے ساتھ مل کر فاقروہا پر معطوف ہے۔ واؤ کا کلمہ جمعیت کے لئے ہے۔ یہ عطف اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ رات کی عبادت کو نماز پنجگانہ سے منسوخ نہ مانا جائے جس طرح یہ قول کیا گیا ہے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ امر ندب کے لئے ہوگا و جو ب کے لئے نہیں ہوگا، واللہ تعالیٰ اعلم۔ فرض زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ تعالیٰ کو قرض دو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا یہاں قرض سے مراد زکوٰۃ کے علاوہ صلہ رحمی اور مہمان نوازی کے طور پر مال خرچ کرنا ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد مطلق اللہ تعالیٰ کے لئے طاعت ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد زکوٰۃ ہو مگر اس کو اچھے طریقے سے ادا کیا جائے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی دلالت کرتا ہے کہ قرض کو مفعول مطلق کے طور پر ذکر کیا۔ یہ البتہ اللہ نبتا کی قسم سے تعلق رکھتا ہے، یعنی فعل مزید فیہ اور مفعول مطلق مجرد ہے۔ جس کا یہ مصدر کی صفت ہے اس میں عوض کے وعدہ کی رغبت دلائی گئی ہے۔

من خیر سے مراد بدنی عبادت ہے۔ ما شرطیہ ہے اور جملہ شرط ہے۔ نجدوہ عند اللہ اس کی جزاء ہے، یعنی جو عمل اب کرتے ہو وہ اس عمل سے بہت بہتر ہے جسے تم موت کے وقت تک ملحوظ کرتے ہو اور یہ دنیا کے مال و متاع سے بہتر ہے۔ خیرا نجدوہ کا مفعول ثانی ہے۔ ہو ضمیر فعل ہے۔ اعراب میں اس کا کوئی محل نہیں کیونکہ اسم تفضیل جب من کے ساتھ استعمال ہو تو وہ معرفہ کے حکم میں ہے۔ اسی وجہ سے اس صورت میں اسم تفضیل کے صیغہ پر صرف تعریف کا داخل کرنا منع ہے۔ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم جس سے تمہارے مال و وارث کے مال سے زیادہ پسند ہے؟ سب نے کہا ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جسے اپنا مال اپنے وارثوں کے مال سے زیادہ پسندیدہ نہ ہو۔ آپ نے فرمایا جو کچھ تم کہہ رہے ہو اسے خوب جان لو۔ سب نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہم تو یہی جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جسے وارث کا مال اپنے مال سے زیادہ محبوب نہ ہو۔ لوگوں نے عرض کی وہ کیسے؟ آپ ﷺ نے فرمایا تمہارا مال وہ ہے جو تم آگے بھیج دیتے ہو اور وارث کا مال وہ ہے جو تم پیچھے چھوڑ جاتے ہو۔ اسے امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ اپنے گناہوں کی اللہ سے بخشش طلب کرو۔ واستغفروا واللہ کے جملہ کا عطف اقیمو الصلوٰۃ پر ہے۔ اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ انسان کو عمل کے اعمال پر ہی اعتبار اور بھروسہ نہ کرنا چاہئے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اسے استغفار کرنا چاہئے کیونکہ جو بھی طاعت کا عمل کرتا ہے وہ کوتاہی اور لغزش سے خالی نہیں ہوتا۔ پھر جو عمل بھی انسان سے صادر ہوتا ہے وہ کتنا ہی عظیم کیوں نہ ہو وہ اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی شایان شان نہیں ہوتا جب تک انسان کی طرف سے عجز اور کوتاہی کا اقرار شامل نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کوتاہیوں کو بخشے والا اور تھوڑے عمل پر بھی بڑا ثواب دینے والا ہے۔

سورہ مدثر

﴿ آیاتہا ۵۶ ﴾ ﴿ سُوْرَةُ الْمَدْتْرِ مَكِّيَّةٌ ۚ ۴ ﴾ ﴿ مَرْكُوعَاتُهَا ۲ ﴾

سورہ مدثر کی ہے، اس میں 2 رکوع اور 52 آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

”اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے“

شیخین نے صحیحین میں یحییٰ بن کثیر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے ابوسلمہ بن عبدالرحمن رضی اللہ عنہ سے پہلی وحی کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا جب سے پہلی وحی یا ایہا المدثر ہے۔ میں نے پوچھا لوگ کہتے ہیں پہلی وحی اِقْدَأ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ہے۔ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اس کے بارے میں پوچھا تھا۔ میں نے بھی ان سے وہی بات کہی جو تو نے مجھ سے بات کہی۔ تو انہوں نے مجھے کہا میں تمہیں وہی بتا رہا ہوں جو ہمیں رسول اللہ ﷺ نے بتایا۔ حضور ﷺ نے فرمایا میں ایک ماہ تک حراء میں گوشہ نشین رہا۔ جب میں نے عرصہ پورا کر لیا تو اس سے نیچے اترتا تو مجھے ندا دی گئی۔ میں نے دائیں طرف دیکھا تو میں نے کوئی چیز نہ دیکھی۔ میں نے پیچھے دیکھا تو میں نے کوئی چیز نہ دیکھی۔ میں نے اپنا سر اٹھایا تو میں نے ایک چیز دیکھی۔ میں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آ گیا۔ میں نے کہا مجھے چادر اوڑھا دو، مجھے چادر اوڑھا دو اور مجھ پر ٹھنڈا پانی بہاؤ تو یہ آیات یا ایہا المدثر سے والرحز فاهجر تک نازل ہوئیں۔ یہ حکم نماز کے فرض ہونے سے پہلے تھا۔ (1)

میں کہتا ہوں مرفوع حدیث اس امر پر دلالت نہیں کرتی کہ یہ سورت سورہ اقرآ سے پہلے نازل ہوئی۔ صحیح بات یہ ہے سورہ اقرآ اس وحی سے پہلے نازل ہوئی جس کا ذکر ہم اس صورت کے شان نزول کے بارے میں کریں گے۔ اس پر وہ روایت دلالت کرتی ہے جسے شیخین نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو وحی کے انقطاع کے بارے میں ارشاد فرماتے ہوئے سنا اسی اثناء میں کہ میں چل رہا تھا کہ میں نے آسمان سے ایک آواز سنی میں نے اپنی نظر اٹھائی تو کیا دیکھا ہوں کہ وہی فرشتہ جو میرے پاس غار حراء میں آیا تھا۔ وہ آسمان وزمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔ میں خوفزدہ ہو گیا یہاں تک کہ زمین پر گر پڑا میں اپنے گھر آیا۔ میں نے کہا مجھے چادر اوڑھا دو، مجھے چادر اوڑھا دو۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات کو نازل فرمایا (2)۔ پھر اس کے بعد وحی لگاتار آنے لگی۔ یہ حدیث اس امر میں صریح ہے کہ سورہ مدثر کا نزول فترۃ الوحی کے بعد ہوا جبکہ غار حراء میں فرشتہ دیکھنے کا واقعہ پہلے ہوا تھا۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے سند ضعیف کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ولید بن مغیرہ نے قریش کے لئے کھانا تیار کیا۔ جب وہ کھانا کھا چکے تو اس نے پوچھا تم اس آدمی کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ بعض نے کہا وہ جادوگر ہے، بعض نے کہا جادوگر نہیں، بعض نے کہا کاہن ہے، بعض نے کہا کاہن نہیں، بعض نے کہا شاعر ہے، بعض نے کہا شاعر نہیں، بعض نے کہا یہ جادو ہے جو پڑھا جاتا رہا ہے۔ تو اس کی خبر حضور ﷺ کو پہنچی تو آپ غمگین ہو گئے۔ آپ نے سر اٹھایا اور اپنے اوپر چادر لے لی۔ تو

اللہ تعالیٰ نے ابتداء سے فاصبر تک آیات کو نازل فرمایا۔ (1)

يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۚ قُمْ فَأَنْذِرْ ۚ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۚ وَشِيَاكَ فَطَهِّرْ ۚ

”اے چادر لپیٹنے والے! اٹھئے اور (لوگوں کو) ڈرائیے اور اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کیجئے اور اپنے لباس کو پاک رکھئے۔“

۱۔ اپنے بستر سے اٹھئے یا عزم و ہمت کے ساتھ اٹھئے۔ انذر کا مفعول بد محذوف ہے تاکہ جنہیں ڈرایا جانا ہے اس کے عموم پر دلالت کرے، یعنی آپ تمام لوگوں کو عذاب سے ڈرائیے، یعنی عالمین میں جو بھی شرک کرے اسے عذاب سے ڈرائیے۔

۲۔ اس آیت میں اور مابعد آیات میں جو فاء ہے وہ شرط کا معنی دیتی ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی کچھ بھی ہو اور آپ جس حال میں بھی ہوں اپنے رب کی کبریائی بیان کیجئے۔ اس تقدیر کا احتمال بھی ہے و کبر ربک فکبرہ۔ اس نکرار کی غرض یہ ہے کہ کبریائی کے بیان میں دوام اختیار کیا جائے۔ معنی یہ ہوگا اس کے حادث ہونے سے اس کی کبریائی بیان کیجئے۔ نقص اور زوال کی علامات سے اس کی پاکی بیان کیجئے۔ واجب الوجود اور الوہیت، عبادت میں شرک کرنے، ممکنات میں سے کسی چیز کو ذات، صفات اور افعال میں اس کے ساتھ شرک سے اس کی کبریائی بیان کیجئے اور اس کے ایسے اوصاف کمالیہ بیان کیجئے جن سے کوئی اور متصف نہیں۔ انسان کے اوپر یہ سب سے پہلا واجب ہے اور تمام واجبات سے زیادہ اہم ہے۔ یہ غلط اور سقوط کا احتمال نہیں رکھتا۔ نقل سے پہلے عقل اس کا فیصلہ کرتی ہے۔ لیکن عقل اس کے ادراک کے لئے کافی نہیں جس طرح ادراک کرنا مناسب ہے۔

مسئلہ: فقہاء نے اس آیت سے نماز کے لئے تکبیر تحریر کے فرض ہونے کا استدلال کیا ہے۔ لیکن امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا کہ تکبیر تحریر۔ بر اس لفظ کے ساتھ ہو جاتی ہے جس سے تعظیم ثابت ہو جیسے اللہ اجل، اللہ اعظم، لا الہ الا اللہ، الرحمن اکبر۔ اسی طرف کے دوسرے الفاظ سے بھی تکبیر کہنا درست ہے، صرف اللہ اکبر سے تکبیر تحریر کہنا ضروری نہیں کیونکہ تکبیر کا حکم دیا گیا جس کا معنی تعظیم ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اگر وہ اللہ اکبر اچھی طرح کہہ سکتا ہو تو پھر اس کے لئے یہی الفاظ جائز ہوں گے یا اللہ الا کبر کہے یا اللہ الکبیر کہے کیونکہ ثناء میں معرف بالام اسم زیادہ بلغ ہوتا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کے اوصاف میں فعل اور فعلیل دونوں برابر ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا صرف اللہ اکبر یا اللہ الا کبر کہنا جائز ہوگا۔ امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا صرف اللہ اکبر کہنا جائز ہے (2)۔ صحیح بات یہ ہے کہ یہ آیت کریمہ تکبیر تحریر کے بارے میں نازل نہیں ہوئی جس طرح صحیحین میں ہے کہ یہ سب سے پہلی وحی ہے اور اس کا نزول نماز کے فرض ہونے سے پہلے ہوا۔ یہ جو قول کیا جاتا ہے کہ نماز کے باہر تکبیر واجب نہیں جبکہ امر و وجوب کے لئے آتا ہے تو اس آیت سے نماز میں تکبیر کا واجب ہونا ثابت ہوگا۔ یہ قول قابل قبول نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تکبیر یعنی توحید انسان پر سب سے پہلے واجب ہے۔ یہ سقوط کا احتمال نہیں رکھتی تکبیر تحریر کے باب میں حقیقت یہ ہے کہ نماز مجمل ہے حضور ﷺ کا عمل اس کے ساتھ بطور بیان شامل ہو جائے گا۔ تکبیر تحریر کے لئے اللہ اکبر کے الفاظ تو اتر سے ثابت ہیں۔ حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ رضوان اللہ جمیعین سے اس کے علاوہ کسی لفظ سے نماز کا شروع کرنا ثابت نہیں۔ اگر اس کے علاوہ کسی اور لفظ سے نماز کو شروع کرنا جائز ہوتا تو بطور جواز ایسا ضرور کرتے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تکبیر تحریر میں انہیں الفاظ کا ادا کرنا فرض ہے کوئی اور لفظ

کہنا فرض نہیں۔ رفاعہ رضی اللہ عنہا کی حدیث جو وہ حضور ﷺ سے بیان کرتے ہیں۔ بعض اسناد سے یوں بھی مروی ہے اللہ تعالیٰ کسی آدمی کی نماز اس وقت تک قبول نہیں کرتا یہاں تک کہ وہ اچھی طرح وضو کرے پھر وہ قبلہ رو ہو اور کہے اللہ اکبر۔

سے قتادہ اور مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا اپنے آپ کو گناہوں سے پاک کرو نفس کو کپڑے سے کتایہ ذکر کیا۔ یہی ابراہیم، ضحاک، شعبی اور زہری رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا نہ تم معصیت پر لباس پہنو اور نہ ہی گندگی پر لباس پہنو۔ پھر کہا میں نے غیلان بن سلمہ ثقفی کا قول سنا:

وَإِنِّي بِحَمْدِ اللَّهِ لَا تَوْبَ فَاجِرٍ
لَبِئْسَ وَلَا مِنْ عَذْرَةٍ اتَّقَعُ

الحمد اللہ میں نے فاجر کا لباس نہیں پہنا اور نہ ہی آلودہ حالت میں چادر اوڑھی

ابی بن کعب رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح کہا ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا گیا ہے کہ آیت کا معنی ہے اپنے عمل کو درست کر۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جب کوئی آدمی صالح ہو تو اسے کہا جاتا ہے انہ طاهر الثياب۔ جب وہ فاجر ہو تو اسے کہا جاتا ہے انہ خبيث الثياب۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اپنے دل اور گھر کو پاک رکھو۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے کہا اپنے خلق کو اچھا بناؤ۔ ابن سیرین اور ابن زید رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا ان نجاستوں سے اپنے کپڑے پاک رکھنے کا حکم دیا گیا ہے جن کی وجہ سے نماز جائز نہیں ہوتی اس حکم کی وجہ یہ تھی کہ مشرک اپنے کپڑوں کو پاک رکھنے کا اہتمام نہیں کرتے تھے۔ طاؤس رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی ہے اپنے کپڑوں کو سمیٹ کر رکھو۔ گویا کپڑوں کا سمیٹ کر رکھنا ہی ان کی پاکیزگی کا باعث ہوتی ہے (1)۔ میں کہتا ہوں ظاہر یہ ہے کہ یہاں کپڑے پاک رکھنے کا حکم ہے۔ عبارت النص سے جو چیز واجب ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ کپڑوں کو پاک رکھا جائے۔ دلالت النص سے بدن کا پاک رکھنا بدرجہ اولیٰ ثابت ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ پاک ہے، جب وہ کپڑے پر نجاست کو پسند نہیں کرتا تو جسم پر ناپاکی کو کیسے پسند کرے گا جبکہ بدن کا مرتبہ زیادہ ہے اور انسان کی ذات کے وہ کپڑے سے زیادہ قریب ہے۔ اسی طرح وہ نفس اور قلب کی نجاست کو کیسے قبول کرے گا کیونکہ وہ تو بدن سے بھی زیادہ قریب ہے۔ اللہ تعالیٰ تو توبہ کرنے والوں اور پاکیزہ رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

مسئلہ:۔ اس آیت سے فقہاء نے یہ استدلال کیا ہے کہ نماز پڑھنے کے لئے کپڑے، بدن اور مکان کا نجاست حقیقیہ سے پاک ہونا ضروری ہے۔

میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ صرف نماز کے لئے ان تینوں طہارتوں کا ہونا شرط نہیں بلکہ ان تینوں طہارتوں سے تمام احوال میں پاک رہنا واجب ہے لیکن نماز کے لئے اس کے شرط ہونے پر اجماع ہے۔ اس اجماع کی دلیل یہ ہے کہ نص قطعی سے ثابت ہے کہ نجاست حکمیہ (حدث) سے پاکیزگی ضروری ہے تو نجاست حقیقیہ (نجس) سے پاکیزگی بطریق اولیٰ ضروری ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے آیت وضو میں فرمایا مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ وَلَكِنْ يُرِيدُ لِيُطَهَّرَكُمْ۔ ایک اور جگہ فرمان ہے: طَهَّرْنَا بَيْتِي لِمَنْ يَطَّافِقُهُ وَالْعَافِينَ وَالرُّكِمَ السُّجُودَ وَاللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور ﷺ دو قبروں کے پاس سے گزرے فرمایا انہیں عذاب دیا جا رہا ہے مگر انہیں کسی بڑے گناہ کی وجہ سے عذاب نہیں دیا جا رہا۔ ان میں سے ایک تو چھوٹے پیشاب سے نہیں بچتا تھا۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے وہ چھوٹے پیشاب سے بچتا نہیں تھا اور سراچغل خوری کرتا تھا، متفق علیہ۔

وَالرَّجَزَ فَاهْجُرْ ۝ وَلَا تَمْسُنْ تَسْتَكْثِرُ ۝ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۝

”اور بتوں سے (حسب سابق) دور رہنے لے اور کسی پر احسان نہ کیجئے زیادہ لینے کی نیت سے لے اور اپنے رب (کی رضا) کے لئے صبر کیجئے۔“

۱۔ ابو جعفر اور حفص رحمہما اللہ تعالیٰ نے عاصم اور یعقوب رحمہما اللہ تعالیٰ سے رجز کو راء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے راء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں اور ان کا معنی ایک ہے۔ مجاہد، مکرمہ، قتادہ، زہری، ابن زید اور ابو سلمہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا رجز سے مراد بت ہیں۔ معنی یہ ہوگا بتوں کو چھوڑ دو ان کے قریب نہ جاؤ (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اس کا معنی ہے گناہ کو چھوڑ دو۔ ابو العالیہ اور ربیع رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا جب راء مضموم ہو تو اس کا معنی بت ہے۔ جب راء مکسور ہو تو اس کا معنی نجاست اور نافرمانی ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی شرک ہے۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی عذاب ہے، یعنی ایسے عقائد اور اعمال کو چھوڑ دو جو عذاب کو واجب کر دے۔ (2)

۲۔ زیادہ کی خواہش میں کسی کو مال نہ دو یہ اکثر مفسرین کا قول ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا دنیا کی جزاء کے لالچ میں کوئی چیز نہ دو بلکہ محض اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے کسی کو کوئی چیز دو (3)۔ تستکثر والا جملہ لا تمنن کے فاعل سے حال ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا یہ نہیں تنزیہی ہے۔ ضحاک اور مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا یہ حکم صرف حضور ﷺ کے لئے تھا۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہاں دو قسم کے مال بلا عوض ہیں، حلال اور حرام حلال تو ہدایا ہیں اور حرام سود ہے۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے کہا اس کا معنی ہے کہ اپنے عمل کو کثیر جانتے ہوئے اللہ پر احسان نہ جتاؤ۔ یہ بھی فرمایا اپنے اعمال کو اپنے ہاں کثیر نہ جانو کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے مقابلہ میں وہ قلیل ہیں۔ خصیف نے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ زیادہ خیر کے حصول میں کمزوری نہ دکھاؤ۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا معنی ہے آپ پیغام پہنچانے کا لوگوں پر احسان نہ جتاؤ کہ اس عمل پر لوگوں سے دنیا میں عوض اور اجر طلب کرتے رہیں (4)۔ ایک قول یہ کیا گیا جب تم نے کسی فقیر کو کوئی چیز دی ہو تو اسے آپ کثیر جانتے ہوئے اس پر احسان نہ جتاؤ۔

۳۔ اس کی تقدیر کلام یہ ہے اَمَّا لِرَبِّكَ فَاصْبِرْ عَلٰی طَاعَاتِهِ وَاَوْامِرِهِ الخ اپنے رب کے لئے اس کی طاعات، اوامر، نواہی اور مصائب پر صبر کیجئے تاکہ تم اللہ تعالیٰ کا ثواب پاؤ اور اس کی رضا چاہو۔ تقدیر کلام یہ ہوگی اپنے رب کے لئے صبر کیجئے۔ پس صبر کیجئے۔ تاکید کے لئے فعل کو مکرر ذکر کیا یا صبر کی اقسام کی وجہ سے فعل کو مکرر ذکر کیا۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جو آپ کو اذیت دی گئی۔ اس پر آپ صبر کیجئے۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی یہ ہے عرب و عجم سے جنگ کرنے کی عظیم ذمہ داری آپ کو دی گئی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کے لئے اس پر صبر کیجئے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی یہ ہے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر قضا پر صبر کیجئے (5)۔

فَاذْأَنْقَرِي فِي النَّاقُورِ ۝ فَاذْأَنْقَرِي فِي النَّاقُورِ ۝ عَلٰی الْكٰفِرِيْنَ غَيْرِ يَسِيْرٍ ۝

”پھر جب صور پھونکا جائے گا۔ تو وہ دن بڑا سخت دن ہوگا۔ کفار پر آسان نہ ہوگا۔“

۱۔ جب صور میں پھونکا جائے گا۔ یہ نقر سے فاعول کے وزن پر ہے جس کا معنی آواز پیدا کرنا ہے۔ اصل اس کا معنی یہ ہے کہ کسی شے کو اتنا کھٹکھٹانا جو اس میں سوراخ تک جا پہنچے۔ اسی سے ایک لفظ ہنقار ہے جو پرندہ کی چونچ کو کہتے ہیں۔ صحاح میں اسی طرح ہے۔ ابوالشیخ

بن حیان نے کتاب العظمة میں وہب بن منبہ سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سفید موتی سے صور کو پیدا کیا جو موتی شیشہ جتنا شفاف ہے۔ پھر عرش سے فرمایا صور کو پکڑ لو۔ تو صور عرش سے لٹک گیا۔ پھر فرمایا کن۔ تو اسرافیل ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسرافیل کو صور پکڑنے کا حکم دے دیا۔ حضرت اسرافیل نے صور پکڑ لیا اللہ تعالیٰ نے جتنی روئیں پیدا کی ہیں۔ ان کی تعداد کے برابر اس میں سوراخ ہیں۔ ایک سوراخ سے دو روئیں نہیں نکلیں گی۔ صور کے درمیان آسمان اور زمین کے دائرے کے برابر درمیان میں ایک سوراخ ہے۔ حضرت اسرافیل اپنا منہ اس سوراخ پر رکھے ہوئے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت اسرافیل کو فرمایا میں نے فتح اور صیحہ تیرے سپرد کر دیا ہے۔ وہ عرش کے اگلے حصہ میں داخل ہو گیا۔ اس نے دایاں قدم عرش کے نیچے داخل کیا ہوا ہے اور بائیں قدم کو آگے بڑھایا ہوا ہے۔ جب سے اسے پیدا کیا گیا اس نے پلک نہیں جھپکی۔ وہ انتظار میں ہے کہ کب اسے حکم دیا جائے۔ اسے امام احمد، ترمذی اور طبرانی رحمہم اللہ تعالیٰ نے عمدہ سند کے ساتھ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں کیسے آرام پاؤں جبکہ صور پھونکنے والے نے اپنا منہ صور پر رکھا ہوا ہے۔ پیشانی جھکائی ہوئی ہے اور کان لگایا ہوا ہے کہ کب اسے حکم دے دیا جائے۔ یہ خبر صحابہ پر بڑی شاق گزری تو حضور ﷺ نے فرمایا یہ پڑھا کرو **حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ (1)**۔ امام احمد اور حاکم رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی کی مثل روایت کیا ہے اور ان کلمات کا اضافہ کیا ہے **عَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْنَا. فَإِذَا نَفَرْنَا فِي سَبِيلِهِ** ہے۔ گویا یوں ارشاد فرمایا ان کی اذیتوں پر صبر کیجئے۔ ان کے آگے مشکل زمانہ ہے جس میں آپ اپنے صبر کا انجام پائیں گے۔ اذی اس فعل کی ظرف ہے جس پر مابعد جملہ دلالت کرتا ہے۔

۲۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس روز کافروں پر معاملہ سخت ہوگا کیونکہ اذی اپنے اندر شرط کا معنی لئے ہوئے ہے اس لئے ذلک پر فاء داخل ہوا۔ ذلک سے کھٹکھٹانے کے وقت کی طرف اشارہ ہے اور اسم اشارہ جہاد ہے۔ اس کی خبر یوم عسیر ہے۔ یوم مناس سے بدل ہے۔ یہ محل رفع میں ہے۔ منی اسم کی طرف مضاف ہونے کی وجہ سے یہ بھی منی ہے۔ غیر عسیر یہ عسیر کی تاکید ہے۔ یہ اس بات کے مانع ہے کہ وہ کسی وجہ سے مشکل ہو اور کسی وجہ سے آسان ہو۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ دن مومنین کے لئے آسان ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے حم تنزيل الکتب من اللہ العزیز الحکیم..... الیہ المصیر تک آیات کو نازل فرمایا تو نبی کریم ﷺ نے بیت اللہ شریف میں نماز ادا فرمائی جبکہ ولید بن مغیرہ آپ کے قریب ہی تھا اور آپ کی قرأت کو سن رہا تھا۔ جب حضور ﷺ نے محسوس کیا کہ وہ آپ کی قرأت کو سن رہا ہے تو آپ نے ان آیات کو دوبارہ پڑھا تو ولید چلا گیا اور اپنی قوم بنی مخزوم کی مجلس میں آیا۔ کہا میں نے ابھی ابھی محمد ﷺ سے کلام کو سنا ہے وہ نہ انسانوں کا کلام ہے اور نہ ہی جنوں کا کلام ہے۔ اس کلام میں مٹھاس ہے اس کا ظاہر خوبصورت ہے۔ اس کا اوپر والا حصہ پھلدار ہے اور اس کا نیچے والا حصہ انتہائی گہرا ہے۔ وہ خود بلند ہے اس پر غلبہ نہیں پایا جاسکتا پھر وہ اپنے گھر چلا گیا۔ قریش نے کہا اللہ کی قسم ولید بے دین ہو گیا اللہ کی قسم تمام قریش بے دین ہو جائیں گے۔ ولید کو ریحانہ قریش کہا جاتا تھا۔ ابو جہل نے کہا میں تمہاری طرف سے اسے کافی ہوں۔ وہ ولید کے پاس گیا۔ پریشان حال اس کے پاس بیٹھ گیا۔ ولید نے کہا اے بھتیجے کیا وجہ ہے، میں تجھے کچھ پریشان دیکھتا ہوں۔ ابو جہل نے کہا میں غمگین کیوں نہ ہوں، یہ قریش کے لوگ تیرے لئے مال جمع کر رہے ہیں جو تیرے بڑھاپے میں تیری مدد کرنا چاہتے ہیں۔ وہ گمان

عطا، رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اس کے مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان اونٹ، گھوڑے اور بھیڑ بکریوں کے ریوڑ تھے اس کے پاس کثیر سونا چاندی، غلام اور لونڈیاں تھیں۔ (1)

اس کے بیٹے مکہ مکہ میں ہی رہتے جن کی ملاقات سے وہ لطف اندوز ہوتا روزی کی تلاش میں انہیں سفر پر جانے کی ضرورت نہ ہوتی یہ کل دس تھے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کے ساتھ بیٹے تھے وہ ولید بن ولید، خالد، عمارہ، ہشام، عاص، قیس اور عبد شمس ان میں سے تین مسلمان ہوئے وہ یہ تھے خالد، ہشام اور عمارہ۔ (2)

یہ میں نے اس کے لئے ریاست اور عظیم شان و شوکت پھیلا دی یہاں تک کہ اسے ریحانہ قریش کہا جاتا وہ قوم کے آگے ہونے اور سرداری کے مستحق ہونے میں اکیلا تھا کوئی (دوسرا اس کا مقابل نہ تھا) یا معنی یہ ہے کہ میں نے اسے طویل عمر عطا فرمائی۔

ثُمَّ يَطْمَعُ أَنْ أَزِيدَ ۝ كَلَّا ۚ إِنَّهُ كَانَ لِأَيْتِنَا عَنِيدًا ۝ سَاءَ مَا يَحْكُمُ بَعْثُهُ إِذَا ۝
إِنَّهُ فَعِلٌ وَفَوَقَدَّمَ ۝ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّمَ ۝

”پھر طمع کرتا ہے کہ میں اسے مزید عطا کروں۔ ہرگز نہیں وہ ہماری آیتوں کا سخت دشمن ہے۔ میں اسے مجبور کروں گا کہ وہ کٹھن چیز ہائی چڑھے۔ اس نے غور کیا اور پھر ایک بات طے کر لی۔ اس پر پھونکا اس نے کتنی بری بات طے کی ہے۔“
وہ امید رکھتا ہے کہ میں اس کے مال اور اولاد اور جاہ و مرتبہ میں اضافہ کروں گا۔

یہ کلا جھڑکنے کے لئے ہے یعنی میں اس کی ناشکری کی وجہ سے ایسا نہیں کروں گا۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس آیت کے نازل ہونے کے بعد ولید کے مال اور اولاد میں کمی ہونے لگی یہاں تک کہ وہ خود بھی ہلاک ہو گیا۔

عنید یعنی وہ دشمنی کرنے والا تھا چونکہ اس نے ان آیات کا انکار کیا اور اس نے آیات کے بارے میں یہ کہا سحر یوثر۔ یہ آیت ودع کی علت ہے کیونکہ ناشکری کرنا اور منعم کی آیات سے دشمنی نعمت کے زوال کا سبب ہوتی ہے اور زیادتی کو روک دیتی ہے۔

اس میں اس پر سخت عذاب مسلط کر دوں گا جو اس معذب پر غالب آجائے گا اور ہر عذاب پر بھی غالب آجائے گا۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے اس آیت کی تفسیر کے بارے میں نقل کرتے ہیں کہ صعود جہنم میں ایک آگ کا پہاڑ ہے جہنمی کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ اس پہاڑ پر چڑھے جب وہ اس پہاڑ پر اپنا ہاتھ رکھے گا تو اس کا ہاتھ پھل جائے گا۔ جب وہ اس پہاڑ سے ہاتھ اٹھائے گا تو ہاتھ درست ہو جائے گا جب وہ اپنا پاؤں اس پر رکھے گا تو وہ پھل جائے گا جب وہ اسے اٹھائے گا تو وہ پھر درست ہو جائے گا۔ (3)

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ابوسعید خدری اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما سے اسے روایت کیا ہے۔ امام احمد، امام ترمذی، ابن حبان اور حاکم رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے کہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ جہنم میں ایک پہاڑ ہے جس پر وہ ستر سال تک چڑھتا رہے گا پھر وہ اس سے نیچے اترے گا (4)۔ وہ ہمیشہ اسی طرح عمل کرتا رہے گا۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا صعود جہنم میں ملائم چٹان ہے جہنمی کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ اس پر چڑھے کسی کو اس پر چڑھنے میں چھوٹ نہ ہوگی۔ وہ لوہے کی زنجیریں کھینچ رہا ہوگا پیچھے سے اسے لوہے کے ہتھوڑوں سے اسے مارا جائے گا۔ وہ چالیس سال تک اس پر چڑھتا رہے گا۔ جب وہ اس کی چوٹی پر پہنچے گا تو اسے پستی کی طرف گرا دیا جائے گا۔ پھر اسے مجبور کیا جائے گا کہ وہ اس پر چڑھے

سامنے سے اسے کھینچا جائے گا اور پیچھے سے اسے مارا جائے گا۔ یہی طریقہ ہمیشہ جاری رہے گا۔ (1)

۱۱۔ اس نے قرآن میں طعن کرنے کے لئے سوچا اور اس کے بارے میں جو کہنا چاہتا تھا اس کا اندازہ لگایا یہ جملہ ان کے عناد کا بیان ہے اور جس وجہ سے وہ عذاب کا مستحق ہے اس کی علت بیان کی جا رہی ہے۔

۱۲۔ اس پر لعنت ہو۔ زہری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس پر عذاب ہو اس جملہ استفہامیہ میں استہزاء کرتے ہوئے ان کے اندازہ لگانے پر تعجب کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ اس میں انکار اور توخیج ہے۔ کیف، قدر کے فاعل سے حال ہے اور یہ جملہ قتل کے قول کی علت ہے۔ فقتل جملہ معترضہ دعائیہ ہے۔ فاء اعتراض کے لئے ہے۔

ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۝ ثُمَّ نَظَرَ ۝ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ۝ ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ۝
فَقَالَ إِن هَذَا إِلَّا سِحْرٌ يُؤْتَىٰ ۝

”اس پر پھر پھینکا کیسی جبری بات اس نے طے کی ۱۔ پھر دیکھا ۲۔ پھر منہ بسورا اور ترش رو ہوا ۳۔ پھر پیٹھ پھیری اور غرور کیا

۴۔ پھر بولا یہ نہیں ہے مگر جادو جو پہلوں سے چلا آتا ہے ۵۔“

۱۔ اس جملہ کو تاکید کے لئے مکرر ذکر کیا۔ ثم کا کلمہ اس بات پر دلالت کرنے کے لئے ہے کہ دوسرا جملہ پہلے جملے سے زیادہ بلیغ ہے۔

۲۔ اس جملے کا عطف فکر و قدر پر ہے، یعنی اس نے سوچا و پکار کی اندازہ لگایا۔ پھر قرآن حکیم میں کیے بعد دیگرے غور و فکر کیا۔

۳۔ جب قرآن حکیم میں کوئی طعن نہ پایا تو چہرے پر ناگواری کے آثار لایا اور یہ نہ سمجھ سکا کہ قرآن کے بارے میں کیا کہے۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ حضور ﷺ کی طرف دیکھا اور دشمنی کی وجہ سے اپنے چہرے پر دشمنی کے آثار ظاہر کئے۔ بسو یہ عبس اور قہر کے معنی میں ہے۔ یہ ماقبل کی تاکید ہے۔

۴۔ پھر حق اور اس پر ایمان لانے سے روگردانی کی یا رسول اللہ ﷺ سے روگردانی کی اور حق کی اتباع سے تکبر کیا۔

۵۔ فاء اس امر پر دلالت کرنے کے لئے ہے۔ جب یہ بات اس کے دل میں کھلی تو اس نے سوچے سمجھے بغیر منہ سے یہ کہہ دیا کہ یہ قرآن جادو ہے جو کسی اور سے بیان کیا جاتا ہے۔

إِن هَذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ۝ سَأُصَلِّبُ سَقْرًا ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا سَقْرٌ ۝ لَا
يُبْقَىٰ وَلَا تَذَرُ ۝ لَوْ أَحَاطَ لِلْبَشَرِ ۝ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ۝

”یہ نہیں مگر انسان کا کلام ۱۔ عنقریب میں اسے جہنم میں جھونکوں گا ۲۔ اور تو کیا سمجھے کہ جہنم کیا ہے؟ ۳۔ نہ باقی رکھے اور نہ

چھوڑے ۴۔ جھلسا دینے والی آدمی کی کھال کو ۵۔ اس پر انیس فرشتے مقرر ہیں ۶۔“

۱۔ یہ جملہ ماقبل جملہ کی تاکید ہے۔ اس لئے اس کا ماقبل جملہ پر عطف نہیں کیا گیا۔

۲۔ یہ جملہ سارہقہ صعودا سے بدل ہے۔ سقر جہنم کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔

۳۔ جہنم کی عظمت شان بیان کرنے کے لئے استفہامیہ انداز میں کلام لائی گئی ہے۔ ما سقر والا جملہ تاویل مفرد میں ہے اور ادراک کا مفعول ہے۔

ہے جو چیز اس جہنم میں پھینکی جاتی ہے اس کو باقی نہیں چھوڑتی یہاں تک کہ اسے ہلاک کر دیتی ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جہنم اسے زندہ نہیں چھوڑتی اور نہ ہی اسے مردہ چھوڑتی ہے۔ جب بھی وہ آگ میں جلتے ہیں تو پھر انہیں تازہ کر دیا جاتا ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہر چیز اکتا جاتی ہے اور ایک مقام پر پہنچ کر تیزی سے ختم ہو جاتی ہے مگر سقر (جہنم) ایسے نہیں ہے (1)۔ یہ جملہ اور بعد والے دونوں جملے مستانہ ہیں اور سقر کی عظمت شان کو بیان کرنے کے لئے ذکر کئے گئے ہیں۔ یا یہ سقر سے حال ہیں۔

یہ جلد کو سفیدی سے سیاہی کی طرف بدلنے والی ہے۔ بشر بشرۃ کی جمع ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور زید بن اسلم رضی اللہ عنہ نے کہا یہ جلد کو جلانے والی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی ہے کہ یہ لوگوں کے لئے ظاہر ہے۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ اور ابن کیسان رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ ان کے لئے ظاہر ہوگی اور لوگ جہنم کو عیاں دیکھیں گے۔ اسی کی مثل وَبُرِّدَتْ اَنْجِبَتْ وَنُفُوسٌ ہے۔ (2) یہ جہنم پر انیس فرشتے معین ہیں۔ یہ جہنم کے داروغے ہیں۔ ایک کا نام مالک ہے اور اٹھارہ دوسرے ہیں۔ ابن مبارک اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ میں سے ایک نے ابی العوام کا قول نقل کیا ہے کہ وہ انیس فرشتے ہیں ان کے کندھوں کے درمیان اتنا اتنا فاصلہ ہے۔

ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ نے زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان میں ایک کے کندھوں کے درمیان کا فاصلہ ایک سال کا ہوگا۔ ان سے رحمت نکال لی گئی ہے۔ ان میں سے ایک فرشتہ ستر ہزار جہنمیوں کو ایک ہی دفعہ اٹھالے گا اور جہنم میں جہاں چاہے گا پھینک دے گا۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، قتادہ اور ضحاک رحمہما اللہ تعالیٰ کا یہی قول ہے۔ بیہقی نے ابن اسحاق رحمہما اللہ تعالیٰ سے اسی طرح نقل کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ابو جہل نے قریش سے کہا تمہاری مائیں تم پر روئیں میں سنتا ہوں کہ ابن ابی کبشہ (حضور ﷺ) خبر دیتا ہے کہ جہنم کے کل انیس داروغے ہیں جبکہ تم بڑے طاقتور کثیر اور بہادر ہو کیا تم میں سے دس بھی مل کر ایک داروغے کو نہ پکڑ سکیں گے۔ ابوالاشد بن کلدہ نے کہا میں تمہاری طرف سے سترہ کو تو کافی ہوں دس میری پشت پر ہوں گے۔ سات پیٹ پر تم صرف دو کا ذمہ لے لو (3)۔ بیہقی نے سدی رحمہما اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے جب علیہا تسعة عشر والی آیت نازل ہوئی تو ایک قریشی نے کہا جس کو اشد بن کلدہ کہا جاتا ہے قریش تمہیں انہیں خوف زندہ نہ کریں میں اپنے دائیں کندھے سے دس کو تم سے دور کر دوں گا اور بائیں کندھے سے نو کو دور کر دوں گا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

وَمَا جَعَلْنَا أَصْحَابَ النَّارِ إِلَّا مَلَائِكَةً وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ إِلَّا فِتْنَةً لِلَّذِينَ
كَفَرُوا لِيَسْتَيَقِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَيَزْدَادَ الَّذِينَ آمَنُوا إِيمَانًا وَلَا
يَرْتَابَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْمُؤْمِنُونَ وَلِيَقُولَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ
وَ الْكُفْرُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَذَا مَثَلًا كَذَلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ مَن يَشَاءُ وَ
يَهْدِي مَن يَشَاءُ وَمَا يَعْلَمُ جُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ وَمَا هِيَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْبَشَرِ ۝

”اور ہم نے نہیں مقرر کئے آگ کے داروغے مگر فرشتے اور نہیں بنایا ہم نے ان کی تعداد کو مگر آزمائش ان لوگوں کے لئے جنہوں نے کفر کیا تاکہ یقین کر لیں اہل کتاب اور بڑھ جائے اہل ایمان کا ایمان اور نہ شک میں مبتلا ہوں اہل کتاب اور

مومن اور تاکہ کہنے لگیں جن کے دلوں میں روگ ہے اور کفار کیا ارادہ کیا ہے اللہ نے اس بیان سے یونہی اللہ تعالیٰ (ایک ہی بات سے) گمراہ کر دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور ہدایت بخشتا ہے جس کو چاہتا ہے اور کوئی نہیں جانتا آپ کے رب کے لشکروں کو بغیر اس کے اور نہیں ہے یہ بیان مگر نصیحت لوگوں کے لئے ہے۔“

۱۔ اصحاب نار سے مراد جہنم کے داروغے ہیں۔ فرشتوں کو داروغے بنایا انسانوں کو داروغے نہیں بنایا تاکہ جہنمی ان سے اپنا دفاع نہ کر سکیں۔ ان کی تعداد انیس رکھنا یہ آزمائش کے لئے ہے۔ یہاں مسبب (فتنہ) کو مسبب (انیس کا عدد) کی جگہ رکھا ہے، یعنی اس قلیل عدد نے ان کے کفر اور گمراہی کا تقاضا کیا کیونکہ کفار اس تعداد کو تھوڑا جانتے اس کی وجہ سے استہزاء کرتے اور اس کو بعید جانتے کہ اتنی تھوڑی تعداد تمام کفار کو عذاب دے سکتی ہے۔ لیستیقن یہ جارح اور مخدوف فعل کے متعلق ہے جس پر سیاق کلام دلالت کرتا ہے۔ تقدیر کلام یہ ہو سکتی ہے بسنا بعد دہم لیستیقن۔ جب اہل کتاب اس تعداد کو تورات اور انجیل میں دیکھتے ہیں تو انہیں حضور ﷺ کی نبوت اور قرآن حکیم کی صداقت پر یقین ہو جاتا ہے اور اہل ایمان کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس کی ایک صورت تو یہ ہے کہ اس آیت پر ایمان لا کر ان کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ جب اہل کتاب ان کی تصدیق کرتے ہیں تو مومنوں کے ایمان کو قوت نصیب ہوتی ہے۔ ایماننا مشغول مطلق ہے یا نسبت سے تمیز ہے۔ اہل کتاب اور مومنوں کو ان کی تعداد میں کوئی شک نہیں ہوتا۔ یہ جملہ استیقان اور ایمان کی زیادتی والے جملہ کی تاکید ہے اور لا یوقاب کا عطف عطف تفسیری ہے۔

ابن ابی حاتم اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے بحث میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت نے ایک صحابی سے جہنم کے داروغوں کے بارے میں پوچھا پھر وہ حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے تو اسی وجہ سے عدد والی آیات نازل ہوئیں (1)۔ تو یہ اہل کتاب کے ایقان اور مومنوں کے ایمان کی زیادتی کا سبب بن گئی۔ ولیقول کا عطف لیستیقن پر ہے۔ مرض سے مراد شک اور نفاق ہے۔ مکہ مکرمہ میں ان منافقوں کو خبر دی جا رہی ہے جو ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں ظاہر ہونے والے تھے جبکہ مکہ مکرمہ میں کوئی منافق نہیں تھا۔

مثلاً سے مراد عجیب و غریب مثال ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا جب کفار نے اس امر کو حقیقت سے بعید جانا اور یہ گمان کیا کہ یہ ضرب المثل ہے تو یہ کہا مثلاً کا کلمہ یا تو ہذا سے حال ہے۔ اس میں عامل اشارہ کا معنی ہے یا تمبیہ ہے یا تمیز ہے ہذا مقدر تونین کے ساتھ اسم تام ہے۔ کذلک ما بعد فعل کے متعلق ہے۔ معنی یہ ہوگا جس طرح اللہ تعالیٰ نے داروغوں کی تعداد ذکر کر کے ایک قوم کو ہدایت دی اور ایک قوم کو گمراہ کیا۔ اللہ تعالیٰ کی یہ شان ہے کہ جس کو گمراہ کرنا چاہتا ہے اس کے لئے گمراہی مقدر کر دیتا ہے اور جس کو ہدایت دینا چاہتا ہے۔ اس کے حق میں ہدایت مقدر کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لشکروں کی حقیقت اور قوت کی کیفیت کو کوئی بھی نہیں جانتا جہاں تک ان کی تعداد کا معاملہ ہے وہ تو ذکر ہو چکا ہے کہ وہ انیس ہیں وہ کمی اور زیادتی کا احتمال نہیں رکھتا۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ ابو جہل کے اس قول کا جواب ہے جس میں اس نے کہا تھا کہ محمد (ﷺ) کے کل انیس مددگار ہیں۔ عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ وہ فرشتے جو اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو عذاب دینے کے لئے پیدا کئے ہیں ان کی تعداد کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، یعنی جہنم کے داروغے تو انیس ہیں تاہم ان کے مددگاروں اور لشکروں کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا (2)۔ ہناد نے کعب رحمہما اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے کہ ایک آدمی

کے بارے میں جہنم کا حکم ہوگا تو ایک ہزار فرشتے اس حکم کی تعمیل میں جلدی کریں گے۔ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا سردار! نہیں ہوں گے (1)۔ تمام خازنوں کی تعداد تو صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔

وماہی میں ہی ضمیر سے مراد یا تو سقر ہے یا جہنم کے داروغوں کی تعداد ہے یا اس سے مراد سورت ہے، یعنی یہ انسان کے لئے سراپا نصیحت ہے۔

كَلَّا وَالْقَمَرَ ﴿٣١﴾ وَاللَّيْلِ إِذْ أَدْبَرَ ﴿٣٢﴾ وَالصُّبْحِ إِذَا أَسْفَرَ ﴿٣٣﴾ إِنَّهَا لِأَحَدَى
الْكَبِيرِ ﴿٣٤﴾ نَذِيرٌ لِلْبَشَرِ ﴿٣٥﴾ لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ أَنْ يَتَقَدَّمَ أَوْ يَتَأَخَّرَ ﴿٣٦﴾

”ہاں ہاں! چاند کی قسم! اور رات کی قسم جب وہ پیٹھ پھیرنے لگے اور صبح کی جب روشن ہو جائے۔ یقیناً دوزخ بڑی آفتوں میں سے ایک آفت ہے۔ ذرا اوپر لوگوں کے لئے ہے ان کے لئے جو تم میں سے آگے بڑھنا چاہتے ہیں یا پیچھے رہنا چاہتے ہیں۔“

۱۔ یا تو کلا کا لفظ ان لوگوں کو جھڑکنے کے لئے ہے جو اس کے نصیحت ہونے کا انکار کرتے ہیں یا اس بات کا انکار کرنے کے لئے ہے کہ وہ اس سے نصیحت حاصل کرے گا اگرچہ وہ فی نفسہ سراپا نصیحت ہے۔

نافع، حفص، حمزہ اور یعقوب رحمہم اللہ تعالیٰ نے اِذَا دَبَّرَ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے إِذَا دَبَّرَ پڑھا ہے۔ دَبَّرَ اور اَدْبَرَ کا معنی ایک ہے جس طرح قَبْل اور اَقْبَل کا معنی ایک ہے، جس طرح دَبَّر اللیل و ادبَر اس وقت کہتے ہیں جب وہ پلٹنے لگے۔ ابو عمرو رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ قریش کی لغت کے مطابق ہے۔ قطرب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا دَبَّر کا معنی اقبل ہے۔ عرب کہتے ہیں دَبَّرنی فلان یعنی وہ میرے پیچھے آیا یعنی رات دن کے پیچھے آتی ہے۔ (2)

۲۔ اسفر یعنی جب وہ روشن ہو۔

۳۔ انہا میں ہا ضمیر سے مراد سقر ہے، یعنی جہنم بڑی مصیبتوں میں سے ایک بڑی مصیبت ہے اور الکبریٰ سے پہلے البلیا کا لفظ محذوف ہے۔ بڑی مصیبتوں میں سے جہنم، لظی، حطمہ، سعیر، جحیم اور ہاویہ ہے۔ کبریٰ کی جمع کبر ہے۔ فعلی کو فعلة کے ساتھ لاحق کیا، یعنی الف مقصورہ کو تاء تانیث کی جگہ رکھا جس طرح قاصعاء کو قاصعة کے ساتھ لاحق کر دیا۔ پھر اس کی جمع فواصع بنا دی۔ یہ جملہ جواب قسم ہے یا یہ کلا کی تعلیل ہے اور قسم جملہ معترضہ ہے اور تائید کے لئے ذکر کی گئی۔

۴۔ نذیرا یہ احدی الکبر سے تمیز ہے یا یہ جملہ جس فعل پر دلالت کرتا ہے اس کے فاعل سے حال ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی کبرت منذرۃ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے کہا جہنم سے بڑھ کر کوئی خوفناک چیز نہ ہوگی۔ خلیل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا نذیر نکیر کی طرح مصدر ہے (3)۔ یہ مذکر ہے مگر اس کے ساتھ مونث کی صفت لائی گئی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا نذیرا یہ وما جعلنا اصحاب النار الا ملئکة کے فاعل سے حال ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی ہے يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ فَمَنْ نَذِيرًا لِلْبَشَرِ اے چادر اوڑھنے والے انسانوں کو خبردار کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوں۔

۵۔ لمن شاء یہ للبشر سے بدل ہے، یعنی یہ دونوں جماعتوں کے لئے ڈرانے والا ہے۔ اس صورت میں ان يتقدم او يتاخر شاء

کا مفعول ہوگا، یعنی جو چاہے خیر اور طاعت میں آگے بڑھے اور جو چاہے شر اور نافرمانی میں پیچھے رہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ ان بتقدم او يتاخر مبتدأ، ہو اور لمن شاء منكم خبر مقدم ہو۔ معنی ہوگا تم میں سے جو چاہے آگے بڑھے اور تم میں سے جو چاہے پیچھے رہے۔ اسی کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے قَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ مَكَرُوا بِكَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ اس میں مقصود شر مند و کرنا اور انہیں خبر دار کرنا ہے۔

كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ ۖ إِلَّا أَصْحَابَ الْيَمِينِ ۗ فِي جَنَّاتٍ

يَتَسَاءَلُونَ ۖ عَنِ الْمُجْرِمِينَ ۖ مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرٍ ۖ

”ہر نفس اپنے مملوں میں گروی ہے۔ سوائے اصحاب یمن کے۔ جو جنتوں میں ہوں گے اہل جنت پوچھیں گے۔

مجرموں سے کہ کس جرم نے تم کو دوزخ میں داخل کیا ہے“

۱۔ ما کسبت سے مراد برائیاں ہیں۔ رہینۃ یہ شمیمۃ کی طرح مصدر ہے۔ رہن کے معنی میں ہے۔ یہ مرہون کے معنی میں نہیں۔ اگر یہ صفت کا صیغہ ہوتا تو رہین ہوتا کیونکہ فعل جو اسم مفعول کے معنی میں ہو اس میں مونث اور مذکر برابر ہوتے ہیں۔ معنی یہ ہو گا جس نے کفر جیسے گناہ کئے وہ اس کے بدلے میں ہمیشہ جہنم میں قید ہوگا۔

۲۔ جنہیں ان کے نامہ اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح مروی ہے۔ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے بنی اسد کے ایک آدمی سے روایت کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کعب سے فرمایا آخرت کے بارے میں کوئی بات کرو۔ انہوں نے عرض کی ہاں اے امیر المؤمنین جب قیامت کا روز ہوگا تو لوگ محفوظ رکھی جائے گی تو مخلوق میں سے ہر کوئی اپنے عمل کو دیکھے گا۔ پھر انہیں وہ صحائف دیئے جائیں گے جن میں بندوں کے اعمال لکھے ہوں گے۔ عرش کے ارد گرد سے انہیں بکھیر دیا جائے گا۔ پھر مومن کو بلایا جائے گا تو اسے کتاب اس کے دائیں ہاتھ میں دی جائے گی تو وہ اس میں دیکھے گا۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے مراد وہ جنتی ہیں جو یوم میثاق کو حضرت آدم علیہ السلام کی دائیں طرف تھے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ جنت کے لئے ہیں اور مجھے ان کی کوئی پروا نہیں۔ (1)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس سے مراد مبارک لوگ ہیں (2)۔ ان تمام اقوال کا نتیجہ ایک ہی ہے، یعنی مومن ہمیشہ کے لئے جہنم میں محبوس نہیں ہوتے بلکہ وہ نجات پا جائیں گے یا تو گناہوں کے برابر عذاب پانے کے بعد بخشش کی صورت میں یا شفاعت کی وجہ سے بغیر عذاب کے یا محض فضل کی وجہ سے نجات پا جائیں گے۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس سے مراد مخلص مومن ہیں۔ حضرت قاسم رضی اللہ عنہ نے کہا ہر نفس نے جو بھی اچھا یا برا عمل کیا ہوگا اس کے بدلے میں ماخوذ ہوگا مگر جو اللہ تعالیٰ کے فضل پر اعتماد کرے وہ اس حکم میں داخل نہیں جو بھی آدمی اپنے عمل پر بھروسہ کرتا ہے وہ اپنے عمل کے بدلے میں محبوس ہوتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے فضل پر بھروسہ کرتا ہے وہ ماخوذ نہیں ہوتا (3)۔ ان دونوں قولوں کی بناء پر آیت کا معنی یہ ہوگا کہ ہر نفس اپنے اعمال کے بدلے میں ماخوذ ہوتا ہے مگر جو کامل مسلمان ہوتے ہیں وہ مطلق ماخوذ نہیں ہوتے۔ لیکن اصحاب یمن کے لفظ کی ان مخلصین پر اطلاق کی کوئی دلیل نہیں۔ سعد بن منصور، ابن ابی حاتم اور حکیم رحمہم اللہ تعالیٰ نے نوار الاصول میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اسی طرح نقل کیا ہے کہ اصحاب یمن سے مراد مسلمانوں کے بچے ہیں۔ حکیم رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی زیادہ کیا ہے۔ انہوں نے کوئی عمل کیا ہی نہیں کہ انہیں ان

کے اعمال سے بہتے میں محبوس کیا جاتا (1)۔ ابو ظہیران رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی ہے کہ "اس سے روایت کی ہے (2)۔ جب تک یہ اتر صحیح نہ ہو اس وقت تک اسباب یمن سے فرشتے مراد ہیں مومن نہ ہوگا۔

تھی یہ بجز ہر مہینہ ایک روز کی ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے ہم لہی حیات یہ بعد اثنین کی علت بیان کر رہے ہیں۔ یہ بھی اکتوں سے ہے۔ یہ سب یمن سے حال ہو یا نساء لوند میں جو جمع کی ضمیر ہے اس سے حال ہو۔ وہ ایک روز سے ساتوں کے یا ساتوں روز سے ساتوں کے۔ وہ مریں سے۔ وہ مریں صورت میں باب تفتاح لاندن یہ وہ ہوں کہ وہ ساتوں کے میں ایک روز سے۔ یہ تھوڑے ہیں۔

یہ یہ استنبہ اور جواب اس سوال و جواب کی حکایت ہے جو سب میں اور یمن سے درمیان ہوا۔ نیز اس کلام میں اختلاف کے لئے مدنی ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے نساء لوند عن المجرمین فیقولون ما سلککم فی سقر۔ ایک توں یہ یا یہ عن القدر۔

قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمَصَلِينَ ﴿١٠﴾ وَلَمْ نَكُ نَطْعِمُ الضَّالِّينَ ﴿١١﴾ وَكُنَّا حُوضَ مَعِ
الْحَاضِرِينَ ﴿١٢﴾ وَكُنَّا كَذِبَ يَوْمِ الدِّينِ ﴿١٣﴾ حَتَّىٰ آتَيْنَا الْيَقِينَ ﴿١٤﴾

"وہ نہیں گئے ہم نماز نہیں پڑھا کرتے تھے اور مسکین کو کھانا بھی نہیں کھلایا کرتے تھے اور ہم ہر روز ان کے واسطوں

کے ساتھ ہر روز ہماری میں لگے رہتے تھے اور ہم جھٹلایا کرتے تھے روز جزا، کولہ یہاں تک کہ ہمیں موت نہ آئی تھی۔

یہ مجرمین کے جواب میں کہا ہم فرض نماز نہیں پڑھتے تھے۔ لو نکہ میں نون ہر مریں وجہ سے ساقط ہو گئی کیونکہ آواز کے ساتھ ہونے سے تمام سے نون بھی حرف علت کے مشابہ ہے کیونکہ نون ناک کے ہونے میں نون ہوتی ہے جس طرح حرف علت حلق میں صولت یہ جاتے۔

تے جو مال دینا فرض ہوتا ہے وہ ہم نہیں دیتے تھے۔ اس آیت میں یہ دلیل بھی موجود ہے کہ آخرت میں مواخذہ کے لئے نون میں

سے مواخذہ ہے۔ نیز ان سے خطاب اس لئے ساقط ہے کیونکہ ان میں ایمان نہ تھا۔ لیکن مکلف بنانے کے لئے ان سے ان میں مواخذہ ہے کیونکہ کفر تو سختی کا تقاضا کرتا ہے۔ تخفیف کا تقاضا نہیں کرتا لیکن اسلام لانے کے ساتھ سابقہ حقوق اللہ اور عبادت

سب ساقط ہو جاتے ہیں۔ اس لئے حالت کفر میں اس سے جو امور رہ گئے تھے۔ اسلام لانے کے بعد ان سے مواخذہ نہیں ہوگا۔

نور علیہ السلام کا فرمان ہے اسلام پہلے لٹا ہوں کو ختم کر دیتا ہے۔ یہ حدیث پہلے ضروری ہے۔

تے اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں سے منع کیا تھا ہم دوسرے لوگوں کے ساتھ ان میں شریک ہو جاتے تھے۔

کہ یہ وہ دین کے جھٹلانے کے ظلم کو موقوف کر دیا ہے تاکہ اس کی عظمت کا بیان ہو۔ معنی یہ ہے ان تمام چیزوں کے بعد ہم روز جزا کو جھٹلاتے تھے۔

یہ ہمیں سے موت ہے۔

فَمَا تَفْعَلُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ ﴿١٥﴾ فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكَرَةِ مُعْرِضِينَ ﴿١٦﴾ كَانِهِمْ
حُورٌ مُّسْتَقِيمَاتٌ ﴿١٧﴾ فَرَأَتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ﴿١٨﴾

"پس ہمیں کوئی فائدہ نہ پہنچائے گی شفاعت کرنے والوں کی شفاعت نہ جس نہیں کیا ہو گی ہے کہ وہ اس نصیحت سے

روگرواں ہیں۔ گویا وہ بھڑکے ہوئے جنگلی گدھے ہیں۔ جو بھاگے جا رہے ہیں شیر سے۔“
 اگر وہ سب لوگ بھی شفاعت کریں تب بھی انہیں شفاعت کوئی نفع نہ دے گی۔ یہ جملہ یا تو کل نفس دھینڈے کے ساتھ متصل ہے یا
 لم نک من المصلین کے ساتھ متصل ہے۔ اس آیت کا مفہوم تقاضا کرتا ہے کہ مومن اگر فاسق بھی ہوں گے تو شفاعت کرنے
 والوں کی شفاعت انہیں نفع دے گی۔

اسحق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں ام حبیبہ یا ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے کہ ہم حضرت عائشہ صدیقہ
 رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے کمرہ میں تھیں تو رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ فرمایا جس مسلمان کے تین بچے بالغ ہونے سے پہلے فوت ہو
 گئے تو ان بچوں کو لایا جائے گا اور جنت کے دروازے پر کھڑا کیا جائے گا۔ انہیں کہا جائے گا جنت میں داخل ہو جاؤ تو وہ عرض کریں گے
 اگر ہمارے والدین جنت میں داخل ہوں گے تو ہم بھی داخل ہوں گے۔ انہیں دوسری یا تیسری دفعہ کہا جائے گا تم اور تمہارے والدین
 جنت میں داخل ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا یہی معنی اور مفہوم ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا فرشتے، انبیاء،
 شہداء، صلحاء اور تمام مومن شفاعت کریں گے۔ پھر جہنم میں صرف چار قسم کے افراد رہ جائیں گے۔ پھر ان آیات کی تلاوت کی لم نک
 من المصلین بیوم الدین۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے فرمایا ان لوگوں کے علاوہ شفاعت نفع دے گی (1)۔
 حضرت ابن مسعود اور عمران بن حصین رضی اللہ عنہم کا قول اس بات کا شعور دلاتا ہے کہ شفاعت نماز کے تارک، زکوٰۃ نہ دینے والے اور
 لہو و لعب میں داخل ہونے والوں کو فائدہ نہ دے گی، اگرچہ وہ مومن ہی کیوں نہ ہوں ان کے قول کی بنیاد یہ آیت ہے کیونکہ شفاعت والی
 آیت کو لہو و لعب کے بعد لایا گیا ہے۔ اسے ان چار مذکورہ امور پر مرتب کرنا یہ دلالت کرتا ہے کہ یہ شفاعت نہ پانے کا سبب ہے۔ صحیح
 بات یہ ہے کہ شفاعت والی آیت کو ان چار امور کے بعد ذکر کیا گیا جن میں روز جزاء کو جھٹلانے کا معاملہ بھی ہے۔ شفاعت کے فائدہ
 مند نہ ہونے کا تعلق صرف اکیلے دو ایک کے ساتھ نہیں بلکہ بحیثیت مجموعہ ہے مومنوں کے لئے شفاعت کے جائز ہونے پر اجماع منعقد
 ہو چکا ہے۔ مومنوں میں سے کچھ تو ایسے ہوں گے جو جہنم کے مستحق ہوں گے مگر شفاعت کی وجہ سے جہنم میں داخل ہی نہ ہوں گے اور
 بعض جہنم میں داخل تو ہوں گے مگر شفاعت کی وجہ سے جہنم سے نکال لئے جائیں گے۔ مختلف، خارجی اور دوسرے اہل ہواء نے
 شفاعت کا انکار کیا ہے اللہ تعالیٰ ان سب کو ذلیل و رسوا کرے اس مسئلہ میں معنی کے اعتبار سے احادیث متواتر ہیں۔ اگر ہم سب
 احادیث کا ذکر کریں تو بات بہت لمبی ہو جائے گی۔ ہم ان میں سے کچھ کا ذکر کرتے ہیں۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے
 کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں اپنی امت کی شفاعت کروں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ آواز دے گا اے محمد ﷺ کیا تم راضی ہو گئے
 ہو؟ میں عرض کروں گا اے میرے رب میں راضی ہو گیا۔ اسے بزار، طبرانی اور ابو نعیم رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ (2)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری شفاعت میری امت کے گناہ کبیرہ کرنے والوں کے
 لئے ہے۔ اسے امام ترمذی، ابن حبان، حاکم، ابوداؤد رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا (3)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح
 مروی ہے جسے امام ترمذی، ابن حبان، حاکم اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی
 طرح مروی ہے جسے طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ ابن عمر اور کعب بن عجرہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے اسی طرح مروی ہے جسے

سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے روز دو قسم کے لوگوں کو میری طرف سے شفاعت نہیں ملے گی۔ زیادہ ظلم کرنے والا اور لوگوں کے حقوق غصب کرنے والا اور دوسرا دنیا میں غلو کرنے والا (۱) اور دین سے اعراض کرنے والا۔ اسے بیعتی اور طبرانی رحمہما اللہ تعالیٰ نے عمدہ سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یا ہم جھگڑنا چھوڑ دو کیونکہ جھگڑنے والے کی میں قیامت کے روز شفاعت نہیں کروں گا (2)۔ اسے طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔

تذکرہ سے مراد قرآن ہے یا جو چیز بھی نصیحت کا باعث بنے۔ فمما میں فاء سببیہ ہے اور ماہ استغفہامیہ مبتداء ہے اور لہم اس کی خبر ہے۔ عن التذکرۃ یہ مابعد شبہ فعل کے متعلق ہے جو ہم ضمیر سے حال ہے۔ یہ استغفہام انکاری ہے، یعنی انہیں کیا ہو گیا ہے کہ وہ دنیا میں ایسی حالت میں ہیں جو آخرت میں انہیں عذاب تک پہنچانے والا ہے کیونکہ آخرت کا عذاب اس انکار کی وجہ سے ہی ہے۔

سے نافع اور ابن عامر رحمہما اللہ تعالیٰ نے مستنفرہ کو اسم مفعول کا صیغہ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے اسم فاعل کا صیغہ پڑھا ہے جس نے اسے اسم فاعل کا صیغہ پڑھا ہے۔ اس وقت یہ نفرہ کے معنی میں ہوگا بھاگنے والا جس طرح نفر اور استنفر ہم معنی ہیں جیسے عجب اور استعجب ہم معنی ہیں جس نے اسے اسم مفعول کا صیغہ پڑھا ہے۔ معنی ہوگا بد کے ہوئے خوف زدہ۔

یہ جملہ حُمُر کی صفت ہے۔ بعد میں کانہم والا جملہ حال ہے۔ لہم اور کانہم کی ضمیر نے واؤ حالیہ سے مستغنی کر دیا ہے۔ ذکر سننے سے ان کے اعراض اور بھاگنے میں انہیں بد کے ہوئے لگدھول کے ساتھ تشبیہ دی ہے جو شیروں سے بھاگتے ہیں۔ یہ قسر سے فعولۃ کے وزن پر ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا قسورہ سے مراد شیر ہیں۔ عطاء اور کبھی رحمہما اللہ تعالیٰ کا بھی یہی قول ہے۔ مجاہد، قتادہ اور ضحاک رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا قسورہ سے مراد تیر پھینکنے والے ہیں۔ اس کا لفظوں میں واحد نہیں ہوتا۔ یہی عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے جسے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں۔ زید بن اسلم نے کہا عرب ہر قوی اور مضبوط جسم والے کو قسورہ کہتے ہیں۔ ابوالمتوکل سے مروی ہے کہ قوم کے شور و غل کو قسورہ کہتے ہیں۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ قسورہ یہ شکاریوں کی رسیاں ہیں۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی شکاری ہے۔ (3)

ابن منذ رحمۃ اللہ علیہ نے سدی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ لوگوں نے کہا اگر محمد ﷺ ہے تو پھر صبح کے وقت ہم میں سے ہر ایک آدمی کے سر ہانے کے نیچے ایک خط ہو جس میں یہ لکھا ہو کہ اسے جہنم سے برأت اور امن ہے تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

بَلْ يُرِيدُ كُلُّ امْرِئٍ مِنْهُمْ أَنْ يُؤْتِي صُحُفًا مُنَشَّرَةً ۗ كَلَّا بَلْ لَا يَخَافُونَ
الْآخِرَةَ ۗ كَلَّا إِنَّهُ تَذَكَّرًا ۗ فَمِنْ شَاءَ ذَكَرًا ۗ وَمَا يَذْكُرُونَ إِلَّا أَنْ
يَسْأَلَ اللَّهُ هُوَ أَهْلُ التَّقْوَىٰ وَأَهْلُ الْبَغْفِرَةِ ۗ

”بلکہ ان میں سے ہر شخص چاہتا ہے کہ ان کو کھلے صحیفے دیئے جائیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہوگا دراصل وہ آخرت سے ڈرتے ہی نہیں۔ ہاں ہاں! یہ قرآن تو نصیحت ہے۔ پس جس کا جی چاہے نصیحت حاصل کرے۔ اور وہ نصیحت قبول نہیں

کریں گے۔ بجز اس کے کہ اللہ تعالیٰ چاہے وہی اس قابل ہے کہ اس سے ڈرا جائے اور وہی بخشنے کے لائق ہے۔“

سورة القيامة

﴿ اياتها ۴۰ ﴾ ﴿ سورة القيامة مكية ۴۵ ﴾ ﴿ ركوعها ۲ ﴾

سورة القيامة کی ہے، اس میں دو رکوع اور چالیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

”اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے“

لَا اُقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِیَامَةِ ۝ وَلَا اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللّٰوَاْمَةِ ۝

”میں قسم کھاتا ہوں روز قیامت کی اور میں قسم کھاتا ہوں نفس لوامہ کی (کہ حشر ضرور ہوگا) ۲۔“

۱۔ قبل رحمة اللہ علیہ نے اسے لَا اُقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِیَامَةِ پر لام تاکید پڑھا ہے۔ نقاش رحمة اللہ علیہ نے ابی ربیعہ سے، انہوں نے بزنی رحمة اللہ علیہ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ جبکہ باقی قراء نے لام کے بعد الف پڑھا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہاں لا زائدہ ہے جس طرح ما بعد آیت میں ہے۔

۲۔ دونوں کا جواب قسم محذوف ہے جس پر ما بعد کلام دلالت کرتی ہے۔ جواب قسم یہ ہو سکتا ہے لَنْبُعْثُنَّ، لَنْخَامِسُنَّ وَلَنْجَزِیْنَ كُلَّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ اِنْ خَيْرٌ فَخَيْرٌ وَاِنْ شَرٌّ فَشَرٌّ۔ ابو بکر بن عیاش رحمة اللہ علیہ نے کہا لا یہ قسم کی تاکید کے لئے ہے۔ امام بیضاوی رحمة اللہ علیہ نے کہا تاکید کے لئے فعل قسم پر لا تانیہ کا دخول کلام عرب میں عام ہے۔

میں کہتا ہوں اس میں اس بات کا شعور دلایا گیا ہے کہ یہ امر ظاہر ہے اور قسم کے ساتھ تاکید لگانے سے مستغنی ہے کیونکہ جو عقل و فہم رکھتا ہے وہ اگر لوگوں کے ان معاملات میں غور و فکر کرے جن کا وہ مشاہدہ کرتا ہے جیسے وہ منعم کا انکار کرتا ہے مخلوق پر ظلم کرتا ہے قطع رحمی کرتا ہے اور جن امور کا قبیح ہونا یقینی ہے ان کا ارتکاب کرتا ہے جبکہ وہ عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتا ہے مخلوق اس سے خوش ہوتی ہے، وہ مشقت اور مصیبت میں مبتلا ہے، وہ لازماً اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ اس دار کے علاوہ بھی جزاء کا ایک دار ہے بصورت دیگر یہ لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ بری چیز کو اچھی چیز پر ترجیح دیتا ہے۔ اس طرح تو صانع کی طرف سے انصاف محال ہوگا جبکہ اللہ تعالیٰ ظلم کرنے سے ماوراء ہے۔

نفس لوامہ سے مراد یا تو جنس ہے۔ فراء رحمة اللہ علیہ نے کہا نفس خواہ نیک ہو یا برا آخرت میں وہ اپنے آپ کو طاعت کر رہا ہوگا۔ اگر اس نے اچھائیاں کی ہوں گی تو وہ کہے گا میں نے زیادہ اچھے اعمال کیوں نہ کئے۔ اگر اس نے برے اعمال کئے ہوں گے تو وہ کہے گا کاش میں نے برا عمل نہ کیا ہوتا۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے کہا اس سے مراد نفس مومنہ ہے اللہ کی قسم تو کسی مومن کو نہیں

بھٹے گا مگر وہ اپنے آپ کو ملامت کر رہا ہوگا، یعنی وہ دنیا میں اپنی گفتگو اور اپنے کھانے کے بارے میں مناسب کرتا ہے جبکہ فاجر نفس کا مناسب کرتا ہے اور نہ ہی اپنے نفس کو عقاب کرتا ہے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے نفس کا فرد مراد ہے۔ وہ آخرت میں اپنے آپ کو ان چیزوں میں ملامت کرے گا جن میں اس نے اللہ تعالیٰ کے احکام کے بارے میں کوتاہی کی تھی (1)۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ اس سے مراد نفس ہے جو بہت بے کاش میں ایسا کرتا اور میں ایسا کرتا تو ایسا ہو جاتا وہ قضاء پر راضی نہیں ہوتا۔ وہ یہ نہیں بہت صانسان اللہ و بقدر اللہ سو فیء نے یہ نفس برائی کا حکم دینے والا ہے۔ پھر جب وہ ذہن میں کوشش کرے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بدب نصیب ہو تو اس سے اپنے نفس کی قباحتیں ظاہر ہو جاتی ہیں اور وہ اپنے نفس کو دیکھتا ہے کہ وہ غیر اللہ میں مشغول ہے حکم و اس سے نفی صحت ہے۔ اس وقت اس قدر نہیں۔ اس وقت وہ اپنے نفس کو ملامت کرتا ہے تو اسے نفس لوانہ کہتے ہیں۔ پھر جب اسے فناء اور فناء کا احساس ہوتی ہے تو وہ غیر اللہ سے مطلقاً تعلق منقطع کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ذہن سے مطمئن ہو جاتا ہے اس وقت اسے نفس مطمئنہ کہتے ہیں۔

أَيْحَسِبُ الْإِنْسَانُ أَنْ يَخْلُقَ عِظَاهُ ۖ
يَلْ يَرِيْدُ الْإِنْسَانَ لِيَفْجُرَ آفَاكُهُ ۚ

”کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ ہم ہر چیز کو جمع نہ کریں گے اس کی ہڈیوں اور عظاموں کو ہم اس پر بھی قادر ہیں۔ ہم اس کی

انگلیوں کو پور پور درست کر دیں گے۔ بلکہ انسان کا خواہش تو یہ ہے کہ آئندہ بھی بدکاریاں کرتا رہے۔“

مترجم: استفہام! نکاری کے لئے ہے۔ انسان سے مراد جن انسان ہے کیونکہ ایسا گمان رکھنے والے لوگ انہیں میں سے تھے یا انسان سے مراد وہ آدمی ہے جس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی اس میں الف لام عہدی ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ آیت عدی بن ربیعہ کے حق میں نازل ہوئی جو بنی زہرہ کا حلیف تھا اور انہیں بن شریق ثقفی کا داماد تھا۔ حضور ﷺ یہ آیت اترتے تھے انہیں کھینسی جاری السوء اے اللہ مجھے برے پڑوسیوں (عدی اور انہیں) سے محفوظ رکھ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عدی نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ عرض کی یا محمد مجھے قیامت کے بارے میں کچھ بتاؤ کہ کب واقع ہوگی۔ اس کی حقیقت اور حال یہاں ہو کہ نبی کریم ﷺ نے اسے بتایا تو اس نے کہا اگر میں اس دن کو اپنی آنکھوں سے بھی دیکھ لوں تو میں تمہاری تصدیق نہ کروں گا اور نہ ان سے پراس بارے میں ایمان لاؤں گا کہ اللہ تعالیٰ ہڈیوں کو جمع فرمائے گا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا کہ کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ ہڈیوں کے پتھر جانے اور بوسیدہ ہونے کے بعد ہم انہیں جمع نہیں کریں گے (2)۔ اس نے ہڈیوں کے دوبارہ جمع کرنے کا انکار کیا اس سے عرض دوبارہ اٹھائے جانے کا انکار ہے کیونکہ ہڈیاں روح کا قالب ہیں اور روح کا لوٹنا ہڈیوں کے جمع کرنے کے بعد ہوگا۔ ان ہڈیوں سے یا مصدر یہ ہے یہ اپنے معمول سے مل کر بحسب کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے۔

یہ ہیں نہیں ہم ان ہڈیوں کو جمع کریں گے اور انسان کو زندہ کریں گے خدا دین یہ مقدر نفس کے فاعل سے حال ہے۔ انہوں نے جو نظریہ باقیا اس میں مزید قدرت کے اظہار کے لئے اس کلام کو ذرا سہا۔ جس طرح یہ کہا جاتا ہے وہ گمان کرتا ہے کہ ہم تجھ پر قادر ہیں۔ کیوں نہیں ہم تجھ پر قادر ہیں اس حال میں کہ تم میں سے زیادہ قوی پر بھی قادر ہیں۔ معنی یہ ہوگا بلکہ ہم ہڈیوں کو جمع کریں گے اور انسان نے پورے جمع کرنے پر بھی قادر ہیں۔ انسان سے مراد پورے ہیں یا پوروں کی طرف ہیں۔ یا اس کا معنی ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں

انگلیوں کی ہڈیاں جمع کریں گے اور ان میں سے بعض کو بعض کے ساتھ ملائیں گے جبکہ وہ بہت چھوٹی اور انتہائی باریک ہوں گی تو بڑی ہڈیوں کو جمع کرنا کیسے مشکل ہوگا۔

۳۔ یزید کا عطف بحسب پر ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ کلام استفہامیہ ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ استفہامیہ نہ ہو بلکہ ایجابیہ (مثبت) ہو کیونکہ یہ جائز ہے کہ اضراب مستفہم سے ہو یا استفہام سے ہو (اگر مستفہم سے اضراب ہوگا تو کلام استفہامیہ ہوگا اگر استفہام سے اضراب ہوگا تو پھر یہ ایجابیہ ہوگی)۔

لیفجر یہ ان مقدر کی وجہ سے منصوب ہے اور لام زائدہ ہے۔ مجاہد، حسن، عکرمہ اور سدی رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ ابن آدم اس چیز سے جائل نہیں کہ اس کا رب ہڈیاں جمع کرنے پر قادر ہے لیکن وہ یہ ارادہ رکھتا ہے کہ وہ آنے والی زندگی میں کفر کرے، اسی کفر پر دوام اختیار کرے، نہ اس سے الگ ہو اور نہ ہی اس سے توبہ کرے۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ وہ گناہ کو مقدم رکھتا ہے اور توبہ کو سوخا رکھتا ہے اور کہتا ہے عبادت کر لوں گا عمل کر لوں گا یہاں تک موت اسے انتہائی برے حال میں آتی ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے مراد امید ہے۔ وہ کہتا ہے میں زندہ رہوں گا اور دنیا سے فلاں فلاں چیز حاصل کروں گا اور موت کو ذرا نہیں کرتا۔ حضرت ابن عباس اور ابن زید رضی اللہ عنہما نے کہا وہ آنے والے وقتوں میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات قیامت، بعثت اور حساب کا انکار کرتا ہے۔ فجر کا معنی ایک طرف جھک جانا ہے۔ اسے فجر اس لئے کہتے ہیں کہ وہ حق سے بھٹکا ہوا ہوتا ہے۔ (۱)

يَسْأَلُ أَيَّانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ فَإِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ۗ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ۗ وَجُمِعَ
الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۗ يَقُولُ الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ أَيْنَ الْمَفْرُجُ ۗ

” (ازراہ تمسخر) وہ پوچھتا ہے قیامت کب آئے گی۔ پھر جب آنکھ خیرہ ہو جائے گی۔ اور چاند بے نور ہو جائے گا۔

اور (بے نوری میں) سورج اور چاند یکساں ہو جائیں گے۔ (اس روز) انسان کہے گا کہ بھاگنے کی جگہ کہاں ہے۔“

۱۔ یہ جملہ یفجر کے فاعل سے حال ہے۔ اس کا سوال کرنا استبعاد اور استہزاء کے لئے ہے وہ پوچھتا ہے قیامت کب واقع ہوگی؟ اس کے سوال کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ قیامت برپا نہ ہوگی۔

۲۔ نافع رحمۃ اللہ علیہ نے بوق کو راء کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے راء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں۔ قاموس میں بوق جیسے فُوح اور نَصْر اس کا مصدر بوقا اور بروقا آتا ہے۔ اس کا معنی متخیر ہونا اور دیکھ نہ سکانا ہے یا دہشت زدہ ہو جانا اور نہ دیکھ سکانا۔ فراء اور خلیل رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا جب بوق کسرہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی حیران ہونا اور گھبرا جانا ہے۔ دنیا میں وہ جن عجائبات کی تکذیب کیا کرتا تھا انہیں نہیں دیکھ سکے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہ موت کے وقت ہوگا جبکہ صحیح یہ ہے کہ یہ قیامت کے روز ہوگا کیونکہ قرینہ اس پر دلالت کرتا ہے۔ خسف سے مراد تاریک ہونا اور روشنی کا چلے جانا ہے۔

۳۔ سورج اور چاند سیاہ اور بے نور ہو جائیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا یہ دونوں مغرب سے قیامت تک نشانی کے طور پر طلوع ہوں گے خسوف محاق سے مستعار ہے۔ عطاء بن یسار رحمۃ اللہ علیہ نے کہا قیامت کے روز انہیں جمع کیا جائے گا پھر سمندر میں پھینک دیا جائے گا جس کے باعث بہت بڑی آگ بن جائے گی۔

ایک توں یہ کیا گیا ان دونوں کو روشنی کے سنب کرنے میں تیار کیا جائے گا۔ جمل میں ہے برق البصر یہ موت سے وقت ہوگا اور حسوف سے مراد آنکھ کی روشنی کا چلا جانا ہے اور جمع سے مراد یہ ہے کہ روح کے ساتھ ہی قوت عاقلہ نقل جائے گی یا موت کے بعد نیکان قدرت تک پہنچ جائے گی جہاں سے وہ نور عاقلہ حاصل کرتی تھی کونہ اس لئے ذکر کیا کیونکہ قائل اس کا مطلب ہے۔ یہ مضمون مذکورہ دیا گیا ہے اذ ظرف برق حسوف اور جمع فعل کی طرف مضاف ہے اور یہ مابعد فعل بقول کی طرف ہے۔

یہ عمل عملہ اللہ تعالیٰ کے فرمان بلی قادرین کے مضمون پر مضمون ہے، یعنی یہاں نہیں ہم ہدیوں کو جمع کرنے سے تو کافر انسان ہے کہ وہاں جہاں نہ رہ جائے۔ یہ بات وہ اس وقت کرے گا جب آنکھ پھرا جائے گی۔ یوہذا این المسفر یہ اذ برق سے بدست ہے۔ اس سلسلہ پر بقول فعل کا مقولہ ہے۔

كَلَّا لَا وَوَلَّىٰ ۖ اِلٰى سَرَابٍ يَّوْمَئِذٍ مُّسْتَقَرًّا ۙ يَتَوَلَّى الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ
وَآخِرًا ۗ ۙ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرًا ۗ ۙ وَّلَوْ اَلْقَىٰ مَعَاذِيْرًا ۙ

پہلے تو ایسے وہاں کوئی پناہ گاہ نہیں ہے صرف آپ کے رب کے پاس ہی اس روز ٹھکانہ ہوگا۔ لگاؤ: رہ کر یہ جانے کا انسان کو اس روز جو عمل اس نے پہلے بھیجے اور جو (شرائط) وہ پیچھے چھوڑ آئے بلکہ انسان خود بھی اپنے نفس کے اعمال پر نظر دھرتے ہیں خواہ وہ (زبان سے ہزار) بہانے بنا لیا کرتے ہیں۔

یہ کافر جو فرار چاہتا تھا اس پر اسے جھڑکا جا رہا ہے۔ لا وری ان کا بیان ہے، یعنی کوئی پناہ گاہ نہیں اور نہ ہی کوئی قلعہ ہے۔ یہ صحیح ہے۔ مستقر ہے یعنی وہ لوگ پہاڑوں میں ہی پناہ لیتے تھے۔ یہ وزر سے مشتق ہے جس کا معنی بوجھ ہے۔

یہ مستقر کا معنی بونے کی جگہ ہے یعنی ان کے قرار مل جگہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ان کا حکم ہے۔

تے حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ما قدم کی تعبیر یہ کہ موت سے پہلے اس کے نیک عمل ہیں اور ما آخر سے مراد انہیں یا بدی سنت سے جس پر بعد میں عمل کیا جاتا رہا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ما قدم سے مراد اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے اور ما آخر سے مراد اس اطاعت کو ضائع کرنا ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ما قدم سے مراد اس کا پہلا عمل اور ما آخر سے مراد اس کا آخری عمل ہے۔

تے یہ جس اس نے جو عمل کئے ہوں گے انہیں یاد دلانے کے ساتھ ہی وہ انہیں دیکھے گا اسے خبر دینے کی ضرورت نہ ہوگی اس لئے آخر میں اہل ایمان کے لئے ہے۔ اسی کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے لَقَدْ نَفْسِكَ الْيَوْمَ عَذِيبَتٌ حَسِيْبًا۔ ابو العالیہ اور سوطہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی ہے۔

تے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے (2)۔ یہ بھی احتمال ہے کہ بصیرۃ مہموبوں سے مراد یہ ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی انسان عین بصیرۃ علی نفسه۔ دونوں تقدیروں کی صورت میں علی نفسه بصیرۃ متعلق ہے جو انسان کی خبر ہے یا بصیرۃ حجت کے معنی میں ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے فَاِذَا جَاءَ ذٰلِكَ يَصْطَلِبْ

منہ شہدائکم میں بصائر حجت کے معنی میں ہے، یعنی انسان اپنی ذات پر واضح حجت ہے اور اس پر گواہ ہے۔ اس صورت میں علیٰ نفسہ طرف مستقر ہے اور اس کی خبر بصیرۃ ہے اور جملہ الانسان کی خبر ہے۔ بصیرۃ سے مراد ملک موکل (وہ فرشتہ جسے اس کے امور سونپے گئے ہیں) مراد لینے کا احتمال بھی ہے۔ مقاتل اور کلبی رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ انسان کے نفس پر کچھ رقیب ہیں جو اس کے اعمال کے بارے میں گواہی دیں گے۔ وہ رقیب اس کی قوت سماعت، قوت بصارت اور اس کے اعضاء ہیں اس صورت میں بصیرت کے اوپر ہوا قیاسی ہوگی کیونکہ یہاں انسان سے مراد اس کے اعضاء ہیں۔ یہ بھی احتمال ہے کہ حرف جار محذوف ہو جس طرح اللہ تعالیٰ کے فرمان میں ہے وَإِنْ أَرَادْتُمْ أَنْ نَسْتَنْزِعُوا أَوْلَادَكُمْ أَصْلَ كَلَامِ يَوْمِ تَحْيَىٰ لَاؤُلَادِكُمْ۔ (1)

یہ ضحاک اور سدی رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا اس کا معنی یہ ہے اگرچہ وہ پردے لڑکا دے اور گناہ کے ارتکاب کے وقت دروازے بند کر دے۔ وہ یہ اس لئے کرتا ہے تاکہ اس کا عمل مخفی رہے مگر اس کا یہ عمل اسے کوئی نفع نہ دے گا کیونکہ اس کی ذات بذات خود اس کے خلاف گواہ ہے۔ اسی طرح موکل فرشتہ بھی اس کے خلاف گواہ ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ بھی اس کے خلاف گواہ ہے۔

اہل یمن ستر (پردے) کو معذار کہتے اس کی جمع معاذر ہے (2)۔ مجاہد، قتادہ اور سعید بن جبیر رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ اعضاء اور فرشتے اس کے خلاف گواہ ہوں گے اگرچہ وہ خود معذرت کرے اور اپنے بارے میں جھگڑا کرے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَا يَتَّقِمُ الظَّالِمِينَ مَعْنَى سَتْرَهُمْ۔ فرما رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اگر اس نے معذرت پیش کی تو اس کے اندر سے اس کے خلاف گواہ ہوں گے یہاں القاء کا معنی قول ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَالْقَوْلُ إِلَيْهِمُ الْقَوْلُ لَكِن بُونَ (3)۔ اس صورت میں معذار کی جمع معاذیر ہوگی۔ اور معذار عذر کے معنی میں ہوگا یا یہ معذرة کی خلاف قیاس جمع ہے جس طرح منکو کی جمع مناکیر ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ اسم جمع ہے اس کی جمع معاذر آتی ہے جس طرح مناکیر ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔ شیخین نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ جب حضرت جبریل امین وحی لائے تو حضور ﷺ اپنی زبان اور ہونٹوں کو حرکت دیتے تو یہ معاملہ ان پر سخت ہو جاتا جبکہ یہ بات معروف و مشہور تھی کہ آپ اس طرح اس لئے کرتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ نے جو وحی آپ پر نازل کی ہے اس کو یاد کر لیں تو اللہ تعالیٰ نے مابعد آیت کو نازل فرمایا۔ (4)

لَا تَحْرِكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ ۖ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ۗ فَإِذَا قَرَأَهُ

فَأْتِ بِمِثْقَالِ ذَرَّةٍ مِّنْهُ ۗ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيِّنَاتَهُ ۗ ط

”اے حبیب آپ حرکت نہ دیں اپنی زبان کو اس کے ساتھ تاکہ آپ جلدی یاد کر لیں اس کو لے ہمارے ذمہ ہے اس کو

(سینہ مبارک میں) جمع کرنا اور اس کو پڑھانا۔ پس جب ہم اسے پڑھیں تو آپ اتباع کریں اسی پڑھنے کا سہ پھر

ہمارے ذمہ ہے اس کو کھول کر بیان کر دینا۔“

۱۔ خطاب حضور ﷺ کو ہے بہ میں ضمیر سے مراد قرآن ہے، یعنی وحی مکمل ہونے سے پہلے آپ اپنی زبان کو حرکت نہ دیں آپ اس طرح اس لئے کرتے ہیں تاکہ آپ جلدی سے قرآن حکیم لے لیں۔ صحیحین میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور ﷺ وحی کے نازل ہونے کے وقت اپنے ہونٹوں کو حرکت دیتے تاکہ وحی میں سے کوئی چیز نہ جائے۔ (5)

کے آپ کے سینہ میں اسے جمع کرنا اور اس کی قرأت کو آپ کی زبان پر ثبت کرنا یہ ہمارے ذمہ کرم پر ہے۔ یہ حمد سابقہ نہیں بلکہ نئی ہے۔
 تہ جب ہم جبرئیل امین کی زبان سے اسے پڑھیں تو آپ اس کے پیچھے پیچھے قرأت کریں۔ حضرت جبرئیل امین کی قرأت ہوا پینے کے
 مسوب کیا۔ یہ بطور مجاز ہے کیونکہ جبرئیل امین اللہ تعالیٰ کے حکم سے وحی لاتے اور اللہ کا پیغام ہی آپ تک پہنچاتا۔ یعنی جب جبرئیل
 امین پڑھیں تو تب آپ قرأت کریں تاکہ آپ کے ذہن میں راسخ ہو جائے۔ اسی طرح طالب علم پر لازم ہے کہ وہ شیخ کی قرأت کے
 بعد قرأت کرے اور شیخ کے ساتھ ساتھ قرأت نہ کرے تاکہ مزاحمت اور قرأت و حفظ میں تشویش واقع نہ ہو۔
 تہ جب اس کے معانی میں سے کوئی مشکل پیش آئے تو اس کی مراد کو خطاب کرنا ہمارے ذمہ کرم پر ہے۔

میں بہتا ہوں قرآن کی آیات محکم ہوں یا متشابہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور ﷺ کے لئے اس کا بیان ضرور ہوگا۔ یہ جو زمین پر
 حضور ﷺ کے لئے کوئی چیز واضح نہ ہو اور نہ خطاب فائدہ سے خان ہوگا اور وعدہ مطلق بھی ہوگی۔ جس طرح ہم نے اس مسئلہ کو اس
 آیت ولا يعلم تاویلہ الا اللہ میں ذکر کیا ہے۔ تم کا کلمہ اس بات پر بھی دلالت کرتا ہے کہ بیان کا خطاب سے ضرورت کے وقت
 تک مؤخر ہونا جائز ہے لا تحرک بہ لسانک والا جمہ جمہ معترض ہے۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح بونی گفتگو کر رہا ہوتا مخصوص
 بات شروع کرے تو متکلم بات روک دے اور کہے خاموش ہو جاؤ اور قطع کلامی نہ کرو۔ آپ کو گفتگو کا حق اس وقت ہوگا جب تم بات
 منسلک طور پر نہ لو پھر اسی جگہ سے اپنی گفتگو شروع کرنا چاہئے جہاں سے اس نے بات ختم کی تھی۔

كَلَّا بَلْ تُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ ﴿١٠﴾ وَ تَذُرُونَ الْآخِرَةَ ﴿١١﴾ وَ جُودًا يُؤْمِنُ
 تَائِصَةً ﴿١٢﴾ إِلَىٰ سَائِهَاتٍ ذُرَّةً ﴿١٣﴾

بہتر نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تم محبت کرتے ہو جلدی ملے، ان (نعمت) کے لئے اور چھوڑ رکھتے تم نے آخرت کو، یعنی

چہرے اس روز تروتازہ ہوں گے اور اپنے رب کے (انوار جمال) کی طرف دیکھ رہے ہو گے۔

تہ اس کے دوبارہ اٹھائے جانے کا جو انکار کیا اس پر انہیں تھنر کا جارہا ہے یا آئندہ زمانے میں فوراً مرنے سے بچنے کا جارہا ہے۔ یہ اس
 مصدر میں پیش کرنے سے انہیں جھڑکا جا رہا ہے۔ صحیحوں میں جمع کی ضمیر مذکورہ انسان کی طرف لوث رہتی ہے اور جمع کی ضمیر معنی
 ضمیر سے ہے کیونکہ اس سے مراد جنس ہے یا ضمیر اس طرف لوث رہتی ہے جس میں کلام ہو رہی ہے اور جو لگ اس معنی میں ہیں۔
 عاصمہ سے مراد: نیا اور اس کی شہوتیں ہیں۔

تدرون کی ضمیر بھی سابقہ طریقہ پر انسان کی طرف لوث رہتی ہے۔ یہ ابن کثیر، ابو عمرو اور ابن عامر رحمہم اللہ تعالیٰ کی قرأت کے مطابق
 نے سنہیں وہوں صیغوں کو فاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ کو فیوں اور نفع رحمۃ اللہ علیہ نے اسے تاء کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ مخاصب کے صیغے
 ہیں اور غائب کے صیغوں سے خطاب کے صیغوں کی طرف التفات ہے، یعنی وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ دوبارہ اٹھائے پر قادر ہے اور ان کی
 شہوتیں انہیں کوئی نفع نہ دے گی بلکہ وہ دنیا سے محبت کرتے ہیں اور دنیاوی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں۔ شہوت نے ان کی آنکھوں پر
 لٹا اور انہیں بوجہ بصیرت کر دیا ہے۔ انہوں نے آخرت کو مطلق چھوڑ دیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آخرت کے احوال کو ذکر فرمایا۔

تہ جو مبتدئ ہے یا تو اس کا مضاف الیہ مقدر ہے۔ تقدیر کلام یوں تھی وجوہ المومنین یا یہ مقدر صفت کا موصوف ہے جسے وجود
 کثیر یا وجود منہم، یعنی اسی انسان کی جنس میں سے کچھ چہرے تروتازہ ہوں گے۔ یہ منہذ مابعد شہ فعل کی طرف ہے۔ ماضی ہے۔

وجوہ کی خبر ہے جس کا معنی تروتازہ حسین اور چمکتے ہوئے۔

سے الی رہا یہ جار مجرور مابعد شبہ فعل ناظرہ کے متعلق ہے۔ یہ وجوہ کی دوسری خبر ہے۔ آنکھ کے ساتھ دیدار الہی ہوگا مگر کسی کیفیت، جہت اور مسافت کے بغیر ہوگا اور نہ ہی غائب کو حاضر پر قیاس کیا جائے گا۔ آجری اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے کتاب الرویۃ میں دو سندوں سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ ناصورہ کا معنی حسین ہے اور الی رہا ناظرہ سے مراد اپنے خالق کو دیکھنا ہے (1)۔ انہوں نے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح نقل کیا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ سب سے کم مرتبے والا جنتی وہ ہوگا جو اپنی جنتوں، بیویوں، نعمتوں، خادموں کی طرف دیکھے گا جبکہ اس کی چار پائی ایک ہزار سال کی مسافت پر ہوگی اور جنتیوں میں سے سب سے معزز وہ لوگ ہوں گے جو صبح و شام اپنے رب کا دیدار کریں گے پھر حضور ﷺ نے اس آیت کریمہ کی تلاوت کی **وَجُودًا يَوْمَئِذٍ نَاصِرَةٌ** (إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ) (2)۔ اسے امام احمد، ترمذی، دارقطنی، لاکائی اور آجری رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ آجری رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ یوں ہیں سب سے کم مرتبے والا جنتی وہ ہوگا جو اپنی ملکیتی جنت میں دو ہزار سالوں کی مسافت دیکھے گا وہ انتہائی دور جگہ کو اسی طرح دیکھے گا جس طرح انتہائی قریبی جگہ کو دیکھتا ہے۔ اس بات میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے جسے بزار، طبرانی، بیہقی اور ابو یعلیٰ رحمہم اللہ تعالیٰ نے طوالت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ جمعہ کے روز مزید یہ کہ دیدار الہی ہوگا، یعنی باقی نعمتوں کے علاوہ یہ نعمت بھی ہوگی جمعہ کو یوم مزید بھی کہتے ہیں۔ اسے بزار اور اصغہانی رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی آپ سے روایت کیا ہے۔

آجری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضور ﷺ سے روایت کیا ہے کہ جنتی ہر جمعہ کو اپنے رب کا دیدار کریں گے۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے ایک مرسل روایت مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جنتی ہر جمعہ اپنے رب کا دیدار کریں گے (3)۔ اسے یحییٰ بن اسلام نے نقل کیا ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں جب کسی کی (دنیا میں) دو آنکھیں لے لوں گا اس کی جزاء یہ ہوگی کہ وہ میرے گھر (جنت) میں اترے گا اور میرا دیدار کرے گا۔ اسے طبرانی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے لوگوں نے روایت کیا ہے۔ حضرت جریر بن عقیل رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ہم حضور ﷺ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ حضور ﷺ نے چودھویں رات کے چاند کی طرف دیکھا فرمایا تم اپنے رب کا دیدار اس طرح کرو گے جس طرح تم چودھویں رات کو چاند دیکھتے ہو تمہیں اس کے دیدار میں کوئی رکاوٹ نہ ہوگی جتنا ہو سکے سورج کے طلوع اور سورج کے غروب ہونے سے پہلے والی نمازوں میں تم مغلوب نہ ہونا یعنی انہیں نہ چھوڑنا، متفق علیہ (4)۔ لاکائی اور حدیفہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسی طرح مروی ہے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ دعا فرمایا کرتے تھے اے اللہ میں تجھ سے موت کے بعد زندگی کی ٹھنڈک، تیرے دیدار اور تیری ملاقات کے شوق کا سوال کرتا ہوں نہ اس میں تکلیف وہ دکھ ہو اور نہ ہی گمراہ کن فتنہ (5)۔ اسے لاکائی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جب تک تمہیں موت نہیں آئے گی تم اپنے رب کا دیدار نہ کرو گے۔ اسے دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ لاکائی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت

1- تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 154 (التجاریہ) 2- جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 78 (وزارت تعلیم)

3- تفسیر قرطبی، جلد 17، صفحہ 22 (المصریہ) 4- صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 78 (دست) 5- معجم کبیر، جلد 18، صفحہ 219 (الزہرا، الحدیثیہ)

یہ ہے۔ ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے حلیہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ان آیتوں تلاوت کرتے ہوئے فرمایا اے موسیٰ مجھے یوں نہیں دیکھئے گا مگر جب وہ مرے گا نہ خشک مگر وہ تر ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں اس آیت اور یزید ریزہ ہو جائے (یعنی کوئی بھی چیز اپنا انجام پائے بغیر اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں کرے گی)۔ مجھے جنتی لوگ ہی آتھیں گے۔ ان کی آنکھیں مریں گی اور نہ ہی ان کی آنکھیں بوسیدہ ہوں گی۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جو آیتیں آپ نے ملاقات کا خواہش مند ہو تو وہ عثمان صحابہ کے لئے جو اپنے رب کا دیدار کرنا چاہے تو وہ بھی عمل صحابہ کے اور اس کے ساتھ کہ یہ ہمیں ہمارے لئے ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں اللہ تعالیٰ کے فرمان **فَرَمَانَ نَشْنُ مِنْ أَحْسَنُوا الْحَسْبُ وَبِذَلِكَ اللَّهُ لَعَالِي** کے فرمان **وَلَدَيْهَا كُوزٌ** اور اس جیسی دوسری آیت کی تفسیر دیدار الہی سے کرنا درست ہے اور یہ تفسیر حضور ﷺ سے ہے اور یہ بھی صحیح ہے اور اہل حدیث کے نزدیک یہ تو اتر کے درجہ کو پہنچتی ہوئی ہے۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اور ۱۱۰۰ھ کے تفسیر میں یہاں ہم جو کچھ ذکر کر چکے ہیں وہ کافی ہے جو آیات اس موضوع کے متعلق ہیں ان کے بارے میں بھی تمہیں پتہ چلے گا۔

اس سنت کا اس امر پر اجماع ہے کہ رویت باری تعالیٰ برحق ہے جبکہ معتزلہ، خارجیوں اور ان جیسے لوگوں کے اس عقیدے کے خلاف ہے۔ ان کا خیال یہ ہے کہ یہ ممکن ہے۔ ان کا خیال یہ ہے کہ رویت اس امر پر موقوف ہے کہ جس کو دیکھا جاتا ہے اس کا جسم اور کیفیت سب سے درمیان میں کوئی حجاب بھی نہیں ہونا چاہئے دیکھنے والے اور جس کو دیکھا جاتا ہے ان کے درمیان مسافت بھی نہ ہونی چاہئے۔ بہت قریب ہو اور نہ یہ بہت دور ہو دیکھنے والے کی آنکھ سے شعاع کا نکلنا اور دیکھائی دینے والے تک اس کا پہنچنا۔ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے جہت ثابت ہو۔ نیز انہوں نے ان دلائل نقلیہ سے بھی رویت کی نفی کو ثابت کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان ہے **وَهُوَ يُدْرِكُ الْبَصَارَ** اور اس آیت کی تاویل وہ یہ کرتے ہیں کہ یہاں ناظرہ منتظرہ کے معنی میں ہے یعنی وہ اپنے لئے تھمے اور اس کے انعام کے منتظر ہوں گے جبکہ اہل عرب ان کی اس تعبیر کو رد کرتے ہیں کیونکہ انتظار کا سلسلہ لامتناہی ہے۔ اسی لئے اس آیت سے دیکھنے کا سلسلہ الہی آتا ہے۔ اہل سنت کا نقطہ نظر یہ ہے کہ رویت صرف اس پر موقوف ہے کہ جس کو دیکھا جائے وہ موجود ہو۔ اسی طرح جس نے دیکھا ہے اس کے لئے وجود، زندگی، علم، اور دیکھنے کی صلاحیت ہونی چاہئے اس کے علاوہ ۱۱۰۰ھ میں مذکور رویت اور موقوف ہونا خاص مادہ میں آیت عادی امر ہے۔ اس لئے غائب کو شاہد پر قیاس کرنا درست نہیں اس میں کوئی شک نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مادی اور غیر مخلوق کو بغیر مسافت کے دیکھا ہے۔ اس میں بصارت کی شعاع نہیں نکلتی وہ سب سے ہے تو اللہ تعالیٰ نے اسی کو اپنے نکار یہ جانتا ہے جبکہ ان ذات نے ہمیں اس بارے میں بتایا جو بشر و نذر ہے۔ جہاں تک **وَهُوَ يُدْرِكُ الْبَصَارَ** ان آیت کا تعلق ہے۔ یہ ادراک کی نفی کرتی ہے جو احاطہ اور حقیقت کے علم حاصل ہونے کا تقاضا کرتا ہے۔ یہ محال ہے جہاں تک کسب الحقیقت کے علم حضور کی تعلق ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ معلوم کن کس عالم کے سامنے رہے یہ محال نہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات سب سے بڑی اور اس سے ماوراء ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

قائد ہے۔ یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ وہ ہمیشہ کے لئے دیدار الہی کرتے رہیں گے ان کا دیدار ختم نہ ہوگا جس طرح یہ آیت اس امر کی دلالت کرتی ہے کہ وہ ہمیشہ کے لئے تر و تازہ ہوں گے کیونکہ جملہ اسمیہ زدام اور استمرار پر دلالت کرتا ہے۔ اس آیت میں اس آیت

سلسلہ ہمیشہ اس طرح جاری و ساری رہے گا۔ حضرت مجددِ حمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ صوفی کے لئے دنیا میں تجلی آتی ہے اور اس وقت کے حجابات کے پیچھے سے ہوتی تھی اور بعض اوقات وہ حجابات بھی اٹھ جاتے تو اس کے لئے تجلی دانی کوندہ۔ ان میں نہ مومن حاسس ہوتی آخرت میں بھی یہ صورتحال اسی طرح ظاہر ہوگی۔ ہر انسان کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے ایک ذرہ سے اعتبار سے ہے جو اس کی جنت کا مبداء ہے جو اسم اس کی جنت کی صورت میں ظاہر ہوگا اس کے لئے دیدار الہی مختص وقت میں کوندہ۔ دانی بجلی کی طرح ہوگا پھر وہ دیدار ختم ہو جائے گا اور اس کا نور اور برکت جنت اور اس کے درختوں کے پردوں میں باقی رہے گی۔

میں یہ کہتا ہوں یہ عام جنتیوں کا دیدار ہے مگر جو خاص جنتی ہیں۔ جب دنیا میں ان کے لئے تجلی دائمی ہے تو ان کے لئے دیدار دائمی ہوگا۔ اگر یہ سوال کیا جائے مفسرین نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان الہی رہا ماطرہ میں جا بجز مقدمتہ جو اس کا تقاضا ہے وہ ان بات کا فائدہ دیتا ہے کہ جب ان کا رب ارادہ کرے گا تو جنتی اس کے دیدار میں مستغنی رہیں گے وہ اس وقت کی اور جنتیوں میں صرف متوجہ نہیں ہوں گے۔ اس کی تائید حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا ہے: "سیرتہ بورجیس جائے گا تو وہ اپنا سر اوپر اٹھائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان پر اوپر سے جھانکے گا ارشاد فرماتے گا اے جنتیو تمہیں سلام ہو اللہ تعالیٰ۔ فرمان سب "قَوْلًا مِّن رَّبِّكَ تَجِيبُ" کا کہنی معنی ہے فرمایا اللہ تعالیٰ جنتیوں کو دیکھے گا اور جنتی اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے جس وقت وہ اس کا دیدار کر رہے ہوں گے اس وقت تک وہ کسی اور چیز کی طرف متوجہ نہ ہوں گے یہاں تک کہ وہ حجاب میں چلا جائے گا تو اس کا دیدار نہ ہوگا۔ ان کی جنت میں باقی رہے گا (1)۔ اسے ابن ماجہ ابن الدین اور دارقطنی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ اس وقت بعض نبیوں کے لئے دیدار دائمی ہے تو اس حصر کا تصور کیے جا سکتا ہے اور ہمیشہ کے لئے دوسری نعمتوں سے عذر تو جنتی کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں یہاں حصر حاصل نہیں ہوتا بلکہ منہ ممنون ہے اور جابر مجرورہ صرف اس لئے مقدمتہ یہ کہتے ہیں کہ فی اسل (آیات کے سرے) کی رعایت کیا جائے۔ شاید بعض لوگوں کے حق میں نعمتوں کی طرف التفات رویت کے مطابق رہا ہو بلکہ اس کے حق میں جنت کی نعمتیں ششے کے جسم کی طرح ہوں جو دیدار میں رکاوٹ نہ ہوں بلکہ اس کے مددگار ہوں صوفی کے لئے دیدار واقع ہو جاتے ہیں۔ ایک پردہ ہٹانے کی صورت میں دیدار دوم نعمتوں کے واسطے کی صورت میں دیدار۔ اس کے ساتھ ساتھ دیدار نعمتوں کو دیکھتا بھی ہے اور اس سے لذت بھی حاصل کرتا ہے جس کی یہ شان ہے اسے ایک کامرہوم سے کام سے رکاوٹ نہیں ہوتا۔ ان سے علاوہ جو جنتی ہیں ان کی جنت کی نعمتوں کی طرف توجہ دیدار سے رکاوٹ بنتی ہے۔ اس طرح دیدار دوم کی نعمتوں سے عطف اہم ہونے سے مانع ہوتا ہے کیونکہ ان میں استعداد کی کمی ہے۔ یا ہم یہ کہیں گے کہ حصر کا معنی ان نبیوں کے حق میں ہے جن کے لئے دیدار ثابت ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے جو سمجھ مروی ہے اس میں عام جنتیوں کی حالت کا بیان ہے۔

یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ نعمتوں کی طرف التفات انہیں دیدار سے نہیں روکتا ہے یہ سب درست ہو سکتا ہے کہ جب انہیں دیدار کا شرف حاصل ہو تو وہ پھر کسی اور نعمت کی طرف متوجہ ہوں۔ یہ اعتراض اس لئے درست نہیں کیونکہ ہم نے پہلے کہا کہ جنت کی نعمتیں اللہ تعالیٰ کے اسماء کا مظہر ہیں اس لئے دیدار کے ہوتے ہوئے ان کی طرف توجہ ممنوع نہیں۔

قائدہ:۔ بعض ائمہ کے کلام میں یہ بات ذکر کی گئی ہے کہ دیدار الہی صرف انہوں میں سے مومنوں کے لئے ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں کریں گے۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی مخالفت کی ہے اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو اپنی مختلف عبادتوں کے لئے پیدا فرمایا ہے ان میں سے کچھ فرشتے تو ایسے ہیں جو صفیں بنائے کھڑے ہیں۔ ان کا یہ عمل پیدائش سے قیامت تک جاری رہے گا۔ جب قیامت کا روز ہوگا تو اللہ تعالیٰ کا ظہور ہوگا وہ اس کا دیدار کریں گے اور عرض کریں گے ہم نے تیری اس طرح عبادت نہیں کی جس طرح عبادت کرنے کا حق تھا۔ اسی کی مثل ایک اور سند سے عدی بن ارفاف سے اس نے ایک صحابی سے ذکر کیا ہے جو ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ ہر آدمی کے لئے دیدار اس کے تعین کے مبداء کے حساب سے ہوگا تو اس سے انسانوں میں سے عام مومنوں پر فرشتوں کی فضیلت ظاہر ہو جاتی ہے کیونکہ فرشتوں کے تعین کے مبادی انسانوں کے تعین کے مبادی سے فضیلت رکھتے ہیں جس طرح حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے اور جو ہم نے یہ ذکر کیا ہے کہ خاص انسانوں کا دیدار دائمی ہوگا ختم نہیں ہوگا تو اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ خاص بشر خاص ملائکہ پر فضیلت رکھتے ہیں جس طرح عقائد کی کتابوں میں موجود ہے۔

وَجُودًا يَوْمَئِذٍ بِأَسْرَةٍ ۝ تَنْظُرُ أَنْ يُفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ۝ كَلَّا إِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ۝
وَقِيلَ مَنْ سَرَّاقٍ ۝ وَظَنَّ أَنَّهُ الْفِرَاقُ ۝ وَالتَّقَاتِ السَّاقِ بِالسَّاقِ ۝

”اور کئی چہرے اس دن اداس ہوں گے کہ خیال کرتے ہوں گے کہ ان کے ساتھ کمر توڑ سلوک ہوگا۔ ہاں ہاں جب جان پہنچے گی ہنسی تک ۳۔ اور کہا جائے گا ہے کوئی، جہاں بھونک کرنے والا اور (مرنے والا) سمجھ لیتا ہے کہ جدائی کی گھڑی آئی ہے اور لپٹ جاتی ہے ایک پنڈلی دوسری پنڈلی سے۔“

۱۔ وجوہ سے مراد کافروں کے چہرے ہیں یا کثیر چہرے ہیں باسرة یعنی کڑش رو اور درشت۔

۲۔ انہیں یقین ہوگا کہ ان کے ساتھ کمر توڑ سلوک کیا جائے گا۔ فاقرة سے مراد عظیم مصیبت ہے جو کمر توڑ دے گی۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے مراد جہنم میں داخل ہونا ہے۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دیدار سے روک دیا جائے گا۔ ۳۔ دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے سے جھڑکا جا رہا ہے۔ گویا یوں کہا گیا کہ اس سے باز آ جاؤ اور اس موت کو یاد کرو جہاں دنیا ختم ہو جائے گی اور ہمیشہ رہنے والی آخرت کا سامنا ہوگا۔ نفس کا پہلے صراحتاً ذکر نہیں مگر کنایہ ذکر ہے کیونکہ کلام اس پر دلالت کرتی ہے۔ اذا شرطیہ ہے اس کی جزاء الی ربک یومئذ المساق ہے۔ یہ طرف ہے، اس کا تعلق اس فعل کے ساتھ ہے جس پر سیاق کلام دلالت کرتا ہے جب روح ہنسی کی ہڈی تک پہنچ جائے گی تو انہیں تمہارے رب کی طرف ہانکا جائے گا۔ تراقی سے مراد وہ ہڈیاں ہیں جو دائیں اور بائیں جانب سے گلے کے گڑھے میں ملتی ہیں ہنسی کی ہڈی تک نفس کے پہنچنے سے مراد موت کے قریب پہنچنا ہے۔

۴۔ قریب الموت آدمی یہ گمان کرے گا کہ یہ مصیبت دنیا اور محبوب چیزوں سے فراق کا سبب ہے۔

۵۔ ایک پنڈلی دوسری پنڈلی کے ساتھ لپٹ جائے گی وہ انہیں حرکت دینے پر قادر نہیں ہوگا۔ امام شعبی اور حضرت حسن بصری رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسی طرح کہا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا اس کا معنی ہے دنیا کا معاملہ آخرت کے معاملہ کے ساتھ مل جائے گا۔ یہ دنیا کا آخری دن اور آخرت کا پہلا دن ہوگا تو اس طرح دنیا کے فراق کی شدت قیامت کے آنے کی شدت کے ساتھ مل جائے گی۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ لوگ اس کے جسم کی تیاری میں لگے ہوں گے اور فرشتے اس کی روح کی تیاری میں لگے ہوں گے۔ (۱)

إِلَىٰ سِرَاتِكَ يَوْمَئِذٍ الْمَسَاقِي ۖ فَلَا صَدَقَ وَلَا صَلَّى ۖ وَلَكِنَّ كَذَبًا وَتَوَلَّى ۖ
ثُمَّ ذَهَبَ إِلَىٰ أَهْلِهِ يَمْتَسِي ۖ ۚ أُولَىٰ لَكَ فَأُولَىٰ ۖ ۚ ثُمَّ أُولَىٰ لَكَ فَأُولَىٰ ۖ ۚ

اس دن آپ کے رب کی طرف کوچ ہوتا ہے (اتنی فوجائش کے باوجود) نہ اس نے تصدیق کی اور نہ انکار کیا جس سے
بلکہ اس نے (حق کو) جھٹلایا اور اس سے منہ پھیر لیا۔ پھر گیا گھر کی طرف نخرے رہتا ہوا اس تیری خرابی آگلی سے آگلی یہ
پھر تیری خرابی آگلی اب آگلی ہے۔

اس روز تیرے رب کی طرف ہی نہیں لے جایا جائے گا اور وہ جس طرح چاہے گا حکم دے گا۔

اس نے رسول اور قرآن کی تصدیق نہیں کی یا اس نے اپنے مال کی زکوٰۃ نہیں دی اور اس پر جو نماز فرض کی گئی تھی اس نے ادا نہیں کی
فلا صدق کا عطف ایسب الانسان کے مضمون پر ہے کیونکہ زجر و توبیح اس چیز کو مستلزم ہوتی ہے جو واقع ہو چکی ہو۔ قلہ یہ
ہوں یا انسان یہ گمان رہتا تھا کہ ہم اس کی ہڈیاں جمع نہیں کریں گے اور نہ ہی ہم انہیں اٹھائیں گے۔ پس اس نے تصدیق کی اور نہ ان
نماز پر جس ان دونوں میں ضمیر انسان کی طرف لوٹ رہی ہے۔ یہ سیاق تقاضا کرتا ہے کہ یہ حدیث بن ربیعہ کی حکایت ہے۔ اور لغوی
الذہبی نے کہا اس سے مراد ابو جہل ہے اس زمانے سے مراد جس کی جانے تو یہ ان دونوں کو شامل ہوگا۔

پس اس نے نبی کریم ﷺ کو جھٹلایا اور ایمان لانے سے انحراف کیا پھر چلنے میں جھدی کی۔ قاموس میں ہے مضی کا معنی ہے اس
چلنے میں ہشش کی اور جھدی کی صحاح میں ہے اس نے اپنی پشت کو نیڑھا کیا، یعنی مطا کا معنی پشت ہے۔ اس سے یہ امر بولا جا
تا ہے لا یرکب ظہرہ مطیہ کا لبعیر وہ اس کی پشت پر سوار نہیں ہوتا کیونکہ اس کی پشت اس طرح میڑھی ہے جس حدیث میں
پشت ہوتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا یتمطی اصل میں یتمسط تھا کیونکہ تیس ہاء اکٹھے ہو گئے تھے اس لئے یہ ہوا۔ اور
ہر دیا۔ جب مطا کا معنی کھینچنا ہے۔ حاصل معنی یہ ہے کہ وہ تیر کرتا ہے کیونکہ مطلب کھینچنا ہے اور بے قدم ہوتا ہے۔
ت یہ ہوا ہے یہ ویل لک کے معنی میں ہے یا اس میں دھمکی اور وعید ہے۔ اس میں غائب کے صیغہ سے مخاطب کے صیغہ میں
انتہات ہے۔

یہ تائید کے لئے اسے مکرر ذکر کیا۔ اس سے یہ مراد بھی ہو سکتا ہے کہ اس کے لئے دنیا میں قتل العنت ہو گیا اور عذاب میں
میں بلائت ہو اور موت کے روز تیرے لئے ہلاکت ہو اور جس دن تجھے اٹھایا جائے اس روز تیرے لئے ہلاکت ہو جب نہ جہنم میں
اٹھل ہو اس روز تیرے لئے ہلاکت ہو۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے بارے میں جو پوچھا کہا گیا۔ اس کی یہ نفیض ہے کیونکہ اس میں نے
نہیں روز وہ پیدا ہوئے جس روز انہیں موت آئے گی اور جس روز انہیں زندہ اٹھایا جائے گا اس روز ان پر سلامتی ہو۔ یہ قلب کے
زین سے فعل کے وزن پر ہے جس طرح دون سے ادنیٰ اسم تفضیل کا صیغہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا اس میں یہ کلام اس
ارلاء اللہ ماتکرہہ۔ لک میں لام زائد ہے جس طرح رد ف لکم میں لام زائد ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا اصل میں یہ اولی لک الہلاک تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا یہ ال یؤل سے فعل کے وزن پر ہے، یعنی تیر
معاذ شریک نہ پہنچنے والا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا یہ اصل میں اسم فعل ہے جو ولیک ماتکرہہ کے معنی میں ہے۔ قاموس میں ہے
اسی لک۔ یہ وعید ہے یعنی تیری ہلاکت کا وقت قریب آ گیا ہے۔ اس وقت یہ ولی سے مشتق ہے جس کا معنی قریب ہے۔

اللہ علیہ نے کہا ہمارے سامنے ذکر کیا گیا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور ﷺ نے ابو جہل کو پکڑ کر فرمایا اولی لک فاولی ثم اولی لک فاولی۔ تو ابو جہل کہنے لگا اے محمد کیا تم مجھے دھمکی دیتے ہو؟ اللہ کی قسم تم اور تمہارا رب طاقت نہیں رکھتے کہ میرا کچھ بگاڑ سکو۔ بے شک میں اس پہاڑ کے درمیان سب سے معزز ہوں جب بدر کا دن آیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے سختی کے ساتھ پچھاڑا اور انتہائی برے طریقے سے قتل کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہر امت کا ایک فرعون ہوتا ہے اس امت کا فرعون ابو جہل ہے (1)۔ ابن جریر نے عوفی رحمہما اللہ تعالیٰ کی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی عَلَیْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ تو ابو جہل نے قریش سے کہا تمہاری مائیں تم پر روئیں تمہیں ابن ابی کبشہ یہ خبر دیتے ہیں کہ جہنم کے داروغے انیس ہیں جبکہ تمہاری بہت بڑی جمعیت ہے کیا تم میں سے دس آدمی بھی جہنم کے ایک داروغے کو نہیں پکڑ سکتے (2)۔ تو اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی طرف وحی کی کہ آپ ﷺ ابو جہل کے پاس جائیں اور اس سے یوں کہیں اولی لک فاولی ثم اولی لک فاولی۔ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کیا ہے کہ انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے بارے میں پوچھا کہ حضور ﷺ نے ابو جہل کو یہ اپنی طرف سے کہا تھا یا اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا تھا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا حضور ﷺ نے یہ اپنی طرف سے کہا تھا پھر اللہ تعالیٰ نے ان آیات کو نازل فرمایا تھا۔

أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَنْ يُتْرَكَ سُدًى ۚ أَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّن مَّنِي يَمْنَى ۚ ثُمَّ
 كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوَى ۚ فَجَعَلَ مِنْهُ الرُّوحَ جَيْنَ الذَّكَرِ وَالْأُنثَى ۚ
 أَلَيْسَ ذَلِكَ بِقَدِيرًا عَلَىٰ أَنْ يُحْيِيَ الْمَوْتَى ۙ

”کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ اسے منس چھوڑ دیا جائے گا لے کیا وہ (ابتداء میں) منی کا ایک قطرہ نہ تھا جو (رحم مادر میں) چپکایا جاتا ہے ۲۔ پھر اس سے وہ لوتھڑا بنا پھر اللہ نے اسے بنایا اور اعضاء درست کئے ۳۔ پھر اس سے دو قسمیں بنائیں مرد اور عورت ۴۔ کیا وہ (اتنی قدرت والا) اس پر قادر نہیں کہ مردوں کو پھر زندہ کر دے ۵۔“

۱۔ حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے سدی کا معنی مہملا کیا ہے، یعنی اسے نہ حکم دیا جائے گا نہ روکا جائے گا نہ اسے دوبارہ اٹھایا جائے گا اور نہ ہی اسے جزاء دی جائے گی کیونکہ وہ دوبارہ اٹھائے جانے کا انکار کرتا ہے کیونکہ دوبارہ اٹھائے جانے کا انکار ہی اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ مہمل ہو حالانکہ اس کی تخلیق کی حکمت یہ ہے کہ اسے مکلف بنایا جائے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ اور ایک اور جگہ ارشاد فرمایا قُلْ مَا يَعْجَبُكُم مَّا يُبَدِّلُ لَكُمْ رَبِّي لَوْلَا دَعَاؤُكُمْ لَخَلِقُ الْإِنْسَانَ ثَلَاثًا وَلَئِن كُنْتُمْ عَادِلِينَ ۚ اور اسے کیسے محال جانتا ہے جبکہ اس کی حالت یہ ہے۔

۲۔ یعنی کا معنی یصب ہے یعنی جسے رحم میں اٹھایا جاتا ہے۔ حفص رحمۃ اللہ علیہ نے اسے یاء کے ساتھ مذکر کا صیغہ پڑھا اور ضمیر منی کی طرف لوٹ رہی ہے جبکہ باقی قراء نے اسے تاء کے ساتھ پڑھا ہے اور ضمیر نطفہ کی طرف لوٹائی ہے۔

۳۔ پھر انسان نطفہ کے چالیس روز بعد جسے ہوئے خون کی صورت میں ہو گیا۔ پھر اسی طرح گوشت کا لوتھڑا ہو گیا۔ پھر اسے ہڈیاں بنایا

ایسا چھڑا جس پر گوشت چڑھا دیا گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انسان کو اور ہمیں اس میں اپنی روت چھونک کر پیدا کیا اور بغیر کسی تکیے کے اس کو نشیمن بنا دیا۔

اللہ تعالیٰ نے وہی مٹی جسے پہلے علقہ، پھر مضغہ، پھر ہڈیاں اور گوشت بنا دیا تھا۔ اس سے دو شخصیں پیدا کیں۔ انھی یہ دونوں آدمیوں میں سے ہیں جو جاتی ہیں اور ابھی ایک دوسرے سے الگ ہوتی ہیں۔

یہ وہ اللہ جو اس طرح کرتا ہے اور سابقہ وجود کے بغیر انہیں ایسا کرتا ہے کیا وہ مرد کو زندہ کرنے پر قادر نہیں جسب وہ ایک چیز کا مشاہدہ کرتے ہیں جو دوبارہ اٹھانے سے بھی زیادہ تعجب کا باعث ہے (یعنی پہلی دفعہ بغیر مثال کے پیدا کرنا)۔ اس کے باوجود وہ بارہا وہ اٹھانے کے جائز ہونے کا انکار کرنا یہ ان کے صدر جبے وقف ہوئے اور ان کی حدود جبہ دشمنی کا تقاضا کرتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے سورۃ التین پڑھی اور اسے اللہ کا فضل حاصل ہوگا۔

اَلْعَرَبِيْنَ تَمَّكَ پڑھا تو وہ بے ہلی بنا اور اَللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ لَمِنَ الشّٰهِدِيْنَ اور جو لا اقسام يوم القيمة پڑھے اور الیس ذلک بصادر علی ان یحیی الموتی تم پہنچے تو اس وقت بھی وہ پڑھے ہلی وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكَ لَمِنَ الشّٰهِدِيْنَ اور جو سورۃ ام ہست پڑھے اور ہجرت حدیث بغدۃ یؤمنون تم پہنچے تو کہے اِنَّا بِاللّٰهِ (1)۔ موسیٰ بن عائشہ سے مروی ہے ایک آدمی اپنے گھر میں چھت پڑھا پڑھتا تھا جب وہ کہتا الیس ذلک بقادر علی ان یحیی الموتی تو وہ کہتا سُبْحٰنَکَ ہلی تو لوگوں نے اس سے اس کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں سنا ہے۔ ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونوں حدیثوں کو

صحیح قرار دیا ہے۔ (2)

www.muhammadsaleem.com

www.nafseislam.com

سورة الدھر

﴿ آیتها ۲۱ ﴾ ﴿ سُورَةُ الدَّهْرِ مَكِّيَّةٌ ۚ ﴾ ﴿ رُكُوعَاتُهَا ۲ ﴾

سورة الدھر مدنی ہے، اس میں دو رکوع اور اکتیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

”اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے“

هَلْ اَنْتَ عَلَى الْاِنْسَانِ حَيِّنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّا كُنَّا نُوْمِرُ ۝۱

”بے شک گزرا ہے انسان پر زمانہ میں ایک ایسا وقت جب کہ یہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۔“

یہاں ہل استفہامیہ تقریر کے معنی میں ہے معنی یہ ہوگا یقیناً انسان پر ایسا وقت گزرا ہے۔ الانسان سے مراد جنس ہے یا اس سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حین سے مراد زمانے کا ایک محدود طائفہ ہے (1)۔ قاموس میں ہے حین سے مراد ایک مبہم وقت ہے جس کا اطلاق تمام زمانوں پر ہو سکتا ہے وہ طویل ہو یا مختصر ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا حین یہ چالیس سال کے ساتھ خاص ہے یا ایک ماہ یا دو ماہ کے ساتھ مختص ہے۔

الدھر سے مراد ایسا طویل زمانہ ہے جو غیر محدود ہو۔ قاموس میں ہے الدھر سے مراد طویل زمانہ یا ہزار سال ہے۔ میں کہتا ہوں اس سے حضرت آدم علیہ السلام کی عمر کی مدت ہے۔ صحاح میں ہے دھر کا اصل معنی یہ ہے کہ کائنات کے آغاز سے لے کر اس کے ختم ہونے تک کی مدت کو الدھر کہتے ہیں۔ ہل انتی علی الانسان حین من الدھر کا بھی یہی معنی ہے۔ پھر ہر طویل مدت کو دھر سے تعبیر کیا جانے لگا دھر فلان سے مراد اس کی زندگی کی موت ہے۔

لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّا كُنَّا نُوْمِرُ جملہ الانسان سے حال ہے، یعنی اس حال میں کہ نہ اس کا ذکر کیا جاتا تھا اور نہ ہی اس کی پہچان تھی اور نہ ہی کسی کو یہ معلوم تھا کہ اس کا نام کیا ہے اور نہ ہی اس سے جو مراد ہے اس کا کسی کو علم تھا۔ یا یہ جملہ حین کی صفت ہے اور ضمیر عامد محذوف ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی لَمْ يَكُنْ لِيْهِ شَيْئًا مَّا كُنَّا نُوْمِرُ۔ یہ کلام اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ چیز تو تھا اور نہ اس کے بارے میں یہ ذکر نہ کیا جاتا تھا انتی علیہ۔ نیز اس کا تقاضا یہ بھی ہے کہ اس کا ذکر نہ ہوتا تھا بلکہ اسے بالکل بھلا دیا گیا تھا۔ مفسرین نے کہا اگر انسان سے مراد حضرت آدم علیہ السلام کی ذات ہے تو پھر اس حین سے مراد وہ وقت ہے جب اللہ تعالیٰ نے اسے منی سے بنایا تو روح پھونکنے سے پہلے دو طائف اور مکہ کے درمیان چالیس سال تک پڑے رہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک سو تیس سال بعد پیدا کیا (2)۔ اگر انسان سے مراد جنس لی جائے تو پھر اس حین سے مراد چار ماہ ہیں جب وہ نطفہ، علقہ اور مضغ کی صورت میں ہوتا ہے۔ یہ مدت روح پھونکنے تک ہے۔ چھ ماہ سے کم مدت حمل ہے اور دو سال زیادہ سے زیادہ مدت حمل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت سات سال ہے۔ دونوں تقدیروں کی صورت میں کلام تسامح سے خالی نہیں کیونکہ اس صورت میں وہ

وقت انسان پہ نہیں گزرا بلکہ اس مٹی پر گزرا ہے جس سے تصویر بنائی گئی تھی۔ یا نطفہ اور دوسرے مراحل سے وہ نڈر رہا تھا۔ بعد ازاں یہ ہے کہ کلام اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ انسان ہو کیونکہ وضع کا عقد (ا) جس کے عقد (ب) سے پہلے ہو۔ زیادہ مناسبت یہ ہے کہ انسان ہونے کا ثبوت ثابتہ کے مرتبہ پر محمول کیا جائے جس کی طرف صوفیاء نے وہی ہدایت پائی ہے۔ اس تاویل پر حین تخلیق انسان سے بیونہ۔ یہ کثرت کے معنی پر دلالت کرتی ہے۔

حضرت عبدالقدوس بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا گیا ہے۔ آپ نے ایک آدمی کو یہ آیت پڑھتے ہوئے منقولہ کلام یہ امر عرض کیا جاتا ہے کہ اس میں مراد یہ تھی کہ اس طرح وہ پہلے قابل ذکر نہ تھا۔ اسی طرح وہ بعد میں بھی قابل ذکر چیز نہ ہوتا (1)۔ یہ قول دو تاویل کے زیادہ قریب ہے۔ سابقہ قول کے ساتھ موافقت نہیں رکھتا۔

صوفیاء نے یہاں ایک تاویل اور بھی ہے کہ صوفیوں پر ایک ایسا وقت گزرا ہے جس میں وہ قابل ذکر چیز نہ تھا جبہ پیتے۔ اس سے اس وقت اور دوسری صفات کے ساتھ ذکر کیا جاتا تھا۔ یہ وقت وہ تھا جب اس نے خود اپنے آپ کو بلکہ مرد یا اور کائنات کے درجہ پر جانچا اور اس وقت وہ اپنے علم میں کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا ہاں اسے میرے رب انسان پر وہی ایسا وقت گزرا ہے جب وہ قابل ذکر چیز نہ تھا نہ شہود تھا نہ وجود۔ پھر اس کے بعد اگر تو چاہے تو تیری زندگی سے وہ زندہ تیری بقاء سے وہ باقی اور تیرے اخلاق سے وہ متصف ہوگا بلکہ تیری ذات اور فضل سے وہ فنا میں بھی باقی ہو جاتا ہے اور میں بقاء میں اسے سمجھ سے جدا نہیں ہوتا۔ میں کہتا ہوں حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول تم یصیر بعد ذلک۔ گویا یہ اللہ تعالیٰ سے ہے فرمان حین من المصور کی تفسیر ہے۔ اس میں من ابتدا یہ ہے۔ دہر اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنی میں سے ہے۔ قاموس میں اسی طرح ہے۔ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسی طرح مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بن آدم نہ ہوگا کہ۔ مجھے اذیت دیتا ہے، میں زمانہ ہوں، میرے ہاتھ میں امر ہے، میں حق دین امر رات کو پھیرتا ہوں (2)۔

إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَبْتَلِيهِمْ وَجَعَلْنَاهُمْ سِبْغًا بَصِيًّا ۝ إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا ۝

بلاشبہ ہم ہی نے انسان کو پیدا فرمایا ایک مخلوق نطفہ سے تاکہ ہم ان کو آزمائیں پس (ان غرض کے) ہم نے بنا دیا ہے ان کو سب سے نلاد کیلئے والا دیکھنے والا ہم نے اسے دکھایا ہے (اینا) راستہ اب چاہے شکر گزار بنے چاہے افسانہ آمیز۔ یہاں انسان سے مراد حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہوں اگرچہ انسان سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہوں۔ بصورت دیگر۔ میں جنس مراد ہوں۔

امشاج یہ مشج یا مشیج کی جمع ہے۔ یہ مشجت الشی سے مشتق ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب تو کسی چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ملا دے۔ یہاں نطفہ کی صفت جمع کے صیغہ کے ساتھ ذکر کی گئی کیونکہ نطفہ سے مراد مرد اور عورت کا نطفہ ہے۔ ان میں سے ہر ایک کے وقت میں تو ام میں اور خواص میں مختلف اجزاء اور مختلف صفات ہوتی ہیں۔ ایک قول یہ بیان کیا کہ امشاج مصدقہ

2- صحیح مسلم جلد 2 صفحہ 237 (تہذیبی)

1- تفسیر بیہقی جلد 7 صفحہ 157 (التجاریہ)

اسی لئے یہ ان کے موجود ہونے اور تعلق ہونے کا جو علم لگایا جاتا ہے۔ (ب) کسی شے پر کسی دوسری شے یا صفت کا ضمیر لگا جاتا ہے۔

جس کا معنی مخلط ہے، یعنی اس میں مرد اور عورت کی منی ملی ہوتی ہے۔ اس وقت یہ اعشار کے وزن پر ہوگا۔ ایک لفظ بولا جاتا ہے برمة اعشار یعنی ایسی دیگ جسے دس آدمی اٹھاتے ہیں۔ ہر دو دن جو آپس میں مل جائیں تو وہ بھی امشاج ہوتے ہیں۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی اطوار ہے اس سے پہلے مضاف محذوف ہوگا کیونکہ نطفہ علقہ بنے گا۔ وہی مضاف ہوگا اور پھر اس کی تخلیق مکمل ہوگی۔

نبتلیہ یہ الانسان سے حال ہے۔ یہاں ابتلاء کا ذکر کیا۔ اس سے مراد مجازاً ایک حال سے دوسری حال کی طرف نقل کرنا ہے۔ یا یہ حال مقدرہ ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی مُقَدِّرِينَ ابْتِلَاءً فَهُوَ سَمِيعٌ وَبَصِيرٌ اس لئے بنایا تاکہ اس کے لئے دلائل کا سننا اور آیات کا مشاہدہ ممکن ہو۔ اس صورت میں یہ کلام ابتلاء سے مسبب ہوگی۔ اسی وجہ سے اس جملہ کا عطف ایسی کلام پر کیا جسے نبتلیہ کے ساتھ مقید کیا۔

ہم نے اس انسان کے لئے اللہ تعالیٰ، اس کی رضا اور اس کی جنت کی طرف دلائل معین کر کے، رسول مبعوث فرما کر اور کتابیں نازل کر کے راستہ کو واضح کیا۔ یہاں ہدایت سے مراد اراء الطریق ہے ایصال الی المطلوب نہیں۔ جبکہ اهدنا الصراط المستقیم میں ہدایت سے مراد ایصال الی المطلوب (منزل مقصود پر پہنچانا) ہے۔

شاکرا اور کفورا یہ ہدیناہ کی ہاء سے حال ہیں، یعنی ہم نے اس کے لئے راستہ کو واضح کیا اس کے لئے دو امروں میں سے ایک امر کو مقدر کرتے ہوئے یا تو وہ ہدایت پا کر اللہ تعالیٰ کا شکر کرے گا یا اس سے اعراض کر کے ناشکری کرے گا۔

ایک قول یہ کیا گیا یہ دونوں السبیل سے حال ہیں، یعنی ہم نے اس کے لئے راستہ کو واضح کیا اس حال میں کہ وہ راستہ شکر بجا لانے والا ہے یا ناشکری کرنے والا ہے۔ یہاں سبیل کی شکر اور کفر سے جو صفت ذکر کی گئی ہے۔ یہ بطور مجاز ہے اور حرف تردید یہ راستہ کی دو حالتوں کے اعتبار سے ہے راستہ دکھانے کے اعتبار سے نہیں، یعنی راستے کی دو حالتیں ہیں ایک شکر کی اور دوسری کفر کی یہ مراد نہیں کہ شکر کا راستہ بھی بتایا اور ناشکری کا راستہ بھی بتایا۔ اسی وجہ سے یہ اعراض کرنا جائز نہ ہوگا کہ یہ تاویل مستحسن نہیں کیونکہ حق کا راستہ دکھانا مستحسن ہے اور باطل کا راستہ دکھانا باطل ہے جو ایک دوسرے کو لازم ملزوم ہیں۔ اسی وجہ سے یہاں حرف تردید کا تصور نہیں کیا جا سکتا کیونکہ حرف تردید تقاضا کرتا ہے کہ اس کا یہ معنی کیا جائے کہ ہم نے اسے دو راستوں میں سے ایک راستہ دکھایا، یعنی ہم نے اسے حق کا راستہ دکھایا یا باطل کا راستہ دکھایا تو وہ اس طریقہ پر چلا۔ اس صورت میں یہ لازم آئے گا کہ باطل راستہ پر چلنا ہی انسان کی قدرت میں تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا یہ کلام شرط اور جزاء کی صورت میں ہے کہ اما ان شرطیہ اور ما زائدہ سے مرکب ہے۔ اس صورت میں اس کا معنی یہ ہے اگر وہ شکر گزار ہو یا ناشکرا ہم نے اسے راستہ بتا دیا اور ہم نے اس کے لئے کوئی عذر نہیں چھوڑا۔ یہاں کفورا فرمایا کافر ذکر نہیں کیا جبکہ کافر کا لفظ اپنے قسیم کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے۔ کفورا ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے تاکہ فواصل کی رعایت ہو جائے۔ دوسری وجہ یہ کہ شکر گزار بندے سے بھی کبھی کبھی ناشکری ہو جاتی ہے تو اس لئے حقیقت میں اس کا قسیم وہی ہوگا جو ناشکری میں مبالغہ کرنے والا ہو۔ انا ہدیناہ السبیل والا جملہ مستأنفہ ہے۔ گویا یہ اس مقدر سوال کا جواب ہے کہ جب انسان کو پیدا کر دیا گیا اور اس کے لئے سمع اور بصر بنا دیئے گئے تو اس انسان کے ساتھ بعد میں کیا کیا گیا اور اس انسان نے کیا کیا تھا۔

إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَلْسِلًا وَأَغْلَالًا وَسَعِيرًا ۝ إِنَّ الْأَبْرَارَ لَيُشْرَبُونَ مِنْ

كَؤُوسٍ كَانَتْ مِنْ أَجْثَا كَأُفْرًا ۝

”بے شک ہم نے باطل تیار کر رکھی ہیں کفار کے لئے زنجیریں، طوق اور بھڑکتی آگ۔ بے شک نیک لوگ پینیں گے

(شراب کے) ایسے جام جن میں آب کافور کی آمیزش ہوگی۔

نائب اسانی، ابو بکر اور ہشام رحمہما اللہ تعالیٰ نے وصل کی صورت میں سلسلہ تئوین کے ساتھ پڑھا ہے تاکہ ما بعد کے زاہد موافقت ہو جائے۔ اور تئوین کے عوض میں الف پر وقف کیا ہے جبکہ باقی قراء نے وصل کی صورت میں تئوین کے بغیر پڑھا ہے۔ تاہم قبوس اور نغس رحمہما اللہ تعالیٰ نے الف کے بغیر اس پر وقف کیا ہے۔ بزی اور ابن ذکوان رحمہما اللہ تعالیٰ سے بھی اسی طرح مروی ہے جبکہ ماہر قراء نے الف پر وقف کیا ہے۔ ان کے ہاتھوں میں بیڑیاں ہوں گی اور انہیں گروہ کے ساتھ جگڑا گیا ہوگا اور جنت آگ ہوں۔ یہ تہجد اور ہجدہ الزہدہ مستافہ ہیں۔ گویا یہ دونوں مقدمہ سوال کا جواب ہیں مَا فَصِيبُ الشَّاكِرِيْنَ وَمَا فَصِيبُ الْكَافِرِيْنَ یعنی شکر گزار اور کافر کے لیے جس سے ان کا کیا حصہ ہے کافروں کے لیے وہ امید تو پہلے ذکر کیا جبکہ پہلے ان کا ذکر مؤخر تھا کیونکہ انہیں خبردار کرنا زیادہ ضروری ہے باعث سے کلام کا آغاز اور اختتام مومنوں سے کرنا زیادہ چھابے۔

ابو ابراہیم بنی جمع ہے جس طرح رب کی جمع ارباب آتی ہے یا بار کی جمع ہے جس طرح شاہد کی جمع اشہاد آتی ہے۔ ابراہیم سے اس لیے مومن ہیں جو اپنے ایمان میں کچے ہیں اور اپنے رب کی اطاعت کرنے والے ہیں اس کا مصدر بر آتا ہے جس کا معنی سردی اور جلدی کرنا، حسان میں زیادتی کرنا، سچائی اپنانا اور طاعت کرنا وغیرہ۔ قاموس میں بھی اسی طرح ہے۔ یہ سب مومنوں کی صفات ہیں۔

کاس میں ہے کاس ایسے برتن کو کہتے ہیں جس میں شراب ہو ان میں سے (پیارا، شراب) ہر ایک کو بھی کاس کہتے ہیں جس طرح یہ کہا جاتا ہے کاس خال اسی طرح کہا جاتا ہے شربت کاسا و کاسا خبیبہ۔ قاموس میں ہے کاس ایسے برتن کو کہتے ہیں جس میں پانی جاتا ہے یا ایسے برتن کو کہتے ہیں جب تک اس میں مشروب نہ ہو شراب، دودھ، شہد اور پانی کی کوئی تخصیص نہیں۔ یہاں یہ احتمال ہے۔ کاس سے مراد برتن ہو اور صحن لہذا یہ معنی یہ ہوگا وہ پیالہ سے شراب، دودھ، پانی اور شہد پیتے ہیں۔ یہ بھی احتمال ہے کہ اس کا معنی مشروب ہو خواہ حقیقت ہو یا مجازاً مجاز کی صورت میں حال کوٹل کا نام دیا ہے جس طرح جری النہر میں نہر سے مراد پانی ہے جو نہر میں ہوتا ہے اور صورت میں صحن زائد ہوگا یا بعضیہ ہوگا یا بیان نہ ہوگا۔ یہ بھی احتمال ہو کہ اس سے برتن کے ساتھ جو چھ اس میں ہے وہ مراد ہے۔

مرا جھا میں ہا خمیر کاس کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اگر کاس سے مراد مشروب ہو تو اس میں کافور کی آمیزش حقیقت میں ہوگی۔ تاہم اس سے مراد برتن ہو تو مجاز اس کے ساتھ آمیزش ہوگی کیونکہ حقیقت میں آمیزش تو اس چیز میں ہونی چاہیے جو اس برتن میں ہونی چاہیے۔ قنارہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس میں کافور کی آمیزش ہوگی اور اس پر استوری کی مہر ہوگی۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہاں مرا جھا سے مراد اس کا ذائقہ ہے، یعنی اس کا ذائقہ کافور کا ہوگا، یعنی وہ ذائقے دار خوشبو میں کافور جیسا ہوگا یہاں ادا تشبیہ محذوف ہے۔ صحن اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے حَقِّيْ اِذَا جَعَلْتَهُ نَارًا۔ یہاں بھی نار سے پہلے کاف ادا تشبیہ محذوف ہے۔ صحن اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کافور جنت میں پانی کے ایک چشمے کا نام ہے۔ (۱)

عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللَّهِ يُفَجِّرُونَهَا تَفْجِيرًا ۝ يُوفُونَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُمُ اسْتَصْيِيرًا ۝

(کافور) ایک چشمہ ہے جس سے اللہ کے (وہ) خاص بندے پئیں گے اور جہاں چاہیں گے اتنا بہاؤ لے جائیں

گے۔ جو پوری کرتے ہیں اپنی فتنیں اور ڈرتے ہیں اس دن سے جس کا شر ہو پھیلا ہوگا۔“

۱۔ اگر کافر کو چشمہ کا نام تسلیم کیا جائے تو عینا کافر سے بدل ہوگا۔ یا یہ من کاس کے محل سے بدل ہوگا۔ اس صورت میں عینا سے پہلے مضاف محذوف ہوگا۔ تقدیر کلام یوں ہوگی ماء عین یا اختصاص یا مدح یا اضماع علی شرط تفسیر کی بناء پر محل نصب میں ہے۔

یشرب بہا میں ہاء زائدہ ہے یا التذاذ کے معنی کو اپنے ضمن میں لینے کی وجہ سے ہاء، یشرب کا صلہ ہے۔ معنی یہ ہوگا وہ لذت حاصل کرتے ہوئے پیتے ہیں یا جو چیز اس کے ساتھ ٹٹی ہوئی ہے اسے پیتے ہیں یا ہاء من ابتدائیہ کے معنی میں ہے۔

عباد اللہ سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی وہ ان چشموں کے پانی کو اپنے گھروں اور محلات تک جہاں لے جانا چاہئیں گے لے جائیں گے۔ عبد اللہ بن احمد نے ابن شوذب سے زہد میں روایت کیا ہے کہ جنتیوں کے پاس سونے کی ٹہنیاں ہوں گی وہ انہیں جہاں لے جانا چاہئیں گے لے جائیں گے۔ (۱)

۲۔ یہ جملہ ایک مقدر سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا وجہ ہے انہیں ایسا بدلہ دیا جائے گا یا یہ اس سوال الابرار ماہم کا جواب ہے یہ ابرار کی تعریف ہے، یعنی وہ فرائض ادا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں ناپسندہ چیزوں سے اجتناب کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے بندوں پر رحم کرتے ہیں۔ وہ محض اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اچھائیاں کرتے ہیں۔ یہ ابرار کی شان ہے یہ مراتب نفس کے فناء اور رزائل کے زائل ہونے کے بعد حاصل ہوتے ہیں جہاں تک مقربین کا تعلق ہے تو ان کی شان ان سے بہت بلند ہے یا یہ جملہ سابقہ جملہ کی علت ہے، یعنی ابرار اس سے پیتے ہیں کیونکہ وہ دنیا میں نذر پوری کرتے ہیں۔

لغت میں نذر سے مراد یہ ہے کہ تو اپنے اوپر ایسی چیز واجب کرے جو تجھ پر واجب نہ ہو صحاح میں اس طرح ہے جو چیز ان پر واجب نہ تھی بلکہ انہوں نے خود سے واجب کیا تھا تو اس کو پورا کرنے کا عمل اس چیز پر دلالت کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائدہ کردہ فرائض کو بدرجہ اولیٰ پورا کرتے ہوں گے جیسے نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، عمرہ، جہاد وغیرہ۔ امام قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے جو کچھ کہا ہے شاید وہ مراد ہو کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر جو نماز، زکوٰۃ، حج اور عمرہ وغیرہ جو لازم کئے ہیں وہ ان کو پورا کرتے ہیں۔

فصل :- جب نذر سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنے اوپر وہ چیز واجب کرے جو اس پر واجب نہ تھی تو اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ نذر کے منعقد ہونے کی دو شرطیں ہیں۔ ایک یہ کہ وہ طاعت ہو کیونکہ جو چیز طاعت نہ ہو اس کو واجب کرنا صحیح نہیں ہوتا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نذر وہ ہے جس کے ساتھ انسان اپنے رب کی رضا چاہے۔ اسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا ہے (۲)۔ دوسری شرط یہ ہے کہ وہ پہلے ہی اللہ تعالیٰ کی جانب سے واجب نہ ہو۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جس چیز کی نذر مانی جا رہی ہے وہ عبادت مقصودہ ہو اور اس میں یہ بھی لازم ہے کہ اس کی جنس میں سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے واجب کرنے کی وجہ سے واجب ہو۔ جبکہ جمہور کے نزدیک یہ دونوں چیزیں نذر میں شرط نہیں۔ نذر کے ساتھ اعتکاف کے واجب ہونے پر اجماع اس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ نذر کے لئے یہ دونوں شرطیں نہیں کیونکہ یہ نماز کے لئے انتظار کی وجہ سے عبادت ہے بالذات عبادت نہیں۔ ساتھ ہی اس کی جنس سے کوئی چیز واجب نہیں۔ اسی وجہ سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا نذر کے ساتھ ہر عبادت واجب ہو جاتی ہے جو پہلے واجب نہ تھی جس طرح مریض کی عیادت کرنا، نماز جنازہ میں شامل ہونا، سلام کرنا۔ اس کے عام

ہونے پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث بھی دلالت کرتی ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نذر مانے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہ لے چاہے اور جس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی نذر مانی وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرے۔ اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (1)۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ اضافہ کیا ہے اس صورت میں اسے قسم کا کفارہ دینا چاہئے۔ اس عطا کردہ اللہ علیہ نے لہذا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے اضافہ کے مرفوع ہونے میں شک ہے۔

مسئلہ :- جس نے کسی اچھے کام کی نذر مانی پھر اس کے ساتھ اچھے قیود لکھیں قیود لغو ہوں گی اور اچھے کام پر نذر لازم ہو جائے گی جس سے کون یہ نذر مانتا ہے کہ وہ کسی معین جگہ نماز پڑھے گا یا گھر سے گھر سے روزہ رکھے گا یا اسی طرح کی نذر مانتا ہے تو روزہ اور نماز اس سے واجب ہو جائے وہ جس جگہ اور جیسے ادا کرے جائز ہے۔ اس پر علماء کا اجماع ہے۔ تاہم امام ابو یوسف اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما کا نقطہ نظر یہ ہے انہوں نے یہ فرمایا اگر کسی نے مسجد حرام میں نماز پڑھنے کی نذر مانی تو کسی اور مسجد میں نماز پڑھنے سے نذر پورا نہیں ہوگی۔ اس لیے مسجد اقصیٰ یا مسجد نبویؐ میں نماز پڑھنے کی نذر مانی تو اس کے لئے مسجد حرام میں نماز پڑھنا جائز ہوگا مگر اگر کسی نے مسجد میں نماز پڑھنا چاہا تو نذر ہوگا جو مسجد مرتبہ میں اس سے کم ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تمام صورتوں میں تمام جگہ اس عمل کی ادائیگی جائز ہوگی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے یہ واضح ہو گیا کہ آپ کو فتح عطا فرمائی تو میں بیت المقدس میں نماز پڑھوں گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا یہاں ہی پڑھ لو اس نے اپنی گزارش پر یہ سن کر دعائی کریم ﷺ پڑھائی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تو پھر جو تیرا ارادہ ہوا۔ سے ابوداؤد اور دارمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما نے روایت کیا ہے (2)۔ اس حدیث کی وجہ سے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے مسجد اقصیٰ کی قید کو لغو قرار دیا ہے۔ امام ابو یوسف اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما نے فرمایا نماز کو ان تین مساجد مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ کے ساتھ مختص کرنا یہ ثواب کی زیادتی اور عسرت ہے۔ اس لیے یہ شرط لغو نہ ہوگی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری اس مسجد میں ایک نماز مسجد حرام کے علاوہ دوسری مسجد سے ایک ہزار درجہ فضیلت رکھتی ہے، متفق علیہ (3)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا گھر کی بنسبت قبیلہ کی مسجد میں نماز پڑھنے سے پچیس نمازوں کا اجر ملتا ہے، جامع مسجد میں نماز پڑھنے سے پانچ نمازوں کا ثواب ملتا ہے، مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنے سے ایک ہزار نماز کا ثواب ملتا ہے، میری اس مسجد (مسجد نبوی) میں نماز پڑھنے سے بیس ہزار نمازوں کا ثواب ملتا ہے اور مسجد حرام میں نماز پڑھنے سے ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ملتا ہے۔ اسے ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (4)۔ یہ ثواب فرض نمازوں کے بارے میں ہے نفی نمازوں کے بارے میں نہیں۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نبوت کا اپنے گھر نماز پڑھنا میری اس مسجد میں نماز پڑھنے سے افضل ہے اگر فرض نماز کا یہ حکم نہیں۔ اسے ابوداؤد اور ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما نے روایت کیا (5)۔ وہ روایت جو اوطا حنیفی نے لکھی ہے لغو ہونے پر دلالت کرتی ہیں ان میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہر شہداء مارنے سے تو اس روزانہ ایک آدمی کو گھر سے دیکھا۔ آپ نے اس کے بارے میں پوچھا۔ ابو اسراہیل نے بتایا اس نے نذر مانی ہے کہ وہ گھر

1- صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 991 (وزارت تعلیم)

2- سنن ابی داؤد، جلد 3، صفحہ 233 (مسود)

3- صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 447 (قدیمی)

4- سنن ابن ماجہ، جلد 2، صفحہ 190 (العلمیہ)

5- سنن ابی داؤد، جلد 1، صفحہ 403

رہے گا مگر نہ بیٹھے گا نہ سایہ حاصل کرے گا، نہ بات کرے گا، روزہ رکھے گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا اسے کہو کہ وہ بات چیت کرے سایہ حاصل کرے اور بیٹھے ساتھ ہی اپنا روزہ مکمل کرے (1)۔ اسے ابو داؤد، ابن ماجہ اور ابن حبان رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے مگر اس میں دھوپ میں کھڑے ہونے کا ذکر نہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے مؤطا میں اسے مرسل روایت کیا ہے۔ اس میں یہ بھی ذکر ہے کہ تم اسے اس عمل کرنے کا حکم دو جس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے اور جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے اسے چھوڑنے کا حکم دو۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا مجھے ایسی کوئی بات نہیں پہنچی کہ حضور ﷺ نے اسے کفارہ کی ادائیگی کا حکم دیا ہو۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس روایت کو ذکر کیا ہے۔ اس کے آخر میں ہے کہ حضور ﷺ نے اسے کفارہ کا حکم نہیں دیا۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے محمد بن کریب کی حدیث سے، انہوں نے اپنے باپ سے اور انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اس میں کفارہ ادا کرنے کا حکم بھی ہے جبکہ محمد بن کریب ضعیف ہے۔

مسئلہ:۔ نذر کی وجہ سے جو چیز اس پر واجب ہوئی ہو اگر وہ فوت ہو جائے تو اس کے مثل حقیقی یا حکمی سے قضا واجب ہوگی وہ نماز کی نماز کے ساتھ، روزے کی روزے کے ساتھ قضا کرے گا انتہائی بوڑھا آدمی ہر روزے کے بدلے میں ایک مسکین کو کھانا کھلائے گا جس نے پیدل چل کر حج کرنے کی نذر مانی غدر کی وجہ سے سواری کی تو وہ ایک ہدی دے دے۔ جمہور نے یہی کہا ہے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے جو صحیح مذہب منقول ہے وہ یہی ہے۔ اصل کی روایت میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ مروی ہے جس آدمی نے پیدل چل کر حج کرنے کی نذر مانی تھی تو اس پر پیدل حج کرنا واجب نہیں اس پر سوار ہونے کی صورت میں ہدی بھی واجب نہ ہوگی کیونکہ عقبہ بن عامر جہنی کی حدیث ہے کہ میری بہن نے نذر مانی تھی کہ وہ ننگے پاؤں اور ننگے سر پیدل حج کرے گی۔ رسول اللہ ﷺ اس کے پاس تشریف لائے پوچھا اس نے کیا حال بنا رکھا ہے۔ لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اس نے نذر مانی تھی کہ وہ ننگے پاؤں اور ننگے سر پیدل حج کرے گی۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ سوار ہو جائے اور سر پر کپڑا لے، متفق علیہ۔ (2)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ایک بوڑھے شخص کو دیکھا جو اپنے دو بیٹوں کے درمیان سہارے سے جا رہا ہے۔ آپ ﷺ نے اس کے بارے میں پوچھا تو ایک آدمی نے عرض کی اس نے نذر مانی ہے کہ وہ پیدل حج کرے گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس کو عذاب دینے سے غنی ہے اور اسے حکم دیا کہ وہ سواری پر سوار ہو جائے، متفق علیہ (3)۔ ہم نے کہا جہاں تک عقبہ بن عامر کی حدیث ہے۔ اسے ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے عمدہ سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ میری بہن نے نذر مانی تھی کہ وہ پیدل چل کر بیت اللہ شریف جائے گی۔ حضور ﷺ نے اسے حکم دیا تھا کہ وہ سوار ہو جائے اور قربانی کرے۔ داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے زید بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے کہ عقبہ بن عامر کی بہن نے نذر مانی تھی کہ وہ پیدل چل کر حج کرے گی جبکہ وہ اس کی طاقت بھی نہیں رکھتی تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ تیری بہن کے چلنے سے غنی ہے اسے چاہئے کہ وہ سواری پر سوار ہو اور اونٹ ذبح کرے۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے عقبہ بن عامر کی حدیث اسی طرح عمدہ سند کے ساتھ روایت کی ہے۔ اس سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ صحیحین میں روایت مختصر ہے ہم نے جو روایات بیان کی ہیں وہ اس بات کا تقاضا کرتی ہیں کہ ہدی سے مراد بدنہ ہے۔ عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ جو آدمی یہ نذر

اپنی نذر پوری کرو۔ اسے ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا اس کی سند صحیح ہے (1)۔ نیز عمرو بن شعیب کی حدیث روایت کی جسے انہوں نے اپنے باپ سے اور انہوں نے دادا سے روایت کیا۔ اس کی مثل ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ایسی نذر جو نہ طاعت ہو اور نہ ہی معصیت اس کو پورا کرنا جائز ہے۔ اسی طرح عمرو بن شعیب کی حدیث ہے جو انہوں نے اپنے والد اور انہوں نے دادا سے روایت کی ہے کہ ایک عورت نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں نے نذر مانی تھی کہ آپ ﷺ کے تشریف لانے پر میں دف بجاؤں گی تو حضور ﷺ نے فرمایا اپنی نذر کو پورا کرو۔ اسے ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا (2)۔ ثنائیدہ دف بجانے کی حرمت سے پہلے کا واقعہ ہے۔

ایسی نذر جسے کسی شرط کے ساتھ معلق کیا گیا ہو اس کا حکم وہی ہوگا جو غیر مشروط نذر کا ہوتا ہے۔ ظاہر روایت کے مطابق یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا لفظ نظر ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی بھی یہی رائے ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی مروی ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی کہا ہے مگر ایک صورت میں آپ نے یہ کہا اگر اس نے تمام مال صدقہ کرنے کی نذر مانی تھی تو صرف تیسرا حصہ صدقہ کرے باقی صورتوں میں جو چیز اس نے اپنے اوپر واجب کی تھی وہ لازم ہوگی۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک قول یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے اس قول سے رجوع کر لیا تھا آپ نے فرمایا کہ مشروط نذر کی صورت میں قسم کا کفارہ کافی ہے۔ اگر اس نے نذر پوری کر دی تو ذمہ داری سے فارغ ہو جائے گا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔ صاحب ہدایہ اور علماء حنیفہ میں سے محققین نے یہ پسند کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کفارہ اس شرط کے قائم مقام ہو سکتا ہے جس شرط کے وجود کا نذر ماننے والا ارادہ نہ کرے جس طرح وہ یہ کہے اگر میں گھر داخل ہوں یا فلاں سے کلام کروں یا فلاں کام کروں تو مجھ پر حج اور سال کے روزے ہیں، اس نذر کو نذر حاج کہتے ہیں۔ رہی وہ شرط جس کے وجود کا وہ ارادہ کرے جیسے وہ کہے اگر میں سیر ہو جاؤں یا میرا غائب رشتہ دار آجائے یا میرا دشمن مر جائے یا میری بیوی بیٹا جنے تو مجھ پر یہ چیز لازم ہے تو علماء نے کہا اس پر وفاء واجب ہے کوئی اور چیز واجب نہیں ہوگی اس نذر کو نذر تبرء کہتے ہیں۔ ایسا ہی قول امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی اظہر روایت بھی یہی ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی تیسری روایت یہ ہے کہ نذر حاج میں صرف کفارہ لازم آئے گا کوئی اور چیز لازم نہ ہوگی۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے یہی روایت مروی ہے جسے وہ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ دو انصاری بھائیوں کے درمیان مشترک وارثت تھی ان میں سے ایک نے تقسیم کا مطالبہ کیا تو دوسرے نے کہا اگر تو نے اس میں تقسیم جاری کی تو میرا تمام مال کعبہ مکرمہ کے لئے ہوگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کعبہ مکرمہ تیرے مال سے غنی ہے، اپنی قسم کا کفارہ ادا کرو اور اپنے بھائی سے بات چیت کرو کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں نہ تجھ پر قسم لازم ہوگی اور نہ ہی نذر لازم ہوگی اسی طرح قطع رحمی کی نذر ماننے میں نذر لازم نہ ہوگی۔ اسی طرح جس چیز کا وہ مالک نہیں اس میں نذر ماننے میں نذر لازم نہ ہوگی۔ اسے ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا۔ (3)

مسئلہ :- جس نے ایسی عبادت کی نذر مانی جس کو بجالانے کی وہ طاقت نہ رکھتا تھا تو اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہوگا۔ عقبہ کی بہن کے قصہ میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو تیری بہن کے پیدل چلنے میں کوئی فائدہ نہیں اسے چاہئے کہ وہ سوار ہو جائے وہ سوار ہو کر حج کرے اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کرے۔ اسے ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (4)۔ عبد اللہ بن مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے وہ

روایت کیا ہے کہ یہ آیت حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ واقعہ یوں ہوا کہ آپ نے یہودی کا کچھ جو کے بدلے میں کام کیا۔ آپ نے جو لے لئے۔ ان کے تیسرے حصہ کو پیسا۔ اس کا کھانا پکایا تاکہ کھائیں۔ جب کھانا تیار ہو گیا تو ایک مسکین آ گیا۔ اس نے سوال کیا تو گھر والوں نے کھانا اسے پیش کر دیا۔ پھر دوسرا لٹ پیسا۔ جب کھانا تیار ہو گیا تو ایک یتیم آ گیا۔ اس نے سوال کیا تو گھر والوں نے سب کھانا اسے دے دیا۔ پھر باقی ماندہ تیسرے حصہ کو پیسا۔ جب وہ پک گیا تو ایک مشرک قیدی آ گیا۔ اس نے کھانے کا سوال کیا۔ گھر والوں نے کھانا اسے دے دیا اور خود بھوکے ہی لیٹ گئے۔ (1)

نغابی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم دونوں بیمار ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی عیادت کی اور فرمایا اے ابوالحسن کاش آپ اپنے بیٹوں کے لئے نذر مانتے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور فضہ لوتدی نے نذر مان لی کہ اگر بچے درست ہو گئے تو وہ تین دن روزہ رکھیں گے۔ جبکہ ان کے پاس کھانا بھی نہ تھا۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے شمعون خیبری سے تین صاع جو قرض لئے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک صاع پیسا اور پانچ روٹیاں پکائیں۔ انہوں نے کھانا سامنے رکھا ہی تھا تو ایک مسکین ان کے دروازے پر آ کھڑا ہو گیا تو گھر والوں نے مسکین کی ضرورت کو ترجیح دی اور پانی کے بغیر کوئی چیز نہ چکھی۔ اگلی صبح پھر روزہ رکھ لیا جب شام ہوئی اور انہوں نے کھانا اپنے سامنے رکھا تو ایک قیدی دروازے پر آ کھڑا ہو گیا تو گھر والوں کے پہلے دنوں کی طرح کیا۔ توجریئل امین یہ سورت لائے، عرض کی اے محمد ﷺ اسے لو، اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کے اہل بیت کے بارے میں مہلک بکباد دیتا ہے (2)۔ حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ مفصل حدیث ہے۔ یہ احمق اور جاہلوں کی زبانوں پر عام ہو گئی۔ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے موضوعات میں شمار کیا ہے اور کہا اس کے موضوع ہونے میں کوئی شک نہیں۔ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ سورت مکی ہے جبکہ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کی شادی ہجرت کے دوسرے سال ہوئی۔ یہ اعتراض مقاتل، مجاہد اور عطاء رحمہم اللہ تعالیٰ کے قول پر بھی لاحق ہوتا ہے کیونکہ اگر یہ آیت ایک انصاری کے بارے میں نازل ہوئی تب بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ آیت مدنی ہے۔ اسی طرح حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کا یہودی کے لئے جو پر مزدوری کرنا۔ یہ بھی مدینہ طیبہ میں ہو سکتا ہے کیونکہ یہودی مدینہ طیبہ میں تھے، وہ مکہ مکرمہ میں نہ تھے بلکہ آیت بذات خود بھی اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ آیت مدنی ہو کیونکہ قیدی تو مدینہ طیبہ میں ہی تھے مکہ مکرمہ میں نہ جہاد تھا اور نہ کوئی قیدی تھا۔ تو ظاہر یہی ہے کہ اس صورت کا بعض حصہ مدنی ہوا اگرچہ بعض حصہ مکی ہوا۔ گر یہ سب مکی ہو تو آیت میں مسلمانوں کے بعض احوال کی خبر دی جا رہی ہے جو ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں ظہور پذیر ہونے والے تھے۔

۲۔ اس جملہ سے پہلے قول مقدر ہے اور قول مقولہ يعطعمون کے فاعل سے حال ہوگا۔ یہ قول زبان قال سے ہوگا یا زبان حال سے ہوگا۔ مجاہد اور سعید بن جبیر رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا انہوں نے زبان سے تو کچھ نہ کہا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کی کیفیت کو جان لیا تھا۔ اس لئے ان کی تعریف کی (3)۔ وجہ اللہ میں وجہ کا لفظ زائد ہے، یعنی اللہ کی رضا کے لئے ہم کھانا کھلاتے ہیں اور اس کی رضا کے طالب ہیں۔ ہم دنیاوی عوض یا مال کی طلب نہیں رکھتے۔ شکر و مصدر ہے جس طرح دخول جروح اور قبول مصدر ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آپ کسی گھر میں صدقہ بھیجتیں۔ پھر بھیجے جانے والے سے پوچھتیں کہ گھر والوں نے کیا کہا تھا، اگر وہ دعا کا ذکر

رہتا تو اس گھر والوں کے لئے ایسی ہی دعا کرتیں تاکہ صدقہ و ثواب اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے لئے خالص رہے۔ (2)

إِنَّا نَخَافُ مِنْ رَبِّنَا يَوْمًا عَبُوسًا قَطَطًا ۝ فَوَقَّعَهُمُ اللَّهُ شِرَازٍ ذَاتِ الْيَوْمِ وَ
لَقَهُمُ النَّصْرُ كَأَوْسَرُ وُجُوهٍ ۝ وَجَزَاهُمْ بِمَا صَبَرُوا جَنَّةً وَحَرِيرًا ۝ مُتَّكِنِينَ فِيهَا
عَلَى الْأَسْرَافِكِ لَا يَرَوْنَ فِيهَا شَيْئًا وَلَا زَمَهْرِيرًا ۝

ترجمہ: ہمارے ہیں اپنے رب سے اس دن کے لئے جو بڑا ترش (اور) سخت ہے۔ اس میں پھلے گا نہیں اللہ تعالیٰ اس دن سے ترسے اور بخش دے گا انہیں چہرے کی تازگی اور دلوں کا سردی اور مرحمت فرمائے گا انہیں صبر کے بدلے جنت اور رشتہ باس سے وہاں پلٹنوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے نہ نظر آئے گی انہیں وہاں سورج کی تپش اور نہ صحن میں۔

یہ جہان اٹھلانے کی عفت کے بعد صحت ہے گویا اس کا عطف لوجہ اللہ پر ہے اور طرف عطف اور طرف تبرک ہے۔ یعنی یہ نہیں کھانا اس لئے کھلاتے ہیں کیونکہ ہم اللہ تعالیٰ سے خوف اور امید رکھتے ہیں۔ اس سے مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی ثواب ہے اور اس لئے بھی کھانا کھلاتے ہیں کیونکہ ان کے غضب اور عذاب کا ہمیں خوف ہوتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ صدقہ رب سے غصہ کو ختم کرتا ہے اور صدقہ کرنے والے سے گناہ کو دور کرتا ہے۔ اسے امام احمدی رحمہ اللہ ص ۱۰۰ روایت کیا ہے۔ (2)

یوہا یہ طرف ہے اور اس کا مضاف مقدر ہے جو عذاب کے عبوس اسے کہتے ہیں جو حزن کی وجہ سے آنکھوں کے درمیان اور جڑوں سے لپکتا ہے۔ یوم کی عبوس کے ساتھ جو صفت ذہنی کی ہے یہ بطور مجاز ہے جیسے بھار کا صائمہ۔ قسطیر سخت تر ہے۔ کبھی رمتہ الدعیہ نے یہی معنی کیا ہے۔ انفس رمتہ الدعیہ نے کہا قسطیر میں ایسے دن کو کہتے ہیں جو بہت شدید ہو اور معصیت میں بہت ضعیف ہو (3)۔ قاموس میں ہے قسطیر کا معنی شدید ہے۔ قسطیر کا معنی جھوٹی سے اعلیٰ کی طرف ترقی کرنا ہے۔

اسی کے لفظ کے ساتھ مستقبل کا ذکر ہے یہ شعور دلاتے کے لئے کہ اس کا بقاء یعنی سزا میں فاء مہیہ سے یعنی یہ سزا عذاب سے ہوتی ہے اور جو چیزیں عذاب کا سبب ہیں ان سے اجتناب کرتے تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں اس دن کی سختی سے بچا لیا اور انہیں چہرے کی رشتی کی بجائے چہرے کی خوبصورتی اور دل کی خوش عطا فرمائی۔

اسے انہوں نے معصیت سے بچتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طاعت، مسکین کو کھانا کھلانے کی مسرت میں بھوک، جہاد میں شہادت اور سہولت برتے وقت نفس کی نافرمانی پر صبر کیا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں جنت میں داخل ہونے اور پہنچنے کے لئے ریشم عطا فرمایا۔

انہوں نے اس دن کی نافرمانی پر صبر کیا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں جنت میں داخل ہونے اور پہنچنے کے لئے ریشم عطا فرمایا۔

تے منکس یہ جزائهم کی ضمیر منصوب سے حال ہے یا ادخلوا فعل میں ضمیر فاعل سے حال ہے جو فعل مقدر ہے۔ یہ سب سے مراد جنت ہے۔ ارانک سے مراد خیموں میں پلنگ ہیں۔ یہی رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ ارانک کا لفظ اس وقت تک استعمال نہیں کیا جاتا جب تک خیمہ میں پلنگ نہ ہو۔ اگر خیمہ کے بغیر چارپائی ہو تو اسے ارانک نہیں کہتے۔ چارپائی کے بغیر خیمہ ہو تب بھی اسے ارانک نہیں کہتے۔ جب یہ دونوں چیزیں جمع ہو جائیں تو اسے ارانک کہتے ہیں۔

لا یرون یہ متکین کے فاعل سے حال ہے یا اس کے ذوالحال سے حال ہے۔ قاموس میں ہے زمہریر سے مراد چاند کی سخت ٹھنڈک ہے از مہرت الکو اکب سے مراد ہے کہ ستارے چمکے زمہریر سے مراد سخت سردی ہے اور شمس سے مراد اس کا لازم یعنی سخت گرمی ہے۔ اس کا معنی یہ ہوگا جنت میں نہ سخت گرمی ہوگی اور نہ ہی سخت سردی ہوگی، اس میں معتدل ہوا ہوگی۔ ابن مبارک اور عبد اللہ بن احمد رحمہما اللہ تعالیٰ نے اپنی زوائد میں ذکر کیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے فرمایا جنت راحت بخش ہے، نہ اس میں سخت گرمی ہوگی اور نہ ہی ٹھنڈک ہوگی۔ یہاں زمہریر سے مراد چاند ہے یا ستاروں کا چمکنا ہے۔ اس کا معنی ہوگا کہ جنت بذات خود روشن ہے اور اپنے رب کے نور سے چمک رہی ہے۔ اسے نہ سورج کی ضرورت ہوگی نہ چاند کی ضرورت ہوگی۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے شعیب بن جیحان سے نقل کیا ہے کہ میں اور ابو العالیہ رباحی سورج کے طلوع ہونے سے پہلے نکلے اور کہا یہ کہا جاتا ہے کہ جنت اس طرح ہوگی۔ پھر یہ آیت تلاوت کی وظل ممدود۔ میں کہتا ہوں ابو العالیہ کے قول الجنة هكذا کا مطلب یہ نہیں کہ وہ جنت کو صبح کے نور کے ساتھ تشبیہ دے رہے تھے کیونکہ صبح کی روشنی کمزور ہوتی ہے اور تاریکی کے ساتھ ملی ہوتی ہے۔ بلکہ ان کا مقصود یہ تھا کہ جنت کا نور اس طرح پھیلے گا جس طرح صبح کا نور پھیلا ہوا ہے۔

وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلُّهَا وَذُلَّتْ قُطُوفُهَا تَذْلِيلًا ④ وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِأَنْبِيَاءٍ مِّنْ

فِضَّةٍ وَأَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيرًا ⑤ قَوَارِيرًا مِّنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوهَا تَقْدِيرًا ⑥

”اور قریب ہوں گے ان سے اس کے درختوں کے سائے اور میوؤں کے گچھے جھکے ہوئے لٹک رہے ہوں گے اور گردش میں ہوں گے ان کے سامنے چاندی کے ظروف اور شیشے کے چمکدار گلاس ۵۔ (اور) شیشے بھی وہ جو چاندی کی قسم کے ہوں گے سابقوں نے انہیں پورے اندازہ سے بھرا ہوگا ۶“

۴۔ دانیۃ کا معنی قریب ہے۔ اس کا عطف متکین پر ہے یا لا یرون کے محل پر اس کا عطف ہے یا اس کا عطف جنۃ پر ہے جبکہ اس سے پہلے موصوف محذوف ہوگا۔ تقدیر کلام یہ ہوگی وَجَنَّةٌ أُخْرَىٰ دَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلُّهَا۔ تو یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی مثل ہوگا وَلَيَمُنَّ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّاتٍ۔ لیکن اس تاویل میں کمزوری ہے کیونکہ اس کا تقاضا یہ ہوگا کہ پہلی جنت کے سائے قریب نہ ہوں گے کیونکہ تقسیم شرکت کے منافی ہے۔ ظللہا یہ دانیۃ کا فاعل ہے۔ ظللت یہ ظللہا سے حال ہے۔ اس سے پہلے قد مضمّر ہوگا یا اس کا دانیۃ پر عطف ہوگا۔ جس طرح قَالَتْ اَلرُّضْبَانُ وَجَعَلْنَا الْبَيْلَ سَكَنًا كَا عَطْفِ ہے۔ یا دانیۃ کے ذوالحال سے یہ حال ہے جبکہ ضمیر عائد محذوف ہے۔ قطوف کا معنی پھل ہے۔ تذلیل یعنی ان کا حاصل کرنا آسان ہے۔ جنتی جیسی حالت میں بھی ہوں گے ان کا توڑنا مشکل نہ ہو گا۔ سعید بن منصور اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جنتی جنت کے پھلوں میں سے کھڑے، بیٹھے اور پہلو کے بل لیٹے ہوئے ہر حالت میں کھائیں گے۔

۵۔ اکواب ایسے برتن جن کے دستے نہ ہوں گے۔ ہناد نے مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ کانت قواریرا یہ جملہ اکواب کی صفت ہے۔ کان کو نامہ مانا جائے تو قواریرا یہ کانت کے اسم سے حال ہوگا، یعنی وہ برتن ایسے ہوں گے جیسے شیشے۔ اگر کان کو ناقصہ مانا جائے تو قواریرا اس کی خبر ہوگی، یعنی وہ صفائی میں شیشے کی طرح ہوں گے۔ (۱)

سعید بن مسعود اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے اگر تو دنیا کی چاندی سے چھ سے گنا۔ میں اسے یہاں تک کہ تو اسے کھٹی کے پر کی طرح باریک بنا دے۔ اس کے باوجود تو اس کے پیچھے سے پانی نہیں، یہ ستر سین جنت کے بہنوں کی حالت یہ ہے کہ وہ چاندی جیسی سفیدی اور شیشے جیسی صفائی کے حامل ہوں گے۔ (1)

کہ قواریر من فضة یہ پہلے قواریر سے بدل ہے۔ ابن ابن حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت یہ ہے کہ جنت میں کوئی نعمت ایسی نہیں مگر دنیا میں بھی اس جیسی نعمتیں عطا کی گئیں۔ جنت کے چاندی کے قواریر کے مشابہت یہ ہے قواریر جیسا (2)۔ یعنی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے ہر قوم کے قواریر اس کی زمین کے منی سے بنائے ہیں۔ جنت کی زمین کیونکہ چاندی کے سے اس سے اس کے بلوری برتن چاندی کے ہوں گے جن میں جنتی ہیں گے (3)۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے قواریر متون کے ساتھ یہ ہے تاکہ آیات کے سرے مناسب ہو جائیں اور دوسرے کو تونین کے بغیر پڑھا ہے کیونکہ وہ غیر منفہ ف ت۔ نافع کسان اور ابو بکر رحمہما اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو الف کے ساتھ پڑھا ہے۔ جس نے دوسرے کو بھی الف کے ساتھ پڑھا ہے وہ تونین کا عوض ہے اور جس نے تونین نہیں پڑھی اس نے قیاس کے مطابق الف پر وقف کیا ہے مگر ہشام نے الف کے ساتھ وقف کیا ہے تاکہ فتح سے ساتھ تعلق قائم ہو جائے۔

قد روھا تقلیرا یہ اکواب کی دوسری صفت ہے یا قد کی تقدیر کے ساتھ یہ حال ہے۔ معنی یہ ہوگا ساقیوں اور خادموں سے ان کی سب سے مطابق اندازہ لگایا ہے نہ کم اور نہ ہی زیادہ۔ قریابی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ان طرح نقل یہ ہے۔ جس میں یعقوب چینی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا شاید یہ اس بیات کی طرف اشارہ ہے کہ پیالوں کے اندازے معرفت الہیہ میں روحوں سے مستعدا سے مطابق ہوں گے (4)۔ جناد نے مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے ان کی تقدیر کا مطلب یہ ہوگا نہ وہ اتنے بھرے ہوں گے نہ وہ پھلے جائیں نہ ان ناروں سے کم ہوں گے۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ جنتی اپنے دلوں میں اندازہ لگائیں گے اور تمنا کریں گے تو وہ اتنی اندازے اور نفع میں وہ دوسرے آجائیں گے یا وہ اپنے اعمال کے مطابق ان کا اندازہ لگائیں گے تو وہ اتنی حساب سے آجائیں گے۔

وَيُسْقَوْنَ فِيهَا كَأْسًا كَانَتْ مِرَاجِحًا زَنْجَبِيلًا ۝ عَيْنًا فِيهَا تُسْقَى سَلْسَبِيلًا ۝

اور کس پلانے جائیں گے وہاں (ایسی شراب کے) جام جس میں زنجبیل کی آمیزش ہوگی (یہ زنجبیل) جنت میں بہت چتر ہے جس کو سبسبیل کہا جاتا ہے۔

اس جگہ مطف یطاف علیہم پر ہے۔ یہاں کاس سے مراد شروب ہے۔ یا تو اس کا اطلاق حقیقت کے اعتبار سے یا بحوالہ سے اعتبار سے جیسے یہ جملہ بولتے ہیں جوری النہر۔

کان مِرَاجِحًا زَنْجَبِيلًا یہ کاس کی صفت ہے۔ عرب اس شراب سے لطف اندوز ہوتے جس میں زنجبیل (سونٹھ) کی آمیزش ہوگی۔ تو اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے اسی چیز کا وعدہ کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جنت کی جن عینوں کا ذکر کیا ہے اور ان کا نام لیا ہے دنیا میں اس کی مثال نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے جنت میں ایک چشمہ ہے جس میں زنجبیل کا

3۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 160 (التجاریہ)

2۔ ایضاً

1۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 487 (العلویہ)

4۔ اندر اسخ، جلد 6، صفحہ 487 (العلویہ)

ذائقہ ہوگا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے صرف مقرب نہیں گے۔ باقی جنتیوں کو اس میں سے کچھ ملا کر پلایا جائے گا (1)۔ یہ پینے والوں کی رغبت کے مختلف ہونے کی وجہ سے ہے کیونکہ جس کی طبیعت میں گرمی ہو اسے ٹھنڈی چیز پسند ہوتی ہے تو وہ ایسے جام کو پسند کرتا ہے جس میں کافور کی آمیزش ہو، جسے سردی لگی ہو اسے ایسی چیز خوشگوار محسوس ہوتی ہے جو گرمائش عطا کرے۔ ہر ایک کے لئے وہ کچھ ہو گا جس میں وہ رغبت رکھتا ہے۔

عینا یہ زنجبیل سے بدل ہے۔ یہ تعبیر اس وقت درست ہوگی جب زنجبیل چشمے کا نام ہو، ورنہ یہ کاس سے بدل ہوگا جبکہ عین سے پہلے مضاف محذوف ہوگا۔ سعید بن منصور، ہناد اور بیہقی نے مجاہد رحمہم اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے سلسبیل نیزے کے نرم لوہے کو کہتے ہیں (2) جو شراب حلق سے آسانی کے ساتھ اتر جائے اسے کہتے ہیں سلسل سلسلاو سلسبیل۔ ایک قول یہ کیا گیا اس میں بام زائدہ ہے۔ زجاج رحمہم اللہ علیہ نے کہا اسے یہ نام اس لئے دیا گیا کیونکہ یہ ان کے مطیع ہوگا وہ جہاں چاہیں گے اسے لے جائیں گے۔ مقاتل اور ابو العالیہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا اسے یہ نام اس لئے دیا گیا کیونکہ وہ راستے اور ان کے گھروں میں بہے گا۔ یہ چشمہ عرش کے نیچے سے نکلے گا اور جنتیوں کی طرف بہے گا۔ جنت کی شراب میں کافور کی ٹھنڈک، زنجبیل کا ذائقہ اور کستوری کی خوشبو ہوگی۔ (3)

وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَدَّدُونَ ۚ إِذَا سَأَلْتَهُمْ لَوْلَا مَا كُنْتُمْ فِيهَا ۖ سَأَلْتُمْ لَوَلَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۗ وَإِذَا سَأَلْتَهُمْ سَأَلْتَهُمْ لَوْلَا مَا كُنْتُمْ فِيهَا ۖ سَأَلْتُمْ لَوَلَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۗ

”اور چکر لگاتے رہیں گے ان کی خدمت میں ایسے بچے جو ایک ہی حالت پر رہیں گے جب تو انہیں دیکھے تو یوں سمجھے گویا یہ موتی ہیں جو بکھر گئے ہیں اور جدھر بھی تم وہاں دیکھو گے تمہیں نعمتیں ہی نعمتیں اور وسیع مملکت نظر آئے گی۔“

۱۔ اس کا عطف سابقہ جملہ پر ہے۔ والدان سے مراد وہ بچے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ مومنوں کی خدمت کے لئے پیدا فرمائے گا یا اس سے مراد کافروں کے بچے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ جنتیوں کا خادم بنا دے گا۔ وہ بچے نہ مرے اور نہ ہی بوڑھے ہوں گے۔ جب تو انہیں خدمت کے لئے بکھرا ہوا دیکھے گا تو تو خیال کرے گا کہ وہ بکھرے ہوئے موتی ہیں۔ اگر وہ ہف میں ہوں تو انہیں پر دئے ہوئے ہار کے ساتھ تشبیہ دینا درست ہوگا۔ یہ جملہ شرطیہ و ولدان کی دوسری صفت ہے۔ ابن مبارک، ہناد اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ سب سے کم درجے والا جنتی وہ ہوگا جس پر ایک ہزار خادم دوڑ رہے ہوں گے۔ ہر ایک کے پاس ایسی چیز ہوگی جو دوسرے کے پاس نہیں ہوگی (4) پھر یہ آیت تلاوت کی۔ ابن ابی الدنیا نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے کم درجے والا جنتی وہ ہوگا جس کے سر پر دس ہزار خادم کھڑے ہوں گے (5)۔ ابن ابی الدنیا رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ سب سے کم درجے والا وہ جنتی ہوگا جس پر پانچ ہزار خادم آ جا رہے ہوں گے۔ ہر ایک خادم کے پاس وہ چیز ہوگی جو دوسرے کے پاس نہیں ہوگی، واللہ تعالیٰ اعلم (6)۔

ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ نے عمر رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے جبکہ آپ چھال کی چٹائی پر سوائے ہوئے تھے جس کے نشانات آپ کے پہلو پر لگے ہوئے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ

1- تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 160 (التجاریہ) 2- الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 488 (العلمیہ) 3- تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 161 (التجاریہ)

4- الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 488 (العلمیہ) 5- مجمع الزوائد، جلد 10، صفحہ 741 (الفلک) 6- الترغیب والترہیب، جلد 4، صفحہ 509 (الفلک)

اس کے حضور ﷺ نے پوچھا تم نبیوں روئے جو عرض میں مجھے کس نبی اور اس کا ملک، ہر مزار اور اس کا ملک، نجات اور اس کا مسد ہوا آیا ہے آپ رسول اللہ ﷺ ہیں اور چھال کی چٹائی پر آرام فرمائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ تم اس بات پر راضی نہیں۔ ان کے دیا ہوا اور ہمارے لئے آخرت (۱) تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

اس آیت کا مفعول بد حذف کر دیا گیا اور اسے لازم کے قائم رکھا گیا۔ تم یہ روایت میں فرماتے ہو۔ یہ تمہارا یہ ہر مزار اور اس کا مسد ہوا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ درجہ کا جنتی وہ ہوگا جو اپنی جنتوں، بیویوں، خادموں اور پٹنوں کو بیچ کر اسماں کی مسافت سے کیجھے گا۔ ایک روایت میں ہے دو ہزار سال کی مسافت سے کیجھے گا۔ وہ انجہانی دورِ حشر کو بھی اسی طرح دیکھے گا جس طرح اُس نے دیکھا ہے (2)۔ ایک قول یہ بھی آیا کہ یہ نعمت زائل نہ ہوگی۔ فرشتے انہیں سلام کریں گے۔ ان کے پاس آئے ان کے اہل بیت لنگھائیں گے۔ ان کے لئے جنت میں دو چھ ہوگا جو وہ بھی نہیں گے اور وہ رب جہنم کا دیدار نہیں گے۔

عَلَيْهِمْ سَيَّالِبٌ سِدْرٌ مِّنْ حَضْرَةٍ اسْتَبْرَقٌ وَحُجُوتٌ اسَاوِرٌ مِّنْ فِضَّةٍ وَسَقَمَةٌ
مَّا يُهْمُهُمْ شَرَّ اِيَّاكُمْ وَمَا

ان کے اوپر سب سے بہتر ہوگا باریک سبز ریشم کا (بنا ہوا) اور اس کا اور انہیں چھ ندیوں کے گنگن پینے جائیں گے اور پلاٹ کو

ان کے ان کا پروردگار نہایت پاکیزہ شراب لے گا۔ نافع اور نہ درجہ اللہ تعالیٰ نے علیہم میں یاء کو سانس پر حاکم سے بیوند یہ مبتدا ہے اور ما بعد اس کی خبر ہے۔ یہ سوسل بصری ہے۔ سیدہ نامہ تعمیرت حال ہے یا حسبتہم کی ہم تعمیرت حال ہے یہ ملکا کبیرا سے حال ہے۔ اس سے پہلے اہل کائنات کے مصروف تھے۔ باقی قرآن کے یاء پر نسب پر بھی ہے بیوند یہ طرفی و متعلقہ کے ہو فو قہم کے معنی میں ہے۔ یہ ما بعد خبر ہے۔ یہ وہ سیدہ ہے اور ما بعد اسم مرفوع اس طرف کا مفعول ہے۔

یاء سلسلہ مضامین مضامین الیہ ہوئے مبتدا اور خبر ہے یہ ما قبل صرف کا مفعول ہے سلسلہ مہرب لفظ ہے۔ ہا یہ بصری ہے۔ سلسلہ ہے۔ قاموں میں اسی طرف ہے۔ خصم کا معنی ہے۔ نافع بصری، البوم اور انی عامر مہرب اللہ تعالیٰ کے لئے مرفوع ہے۔ بیوند یہ ثیاب کی صفت ہے۔ باقی نے اسے مجرور پر حاکم سے بیوند یہ سلسلہ کی صفت ہے۔

استبرق یہ سوسل کو کہتے ہیں۔ یہ استبرق سے معرب ہے یا ایسا ریشم ہے جو سوسل سے بنا یا جاتا ہے یہ دیباچہ کا معنی ہے۔ سوسل پتے کو کہتے ہیں۔ قاموں میں اسی طرح ہے۔

نافع، ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اسے ثیاب پر صنف کرتے ہوئے اسے مرفوع پر حاکم سے بیوند باقی قاموں سے خبر ہے۔ حاکم سے بیوند یہ سلسلہ پر معطوف ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ہا ایک آدمی نے حضور ﷺ سے اس میں ہا رسول اللہ ﷺ میں جنت کے پتروں کے بارے میں بتایا۔ یہ وہی ہے جو بیوند ہے یا سوسل کی بھٹی چیز ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ چھوٹے نکلیں گے۔ یہ جنت کا پھل ہے۔ اسے دو ہزار سال کی مسافت سے لایا گیا ہے۔ اسے لایا گیا ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جنت میں ایک درخت ہے جو مندس کا کہتے ہیں۔ اسے پتے اس کے پتوں سے ہیں

گئے۔ اسے بزار، طبرانی اور ابویعلیٰ رحمہم اللہ تعالیٰ نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جس نے دنیا میں ریشم پہنا اللہ تعالیٰ آخرت میں اسے ریشم نہیں پہنائے گا، متفق علیہ (1)۔ امام نسائی اور حاکم رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ اس میں یہ الفاظ زائد ہیں جس نے دنیا میں شراب پیا وہ آخرت میں شراب نہیں پئے گا، جو دنیا میں سونے اور چاندی کے برتن میں شراب پئے گا وہ آخرت میں ان دونوں سے شراب نہیں پئے گا۔ صحیحین میں حضرت انس اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسی حدیث مروی ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسی حدیث مروی ہے، اس میں یہ الفاظ زائد ہیں اگر وہ جنت میں داخل ہوا تو ریشم زیب تن نہیں کرے گا۔ طیالسی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح سند کے ساتھ نیز نسائی، ابن حبان اور حاکم رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسے روایت کیا ہے۔

و حلوا کا عطف و يطوف علیہم پر ہے یا عالیہم میں ہم ضمیر سے یہ حال ہے اور اس سے پہلے قد محذوف ہے۔ اساور سے پہلے حرف جار محذوف ہے جس کی وجہ سے یہ منصوب ہے۔ من فضة میں من بیانیہ ہے۔ یہ ارشاد اللہ تعالیٰ کے اس فرمان اساور من ذهب کے مخالف نہیں کیونکہ یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں قسم کے کنگن انہیں پہنائے جائیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یکے بعد دیگرے انہیں یہ کنگن پہنائے جائیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ بعض کو سونے کے کنگن پہنائے جائیں اور بعض کو چاندی کے کنگن پہنائے جائیں۔ اگر اس جملہ کو خدم کی ضمیر سے حال بنایا جائے تو پھر یہ ممکن ہے کہ چاندی کے کنگن خادموں کے ہوں اور جنتیوں کے کنگن سونے کے ہوں۔ ایک کنگن چاندی کا ہو اور ایک کنگن موتیوں کا ہو۔ ابوالشیخ نے عظمت میں کعب الاحبار سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہے جو ابتائے آفریش سے جنتیوں کے لئے زیور بنا رہا ہے اور قیامت کے آنے تک یہ سلسلہ جاری رکھے گا۔ اگر جنتیوں کے زیور میں سے کوئی زیور دنیا میں ظاہر ہو جائے تو وہ سورج کی روشنی کو بھی مٹا دے۔ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مومن کے زیور وہاں تک پہنچیں گے جہاں تک وضو کا پانی پہنچتا ہے (2)۔ امام نسائی اور حاکم رحمہما اللہ تعالیٰ نے عقبہ بن عامر سے حضور ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے اگر تم جنت کا زیور اور ریشم پسند کرتے ہو تو دنیا میں انہیں نہ پہنو۔ (3)

وسقہم الخ اس جملے کا عطف بھی سابقہ جملہ پر ہے۔ شراب طہور سے مراد یہ ہے کہ وہ ہر قسم کی گندگی سے پاک ہوگا۔ اسے ہاتھوں نے نہیں چھوا ہوگا جس طرح دنیا کا شراب ہوتا ہے جس میں آلودگی بھی ہوتی ہے اور لوگ اسے جاتے ہیں۔ ابو قلابہ اور ابراہیم رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا کہ وہ شراب ناپاک پیشاب کی شکل میں تبدیل نہیں ہوگا بلکہ وہ ان کے بدن سے پسینے کی صورت میں نکل جائے گا اور اس کی خوشبو کستوری جیسی ہوگی۔ اس کی صورت یہ ہوگی کہ انہیں کھانا دیا جائے گا۔ جب وہ کھانا ختم کرنے والے ہوں گے تو انہیں یہ مشروب دیا جائے گا۔ وہ اسے پیئیں گے۔ اس کے ساتھ ان کے پیٹ پاک ہو جائیں گے۔ انہوں نے جو کچھ کھایا ہوگا وہ پسینہ بن جائے گا جو ان کی جلد سے نکل جائے گا، جو کستوری سے زیادہ خوشبودار ہوگا۔ اسی کے ساتھ ان کی خواہش لوٹ آئے گی۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا شراب طہور سے مراد جنت کے دروازے پر پانی کا چشمہ ہے۔ اس سے جو بھی پئے گا اللہ تعالیٰ اس کے دل سے کینہ اور حسد نکال دے گا (4)۔

2- صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 127 (تذیبی)

1- صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 867 (وزارت تعلیم)

4- تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 161 (التجاریہ)

3- مسند احمد، جلد 4، صفحہ 145 (صادر)

ماہر بیہوشی رامتہ اللہ علیہ نے کہا اور یہاں خوب کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے ایک اور قسم کی شراب مہرانی ہے جو پہلی دلوں کی قسموں سے اب اس سے اعلیٰ ہے۔ اس وجہ سے اس کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی طرف کی ہے اور اس کی صفت صہوریت سے لگائی یہ نہ کہ یہ پتہ ہے۔ ہوسکی لذتوں اور غیر کی طرف مائل ہونے سے پاکہ راہی ہے۔ جس سے پینے والے اللہ تعالیٰ کے ہماں سے شہدہ اور اس کے ذراقت سے لذت حاصل کرنے کے لئے اپنے آپ کو ایک حمل کر بیٹا ہے۔ یہ صدیقین کے درجہ کی ہے۔ یہ نہیں ہے۔ پتہ ہے ان دعوات کا (مہر ہوا ہے)۔ ابراہار کا ثواب اور ان کے ثواب کی انتہائی جگہ صدیقین کے ثواب کا آغاز اور انتہائی مسرت ہے۔ چھوڑا ہے۔ اس سے ایک قول یہ کیا گیا ملائکہ صدیقین پر شراب پیش کریں گے تو وہ فرشتوں سے قبول کرنے سے انکار کریں گے اور تمہیں کے صہور صدیق ہمارے اسٹوں کے ذریعے ان نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں گے تو غیب سے بغیر ہاتھوں کے جام بندے کے نہ سے اس میں گے۔ اس قول کی تائید و قول بھی کرتا ہے کہ ابن ابی اسد نے کہا کہ ابواہدہ رحمت اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یہاں یہ بات ہے کہ جتنی بہت شراب کی خواہش کرے گا تو وہ شراب اس سے ہاتھ میں آجائے گی۔ وہ اس سے پنے کا پھر وہ بہت اپنی تہہ ہوا ہے۔ کان میں یہ عقوبت کرشی رحمتہ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ صدیقین مقربین کو عرش کے نیچے سے بغیر واسطہ کے جام دینے جائیں گے۔ ابراہار ہونے سے جام پیش کریں گے اور وہ جنت جو مغفرت یا عذاب پانے کے بعد جنت میں داخل ہوں گے تو انہیں پتہ ہے کہ میں نے یہاں گے۔ میں جتا ہوں یہ آیات ابراہار کی شان کو بیان کرتی ہیں۔ شہد بھی نہیں شراب پچوں کے ذریعے بھی فرشتوں کے جام دینے کے ہوتے ہوں گے بغیر جام دینے کے۔ جہاں تک مقربین سے تعلق ہے انہیں شہد عموماً بغیر واسطہ کے جام دینے کے ہیں گے۔

إِنَّ هَذَا كَانَ لَكُمْ جَزَاءً وَوَكَانَ سَعْيِكُمْ مَشْكُورًا ۝ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ تَنْزِيلًا ۝

'' (انہیں کہا جائے گا) یہ تمہارا صلہ ہے اور (مبارک ہو) تمہاری بوششیں مقبول ہوئیں۔ تم نے ان (صہب) آپ یہ تھوڑا تھوڑا امر کے کلام نازل کیا۔

سنگر کا معنی پسندیدہ اور مقبول ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنتوں کے لئے کلام ہے۔ ویسا اللہ تعالیٰ نے ان کا شہدہ کیا۔ یعنی ان کی بوشش قبول فرمایا کیونکہ انہوں نے مسکین اور یتیموں کو رضا کا ارادہ نہیں کیا تھا۔ میں کہتا ہوں اللہ تعالیٰ نے جنت کی نعمتوں سے ان کے اہل ان بڑا بطور فضل و احسان بنایا ہے۔ ورنہ انسان کو ہنس لیں ایسا ہو سکتا ہے کہ اس کی ایسی جزا ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے تفریق کا معنی یہ کیا ہے کہ آیت کے بعد آیت متفرق طور پر نازل کی اس آیت کی بارگاہ میں آیا (2)۔ یہاں پہلے مسند الیہ بولا تا ابتدا میں ان تاکید یہ ذکر کرنا اور ضمیر کو مکرر لانا اس بات کا شعور دلانے کے لئے ہے۔ صہوریت سے اس سے اب اس قسم میں منحصر ہے۔ ویسا اس فعل کی نسبت کو اپنی طرف مکرر ذکر کیا اور اپنی ذات کے ساتھ اسے منقش کیا اور غنیمت سے بغیر دینی نہیں کرتا۔

فَأَصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكْفُرْ مِنْهُمْ أَسْمَاءُ ۝ كَقَوْمِ آدَمَ

اور اپنے رب کے حکم کا انتظار کیجئے اور نہ ہنمانے ان میں سے کسی بدکار یا احسان فراموش کالے

۱۔ اس میں فاء جزائیہ ہے۔ مطلب یہ ہے جب آپ نیکوں اور بروں کی حالت اور آخرت کے احوال جان چکے ہیں تو کفار کی اذیتوں پر صبر کیجئے۔ آپ ان کی سزا میں جلدی نہ کریں اور ان کے خلاف آپ کے غلبہ میں جو دیر ہو رہی ہے اس پر جلدی نہ چاکیں اور جب آپ کو یہ علم ہو چکا ہے کہ قرآن کو نازل کرنے کا عمل اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مختص ہے تو جو آپ کو حکم دیا گیا ہے اور جس سے منع کیا گیا ہے اس پر صبر کریں۔ کامیابی میں تاخیر پر تنگ ہونے کی وجہ سے آپ گناہگار کی اطاعت نہ کریں جو آپ کو گناہ کی طرف دعوت دے رہا ہے اگرچہ وہ گناہ کفر نہ ہو اور نہ ہی کافر کی اطاعت کریں جو آپ کو فکر کی طرف بلا رہا ہے۔

او کی وجہ سے یہاں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ گناہگار کی اطاعت کرنا منع ہے یا ناشکرے کی اطاعت کرنا منع ہے مگر یہ شبہ درست نہیں کیونکہ یہاں نکرہ (ائم اور کفور) نفی کے تحت داخل ہے جو عموم پر دلالت کرتا ہے۔ معنی یہ ہوگا آپ کسی ایسے شخص کی اطاعت نہ کریں جو آپ کو گناہ کی طرف بلاتا ہو یا کفر کی طرف بلاتا ہو یا ان دونوں کی طرف بلاتا ہو کیونکہ وہ تو گناہ اور کفر دونوں کی طرف بلانے والا ہے۔ اگر یہاں او کی جگہ واؤ ہوتی تو پھر معنی یہ ہوتا جو آپ کو کفر اور گناہ دونوں کی طرف دعوت دے اس کی اطاعت نہ کرو۔ اس سے یہ معنی سمجھ نہیں آتا کہ جو صرف گناہ کی طرف دعوت دیتا ہے اس کی اطاعت بھی نہ کرو۔ اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ کافر کی ایسی بات میں اطاعت کرنے میں کوئی حرج نہیں جو گناہ اور کفر نہ ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہاں او واؤ کے معنی میں ہے۔

ائم اور کفور دونوں سے مراد ابو جہل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اس پر لعنت ہے۔ اس کی وجہ یہ بنی کہ جب نماز فرض ہوئی تو ابو جہل نے حضور ﷺ کو نماز سے منع کیا تھا اور کہا اگر میں نے محمد (ﷺ) کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا تو میں ان کی گردن روند ڈالوں گا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ عبدالرزاق، ابن منذر اور ابن جریر نے قتادہ رحمہم اللہ تعالیٰ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ائم سے مراد عتبہ بن ربیعہ اور کفور اسے مراد ولید بن مغیرہ تھا۔ دونوں نے نبی کریم ﷺ سے کہا جو کچھ تم نے کیا اگر عورتوں اور مال کے لئے کیا تو اس معاملہ کو چھوڑ دو۔ عتبہ نے کہا میں اپنی بیٹی کی شادی تم سے کرتا ہوں اور بغیر مہرتیرے پاس بھیج دیتا ہوں۔ ولید نے کہا میں تجھے اتنا مال دے دوں گا جس سے تو راضی ہو جائے گا۔ اس لئے اس امر سے لوٹ آ تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ (1)

وَإِذْ كُنَّا نَمَسُّ بِرَبِّكَ بَكْرًا ۖ وَأَصِيلًا ۗ ۝۱۰ وَمِنَ اللَّيْلِ فَسُجِدْنَا وَسَبِّحْنَا لِيُبِّلَا طَوِيلًا ۝۱۱

”اور یاد کرتے رہا کرو اپنے رب کے نام کو صبح بھی اور شام بھی ۱۰ اور رات (کی تنہائیوں میں) بھی اس کو سجدہ کیا کیجئے اور رات کافی وقت اس کی تسبیح کیا کیجئے ۱۱۔“

۱۰۔ اذکر کا معنی ہے تم نماز پڑھو۔ نماز کو ذکر سے تعبیر کرنا ایسے ہی ہے جیسے جزء بول کر کل مراد لیا جائے کیونکہ تکبیر تحریمہ نماز کا ایک رکن ہے یا کہا جاتا ہے کہ نماز کے اقوال اور افعال سب اللہ تعالیٰ کے ذکر ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نماز لوگوں کی کلام نہیں بلکہ یہ تسبیح، تکبیر اور قرآن کی تلاوت ہے (2)۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے معاویہ بن حکم سے روایت کیا ہے۔ بکرۃ کالغوی معنی دن کا پہلا حصہ ہے لیکن یہاں اس سے مراد صبح کی نماز ہے۔ یہ مفعول لہیہ ہونے کے اعتبار سے منصوب ہے۔ اسی طرح اصیل سے مراد دن کا آخری حصہ ہے۔ یہاں اس سے مراد ظہر اور عصر کی نماز ہے۔

تے یہاں نماز کو بخود سے تعبیر کیا تا ہم یہاں اس سے مراد ظہر اور عصر کی نماز ہے۔ جب رات کی نماز میں زیادہ مشقت ہوئی ہے تو اسے ختم کر کے بوقت نماز کو زائد لانے کے ساتھ مؤکد کیا۔ گویا یہاں اہل مقدر ہے۔ تقدیر کا یہ ہونا وہاں اس لیے ہے۔ فاسجد یہاں نماز کو تسبیح سے تعبیر کیا۔ اس سے مراد رات کا قیام ہے۔ طویل یا یہ محذوف مصدر کی صفت ہے، یعنی تسبیح محذوف یا اس سے مراد نصف رات، اس سے تمہا اس سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔

إِنَّ هَوْلَاءَ يُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ وَيَذُرُّونَ وَرَاءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيلًا ۝۱۰
خَلَقْتَهُمْ وَشَدَدْنَا أَسْرَهُمْ ۖ وَإِذَا شِئْنَا بَدَلْنَا مِثْلَهُم مِّثِيلًا ۝۱۱

”بے شک یہ لوگ دنیا سے محبت کرتے ہیں اور پس پشت ڈال رہے ہیں انہوں نے بڑے سخت دن بولے تم نے ان کو پیدا کیا ہے اور ان کے جوڑ بند مضبوط کئے ہیں اور جب تم چاہو تو ان کی شکلوں کو بدل کر رکھ دیتے ہو۔“

ان ہولاء سے مراد کفار مکہ ہیں۔ وہ دنیا سے محبت کرتے ہیں اور قیامت کو انہوں نے پس پشت ڈال رکھا ہے۔ یہ وہ نقصان ہیں جو اللہ تعالیٰ سے بظہر عجز استعمال ہوا جو مشقت میں اپنی انتہا کو پہنچا ہوا ہے۔ یہ بعد اللہ تعالیٰ کے فرمان لا تطعہم ان صحت ہے۔ معنی یہ لوگ دنیا سے محبت کر رہے ہیں ان میں گناہگار ہیں اور آخرت کی کوئی پروا نہیں کرتے تھے۔ ان سے ان کی اطاعت نہ کی جائے۔ ان کی ممانعت کرو اور جوڑوں کو مضبوط کیا اور جب چاہیں گے ان کی جگہ اور سے لے آئیں گے یا ان سے مضبوط پیوند کر کے۔ تبدیلیا یہ مفعول مطلق ہے اور تاکید کے لئے ذکر کیا گیا ہے۔ جملہ شرطیہ کا عطف شددنا پر ہے۔ نحن حلقناہم والامر وہ اس کا معطوف کفار کے کفر پر طعن کرنے کے لئے ذکر کیا گیا کیونکہ انہوں نے نعمت کے مقابلہ میں کفر کیا ان کو پیدا کرنے والے قدرت سبحانہ کی نعمت کو خاص طور پر ذکر کیا کیونکہ یہ تمام نعمتوں کی اصل ہے ادا انکسائے بعد میں حضور ﷺ کی امت میں جاری ہے۔ آپ نے نفاق سے تکالیف برداشت کی ہیں اور آپ سے اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ کیا کہ وہ انہیں ہلاک کر دے گا اور انہیں کسی قوم سے ہلاک کرے گا جو اطاعت شعار ہوگی جبکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کر دیا تھا۔ ایسا قول یہ کیا گیا کہ ادا یہاں ان کے معنی میں ہے۔ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ چاہے تو بدل دے مگر اس نے ابھی تک نہیں چاہا۔

إِنَّ هَاتِيكَ تَذَكَّرَ أَفْسَاءً فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذْ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ۝۱۲
يَسْمَعُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝۱۳
الظَّالِمِينَ أَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۝۱۴

”بے شک یہ ایک نصیحت ہے پس جس کا جی چاہے اختیار کر لے اپنے رب کے قرب کا راستہ اور (اب) تو کو (تذکرہ) بھی نہیں چاہ سکتے بجز اس کے کہ اللہ خود چاہے بے شک اللہ تعالیٰ عليم ہے حکيم ہے جس کو چاہتا ہے اپنے بندوں کی رحمت میں داخل کر لیتا ہے اور ظالموں کے لئے تو اس نے تیار کر رکھا ہے دردناک عذاب ہے۔“

یہ ہند اسم اشارہ سے مراد سورت یا آیات ہیں۔ تذکرہ سے مراد نصیحت ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کی رضا کی طرف جانے والے راستے کو واضح کرتی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کا تقرب اور اس راستے پر چلنا چاہے وہ طاعت، دائمی ذکر، اخلاص اور حضور ﷺ کی اتباع ہے۔

اپنے اوپر لازم کرے۔

۲۔ نافع رحمۃ اللہ علیہ اور کوفہ کے قراء نے تاء کے ساتھ مخاطب کا صیغہ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے یاء کے ساتھ غائب کا صیغہ پڑھا ہے یعنی اسے لوگو تمہاری یا کفار کی اللہ تعالیٰ کے راستہ کو اپنانے یا کسی اور چیز کو اپنانے کی مشیت اس وقت تک نہیں پائی جاسکتی جب تک اللہ تعالیٰ کی بھی وہی مشیت نہ ہو۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمام بنی آدم کے دل رحمن کی دو انگلیوں کے درمیان اس طرح ہیں جس طرح ایک دل ہوتا ہے، وہ جس طرح چاہتا ہے اسے پھیر دیتا ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے اللہ، اسے دلوں کو پھیرنے والے! میرے دل کو اپنی طاعت کی طرف پھیر دے۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (۶)۔ جب مومنین کی ہدایت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی مشیت پائی جاتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے راستہ کو اپنالیتا ہے اور جب کفار کی ہدایت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی مشیت نہیں ہوتی تو وہ اس راستہ کو نہیں اپناتا۔ جو کوئی جس کا اہل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے واقف ہوتا ہے۔ ایک انسان وہی کچھ کرتا ہے جس کا وہ اہل ہوتا ہے۔ یہ امر اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ان میں خیر اور شر کی استعداد پہلے سے موجود ہوتی ہے کیونکہ مومنین کے تعینات کا مبداء اللہ تعالیٰ کا اسم ہادی ہے اور کفار کے تعینات کا مبداء اللہ تعالیٰ کا نام مضل ہے اور وہ وہی چاہتا ہے جو اس کی حکمت کا تقاضا ہوتا ہے۔

سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اسے جنت میں داخل کر دیتا ہے کیونکہ جنت رحمت کا محل ہے۔ اللہ تعالیٰ ایمان اور تصدیق اس کے دل میں ڈالتا ہے اور اپنی محبت اس کے سر میں ڈالتا ہے، اسے طاعت اور اس پر دوام اختیار کرنے کی توفیق دیتا ہے اور کفر و نافرمانی سے نفرت دلاتا ہے۔

الظلمین یہ فعل محذوف کے ساتھ منصوب ہے جس کی تفسیر ما بعد فعل کرتا ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی يُعَذَّبُ الظَّالِمِينَ - أَعَذَّلَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا والے جملے اور الظلمین والے جملے کا عطف یدخل والے جملے پر ہے۔ یہ دونوں جملے ما یشاء ون الا ان یشاء اللہ کے مضمون کی وضاحت کرتے ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کو القاء کیا۔ یا ابن سے مراد ان انبیاء کے نفوس میں جنہیں لوگوں کی ہدایت، راہنمائی اور احکام کی تبلیغ کے لئے بھیجا گیا۔ انہوں نے احکام کی بجا آوری اور منہیات سے روکنے میں جلدی کی، ہدایت کو پھیلا یا، حق اور باطل میں جدائی کی اور امت کے دلوں اور زبانوں پر اللہ تعالیٰ کے ذکر کو القاء کیا۔

۱۱۔ قاری ابو بکر رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے، انہوں نے عاصم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ عذرا کے ذال پر ضمہ ہے۔ یہی حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کی قرأت ہے جبکہ باقی قراء نے ذال کو ساکن پڑھا ہے۔

نافع، ابن کثیر اور ابن عامر اور ابو بکر رحمہم اللہ تعالیٰ نے نذرا کو ذال کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے ساکن پڑھا ہے۔ جب یہ دونوں لفظ ذال کے سکون کے ساتھ ہوں تو یہ مصدر ہوں گے عذر کا معنی گناہ کو مٹانا اور نذر کا معنی ڈرانا ہے۔ جب ذال مضموم ہو تو عذر عذیر کی جمع ہوگی جس کا معنی مٹانا ہے اور نذر نذیر کی جمع ہوگی جس کا معنی ڈرانا ہے۔ دونوں کا معنی پھر یہ ہوگا معذرت کرنے والا اور ڈرانے والا پہلی دو صورتوں (ا) میں یہ مفعول لہ ہونے کی حیثیت سے منصوب ہیں۔ مضموم یہ ہوگا یہ پانچوں فعل اس لئے ہیں تاکہ مومن اپنے گناہوں کو مٹانے کے لئے معذرت کریں اور کافروں کو ڈرانے کے لئے انہیں خوفزدہ کیا جائے۔ یہ ہوا میں کفار کے لئے عذاب کی وعید کا سبب ہیں جب وہ بارش کو ستاروں کی طرف منسوب کرتے تھے۔ یا یہ دونوں اسما ذکر اسے بدل ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں کیونکہ ذکر سے مراد وحی ہے اور تیسری صورت (ب) میں یہ حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہیں۔

إِنَّمَا تُوعَدُونَ لَوَاقِعٌ ۝ قَادَا النُّجُومِ طُمِسَتْ ۝ وَإِذَا السَّمَاءُ فُرِجَتْ ۝
إِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ۝ وَإِذَا الرُّسُلُ أُقْتَتَتْ ۝ لِأَيِّ يَوْمٍ أُجِّلَتْ ۝ لِيَوْمِ
الْفُصْلِ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمَ الْفُصْلِ ۝

”بے شک جس بات کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ ضرور ہو کر رہے گی۔ پس اس وقت جب ستارے بے نور کر دیئے جائیں گے اور جب آسمانوں میں شگاف پڑ جائیں گے اور جب پہاڑ (خاک بنا کر) اڑا دیئے جائیں گے اور جب رسولوں کو وقت مقررہ پر اکٹھا کیا جائے گا (تمہیں علم ہے) کس دن کے لئے یہ ملتوی کیا گیا ہے۔ فیصلہ کے دن کے لئے ہے (اے مخاطب) تجھے کیا علم کہ فیصلے کا دن کیسا ہے؟“

۱۱۔ قیامت اور جزاء کا جو تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ ضرور واقع ہو کر رہے گی۔ یہ جملہ جواب قسم ہے۔

۱۲۔ یعنی جب ستارے بے نور ہو جائیں گے اور ان کا نور ختم ہو جائے گا۔ اذا کا جواب محذوف ہے، وہی اذا میں عامل ہے۔ جواب يَفْصَلُ بَيْنَ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَأَهْلِ النَّارِ ہے۔

۱۳۔ فرجت کا معنی پھاڑ دینا ہے جس کی وجہ سے اس میں سوراخ ہو جائیں۔

۱۴۔ نسفت کا معنی اپنی جگہوں سے پہاڑوں کو اکٹھا کر دیا جائے گا اور انہیں الٹ دیا جائے گا۔

۱۵۔ ابو عمر رحمۃ اللہ علیہ نے اقتت کو وقت پڑھا ہے۔ ابو جعفر رحمۃ اللہ علیہ سے واؤ کے ساتھ مروی ہے جبکہ جمہور کے نزدیک ہمزہ کے ساتھ مروی ہے جو واؤ سے ہی بدلا ہوا ہے، یعنی امتوں کے خلاف شہادت کے لئے رسولوں کو لایا جائے گا۔

نے لایا یوم یہ مابعد فعل کے متعلق ہے۔ جار مجرور کو مقدم اس لئے ذکر کیا کیونکہ اسی کا امر کے شرک میں آئے وقتوں کے لئے۔
جنت و معنی آخرت ہے، یعنی یوں اس وقت کو مؤخر کیا گیا۔ یہاں استفہام تعجب اور ہولانہ بیان کرنے کے لئے ہے۔
تو یہ لایا یوم کے لئے ہوا ہے اور اس کا بیان ہے۔ لایا یوم والا ہمد ہمد معترضہ ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ اقص و معصوم
ہوں ہو یوم نہ یہ اعلمت کے معنی کو اپنے ضمن میں لئے ہوا ہے۔
اس ہمد میں بھی استفہام تعجب اور تعظیم کے اظہار کے لئے ہے، یعنی وہ بہت ہی عظیم شے ہے تو اس کی حقیقت کو نہیں جانتے اور نہ ہی
اس کی مثال دیکھا ہے۔

وَيَوْمَ يُؤْمِنُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالْحَيَاةِ الْآخِرَةِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِالْحَيَاةِ الْآخِرَةِ ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِالْحَيَاةِ الْآخِرَةِ ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِالْحَيَاةِ الْآخِرَةِ ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِالْحَيَاةِ الْآخِرَةِ ۖ

تہاں ہوں اس روز جھٹلانے والوں کے لئے۔ کیا ہم نے ہلاک نہیں کر دیا جو ان سے پہلے تھے۔ چہ ہمد ان سے
بچھے بچھے تھے۔ ان دنوں کے بعد میں آنے والوں کو سزا

سزا میں مصدر ہے۔ اس کا معنی شر اور ہلاکت کا نازن ہونا ہے۔ یہ اصل میں مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے منسوب ہوتا
ہے۔ اس کا فعل منضم ہوتا ہے۔ اسے مبتدا بنا کر مفعول بنا کر کر دیا جاتا ہے تاکہ یہ ہلاکت اور شر کے ثابت ہونے پر دلالت کرے۔ یہ
ہمد کے ہمد بولا جاتا ہے۔

امام احمد، امام ترمذی، ابن جریر، ابن ابی حاتم اور حاکم رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسے روایت کیا ہے۔ حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے صحیح کہا ہے۔
ابو یوسف، ابن ابی الدنیا اور ہناد رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے حضور ﷺ سے روایت کیا
ہے۔ وہیں جہنم کی ایک وادی ہے، کافر اس کی تہ میں پہنچنے سے پہلے چالیس سال تک اس میں رہتا رہے گا (1)۔ امام بیہقی اور ابن ابی
نعمان رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وہیں جہنم کی ایک وادی ہے جس میں جنہوں نے پیپ پوتی
کے لئے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ وادی جھٹلانے والوں کے لئے پیدا کی ہے (2)۔ ابن ابی حاتم رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت عثمان بن بشیر رضی اللہ
تعالیٰ عنہ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ امام بیہقی، ابن جریر اور ابن مبارک نے عطاء بن یسار رحمہم اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے کہ وہیں جہنم
کی ایک وادی ہے جس میں پیپ ہوگی اگر پہاڑوں کو اس میں چلایا جائے تو اس کی ٹری سے وہ پھسل جائیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ
نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے وہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ وہیں جہنم کی ایک پہاڑ ہے (3)۔ ابوزہرہ رحمۃ اللہ علیہ نے
سید سند سے ساتھ حضرت سعید بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ جہنم میں ایک چھتے
نکدین جتے ہیں جس پر اہل عرافت (1) چڑھتے رہیں گے اور اتارتے رہیں گے۔

یوم صد سے مراد قیامت کا دن ہے جس دن ستارے بے نور ہو جائیں گے۔ مکذبین کا مفعول بہ یوم الفصل ہے۔ المسکدین یہ
فصل مستند ہے اور ویل کی خبر ہے۔ یوم صد اسی شبہ فعل کی ظرف ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یوم صد ویل کی صفت کی ظرف مستند ہے۔
تو یہ ہم نے ان پہلوں کو ہلاک نہیں کیا جو اس عذاب کو جھٹلاتے تھے جیسے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم، قوم عاد اور قوم ثمود کے باپ

تھے۔ یہ استفہام تقریری ہے۔

۳۔ آخرین سے مراد کفار مکہ ہیں جو اپنے پیش روؤں کے اسی طریقہ پر رواں دواں ہیں جس طرح وہ رسولوں کو جھٹلاتے تھے۔ یہ بھی حضور ﷺ کو جھٹلا رہے ہیں۔ اس کا عطف الم نہلک کے مضمون پر ہے، یعنی ہم نے پہلے لوگوں کو ہلاک کیا پھر اس کے بعد میں آنے والے لوگوں کو ہلاک کریں گے۔

كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ۝ وَيَلُّ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝ اَلَمْ نَخْلُقْكُمْ مِّنْ
مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۝ فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۝ اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۝

”گناہگاروں کے ساتھ ہم ایسا ہی سلوک کیا کرتے ہیں۔ تباہی ہوگی اس روز جھٹلانے والوں کے لئے ۳۔ کیا ہم نے تمہیں حقیر پانی سے پیدا نہیں فرمایا اسے پھر ہم نے رکھ دیا اسے ایک محفوظ جگہ (رحم مادر) میں ۴۔ ایک معین مدت تک ہے“

۱۔ کذلک مصدر محذوف کی صفت ہے، یعنی ہم مجرموں کے ساتھ اس طرح سلوک کرتے ہیں۔

۲۔ جس طرح ہم نے وعدہ کیا ہے اسی طرح اس روز جھٹلانے والوں کے لئے ہلاکت ہوگی۔

۳۔ یہاں استفہام تقریری ہے، یعنی یقیناً ہم نے تمہیں حقیر پانی سے پیدا کیا ہے اور وہ نطفہ ہے۔

۴۔ ضمیر سے مراد پانی ہے اور قرار مکین سے مراد رحم ہے۔ فی قرار مکین ظرف مستقر جعلنہ کا مفعول ثانی ہے۔ یہ اس

صورت میں ہوگا جب جعل فعل صبر کے معنی میں ہو۔ بصورت دیگر یہ ظرف لغو ہوگی اور جعلنا کے متعلق ہوگی اور جعلناہ والا جملہ

الم نخلقکم کے مضمون پر معطوف ہوگا۔ اس میں فاء تفسیر کے لئے ہے تعقیب کے لئے نہیں۔ یا یہ ترکیب میں قلب پر محمول ہوگا۔

۵۔ اگر فی قرار مکین ظرف مستقر ہو تو یہ اسی کے متعلق ہوگا اور یہ فعل محذوف کے ساتھ متعلق ہوگا۔ عرف میں اس کی کم سے کم

مدت چھ ماہ اور زیادہ سے زیادہ دو سال ہوگی یا اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی مدت معلوم ہے۔

فَقَدَرْنَا فَنِعْمَ الْقَدِرُوْنَ ۝ وَيَلُّ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝

”پھر ہم نے ایک اندازہ ٹھہرایا پس ہم کتنے بہتر اندازہ ٹھہرانے والے ہیں۔ تباہی ہوگی اس روز جھٹلانے والوں کے

لئے ۲۔“

۱۔ نافع اور کسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے قدرنا کو مشدّد پڑھا ہے۔ یہ تقدیر سے مشتق ہے، یعنی ہم نے اس کے لئے ماں کے پیٹ میں

ٹھہرنے، ولادت، عمل اور موت کے وقت کو مقدر کر دیا ہے۔ نیز اس کے لئے رزق کو مقدر کر دیا ہے اور یہ بھی فیصلہ کر دیا ہے کہ وہ

بد بخت ہے یا نیک بخت ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ صادق و صدوق نے ہمیں بیان کیا ہے کہ

تمہاری پیدائش ماں کے پیٹ میں چالیس روز تک نطفہ پھراتے ہی دن جھے ہوئے خون پھراتے ہی دن گوشت کے ٹوٹھڑا کی صورت

میں ہوتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ چار چیزوں کے ساتھ ایک فرشتہ بھیجتا ہے۔ وہ فرشتہ اس کا عمل، موت کا وقت، اس کا رزق اور اس کا بد بخت

یا سعادت مند ہونا لکھ لیتا ہے۔ پھر اس میں روح پھونکتا ہے۔ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں تم میں سے ایک

جنتیوں والا عمل کرتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو تقدیر اس پر غالب آجاتی ہے تو وہ

۱۔ اس جملے کا عطف لم نجعل کے مضمون پر ہے۔ فیہا میں ضمیر سے مراد زمین ہے۔ روامسی کا معنی پہاڑ ہے۔ شامخات کا معنی بلند ہے، یعنی پہاڑ زمین سے اٹھے ہوئے ہیں۔ نکرہ اس لئے ذکر کیا تاکہ پہاڑوں کی عظمت کا بیان ہو۔

۲۔ جو اس قسم کی نعمتوں کو جھٹلائے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ تمام مذکورہ باتیں دوبارہ اٹھائے جانے سے زیادہ عجیب ہیں۔

۳۔ یہ جملہ مستانفہ ہے جو ایک مقدر سوال کا جواب ہے کہ اس دن کو جھٹلانے والوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا۔ تقدیر کلام یہ ہوگی انہیں اس دن کہا جائے گا چلو اسی عذاب کی طرف جس کو تم دنیا میں جھٹلاتے تھے۔

۴۔ یہ امر کا صیغہ پہلے انطلقوا سے بدل ہے اور تاکید کا فائدہ دے رہا ہے جس طرف وہ جاتے ہیں اس کا بیان ہے۔ مفسرین نے اس سے جہنم کا دھواں مراد لیا ہے۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے علماء نے فرمایا جب بڑا دھواں اوپر کو اٹھتا ہے تو مختلف حصوں میں بکھر جاتا ہے جہنم کے دھوئیں کے تین حصوں میں منقسم ہونے کی امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ (۱) اور دوسرے مفسرین نے کئی وجوہات ذکر کی ہیں جو پسندیدہ نہیں۔

میرے نزدیک اس دھوئیں کے تین حصوں میں منقسم ہونے کی وجوہات یہ ہیں کہ جہنم میں داخل ہونے کے تین سبب ہیں: (۱)۔

اللہ تعالیٰ کا انکار کرنا، واضح طور پر رسولوں کا انکار کرنا جس طرح کفار کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولا ہے۔

(۲)۔ خواہشات کی پیروی کرنا، رسل اور آیات کا کتنا یہ کے طریقہ پر انکار کرنا۔ جس طرح مجسمہ، قدریہ، رافضیوں، خارجیوں اور مرجعہ کا نقطہ نظر ہے جو اجماع کے خلاف، نصوص قطعیہ کی ظاہر کے خلاف فاسد تاویلیں کرتے ہیں۔ جس طرح مجسمہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو جھٹلاتے ہیں وجوہ یومئذ ناظرہ۔ اسی طرح ان آیات کو جھٹلاتے ہیں جن میں اعمال کے وزن، پل صراط اور اس جیسی باتوں کا ذکر ہے۔ خارجی اور رافضی حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہم کی شان کے متعلق جو باتیں تو اتر معنوی سے ثابت ہیں ان کا انکار کرتے ہیں۔

(۳)۔ گناہ صغیرہ اور گناہ کبیرہ کے ارتکاب اور واجبات کو ترک کرنے میں خواہشات نفسانیہ کی اتباع کرتے ہیں۔ یہی تین امور ہیں جو جہنم کے دھوئیں کو تین حصوں میں منقسم ہونے کا باعث ہوتے ہیں۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جہنم میں سے ایک دھوئیں کا حصہ نکلے گا۔ پھر وہ تین حصوں میں منقسم ہو جائے گا۔ ایک نور ہوگا جو مومنین کے سروں پر ٹھہر جائے گا۔ ایک دھواں جو منافقین کے سروں پر کھڑا ہو جائے گا۔ ایک شعلوں والی آگ ہوگی جو کافروں کے سروں پر جا کر ٹھہر جائے گی (۲)۔ میں کہتا ہوں یہ ضرور مرفوع روایت ہوگی کیونکہ یہ ایسی چیز نہیں جو عقل سے معلوم کی جاسکتی ہو جہنم کے دھوئیں میں سے ایک حصہ کو جو نور سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس کا معنی یہ ہو سکتا ہے کہ یہ دھواں دوسرے دو حصوں کے دھوئیں سے کم سیاہ ہوگا ورنہ جہنم میں نور کا کیا مطلب ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جہنم کی آگ ایک ہزار سال تک جلائی جائے گی تب وہ سرخ ہوگی۔ پھر اسے ایک ہزار سال تک جلایا جائے گا تو وہ سیاہ ہوگی۔ اس وقت وہ سخت تاریک ہوگی (۳)۔ اسے امام ترمذی اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے یہ حصہ جو کم تاریک ہوگا مومن جہنمیوں کے سروں پر کھڑا ہو جائے گا۔ دوسرا حصہ جس میں آگ کے زیادہ اجزاء ہوں گے اور زیادہ تاریک ہوگا۔ وہ منافقوں کے سروں پر ٹھہر جائے گا۔ یہاں منافقین سے مراد بدعتی اور

میں جس کی غلامی کر نیوالے ہیں جو ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں اور انہیں کفر یعنی رسول اللہ ﷺ کو جھٹلانے کا دعویٰ ہے۔ یہاں صحابہ سے مراد ہے کہ انہیں جو اپنی زبانوں سے اعلانیہ تو ایمان کا دعویٰ کریں لیکن ان کے دلوں میں ایمان نہ ہو۔ یہ تو اعلانیہ طور پر ایمان سے جھٹکتے ہیں۔ یہی جہنم کے سب سے نچلے گزرتے ہیں ہوں گے۔ ہم نے سورہ بقرہ میں اہل ہوانہ اور انہیں خادموں اور غلاموں کے لئے لکھا ہے اور اللہ تعالیٰ نے منافقین کی جو مثال بیان کی تھی اس کی وضاحت کی تھی۔ تیسرا حصہ خالص شیعہ کا ہوگا اس میں بہت زیادہ تپش ہوگی اور اس میں شیعہ بھی زیادہ ہوں گے۔ یہ حصہ کافروں کے سروں پر پھہر جائے گا۔

میں جانتا ہوں یہ کہنا بھی مسن ہے کہ یہاں ظل (سایہ) سے مراد بذات خود جہنم ہو اس کی تاریکی اور سیاہی کی وجہ سے اس سے ظن ہے۔ یہ ظن تاریکی سے خالی نہیں ہوتا۔ اس میں کفار کے ساتھ استہزاء ہے جس طرح ان ارشادات ذی القربان سے آئے ہیں اور فہرستہ بعد از اب الیم میں ان سے مذاق کیا گیا۔ اس آیت کا معنی یہ ہوگا چلو جہنم کی طرف جس تک پہنچنے سے تم راستے میں ان سے ایسے رسولوں کا سراغ لگا کر دوسرا کئی نہ کرنا، تیسرا لگنا ہوں گا کہ کتاب کرنا جس طرح ہم پہلے ذکر کرتے ہیں۔

ظن (سایہ) میں کوئی ٹھنڈک نہ ہوگی جس طرح عرش اور جنت کے سایہ میں ہوگی جو مومنین کو نصیب ہوگا۔ اسی طرح یہ جہنم کا سایہ ہوگا۔ یہ بھی محذوف ہے صوف کی صفت ہے، یعنی یہ سایہ ایسا نہیں ہوگا جو جہنم کی لپکوں سے فائدہ دے۔ یہ صوفیوں کے لئے ہے۔ ان کا عطف ظلیل پر ہے جس طرح قللیق الرصاصہ وجعل آئیل کا عطف ہے۔ اس لحاظ سے یہ ظن تیسری صفت ہے۔ ان دونوں معنوں میں کفار کے ساتھ استہزاء ہے۔ ظن کے لفظ نے یہ ہم پیدا کیا تھا کہ وہ گرمی اور جہنم کے شعاعوں سے بچنے کے لئے آیت سے اس ہم کا ازالہ ہو گیا۔

ظن کی طرف لوٹ رہی ہے۔ معنی کے اعتبار سے ضمیر نوموشن لگایا ہے۔ اگر ظن سے مراد جہنم کی جانب ہے جس طرح اس سے مراد ہو رہی ہے۔ ضمیر محذوف۔ ضمیر کی طرف لوٹنے کی جس پر سیاق کلام دلالت کرتا ہے۔ ظن اس کے فائدہ مند نہ ہونے کی صحت بیان کرتا ہے۔ سردی یہ سردی کی جمع ہے۔ جو چیز آگ سے اڑتی ہے اسے سردی کہتے ہیں۔ اس کا ہر انکار و اتناہ ہوگا جسے ظن یا ہستی کہتے ہیں۔ قاسموں میں اسی طرح ہے۔ یہ مفرد ہے۔ ایک قول یہ یہاں کہ یہ قصر کی جمع ہے جس کا معنی چھوٹا یا مولانا۔ آیت سے۔

كَانَتْ جَسَلَتْ صَقْرٌ ۝ وَيَلُّ يَوْمَئِذٍ لِّمَكِّدٍ ۝ هَذَا يَوْمُ لَا يَنْصِفُونَ ۝
وَلَا يُؤَدُّنَ لَهُمْ فِئْتًا مَّاؤُنَ ۝ وَيَلُّ يَوْمَئِذٍ لِّمَكِّدٍ ۝

تو یہ وہ زرد رنگ کے اونٹ ہیں۔ یہ تباہی ہوگی اس دن جھٹلانے والوں کے لئے ہے۔ یہ وہ دن ہوگا جس میں نہ وہ ہیں

جس کے لئے اور نہ ہی انہیں اجازت ملے گی کہ وہ کچھ عذر پیش کریں تباہی ہوگی اس روز جھٹلانے والوں کے لئے ہے۔

یہ ضمیر سے مراد قصر ہے۔ لفظ کو دیکھتے ہوئے مفرد ضمیر ذکر کی جمالت گویا یہ شمر کی دوسری صفت ہے۔ حنفیہ ہمزہ اور اسانی۔ مہم اللہ تعالیٰ نے جمالت الف کے بغیر پڑھا ہے جو جمل کی جمع ہے۔ جبکہ باقی قراء نے جمالات پڑھا ہے جو جمل کی جمع ہے اور جمالت جمل کی جمع ہے۔ گویا یہ جمع الجمع ہوئی۔

نصر یہ اصغر کی جمع ہے۔ انکارے میں کیونکہ آگ ہوتی ہے اس لئے وہ زرد ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کہ یہ اس کا معنی سیاہی ہے۔ ظن سے مراد جہنم کی آگ کے انکارے سے تاریکی کی طرح سیاہی ہوں گے۔ عرب سیاہ اونٹوں کو زرد کہتے ہیں۔ وہ زردی پائل ہوتے

تھے۔ پہلی تشبیہ میں ان کی عظمت کا بیان تھا اور اس تشبیہ میں رنگت، کثرت پے در پے آنے، ملے ہوئے ہونے اور تیز حرکت کرنے کا بیان ہے۔

۳۔ جو آگ اور عذاب کو جھٹلاتے تھے اس روز ان کے لئے ہلاکت ہے۔

۴۔ اس روز کفار ایسی بات نہ کریں گے جو انہیں فائدہ دے یا دہشت اور حیرت کی زیادتی کی وجہ سے وہ کچھ بھی نہ بولیں گے۔ بعض مواقع پر ایسے ہوگا اور بعض مواقع پر وہ کلام کریں گے۔

۵۔ لا یوذن لہم کا عطف لا ینطقون پر ہے۔ یعنی انہیں معذرت پیش کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔ فیعتذرون کا عطف لا یوذن پر ہے۔ یہ کلام اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ انہیں نہ کلام کرنے کی اجازت ہوگی اور نہ ہی وہ معذرت کر سکیں گے۔ شائد یعتذرون کوئی کلمہ اس لئے نہیں بنایا تاکہ یہ اس امر پر دلالت نہ ہو کہ انہوں نے معذرت اس لئے نہ کی کہ انہیں کلام کی اجازت ہی نہ تھی جبکہ یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ ان کا عذر تو تھا تو اس لئے فرمایا جو اپنے احسان کرنے والے سے اعراض کرے اور اس کی نعمتوں کا انکار کرے اس کے لئے کیا عذر ہو سکتا ہے۔

هَذَا يَوْمَ الْقُصْلِ جَمْعُكُمْ وَالْأَوْلِيْنَ ۝ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيدُوا ۝ وَيَوْمَ

يَوْمَ مِثْلٍ لِّلْمُكْدِّ بَيْنَ ۝ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي ظِلِّ وَعُيُونٍ ۝ وَقَوْمًا يَكْفُرُونَ ۝

” (اے کافرو) یہ فیصلے کا دن ہے (جس میں) ہم نے تمہیں اور اگلوں کو جمع کر دیا ہے۔ پس اگر تمہارے پاس کوئی چال ہے تو میرے خلاف استعمال کرو۔ تباہی ہوگی اس روز جھٹلانے والوں کے لئے۔ بے شک پرہیزگار (اللہ کی رحمت کے) سایوں میں اور چشموں میں ہوں گے اور (ان) پھلوں میں ہوں گے جن کو وہ پسند کریں گے۔“

۱۔ اسے یوم الفصل اس لئے کہا کیونکہ یہ جنتیوں اور جہنمیوں میں فرق کرتا ہے۔ جمعکم یہ ہذا کی دوسری خبر ہے یا یہ یوم الفصل سے حال ہے۔ اس میں عامل اشارہ کا معنی ہے اور ضمیر عائد محذوف ہے۔ معنی ہوگا ہم اس دن میں تمہیں اور پہلوؤں کو جمع کریں گے۔ نیز یہ جملہ علت بھی بیان کرتا ہے۔ ہذا یوم الفصل یہ فیصلے کا دن ہے کیونکہ ہم نے مومن اور جھٹلانے والے کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے تمہیں جمع کیا ہے یا یہ فصل کا بیان ہے۔

۲۔ کید سے مراد حیلہ ہے، یعنی جس طرح تم دنیا میں مومنوں کے ساتھ مکرو فریب کرتے تھے۔ اگر عذاب سے بچنے کے لئے تمہارے پاس حیلہ ہے تو آزماؤ جس طرح تم کہتے تھے۔ کیا تم میں سے دس آدمی عاجز ہیں کہ انہیں داروغوں میں سے ایک کو پکڑ سکیں۔ فکیدون میں یائے مشکلم محذوف ہے، یعنی تم اب خفیہ تدبیر کرو اس میں انہیں شرمندہ کیا جا رہا ہے اور ان کے عجز کا اظہار ہے۔ یہ جملہ شرطیہ قول محذوف کا مقولہ ہو کر جمعنا کم پر معطوف ہے۔

۳۔ جو آدمی عذاب کو جھٹلاتا ہے اس کے لئے آج ہلاکت ہے کیونکہ ان کے لئے آج عذاب سے چھٹکارہ پانے کے لئے کوئی حیلہ نہیں۔ ۴۔ جو شرک اور معاصی سے اپنے آپ کو بچاتے ہیں وہ درجات کے مختلف ہونے کے اعتبار سے گھنے درختوں کے سائے میں ہوں گے۔ فی ظلل یہ گھنے درختوں سے کنایہ ہے جس طرح لمبے قد کے لئے کہا جاتا ہے فلان طویل النجاد اگرچہ اس کے جسم پر کوئی پتہ نہ ہو کیونکہ اس وقت کوئی سورج نہیں ہوگا کہ سایہ کا تصور کیا جائے اور مومن ایسے چشموں کے پاس ہوں گے جن کا پانی جاری ہوگا جو

سب نہ ہوگا اور ان سے دوزخ جاری ہوگا جس کا ذائقہ نہیں بدلے گا اور اس کی شراب جاری ہوگی جو پینے والوں کے لئے لذت و برکت
میں دوران سے صاف شہد جاری ہوگا۔

یہ امریت چشموں میں ہوں گے جو لذت بخش ہوں گے۔ اس میں ان امر کا شعور دایا گیا ہے کہ جنت میں ہمارے لئے یہ چیزیں
جو ان کے مطابق ہوں گی جبکہ دنیا کا معاملہ مختلف ہے۔ اس میں سب لوگوں کے لئے مزا ایسا جیسا ہے۔

كُفُوا شَرِبُوا هَنِيئًا بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٣٦﴾ اِنَّا كُنَّا لَنَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿٣٧﴾

وَيَوْمَ يَوْمِنَا لَمَكَّدًا بَيْنَ ﴿٣٨﴾

پس کہا جائے گا (مزے سے کھاؤ اور چون ان اعمال کے صلہ میں جو تم کیا کرتے تھے) ہم یونہی صفا دیا کرتے ہیں۔

یہ دن وہ دن تباہی ہوگی اس روز جھٹلانے والوں کے لئے ہے۔

یہی ظنل ہنس شبہ فعل کے متعلق ہے۔ اس کی ضمیر مرفوع سے یہ دونوں فعل حال ہیں جبکہ ان سے پہلے قول محذوف ہو یہ یقال
ہوئے مقدرہ نئے کے ساتھ یہ جملہ معترضہ ہے۔

ہب پر صذر محذوف کی صفت ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی اکتلا ہنیئا یا مہین کے معنی میں ہو کر یہ حال ہے۔ ہا اتا ہے ہیں
میں مستند لائق نہ ہو اور آخر میں بد ہنسی نہ ہو۔ یہ جملہ اس لئے ہے کہ تمہارا دل پختہ اعتقاد رکھتا تھا اور تم نے طاعات بخلا
میں مارا نہ تھا صرف کہیں۔ ان المستقین والا جملہ مستانفہ ہے۔ تو یہ ایک مقدر سوال کا جواب ہے۔ اس میں جب جھٹلانے والوں
سے انجام کے حال کو سن لیتا ہے تو جو جھٹلاتے نہیں ان کے حال کے بارے میں سوال کرتا ہے۔

یہ کذلک مابعد فعل کا مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے منسوب ہے جملہ فعلیہ ان کی خبر ہے اور جملہ اسمیہ سابقہ جملہ ان کی خبر ہے۔
محسین سے مراد متقین ہیں ان سے خاص نہیں ورنہ اعلیٰ کو ادنیٰ کے ساتھ تشبیہ و ینال لازم آنے کا اس میں لوگوں کو احسان پر یہ سمجھتے یہ
کیا ہے اے نبی! احسان سے کام لو اللہ تعالیٰ تمہیں جزاء دے گا جس طرح ہم نے ذکر کیا ہے۔ احسان کا خاص معنی یہ ہے کہ تو اپنے
دین میں سب بات کرے گویا تو اسے دیکھ رہا ہے، اگر تو اسے نہ دیکھ سکے وہ تو تمہیں دیکھ رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جو میں
سے سوال کے جواب میں یہی ارشاد فرمایا تھا۔ اسے شیخین نے اپنی صحیحین میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کے یہ ہے۔
یہ جنت کا نیکار کرتے تھے انہیں جنت کی نعمتوں سے محروم رکھا جائے گا۔ میں ان کی ہلاکت ہوگی۔

كُفُوا سَمِعُوا قَلِيلًا اِنَّكُمْ صَجِرْتُمْ ﴿٣٩﴾ وَيَوْمَ يَوْمِنَا لَمَكَّدًا بَيْنَ ﴿٤٠﴾

اے مشرک! اب کھا لو اور عیش کر لو تھوڑا سا وقت بے شک تم مجرم ہو۔ تباہی ہوگی اس روز جھٹلانے والوں کے لئے ہے۔

یہ جملہ جملہ مستانفہ ہے۔ دنیا میں جھٹلانے والوں کو بطور دھمکی خطاب ہے۔ قلیلا مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے منسوب ہے یہ
فعل ہے ہونے کی حیثیت سے منسوب ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی اکتلا قلیلا یزہانا قلیلا، یعنی جب تک دنیا میں ہو اس وقت تک مدنی
مردہ رہتے ہیں۔ منقطع ہو جائیں گی۔ انکم صجرتمون یہ جملہ معنی دینے کی نعمت بیان کر رہی ہے۔

یہ سب انہوں نے تھوڑے سے لطف کے عوض اپنے آپ کو عذاب پر پیش کیا تو اس وجہ سے ان کے ہلاکت ہے۔

ابن منذر نے مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ثقیف کے وفد کو ایمان اور نماز کا حکم دیا تو انہوں نے جواب دیا ہم تجبیہ نہیں کریں گے کیونکہ یہ گالی ہے۔ قاموس میں تجبیہ کا معنی یہ ہے کہ گھٹنوں اور زمین پر ہاتھ رکھنا یا منہ کے بل زمین پر گرنا کیونکہ یہ عمل ذلت و شرمندگی کا سبب ہے تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

وَ إِذَا قِيلَ لَهُمْ ارْكَعُوا لَا يَرْكَعُونَ ﴿١١﴾ وَيَلَّيْ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿١٢﴾ فَيَأْتِي
حَدِيثٌ بَعْدَ كَيْفِ مَثُونٍ ﴿١٣﴾

”اور (آج) جب ان سے کہا جاتا ہے اپنے رب کے سامنے جھکو تو نہیں جھکتے۔ تاہی ہوگی اس روز جھٹلانے والوں کے

لئے۔ آخر کس بات پر وہ اس کتاب کے بعد ایمان لائیں گے۔“

۱۔ یہ جملہ معترفہ کفار کی مذمت کے لئے ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ التفات کے طریقہ پر مجرموں پر معطوف ہوا۔ التفات خطاب کے صیغہ سے غائب کے صیغہ کی طرف ہو، یعنی تم مجرم ہو اور جب انہیں نماز کی دعوت دی جائے تو وہ نماز نہیں پڑھتے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ اس کا عطف مکذبین کے مضمون پر ہے، یعنی ان لوگوں کے لئے ہلاکت ہے جنہوں نے جھٹلایا اور جب انہیں نماز کے لئے بلایا گیا تو انہوں نے نماز نہ پڑھی۔

۲۔ جو امر اور نہی کا انکار کرتے تھے ان کے لئے ہلاکت ہے۔

۳۔ قرآن کے بعد کس پر ایمان لاؤ گے۔ یہ استفہام انکاری ہے، یعنی جب وہ قرآن پر ایمان نہیں رکھتے تو وہ کسی دلیل پر ایمان نہیں لائیں گے۔ قرآن نظم و معنی کے اعتبار سے اعجاز کی کئی وجوہ پر مشتمل ہے۔ نیز اس میں واضح اور روشن دلائل پائے جاتے ہیں۔ جب اس سورت کا سیاق عموماً ڈرانے پر دلالت کرتا ہے جس طرح سورہ انسان کا سیاق لطف و مہربانی پر دلالت کرتا ہے تاکہ وہ عموماً اطاعت کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سورہ ہود، واقعہ، مرسلت، عم یسألون اور اذا الشمس کورت نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے۔ اسے حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے اور ابن مردود یہ رحمۃ اللہ نے سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔

بلکہ اس پر ایمان لانا واجب ہے کیونکہ وہ واضح ہے اس کی شان عظیم ہے اور وہ بہت واضح ہے، اس کے بارے میں سوال کی ضرورت نہیں۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اور اکثر مفسرین کی رائے میں النبا العظیم سے مراد قرآن ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ہو نبأ عظیم۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے مراد حضور ﷺ کی بعثت کی خبر ہو (1)۔

۳۔ اسم موصول اپنے صلہ کے ساتھ مل کر النبا کی صفت ہے۔ ہم ضمیر اسی اسم کی طرف راجع ہے جس طرف يتساء لون کی ضمیر فاعل راجع ہے۔ وہ کفار مکہ ہیں کیونکہ وہ سوال استہزاء اور انکار کے طور پر کرتے تھے۔ تو پھر معنی یہ ہوگا ان میں کچھ ایسے لوگ ہیں جو قیامت کا قطعی طور پر انکار کرتے ہیں کچھ شک کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ بھی احتمال ہے کہ يتساء لون کی ضمیر اہل مکہ کی طرف لوٹ رہی ہو وہ مومن ہوں یا کافر۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا ان میں سے کچھ وہ لوگ ہیں جو قیامت کی تصدیق کرتے ہیں اور اس کے بارے میں اس لئے سوال کرتا ہے تاکہ حقیقت حال واضح ہو اور یقین میں اضافہ ہو اور ان میں سے کچھ ایسے لوگ ہیں جو قیامت کا انکار کرتے ہیں اور استہزاء اور انکار کے طور پر اس کے بارے میں پوچھتے ہیں۔

كَلَّا سَيَعْلَمُونَ ۝ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُونَ ۝ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهْدًا ۝ وَّ الْجِبَالَ اَوْتَادًا ۝ وَّ خَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ۝ وَّ جَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۝

”یقیناً وہ اسے جان لیں گے۔ پھر یقیناً وہ اسے جان لیں گے (کہ قیامت برحق ہے)۔ کیا ہم نے نہیں بنا دیا زمین کو بچھونا اور پہاڑوں کو میٹھیں اور ہم نے پیدا کیا ہے تمہیں جوڑا جوڑا اور ہم نے بنا دیا ہے تمہاری نیند کو باعث آرام۔“

۱۔ کلا جھڑکنے کے لئے ہے۔ انہیں اس اختلاف سے جھڑکا جا رہا ہے جو تمام یا بعض کے انکار پر مبنی ہے۔ عنقریب کافر جان لیں گے کہ یہ حق ہے۔ یہ دنیا میں ہی معلوم ہو جائے گا یا جب وہ قبر میں جائیں گے۔

۲۔ یا پھر قیامت کے روز انہیں معلوم ہو جائے گا۔ یہاں تکرار مبالغہ کے لئے ہے اور اس امر پر دلالت کرنے کے لئے ہے کہ انہیں وعید دو دفعہ لاحق ہوگی۔ ان میں سے ایک قبر میں ہوگی اور دوسری قیامت برپا ہونے کے بعد ہوگی۔ ثم کا کلمہ اس بات کا شعور دلانے کے لئے ہے کہ دوسری وعید پہلی سے زیادہ بلیغ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی ایسی صنعتوں کا ذکر کیا جن سے اللہ تعالیٰ کی توحید، موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے پر قدرت اور نعمتوں پر شکر بجالانے کے واجب ہونے پر استدلال کیا جاسکتا ہے۔ شکر بجالانے کی صورت یہ ہے کہ جو انسان توحید اور عبادت کی طرف بلاتا ہے اس کی اتباع کی جائے۔

۳۔ مہادا سے مراد بستر ہے۔ اس میں استفہام تقریری ہے، یعنی مخاطب کو اقرار اور عبادت پر براہین عینہ کیا گیا ہے یا پھر یہ استفہام انکاری ہوگا تو نفی کے انکار کا مطلب بھی اثبات ہوتا ہے تو اس کا معنی یہ ہوگا ہم نے زمین کو بچھونا بنایا۔

۴۔ پہاڑوں کو میٹھیں بنایا تاکہ وہ ایک طرف جھک نہ جائے۔

۵۔ ہم نے تمہیں نذکر اور مونث صنفوں میں پیدا کیا۔

۶۔ نیند کو تمہارے اعمال کو ختم کرنے والا بنایا تاکہ تمہارے بدن راحت پائیں۔ سبت کا معنی قطع کرنا ہے۔

وَّ جَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا ۝ وَّ جَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۝ وَّ بَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا

سَدَادًا ۱۱ وَجَعَلْنَا بَرَّاجًا وَهَاجًا ۱۲

نیز ہم نے بنا دیارات کو پردہ پوشی اور ہم نے دن کو روزی کمانے کے لئے بنایا ہے اور ہم نے دن کے لئے سات مضبوط (آسمان) سے اور ہم نے ہی ایک نہایت روشن چراغ بنایا ہے۔

جَعَلْنَا کے مختلف حلقنا پر ہے۔ رات کو لباس اس لئے فرمایا کیونکہ رات ہر چیز کو تاریکی کا لباس پہنا دیتی ہے۔ آسمان سے آواز آتا ہے اور آوازیں کو سکون عطا کرتی ہے جس میں سونے والا آرام حاصل کرتا ہے۔

جس دن کو روزی کا سبب بنایا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے جو حصہ معین فرمایا ہے تاکہ اس کو حاصل کر سکو۔ دن میں تمہیں نہ ہمت اور نہ دیر کے مہل کے لئے آتے جاتے ہو۔

سَدَادًا اس سے مراد سات مضبوط آسمان ہیں۔ دن پر زمانے کے نزلنے سے پہلے نہیں ہوتا۔

جَعَلْنَا یہ حلقنا کے معنی میں ہے، یعنی ہم نے پیدا کئے۔ یہ بھی احتمال ہے۔ فعل کا پہلا مفعول محذوف ہو جو الشمس سے ہے۔ آسمان نے سورج کو چمکتا ہوا اور دھکتا ہوا بنایا ہے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی ہے ہم نے اس میں نور اور آواز پیدا کی ہے۔ وہ صبح اور آوازوں کو جمع ہوتی ہے۔ (1)

وَأَنْزَلْنَا مِنْ السَّعِيرَاتِ مَاءً كَثِيرًا ۱۱ لِيُخْرِجَ بِهِ حَبًّا وَنَبَاتًا ۱۲ وَجِئْتِ الْكَافَّةَ ۱۳

إِنَّ يَوْمَ الْقَصْرِ كَانَ حَقِيقَاتًا ۱۴ يَوْمَ يَنْفَخُ فِي الصُّورِ فَتَأْتُونَ أَقْوَابًا ۱۵

اور ہم نے برسا یا بادلوں سے موسلا دھار پانی اتارنا کہ تم اس کے ذریعہ اناج اور پھل بنائے۔

سَدَادًا سے مراد سات مضبوط آسمان ہیں۔ جس سے سورج چمکتا ہے اور آوازوں کو جمع کرتا ہے۔

سَدَادًا سے مراد سات مضبوط آسمان ہیں۔ جس سے سورج چمکتا ہے اور آوازوں کو جمع کرتا ہے۔

ابو العالیہ اور شاک رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا عصرات سے مراد بانس ہیں۔ یہ ان رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ (2) اس تعبیر کی بنا پر ہم نسبت کے لئے ہوگا۔

ابو العالیہ اور شاک رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا عصرات سے مراد بانس ہیں۔ یہ ان رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

جس صبح ایک عورت جو حیض کی عمر کو پہنچ چکی ہو لیکن ابھی اسے حیض نہ آیا ہو اس کے لئے عصرات الحجاریہ تہہ ہوتی ہیں۔

سَدَادًا سے مراد بانس ہیں۔ یہ زہدہ تعصرون سے مشتق ہے۔ حضرت مسن بن سعید بن ابی ہریرہ

بن اسلم اور قتاد بن نیمان رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا عصرات سے مراد آسمان ہیں (3)۔ ان تاویلات کی صورتوں میں سے اللہ تعالیٰ

کا۔ یہ رحمت اللہ علیہ نے ہاء ثجاجا کا معنی بہت زیادہ برسنے والا کیا ہے۔ قتاد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا معنی پدید آنا یا

دن زیادہ رحمت اللہ علیہ نے اس کا معنی زیادہ کیا ہے (4)۔ تمام کا منہوم ایک ہی ہے۔

جس سے اس پانی کے ذریعے دانے نکالیں جسے لوگ کھائیں جس طرح گندم اور جو اور ہاتھ اگائیں جسے چور کھائیں۔

سَدَادًا سے مراد بانس ہیں جن کے درخت ایک دوسرے میں الجھے ہوئے ہوں۔ الفافا لف کی جمع ہے بانس اور حرجون

اجزاء آتی ہے یا لفیف کی جمع ہے جس طرح شریف کی جمع اشرف آتی ہے یا اس کی واحد نہیں جس طرح اوضاع کی واحد نہیں ہے یا یہ جمع الجمع ہے۔ لفافہ کی جمع لف اور لف کی جمع لفاف ہے۔ لفافہ گھنے درخت کو کہتے ہیں۔ جنہ لفاف جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ ان چیزوں کے پیدا کرنے پر قادر ہے تو وہ ذات اس بات پر بھی قادر ہے کہ انہیں دوبارہ پیدا کرے اور ان بڑے بڑے امور کا تصور ایک حکیم فاعل سے ہی کیا جاسکتا ہے۔ اس کا عبث ہونا یا حکمت کے منافی ہونے کا تصور نہیں کیا جاسکتا سامع کیونکہ قیامت کے دن کی صفات کو جاننے کا محتاج ہوتا ہے اس لئے نئے جملہ سے کلام کو شروع کیا۔

یہ حق و باطل میں امتیاز کرنے والا دن اللہ تعالیٰ کے علم اور حکم میں معین ہے۔ یہی ثواب اور سزا کا وقت معین ہے۔ یا اس کا معنی یہ ہے یہ دنیا کی حد ہے جہاں آکر دنیا ختم ہو جائے گی۔ یا یہ دن مخلوقات کی حد ہے یہاں آکر مخلوقات ختم ہو جائے گی۔

یوم ینفخ یہ یوم الفصل سے بدل ہے یا اس کا عطف بیان ہے یا یہ میقاتنا سے بدل ہے یا کان کی دوسری خبر ہے۔ مسعود رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ صور سینک کی شکل کا ہوگا جس میں پھونکا جائے گا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ سورہ حاقہ میں بھی یہ بات گزر چکی ہے۔ حضرت وہب رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ وہ سفید موتی کا ہوگا، شیشے جیسا صاف اور شفاف ہوگا۔ اس میں ارواح کی مقدار کے برابر سوراخ ہوں گے۔ سورہ مدثر میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

فتاتون کا عطف ینفخ پر ہے۔ اھو اجایہ فتاتون کے فاعل سے حال ہے، یعنی تم اپنی قبروں سے مختلف جماعتوں کی صورت میں حساب کی جگہ کی طرف آؤ گے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہمیں صادق مصدوق رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ قیامت کے روز لوگوں کو تین جماعتوں کی صورت میں اٹھایا جائے گا۔ ایک جماعت ایسی ہوگی جو سیر ہوگی، لباس زیب تن کئے ہوگی۔ اور سوار ہوگی دوسری جماعت پیدل ہوگی اور ایک جماعت منہ کے بل گھسیٹی جا رہی ہوگی (۶)۔ اسے امام نسائی، حاکم اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّورِ فَتَاتُونَ اٰھُوْا جَاۡحَاۡیَ تِلَاوٰتِ کِی، فرمایا میری امت دس جماعتوں کی صورت میں اٹھائی جائے گی، ایک جماعت بندروں کی صورت میں اٹھائی جائے گی۔ وہ قدریہ (ا) ہیں، ایک جماعت خنزیروں کی صورت میں اٹھائی جائے گی۔ وہ مرجہ (ب) ہیں، ایک جماعت بندروں اور کتوں کی صورت میں اٹھائی جائے گی۔ وہ حروریہ (ج) ہیں، ایک جماعت گدھوں کی صورت میں ہوگی۔ وہ رافضی (د) ہیں، ایک جماعت چھوٹی چیونٹیوں کی شکل میں ہوگی وہ تکبر ہیں، ایک جماعت چوپاؤں کی شکل میں ہوگی وہ سوخور ہیں، ایک جماعت درندوں کی شکل میں ہوگی وہ زنادقہ ہیں، ایک جماعت کومنہ کے بل گھسیٹا جا رہا ہوگا وہ تصویریں بنانے والے، عیب جوئی کرنے والے اور طعنہ زنی

1۔ مستدرک حاکم: 8685، جلد 4، صفحہ 608 (العلمیہ)

(ا) یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے افعال کے بارے میں خالق ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کوئی عمل دخل نہیں مانتے۔

(ب) یہ تصدق تلبی کو کافی سمجھتے ہیں، اعمال صالحہ کو کچھ بھی اہمیت نہیں دیتے۔

(ج) یہ وہ جماعت ہے جنہوں نے حرورہ کے مقام پر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کی تھی۔ یہ لوگ حضرت عثمان غنی، حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہم کو ایماندار نہیں جانتے۔

(د) یہ وہ جماعت ہے جو صرف چند صحابہ کو مومن سمجھتی ہے، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور دوسرے صحابہ کو مومن نہیں مانتی اور ان پر طعن و تشنیع کرتی ہے۔

رہے ہیں، ایک جماعت ناز و ادا سے چل رہی ہوگی۔ وہ مقررین ہیں، ایک جماعت حاضرت میر میں ہوگی۔ وہ وہاں ہونگے۔ اسے ہیں۔ اسے ابن مسعود رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا، فرمایا یہ حدیث منکر ہے، اس کی سند میں مجہول لوگ ہیں۔

خطیب رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا ہے میری امت دس جماعتوں میں اٹھائی جائے گی۔ ان میں سے چھ بندروں کی صورت میں ہوں گے۔ وہ چغل خور ہیں، بعض خنزیر کی شکلوں میں ہوں گے۔ وہ حرام خور ہیں، بعض زنا نہیں کرتے اور سر پیچے ہوں گے۔ انہیں منہ کے بل کھسیٹا جا رہا ہوگا۔ وہ سود خور ہیں، ان میں سے بعض اندھے ہوں گے، ادھر ادھر ٹرکھارتے ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو فیصلوں میں ظلم کرتے تھے۔ بعض ان میں سے بہرے گوتے ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے اعمال پر نادم تھے، ان میں سے بعض اپنی زبانیں چہار رہے ہوں گے جبکہ ان کی زبانیں ان کے سینوں پر لٹک رہی ہوں گی، ان کے منہ سے پیپ بہ رہی ہوگی۔ تمام لوگ ان سے نفرت کریں گے۔ یہ وہ عمامہ اور قصہ گو ہیں جن کے اعمال ان کے اقوال کے مخالف ہوں گے۔ بعض کے ہاتھ پاؤں کٹے ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے پڑوسیوں کو تکلیفیں دیتے تھے، بعض کو آگ کی سولیوں پر لٹکایا گیا ہوگا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کو بادشاہ کے پاس لے جاتے تھے (تاکہ وہ لوگوں پر ظلم کرے)، بعض مرداروں سے بھی زیادہ بد بودار ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو شہوات اور لذات سے لطف اندوز ہوتے تھے اور اپنے مالوں میں اللہ تعالیٰ کے حق کو روکتے تھے، بعض کو ایسے نئے پہنانے جانی گئے جن سے تار کول بہ رہی ہوگی۔ وہ منکبہ اور فخر و غرور کرنے والے ہیں۔ امام شعبان رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت بروہان عازب سے، انہوں نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے اس طرح روایت کیا ہے۔

وَفُتِحَتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ أَبْوَابًا ۖ وَسِيرَتِ الْجِبَالُ كَأَنَّهَا إِهَابٌ ۚ
جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ۚ

”اور کھول دیا جائے گا آسمان۔ تو وہ دروازے ہی دروازے بن کر رہ جائے گا۔ اور حرکت دئی جائے گی پہاڑوں جوتو
وہ مراب بن جائیں گے۔ درحقیقت جہنم ایک گھات ہے۔“

فتح کا معنی پھاڑ دیا گیا۔ اہل کوفہ نے اسے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے تشدید کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ
مبالغہ اور نثر کو بیان کرنے کے لئے ہے۔ اس جملے کا عطف تاتون پر ہے جبکہ یہ جملہ استقبان کے معنی میں ہے۔ یا یہ جملہ قد کے
مقدومانے کے ساتھ حال ہوگا یا بعد سورت کا بھی یہی معنی ہوگا۔
آسمان دروازوں والا ہو جائے گا یا مبالغہ پر اسے محمول کیا جائے گا۔ مراد یہ ہوگا کہ زیادہ سوراخ ہونے کی وجہ سے یوں محسوس ہوگا کہ
وہ آسمان سارے کا سارا دروازہ ہے۔

پہاڑوں کو زمین سے ہوا میں ذرات کی طرح چھلایا جائے گا تو پہاڑ ایک مراب ہو جائے گا۔ صحاح میں اس طرح ہے جو چیز کھے
میدان میں پانی کی طرح چمکے اسے مراب کہتے ہیں۔ یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ پہاڑ ایسی چیز ہو جائیں گے جن کو یوں حقیقت
تہ ہوگی کیونکہ ان کے اجزاء بکھر چکے ہوں گے۔ جب اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں کے حساب کے لئے آنے کا ذکر فرمایا ہے اور اسے
مراہ کیا تو سماع کے ذہن میں یہ اشتیاق پیدا ہوا کہ ان کے حالات کی تفصیل جانے۔ سرکشوں کا پہلے ذکر کیا گیا کیونکہ لوگوں نے اس خوف
بشارت کی نسبت زیادہ اہم ہوتا ہے۔

۳۔ مرصاد کا معنی گھات لگانے کی تیاری کرنا یا ایسی جگہ جس میں لوگ گھات لگا کر بیٹھے ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ عذاب کے فرشتے اور رحمت کے فرشتے جہنم کے پل پر لوگوں کی تاڑ میں بیٹھے ہوتے ہیں۔ عذاب کے فرشتے تو کفار کی تاڑ میں ہوتے ہیں تاکہ انہیں پکڑ لیں اور جہنم میں پھینک دیں اور انہیں عذاب دیں۔ جہاں تک رحمت کے فرشتوں کا تعلق ہے وہ مومنوں کی تاڑ میں ہوتے ہیں تاکہ جہنم پر سے گزرتے ہوئے اس کی آگ اور صراط کے آنکڑوں (۱) سے مومنوں کو محفوظ رکھیں۔ اگر یہ تاویل کی جائے تو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جہنم ایک راستہ ہے جس پر سے تمام لوگ گزریں گے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَإِنْ مِنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا۔

تو مرصاد کا حقیقی معنی گھات کا راستہ ہوگا یا التزامی معنی راستہ مراد ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی ہے کہ جہنم کفار کے لئے تیار کی گئی۔ کہتے ہیں ارض صعدت الشیء۔ یہ جملہ اس وقت بولتے ہیں جب تو اس چیز کو تیار کرے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ مرصاد مبالغہ کا صیغہ ہو یعنی جہنم کفار کو بڑی سختی سے تاڑے گی تاکہ ان میں سے کوئی بھی بھاگ نہ جائے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضور ﷺ سے سنا آپ فرماتے ہیں صراط اس طرح تیز ہوگی جس طرح تلوار کی دھار ہوتی ہے۔ فرشتے مومن مردوں اور مومن عورتوں کی حفاظت کر رہے ہوں گے۔ جبرئیل امین میری کمر کو پکڑے ہوں گے اور میں کہہ رہا ہوں گا اے میرے رب (میری امت کو) محفوظ رکھ جبکہ پھسلنے والے مرد اور عورتیں کثیر ہوں گی۔ ابن مبارک، بیہقی اور ابن ابی الدنیا رحمہم اللہ تعالیٰ نے عبید بن عمیر رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ پل صراط جہنم پر اس طرح ہوگی جس طرح تلوار کی دھار ہوتی ہے۔ اس کی دونوں طرف آنکڑے اور کانٹے ہوں گے جو لوگوں کو اچک لیں گے۔ مجھے قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اس کے آنکڑے کے ساتھ ربیعہ اور مسقر قبائل سے زیادہ لوگوں کو پکڑ لیا جائے گا۔ فرشتے اس کی ایک طرف ہوں گے اور کہہ رہے ہوں گے اے رب انہیں محفوظ رکھنا، اے رب انہیں محفوظ رکھنا۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے عبید بن عمیر رضی اللہ عنہ سے یہی روایت کیا ہے۔ پل صراط تلوار کی طرح تیز اور پھسلنے کی جگہ ہوگی۔ فرشتے اور انبیاء کھڑے ہوں گے کہہ رہے ہوں گے اے ہمارے رب سلامتی عطا فرما، سلامتی عطا فرما، جبکہ فرشتے آنکڑوں کے ساتھ اچک رہے ہوں گے۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا مقسم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جہنم کی پل پر انسان کو سات دفعہ روکا جائے گا پہلی منزل پر اس سے لا الہ الا اللہ کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ اگر وہ اس کے بارے میں مکمل شہادت دے تو وہ اگلی منزل کی طرف بڑھ جائے گا۔ وہاں اس سے نماز کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ اگر وہ اس کے بارے میں مکمل جواب دے دے تو تیسری منزل کی طرف بڑھ جائے گا۔ تو اس سے زکوٰۃ کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ اگر اس نے یہ بھی عمل کیا ہوگا تو وہ چوتھی منزل کی طرف بڑھ جائے گا۔ وہاں اس سے روزوں کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ اگر اس نے روزے بھی مکمل ادا کئے ہوں گے تو وہ پانچویں مرحلے کی طرف بڑھ جائے گا۔ وہاں اس سے حج کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ اگر اس نے اسے بھی مکمل کیا ہوگا تو وہ چھٹے مرحلے کی طرف بڑھ جائے گا تو وہاں اس سے عمرہ کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ اگر اس نے اسے بھی ادا کیا ہوگا تو وہ ساتویں منزل کی طرف بڑھ جائے گا۔ تو اس سے مظالم کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ اگر وہ اس سے بھی بچ گیا تو بہتر ورنہ اسے کہا جائے گا انتظار کرو۔ اگر اس کے نوافل ہوئے تو اس کے اعمال مکمل کر دیئے جائیں گے۔ جب وہ اس سوال و جواب سے فارغ ہوگا تو جنت میں جائے گا۔

لِلطَّاعِينَ مَا بَاءُ ۝ لِبِشِينٍ فِيهَا أَحْقَابًا ۝ لَا يَذُوقُونَ فِيهَا بَرْدًا وَلَا شَرَابًا ۝

(۱) لوہے کی سلاخیں جن کے سرے مڑے ہوئے ہوں۔

إِلَّا حَيْبًا وَغَسَّاقًا ۝

(۱) سرکشوں کا ٹھکانا ہے پڑے رہیں گے اس میں عرصہ دراز لے وہ نہیں چھوڑیں گے اس میں کوئی ٹھکانہ چیز ہے۔ یا ان
بجڑھولتے پانی اور گرم پیپ کے ہے۔

۱۔ للتطعین یہ سابقہ آیت میں موجود کانت کی یا تو خیر ثانی ہوگی یا مرصاد کی صفت ہوگی یا مابنا سے حال ہوگا یا یہ مرصاد کی طرف
کی یا مابنا کی طرف ہوگی۔ طاعی اسے کہتے ہیں جو نافرمانی میں حد سے تجاوز کرتے۔ یہ اس وقت تک متحقق نہیں ہوتا یہاں تک کہ
— بائیں کفر اور تکذیب کا قطعی حکم نہ لگایا جائے اور یہ چیزیں صراحتاً اس میں پائی جائیں تو اسے کافر کہتے ہیں۔ اور نہ پتہ
اقضایا پائی جائیں تو اسے رافضی یا قدری یا مرجہ اور اسی طرح کے اہل ہوا کہتے ہیں۔

مابنا یہ کانت کی ایک اور خبر ہے۔ حمزہ اور یعقوب نے انف کے بغیر لبتین پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے انف — ناھ است
قلم کا سبب پڑھا ہے۔ یہ طاعی کی ضمیر سے حال ہے۔ فیہا میں ہا ضمیر سے مراد جہنم ہے۔ احقاب حطب بن یزید بن حطب
سال سے عرصہ کو کہتے ہیں ہر سال بارہ مہینوں کا ہوگا۔ ہر مہینہ میں دنوں کا ہوگا۔ ہر دن ہزار سال کا ہوگا۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے
حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا۔ صحیح روایت اللہ علیہ نے
احقاب نہتا لیس حطب کو کہتے ہیں۔ ہر حطب ہزار سال کا ہوتا ہے ہر خریف سات سو سال کا ہوتا ہے۔ ہر سال تین سو سال کا ہوتا
ہے۔ ہر دن ہزار سال کا ہوتا ہے (۱)۔ مقالہ بن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ایک حطب سات سو سال کا ہوتا ہے (۲)۔ مقالہ بات
پر دلالت کرتی ہیں کہ کفار آگ اور عذاب میں ہمیشہ رہیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ وہ عذاب میں ہمیشہ رہیں گے۔ اسی نے
اتماح ہے۔ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے مرد بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اگر جہنمی یہ جان لیں کہ وہ جہنم میں
ہرگز خوش ہو جائیں گے۔ اگر جنتی یہ جان لیں کہ وہ جنت میں دنیا کے اعدائے ہرگز نہیں گئے تو وہ تمسین ہو جائیں گے۔
جب یہ مذکورہ مدت متناہی ہے تو مفسرین ان آیات کی تاویل کی طرف گئے ہیں اور انہوں نے یہ کہا ہے کہ یہ آیت اللہ تعالیٰ سے ان زمان
فَدَنْ شَرِّهَا كَمَا إِذَا عَدَّ أَبَا سَعْدٍ عَدَّ عَدَاؤَهُ جَاوِدًا حَاصِلًا ہوا ہے۔

میں یہ کہتا ہوں کہ یہ خبر ہے اور خیر نسخ کا تقاضا نہیں کرتی۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے اس کی تائید میں فرمایا اللہ تعالیٰ
جہنمیوں کے لئے کوئی مدت معین نہیں کی بلکہ فرمایا لا یسئل فیہا احقابا۔ اللہ کی قسم ایک حطب قسم نہیں ہوگا۔ دو۔ احقاب شروع ہو
جائے گا۔ پھر تیسرا شروع ہو جائے گا۔ یہ سلسلہ ہمیشہ کے لئے جاری رہے گا تو احقاب سے مراد کوئی مخصوص مدت نہیں بلکہ وہ
سے (۱)۔ ان وجہ سے امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس سے پے در پے زمانے مراد ہیں۔ اس میں ایک کوئی دلالت نہیں جو ان
کے جہم سے نکلنے پر دلالت کرے۔ اگر ایسا ہوتا بھی تو یہ منہوم کے قبیلہ سے ہوتا جو اس سرتج کلام کے مقابل نہیں آسکتا جو کفار کے جہم
میں ہمیشہ رہنے پر دلالت کرتا ہے (۴)۔ ہاں ہم یہ کہتے ہیں کہ سرتج کلام کے مقابل کلام کا منہوم نہیں ہو سکتا۔ اسی وجہ سے ہم کفار کے جہم
میں ہمیشہ رہنے کا قول کرتے ہیں۔ اسی پر علماء کا اجماع ہے اور اس کی تاویل کرنا واجب ہے۔ تاہم اس کی تاویل نیز متناہی زمانہ یا پ
در پے در پے سے کرنا بھی ضعیف ہے کیونکہ اس صورت میں اس لفظ کے ساتھ اس کی قید لگانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ یہ تو مفسر تو یہ تھا

خلاف مقصود وہم کا ازالہ ہو کیونکہ جب احقاب کی غیر متناہی زمانہ کی طرف نسبت کی جائے (غیر متناہی زمانہ مراد لیا جائے) تو یہ اسی طرح ہے جس طرح ایام کی اس کی طرف نسبت کر دی جائے تاہم اس میں کوئی شک نہیں۔ اگر یہ کلام کی جاتی لابسین فیہا ایاما تو ذہن اس طرف متوجہ نہ ہوتا کہ وہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے بلکہ ذہن اس طرف جاتا کہ وہ اس جہنم سے چھٹکارا حاصل کر لیں گے تو یہاں بھی صورتحال یہی ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ احقاب حقب کی جمع ہے جو حقب الرجل سے مشتق ہے جس کا معنی آدمی محتاج ہوا ہے۔ اسی طرح حقب العام اس وقت بولتے ہیں جس سال میں بارش اور فصلیں کم ہوں تو اس صورت میں احقابا لابسین کی ضمیر سے حال ہوگا، یعنی انہیں رزق نہیں دیا جائے گا۔ اس صورت میں بعد والی آیت اس کی تفسیر ہوگی۔ میں کہتا ہوں حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ اور دوسرے اصحاب سے مروی آثار اس تاویل کا انکار کرتے ہیں کیونکہ وہ آثار مرفوع کے حکم میں ہیں کیونکہ ان میں رائے اور اجتہاد کا کچھ عمل دخل نہیں۔

یہ جملہ لابسین میں جو ضمیر ہے اس سے حال ہے یا یہ جملہ احقابا کی صفت ہے یا احقابا لابسین کی طرف ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ وہ کئی زمانے اس حالت میں رہیں گے کہ کھولتے ہوئے پانی اور پیپ کے سوا کوئی چیز میسر نہ ہوگی۔ احقاب پھر ایسا زمانہ ہوا جس میں وہ کوئی چیز نہ چکھیں گے۔ اس سے مطلق ظہر مراد نہیں۔ شاید اس زمانہ کے بعد انہیں کوئی کسی اور سخت عذاب کا سامنا کرنا ہوگا۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ حال مراد ہے۔ میرے نزدیک اس آیت کی تاویل یہ ہے کہ الطاغین عام نہیں۔ اس پر علماء کا اتفاق ہے۔ اسی وجہ سے تم طاغین سے مراد کفار لیتے ہو۔ اس سے اہل ہواء مراد نہیں لیتے جس کی بناء پر تمہیں یہ تکلفات کرنے پڑھ رہے ہیں تاکہ اس آیت اور دوسری آیات کے درمیان معارضہ باقی نہ رہے۔ جبکہ ہم اسے یہاں اہل ہواء پر محمول کرتے ہیں کفار پر محمول نہیں کرتے تو اس وجہ سے جو تکلفات آپ لوگوں کو درپیش ہوں گے وہ ہمیں درپیش نہیں۔ جو کچھ ہم نے کہا ہے کہ اس کی تائید وہ روایت کرتی ہے جسے بزار رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور انہوں نے حضور ﷺ سے روایت کیا ہے فرمایا اللہ کی قسم کوئی بھی جہنم سے نہیں نکلے گا یہاں تک کہ وہ اس میں کئی احقاب رہے گا۔ حقب اسی سال سے اوپر عرصہ کو کہتے ہیں۔ ہر سال تین سو ساٹھ دنوں کا ہوتا ہے جس طرح تم سال کو شمار کرتے ہو (1)۔ یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ اس مدت کے بعد وہ جہنم سے نکلیں گے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

حزہ، کسائی اور حفص رحمہم اللہ تعالیٰ نے غساقا مشدود پڑھا ہے جس طرح خباز ہوتا ہے جبکہ باقی قرآن نے تخفیف کی صورت میں پڑھا ہے جس طرح عذاب ہے۔ حمیم سے مراد سخت گرم پانی ہے۔ حدیث میں ہے سخت گرم پانی ان کی طرف لوہے کی سلاخوں کے ساتھ بلند کیا جائے گا۔ جب وہ پانی ان کے قریب ہوگا تو ان کے چہروں کو بھون دے گا جب وہ پانی ان کے پیٹ میں داخل ہوگا تو ان کے پیٹوں میں جو کچھ ہوگا سب کو کاٹ دے گا۔ اس حدیث کو امام ترمذی اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ جہاں تک غساق کا تعلق ہے۔ ہناد نے مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے کہ اس کی شدید ٹھنڈک کی وجہ سے وہ اسے چکھنے کی طاقت نہ رکھیں گے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جس طرح آگ اپنی گرمائش سے جلاتی ہے۔ اسی طرح وہ اپنی ٹھنڈک کے ساتھ جلائے گا۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ وہ چیز ہوگی جس کی ٹھنڈک اپنی انتہا کو پہنچی ہو گی۔ ہناد نے ابوالعالیہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ اس آیت میں شراب سے حمیم اور ہود سے غساق کی استثناء کی۔ امام

یہناہی رحمت اللہ علیہ نے کہا عساق کو مخراس لئے ذکر کیا تاکہ آیات کے سر سے موافق ہو جائیں۔ بنانا کے معنی جمعہ اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ عساق اس چھپ کو کہتے ہیں جو جنیموں کے جسموں سے بہہ رہی ہوگی۔ ابراہیم اور ابوہریرہین جمعہ اللہ تعالیٰ سے اس کی مشابہت کی ہے۔ یہ عربوں کے اس قول سے مشتق ہے۔ غسقت یعنی بہہ گیا اور عساق کا معنی انصاف (1) ہے۔

ابن ابی حاتم اور ابن ابی الدنیاء نے کعب رحمہم اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ عساق جنیم میں آید چشمہ ہے جس میں آبی جانور جیسے سانپ، بچھو وغیرہ کا زہر بہ کر جمع ہوگا آدمی کو اس چشمہ کے پاس لایا جائے گا تو اس میں اسے ایک نمونہ لیا جائے گا پھر اسے نکال جانے کا جبکہ اس کی جلد بڑیوں سے الگ ہو چکی ہوگی۔ اس کی جلد اور گوشت اس کے نگوں کے ساتھ چمکا ہوگا تو وہ پختہ ہوگا اور اس طرح کا جس طرح ایک آدمی اپنا کپڑا کھینچتا ہے۔ ان اقوال کی بناء پر عساق سے مراد کھنڈی چیز ہوتی ہے۔ یہ عساق برکت ہوگا ورنہ یہ اور حمیم دونوں شراب سے مستحق ہوں گے۔ اس صورت میں ہر دو سے مراد جنیم کی کھنڈ ہے اور آگ کی آگ سے یہ کھنڈ چیز ہونے یا ہر دو سے مراد زمین ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا یہ استثنا منقطع ہے اور شراب سے مراد وہ چیز ہے جو ان کی پیمائش ہوسکتی ہے۔

جَزَاءً وَقَاقًا ۝ اِنَّهُمْ كَانُوا لَا يَرْجُونَ حِسَابًا ۝ وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كِذَابًا ۝

(ان کے گناہوں کی) پوری سزا یہ لوگ (روز) حساب کی توقع ہی نہیں رکھتے تھے اور انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہے۔

جزاء مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے منسوب ہے اس کا معنی محذوف ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوتی ہے جزون جزاء وفاقا وفاقا یہ تو یہ وفاق کے معنی میں ہے یا موافق کے معنی میں ہے یا روز جزاء کی صفت ہے یا اپنے فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی وفاق وفاقا، یعنی یہ جزاء ان کے باطل اعمال کے موافق ہوگی۔ مقال رحمت اللہ علیہ نے کہا عذاب گناہ کے موافق ہوگا شراب سے بڑھ کر ان کا کوئی گناہ نہیں ہوگا (1)۔ یہ اس تفسیر کی بناء پر ہے کہ طاعین سے مراد کفار ہیں۔ اس صورت میں جزاء مصدر ہے جو اس وقت کے بعد واقع ہوا جس سے غیر معنی کا احتمال نہیں بلکہ یہی مفہوم مراد ہے۔ یہ اس طرح ہے جس طرح یہ کلام ہے نذ عسی الف ذرہم اعترافا (1) کیونکہ ان جہنم کانت مرصدا سے مراد ان کی جزاء ہی ہے۔ پس یہ تاکید لفظ ہے مگر وہ صورت ہر میں میں نے یہ ذکر کیا کہ طاعین سے مراد اہل ہوا ہے تو پھر معنی یہ ہوگا جس عذاب کا ذکر کیا گیا ہے اس کی جس سے انہیں عذاب پہنچانے کا عقائد میں ہفتادہ حق سے دور ہوں گے۔ اسی کے موافق انہیں عذاب سے حصہ دیا جائے گا۔ اس وجہ سے بعض جنیموں بعض جنیموں سے زیادہ عرصہ جہنم میں رہیں گے اور بعض کا عذاب بعض سے زیادہ سخت ہوگا مگر ان کا جہنم میں ٹھہرنا یا اس عذاب میں قہر یا یہ حسب یا احقاب تک طویل ہوگا۔ اس تاویل کی بناء پر یہ مصدر تاکید لفظ نہیں ہوگا بلکہ تاکید لفظ ہوگا کیونکہ اس صورت میں سابقہ جہنم اس مفہوم کا احتمال نہیں رکھتا جو احقاب کا مفہوم ہے۔ اسے تاکید لفظ بنا کر تاکید لفظ بنانے سے بہتر ہے یہ کہ لفظ سے یا معنی میں سابقہ لفظ کے معنی لینے سے بہتر ہے۔

وہ حساب سے ڈرتے نہیں تھے اور حساب کا اعتقاد بھی نہیں رکھتے تھے۔ یہ جملہ سابقہ جملے کی علت بیان کر رہا ہے کیونکہ کافر بے حساب اور جزاء کا مطلق اعتقاد نہیں رکھتے تھے۔ جہاں تک اہل ہوا (خارجی رافضی وغیرہ) کا تعلق ہے یہ صفت ان میں سے بعض

(1) جیسے کا مطلب بھی قرص کا اعتراف ہے اور اعتراف اسی معنی کی تاکید ہے۔

میں موجود ہے کیونکہ جو مرتد ہے وہ حساب اور جزاء کا اعتقاد نہیں رکھتے اسی طرح رافضی کہتے ہیں۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کا حمایتی اور اس سے محبت کرنے والا اسے کسی گناہ کی وجہ سے بھی عذاب نہیں دیا جائے گا وہ گناہ کبیرہ ہو یا صغیرہ ہو۔

اسے اس جملے کا عطف کانوا پر ہے۔ یہ صفت تمام اہل ہوا میں پائی جاتی ہے جس طرح ہم سورہٴ مرسلات میں ذکر کر آئے ہیں کیا تم رافضیوں کو نہیں دیکھتے کہ وہ تمام صحابہ کے مناقب کا انکار کرتے ہیں ان کے مرتد اور منافق ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ صرف تین صحابہ کے مومن ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں اور یہ گمان رکھتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور دوسرے خلفاء کو جب اللہ تعالیٰ نے زمین میں اقتدار عطا فرمایا تو انہوں نے زمین میں فساد برپا کیا اور یہ گمان رکھتے ہیں کہ صحابہ تمام امتوں سے برے اور تمام زمانے کے لوگوں سے برے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا لَنْ نُّعَذِّبَهُمْ فَخَيَّرْنَا مَقْتًا اور اس کا فرمان ہے اَلَّذِينَ اُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے السَّيِّئُونَ الْأَوْلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ اس کے علاوہ اور آیات بھی ہیں۔

کذابا یہ مصدر ہے تکذیب کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کا یہ استعمال عام ہے یا یہ مکاذبہ کے معنی ہے کیونکہ وہ مسلمانوں کے نزدیک جھوٹے تھے اور مسلمان ان کے نزدیک جھوٹے تھے یا اس کا معنی یہ ہے کہ وہ جھوٹ بولنے میں مبالغہ سے کام لیتے ہیں جس طرح غلبہ پانے والے مبالغہ سے کام لیتے ہیں۔ دونوں معنوں کی صورت میں اسے حال بنانا جائز ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ محذوف مصدر کی صفت ہو یعنی انہوں نے ایسا جھٹلایا کہ اس میں جھوٹ بولنے میں وہ حد سے تجاوز کرنے والے تھے۔

مسئلہ:- میں نے جو تاویل ذکر کی ہے اس بناء پر یہ آیت اہل ہوا (خارجی، رافضی وغیرہ) کے عذاب پر دلالت کرتی ہے۔ رہے مومنوں میں سے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنے والے تو ان کی جہنم میں رہنے کی طویل ترین مدت دنیا کے عرصہ کے برابر ہوگی یعنی سات ہزار سال۔ انہیں حمیم نہیں پلایا جائے گا اور نہ ہی اسی جیسے دوسرے سخت عذاب ہوں گے۔

ابن ابی حاتم اور ابن شاہین رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تو حید پر ایمان رکھنے والی تمام امتوں میں سے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنے والے جو توبہ کے بغیر مر گئے۔ ان میں سے جو جہنم میں داخل ہوں گے ان کی آنکھیں نیلی نہ ہوں گی ان کے چہرے سیاہ نہ ہوں گے انہیں شیاطین کے ساتھ نہیں جکڑا جائے گا انہیں بیڑیاں نہیں پہنائی جائیں گی انہیں حمیم (کھولتا ہوا پانی) نہیں پلایا جائے گا انہیں تارکول کا لباس نہیں پہنایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جسموں اور صورتوں کو سجدہ کی وجہ سے دائمی عذاب کے لئے حرام کر دیا ہے۔ ان میں سے کسی کو جہنم کا عذاب ان کے قدموں تک پہنچے گا بعض کو عذاب ایزویوں تک پہنچے گا۔ بعض کو عذاب سینے تک پہنچے گا۔ بعض کو عذاب گردن تک پہنچے گا جس طرح ان کے گناہ اور اعمال ہوں گے ان میں سے کوئی ایک سال تک جہنم میں رہے گا۔ پھر اس سے نکال لیا جائے گا اور زیادہ عرصہ وہ رہے گا جسے دنیا کی پیدائش سے لے کر اس کے فنا ہونے تک جہنم کا عذاب دیا جائے گا۔ حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے نوادر الاصول میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسی قسم کی روایت کی ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ انہیں ہتھوڑوں کے ساتھ نہیں مارا جائے گا انہیں جہنم کے سب سے نچلے گڑھے میں نہیں پھینکا جائے گا ان میں سے کوئی ایک ساعت کے لئے ٹھہرے گا۔ ان میں سے کوئی ایک دن کے لئے ٹھہرے گا ان میں سے کوئی ایک سال تک ٹھہرے گا سب سے طویل عرصہ اس کا ہوگا جو دنیا کی پیدائش سے لے کر دنیا کے فنا ہونے تک کے عرصہ میں جہنم

میں رہنے کا۔ وہ سات ہزار سال ہیں۔

میں جتن ہوں یہاں اس سال سے مراد دنیا کے سال ہیں تاکہ دنیا کے ساتھ اس کی مساوات ثابت ہو جائے۔ بعض روایات میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت مروی ہے، ”بچھو لوگوں کو جہنم کا عذاب پہنچے گا تو اللہ تعالیٰ انہیں جہنم میں موت سزا دے گا۔“

وَكُلُّ شَيْءٍ أَحْصِيَهُ كِتَابًا ۖ فَذُوقُوا فَلَنْ نَزِيدَكُمْ إِلَّا عَذَابًا ۚ إِنَّ يٰۤاٰمِنِّيْنَ مَفٰئِزًا ۙ حٰدٍ اٰتِيٍّ وَاَعْبَابًا ۙ وَكَوٰعِبًا ۙ وَكَوٰسِدٰهَاقًا ۙ

”عالم غیب ہر چیز کو ہم نے گن گن کر لکھ لیا تھا۔ پس اے منکر و (اپنے کئے کا) مزا چکھو اب ہم نہیں زیادہ کریں گے تم پر عذاب میں۔ بلاشبہ تم پر ہمیں گاروں کے لئے کامیابی ہی کامیابی ہے۔ (ان کے لئے) بانغات اور انگوروں (ان میں سے) جو ان سال ہم عمر دنیا میں آئے اور چھٹکتا ہوا جام ہے۔“

یہ کمال شیعہ اضمحلالی شرط تفسیر کے طور پر فعل مضمر سے منسوب ہے، یعنی ہم نے سرکش لوگوں کے تمام اعمال کا احصاء کر رکھا ہے۔ کتباً تمہیں حیثیت سے یا حال کی حیثیت سے منسوب ہے۔ حال کی صورت میں یہ ملتوب کے معنی میں ہوگا یا مفعول مطلق کی حیثیت سے منسوب ہے۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح یہ کلام کے خصوصاً سوطاً یا کتباً کو فعل محذوف نے نصب دیا ہے۔ تقدیر یہ ہوگی: احصیاء کتباہ کتباہ فی اللوح المحفوظ یعنی ہم نے اسے لوح محفوظ میں یا کرنا کتبین کے صحیفوں میں شمار کیا ہے۔ یہ تو بے یگانہ ہے۔ میرے نزدیک ظاہر یہ ہے کہ یہ جملہ وفاقاً کی علت ہے جس طرح انہم کانوا لایریدون اللہ تعالیٰ۔ زمان جزائی علت ہے، یعنی ہم نے انہیں یہ جزاء اس لئے دی کیونکہ وہ حساب کا انکار کرتے تھے اور آیات کو جھٹلاتے تھے۔ ان کے اعمال کے مطابق ہوگی کیونکہ ہم نے ان کے اعمال کو لکھ لیا ہے ان کے اعمال میں سے کوئی چیز بھی نہیں رہی۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کے مطابق جزاء عطا فرمائے گا۔

یہ فہم سبب ہے۔ معنی یہ ہوگا تم عذاب چکھو کیونکہ تمہارے اعمال کو شمار کر لیا گیا ہے یہاں التفات کے طریقہ پر۔ شہد سے خطاب سے التفات کا طریقہ مبالغہ کے اظہار کے لئے ہے۔

یہ نہ شوبہ تھا کہ جہنم میں ہو ہم تمہارے عذاب میں اضافہ ہی کریں گے۔ ابن ابی حاتم، ابن مردودہ اور ابن ابی شیبہ نے یہ روایت سے مرفوع روایت کی ہے قرآن میں یہ آیت جہنمیوں کے لئے سب سے زیادہ سخت ہے۔ طبرانی رحمت اللہ علیہ سے روایت کیا ہے۔ یہ بھی رحمت اللہ علیہ نے بعث میں اسے موقوف روایت کیا ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔ جب اللہ تعالیٰ نے سرکشوں کا انکار کیا تو سرکش ہی متقین کا ذکر کیا۔

یہ مفازا مصدر مسمی ہے یہ کامیابی اور جہنم سے نجات کے معنی میں ہے یا یہ اسم ظرف ہے۔

یہ حدائق یہ مفازا سے بدل بعض ہے۔ اگر مفازا اس ظرف ہو بصورت دیگر وہ بدل اشتمال ہوگا۔ اعنابا یہ اور ما بعد مفازا سے بدل اشتمال ہے۔ اس کا عطف بدل بعض پر بھی کرنا صحیح ہے جس طرح یہ کہا جاتا ہے اعجبینی زیند و جنبہ و علمند۔

یہ کواعب سے مراد ایسی نوجوان عورتیں ہیں جن کے پستان اٹھے ہوئے ہوں۔ یہ کواعب کی جمع ہے۔ انرابا کا معنی امہ ہے۔

۶۔ حضرت ابن عباس، حضرت حسن اور قتادہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا دھاقا سے مراد بھرا ہوا ہوتا ہے۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا معنی لگا تار کیا ہے جبکہ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا معنی صاف کیا ہے۔ (1)

لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا كِذْبًا ۗ جَزَاءً مِّن رَّبِّكَ عَطَاءً حِسَابًا ۝۱۱

” نہ سنیں گے وہ وہاں کوئی بیہودہ بات اور نہ جھوٹ لے۔ یہ بدلہ ہے آپ کے رب کی طرف سے بڑا کافی انعام ۱۱۔“

۱۔ یہ جملہ متفقین میں جو ضمیر ہے اس سے حال ہے۔ فیہا کی ہاضمیر مفاذا کی طرف لوٹے گی جس کا معنی حدائق اور جنات ہے یا یہ جملہ کاس کی صفت ہے۔ اس صورت میں ہاء ضمیر کاس کی طرف لوٹے گی۔ یعنی وہ یہ جام پیتے وقت لغو کلام اور جھوٹ نہ سنیں گے جو وہ دنیا کے پیالے پیتے وقت سنتے تھے۔ کسائی رحمۃ اللہ علیہ نے کذابا کو تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ یہ مصدر ہے جس کا معنی جھوٹ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ مخفف بھی معنی میں مشد کی طرح ہے جبکہ باقی قراء نے اسے مشد پڑھا ہے جو تکذیب کے معنی میں ہے، یعنی وہ جنت میں ایک دوسرے کو نہیں جھٹلائیں گے اور نہ ہی جنت میں جھوٹ پایا جائے گا۔

۲۔ جزاء یہ فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے اور سابقہ جملہ کی تاکید کا فائدہ دیتا ہے جس طرح ہم نے جزاء وفاقا میں ذکر کیا ہے۔ عطاء بھی جزاء کی طرح مفعول مطلق ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی يُجْزَوْنَ جزاءً أَوْ يُعْطَوْنَ عطاءً۔

حسابا یہ عطاء کی صفت ہے جس کا معنی کافی ہے۔ یہ احسب فلانا سے مشتق ہے جس کا معنی ہے میں نے اسے وہ عطا کیا جو اس کے لئے کافی ہے یہاں تک کہ اس نے کہا حسبی یعنی یہ میرے لئے کافی ہے۔ ابن عقبہ رحمۃ اللہ علیہ نے عطاء حسابا کا معنی کثیر عطاء کیا ہے۔ اس صورت میں یہ تاکید لِنَفْسِهِ ہوگا۔ جس طرح یہ جملہ ہے اللہ اکبر دعوة الحق اور لہ علی الف اعترافا۔ ایک قول یہ کیا گیا حسابا کا معنی ہے۔ اعمال کے حساب اور اندازے کے مطابق انہیں جزاء دی جائے گی۔ قاموس میں ہے ہذا بحسبہ یعنی یہ اس کی تعداد کے مطابق ہے۔ اس معنی کے اعتبار سے یہ سابقہ کلام جزاء وفاقا کے مقابلہ میں ہے، یعنی سرکشوں کو ان کے اعمال کے مطابق جزاء دی جائے گی اور متفقین کو ان کے اپنے اعمال کے حساب سے جزاء دی جائے گی۔

میں کہتا ہوں بلکہ انہیں اللہ تعالیٰ کی مشیت اور فضل کے مطابق جزاء دی جائے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: كَمْثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلٍ فِي كُلِّ سُنْبُلَةٍ قَبْلَهُ حَبَّةٌ وَاللَّهُ يُضْعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذَا فَضْلٍ عَلِيمٌ۔ اسی طرح عمل کرنے والوں کے اخلاص اور قرب کے مراتب کے اعتبار سے بدلہ دیا جائے گا کیونکہ مقربین کو تھوڑے عمل پر اتنا اجر دیا جاتا ہے جو برابر کو کثیر عمل پر اجر نہیں دیا جاتا۔ شیخین نے صحیحین میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے صحابہ کو گالی نہ دو۔ اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا صدقہ کرے تو صحابہ کے ایک مد (سیر) یا اس کے نصف کے صدقہ کے برابر بھی نہیں پہنچتا (2)۔ یہ تفاوت مقربین میں قرب کے درجات میں تفاوت کی وجہ سے ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ تمام صحابہ کرام کمالات نبوت کی وجہ سے دائمی تجلیات ذاتیہ میں مستغرق رہتے تھے۔ اکثر تابعین کا بھی یہی حال تھا اور تبع تابعین میں سے تھوڑے اس مقام پر فائز تھے۔ یہی لوگ مقرب ہیں تین قرون کے بعد جن کے بارے میں خیر کی گواہی دی گئی ہے۔ اس عظیم دولت کے انوار بجھ گئے اور ان کے آثار مٹ گئے پھر ہجرت سے لے کر ایک ہزار سال گزر گیا تو اللہ تعالیٰ نے بعض کریم لوگوں کو پیدا کیا اور

انہیں پتے لوگوں جیسے کمالات عطا فرمائے جس طرح حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا میری امت کی مثال بارش مینی ہے یہ معلوم نہیں کیا ہے۔
سنت اس کا آغاز بہتر ہے یا اس کا آخر بہتر ہے۔ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔

لفظ اس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس امت کے آخری حصہ کو امت کے پہلے حصہ کے ساتھ تشبیہ
کی اس طرح کہ یہ معلوم نہیں کیا جا سکتا کہ ان میں سے کون اور سے سے بہتر ہے۔ حضرت ابن محمد اپنے باپ سے ۱۱۱۱ سے روایت
کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہیں مبارک ہو، تمہیں مبارک ہو۔ بے شک میری امت کی مثال بارش کی طرح ہے۔ یہ
معلوم نہیں کیا جا سکتا کہ اس کا آغاز بہترین ہے یا آخری حصہ بہترین ہے۔ یا اس کی مثال ایک بارش کی مانند ہے۔ اس میں سے ایک
جماعت ایک سال کھاتی ہے اور دوسری جماعت دوسرے سال کھاتی ہے۔ شانہ دوسری جماعت پہلی جماعت سے زیادہ وسیع و عریض
اور نیچوں میں آچھی ہوا سے بہتی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ اسے رزین رحمۃ اللہ علیہ نے بھی روایت کیا ہے۔ ایک صحابی سے
مروی ہے کہ اس نے حضور ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ اس امت کے آخر میں ایک قوم ہوگی ان کا اجر امت کے پہلے لوگوں
کے اجر جیسا ہوگا۔ اسے امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل نبوت میں روایت کیا ہے۔ اس تاویل کی بناء پر اللہ تعالیٰ کا فرمان جبرائیل
رک عطاء حساباً۔ یہ تائید فرمادہ ہوگا جس طرح میں نے جزاء و نفاق میں ذکر کیا ہے۔

شَرَابِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا فِيهَا الرَّحْمَنُ لَا يَمْسِكُونَ مِنْهُ خِطَابًا ۝

جو پودے اور گارے آسمانوں کا اور زمین کا اور جو پتھر ان کے درمیان ہے بے حد مہربان نہیں طاقت نہ ہوں گے (یعنی
اجازت) اس سے بات بھی کر سکیں۔

۱۔ کوئیوں نے لفظ راب کو کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اس پر ضم پڑھا ہے۔ لفظ الرحمن کو عاصم اور ابن عامر تہم
اللہ تعالیٰ نے مجرور پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے مرفوع پڑھا ہے۔ عاصم رحمۃ اللہ علیہ کی قرأت میں دونوں لفظ مجرور ہیں۔ یہ دونوں
اسماء ربک کی صفت ہیں یا اس سے بدل ہیں۔ اہل حجاز اور اہل بصرہ کی قرأت کے مطابق دونوں الفاظ مرفوع ہیں۔ رب
اسموات مبتداء موصوف ہوگا الرحمن اس کی صفت ہوگی اور ما بعد حمد اس کی خبر ہوگا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ رب السموات مبتداء
مخدوف کی خبر ہو جو ہو ضمیر لفظ الرحمن خبر کی صفت ہو یا دوسری خبر ہوگا اور ما بعد حمد تیسری خبر ہوگی۔ یہ بھی احتمال ہے۔
اور حسن مبتداء اور ما بعد اس کی خبر ہو حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ تعالیٰ کی قرأت کے مطابق پہلا لفظ رب مجرور اور دوسرا لفظ رب مرفوع ہے
جو مبتداء مخدوف کی خبر ہو تو یہ تملہ معترضہ ہوگا اور لفظ الرحمن مجرور ہے اور ربک سے بدل ہے اور ما بعد حمد مستأنف ہے۔

لا یسکون کی ضمیر سے مراد زمین و آسمان کے مکین ہیں۔ منہ میں ہ ضمیر سے مراد الرحمن ہے، یعنی وہ آپ دور سے گفتگو

کے پر قادر ہوں گے۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر شقاقت کے مالک نہ ہوں گے (۱۱۱)۔

ان معنی کا احتمال بھی ہے کہ اس کا معنی یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ بعض کو بعض پر جو زیادہ اجر عطا کرے گا۔ اس پر کسی کو اعتراض کرنے کا حق نہ ہوگا۔

میں ہوگا کیونکہ وہ سب اللہ تعالیٰ کے مملوک ہیں اور ان میں سے کوئی بھی اللہ تعالیٰ پر کوئی حق نہیں رکھتا۔ اس کی طرف سے اجر یا نفع اللہ

تعالیٰ کا نفع ہے۔ اس وجہ سے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔

بے شک تمہارا عرصہ سابقہ قوموں کے عرصہ کے مقابلہ میں ایسا ہی ہے جیسے عصر کا وقت ہوتا ہے تمہاری، یہودیوں اور نصرانیوں کی مثال ایسی ہی ہے کہ ایک آدمی کام کرانا چاہتا ہے اور کہتا ہے کون آدمی نصف دن سے عصر تک ایک قیراط پر عمل کرے گا۔ نصرانیوں نے نصف النہار سے عصر تک ایک ایک قیراط پر عمل کیا پھر فرمایا تم میں سے کون ہے جو عصر سے شام تک دو دو قیراط پر میرے لئے عمل کرے گا خبردار تم ہی وہ لوگ ہو جو عصر سے لے کر شام تک کام کرنے والے ہو خبردار تمہارے لئے دو گنا اجر ہے۔ یہودی اور نصرانی غضبناک ہو گئے۔ انہوں نے کہا ہم نے عمل زیادہ کیا اور ہمیں بدلہ کم عطا کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا میں نے تمہارے حق میں کوئی کمی کی ہے۔ انہوں نے عرض کی کمی تو نہیں کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ اجر تو میرا فضل ہے، جسے چاہتا ہوں عطا کرتا ہوں۔ اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (1)۔ میں کہتا ہوں حضور ﷺ کے مذکورہ فرمان کا مطلب یہ ہے کہ اس امت کی عمریں تھوڑی ہوں گی اور ان کے اعمال کم ہوں گے جبکہ دو قیراطوں سے مراد کثرت ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے اَمْرُجِبْرِجَ الْبَصَرِ كَثْرَتَيْنِ۔ اس سے صرف دو گنا مراد نہیں واللہ اعلم۔ ہماری اس تاویل کی بناء پر یہ آیت سابقہ آیت کے ساتھ معنی کے اعتبار سے مربوط ہو جائے گی، واللہ تعالیٰ اعلم۔

يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْبَلِيكَةُ صَفًّا لَا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ وَقَالَ صَوَابًا ﴿٢٠﴾ ذَلِكَ الْيَوْمَ الْحَقُّ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذْ إِلَىٰ رَبِّهِ مَا بَابًا ﴿٢١﴾

”جس روز روح اور فرشتے پرے باندھ کر کھڑے ہوں گے۔ کوئی نہ بول سکے گا بجز اس کے جس کو رحمن اذن دے اور

وہ ٹھیک بات کرے۔ یہ دن برحق ہے سو جس کا جی چاہے بولے اپنے رب کے جو اررحمت میں اپنا ٹھکانا ہے۔“

لہ یوم یہ لا یملکون کی ظرف ہے یا لا یتکلمون کی ظرف ہے۔ تاہم پہلا قول زیادہ مناسب ہے۔ اس روز روح اور فرشتے کھڑے ہوں گے۔ روح کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ روح چوتھے آسمان میں ہے۔ وہ آسمانوں، پہاڑوں اور فرشتوں سے بڑی مخلوق ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ زیادہ کیا ہے کہ وہ روح دن میں بارہ ہزار بار تسبیح کہتی ہے۔ ہر تسبیح سے اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ پیدا فرماتا ہے جو قیامت کے روز ایک صف کی صورت میں آئے گا۔ (2)

ابوالشیخ نے ضحاک رحمہما اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے کہ روح اللہ تعالیٰ کا صاحب ہے جو اس کے سامنے کھڑا رہتا ہے۔ وہ فرشتوں سے بڑھ کر ہے۔ اگر وہ اپنا منہ کھولے تو تمام فرشتوں کو اپنے منہ میں لے لے کوئی مخلوق بھی اس کی طرف نہیں دیکھتی اس کے خوف کی وجہ سے وہ اپنی نظر اوپر نہیں اٹھاتی (3)۔ ابوالشیخ نے علی بن ابی طالب رحمہما اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے کہ روح ایک فرشتہ ہے جس کے ستر ہزار منہ ہیں، ہر منہ کی ستر ہزار زبانیں ہیں، ہر زبان کی ستر ہزار لغتیں ہیں۔ وہ ان تمام لغات سے اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتا ہے۔ ابوالشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ہی عطاء رحمۃ اللہ علیہ کے واسطے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ روح ایک فرشتہ ہے اس کے دس ہزار پر ہیں۔ ابو ظہر رحمۃ اللہ علیہ کے واسطے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ روح فرشتوں سے بڑی مخلوق ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے عطاء رحمۃ اللہ علیہ کے واسطے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا جب قیامت کا روز ہوگا وہ

ہر ایک صف میں ہوگا جبکہ دوسرے فرشتے ایک صف میں ہوں گے۔ وہ اپنی مشن (فرشتوں) سے بڑی مخلوق ہے (1)۔
 ابوالشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے مقاتل رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ روئے فرشتوں سے بھی زیادہ معزز اور مقرب مخلوق ہے۔ یہی
 سب دن ہے آیت اور سند سے انہوں نے ضحاک رحمۃ اللہ علیہ سے اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ روح سے مراد جبرائیل امین
 ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ قیامت کے روز جبرائیل امین اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوگا اور اس کے ساتھ
 اللہ تعالیٰ کے خوف سے لرز رہے ہوں گے اور وہ عرض کر رہا ہوگا سُبْحَانَكَ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ تو پھر
 نے یہ سوا میں معبود نہیں ہم نے تیری عبادت کا حق ادا نہیں کیا اللہ تعالیٰ کے فرمان یَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلَائِكَةُ صَفًّا ذَٰلِكَ مَعْنَى
 ہے۔ ابویوسف نے مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ سے ابن مبارک نے ابوصالح مولیٰ امہانی رحمہما اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے کہ روح ایک ایسی مخلوق ہے
 جو انسان کی صورت میں ہے لیکن وہ انسان نہیں۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ زائد ذکر کیا ہے روح ایک صف میں ہوتی ہے اور اس کے
 اور رشتے دوسری صف میں کھڑے ہوں گے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کے لشکر ہیں، وہ بھی اللہ تعالیٰ کے لشکر ہیں (2)۔ امام بغوی نے قیامت کے روز
 اللہ تعالیٰ سے یہی ذکر کیا ہے۔ ابوالشیخ نے مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ کے واسطے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آیت منقول ہے اور اسے نقل
 ہے فرمایا روح اللہ تعالیٰ کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے اور فرشتے نہیں۔ ان کے سر، ہاتھ اور پاؤں ہیں۔ پھر اس آیت یَوْمَ
 بِنفوسہم الروح والملكۃ صفا کی تلاوت کی، مجاہد بھی اللہ تعالیٰ کے لشکر ہیں۔ وہ بھی اللہ تعالیٰ کے لشکر ہیں۔ امام بغوی نے مجاہد رحمہ
 اللہ تعالیٰ سے انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انسانوں کی شکل کی ایک مخلوق ہے۔ آسمان سے جبرائیل
 آتا ہے اور اس کے ساتھ ایک روح ہوتی ہے (3)۔ ابن مبارک اور ابوالشیخ رحمہما اللہ تعالیٰ نے العظمت میں یہ روایت بھی
 رحمۃ اللہ علیہ نے قیامت کے نشیمن میں نقل کیا ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے سامنے دو قطاریں کھڑی ہوں گی۔ ایک قطار
 انشعاب کی ہوں اور ایک قطار روح کی ہوں (4)۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے یہ روایت
 سے مراد یہ ہے۔ قیامت کے روز اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اور کہا یہ وہ بات ہے جسے حضرت ابن
 عباس رضی اللہ عنہما ظاہر نہیں فرماتے تھے۔ (5)

عند ترکیب کلام میں یقولون کے فاعل سے حال ہے یہ فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوتی یقولون صلا۔
 یہ امر بعد میں یقولون کے فاعل سے ہوگا۔

یہ ہم اللہ تعالیٰ کے فرمان لا یملکون عند خطایک وضاحت اور تاکید بیان کر رہا ہے کیونکہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی فیض تریں اور
 سب ترین مخلوق ہے۔ جب یہ بات کرنے پر قدرت نہیں رکھتے تو بوی اور کیسے اللہ تعالیٰ سے بات کرنے پر قدرت رکھے گا۔ ماں پر
 بات کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کلام کرنے اور شفاعت کا اختیار دے گا۔ یہ لا ینکلمون کے فاعل سے حال ہے یا یہ لا ینکلمون کے فاعل
 سے حال ہے۔ یہی ترکیب لفظاً زیادہ مناسب ہے کیونکہ اس کا اتصال پایا جا رہا ہے اور دوسری ترکیب معنی زیادہ مناسب ہے۔ یہ مندر
 تفسیرت اور کلام اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کے ساتھ مختص نہیں۔ جبکہ اس نے حق اور سچ کہا اور اس نے حق اور سچ پر اعتقاد بھی رکھا۔ یہاں تو
 کبریا مقتدا سے لیا ہے۔ اعتقاد قول سے ہی ظاہر ہوتا ہے۔ اس قصیدہ کا عطف اذن له الرحمن پر ہے، یعنی جس نے یہ میں سے بات

کہی جھوٹ نہیں بولا۔ سب سے بڑا جھوٹ اللہ تعالیٰ کا انکار ہے کیونکہ اس کے سچ ہونے کا کوئی امکان نہیں۔ پھر اہل ہوا (رائسی، خارجی وغیرہ) جھوٹے ہیں کیونکہ قرآن ان کی تکذیب کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ قال صوابا کا معنی ہے اس نے لا الہ الا اللہ کہا کفار کو اس بات کی اجازت نہیں دی جائے گی کہ وہ بات کریں یا اپنی طرف سے معذرت پیش کریں تو اہل ہوا (معتزلہ) کے لئے شفاعت کا درجہ کیسے ہو سکتا ہے۔

۳۔ ذلک الیوم سے اشارہ اسی مذکورہ یوم کی طرف ہے جس کی صفات کا پہلے ذکر ہو چکا ہے یہ مبتدا ہے الحق اس کی خبر ہے قصر کے بیان کے لئے خبر کو معرفہ ذکر کیا ہے کیونکہ یہ ایسا حق ہے جو ثابت ہے اس میں کوئی شبہ نہیں۔

ماب سے مراد لوٹنے کی جگہ اور وہ راستہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت، اس کے رسولوں کی اتباع اور اللہ تعالیٰ کے راستہ کی طرف ہدایت کرنے والوں کی اطاعت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے قریب کرنے والا ہے۔ جو راہنما جذب اور سلوک کی راہوں پر چلا کر اللہ تعالیٰ کے قریب کرتے ہیں ان کے راستہ کو اپنالے۔ یہاں فاء سببیہ ہے کیونکہ اس دن کا حق ہونا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف جانے والے راستے کو اپنایا جائے۔ الی ربہ یہ مابا کے متعلق ہے یا یہ ظرف مستقر ہو کر مابا کا حال ہے۔

إِنَّا أَنْذَرْنَاكُمْ عَذَابًا قَرِيبًا يَوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدَاؤُهُ وَيَقُولُ الْكٰفِرُ
يَلَيْتَنِي كُنْتُ تُرَابًا ۝

”بے شک ہم نے ڈرا دیا ہے تمہیں جلد آنے والے عذاب سے، اس دن دیکھ لے گا ہر شخص (ان عملوں کو) جو اس نے آگے بھیجے تھے اور کافر (بصد حسرت) کہے گا کاش میں خاک ہوتا۔“

۱۔ کم ضمیر سے مراد کفار ہیں۔ عذابا قریبا سے مراد آخرت کا عذاب ہے کیونکہ ہر آنے والا وقت قریب ہے یا اس کا مطلب یہ ہے کہ قبر اور موت کا عذاب جوتے کے تسمے سے بھی زیادہ قریب ہے۔

یوم یہ عذابا کے ساتھ متعلق ہے کیونکہ عذاب تعذیب کے معنی میں ہے۔ ما قدمت میں ما استفہامیہ ہے اور قدمت کی وجہ سے منصوب ہے یا ما موصولہ ہے اور ينظر کی وجہ سے منصوب ہے صلہ کی ضمیر عائدہ محذوف ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ ہر ایک آدمی قیامت کے روز اپنے عمل کو اپنے صحیفہ میں دیکھے گا یا آخرت میں اس عمل کی جزا دیکھے گا یا قبر میں اس کی جزا دیکھے گا۔ یہاں اعمال آگے بھیجنے کی نسبت ہاتھ کی طرف کی ہے کیونکہ (اعضاء کے اکثر اعمال ہاتھ سے ہی ہوتے ہیں) یا ہاتھ کا ذکر اس لئے کیا کیونکہ بد لفظ قدرت اور قوت سے کنایہ ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قبر آخرت کی منازل میں سے پہلی منزل ہے اگر انسان اس سے نجات پا گیا تو بعد والا مرحلہ اس کے لئے آسان ہوگا۔ اگر وہ قبر کے مرحلہ سے نجات نہ پاسکا تو بعد کا معاملہ اس سے بہت مشکل ہوگا (1)۔ عذاب قبر کے بارے میں احادیث بے شمار ہیں۔

صحیحین میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور ﷺ دو قبروں کے پاس سے گزرے فرمایا ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے مگر کسی بڑے گناہ کی وجہ سے عذاب نہیں ہو رہا۔ ایک کو عذاب اس لئے ہو رہا ہے کیونکہ وہ بول سے پردہ نہیں کرتا تھا۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے وہ بول (پیشاب) سے نہیں بچتا تھا۔ دوسرے کو عذاب اس لئے ہو رہا ہے کہ وہ چغل خوری کرتا تھا (2)۔ قبر

تیس: لیکن پر حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث دلالت کرتی ہے۔ اس روایت میں مومن کے بارے میں یہ مذکور ہے کہ وہ نکو و نیک انسان کے لئے قبر کھوں دی جائے گی۔ ایک خوبصورت انسان اس کے پاس آئے گا جس کا لباس بہت عمدہ اور خوشبو بہت اچھی ہو گی۔ تو وہ اس مومن کو کہے گا تجھے اس چیز کی بشارت جو تجھے خوش کرے گی۔ یہ تیرا وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔ تو مومن اس سے یہ پوچھے گا تو کون ہے؟ میرا چہرہ ایسے شخص کا چہرہ ہے جو بھلائی کرتا ہے۔ تو وہ جواب دے گا میں تیرا مثل ہوں۔ اس حدیث میں کافر کو جس دن رب اس پر قبر اتنی تنگ ہو جائے گی کہ اس کی پسلیاں آپ دوسرے میں پیوست ہو جائیں گی۔ ایک بد صورت شخص اس سے پالنے لگے گا۔ اس کے کپڑے گندے اور اس سے بدبو آ رہی ہوگی۔ تو وہ کہے گا تجھے ایسی چیز کی بشارت ہو جو تجھے دکھ دے۔ یہ تیرا وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔ وہ کافر پوچھے گا تو کون ہے، تیرا چہرہ ایسے شخص کے چہرے جیسا ہے جو برائی کرنے والا ہو۔ تو وہ جواب دے گا میں تیرا مثل ہوں۔ اس حدیث کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (1)۔ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے جب قیامت کا دن ہوگا تو زمین کو یوں پھیلا دیا جائے گا جیسے ایک چمڑہ بچھا یا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام ثقافات یعنی انسانوں، جنوں، چوپایوں اور وحشی جانوروں کو جمع کرے گا۔ جب وہ دن برپا ہو جائے گا تو اللہ تعالیٰ چوپایوں سے درمیان میں قصاص جاری فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے فرما لے گا مٹی ہو جا۔ کافر یہ دیکھے گا تو کہے گا بائے کاش میں بھی مٹی ہو جاتا۔ (2)

دینوری نے یحییٰ بن جعدہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔ ابن جریر، ابن حاکم اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔ امام بغوی نے مقتول رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول اسی طرح کا ذکر کیا ہے۔ اس میں یہ ہے کہ کافر بہت بے ہائے کاش میں دنیا میں خنزیر کی صورت میں ہوتا اور ان میں مٹی ہو جاتا۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے زیادہ اور عبداللہ بن براء رحمہما اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے جب اللہ تعالیٰ لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دے گا، جنتیوں کو جنت اور جہنمیوں کو جہنم کا حکم دے گا۔ تو تمام امتوں اور مومن جنوں سے فرمائے گا سب مٹی ہو جاؤ۔ تو وہ مٹی ہو جائیں گے۔ اس وقت کافر کہے گا بائے کاش میں مٹی ہو جاتا۔ ابن ابی سلیم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی کہا ہے کہ جنوں میں سے مومن مٹی ہو جائیں گے۔ ایک قول یہ آیا ہے یہاں کافر سے مراد کفار ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے حضرت آدم علیہ السلام پر یہ عیب لگایا تھا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا گیا اور اپنے آپ پر یہ فخر کیا کہ اسے آگ سے پیدا کیا گیا ہے۔ جب قیامت کے روز اس ثواب اور رحمت کو دیکھے گا جس میں حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے اولاد ہوں اور اپنی شدت اور عذاب کو دیکھے گا تو وہ کہے گا ہائے کاش میں مٹی ہوتا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے کب نہیں تیرے لئے کوئی عزت نہیں، کس نے تجھے میری مثل بنایا ہے۔ (3)

سورة النازعات

﴿ اسباقها ۳۶ ﴾ ﴿ سورة النازعات مكية ۴۹ ﴾ ﴿ ركوعها ۲ ﴾

سورة النازعات مکی ہے، اس میں دو رکوع اور چھیالیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

”اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے“

وَالنَّازِعَاتِ غُرُقًا ۱ وَالنَّشِيطَاتِ نَسْطًا ۲ وَالسَّيِّحَاتِ سَبْحًا ۳ فَالسَّيِّغَاتِ ۴ سَبْقًا ۵ فَالْمُدَبِّرَاتِ أَمْرًا ۶

”قسم ہے (فرشتوں کی) جو غوطہ لگا کر (جان) کھینچنے والے ہیں اور بند آسانی سے کھولنے والے ہیں اور تیزی سے تیرنے والے ہیں ۱۔ پھر (تعمیل ارشاد میں) جو دوڑ کر سبقت لے جانے والے ہیں ۲۔ پھر (حسب حکم) ہر کام کا انتظام کرنے والے ہیں ۳۔“

۱۔ وافر قسم ہے، جو اب قسم محذوف ہے جو لبعثن اور لتحاسبن ہے جس پر مابعد کلام دلالت کرتی ہے۔ نازعات غرقا سے مراد ایسے فرشتے ہیں جو کفار کی روحوں کو بڑی سختی سے نکالتے ہیں۔ غرقا قائم مقام مفعول مطلق ہے۔ یہ اس طرح ہے جس طرح قعدت جلو سا میں جلو سا مفعول مطلق ہے۔ عرب کہتے ہیں اغرق النازع فی القوس، یعنی اس نے بڑی سختی اور پوری قوت سے کمان پر تیر چڑھا کر اسے کھینچا۔

۲۔ وَالنَّشِيطَاتِ نَسْطًا سے مراد وہ فرشتے ہیں جو بڑی نرمی کے ساتھ مومنوں کی روحوں کو نکالتے ہیں۔ یہ نشط الدلو سے مشتق ہے جب اسے سختی کے بغیر نکالا جائے۔ یا یہ نشط الحبل سے مشتق ہے جس کا معنی ہے کہ اس نے رسی کو اتار لیا گیا کہ وہ کھل گئی کیونکہ مومن دنیا کے مصائب میں گویا قید اور جکڑا ہوا تھا۔ ان فرشتوں نے اسے چھٹکارا دیا اور اس کی گڑھوں کو بڑی نرمی سے کھولا جس طرح اونٹ کے پاؤں کے ڈھنگہ کو کھول دیا جاتا ہے۔ فراء رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح بیان کیا ہے۔ حدیث میں ہے کہ مومن کی روح کی حالت یہ ہوگی گویا اسے ڈھنگے سے چھٹکارا ملا ہے۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بندہ مومن جب دنیا سے اپنا تعلق منقطع کر لیتا ہے اور آخرت کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اس کی طرف فرشتے نازل ہوتے ہیں جن کے چہرے اتنے سفید ہوتے ہیں گویا وہ سورج ہو۔ ان کے پاس جنت کے کفن ہوتے ہیں اور خوشبو بھی جنت کی ہوتی ہے یہاں تک کہ وہ حدنگاہ تک اس کے پاس بیٹھ جاتے ہیں۔ پھر ملک الموت آتا ہے اور وہ اس کے سر کے پاس بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے اے نفس مطمئنہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور اس کے رضوان کی طرف نکلو۔ تو وہ نکل پڑتا ہے۔ وہ یوں بہتا ہے جس طرح مشکیزہ سے قطرہ بہتا ہے۔ تو ملک الموت اسے

پڑھتا ہے۔ جب وہ اسے پکڑتا ہے تو لمحہ جرجرجاں اس کے پاس رہتی نہیں رہتی یہاں تک کہ وہ اسے فرشتے اسے پکڑتے ہیں اور اسے لٹا کر زمین پر رکھ لیتے ہیں جس سے کستوری سے زیادہ عمدہ خوشبو نکلتی ہے۔ جب کہ فرزندہ انیاس سے تعلق تو ایسا ہوتا ہے کہ آسمان سے اس کے پاس فرشتے آتے ہیں جن کے چہرے سیاہ ہوتے ہیں جن کے پاس مائٹ کا ہوس ہوتا ہے۔ وہ اس کے پاس سے نکلتا ہے تو وہ جانتے ہیں۔ پھر ملک الموت آتا ہے اور اس کے سر پر ہاتھ پڑھتا ہے اور کہتا ہے اب صیبت نفس اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ہے۔ تو وہ اسے نکھر جاتا ہے تو ملک الموت اسے یوں نکالتا ہے جیسے خار درختا تراویں سے نکالنا چاہتا ہے تو ملک الموت اس کے پاس پڑھتا ہے۔ جب وہ اسے پکڑتا ہے تو ایک لمحہ کے لئے بھی اس کے ہاتھ میں روح نہیں رہتی کہ وہ اسے فرشتے سے اس کے پاس پکڑتے ہیں۔ اس سے مراد اس بد بولہجی بد بولہجی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ ملک الموت کا فریبوں کے ساتھ چھینا جاتا ہے۔ اسے ہاتھ پکڑنے اور اللہ علیہ السلام نے روایت کیا ہے (1)۔

وہ بعد ان رحمة اللہ علیہ کے ابا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ملک الموت کا فریب نفسوں کو باہوں کی شکل میں ہوتا ہے۔ وہ اسے پکڑتا ہے اور اسے لٹا کر زمین پر رکھ لیتے ہیں۔ جب اسے لٹا کر زمین پر رکھ لیتے ہیں تو پھر اسے لٹا کر زمین پر رکھ لیتے ہیں۔ اس سے مراد اس بد بولہجی بد بولہجی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ ملک الموت کا فریبوں کے ساتھ چھینا جاتا ہے۔ اسے ہاتھ پکڑنے اور اللہ علیہ السلام نے روایت کیا ہے (2)۔

تو لکھو: اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ نفس ایک لطفی جسم ہے جس میں صحت ایک کیفیت قائم ہوتی ہے جو بدن میں چھلتی رہتی ہے۔ یہ روح مناسبت سے بننا ہے روح قلب اور دوسرے جو اہر مجرودہ ہیں کہ تعلق عام امر سے ہے۔ وہ اس پر قائم ہوتے ہیں۔ یہی لطافت کی وجہ سے آتھ۔ نئے سنی مکان میں ظاہر نہیں ہوتے۔ عالم امثال میں عرض کیا کہ انہیں دیکھا جا سکتا ہے۔ صوفیاء نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ اسان قدرت کے ساتھ نفس کو روح کے ساتھ یوں بنا دیا ہے جس طرح آبیے کا صحن کے ساتھ تعلق ہوتا ہے۔ نفس روح سے یقیناً سے پس ہر جہت سے جس طرح آئینہ سورج کی شعاعوں سے بھر جاتا ہے جب وہ آئینہ سورج کے سامنے ہوتا ہے۔ فلذاتہنہ۔ اس طرح اس طرح ہے جیسے چاند ہو جو سورج کی روشنی سے منور ہوتا ہے اور عمل چاند ہوتا ہے۔ بدن میں سورج کی روشنی سے منور ہوتی ہے اور نفس کی زندگی روح کے ساتھ ہوتی ہے۔ جب وقت مقررہ آتا ہے تو نفس بدن سے جدا ہو جاتا ہے۔ اسے ظن اور اور۔ اس سے ظن یہ جاتا ہے اور اسے آسمانوں کی طرف لے جایا جاتا ہے۔ مومن نفس کے لئے ساتویں آسمان تک آسمان کے دروازے صوبے پکڑتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے میرے بندے جو عظیمین میں لکھ لیا اور اسے زمین کی طرف واپس کر دو کیونکہ میں نے انہیں زمین سے پیدا کیا ہے۔ اس میں لوہا، گل گا اور زمین سے ہی دوبارہ نہیں نکالوں گا۔ کافر کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے بلکہ اسے زمین پر پھینک دیا جاتا ہے۔ یہ ارشاد اس امر میں صریح ہے کہ نفس کو بھی زمین سے پیدا کیا گیا ہے۔ اس تحقیق کی بنا پر قبور کے عذاب سے نفاذ و جنس۔ بشری جبکہ اہل ہوا عذاب کا انکار کرتے ہیں۔ قصہ نظر اس کے کہ بدن کثیف ہوتا ہے۔ اہل حق کے نزدیک قبور کا عذاب بدن کثیف یا جنس نہیں ہے۔ موت اس کے عذاب کے مانع نہیں جس کی تحقیق سورہ بقرہ میں مقرر کی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

کے بعد رحمة اللہ علیہ نے کہا اس سے مراد فرشتے ہیں جو آسمان سے بہت تیزی کے ساتھ اترتے ہیں جس میں تیرا ذکر کیا ہے۔

۱۰۱۰

۲۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو خیر اور عمل صالح میں انسانوں پر سبقت لے گئے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو مومنوں کی روحوں کو جنت کی طرف جلدی لے جاتے ہیں (1)۔ میں کہتا ہوں کفار کی روحوں کو وہ عذاب کی طرف جلدی لے جاتے ہیں۔ میں کہتا ہوں یہی وہ لوگ ہیں جن کا ذکر حضرت براء رضی اللہ عنہ کی مذکورہ آیت میں آیا ہے کہ جب ملک الموت کسی نفس کو پکڑتا ہے تو وہ ایک لمحہ بھی اس کے ہاتھ میں نہیں رہتا یہاں تک کہ دوسرے فرشتے اسے پکڑ لیتے ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سابقات سے مراد مومنوں کے نفوس ہیں جو ان فرشتوں کی طرف تیزی سے جاتے ہیں جو انہیں قبض کرتے ہیں۔ مومنوں کے نفوس کا یہ انداز اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے شوق، اس کی تعظیم اور حد درجہ خوشی کی بناء پر ہوتا ہے۔ (2)

۳۔ ابن ابی الدنیا رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مدبرات امرا کے بارے میں نقل کیا ہے کہ اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو ملک الموت کے ساتھ لوگوں کی روحوں کو قبض کرتے وقت حاضر ہوتے ہیں۔ ان میں سے کوئی تو اس کی روح کو آسمانوں کی طرف لے جاتا ہے، کوئی دعا پڑھتا ہے، کوئی میت کے لئے استغفار کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس پر نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے اور اسے قبر میں رکھا جاتا ہے (3)۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ وہ فرشتے ہیں جن کے ذمہ امور کئے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں وہ امور سرانجام دینے کا سلیقہ بتا دیا ہے۔ حضرت عبدالرحمن بن سابط رضی اللہ عنہ نے کہا دنیا میں چار فرشتے امور کی تدبیر کرتے ہیں جبرائیل، میکائیل، ملک الموت اور اسرافیل۔ جبرائیل روحوں اور لشکروں کی تدبیر کرتے ہیں، میکائیل کے ذمہ بارش اور نباتات ہے، ملک الموت کے ذمہ نفوس کو قبض کرنا ہے، اسرافیل اللہ تعالیٰ کے احکام کو ان کی طرف پہنچاتا ہے (4)۔

قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا مدبرات امرا کے علاوہ تمام کی تعبیر ستاروں سے کی گئی ہے کیونکہ وہ ایک افق (مشرق) سے دوسرے افق (مغرب) کی طرف تیزی سے چلتے ہیں اور غائب ہو جاتے ہیں اور ایک افق سے (شمال) سے دوسرے افق (جنوب) کی طرف آہستہ آہستہ نکلتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے **كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ** اور وہ ستارے ایک دوسرے پر سبقت لے جاتے ہیں۔ یہ کمزور قول ہے کیونکہ اس صورت میں نزع، نشط اور مسبح میں کوئی فرق نہیں اور ایک چیز کو چار دفعہ ذکر کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ نزع اور نشط میں فرق یہ ہے کہ مشرق سے مغرب کی طرف ان ستاروں کی حرکت تیز رفتاری سے ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ غائب ہو جاتے ہیں اور ایک برج سے دوسرے برج کی طرف ان کی حرکت بڑی ہلکی اور نرم ہوتی ہے۔ اس لئے اسے نشط سے تعبیر کیا جو فلاسفہ کے مذہب کے مطابق ہے، جو اس بات کے قائل ہیں کہ آسمان ایک دوسرے پر تہہ در تہہ ہیں اور طے ہوئے ہیں اس لئے قسری حرکت کا تصور کیا جاسکتا ہے جبکہ شرع سے یہ ثابت ہے کہ ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک مسافت پانچ سو سال ہے۔ اس آیت کی تاویل میں اور بھی معانی ذکر کئے گئے ہیں جو عقلی توجیہات پر مبنی ہیں جبکہ ان کے بارے میں نقلی روایات نہیں ہیں۔

امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ نفوس فاضلہ کی اس وقت کی صفات ہیں جب وہ اپنے بدنوں سے جدا ہوتے ہیں کیونکہ وہ اپنے بدنوں سے بڑی سختی کے ساتھ نکلتے ہیں۔ یہ **أَعْرَاقُ النَّازِعِ لِهِيَ الْقَوْمِ** سے مشتق ہے۔ پھر وہ عالم ملکوت کی طرف آہستہ آہستہ جاتے ہیں، اس میں وہ تیرتے ہیں۔ بارگاہ اقدس میں پہنچنے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جاتے ہیں یہاں تک کہ اپنے شرف اور

قوت کی وجہ سے ہلدبرات اصر میں شامل ہو جاتے ہیں۔ یا یہ نفوس فاضلہ کی حالت سوک میں صفات ہیں کیونکہ انہیں بہت بوجھ ہے۔ یہ عاقدوں کی طرف رواں دواں ہوتے ہیں، ارتقا کے مراتب میں تیرتے ہیں، کمالات کو پانے میں ایک دور سے بہت دور جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ مکمل ہو جاتے ہیں۔ یا یہ غازیوں کی صفات ہیں، یعنی ان کے ہاتھ کمان پر تیرتے ہیں۔ یعنی یہ اپنے سے تیر پھرتے ہیں، خشکی اور سمندر میں تیرتے ہوئے جاتے ہیں، دشمنوں سے جنگ کرنے کے لئے یہ ایک دور سے بہت دور جاتے ہیں اور فتح کی تدبیر کرتے ہیں۔ یا یہ ان کے گھوڑوں کی صفات ہیں کیونکہ وہ اپنی لگاموں کو بڑی تندی سے کھینچتے ہیں اور کمان ان کی بنیادوں میں غرق ہو جاتی ہیں۔ وہ دارالسلام سے دارالکفر کی طرف نکل جاتے ہیں، وہ تیز دھڑکتے ہیں، بہت دور سے بنا۔ میں ایک دوسرے پر سبقت لے جاتے ہیں اور کامیابی کی تدبیر کرتے ہیں، والد تعالیٰ اعلم۔

يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۗ تَتَّبِعَهَا الرَّادِفَةُ ۗ قَنُوبٌ يَوْمَئِذٍ وَرَجْفٌ ۗ
اَبْصَارُهَا كَاشِعَةٌ ۗ يَقُولُونَ اِنَّا لَمَرْدُودُونَ فِي الْحَاقِرَةِ ۗ

”جس روز تھر تھرائے کی تھر تھرائے والی ہے اس کے پیچھے آئے اور جھٹکا ہوگا۔ کتنے دن اس روز (خوف سے) اکاپ

ہے ہوں گے ان کی آنکھیں (ڈر سے) جھکی ہوں گی۔ کافر کہتے ہیں کیا ہم پٹانے جائیں گے نئے پانے سے

نے ظفر محذوف جواب قسم کے متعلق ہے جو لٹھین یا لٹھاسین ہے۔ اس دن کا خوف ہونا اپنے اجزاء کے اعتبار سے ہے۔ یہ دن اس دن کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہے جو فتح اولیٰ سے لے کر جنت یا جہنم میں داخل ہونے تک ہے۔ امام بیہقی نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ فرماں تر جف المراجفة کی تفسیر میں یہ قول نقل کیا ہے کہ زمین اور پہاڑوں میں زلزلہ پانا ہو گا۔ اس کے بعد اسے ایک بار ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا۔ (۱)

تَتَّبِعَهَا الرَّادِفَةُ یہ نملہ تر جف کے قائل سے حال ہے۔ راجفہ سے مراد فتح اولیٰ ہے اور رادفہ سے مراد فتح ثانیہ ہے۔ یہ بھی روزہ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ پہلے فتح کو راجفہ سے تعبیر کیا کیونکہ وہ زلزلہ پانا ہے۔ یا کہ اس کے جس کے ساتھ ہر شے حرکت کرنے لگتی ہے اور تمام مخلوقات اس کے ساتھ مرجائے گی۔ دوسرے فتح کو رادفہ سے تعبیر کیا کیونکہ وہ راجفہ پہلے فتح کے پیچھے آتا ہے۔ عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کی مجلس ولایت نقل کی ہے کہ وہ فتحوں کے درمیان چالیس سال کا عرصہ ہوتا ہے۔ پہلے فتح کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو ہلاک کر دے گا۔ علمی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت اس بات پر متفق ہیں کہ دو فتحوں کے درمیان چالیس سال کا عرصہ ہوگا۔ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دو فتحوں کے درمیان چالیس سال کا عرصہ ہوگا۔ لوگوں نے کہا چالیس دن کا عرصہ ہوگا تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں اس کا انکار کرتا ہوں۔ لوگوں نے کہا چالیس ماہ کا عرصہ ہوگا تو آپ نے جواب دیا میں اس کا بھی انکار کرتا ہوں۔ پھر اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی نازل فرمائے گا تو لوگ اس طرح اُگ پڑیں گے جس طرح سبزیاں اُگتی ہیں۔ انسان میں سے کوئی ایسی چیز نہ ہوگی کہ وہ باسیرہ ہو چکی ہوگی مگر دم گزے کی ہڈی باقی رہے گی قیامت کے روز اسی سے انسان کی تخلیق ہوئی (2)۔ ابن ابی اوفیہ رحمۃ اللہ علیہ نے بحث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ وہ حضور ﷺ سے اسی طرح روایت کرتے ہیں۔ اس میں یہ تصریح ہے۔

نفلوں کے درمیان چالیس سال کا عرصہ ہوگا۔ پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ دو نفوں کے درمیان پانی کی ایک واہی سبے گی۔ دونوں نفوں کے درمیان کا عرصہ چالیس سال ہوگا۔ ہر بوسیدہ مخلوق انسان ہو، حیوان ہو یا چوپایہ ہو وہ اٹھایا جائے گا۔ اگر ان پر اس سے پہلے کوئی آدمی گزرا ہو تو وہ اب اسے پہچان لے گا۔ پس وہ اگیں گے۔ پھر روحوں کو بھیجا جائے گا اور انہیں جسموں کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان **وَإِذَا النُّفُوسُ رُجِّعَتْ** کا یہی معنی ہے۔

۳۔ قلوب مبتدائے۔ یومئذ ایک فعل محذوف کے متعلق ہے جس پر واجفۃ دلالت کرتا ہے۔ واجفۃ مبتدا کی خبر ہے، یعنی دل سخت مضطرب ہوں گے۔ یہ واجف سے مستعار ہے جس کا معنی تیز رفتاری سے چلنا ہے۔ ایسے دل والوں کی آنکھیں خوف کی وجہ سے جھکی اور ذلیل ہوں گی۔ یہ جملہ خبر کے بعد خبر ہے یا یہ واجفۃ کی صفت ہے۔

۴۔ یہ جملہ دلوں کے مضطرب ہونے اور آنکھوں کے جھکے ہونے کی علت ہے، یعنی انہیں اضطراب اور زلزلہ لاحق ہوگا کیونکہ وہ دوبارہ اٹھائے جانے کا انکار کرتے تھے وہ دنیا میں یہی بات کرتے تھے کیا ہمیں موت کے بعد پہلی والی زندگی کی طرف لوٹا دیا جائے گا۔ اس جملہ میں استفہام انکاری ہے، یعنی ہمیں برگزینوں کو لوٹا دیا جائے گا۔ ابو جعفر رحمۃ اللہ علیہ نے لفظوں میں ہمزہ استفہام کو حذف کیا ہے اور معنوں میں اس کا اعتبار کیا ہے۔ حافرہ سے مراد پہلے والی زندگی ہے۔ عرب کہتے ہیں **رَجَعَ فُلَانٌ فِي الْحَافِرَةِ** یعنی وہ اسی راستہ پر واپس لوٹا جس راستہ سے وہ آیا تھا، یعنی اس نے رات میں اپنے نشان چھوڑے تھے جس طرح یہ لفظ ہے **عَيْشَةُ رَاضِيَةٌ**، یعنی اسم فاعل اسم مفعول کے معنی میں ہے یا اسم فاعل کو اسم مفعول سے تعبیر کی۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حافرہ سے مراد آگ ہے۔ (1)

**عَرَادًا كُنَّا عِظَامًا نَجْرَةً ۝ قَالَ أَيْتَلِكُ إِذَا كَرَّرْتَ حَاسِرَةً ۝ فَإِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ ۝
وَإِحْدَاةٌ ۝ فَإِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ۝**

” (یعنی جب) ہم بوسیدہ ہڈیاں بن چکے ہوں گے۔ بولے یہ واپسی تو بڑھی گھائے کی ہوگی ۲۔ (پس اس واپسی کے لئے) تو فقط ایک جھڑک کافی ہے ۳۔ پھر وہ فوراً کھلے میدان میں جمع ہو جائیں گے ۴۔“

۱۔ نافع، کسائی، یعقوب، حمزہ اور عامر نے اسے اذا کنا ہمزہ استفہام کے بغیر پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے اور ہمزہ انکار کے لئے ہے۔ انکار کے بعد ہمزہ کا انکار کے لئے آنا تاکید ہے۔ ظرف محذوف کے ساتھ متعلق ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے انبعث اذا کنا یہ بھی احتمال ہے کہ یہ **مَرْدُودُونَ** کے ساتھ متعلق ہو۔ نخرۃ کا معنی خشک ہے۔ ابو بکر، حمزہ اور کسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسے اسم فاعل کے وزن پر ناخرہ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے نخرۃ پڑھا ہے۔ سعید بن منصور نے محمد بن کعب رحمہما اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان، انا لمردودون فی الحافرۃ نازل ہوا تو قریش کے کفار نے کہا اگر ہم موت کے بعد لوٹے تو ہم تو خسارہ پانے والے ہوں گے تو ما بعد آیت نازل ہوئی۔ (2)

۲۔ اس جملے کا عطف بقولون پر ہے یا قد کے مضمومانے کے ساتھ یہ بقولون کے فاعل سے حال ہے لیکن اس آیت کا شان نزول جس طرح سعید بن منصور کی روایت جو محمد بن کعب رحمہما اللہ تعالیٰ سے مروی ہے وہ اس کے حال ہونے سے انکار کرتی ہے۔

تلك اسم اشاره كالمشار اليه رجعة (لوٹنا) ہے جو اللہ تعالیٰ کے فرمان، انا لمردودون فی الحافرۃ سے سمجھا جا رہا ہے۔ یہ

تو شروع ہوتا ہے۔ اذانی تقدیر کا اس طرح ہے اذاکان كذلك فلنک الرجعة یعنی اگر وہ ان میں سے کسی میں
 عطف سے نمود صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں تو یہ شریعت اور جزاء سے مستغنی ہے کیونکہ یہ ایسے جس کے درمیان واقع ہے جو توبہ سے باز آتا ہے۔
 کثرۃ خاسرۃ یعنی ایسا لوٹنا ہوگا جس میں خسر ہوگا، یعنی اس کا عمل کا سبب اس کا مفول کے معنی میں ہے یہ اس کے لئے
 پورا ہے۔ یعنی خاسرۃ معنی ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ یہ درست ہو تو ہم تجھ کو اس کی وجہ سے اس کے لئے اس
 کے۔ یہ کلام ان کی طرف سے بطور استہزاء ہوگا۔

تو ہی ضمیر سے مراد اور اذانی ہے معنی میں زجر کا معنی آواز کے ساتھ بھرنے کا ہے۔ کہتے ہیں زجر نہ تھا بجز اس کی معنی میں یہ
 آیت ہے کیونکہ زمین میں جو انسان ہوں گے انہیں سور میں چھانٹنے کے ساتھ زمین سے باہر نکال دیا جائے گا۔ جو کسی یہ لفظ سے
 آواز کے لئے استعمال ہوتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے فرمان میں ہے والیراجرات زجراً یعنی تم نے ان آیتوں میں
 بھرتے ہیں۔ لیکن یہ صرف نکالنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے فرمان ہے محضوں ذر زجراً یعنی
 بھرتے ہیں۔

تو ذابہ میں فاء عطف کے لئے ہے اور اذانی صفا حنیہ ہے جو بعد اس میں صرف منصرف یا یہ یا نہ ان کے لئے ہے عطف سے
 فعلیہ پر ہے۔ ان کے لئے یہ جملہ فعلیہ کی قوت میں ہے۔ تقدیر کا یہ ہوں یقولون فی الدنیا کہہ سنا جسوں وقت کریم
 مانساہرۃ۔ یہ جملہ فالما ہی زجرۃ واحدہ معنی ہے اور معطوف علیہ کے درمیان متعلق ہے۔ تفسیر یہ بیان ہے کہ وہ حصہ
 جس کا وہ انکار کرتے تھے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بالکل آسان اور آسان ہے، یعنی تیرے پاس بغیر کسی مشکل کے ہے۔ اس کا
 مراد زمین ہے، یعنی جب وہ زمین پر ہوں گے۔ ایک قول ہے کہ یہ آواز وقتی مستحق زمین ہے۔ تو وہ زمین سے ہوا ہے۔
 مراد زمین ہے۔

هَلْ أَتَىٰ حَبِيبٌ مُّوسَىٰ ۖ إِذْ نَادَاهُ رَبُّهُ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ مِثْرًا

(اے حبیب!) کیا پہنچی ہے آپ کو موسیٰ بن نبیؑ؟ جب ان کے رب نے انہیں طوی میں مقدموں میں پکارا۔
 اس میں استفہام تقریر کے معنی میں ہے، یعنی یقیناً تیرے پاس اس کی خبر پہنچی ہے۔ یہ جملہ معنی ہے کہ جو منسار صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔
 نے آپ کو پہنچایا تھا۔ ساتھ میں ساتھ تو میرے لئے آگے نہیں ہے کہ انہیں بھی ایسا ہی عذاب پہنچا ہے۔ عذاب ان
 کے لئے ہوا ہے۔

اس آیت کا یہ ظرف ہے اور حدیث موسیٰ کے مفہوم کے متعلق ہے۔ مطلب یہ ہوگا یقیناً آپ تک وہ بات پہنچی ہوگی جو ان سے منسار
 اسلام کے متعلق ہے جب ان کے رب نے انہیں ندان تھیں۔ بالواد میں بناء حرف جار فی کے معنی میں ہے۔ ماضی کے صریح
 نمونہ ہے ساتھ پر صاف اور اجتماع سائنس کی وجہ سے اس کے نمونہ کو سرور دیتے ہیں کیونکہ طوی مکان کا نام ہے یہ صی سے منس
 کے نام پر نودی بالمقدس کا مفعول مطلق ہے۔ معنی یہ ہوگا اسے دو ندا میں دن گئیں یا اسے دو ندا نقدتے ہوئے ہیں۔ اس
 کے نمونہ کے بغیر اسے پہنچا ہے کیونکہ وہ معدول تقدیر میں ہے اور صاف سے بند ہے یا یہ ہادی کا نام ہے اور یہ منسار ہے یہ ہادی کا
 منسار کا نام ہے کیونکہ وہ مکان بقعہ کے معنی میں ہے۔ تو اس صورت میں الواد سے عطف بیان ہوگا اور اذہب یہ ہادی کا بیان ہوگا

جبکہ اس سے پہلے قول محذوف ہوگا۔

إِذْ هَبُّ إِيَّاهُ فَدَعَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ ﴿١٥﴾ فَقُلْ هَلْ لَكَ إِلَىٰ أَنْ تَزَكَّىٰ ﴿١٦﴾ وَأَهْدِيكَ
إِلَىٰ رَبِّكَ فَتَخْشَىٰ ﴿١٧﴾ فَأَمَّا رُءُوسُ الْأَكْبَامِ ﴿١٨﴾

” (کہ) جاؤ فرعون کے پاس وہ سرکش بن گیا ہے۔ پس (اس سے) دریافت کرو کیا تیری خواہش ہے کہ تو پاک ہو جائے۔ اور (کیا تو چاہتا ہے) میں تیری رہبری کروں تیرے رب کی طرف تاکہ تو (اس سے) ڈرنے لگے۔ پس آپ نے (جا کر) اسے بڑی نشانی دکھائی ہے۔“

۱۵۔ آپ کے جانے سے پہلے اس نے سرکشی کی۔

۱۶۔ قل کا عطف اذہب پر ہے۔ اہل حجاز اور یعقوب رحمہما اللہ تعالیٰ نے تزکئی کی ذال کو مشدود پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے دو تاؤں میں سے ایک تاء کو حذف کیا ہے، یعنی کیا تو میلان رکھتا ہے کہ اپنے آپ کو شرک سے پاک کرے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس کا معنی ہے کیا تو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ تو لا الہ الا اللہ کہے۔ (۱)

۱۷۔ میں تجھے تیرے رب کی معرفت، اس کی عبادت اور اس کی توحید کی طرف راہنمائی کروں، اس کے نتیجہ میں تو اس کے عذاب سے ڈرتا، تو اس کی وجہ سے فرائض، مجالات اور محرمات کو چھوڑ دیتا کیونکہ میں نے تیری راہنمائی کر دی ہے۔ اس میں فاء سببیہ ہے کیونکہ خوف معرفت کا نتیجہ ہے اور معرفت ہدایت کا نتیجہ ہے۔

۱۸۔ اس جملے کا عطف کلام محذوف پر ہے، یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام تشریف لے گئے۔ آپ نے تبلیغ کی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو اپنی صداقت پر عظیم معجزہ دکھایا۔ آیت کو مفرد ذکر کیا ہے کیونکہ تمام معجزات دلالت کے اعتبار سے واحد ہیں۔ یا یہاں آیت سے مراد صرف عصا (چھڑی) کو سانپ بنانا ہے۔

فَكَذَّبَ وَعَصَىٰ ﴿١٩﴾ ثُمَّ أَدْبَرَ يَسْعَىٰ ﴿٢٠﴾ فَحَشَرَ فَنَادَىٰ ﴿٢١﴾ فَقَالَ أَنَا رَبُّكُمُ
الْأَعْلَىٰ ﴿٢٢﴾ فَأَخَذَ اللَّهُ نَكَالَ الْآخِرَةِ وَالْأُولَىٰ ﴿٢٣﴾

”پس اس نے جھٹلایا اور نافرمانی کی۔ پھر روگرداں ہو کر قنہ انگیزی میں کوشاں ہو گیا۔ پھر (لوگوں کو) جمع کیا پس پکارا کہ اور کہا میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں ہے آخر کار رہتا کر دیا سے اللہ نے آخرت اور دنیا کے (دوہرے) عذاب میں ہے۔“

۱۹۔ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی جبکہ معجزات کے ساتھ ان کی سچائی ظاہر ہو چکی تھی۔

۲۰۔ جب اس نے سانپ دیکھا تو اس جگہ سے تیزی کے ساتھ بھاگا۔ بسعی یہ ادب کے فاعل سے حال ہے یا اس کا معنی یہ ہے فرعون نے ایمان اور طاعت سے روگردانی کی جبکہ وہ خود زمین میں فساد برپا کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

۲۱۔ فرعون نے اپنے لشکر اور جادوگر جمع کئے اور مجمع میں اعلان کیا۔

جسے قاتل یہ غازی کا بیان ہے۔ اس میں فاء تفسیر کے لئے ہے، یعنی مجھ سے بڑا کوئی رب نہیں۔ یا اس کا معنی یہ ہے جو بھی تمہارا سے معاملات کا ذمہ دار ہے میں ان سب سے بڑا ہوں۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ بت تمہارے رب ہیں اور میں تمہارا سے بڑا نہیں ہوں۔

یہ لغت میں نکل کا معنی نضعف اور بجز ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کوئی چیز اسے کسی چیز سے نہ روکتی ہے اور نہ ہی اسے جتا دیتی ہے۔ نضعف کا اطلاق جانور کے اٹھنے اور لگام پر بھی ہوتا ہے کیونکہ یہ دونوں چیزیں جانور کو روکتی ہیں۔ نکلان تنکبیل مصدر سے ہے۔ نکل سے ہے۔ نکلت بہ یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب تو کسی کو لہجہ مزاد سے جو دوسرے لوگوں کو ان قسم کا کلام کہتے ہیں۔ نکلان یہاں یا تو مصدر محذوف کی صفت ہے جو کہ اس کی تاکید بیان کرتی ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی الحمد للہ الحمد للہ الحمد للہ یعنی یہ ہے۔ دیکھتے اور سننے والے کو ایسا فعل کرنے سے روکتی ہے۔ نکلان الاخرہ میں اضافت یا توفیدی ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ آسمان میں جلا کے ساتھ مذاب سے گا اور دنیا میں غرق کرنے کے ساتھ مذاب دے گا۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہما وقتی دامت اللہ علیہما کہتے ہیں۔ یا یہ اضافت لینی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ اسے دوسرے کلمہ پر مزاد دے گا۔ دوسرا کلمہ یہ ہے مَا سَخَّطْتُ لَكُم مِّنَ الْوَسْطِيِّينَ اور یہ جملہ آیت میں مذکور ہے۔ ان دونوں کلمات کے درمیان چالیس سال کا عرصہ تھا۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اور یہ مذمت کے لئے ہے۔ (1)

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَن يَّحْتَسِبُ ﴿١٧٠﴾ أَلَمْ تَرَ أَنزَلْنَا السَّمَاءَ سُبْحَانَ رَبِّكَ
سَمَكًا مَّقْشُورًا ﴿١٧١﴾

سب شلہ اس میں بڑی عبرت ہے اس کے لئے جو اللہ سے ڈرتے ہیں۔ یہاں تمہیں بیدار کرنا مشکل ہے یا آسمان کا اس سے بنا یا لہ اس کی چھت کو خوب ہونچا گیا پھر اس کو درست کیا گیا۔ اس پڑ اور مز میں ان لوگوں کے لئے نصیحت ہے جو ڈرتے ہیں۔ لَمِن يَّحْتَسِبُ یہ ترکیب کلام میں عبرت کی صفت ہے۔ چھت انکسار سے صریقہ پر بعث کے منکرین سے خطاب کیا اور دوبارہ اٹھانے جانے اور اللہ تعالیٰ کے قادر ہونے پر ان کے خلاف۔ اس چیز سے استدلال کیا جس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت ظاہر و باہر ہے۔ وہ چیز کائنات کو پیدا کرتا ہے۔ السماء ترکیب کلام میں مبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی: أَلَمْ تَرَ أَنزَلْنَا السَّمَاءَ سُبْحَانَ رَبِّكَ سَمَكًا مَّقْشُورًا اس جملہ میں استفہام تقریر کے لئے ہے۔ السماء سے مراد آسمان اور اس میں جو کچھ ہے کیونکہ اس کے تفصیل میں زمین اور آسمان میں جو چیزیں ہیں ان کا بھی ذکر ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ آسمان اور اس میں موجود ہر چیز تم سے تخلیق میں بہت مشکل ہے کیونکہ اس میں جو چیزیں تھیں ان کا بعض ہوا اور کُل پہلی دفعہ پیدا کرنے میں جڑ سے زیادہ مشکل ہوتا ہے۔ بہرہ دو بارہ لونا نانا تو اللہ تعالیٰ پر نہیں دفعہ پیدا کرنے سے آسان ہوتا ہے۔

یہ جملہ السماء کی صفت ہے یا تو اس طریقہ پر کہ السماء پر جو الف لام ہے وہ زائد ہے۔ جس طرح اس جملہ میں لام زائد مدنی لَمِنَ اَلْمَنِّ اَلْمَنِّ اَلْمَنِّ یا یہاں ام موصول محذوف ہے۔ تقدیر کلام یوں تھی اَلْمَنِّ اَلْمَنِّ اَلْمَنِّ یا دوسرا جملہ پہلے جملے پر معضوف ہے اور

”اور جو ڈرتا ہوگا اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے اور (اپنے) نفس کو روکتا رہا ہوگا (ہر بری) خواہش سے۔ یہ یقیناً جنت ہی اس کا ٹھکانا ہوگا۔“

یہ قیامت کے روز اپنے رب کے سامنے حساب کے لئے کھڑا ہونے سے ڈرا اور اس نے اپنے نفس امارہ کو خواہش نفسانی سے روکا۔ صحاح میں ہے ہوی کا معنی نفس کا پسندیدہ چیز کی طرف مائل ہونا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اسے ہوی اس لئے کہتے ہیں کیونکہ یہ دنیا میں انسان کو ہر مصیبت کی طرف اور آخرت میں ہاویہ میں ڈالتا ہے۔ ہوی کا لغوی معنی بلندی سے پستی کی طرف گرنا ہے۔

تنبیہ:۔ خواہش نفس تمام ممنوعات اور محرمات کی بنیاد ہے۔ ابو بکر و راق نے کہا اللہ تعالیٰ نے خواہش نفس سے بری کوئی چیز پیدا نہیں فرمائی۔ میں کہتا ہوں ہوں عقل و نقل سے یہ بات ثابت ہے کہ خواہش نفس قبیح ہے۔ عقلی دلیل تو یہ ہے کہ اشیاء کی نفس الامر میں جو حقیقت ہے خصوصاً مبداء اور معاد کی حقیقت، اخلاق اور افعال وغیرہ، امور کے انجام عموماً رائے سے معلوم نہیں کئے جاسکتے ان میں سے اگرچہ بعض کارائے سے اور اک کیا جاسکتا ہے مگر ان پر اس وقت تک اعتماد مناسب نہیں جب تک رسل کے واسطے کے ذریعے علام الغیوب سے معلوم نہ ہوں۔ درندہ رسولوں کی بعثت کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔ عقائد صحیحہ کا حصول، اعمال حسنة اور قبیحہ کا علم، اعمال حسنة اور اخلاق شریفہ اور رزلیہ کا علم یہ اس وقت ہی ممکن ہوتا ہے جب خواہش نفس کے خلاف رسولوں کی اتباع کی جائے جبکہ خواہش نفس کی اتباع مطلقاً اس کی ضد ہے۔ جہاں تک شرعی دلیل کا تعلق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِي**۔ صحاح میں عبودیت کا معنی عاجزی کا اظہار ہے جبکہ عبادت اس سے زیادہ بلیغ ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں تسخیر کے ذریعے عبادت جس پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد دلالت کرتا ہے **وَالَّذِينَ يُسْجِدُونَ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا**۔ دوسری قسم اختیار کے ذریعے عبادت ہے۔ جن وانس سے یہی مطلب ہے کیونکہ تسخیر اور اضطرار کی صورت میں انسان سے اسی چیز کا تصور کیا جاسکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کا ارادہ اور مشیت ہو تو اختیار کی صورت میں بھی ایسا ہونا ضروری ہے دل اور اعضاء کے افعال اور نفس کی صفات میں سے کوئی بھی چیز اس وقت تک متحقق نہیں ہو سکتی جب تک اللہ تعالیٰ کا ارادہ اور اس کا امر نہ ہو۔ اس میں خواہش نفس اور اس کی ضد کا تو کوئی عمل دخل نہیں ہونا چاہئے۔ خواہش کی اتباع تو عبودیت کے منافی ہے۔ ہر باطل قبیح ہے جو خواہش نفس اور فضول آراء سے جنم لیتا ہے۔ کفار نے اپنی فاسد رائے کی بناء پر کہا ہے اس رسول کو کیا ہو گیا ہے کہ کھانا کھاتا ہے، بازاروں میں چلتا ہے۔ کیا ہم اپنے میں سے ہی ایک انسان کی اتباع کریں۔ مجسمہ (جو اللہ تعالیٰ کے لئے جسم ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں) نے کہا اللہ تعالیٰ موجود ہے ہر موجود جسم رکھتا ہے اور کسی مکان میں موجود ہوتا ہے۔ معتزلہ اور دوسرے باطل فرقوں نے کہا عذاب قبر، اعمال کا وزن، پل صراط اور اسی جیسے دوسرے امور کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ فاسق جب اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور قرآن کی اطاعت واجب ہے، وہ عذاب آخرت کا علم رکھتے ہیں، برے اخلاق اور برے اعمال کا بھی انہیں علم ہے، پھر بھی خواہش نفس اور شہوات کی اتباع کی وجہ سے وہ شریعت کے احکام پر ثابت قدم نہیں رہتے، واجبات کو چھوڑ دیتے ہیں، محرمات اور مکروہات کا ارتکاب کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین چیزیں ہلاک کرنے والی ہیں، ان میں سے ایک خواہش نفس ہے۔ وہ بندہ کتنا برا ہے جو نفس کی خواہش کی غلامی کرتا ہے۔ یہ خواہش اسے گمراہ کر دیتی ہے۔ اسے امام ترمذی اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسماء بنت عمیس سے روایت کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین چیزیں ہلاک کرنے والی ہیں (1) خواہش نفس جس کی پیروی کی جائے (2) ایسا بخل جس کی اطاعت کی جائے (3) انسان کا اپنے آپ پر خوش

ہوں۔ یہ تینوں میں سے سخت ہے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے (1)۔ میں نے کہا یہ تینوں چیزیں خواہش نفس کی طرف ہی لوتی ہیں اگرچہ حدیث میں ہوس سے مراد اس کے بعض افراد ہیں۔

ق ۱۰۰

خواہش نفس کو چھوڑنے کے کئی مراتب ہیں۔ اس کا کم سے کم درجہ یہ ہے جو چیز نصوص کے ظاہر اور عقائد میں اسلاف کے خلاف ہو اس سے اجتناب کیا جائے۔ اسی سے وہ اچھا مسلمان بنتا ہے۔ درمیانی درجہ یہ ہے جو مقاصدِ رحمت اللہ علیہ سے ہر ایک انسان کو یاد دلائے تو اسے حساب کے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کھڑے ہونے کا تصور یاد آ جائے تو وہ اسے چھوڑ دے (2)۔ اس مرتبہ میں اتنا یہ ہے کہ انسان مستحبہ امور کو چھوڑ دے اور جس سے پلڑے کا امکان نہ ہو اس سے اجتناب کرے محض اس بناء پر کہ وہ احتیاط کر رہا ہو اس چیز سے اس سے پلڑے کا امکان ہو حضور ﷺ کا فرمان ہے جو مشتبہات سے بچا اس نے اپنے دین اور آبرو بچا لیا اور جو منسہات سے بچا اس نے اپنی جان بچا لی۔ جس طرح ایک بندہ اہل ہوس کو چھوڑ دے گا وہ اہل ہوس کے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کھڑے ہوگا۔ اس مرتبہ کے کمال کی صورت یہ ہے کہ مباح کے دائرے کو محدود کر دے غیر ضروری چیز کی خواہش ترک کر دے اور اس میں سے بچے۔ حضور ﷺ نے فرمایا یہ بھی اطراف میں شامل ہے کہ جو تو خواہش کرے اس کو کھالے (4)۔ اسے ابن ماجہ اور بیہقی نے کہا اللہ تعالیٰ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا کہ ہمارے مریدوں نے کہا۔ شیخ اجل شیخ بہاؤ الدین نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا میں نے اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا قریب ترین طریقہ پایا ہے، وہ نفس کو لٹکتے ہیں اس میں شریعت کے احکام کی زیادہ رعایت کی جائے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

یہاں ایک دقیق مسئلہ ہے وہ یہ ہے کہ کچھ امر تو ظاہر ہیں جن سے بچنا تو ممکن ہے ان میں سے کچھ بیہوشی کی چال سے بھی بچ سکتے ہیں۔ وہ بیہوشی کے لباس میں ہوتے ہیں جس طرح ریا کاری، خود پسندی، نوافل کی زیادتی اور طاعات کی زیادتی کے ساتھ نفس کا ایسا ترسنا جس سے ممانعت آئی ہے۔ یہ بہت ہی لغزش کا مقام ہے۔ ایک شیخ نے اپنے مرید سے فرمایا ہے میں نے مجھے یہ تو بولی خوف نہیں کہ شیطان گناہ کے راستے سے نم تک پہنچ سکے گا لیکن مجھے یہ خوف ہے کہ وہ شیعوں کے راستے سے تم تک پہنچ جائے۔ اس سے بچو کہ مرید نہیں ہے۔ وہ ہر کام میں اپنے نفس پر تہمت لگائے، آہ و زاری کرے اور گناہوں پر بخشش کا طلب گار رہے۔

شعر

نفس اور شیطان کی مخالفت کر اور ان کی نافرمانی کر۔ اُمر یہ دونوں تجھے اخلاص کے ساتھ نصیحت کریں تو تب بھی ان پر تہمت لگا۔ ان سے کسی نہ بھی بطور خصم اور ثالث کے اطاعت نہ کر کیونکہ تو خصم اور ثالث کے مکر کو پہچانتا ہے۔ میں ایسے توں سے اللہ تعالیٰ کی بخشش کا طالب ہوں جس پر عمل نہ ہو۔ اگر میں ایسا کروں تو میں نے اپنی نسل یا نچھ عورت کے ساتھ منسوب کر دی۔

اس مقام پر سب سے محفوظ قلعہ یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو ایسے شیخ کے ساتھ وابستہ کر لے جو فناء فی اللہ اور بقاء باللہ کے مقام پر فخر ہو اور وہ کوئی بھی عمل اس کے حکم اور اجازت کے بغیر نہ کرے۔ شیخ امام یعقوب کرخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے استاد کی

2- تفسیر بخاری، جلد 7، صفحہ 173 (تجاریہ)

1- شعب الایمان: 7252، جلد 5، صفحہ 453 (العلویہ)

4- سنن ابن ماجہ: 3352، جلد 4، صفحہ 55 (علویہ)

3- مشلہ 3: تصانیح، جلد 2، صفحہ 129 (الفلکی)

حالات کے بارے میں بیان فرمایا کہ میں بڑھئی کا کام کرتا تھا۔ مجھ میں کچھ سستی اور اپنے اندر تار کی محسوس ہوئی۔ میں نے ارادہ کیا کہ کچھ دن روزے رکھوں تاکہ یہ سستی دور ہو جائے۔ میں نے روزے رکھے اور صبح شیخ اجل حضرت بہاؤ الدین نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے کھانا لانے کا حکم دیا۔ مجھے فرمایا کھانا کھاؤ کیونکہ وہ انسان کتنا برا ہے جو اس خواہش کی پیروی کرے جو اسے گمراہ کر دے اور فرمایا بے شک کھانا روزے سے افضل ہے۔ اگر وہ روزہ خواہش نفس کی وجہ سے ہو۔ تو مجھے یہ بات سمجھ آگئی کہ نفلی عبادت کے لئے بھی شیخ قانی فی اللہ اور خواہشات سے آزاد شیخ کی اجازت ضروری ہے۔ میں نے حضرت شیخ سے عرض کی اگر کسی کو اس قسم کا شیخ نصیب نہ ہو تو وہ انسان کیا کرے؟ فرمایا وہ کثرت سے استغفار کرے یا ہر نماز کے بعد بیس دفعہ استغفار پڑھے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا میرے دل میں کچھ کدورت آجاتی ہے تو میں روزانہ سو بار اللہ تعالیٰ کے حضور بخشش طلب کرتا ہوں۔ خواہش نفس سے رکنے کا انتہائی مرحبہ یہ ہے کہ انسان خواہش نفس کی مکمل طور پر نفی کر دے اس طرح کہ اس کا مقصود اور مراد صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہو۔ اس مرتبہ کو حاصل کرنے کے لئے صوفیاء اکثر لا الہ الا اللہ کا تکرار کرتے ہیں اور ان کے پیش نظر یہ ہوتا ہے کہ مقصود صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا جب تک ایک انسان خواہش نفس کے تابع ہوتا ہے وہ اپنے نفس کا بندہ اور شیطان کا اطاعت کرنے والا ہوتا ہے۔ یہ عظیم دولت یعنی خواہش نفس کی مکمل طور پر نفی یہ روایت خاصہ، کامل فناء و بقاء کے ساتھ متعلق ہے۔

میں کہتا ہوں اسی مرتبہ پر سونے کو اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر رضا نصیب ہوتی ہے اگرچہ تقدیر طبیعت کے خلاف بھی ہو وہ اس مصیبت کے دور ہونے کی دعا تو کرتا ہے کیونکہ استدعا یا عافیت کو طلب کرنے کا حکم ہے مگر وہ دعا اس لئے نہیں کرتا کہ مقصود حاصل نہ ہونے کی وجہ سے اس کے سینے میں تنگی ہے۔ اس مرتبہ میں انسان اختیار کی حالت میں اللہ تعالیٰ کا اسی طرح بندہ ہوتا ہے جس طرح تسخیر اور اضطراب کی حالت میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوتا ہے۔ اس حالت میں شیطان اس تک بہت کم راہ پاسکتا ہے کیونکہ عمومی طور پر شیطان کی انسان تک رسائی خواہش نفس کے واسطے سے ہوتی ہے۔ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ وہ آدمی جس کے مزاج میں گرمی ہو اور وہ مغلوب الغضب ہو تو شیطان اس کے لئے قتل اور ظلم جیسے افعال کو مزین کرتا ہے اور جس کا مزاج ٹھنڈا اور وہ کمزور دل والا ہو تو شیطان اسے جہاد سے گھر بیٹھ رہنے، حق اور نفاق میں غیرت چھوڑنے جیسے اعمال کو مزین کر کے پیش کرتا ہے۔ اسی طرح دوسرے امور کو قیاس کر لو۔ جب وہ اپنے آپ سے خواہش نفس کو دور کر دیتا ہے تو شیطان کے تمام راستے بند ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ وَّكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيلًا کا یہی معنی ہے۔ اسی مقام کے متعلق شیخ اجل نے یعقوب کاشغری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ ایک آدمی عظیم ہستیوں کے مقام تک نہیں پہنچ سکتا جب تک وہ خواہش نفس سے چھٹکارا نہ پائے۔ اسی مقام پر فائز انسان کے لئے مومن حقیقی کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتٰى يَكُوْنَ هُوَ اَوْ تَبَعًا لِمَا جُنْتُ بِهِ كَابِهِنٍ یہی مطلب ہے۔

شرح السنہ میں بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی روایت کیا ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اربعین میں کہا یہ حدیث صحیح ہے۔ اس کے لئے جنت کے سوا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوگا۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے جبیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے، انہوں نے ضحاک رحمۃ اللہ علیہ سے، انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ مشرکین مکہ نے حضور ﷺ سے سوال کیا قیامت کب برپا ہوگی؟ ان کا یہ سوال استہزاء کے طور پر تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

يَسْئَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مَرُسُهَا ۗ فَيَمَّ اَنْتَ مِنْ ذِكْرِهَا ۗ اِلٰى رَبِّكَ

مُتَّهَاهَا ۛ

۱۔ آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ وہ کب قائم ہوگی؟ اس کے بیان کرنے سے آپ کو یہ نصیحت
۲۔ آپ کے رب تک اس کی انتہاء ہے۔“

سہراؤ اربع سے مراد قریش کے کفار ہیں۔ وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ قیامت کب واقع ہوگی؟ یہ اس سے مصدرت نس و ستر صہراؤ
سے۔ امام عطاء اور ابن جریر رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ سے قیامت کے بارے
میں سوال کیا جاتا تھا۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو لوگوں نے سوال کرنا چھوڑ دیا (1)۔ طبرانی اور ابن جریر رحمہما اللہ تعالیٰ نے طبرانی
میں سے نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ اکثر قیامت کا ذکر کرتے تو ابعد آیت نازل ہوئی۔ (2)

۱۔ ابن ابی عمیر نے عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کی مثل روایت کیا ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ لوگ آپ سے قیامت کے وقت کے
بارے میں پوچھتے تو آپ انہیں جواب دینے کے لئے بیٹھ رہتے تھے تو اس لئے آپ اللہ تعالیٰ سے اس کے وقت کے بارے میں پوچھتے
تھے۔ آیت نازل ہوئی۔ اس سے یہ بات عیاں ہے کہ اس کا وقت مخفی رکھنے میں حکمت ہے اور اس کا علم حاصل کرنے میں امید نہیں رہتی
پس تو چہ آپ نے سوال کرنا چھوڑ دیا۔

فیہ میں استغناء میرے ہوا نکار کا معنی دے رہا ہے اور میں ذکر نہیں اس کا بیان ہے، یعنی آپ کو کیا پانی ہے۔ آپ قیامت کے
بارے میں پوچھتے ہیں اور اس کا وقت بیان کرتے ہیں اس میں نہ ہاڑ ہے اور نہ ہی اس کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ یہ تو آپ سے طور پر
ان ذمہ نہیں رہتے اور نہ یہ حکمت کی وجہ سے اس کا جاننا جائز ہے۔ یہاں اس کا معنی یہ ہوگا کہ آپ کو اس کے وقت کا علم نہیں ہے۔ یہ نہیں
فہم ہی انعمہ میں نشیء یعنی اس کے پاس کچھ بھی علم نہیں۔ یہ بھی احتمال ہے کہ فیہ مبتدا منذوف کی خبر ہو، یعنی یہ سوال یہ ہے کہ
جاننا ہے اور اس کا کیا فائدہ ہے۔ پھر کلام نئے سرے سے شروع کیا اور کہا آپ جانتے خود اس کی نشانی ہیں اور اس سے پانچ آیت
میں سے آپ کا نام انبیاء ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں اور قیامت میں
مہمات کے ہیں، متفق علیہ۔ (3) مستورد بن شداد نے حضور ﷺ سے روایت کیا ہے کہ میں قیامت کی نشانی میں مہمات پر آتی
ہوں، میں قیامت پر یوں سبقت لے گیا ہوں جس طرح سہابہ انکی درمیانی انکی پر مقدم ہے۔ اس کا ترجمہ ہی رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ آیت
ہے 4۔ یہ قول یہ کیا گیا کہ فیہ انت من ذکر ہا سوال کے ساتھ متصل ہے۔ پھر آیت کا معنی یہ ہوگا کہ آپ سے قیامت کے
بارے میں سوال کرتے ہیں کہ وہ کب واقع ہوگی اور کہتے ہیں تمہیں اس کے وقت کے بارے میں کیا معلومات ہیں وہ تو
تے مستہی سے اور وہ موت ہے جس کے فتم ہونے پر قیامت برپا ہو جائے گی اور وہ وقت تیرے رب کے سپرد ہے اللہ تعالیٰ سے
سوال اور پوچھ نہیں جانتا۔ اگر سابقہ آیت سوال کا جواب ہو تو پھر یہاں کی نصیحت ہوں۔ اگر سابقہ آیت سوال کا ترجمہ ہو تو پھر یہ جواب ہوگا۔

إِنَّمَا أَنْتَ مُنذِرٌ مَّنْ يَّخْشَاهَا ۝ كَانْتُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَسُوا إِلَّا عَشِيَّةً

وَوَضَّحَتْهَا ۝

”آپ ضرور خبردار کرنے والے ہیں ہر اس شخص کو جو اس سے ڈرتا ہو۔ گویا وہ جس روز اس کو دیکھیں گے (انہیں یوں محسوس ہوگا) کہ وہ (دنیا میں) نہیں ٹھہرے تھے مگر ایک شام یا ایک صبح ۱۔“

۱۔ آپ کی بعثت کا مقصود قیامت کے وقت کو بیان کرنا نہیں بلکہ آپ کی بعثت کا مقصود یہ ہے کہ آپ اسے ڈرائیں جو قیامت کی سختیوں سے ڈرتا ہے تاکہ وہ اپنے آپ کو ان چیزوں سے بچائے جو اس کا سبب ہیں۔ ایسے لوگوں کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ کیونکہ یہی لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں جب یہ علم ہو کہ قیامت ضرور واقع ہوگی تو ڈرانے کے لئے یہی کافی ہے۔ اس کے واقع ہونے والے وقت کو جاننا کافی نہیں۔ یہ جملہ بھی سابقہ علت والے جملے کا بیان ہے۔

۲۔ بیرونہا میں ہانٹمیر سے مراد قیامت ہے۔ ظرف اس فعل کے متعلق ہے جو مکان کے معنی سے سمجھا جا رہا ہے۔ لم یلبسوا یہ جملہ مکان کی خبر ہے، یعنی وہ دنیا اور قبروں میں صرف ایک رات یا ایک دن ٹھہرے۔ حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے ہل اتک حدیث موسیٰ سے لے کر آخر تک میں امالہ (۱) کیا ہے۔ ابو عمر و رحمۃ اللہ علیہ نے جن میں راء ہے اس میں امالہ کیا، باقی میں بین بین کیا، جبکہ باقی قراء نے سب میں فتح پڑھا ہے۔

ضحیٰ کے لفظ کو عشبہ کی طرف مضاف کیا ہے کیونکہ یہ ایک دن میں جمع ہوتے ہیں، یعنی وہ دنیا اور قبروں میں ٹھہرنے کی مدت اتنی ہی سمجھتے ہیں کیونکہ یہ مدت ختم ہونے والی ہے۔ ختم ہونے اور معدوم ہونے کی وجہ سے گویا یہ مدت کچھ بھی نہ تھی جبکہ عذاب کا زمانہ بڑا طویل ہوگا۔ ساتھ ہی اس عذاب میں شدت ہوگی تو اس کے مقابلہ میں دنیا کا عرصہ بہت ہی قلیل نظر آئے گا۔ اسی کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے لَيْسَ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ۔ گویا یہ آیت ان کے سوال کا جواب ہے، یعنی قیامت کا وقت بہت قریب ہے۔

www.nafseislam.com

سورہ عبس

ایاتھا ۳۲ ﴿سُورَةُ عَبَسَ مَكِّيَّةٌ ۱۰﴾ ﴿مَكِّيَّةٌ ۱﴾

سورہ عبس مکی ہے اس میں ایک ربوع اور یالیس آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ جن کا نام عبد اللہ بن شریح بن مالک لہی تھا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے جبکہ آپ ﷺ بن ربیعہ، ابو جہل بن بشام، عباس بن مطلب، ابی امیہ بن خلف کے ساتھ گفتگو کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی طرف انہیں دعوت دے رہے تھے اور ان کے اسلام لانے کی امید رکھتے تھے۔ حضرت عبد اللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ مجھے پڑھائیے اور مجھے اس چیز کی تعلیم دیجئے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو سکھائی ہے اور ساتھ ہی حضور ﷺ کو ہنسنے لگے اور بار بار نواہ دیتے اور انہیں کچھ معلوم نہ تھا کہ آپ ﷺ کسی اور کی طرف متوجہ ہیں یہاں تک کہ ان کی قطع نموداری سے حضور ﷺ کے چہرہ انور پر ناپسندیدگی کے آثار ظاہر ہو گئے اور اپنے دل میں کہا یہ مردار کیسے اس کے پیچھے رہے، غلام اور نچلے درجے کے لوگ ہیں۔ آپ ﷺ کے چہرہ پر درشتی کے آثار ظاہر ہوئے اور آپ نے ام مکتوم سے رخ پھیر لیا اور آپ اسی قوم کی طرف متوجہ ہو گئے جن سے پہلے ہم کلام تھے (۱) تو اللہ تعالیٰ نے ان آیت کو نازل فرمایا۔

عَبَسَ وَ تَوَلَّى ۙ اَنْ جَاءَكَ الْاَعْمٰی ۙ وَ صَیْدُ رِیْبٍ لَّعَلَّہُ یَرْکَبُ ۙ اَوْ

یَدَّ کَسْرًا فَتَقَعُ الذِّرَکْوٰی ۙ

”جیسے پہنچیں ہوئے اور منہ پھیر لیا (اس وجہ سے کہ ان کے پاس ایک ٹلپینا آیا ہے اور آپ کیا جانیں شاید وہ پانی دے

”ہو جاتا ہے یا وہ غور فکر کرتا تو نفع پہنچاتی اسے یہ نصیحت ہے۔“

۔ دونوں فعلوں میں ہو ضمیر سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہے۔

تے۔ یہاں نصب میں ہے کیونکہ تازع فعلین کے قاعدہ کے مطابق دونوں فعلوں میں سے ایک کا مفعول بہ ہے۔ یا ان سے پہلے (ام جا

تہ و ف سے۔ جاء میں ضمیر سے مراد حضرت عبد اللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ ہیں۔ امام ترمذی اور حاکم رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت

مالک رضی اللہ عنہ سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ اس میں ہے ابن ام مکتوم نے عرض کیا کہ کیا میری گزارش میں کوئی حرج محسوس کرتے ہیں

تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ

اللہ تعالیٰ نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ اس میں یہ وضاحت بھی ہے اس کے بعد رسول اللہ ﷺ جب بھی انہیں دیکھتے، ان کی عزت کرتے اور فرماتے اسے خوش آمدید جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے مجھے عتاب کیا ہے۔ آپ انہیں فرماتے کیا کوئی کام ہے؟ امام ترمذی اور حاکم رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے دو غزوات کے موقع پر دو دفعہ انہیں مدینہ طیبہ پر اپنا نائب بنایا۔ اس آیت میں اعمیٰ کا ذکر اس بات کا شعور دلانے کے لئے ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ کی گفتگو میں جو مداخلت کی تھی اس میں وہ معذور تھے۔

اس میں ماننا مفید ہے یا استفہامیہ ہے اور انکار کا معنی دے رہا ہے۔ یہاں اس کا معنی ادراک کی نفی ہے، یعنی آپ اس کی حالت کو نہیں جانتے اور کس چیز نے آپ کو اس کی حالت سے آگاہ کر دیا ہے۔ اس میں حضور ﷺ کے طرز عمل کے بارے میں بھی عذر پیش کیا جا رہا ہے، یعنی اگر آپ ماجنا کی حالت سے آگاہ ہوتے تو اس سے اعراض نہ کرتے اور غیروں کی طرف متوجہ نہ ہوتے۔ اس آیت میں کئی طریقوں سے حضور ﷺ کی تعظیم کا ذکر ہے۔

1۔ کلام کے آغاز میں آپ کے اعراض اور ناپسندیدگی کو غائب کے صیغوں کے ساتھ ذکر کیا، مخاطب کے صیغوں کے ساتھ ذکر نہیں کیا۔ مقصود یہ وہم دلانا تھا کہ گویا جس سے یہ فعل صادر ہوا وہ آپ کی ذات نہیں، آپ کی یہ شان نہیں کہ آپ سے اس قسم کا فعل صادر ہو۔ اس کی توجیہ یہ ہے کہ اعمال کا دار و مدار نیقوں پر ہے۔ حضور ﷺ کا ارادہ یہ نہیں تھا کہ آپ مطلق اعراض کریں بلکہ غرض یہ تھی کہ یہ آدمی مومن ہے، اگر تعلیم دینے میں تاخیر بھی ہوگئی تو کچھ نقصان نہ ہوگا۔ اس سے اعراض اور انحراف کا کوئی خطرہ نہیں جبکہ قریش کے سردار اعراض کی صورت میں چلے جاتے اور انتظار نہ کرتے، اگر یہ سردار ایمان لے آتے تو ان کی وجہ سے بے شمار لوگ مسلمان ہو جاتے اور اللہ تعالیٰ کا دین پھیل جاتا۔ اس غرض کی وجہ سے گویا حضور ﷺ سے نابینا کے لئے اعراض صادر ہی نہیں ہوا اگرچہ ظاہر میں اعراض واقع ہوا۔

2۔ حضور ﷺ کے عذر کی طرف اشارہ ہے کہ آپ نہیں جانتے تھے ورنہ آپ سے اس قسم کا عمل صادر نہ ہوتا۔

3۔ غائب کے صیغوں سے خطاب کے صیغہ کی طرف التفات کیا گیا ہے تاکہ انس پیدا ہو، وحشت دور ہو اور اعراض کے وہم کو دور کرنے کے لئے خطاب کے صیغوں کے ساتھ توجہ کی۔ عذر کا موجب مخاطب کے صیغہ کے ساتھ آپ کی طرف منسوب کیا تاکہ جو عمل آپ سے صادر ہوا ہے اس کے بارے میں آپ کا معذور ہونا صراحت سے ثابت ہو۔

4۔ یز کی اصل میں یتز کی تھا، یعنی شاید وہ شرک جلی اور شرک خفی، نفس کے رذائل اور اس کی خواہشات، دل کو غیر اللہ کے ساتھ وابستہ کرنے سے اپنے آپ کو پاک کرنا اور عالم امر کے تمام لطائف سے غفلت کو دور کر کے اور عالم خلق کے عناصر میں سے ہر عنصر کے حملہ بوزائل کر کے اپنے آپ کو پاک کرنا جبکہ اس نعمت کا حصول حضور ﷺ کے فیض صحبت، آپ کے انفاس شریفہ کی برکت اور آپ کے انوار ظاہرہ اور باطنہ کو حاصل کرنے سے رہی ممکن ہے۔

۵۔ ید کر اصل میں یتد کر تھا، یعنی وہ اپنے آپ کو ایسی باتوں میں مشغول کرتا جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے اور اس کے حضور میں اضافہ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرا اور اس کے ثواب کی امید کو پیدا کرتا ہے۔ عاصم رحمۃ اللہ علیہ نے لعل کے جواب میں فتنفہ کو منصوب پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے ید کر پر عطف کرتے ہوئے اسے مرفوع پڑھا ہے۔ صحاح میں ہے ذکر ہی کا معنی کثرت ذکر ہے جو ذکر سے بلیغ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے لعلہ یز کی۔ ابرار کی منزل کی انتہاء کا شعور دلاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا

فرمان ناید کر یہ نیک لوگوں کی ابتدائی منزل کا شعور لاتا ہے۔ یہاں مترجمین اور صدیقین کی حالت کا ذکر نہیں ہوتا۔ یہ مقام یعنی محنت سے حاصل کرنے والے مقامات کا ذکر ہے۔ رہے مترجمین ان کے مقامات کا انحصار اجنباء (وتبی) پر ہوتا ہے جو اصل میں نبی کے ساتھ خاص ہے۔ تاہم ان کی وراثت اور تفہیل کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ جسے عطا فرمادے۔ یہاں او کا کلمہ مع خلوا (۱) کے قاعدہ پر منع جمع کے طور پر نہیں۔ جس طرح ایک قول ہے جنابس الحسن او ابن سیرین یعنی حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ۔ پاس بیٹھویہ حضرت ابن سیرین رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھو، ایسا نہ ہو کہ تم کسی کے پاس بھی نہ بیٹھو۔ ہاں اگر دونوں کے پاس بیٹھو تو بہت ہے۔ اس کی کوئی ممانعت نہیں۔ یہ جملہ مجملہ معترضہ ہے۔ اس میں وہی فوائد پائے جاتے ہیں جو ہم نے ذکر کئے ہیں۔ نیز ان کی مناسبت جہی ہے کہ نابینا تو خطاب کے لائق ہے اور اس میں اشارہ یہ بات کی گئی کہ قریش کے سردار اس کے اہل نہ تھے کہ ان سے آپ ان میں مخاطب ہوئے اور اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ آپ ان کے بارے میں جو ارادہ رکھتے ہیں اس کی امید نہیں۔ جس میں آپ آدنی کی بوجہ مسئلہ سمجھاتا ہے اور کہنے والا اسے نہیں سمجھتا جبکہ اس کے پاس ایک اور ایسا آدنی موجود ہے جو اس کو سمجھ لیتا ہے تو سمجھنے والے بوجہ جاتا ہے جو کچھ تم کہتے ہو یہ اس کے سمجھتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا لعلہ کی ضمیر کا فرکی طرف لوٹ رہی ہو، یعنی آپ کا فرے بارے میں منع رکھتے ہیں کہ وہ اپنا تڑکیہ کرے گا مگر آپ کو کیا معلوم کہ جس کی آپ طمع کرتے ہیں وہ ضرور ہو کر رہے گا۔ اس صورت میں لعلہ پر کسی یہ لیدریک کا دوسرا مفعول ہوگا۔

أَهَافِنِ اسْتَعْنِي ۚ فَأَنْتَ لَهٗ تَصَدَّى ۚ وَمَا عَلَيْكَ أَلَا يَدْرِكُنِي ۚ وَأَقَامُنِ
جَاءَكَ يَسْعَى ۚ وَهُوَ يَخْشَى ۚ فَأَنْتَ عَنْهُ تَلَهَّى ۚ

”لیکن وہ جو پروا نہیں کرتا کہ آپ اس کی طرف تو توجہ کرتے ہیں اور آپ پر کوئی ضرر نہیں اگر وہ نہ سدھرنے سے اور

جو آپ کے پاس آیا ہے روز تار ہوا ہے اور وہ ڈر بھی رہا ہے۔ تو آپ اس سے بے رخی برتتے ہیں۔“

۱۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا وہ اپنے مال و اسباب کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اور ایمان سے مستغنی ہو گیا۔

۲۔ نافع اور ابن کثیر رحمہما اللہ تعالیٰ نے تصدی میں صاد کو مشدود اور تاء تفعیل کو صاد میں ضم کر کے پڑھا ہے جبکہ باقی قرآن نے دو تاءوں

میں سے ایک تاء کو حذف کر کے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ معنی یہ ہوگا آپ اس کا سامنا کرتے ہیں اور اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں

تاکہ اس سے تڑکیہ فوت نہ ہو۔

۳۔ اگر وہ تڑکیہ نہ کرے تو تجھ پر کوئی حرج نہیں یہاں تک کہ اس کے اسلام لانے پر آپ کا حریف ہو اس آدنی سے اعتراض نہ پڑا۔

۴۔ جو اسلام لا چکا ہے۔ بے شک آپ کے ذمہ یہاں حق پہنچانا ہے۔ یہ جملہ یا تو تصدی کا فاعل ہے یا تہمت معترضہ ہے۔

۵۔ یہاں یہ جملہ جاءک کے فاعل سے حال ہے، یعنی جو بھلائی اور خیر آپ کے پاس موجود ہے وہ اس کی طلب کرنے والا اور اس کے لئے کوشش کرنے والا ہے۔

۶۔ جبکہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے۔ یہ جملہ حال مترادف ہے یا حال متداخُل ہے، یعنی یہ یسعی کے فاعل سے حال ہے۔

۷۔ حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے سورت کی ابتدا سے لے کر یہاں تک امالہ کیا ہے۔ ورتش نے ذکر ہی کے علاوہ میں بین بین یا

(۱) یعنی دونوں حالتوں سے خالی نہ ہوگا، کم از کم اسے ایک حالت تو حاصل ہو جائے گی۔ ہاں دونوں بھی ممکن ہیں، دونوں کا اکٹھا ہونا بھی ممکن نہیں۔ مترادف

اور ذکر میں امانہ کیا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے فتح کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی آپ اس کی بجائے کسی اور کی طرف مشغول ہوتے ہیں عیس اور قولی میں جو اجمال تھا۔ یہ دونوں جملے اس کی تفصیل ہیں اور جس وجہ سے یہ عتاب ہے اس کا بیان ہے، وہ طالب کی طرف توجہ نہ کرنا اور غافل کے لئے تمام صلاحیتیں صرف کرنا ہے جب کہ مناسب یہ تھا کہ طرز عمل اس کے برعکس ہوتا۔

كَلَّا إِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۝ فَمِنْ شَاءَ ذَكَرْنَا ۝ فِي صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۝ مَّرْفُوعَةٍ ۝
مُطَهَّرَةٍ ۝ بِأَيْدِي سَفَرَةٍ ۝

”ایسا نہ چاہئے یہ تو نصیحت ہے لہ سو جس کا جی چاہے اسے قبول کر لے۔ یہ ایسے صحیفوں میں (ثبت) ہے جو معزز ہیں

۱۔ جو بلند مرتبہ پاکیزہ ہیں۔ ایسے کتابوں کے ہاتھوں سے لکھے ہیں۔“

۱۔ کلا جھڑکنے کے لئے ہے، یعنی اس جیسا عمل کبھی بھی نہ کریں۔ انہا میں ہاشمیر سے مراد قرآن ہے۔ خبر کے مونث ہونے کی وجہ سے ضمیر کو مونث ذکر کیا یا آیات کی تاویل کی بناء پر اسے مونث ذکر کیا، یعنی یہ سراپا نصیحت اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کا باعث ہے۔
۲۔ جو نصیحت حاصل کرنا چاہے اور اس کے ذکر کا طالب ہو تو وہ قرآن کو یاد کرے۔ یہ جملہ معترضہ ہے۔ ذکر کو مشیت کے ساتھ مشروط کرنا صیغہ کے اعتبار سے تو تخمیر ہے مگر اس میں اعراض کرنے والوں کو شرمندہ کیا جا رہا ہے اور جو اس میں مصروف رہتے ہیں اس کے لئے ثناء ہے۔

۳۔ جار مجرور شبہ فعل کے متعلق ہو کر تذکرہ کی صفت ہے یا یہ ان کی دوسری خبر ہے یا یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے جو بھی ہے۔ صحف سے مراد لوح محفوظ ہے یا اس سے مراد وہ صحیفے ہیں جنہیں ملائکہ لوح محفوظ سے لکھتے ہیں یا اس سے مراد انبیاء کے صحیفے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَإِنَّ لَفِي ذُبُرِ الْأَوَّلِينَ، إِنَّ هَذَا لَفِي الصُّحُفِ الْأُولَىٰ ۝ صُحُفٍ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ يَا اس سے مراد وہ صحیفے ہیں جنہیں صحابہ نے حضور ﷺ سے لکھا تھا۔ وہ صحیفے اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑے معزز محترم ہیں۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی شان بڑی بلند ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا یہ ساتویں آسمان میں بلند ہیں۔ یہ جنبی، حائضہ اور نفاس والی عورت اور محدث کے چھونے سے پاک ہیں۔

۵۔ سفرہ یہ مسافر کی جمع ہے جس کا معنی کاتب ہے۔ اسی وجہ سے کتاب کو سفر کہتے ہیں اور اس کی جمع اسفار آتی ہے۔ حضرت ابن عباس اور مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی یہی کہا ہے۔ اس سے مراد معزز فرشتے ہیں جو کاتب ہیں یا اس سے مراد انبیاء ہیں یا کاتبین وحی ہیں۔ دوسروں نے کہا یہ سفیر کی جمع ہے جس کا معنی قاصد ہے۔ جو شخص لوگوں کے درمیان صلح کرانے سے سفیر القوم کہا جاتا ہے (1)۔ پس اس سے مراد فرشتوں اور بشر میں سے رسول ہیں۔ میں کہتا ہوں اسی طرح کاتبین وحی اور امت کے علماء مراد ہو سکتے ہیں کیونکہ ان میں سے ہر ایک رسول اور امت کے درمیان سفیر ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو قرآن پڑھتا ہے اور وہ اس میں ماہر بھی ہے۔ وہ معزز اور نیک سفرہ کے ساتھ ہوگا اور جو قرآن پڑھتا ہے اور اس سے فائدہ اٹھاتا ہے جبکہ یہ عمل اس پر شاق ہوتا ہے تو اس کے لئے دو گنا اجر ہے (2)۔ اسے شیخین نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے دو اجروں سے مراد ایک قرأت کا اجر اور دوسرا مشقت کا اجر ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ماہر کے لئے تو غیر متناہی اجر ہیں۔

كِرَامٍ بَرَكَاتٍ ۝ قَتَلَ الْإِنْسَانَ مَا أَكْفَرًا ۝ مِنْ آمِي شَيْءٍ خَلَقَهُ ۝ مِنْ

نُصْفَةُ خَلْقِهِ فَقَدَرًا ۝

”جو بڑے بزرگ اور قیوکار ہیں، غارت ہو (منکر) انسان جو کتنا احسان فراموش ہے، کس چیز سے اللہ نے اسے

پیدا کیا ہے ایک بوتل سے اسے پیدا کیا پھر اس کی ہر چیز اندازہ سے بنائی ہے۔“

۱۔ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں معزز اور مومنین پر بڑے شفیق ہیں۔ یہ مومنوں کو کامل بناتے ہیں اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور بخشش کے طلب گار ہوتے ہیں۔ وہ بڑے متقی ہیں۔ یہ سفرہ کی صفت کے بعد دوسری صفت ہے۔ علامہ کی شان بھی اسی طرح ہونی چاہئے۔

۲۔ یہ انسان کے لئے بدترین دعا ہے اور اس کے کفر میں زیادتی پر انتہائی تعجب ہے جبکہ شکر بجالانے اور ایمان لانے کے سبب شہرا سباب مہربود ہیں۔ یہ کلام مختصر ہونے کے باوجود عظیم نارا نصیبی اور بلیغ مذمت پر دلالت کرتا ہے۔

ابن منذر نے عکرمہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے اور اسی طرح مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ یہ آیت عقبہ بن ابی لہب کے حق میں نازل ہوئی (۱)۔ اس نے کہا رب نجم کا انکار کرتا ہوں۔ جس طرح سیرت کی کتابوں میں ہے کہ اس کا واقعہ یوں ہوا کہ حضور ﷺ نے اپنی بیٹی ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا عقد نکاح عقبہ سے کیا اور اس کے بھائی سے ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بھین کا عقد نکاح کیا۔ جب ابولہب کے حق میں سورہ تیت نازل ہوئی تو ابولہب نے کہا اگر تم دونوں محمد (ﷺ) کی بیٹیوں کو طلاق نہ دو تو میرا سر تم پر حرام ہے۔ تو دونوں نے دونوں بیٹیوں کو طلاق دے دیں۔ یہ واقعہ رخصت سے پہلے کا ہے۔ عقبہ نے جب ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو طلاق دے دی تو وہ حضور ﷺ کے پاس آیا اور کہا میں نے تیرے دین کا انکار کیا۔ میں نے آپ کی بیٹی کو چھوڑ دیا، آپ پر حمد کر دیا اور حضور ﷺ کی قمیص پہنا دیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے کتوں میں سے کوئی کتا تجھ پر مسط کرے۔ وہ قریش کے ایک قافلہ کے ساتھ بحیثیت تاجر شام کی طرف نکلا یہاں تک کہ ودرات کے وقت شام کے علاقہ زوراء میں تھمے۔ اس رات شیر نے اس پر چکر لگایا۔ عقبہ کہتا ہلاکت ہو مجھے تو حضور ﷺ کی ہمدعا سے ڈر لگتا ہے۔ ان سب نے اپنے سامان کو جمع کیا۔ سب سے اونچی جگہ عقبہ کو سلا یا اور خود اس کے ارد گرد سو گئے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے ان سے الگ تھلگ رہا یہاں تک کہ دوسو گئے جبکہ عقبہ ان سب کے درمیان تھا۔ پھر شیر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا آیا اور انہیں سونگھنے لگا یہاں تک کہ اس نے عقبہ کو چکڑیا اور گلڑے گلڑے کر دیا۔

میں کہتا ہوں جہاں تک عقبہ اور معتب کا تعلق ہے جو ابولہب کے دونوں بیٹے تھے وہ بعد میں مسلمان ہو گئے تھے اور غزوہ تبوک کے موقع پر حضور ﷺ کے ساتھ تھے اور بھاگ جانے کے بعد آپ کی طرف لوٹ آئے تھے۔

۳۔ ایمان اور شکر کو واجب کرنے والی چیزوں کا بیان ہے انسان کی تخلیق کے آغاز کو ذکر کیا کیونکہ یہ تمام نعمتوں میں سے پہلی نعمت ہے۔ حلقہ کے قائل کی ضمیر اس مرجع کی طرف لوٹ رہی ہے جو تقدیر اخذ ہے۔ یہاں استفہام تقریری ہے اور مخاطب کو اس بات پر برا بیخود کرتا ہے کہ وہ یہ اقرار کرے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا کیا ہے۔ من نطفۃ یہاں کا بیان ہے۔ یہ توجیہ ذہن میں زیادہ وقعت رکھتی ہے۔ اس میں انسان کی تخلیق بھی ہے جو تکبر کے منافی ہے۔

۴۔ جار مجرور فعل محذوف کے متعلق ہے جو خلق ہے پہلے جس چیز کا ذکر مبہم انداز میں تھا۔ اس کا یہ بیان ہے پھر اس کی تخلیق سے لے کر

اس کی موت تک جو احوال و قافو قفا اس پر طاری ہوتے رہتے ہیں ان کو بیان فرمایا۔ رحم میں اسے نطفہ سے پیدا فرمایا اور موکل فرشتہ نے اللہ تعالیٰ کے اذن سے چار چیزیں لکھ دیں، اس کا عمل، موت، رزق اور اس کا شقی یا سعید ہونا جس طرح ہم نے سورۃ مرسلات میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی ہے۔ یہ تاویل ان تاویلوں سے بہتر ہے جن میں یہ ذکر ہے کہ اعضاء اور اشکال بنائیں یا نطفہ سے لے کر تخلیق کے مکمل ہونے تک مختلف مراحل مقدر فرمائے۔

ثُمَّ السَّبِيلَ يَسْرَةً ۚ ثُمَّ آمَاتَهُ فَاقْبَرَهُ ۚ ثُمَّ إِذَا شَاءَ أَنْشَرَهُ ۙ ط

”پھر (زندگی کی) راہ اس پر آسان کر دی۔ پھر اسے موت دی اور اسے قبر میں پہنچا دیا۔ پھر جب چاہے گا اسے دوبارہ

زندہ کر دے گا۔“

۱۔ اشعار علی شرط تفسیر کی بناء پر السبیل کو نصب دی گئی۔ اس جملے کا عطف، قدر پر ہے۔ معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ماں کے پیٹ سے اس کے نکلنے کو آسان بنا دیا۔ سدی اور مقاتل رحمہما اللہ تعالیٰ نے یہی کہا ہے یا اس کا معنی ہے حق اور اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے راستہ کو آسان بنایا (1)۔ اس کی صورت یہ بنائی کہ رسولوں کو مبعوث کیا اور کتابیں نازل فرمائیں تاکہ اس پر حجت تمام ہو جائے۔ اسی کی مثال اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ ۖ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ ۖ فَسَنِيئَةٌ لَهُ لِيُعْطَىٰ ۖ وَأَمَّا مَنْ هَمَّ وَاسْتَعْتَىٰ ۖ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَىٰ ۖ فَسَنِيئَةٌ لَهُ لِيُعْطَىٰ ۖ يَا اس کا معنی ہے اس کے لئے دنیا کی زندگی اور اس پر مرتب ہونے والے نتیجے کو آسان بنا دیا کیونکہ دنیا ایک راستہ ہے جو یا تو جنت تک لے جاتا والا ہے یا جہنم تک لے جانے والا ہے۔ یہ مستقل رہنے کی جگہ نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دنیا میں اس طرح رہو گویا تم اجنبی یا مسافر ہو (2)۔ اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ امام احمد، امام ترمذی، ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے اتنا زائد ذکر کیا ہے اور اپنے آپ کو اصحاب قبور سے شمار کرو۔ بالبعد فرمان اسی تاویل کے مناسب ہے۔

۲۔ موت عطا کرنے کو بھی نعمت میں شمار کیا ہے کیونکہ موت جنت میں پہنچنے کا ذریعہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مومن کا تختہ موت ہے (3)۔ اسے طبرانی، حاکم، بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے شعب اور ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے حلیہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا ہے۔ جہاں تک اس کے جہنم کی طرف جانے کا تعلق ہے تو اس کے اپنے غلط انتخاب کی وجہ سے ہے اور اس پر کسی قسم کا جبر نہیں تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرا ایک سردار ہے جس نے دعوت کا اہتمام کیا اس نے دعوت دینے کے لئے آدمی بھیجا جس نے دعوت کو قبول کر لیا وہ گھر میں داخل ہو گیا اور کھانا کھالیا اور آقا بھی راضی ہو گیا جس نے دعوت کو قبول نہ کیا وہ گھر میں داخل بھی نہ ہوا اور کھانا بھی نہ کھایا اور آقا بھی اس پر ناراض ہو گیا۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کی مثال سید کی ہے، محمد ﷺ دعوت دینے والے ہیں، گھر سے مراد اسلام ہے اور کھانا جنت ہے۔ اسے دارمی رحمۃ اللہ علیہ نے ربیعہ جری کی حدیث سے روایت کیا (4)۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ اس کے بعد لوگوں کو حکم دیا کہ وہ میت کو قبر میں دفن کر دیں تاکہ اس کا جسم درندوں سے محفوظ رہے۔ یہ دوسری نعمت ہے جس میں انسان کی تکریم کا اہتمام ہے۔ اسے دوسرے حیوانات کی طرح مردہ حالت میں

2۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 57 (وزارت تعلیم)

4۔ سنن الدارمی، جلد 1، صفحہ 15 (الحامی)

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 175 (التجاریہ)

3۔ شعب الایمان، جلد 7، صفحہ 171 (العلمیہ)

ہاں بھینٹنے کا حکم نہیں دیا۔

سب اللہ تعالیٰ سے قبر سے باہر نکالنے کا ارادہ کرے گا تو باہر نکال لے گا کیونکہ جو ذات پہنچا دفعہ پیدا کرنے پر قادر ہے وہ دوسری دفعہ بھی پیدا کر سکتی ہے۔ اس چیز کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے رسولوں کی زبانوں سے آگاہ کیا۔ اگر دوبارہ اٹھانا اور جزاء و سزا کا سلسلہ نہ ہوتا تو شکر گزار بھی کافر کی طرح رہ جاتا اور یہ بہت قبیح عمل ہے۔

كَلَّا لَسَاءَ يَفْقِصَ مَا آمَرَكَ ۝ فليستظر الإنسان إلى طعامه ۝ انا صيبنا الماء
صبا ۝ ثم سقمنا الا مرض شقا ۝

”یقیناً وہ بجاتہ لایا جو اللہ نے اسے حکم دیا تھا۔ پھر ذرا انسان غور سے دیکھے اپنی غذا اسے کو بے شک ہم نے زور سے پانی برسایا۔ پھر اچھی طرح پھاڑا زمین کو۔“

۱۰۰: دلائل جو ایمان کو واجب کرتے تھے اور وہ نعمتیں جو شکر کا موجب تھیں۔ ان کے باوجود کفار جو انکار اور ناشکر کی حالت میں تھے۔ اس پر انہیں جہنم کا جہاز بنا ہے۔ یعنی ان عظیم الشان نعمتوں اور باریک دلائل کا علم رکھنے کے باوجود انہوں نے آج تک اللہ تعالیٰ کے اس قسم کا حق ادا نہیں کیا جو اللہ تعالیٰ نے انہیں ایمان اور شکر بجالانے کے بارے میں دیا۔

۱۰۱: جس جہنم کا عطف سابقہ جملہ پر ہے، یعنی انسان کو پہلے اپنی ذلت پر غور کرنا چاہئے کہ اس کی تخلیق کے آغاز سے لے کر اس کی انتہاء تک اس قدر احسانات فرمائے۔ پھر وہ اپنے کھانے کی طرف دیکھے کہ کیسے ہم نے کھانے کو تخلیق فرمایا اور اسے کھانے سے لطف اندوز کیا۔

۱۰۲: ہم نے آسمان سے بارش کو نازل فرمایا کوہ کے قراء نے انا کو ہمزہ کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ یہ الطعام سے بدل استعمال ہے جو اس کھانے کی پیدائش کی کیفیت کو بیان کرتا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ یہ جملہ مستأنف ہے۔ صبا ترکیب کلام میں مفعول مطلق ہے۔

۱۰۳: زمین سے کھیتی کو نکال کر یا ندی نالوں کے ذریعے پھاڑا۔ اس سورت میں فعل کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف اسی طرح ہے جس طرح فعل کی نسبت مسبب کی طرف ہو۔

فَأَنبَتْنَا فِيهَا حَبًّا ۝ وَعِنَبًا وَقَضْبًا ۝ وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا ۝ وَحَدَائِقَ غَدَاةٍ ۝ وَوَاكِهِم مِّنَ الْأَبْيَانِ ۝ فَكُلُوا مِن ثَمَرِهِمْ إِذَا أَثْمَرَ ۝ وَلَا تَوَلَّوْا الْفُلُوكَ مَوَلَاتٍ ۝ لَّئِي لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَانًا ۝

”پھر ہم نے اگایا اس میں غلہ اور انگور اور ترکاریاں اور زیتون اور کھجوریں اور گھنے باغات سے اور (طرح طرح کے) پھل اور گھاس سے مسلمان زیت تمہارے لئے اور تمہارے موبیشیوں کے لئے ہے۔“

۱۰۴: حنظل سے مراد زمین ہے جس سے مراد گندم، جو اور اسی طرح کی دوسری چیزیں ہیں۔

۱۰۵: قضبا سے مراد ماگ ہے۔ قضبا یہ قضبہ کا مصدر ہے مصدر کے ساتھ نام رکھنے کی وجہ یہ ہے کیونکہ انہیں بار بار کاٹا جاتا ہے۔ صحاح میں قضب کا لفظ سبز پلوں کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ قاموس میں قضب سے مراد ایسا درخت ہے جو لمبا ہو اور اس کی ٹہنیاں پھیلی ہوئی ہوں۔

۳۔ غلب ایسے باغ کو کہتے ہیں جس کے درخت گھنے ہوں۔ قاموس میں اسی طرح ہے۔

۴۔ پھلوں سے ایسے پھل جنہیں محض لذت حاصل کرنے کے لئے کھایا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے فقہاء کہتے ہیں جس نے یہ قسم اٹھائی کہ وہ فاکھہ نہیں کھائے گا تو وہ کھجور، انگور اور زیتون کھانے سے حائث نہیں ہوگا۔ ساتھ اس تعبیر کی وجہ یہ بھی ہے کہ عطف مغائرت کی دلیل ہے۔ اسی طرح ہر وہ پھل جس سے غذا اور دوا کا ارادہ کیا جاتا ہے جس طرح انبار ہے۔ ابقا سے مراد گھاس اور چراگاہ ہے۔ قاموس میں اسی طرح ہے۔

۵۔ متاعا یہ ابتنا کا مفعول لہ ہے۔ گندم وغیرہ کو تمہارے لئے اور چراگاہوں کو تمہارے چوپاؤں کے لئے پیدا کیا تاکہ تم ان سے لطف اندوز ہو۔

فَإِذَا جَاءَتِ الصَّاحَّةُ ۙ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ۙ وَأُمُّهُ وَأَبِيهِ ۙ وَ
صَاحِبَتَهُ وَبَنِيهِ ۙ لِكُلِّ أُمَّرٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ ۙ

”پھر جب کان بہرا کرنے والا شور اٹھے گا۔ اس دن آدمی بھاگے گا اپنے بھائی سے اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اور اپنے بچوں سے۔ ہر شخص کو ان میں سے اس دن ایسی فکر لاحق ہوگی جو اسے (سب سے) بے پرواہ کر دے گی۔“

۱۔ قاموس میں صاخہ سے مراد چیخ ہے جس میں شدت پائی جائے۔ یہاں اس سے مراد صور کا نچہ ہے۔ صحاح میں ہے صاخہ سے مراد سخت آواز ہے جو بولنے والے کی طرف سے صادر ہو۔ اس تعبیر کی بناء پر صور پھونکنے کی اس کے ساتھ صفت لگانا بطور مجاز ہوگا کیونکہ اس نچہ پر لوگ سخت چیخیں گے۔ یہ ایسی شرط ہے جس کی جزاء محذوف ہے۔ یہ جملہ اللہ تعالیٰ کے فرمان اِنَّهَا تَذَكِّرُكَ مَا يَفْتَلُ الْاِنْسَانُ مَا اَكْفَرُوْهُ كَمَا يَفْتَلُ الْاِنْسَانُ مَا اَكْفَرُوْهُ کے ساتھ متعلق ہے۔ پہلی صورت میں تقدیر کلام یہ ہوگی اِنَّهَا تَذَكِّرُكَ وَ اِعْظَمَةُ فَاِذَا جَاءَتِ الصَّاحَةُ یعنی اس کے ساتھ اس سے نصیحت حاصل کرنے والوں اور نصیحت حاصل نہ کرنے والوں کی حالت مختلف ہو جائے گی۔ وجوہ یومئذ اس کا بیان ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ اس کی جزاء وجوہ یومئذ ہو۔ دوسری تعبیر کی صورت میں تقدیر کلام یہ ہوگی فُتِلَ الْاِنْسَانُ مَا اَكْفَرُوْهُ فَاِذَا جَاءَتِ الصَّاحَةُ بِرَبِّ جَزَاءٍ كُفْرَانِهِ، یعنی جب صاخہ واقع ہوگا تو وہ اپنی ناشکری کی جزا دیکھ لے گا۔

۲۔ اس وقت وہ اپنی ذات کے بارے میں مشغول ہوگا اور اسے یہ بھی علم ہوگا کہ وہ اسے کچھ نفع نہ دیں گے یا ان کے کفر اور برے حال کے باعث وہ ان سے بغض کرے گا اور انہیں ناپسند کرے گا۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے ان دو بچوں کے بارے میں پوچھا جو دور جاہلیت میں فوت ہو گئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ جہنم میں ہوں گے۔ جب حضور ﷺ نے ان کے چہرہ پر ناگواری کے آثار کو دیکھا تو آپ نے فرمایا اگر تم ان کے مکان کو دیکھ لو تو تم ان سے بغض کرنے لگو۔ اس حدیث کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (1)۔ زیادہ محبوب کو مسخر ذکر کرنا مبالغہ کے لئے ہے۔ گویا یہ فرمایا آدمی اپنے بھائی سے بھاگے گا، نہیں بلکہ اپنے والدین سے بھاگے گا، نہیں بلکہ اپنی بیوی سے بھاگے گا، نہیں بلکہ اپنے بیٹوں سے دور بھاگے گا۔ یوم یفر یہ اذا سے بدل ہے۔

۳۔ ہم ضمیر سے مراد لوگ ہیں۔ یومئذ شبہ فعل محذوف کے متعلق ہے۔ شان یہ شبہ فعل محذوف کا فاعل ہے یا یہ مبتدا ہے اور فاعل اس کی خبر ہے۔ یعنی یہ شان کی صفت ہے، یعنی اس کی اپنی حالت دوسروں کی حالت سے اسے غافل کر دے گی۔ یہ فاعل کی تعلیم ہے۔ حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو حضور ﷺ کی زوجہ محترمہ تھیں۔ انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ہمیں کوٹنے پاؤں، ننگے بدن اور ننگے کے بغیر اٹھائے گا۔ پسند ان کے منہ اور کانوں کی لوہوں تک پہنچا ہوگا۔ میں نے عرض کی یہ رسول اللہ ﷺ کیا ہم میں سے بعض بعض کی شرمگاہوں کو دیکھ رہے ہوں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا لوگ مشغول ہوں گے۔ یہ یہ ایک ایک کی حالت ہوگی جو اسے دوسروں سے بے نیاز کر دے گی۔ اسے طبرانی، بیہقی اور بغوی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے اور صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس کی مثال مروی ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا ان کا معاملہ اس دن اس سے بھی سخت ہوگا۔ یعنی وہ ایک دوسرے کی شرمگاہیں دیکھیں گے۔ لہذا بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اہل بیت عباس رضی اللہ عنہما سے اس کی مثال روایت کیا ہے۔

وَجُودٌ يَوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ۝ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْسِرَةٌ ۝ وَيُجُودٌ يَوْمَئِذٍ عَلِيمٌ
عَابِرَةٌ ۝ لَرَحْمَتُهَا أَكْبَرُ ۝ أُولَئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ الْعَجِرُونَ ۝

”کتنے ہی چہرے اس دن (نور ایمان سے) کھلبے رہے ہوں گے۔ ہنستے ہوئے خوش و خرم رہیں اور کئی منہ اس دن غبار آلود ہوں گے۔ ان پر کالک لگی ہوگی۔ یہی وہ کافر (م) فاجر لوگ ہوں گے۔“

۱۔ اس سے مومنوں کے چہرے مراد ہیں یا کثیر چہرے مراد ہیں یا انہیں لوگوں میں سے کچھ چہرے ہیں جو من کل امری سے سمجھ رہے ہیں۔ یومئذ ما بعد شبہ فعل کے متعلق ہے۔ مسفرة کا معنی روشن ہیں۔ یہ السفر الصبح سے مشتق ہے۔
۲۔ یہ ترکیب میں وجود کی صفت ہے جبکہ حقیقت میں ان چہرے والوں کی صفت ہے۔ وجود کی طرف اس کی نسبت مجاز کے طور پر ہے۔
۳۔ یومئذ ما بعد شبہ فعل محذوف کے متعلق ہے۔ جار مجرور بھی اسکا شبہ فعل کے متعلق ہے۔ غبرة یہ ظرف کا فاعل ہے یا یہ مبتدا منوثر ہے یعنی المناجیروں پر اس روز غبار یا کدورت ہوگی اور جملہ وجود کی خبر ہے۔

۴۔ ان چہروں پر سیاہی اور تاریکی چھائی ہوگی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ان پر ذلت چھائی ہوگی۔ ابن زید نے عبدة اور غبرہ میں فرق کیا ہے اور کہا غبرہ سے مراد وہ غبار ہے جو بلند ہو اور پانی کے ساتھ جاملے اور غبرہ سے مراد وہاں ہے جو پٹی جانب زمین میں ہوتی ہے (2)۔ یہ جملہ غبرہ کی صفت ہے اور وجود کی خبر کے بعد خبر ہے۔

۵۔ اسم اشارہ مبتدا ہے۔ ہم ضمیر فصل ہے۔ کفرہ یہ کافر کی جمع ہے اور مبتدا کی خبر ہے۔ الفجرۃ یہ فاجر کی جمع ہے اور کفرون صفت ہے یا خبر ہے اور جملہ متعلقہ ہے۔ گویا یہ ایک مقدر سوال کا جواب ہے۔ سوالیہ ہوگئے اصحاب تلک الوجود فجور کا معنی پھاڑنا ہے، یعنی دین اور دنیاقت کو پھاڑ دینا فجور کی کمال صورت کفر ہے، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

سورة التکویر

﴿ آیاتہا ۲۹ ﴾ ﴿ سُورَةُ التَّكْوِيْرِ مَكِّيَّةٌ ۸۱ ﴾ ﴿ رُكُوْعُهَا ۱ ﴾

سورة التکویر کی ہے، اس میں ایک رکوع اور ایک ہی آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

”اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے“

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جسے یہ بات اچھی لگے کہ وہ قیامت کو اپنی آنکھوں سے دیکھے تو وہ سورہ کورت (تکویر) پڑھے (1)۔ اسے امام احمد اور امام ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن قرار دیا ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس روایت کو نقل کیا ہے مگر اذا السماء انفطرت اور اذا السماء انشقت کے الفاظ ذکر نہیں کئے۔

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝۱ وَاِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ ۝۲
وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ۝۳
وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ۝۴

”(یاد کرو) جب سورج لپیٹ دیا جائے گا۔ اور جب ستارے بکھر جائیں گے۔ اور جب پہاڑوں کو اکھیڑ دیا جائے گا

۳۔ اور جب دس ماہ کی گا بھن اونٹنیاں چھٹی پھریں گی۔“

۱۔ اذا شرطیہ ہے۔ الشمس کو رفع اس فعل نے دیا جو اضمار علی شرط تفسیر کی بناء پر محذوف ہے جو اسماء الشمس پر معطوف ہیں ان کی بھی یہی صورت ہے۔ سکودت یعنی اس کی روشنی ختم ہوگئی اور سورج تاریک ہو گیا۔ ابن جریر، ابن ابی حاتم اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے ابو طلحہ کے واسطے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا معنی یہ نقل کیا ہے کہ سورج تاریک ہو گیا (2)۔ ابن ابی حاتم اور ابن ابی دنیا رحمہما اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب فی البحر والاحوال اور ابوالشیخ نے کتاب العظمة میں ان کی آیات کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ سورج، چاند اور ستاروں کو سمندر میں گرا دے گا تو اللہ تعالیٰ دبور ہوا بھیجے گا۔ وہ اس میں پھونک مارے گی تو وہ آگ بن جائے گا (3)۔ بعض نے کہا جب اسے سمندر میں پھینکا جائے گا تو اس کی روشنی ختم ہو جائے گی اور وہ آگ بن جائے گا۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ابن ابی مریم سے نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے فرمان میں فرمایا جب سورج کو جہنم میں گرا دیا جائے گا اور ستارے بھی جہنم میں ٹوٹ گریں گے۔ اسی طرح ان سب کو بھی جہنم میں ڈال دیا جائے گا جن کی دنیا میں عبادت کی جاتی تھی مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کی والدہ اس سے مستثنیٰ ہوں گے (4)۔ میں کہتا ہوں شائد سورج کو سمندر اور

جہنم میں گرانے میں تطبیق اس طرح ہوگی کہ سمندر جہنیوں کے لئے دھکتی آگ بن جائے گا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو یوسف رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ قیامت کے روز سورج اور چاند کو گرا دیا جائے گا (1)۔

بنا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند میں نقل کیا ہے اور آگ کے الفاظ کا اضافہ کیا یعنی انہیں آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ (2)

۲۔ تارے ٹوٹ جائیں گے بکھر جائیں گے اور زمین کی طرف گر پڑیں گے۔ انقدر الطیر حملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب وہ نیچے گرجائے۔ کبھی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس روز آسمان ستاروں کو نیچے گرا دے گا تو کوئی ستارہ بھی باقی نہ رہے گا، سب نیچے گر جائیں گے۔

۳۔ پہاڑوں کو زمین سے چلایا جائے گا تو وہ بکھرے ہوئے ذرات بن جائیں گے۔

۴۔ عشر سے مراد وہ ہفتیاں ہیں جس کے حمل کے دن ماہ گزر چکے ہوں۔ یہ عشرت کی جمع ہے۔ اس اونٹنی کو عشر کہتے ہیں یہاں تک کہ اس کا پیدہ اس سال گزر جائے۔ عربوں کے ہاں یہ نفس ترین مال ہوتا ہے اور وہ اس اونٹنی کے ساتھ ساتھ رہتے ہیں۔ جب قیامت آتی ہوگی کیا ظاہر ہوں گی تو کسے بھی آزاد چھوڑ دیا جائے گا۔ یا عشر سے مراد وہ بادل ہیں جو بارش سے خالی کر دیئے گئے ہیں۔

وَإِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ ۝ وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۝ وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ ۝

”اور جب وحشی جانور یکجا کر دیئے جائیں گے اور جب سمندر بھڑکا دیئے جائیں گے اور جب جانیں (جسموں سے) جوڑی جائیں گی۔“

۵۔ ابن کعب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا آیت کا معنی یہ ہے ان میں ایک موج پیدا ہوگی اور بعض بعض میں گھس جائیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ بحث کے بعد جانوروں میں قصاص جاری کر لے کے لئے ان سب کو جمع کیا جائے گا جس طرح آیت یٰٰسْتَفِيحُ كُنُوزُهَا کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے جانوروں کے حشر سے مراد ان کی موت ہے۔ انسانوں اور جنوں کے علاوہ ہر چیز کا حشر اس کی موت ہے۔ (3)

۶۔ ابن کثیر اور ابو عمرو رحمہما اللہ تعالیٰ نے سجرت کو تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے اسے مشدد پڑھا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا اس کا معنی ہے کہ ان سمندروں کو روشن کیا گیا تو وہ دھکتی آگ بن گئے (4)۔ ابی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ کبھی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی یہ ہے جب سمندروں کو بھریا جائے گا۔ سور سے کہتے ہیں جو بھرا ہوا ہو۔ مجاہد اور قتادہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے کہا بیٹھے اور نمکین سمندر آپس میں مل گئے تو سارے سمندر جہنیوں کے ایک سمندر بن گئے۔ حضرت حسن بصری اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے اس کا معنی یہ بتلایا کہ سمندر خشک ہو گئے اور ان کا پانی ختم ہو گیا اور پانی کا ایک قطرہ بھی باقی نہ رہا۔ میں کہتا ہوں ان اقوال کو جمع کرنے کی صورت یہ ہے کہ ان تمام سمندروں کو جمع کیا جائے گا اور ایک سمندر کی صورت میں اسے بھریا جائے گا۔ پھر اس میں سورت گرا دیا جائے گا اس وقت سمندر گرم ہو جائے گا اور وہ آگ بن جائے گا اور پانی کا ایک قطرہ بھی باقی نہ رہے گا کیونکہ وہ سب جہنیوں کے لئے آگ اور کھولتا ہوا پانی ہو جائیں گے۔

ابن ابی حاتم اور ابن ابی الدنیاء رحمہما اللہ تعالیٰ نے ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ قیامت کے واقع ہونے سے پہلے چونکہ ان ظاہر ہوں گی۔ ابھی لوگ بازاڑوں میں مصروف ہوں گے کہ سورج کی روشنی جاتی رہے گی، وہ اسی حال میں ہوں گے (5) کہ

پہاڑ زمین پر آگریں گے تو اس میں حرکت واقع ہو جائے گی، اس میں زلزلہ برپا ہو جائے گا۔ انسان اور جن خوفزدہ ہو جائیں گے۔ جن انسانوں سے کہیں گے ہم تم تک خبر لاتے ہیں وہ سمندر کی طرف جائیں گے تو وہ آگ بن چکا ہوگا۔ وہ اسی حالت میں ہوں گے کہ ان پر ایک ہوا چلے گی تو سب کو ہلاک کر دے گی۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ابو العالیہ نے ابی بن کعب رحمۃ اللہ علیہ کا قول اسی طرح ذکر کیا ہے مگر اس روایت میں یہ زائد ہے جن سمندر کی طرف جائیں گے تو وہ آگ بن چکا ہوگا۔ وہ اسی حالت میں ہوں گے کہ ایک ہی دفعہ ساتویں زمین سے لے کر آسمان تک زمینیں ایک ہی دفعہ پھٹ جائیں گی۔ وہ اسی حالت میں ہوں گے کہ ان پر ہوا چلے گی تو سب کو ہلاک کر دے گی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہی مروی ہے یہ کل بارہ نشانیاں ہیں جن میں چھ قیامت کے واقع ہونے سے پہلے ظاہر ہوں گی اور چھ قیامت کے واقع ہونے کے بعد ظاہر ہوں گی جن کا ذکر مابعد آیات میں آرہا ہے۔ (1)

۳۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہر آدمی کو ایسی قوم کے ساتھ ملا دیا جائے گا جو اس جیسا عمل کرتے تھے (2)۔ یہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے تم تین جماعتوں میں ہو گے، ایک دائیں ہاتھ والے، تم کیا جانو کہ دائیں ہاتھ والے کیا ہیں؟ بائیں ہاتھ والے، تم کیا جانو کہ بائیں ہاتھ والے کیا ہیں؟ سابقون سبقت لے جانے والے ہیں۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے سنا آپ ارشاد فرماتے کہ اذا النفوس زوجت کا مفہوم یہ ہے کہ دو آدمی ہوں گے جو ایک ہی عمل کرتے تھے اسی عمل کے باعث وہ جنت یا جہنم میں داخل ہوں گے (3)۔ میں نے آپ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا جن لوگوں نے ظلم کیا اور جو ان جیسے تھے انہیں اکٹھا کیا جائے گا۔ سعید بن منصور رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ کے ساتھ اس کا معنی بیان کیا ہے کہ نیک آدمی کو جنت میں نیک آدمی کے ساتھ ملا دیا جائے گا اور برے آدمی کو جہنم میں برے آدمی کے ساتھ ملا دیا جائے گا (4)۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ جن لوگوں نے ظلم کیا اور ان کے ساتھیوں کو جمع کیا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا نفوس کو اعمال کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔ عطاء اور مقاتل رحمۃ اللہ علیہما نے کہا مومن نفوس کو حور عین کے ساتھ ملا دیا جائے گا اور کفار کے نفوس کو شیاطین کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔ حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ نفوس کو جنموں میں لوٹا دیا جائے گا۔ (5)

وَإِذَا الْمَوْءِدَةُ سِيلَتْ ۝ بِأَمِّي ذَنْبٍ قَتَلْتُ ۝ وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ۝

”اور جب زندہ درگور کی ہوئی (پچی) سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ کے باعث ماری گئی ہے اور جب اعمال نامے کھولے جائیں گے“

۱۔ موءدۃ سے مراد وہ پچی ہے جسے زندہ درگور کر دیا گیا ہو۔ اسے موءدہ اس لئے کہا گیا کیونکہ اس پر مٹی چھینکی جاتی ہے۔ مٹی اس کو وزن کی وجہ سے دبالتی ہے یہاں تک کہ وہ پچی مرجاتی ہے۔ عرب شرمندگی کے ڈر اور فقر کے خوف سے بچیاں زندہ درگور کر دیتے تھے۔ پچی سے پوچھنے کی وجہ یہ ہے کہ زندہ درگور کرنے والے کو لا جواب کیا جائے جس طرح نصرانیوں کو لا جواب کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے لِيُعْطِيَ ابْنُ مَرْيَمَ عَذَابَ آثَمٍ قُلْتُ لِلنَّاسِ انْخِذُوا فِي الْهِنِ اے عیسیٰ کیا تو نے لوگوں کو کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو دو معبود

3۔ الدر المنثور زیر آیت ہذا

2۔ تفسیر طبری زیر آیت ہذا

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

5۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

4۔ ایضاً

عناوہ۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے کہ ہوا ذرہ کی طرف فعل کی نسبت مجازاً ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے: **رِثَاقُ الْعَبْدِ كَانَ مَسْئُولًا** اصل میں مسئول سے مراد مسئول عنہ ہے یا موء ذہ سے مراد ابو اللہ ہے۔ بعض اوقات اسم مفعول اسم فاعل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے: **كَانَ وَعْدُهُ مَا يَتِيَا** ہوا ذہ سے مراد وہ عورت ہے جس نے وحہ سے اسے زندہ درگور کیا گیا۔ جس طرح حضور ﷺ کا فرمان ہے **الْمَوَانِدَةُ وَالْمَوُوءُ ذَّةٌ فِي النَّارِ** اسے ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے سند حسن کے ساتھ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اس صورت میں ابو اللہ سے مراد انہی اور موء ذہ لہا سے مراد ماں ہے۔ اس حدیث میں یہی تاویل ممکن ہے۔ (1)

قائدہ۔ واد کبیرہ گناہ ہے کیونکہ اس میں ناحق نفس کا قتل ہے۔ اسی حکم میں اسقاط حمل بھی آتا ہے جب چار مادے بعد اسے زایا جانے کیونکہ اس وقت جنین کی تخلیق مکمل ہو جاتی ہے اور اس میں روح پھونک دی جاتی ہے۔ اگر چار مادے قبل اسقاط حمل ہوتے ہیں تو صورت کی نسبت گناہ میں تو کم ہوگا لیکن یہ بھی حرام ہے۔ اسی وجہ سے جس نے کسی حاملہ عورت کے پیٹ پر کوئی چیز ماری تو عورت نے حمل جنین یا ناقص جنین گرا دیا تو بالاحتماح نابالغ غلام دینا لازم ہوگا۔ جب اس میں انسان کی تخلیق کی صورت پیدا ہوگئی ہو۔ جب وہ نکلے تو سر چمکا ہو مگر جب وہ نکلے تو زندہ ہو پھر مرے تو اس میں پورے انسان کی وصیت لازم ہوگی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے بتایا عورت کے جنین کے بارے میں نابالغ غلام یا باندی کا فیصلہ کیا جبکہ وہ جنین گرا گیا تھا۔ متفق علیہ۔ (2) مسئلہ۔ لونڈی سے عزل کرنا جائز ہے پھر آنے اور عورت سے اس کی مرضی کے بغیر عزل کرنا صحیح نہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا یہ منکر زندہ درگور کرنا ہے (3)۔ واذالموء ذہ مثلت سے بھی یہی مراد ہے جو ان کی دلیل حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ ہم اس وقت بھی اس کو کرتے تھے۔ جب قرآن نازل ہو رہا تھا، متفق علیہ۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے یہذا مذکور کیا ہے یہ خبر حضور ﷺ تک پہنچی تو حضور ﷺ نے اس سے منع نہ کیا (4)۔ حضور ﷺ سے ہی ایک روایت یہ مروی ہے لونڈی کے بارے میں اگر تم چاہو تو عزل کر لو جو چیز (روح) مستدر کی جائیگی ہے وہ ضرور آئے گی۔ ایک روایت میں ہے اگر تم ایسا نہ کرو تو تم پر کیا حرج ہے قیامت تک جس روح نے آنا ہے اس نے نہ آنا ہے، متفق علیہ (5)۔ آنے اور عورت کے بارے میں اجازت کی دلیل حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے آرا عورت سے اس کی اجازت کے بغیر عزل کرنے سے منع کیا ہے۔ اسے ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (6)۔

قتلت کی ضمیر سے مراد زندہ درگور کی جائی ہوئی ہے۔ ابو جعفر رحمۃ اللہ علیہ نے مبالغہ کے لئے قتل کو مشدہ پڑھا ہے نہر جمہور نے مجروح سے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔

صحف سے مراد اعمال کے صحیفے ہیں۔ انہیں حساب کے لئے پھیلا یا جانے کا یا انہیں لوگوں کے درمیان تقسیم کر دیا جانے کا۔ نافع ابن عامر اور عاصم رحمہم اللہ تعالیٰ نے شین کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے شین میں مبالغہ کے لئے ہا صحیفوں کے یاد ہونے کی وجہ سے یا انہوں نے شین کی شدت کی وجہ سے مشدہ پڑھا ہے۔

وَإِذَا السَّمَاءُ كُشِطَتْ ۖ وَإِذَا الْجِبَالُ سُعِرَتْ ۖ وَإِذَا الْجِنَّةَ أُرْفِقَتْ ۖ

1- تفسیر خازن زیر آیت ہذا 2- صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 1020 (وزارت تعلیم) 3- مشکوٰۃ المصابیح، جلد 1، صفحہ 276 (قدوسی)

4- ایضاً 5- ایضاً 6- سنن ابن ماجہ، جلد 2، صفحہ 458 (العمریہ)

”اور جب آسمان کی کھال ادھیڑ لی جائے گی۔ اور جب جہنم دکھائی جائے گی۔ اور جب جنت قریب کر دی جائے گی۔“

۱۔ آسمان کی چمڑی ادھیڑ دی جائے گی اور اسے اتار لیا جائے گا جس طرح مذبحہ جانور کی جلد اتاری جاتی ہے۔ میں کہتا ہوں ظاہر یہ ہے کہ یہ صعق کے نچھ سے پہلے ہوگا جس سورج کو بے نور کیا جائے گا، ستارے بکھر جائیں گے یا یہ سب اس نچھ کے وقت ہی ہوگا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ دونوں کے درمیان ہوگا زمین اور آسمان کو لپیٹ دیا جائے گا۔ آسمان کو ایک اور آسمان سے اور زمین کو ایک اور زمین سے بدل دیا جائے گا۔ قرظی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا صاحب افصح نے اخبار میں تطبیق دی ہے۔ فرمایا آسمانوں اور زمین کی تبدیلی دو دفعہ واقع ہوگی ایک صفات کی تبدیلی ہوگی۔ یہ صعق کے نچھ سے پہلے ہوگی۔ اس وقت ستاروں کو بکھیر دیا جائے گا، سورج اور چاند کو بے نور کر دیا جائے گا، آسمان پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہو جائے گا، اسے سردوں سے ہٹا دیا جائے گا، پہاڑ چل پڑیں گے، سمندر آگ بن جائیں گے، زمین نشیب و فراز کا شکار ہو جائے گی اور وہ پھٹ جائے گی یہاں تک کہ اس کی ہیئت پہلی والی نہ رہے گی۔ پھر دونوں نچھوں کے درمیان آسمان اور زمین کو لپیٹ دیا جائے گا اور آسمان کو دوسرے آسمان سے بدل دیا جائے گا۔

۲۔ نافع، حفص اور ابن ذکوان رحمہم اللہ تعالیٰ نے عین کی تشدید کے ساتھ سعرت پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے مجرد سے مخفف پڑھا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے لئے اسے سخت بھڑکایا جائے گا۔

۳۔ متقین کے قریب کر دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **أَزْلِفْنَا الْجَنَّةَ لِلْمُتَّقِينَ غَيْرَ بَعِيدًا**۔

عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا أَحْضَرَتْ ۚ فَلَا أَقْسَمُ بِالْجُحُشِ ۚ الْجَوَابِرُ الْكُفَّاسُ ۙ

”تو اس دن) ہر شخص جان لے گا کہ وہ کیا لے کر آیا ہے۔ پھر میں قسم کھاتا ہوں پیچھے ہٹ جانے والے تاروں کی۔“

(اور قسم کھاتا ہوں) سیدھے چلنے والے، رکے رہنے والے تاروں کی۔“

۱۔ ہر نفس نے اچھایا یا برا جو بھی عمل کیا ہوگا اسے جان لے گا۔ یہ جملہ اذا شرطیہ کا جواب ہے جو اذا الشمس کورت اور اس کے معطوف میں ہے۔ اس زمانہ سے مراد وسیع زمانہ ہے جو نچھ اولی سے لے کر جنت میں داخل ہونے تک کے تمام مراحل کو شامل ہے۔

۲۔ یہاں کلام بھی اسی طرح ہے جس طرح سورہ قیامت کے آغاز میں ہوئی تھی۔ ہاں یہاں اس لئے ذکر کی کیونکہ تقدیر کلام یوں ہے جب ہم نے تم پر قیامت کے بارے میں آیات کو نازل فرمایا تو جان لو کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، کوئی جھوٹا کلام نہیں ہے۔

خنس خنوس سے مشتق ہے جس کا معنی لوٹنا ہے۔ جہاں اس کا سفر ختم ہوا تھا اس سے اس جگہ کی طرف واپس لوٹنا ہے جہاں سے اس نے سفر شروع کیا تھا اس سے پانچ ستارے مراد ہیں۔ جنہیں متحیرہ کہتے ہیں۔ اس سے مراد عطار، زہرہ، مشتری، مریخ اور زحل ہے کیونکہ محسوس یوں ہوتا ہے کہ یہ مغرب سے مشرق کی طرف رواں دواں ہیں۔ پھر یہ مغرب کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔ کبھی یوں دکھائی دیتے ہیں کہ یہ ساکن ہیں۔ اسی وجہ سے انہیں متحیرہ کہتے ہیں علم ہیئت کے علماء کے ہاں اس کا سبب یہ ہے کہ یہ چھوٹے افلاک میں مرتکز ہیں جن افلاک میں خلا نہیں ان افلاک کو تدویرات کہتے ہیں۔ ان تدویرات کی اپنی حرکت بھی ہوتی ہے اور ان کے اوپر والے حصہ کی حرکت اپنے افلاک کے مطابق ہوتی ہے جو مغرب سے مشرق کی طرف ہوتی ہے اور ان تدویرات کے نیچے والے حصہ کی حرکت اس کے برعکس ہوتی ہے۔ جب یہ ستارے تدویرات کے بالائی حصہ میں ہوتے ہیں تو حرکت تدویر اور حرکت

فلک کے باہم معاون ہونے کی وجہ سے وہ تیزی سے مشرق کی طرف متحرک نظر آتے ہیں۔ جب وہ ستارے تدویرات کے نچلے حصہ میں ہوتے ہیں تو دو ترکوں کے مزاحم ہونے یا باہم ایک دوسرے کے مددگار نہ ہونے کی وجہ سے وہ مغرب کی طرف حرکت کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ یہی رجوع اور خنوس ہے اور کبھی یہ ساکن دکھائی دیتے ہیں۔ ہمارے نزدیک تمام ستارے فلک میں تیر رہتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے آسمانوں کے پھٹنے اور ملنے سے کوئی امتناع لازم نہیں آتا۔ ان پانچوں متحیرہ ستاروں کی حرکت کبھی مشرق کی طرف ہوتی ہے اور کبھی مغرب کی طرف ہوتی ہے کبھی آہستہ ہوتی ہے اور کبھی تیز ہوتی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا ارادہ اور مشیت ہو۔ باقی تمام ستاروں کی حرکات ہمیشہ ایک ضابطہ اور طریقہ کے مطابق ہوتی ہیں۔ قادمہ رحمۃ اللہ علیہ۔ انہا خمس سے مراد وہ تمام ستارے ہیں جو رات کے وقت ظاہر ہوتے ہیں اور دن کے وقت چھپ جاتے ہیں (1)۔ اس صورت میں خنوس سے مراد چھپنا ہے۔ یہ رجوع کا لازمی معنی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا خنوس سے مراد اس کا غائب ہونا ہے۔ میں کہتا ہوں اس صورت میں خمس اور کنس دونوں مترادف ہیں تو پھر تکرار کی کوئی وجہ نہ ہوگی۔

سے جو افلاک میں چلتے رہتے ہیں۔ کنوس کا معنی یہ ہے کہ خرگوش اور ہرن نے اپنے مکان میں پناہ لے لی یہاں کنس سے مراد غروب ہونے کے وقت چھپ جانا ہے یا جب انہیں تاید مردیا جانے کا اس وقت ان کا چھپ جانا ہے۔

میں کہتا ہوں اس کے مکان سے مراد تخت کے نیچے اس کا ٹھکانہ ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب سورج غروب ہوتا ہے تو کیا تم جانتے ہو کہ سورج کہاں جاتا ہے؟ میں نے عرض کی اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا یہ جاتا ہے یہاں تک کہ عرش کے نیچے جہدہ کرتا ہے۔ (2)

وَاللَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ ۖ وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَنَسَسَ ۖ إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ

كَرِيمٍ ۖ ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ ۖ مُطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ ۖ

”اور رات کی جب وہ رخصت ہونے لگے اور صبح کی جب وہ سانس لے لگے یہ (قرآن) ایک معزز قاصد کا (لایا ہوا)

قول ہے۔ جو قوت والا ہے مالک عرش کے ہاں عزت والا ہے۔ (سب فرشتوں کا) سردار اور وہاں کا امین ہے۔“

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے کہا جب تاریکی کے ساتھ رات آگئی اور یہ بھی معنی کیا کہ جب رات پلت گئی۔ یہ اضمحلال سے ہے۔

اس کے پہلے جزو کا آغاز ہوا۔ ایک قول یہ کیا گیا اس کی روشنی طویل ہوگئی اور بلند ہوگئی۔

اسے یہ جملہ جواب قسم ہے ضمیر سے مراد قرآن حکیم ہے۔ یہ حضور ﷺ کی طرف سے بنایا گیا کلام نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جس نے اسے بھیجا ہے۔ رسول سے مراد جبرئیل امین یا حضور ﷺ کی ذات ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑے معزز ہیں۔ کریم یہ رسول کی صفت ہے۔

اسے اس سے مراد جبرئیل امین ہیں۔ اس کی قوت یہ ہے کہ اس نے قوم لوط کی بستیوں کو بحر اسود سے اپنے پرہوں پر اٹھایا۔ آسمان کی طرف لے گئے پھر ان بستیوں کو الٹ دیا۔ حضرت جبرئیل نے قوم ثمود پر ایک چیخ ماری تو انہوں نے مردوں کی حالت میں صبح کی۔ حضرت

جبرئیل امین آسمان سے زمین کی طرف اور زمین سے آسمان کی طرف آنکھ جھپکنے میں بلند ہو جاتے ہیں یا اس سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہو لوگوں کو ہدایت دینے اور جذب الہی اللہ میں آپ کی قوت کا اندازہ اس چیز سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام تقریباً ساڑھے نو سو سال دنیا میں رہے مگر قوم کے بہت تھوڑے افراد ایمان لائے۔ حضور ﷺ اپنی امت میں اعلان نبوت کے بعد تیس سال تک رہے تو آپ کا دین جہاں بھر میں پھیل گیا لوگ اللہ تعالیٰ کے دین میں جماعت در جماعت داخل ہوتے تھے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ کے ساتھ ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ تھے۔ آپ ﷺ نے ساتویں آسمان سے بھی اوپر کی طرف عروج فرمایا جبکہ جبرئیل امین اس سے اوپر نہ جاسکے۔ پھر ایک لمحہ سے بھی کم عرصہ میں زمین کی طرف پلٹ آئے۔ آپ ﷺ نے اپنے رب کا دیدار کیا مگر کوئی اور اس کی طاقت نہ رکھ سکا جبکہ اللہ تعالیٰ نے جب پہاڑ پر تجلی فرمائی تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑے جاہ و مرتبہ والے ہیں۔ عند ظرف مابعد شبہ نعل کے متعلق ہے۔

یہ تمام عالم کے لوگ آپ کی اطاعت کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ۔ اس سے بڑھ کر وہ وحی پر امین ہیں۔ ثم ظرف ظاہر میں یہ امین کے متعلق ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ مطاع کے متعلق ہے۔ معنی یہ ہوگا وہ ملائع اعلیٰ میں اطاعت کئے گئے ہیں۔ امام بغوی رحمہ اللہ علیہ نے کہا فرشتوں نے جبرئیل امین کی اطاعت کی کیونکہ فرشتوں نے جبرئیل امین کے کہنے پر حضور کے لئے معراج کی رات آسمانوں کے دروازے کھول دیئے اور جنت کے خازنوں نے جنت کے دروازے کھول دیئے۔

میں کہتا ہوں یہ بعینہ حضور ﷺ کے لئے بھی اطاعت ہے۔ اطاعت سے یہ مراد لینا بھی صحیح ہے کہ پہلے احکام الہیہ آپ (جبرئیل امین) پر نازل ہوتے۔ پھر آپ کے واسطے سے دوسرے فرشتوں تک احکام پہنچائے جاتے۔ نو اس بن سمعان سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ کسی امر کے بارے میں وحی کا ارادہ کرتا تو وحی سے تکلم فرماتا تو اللہ تعالیٰ کے خوف سے آسمانوں میں زلزلہ برپا ہو جاتا جب آسمان کے مکین اسے سنتے تو ان پر غشی طاری ہو جاتی اور وہ اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہو جاتے سب سے پہلے فرشتوں میں سے جبرئیل امین سر اٹھاتے۔ اللہ تعالیٰ نے جو ارادہ کیا ہوتا وہ جبرئیل کی طرف وحی کرتا۔ پھر جبرئیل امین کا گزر فرشتوں کے پاس سے ہوتا جس آسمان کے پاس سے بھی گزرتے تو ملائکہ ان سے پوچھتے اے جبرئیل ہمارے رب نے کیا ارشاد فرمایا ہے تو جبرئیل امین کہتے اس نے حق فرمایا وہی بلند شان والا ہے تو جو بات جبرئیل امین کہتے وہی سب فرشتے کہتے (1)۔ یہ روایت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ جبرئیل امین مطاع ہیں۔ جہاں تک حضور ﷺ کے فرشتوں میں مطاع ہونے کا تعلق ہے تو اس کی صورت یہ ہے کہ اہل تحقیق کے نزدیک حقیقت محمد یہی وجود کے فیوض اور قرب کے مراتب کے لئے تعین اول ہے۔ ان مراتب میں سے ایک مرتبہ یہ بھی ہے کہ آپ کی طرف وحی کی جاتی ہے اور حقیقت محمد یہ کے واسطے کے بغیر کسی تک کوئی وحی نہیں پہنچتی۔ یہ کشفی امر ہے۔ نصوص میں سے اللہ تعالیٰ کا فرمان وَمَا آتَا سَلْتَكَ إِلَّا سَخْمَةً لِلْعَالَمِينَ اور حضور ﷺ کا ارشاد آسمان میں میرے دو وزیر جبرئیل اور میکائیل ہیں اور زمین میں میرے دو وزیر ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہم ہیں تو اس اعتبار سے جبرئیل امین بدرجہ اولیٰ مطاع ہوئے۔

وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُونٍ ﴿١١﴾ وَقَدْ رَأَاهُ بِالْأَفْقِ الْمُبِينِ ﴿١٢﴾ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ ﴿١٣﴾ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطَانٍ رَجِيمٍ ﴿١٤﴾

”اور تمہارا یہ ساتھی کوئی مجنون تو نہیں۔ اور بلاشبہ اس نے اس قاصد کو دیکھا ہے روشن کنارے پر۔ اور یہ نبی غیب

میں تھا تو جبرئیل امین نے کہا آپ ایسا نہ کر سکیں گے۔ آپ نے فرمایا میں کیوں نہ دیکھ سکوں۔ جبرئیل امین نے پوچھا پھر آپ کہاں چاہتے ہیں کہ میں اس صورت میں آپ کے سامنے آؤں فرمایا ابطح میں۔ عرض کی میں ابطح میں نہیں سا سکتا۔ فرمایا منیٰ میں۔ عرض کی میں اس میں بھی نہیں سا سکتا۔ فرمایا حراء میں۔ عرض کی اگر اس کی اطراف وسیع ہو جائیں۔ حضور ﷺ وقت مقررہ پر تشریف لائے تو جبرئیل امین موجود تھے۔ وہ عرفات کے پہاڑوں کی جانب سے اسلحہ کی جھنکار اور زوردار آواز کے ساتھ نمودار ہوئے۔ انہوں نے مشرق و مغرب کو بھر دیا تھا۔ ان کا سر آسمان میں اور پاؤں زمین میں تھے۔ جب حضور ﷺ نے انہیں دیکھا تو آپ پر دہشت طاری ہو گئی اور بے ہوش کر زمین پر گر گئے۔ جبرئیل امین نے اپنی صورت بدل لی اور آپ ﷺ کو سینے سے لگا لیا اور کہا اے محمد ﷺ آپ خوف زدہ نہ ہوں۔ اگر آپ اسرائیل کو دیکھتے تو آپ ﷺ کا کیا حال ہوتا۔ ان کا سر عرش کے نیچے اور پاؤں ساتویں زمین میں ہے۔ عرش ان کے کندھے پر ہے۔ بعض اوقات اللہ تعالیٰ کے خوف سے وہ اتنے سمٹ جاتے ہیں کہ وہ چڑیا جتنے ہو جاتے ہیں اس وقت تیرے رب کے عرش کو اس کی عظمت ہی اٹھائے ہوتی ہے۔ یہی قول حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بھی ہے جسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے محدثین نے نقل کیا ہے کہ جس نے یہ کہا کہ حضور ﷺ نے اپنے رب کا دیدار کیا اس نے جھوٹ بولا۔ آپ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استدلال کرتی ہیں لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ فرمان ہے وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكَلِمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ۔

اس باب میں زیادہ مناسب ان لوگوں کا قول ہے جو دیدار الہی کے اثبات کا قول کرتے ہیں۔ ان کا قول حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قول سے اولیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان لَا تَلْقَاهُ لَنْ يَرَاهُ كَمَا يَرَى الْبَصَارَ يَدْرِكُهُ الْوَجْهَ مِنْ حَيْثُ يَشَاءُ۔ اسی پر تمام علماء کا اجماع ہے۔ اسی طرح جب معراج کی رات حضور ﷺ دنیا کی حدود سے نکل گئے، جنت اور جہنم کو دیکھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جبرئیل امین کو دیکھنے کا جو واقعہ ذکر کیا ہے وہ حق ہے۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس آیت سے مراد بھی وہی قصہ ہے۔ یہ کیسے مراد ہو سکتا ہے جب یہ آیت حضور ﷺ کی عظمت، آپ کے کمال کے بیان کے لئے چلائی گئی۔ جہاں تک جبرئیل کا تعلق ہے وہ تو بالا جماع نبی کریم ﷺ سے مفضل ہیں تو اس کا دیدار حضور ﷺ کی فضیلت کیسے بن سکتا ہے یہ معنی کیسے لیا جاسکتا ہے جبکہ عند ذی العرش مکین یہ حضور ﷺ کے کمال قرب پر دلالت کرتی ہے۔ اس سے بڑھ کر مقام اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے، جبرئیل امین کی رویت نہیں اگر ذی العرش مکین جبرئیل کی صفت ہو اور جبرئیل امین کی رویت حضور ﷺ کی صفت ہو تو فضیلت میں معاملہ الٹ ہو جائے گا۔

سے حضور ﷺ کی طرف جو وحی کی جاتی ہے اس کی تبلیغ کرنے میں وہ بخیل نہیں۔ ابن کثیر، ابو عمر اور کسانى رحمہم اللہ تعالیٰ نے ظنین ظلاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ ان پر اس بارے میں تہمت نہیں لگائی جاتی جبکہ باقی قراء نے اسے ضاد کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ قرآن شیطانی رجیم کا قول نہیں۔ یہ نہیں کہ شیطان نے اسے چوری چھپے سنا ہو پھر اپنے کاہن دوست پر القاء کر دیا۔ ہو یہ کفار کے اس قول کا رد ہے۔ انہ کاہن یہ جملہ اور سابقہ جملے اپنے معطوفات سے مل کر جواب قسم ہیں۔

فَأَيْنَ تَذْهَبُونَ ۖ إِنَّ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ۝ لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ أَنْ

يَسْتَقِيمَ ۖ وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ۝

”پھر تم (منہ اٹھائے) کدھر چلے جا رہے ہو۔ نہیں ہے یہ مگر نصیحت سب اہل جہان کے لئے۔ (لیکن ہدایت وہی

یاد رہے) جو تم میں سے سیدھی راہ چلنا چاہتے ہیں اور تم نہیں چاہ سکتے، بجز اس کے۔ اللہ چاہے جو رب العزت سے ہے۔ اس میں فاء سببیہ ہے اور استغناء انکار کے لئے ہے کہ وہ سب باطن باتوں کی طرف ہی چپے گئے ہیں۔ یہاں سے حصہ ۱۰ کے بارے میں کہا کہ آپ شاعر ہیں یا مجنون ہیں یا کائنات ہیں۔ زجاج رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ میں نے چپے رہنے جو جو اس طریقہ سے مختلف ہے جو میں نے تمہارے لئے معین آیا ہے۔ پھر اس، استغناء و نفاحت مراد ہے۔ کویہ یہود و کفار۔ پھر تفسیر سوال کا جواب ہے۔

۳۔ ہو تفسیر سے مراد قرآن ہے۔ ق مونس میں ہے ذکر جب سرود کے ساتھ ہو تو اس کا معنی یاد رکھنا ہے۔ اسی معنی کا ذکر کفار سے جو بڑی بات پر جانی ہو، شہرت، تعریف، شرف، نماز، دعا، و کتب جس میں دین کی تفصیل اور دین کے احکام ہیں انہیں یاد رکھنے ہیں۔ یہاں آخری معنی تو ظاہر و باہر ہے اس پر کوئی قدغن نہیں تاہم دوسرے معانی پر بھی اسے حملوں میں ممکن ہے۔ یعنی قرآن اللہ تعالیٰ کا ہے۔ یہاں کی چیز ہے جس کو یاد رکھنا ضروری ہے۔ یہ ایک چیز ہے جسے ہمیشہ زبانوں پر جاری رکھنا چاہئے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی توفیق ہے۔ ان کے سہادت ہے، انسان کے لئے شرف اور اس کے لئے دعا ہے۔

عالمین سے مراد عالم ہیں کیونکہ حضور ﷺ تمام انسانوں اور جنوں کی طرف مبعوث کئے گئے بلکہ آپ تمام جہانوں سے لئے گئے ہیں۔ قرآن کے ایوضات فرشتوں کی بھی شامل ہیں جس پر اللہ تعالیٰ کا فرمان پڑھا ہے سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَہٗ الْکُفْرَ اَوْ اٰیٰتِ الْکُفْرِ۔ امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے مستدرک میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب سورۃ النعام نازل ہوئی تو حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کی پھر فرمایا فرشتوں نے بھی اللہ تعالیٰ کی پانچ بیانیہ کن۔ ان کی تعداد اتنی تھی کہ انہوں نے آفاق و احوال پر پھرتے ہوئے جو حق کی اتباع کرتا ہے اور اس پر استقامت کا مظاہرہ کرتا ہے ان کے لئے قرآن سراپا نصیحت ہے۔ یہ نصیحت اس لئے ہے کہ یہ لوگ اس سے نفع حاصل کرتے ہیں۔ یہ عالمین سے ہر ایک ہے۔ اس مقامت ایک ایسا لفظ ہے جو تمام احکام و مواضع سے۔ عیان بن عبد اللہ ثقفی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ مجھے اسلام کے بارے میں میں نصیحت دے دیجئے۔ آپ کے بعد کسی سے بھی اس کے متعلق سوال نہ ہوا۔ حضور ﷺ نے جواب دیا کہ اٰھنٰت باللہ تمہا استقمتم اللہ۔ یہاں لایا پھر ڈٹ جا۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے کہا اللہ تعالیٰ نے سیمان بن یسار سے نقل کیا ہے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی لیس مناء منکم ان یستقیم تو ابو جہل نے کہا میں نے یہ آیت نہ سنی ہے۔ اگر ہم چاہیں گے تو استقامت کریں گے۔ اگر چاہیں گے تو استقامت نہیں کریں گے تو اللہ تعالیٰ نے ما بعد آیت میں لایا یہ آیت۔ تم حق پر استقامت اس وقت تک نہیں چاہ سکتے جب تک اللہ تعالیٰ تمہاری استقامت کو نہیں چاہے گا یہ تو وہ وقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھتی ہو، اعراض سے تعلق رکھتی ہو، بندوں کے افعال سے تعلق رکھتی ہو یا بوجہ ہو۔ یہاں جو استقامت چاہتا ہے یا استقامت کا مظاہرہ کرتا ہے۔ وہ سب اللہ کا فضل اور اس کی نعمت ہے۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے بقیہ کے واسطے سے، انہوں نے عمر بن محمد سے، انہوں نے زبیر بن مسلم سے، انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس کی مثل روایت کیا ہے جس طرح سیمان سے مروی ہے۔ ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ نے سیمان سے روایت کی ہے کہ قاسم بن خیمرہ سے اس کی مثل روایت کی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

سورة الانفطار

﴿ آیتها ۱۹ ﴾ ﴿ سورة الانفطار مکیة ۸۲ ﴾ ﴿ رکوعها ۱ ﴾

سورة الانفطار کی ہے، اس میں ایک رکوع اور انیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

”اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے“

اِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ ۙ ﴿۱﴾ وَاِذَا الْكُوٰكِبُ انْتَثَرَتْ ۙ ﴿۲﴾ وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ۙ ﴿۳﴾
وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعِثِرَتْ ۙ ﴿۴﴾ عَلِمْتَ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاٰخَرَتْ ۙ ﴿۵﴾

”جب آسمان پھٹ جائے گا۔ اور جب ستارے بکھر جائیں گے۔ اور جب سمندر بنے لگیں گے۔ اور جب قبریں زیر و زبر کر دی جائیں گی۔ (اس وقت) جان لے گا ہر شخص جو (اعمال) اس نے آگے بھیجے تھے اور جو (اثرات) وہ پیچھے چھوڑ آیا تھا۔“

۱۔ جب آسمان پھٹ جائے گا۔

۲۔ جب ستارے الگ الگ ہو کر گر پڑیں گے۔

۳۔ جب سمندروں میں سے بعض کو بعض کی طرف کھول دیا جائے گا۔ بیٹھا سمندر نمکین سمندر میں مل جائے گا تو تمام سمندر ایک سمندر ہو جائیں گے۔

۴۔ جب قبروں کی مٹی الٹ دی جائے گی اور مردوں کو نکال لیا جائے گا۔

۵۔ یہ جملہ اذا کا جواب ہے۔ یہ یعنی اسی کی مثل ہے جو اذا الشمس کوردت میں گزرا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ ما قدمت سے مراد جو اس نے اچھایا بر عمل کیا اور ما اخوت سے مراد جو اس نے اچھی یا بری سنت چھوڑی۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ ما قدمت سے مراد جو اس نے عمل کیا اور ما اخوت سے مراد جو اس نے عمل چھوڑ دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ ما قدمت سے مراد اس کے صدقات ہیں اور ما اخوت سے مراد اس کی زکوٰۃ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ معنی یہ ہے کہ اس نے دنیا کو آخرت پر مقدم کیا یا آخرت کو دنیا پر مقدم کیا۔ اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں گزری ہے یُنَبِّئُوا الْاِنْسَانَ یَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَاٰخَرَ۔

يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا عَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ﴿۱﴾ الَّذِیْ خَلَقَكَ فَسَوِّكَ فَعَدَلَكَ ﴿۲﴾
فِیْ اٰیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَاءَ رَکَّبَكَ ﴿۳﴾

”اے انسان کس چیز نے تجھے دھوکے میں رکھا اپنے رب کریم کے بارے میں۔ جس نے تجھے پیدا کیا پھر تیرے

(اعضاء کو) درست کیا پھر تیرے (عناصر کو) معتدل بنایا۔ (الغرض) جس شکل میں چاہا تجھے تزیین سے دیا۔ اس نے تجھے دھوکے میں ڈالا اور باطن چیز کو تیرے سامنے آراستہ کر کے پیش کیا جبکہ اس کا مقصود تمہیں دھوکہ دینا تھا اور وہ اس نے جس نے تمہیں اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی کرنے پر برا بیچنا دیا۔ یہ جملہ جملہ معترضہ ہے جسے برے اعمال کرنے پر مشورہ کرنے سے ڈر کر کیا گیا جو پہلی آیت سے سمجھ آ رہا تھا۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ آیت وید بن مغیرہ کے حق میں نازل ہوئی۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے عمرہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت ابی بن خلف کے حق میں نازل ہوئی۔ کبھی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ آیت اسید بن کلدہ کے حق میں نازل ہوئی جس نے حضور ﷺ کو مارا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اسے فوری سزا نہیں دی تھی تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا کہ کس چیز نے تجھے رب کریم کے بارے میں دھوکے میں ڈالا کیا اس کے درگزر کرنے یا کفر پر اس سے جہنم عذاب دینے (1)۔ یہاں لفظ رب کی صفت کریم ذکر فرمائی کیونکہ یہی اس کے دھوکہ کھانے کا سبب بنا اور اس سے پہلے شیطان انسان کو دھوکہ دیتا ہے۔ شیطان انسان کو کہتا ہے تیرا رب نہ کسی کو عذاب دیتا ہے اور نہ ہی جہنم بنا دیتا ہے۔ مقتدی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا بھی یہی معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے غم کو اسے دھوکے میں ڈال دیا جب اللہ تعالیٰ نے اسے سزا نہ دی۔ سید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اللہ تعالیٰ کی نرمی نے اسے دھوکے میں ڈال دیا (2)۔ اللہ تعالیٰ کے کرم اور جہنم سزا دینے کی وجہ سے اسے دھوکے میں نہیں پڑھا۔ چاہے کیونکہ محض کرم بھی ظالم کو مہلت عطا کرنے، دوستوں اور دشمنوں میں برابری کرنے کا تقاضا نہیں کرتا تو جب اس کی اس صفت کے ساتھ دوسری صفات جیسے قہر، انتقام وغیرہ ملی ہوں تو پھر نہیں ڈھیل دینے کا ایسے تقاضا کر سکتا ہے۔ اس میں کفر پر نا پسندیدگی۔ اظہار میں مبالغہ ہیں کیونکہ کرم کی زیادتی تقاضا کرتی ہے کہ اس کا شکر بجالایا جائے اس کی ناشکری نہ کی جائے و وطامت میں مشہم ہونے کا تقاضا کرتی ہے نہ کہ اس کے کرم سے دھوکہ کھاتے ہوئے نافرمانی میں مشہم ہونے کا تقاضا کرتی ہے۔

بعض اہل بشارت نے کہا اللہ تعالیٰ نے یہاں بوبک الکریم فرمایا۔ دوسری صفات اور اسماء کا ذکر نہیں فرمایا تو یہ ان لوگوں کا جواب کا موقع دیا جو یہ کہتے ہیں غرینی کریم الکریم۔ یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ نے جو کہا اس کا بھی یہی معنی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سامنے ہڑا کیا جانے اور اللہ تعالیٰ مجھ سے پوچھے کس چیز نے تجھے میرے بارے میں دھوکہ میں مبتلا کیا تو میں عرض کروں گا تیرے ساتھ احسان اور موجودہ احسان نے مجھے تیرے بارے میں دھوکہ میں مبتلا کیا۔ ابو بکر وراق رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اللہ تعالیٰ مجھ سے پوچھے تیرے کریم رب کے بارے میں کس نے تجھے دھوکے میں ڈال دیا تو میں عرض کروں گا مجھے کریم کے بارے میں دھوکے میں ڈال دیا (3)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم میں سے ہر ایک کے ساتھ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز یوں کلام کرے گا کہ اے ابن آدم جو کچھ تو جانتا تھا اس پر عمل کرتے وقت کس چیز نے تجھے دھوکہ میں ڈال دیا، تو نے رسولوں کو کیا جواب دیا (4)۔ عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے کہا آیت کا معنی ہے کس چیز نے تجھے دھوکے میں ڈالا کس نے تجھے اس سے الگ کر دیا اور اس سے تجھے فائدہ نہ پہنچا۔

تکایت بیان کی گئی ہے کہ ایک عورت نے قاضی کے سامنے اپنا مسئلہ پیش کیا کہ اس کے خاوند نے ایک اور عورت سے شادی کی۔ قاضی نے کہا تجھے اس پر اعتراض کا کوئی حق نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے اجازت دی ہے کہ وہ دو، تین یا چار عورتوں سے شادی

کر لے۔ اس عورت نے کہا اے قاضی اگر حجاب اور حیاء مانع نہ ہوتا تو میں تیرے لئے حسن کو ظاہر کرتی اور تجھ سے پوچھتی کہ جس کی بیوی اتنی خوبصورت ہو کیا اس کے لئے جائز ہے کہ اس کو چھوڑ کر کسی اور کی طرف متوجہ ہو۔ ایک صاحب دل نے اس عورت کی بات سنی تو اس نے چیخ ماری اور بے ہوش کر زمین پر گر گیا۔ جب اسے افاقہ ہوا تو اس نے کہا میں نے ہاتھ نہیں کو یہ کہتے ہوئے سنا کیا تو نے اس عورت کی بات نہیں سنی اگر کبریائی اور عظمت کا حجاب نہ ہوتا تو میں اپنا جلال اور جمال ظاہر کرتا جس کا سامنا کرنا کسی کے بس کی بات نہ ہوتی اور میں تجھ سے پوچھتا کون ہے جو مجھ جیسی ذات سے غافل ہوا، کیا مجھے چھوڑ کر کسی اور میں مصروف ہونا جائز ہے۔ میری مثل کون ہو سکتا ہے، میری مثل کہاں ہو سکتا ہے؟ میرا جیسا کوئی نہیں تو مجھے تلاش کر مجھے پالے گا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب کوئی آدمی نماز میں کھڑا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ جب بندہ کسی اور چیز کی طرف متوجہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے ابن آدم تو کس کی طرف متوجہ ہوتا ہے؟ مجھ سے بہتر کون ہے؟ میری طرف متوجہ ہو۔ جب دوبارہ متوجہ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسی طرح فرماتا ہے۔ جب وہ تیسری دفعہ متوجہ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے توجہ ہٹا لیتا ہے (1)۔ اسے بزار رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔

۲۔ تمہیں منی پھر نطفہ سے پیدا کیا جبکہ وہ کچھ بھی نہ تھا اور تجھے مکمل انسان بنا دیا۔ تسبیح سے مراد اعضاء کو سالم اور متافع کے قابل بنانا ہے۔ کوفیوں نے عدلک کو تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی جیسی صورت میں چاہا تجھے پھیر دیا یا تیری تخلیق کو دوسروں کی تخلیق سے مختلف بنایا یہاں تک کہ تو ممتاز ہو گیا اور تمام حیوانات سے تو الگ تھلگ ہو گیا یا بعض اجزاء کی طبیعت کو دوسرے اجزاء کی طبیعت کی طرف پھیر دیا، یعنی صفراء کی گرمی اور خشکی کو بلغم کی ٹھنڈک اور اس کی تری سے توڑ دیا اور اسی طرح اس کے برعکس کیا مسوداء کی خشکی اور ٹھنڈک کو خون کی رطوبت اور حرارت سے توڑ دیا یہاں تک کہ ان میں اعتدال پیدا ہو گیا اور تو مزاج کے اعتبار سے معتدل حیوان گیا جبکہ باقی قرآن نے عدلک کو مشدد پڑھا ہے، یعنی تیرے جسم کو مناسب اعضاء والا بنایا تو ان کے اندر اپنے فرائض کی بجا آوری کی استعداد پیدا ہو گئی۔

۳۔ اس میں ما زائدہ ہے جو نکرہ کی تاکید کے لئے ہے اور نکرہ کثرت کو بیان کرنے کے لئے ہے۔ ماشاء یہ صورت کی صفت ہے۔ مجاہد، کلبی اور مقاتل رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا ماں، باپ، خالو اور چچا جس کی شبیہ چاہی اس پر اسے پیدا کیا۔ حدیث میں ہے نطفہ جب رحم میں قرار پکڑ لیتا ہے تو اس سے لے کر حضرت آدم علیہ السلام تک صورتوں کو حاضر کیا جاتا ہے۔ پھر آپ نے فی ای صورتہ ماشاء رکبک کی تلاوت کی (2)۔ اسے ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا اور طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ضعیف سند کے ساتھ موسیٰ بن علی بن رباح سے، انہوں نے اپنے باپ سے، انہوں نے دادا سے، انہوں نے حضور ﷺ سے روایت کیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان فی ای صورتہ یا تو یہ رکبک کے متعلق ہے۔ یا یہ ظرف مستقر ہے اور رکبک کے مفعول سے حال ہے۔ اس میں شرط اور جزاء کے معنی موجود ہیں۔ یہ جملہ عدلک کا بیان ہے۔ اسی وجہ سے اسم موصول کو صلہ کے ساتھ اس پر عطف نہیں کیا۔ یا یہ ربک کی ایک اور صفت ہے جو صفت ربوبیت کو ثابت کرتی ہے اور کرم کی وضاحت کرتی ہے اور اس بات پر آگاہ کرتی ہے کہ جو ذات پہلی دفعہ پیدا کرنے پر قادر ہے۔ وہ دوسری دفعہ بھی اس پر قادر ہے۔ نیز ان کے کرم سے دھوکہ کھانے اور ناشکری کرنے پر جو ناپسندیدگی کا اظہار کیا

بیا اور نہیں شرمندہ کیا گیا اس کی یہ تائید ہے۔

كَلَّا بَلْ تُكذِّبُونَ بِالَّذِينَ ﴿١﴾ وَإِنَّا عَلَيْكُمْ لَحَافِظِينَ ﴿٢﴾ كَرَامًا كَاتِبِينَ ﴿٣﴾
يَعْمَلُونَ مَا تَأْتِعُون ﴿٤﴾ إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ﴿٥﴾ وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ ﴿٦﴾

یہ سنا ہے بلکہ تم جھٹلاتے ہو روز جزاء کو۔ حالانکہ تم پر نگراں (فرشتے) مقرر ہیں۔ جو معجز ہیں اور ان کی طرف سے
لکھنے والے ہیں۔ جو تم کو تم کرتے ہو۔ سب شک نیک لوگ عیش و آرام میں ہوں گے۔ اور فقیہان و کفار
میں ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کے کرم سے کہو کہ کھانے پر انہیں جگر کا چار باب بلکہ تم اسلام اور جزاء کو جھٹلاتے ہو۔ یہ فرشتے ان سے محبت سے
بصراہ ہے، یعنی اسے لوگوں پر امانت صرف کہو کہ کھانے پر تمہارے نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ تمہارے روز جزاء کا حق جھٹلاتے ہو۔ یہ
اشیاں ہے کہ یہ غلٹ نقلیٰ ما قدس و اشرف کے منہج سے انصاف ہو اور طاقت سے مراد جو اس کے انہی اور
احرف سے مراد ہے جو اس نے اطاعت کی۔ حاصل کلام یہ ہے کہ تم نا فرمانی کرتے ہو نہیں بلکہ تم روز جزاء کو جھٹلاتے ہو۔
سے جاں یہ ہے کہ فرشتے تمہارے اعمال اور اقوال کو یاد رکھتے والے ہیں۔

سے وہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے ہاں معزز ہیں اور وہ جزاء کے اعمال کے سچے لکھنے والے ہیں۔

سے تم بھلائی اور برائی میں سے جو عمل بھی کرتے ہو اس کو جاننے اور ان کی سعادت حافظین کی کر کرنے سے متنبہ رہنا۔ ان کا
اس بات پر آگاہ کرنا ہے کہ لوگوں کے اعمال اور اقوال میں سے کون کون سی چیز ان سے نسی نہیں جو وہ جھٹلاتے تھے اس پر نہیں تو مندہ پر جا
سے اور جس کو جھٹلاتے تھے اس امر کو ثابت کیا جا رہا ہے۔ وہ یہ تو قہر رکھتے تھے کہ ان سے درگزر کیا ہو گے گا اور ان کی برکت سن جائے گی۔
یہ جن لوگوں نے نیک اعمال کئے اور انہوں نے اپنے ایمان کی تصدیق فاسد عقائد مذکورہ اخلاق اور فتنہ اعمال سے اجتناب کیا۔
اللہ تعالیٰ نے احکام کی بجا آوری سے ان کی۔ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ میں حضرت محمد اللہ بن محمد بن عبد اللہ سے انہوں نے
نیک رویہ سے روایت نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ابراہیم کے فرمایا کیونکہ انہوں نے اپنے ایمان اور جہاد سے ساتھ
نیک سوا۔ بیا (1)۔

سے جنہوں نے دین اور دنیا کی پروردگار کے ساتھ پھانسی اور فتنہ کے ساتھ پھانسی دیا وہ جہنم میں ہوں گے۔

یہاں سے لے کر سورت کے اختتام تک آیات کا تعلق عنایت نفس عاقدہ کے ساتھ ہے۔ اس کا بیان ہے بیان ہے
کہ ہر انسان اپنے اچھے برے اعمال کو جزاء کے ذریعے پہچان لے گا۔ ابوسیمان بن عبد الملک کے بارے میں مروی ہے کہ اس نے ان
حاضر بعدق سے پوچھا کاش مجھے پتہ ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہمارے لئے کیا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا اپنے اعمال کو ان کے
اللہ تعالیٰ کے ہاں جو تمہارے لئے ہے اسے پہچان لو گے۔ پوچھا سب اللہ میں۔ میں کہاں پہچانوں گا۔ تو انہوں نے جواب دیا
اللہ تعالیٰ۔ فرمان ان الابرار لقی نعیم وان الفجار لقی جحیم۔ ابوسیمان رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا اللہ تعالیٰ کی رحمت ہمارے
سے انہیں کیسے پہچانے کے قریب ہے۔ (2)

يَصْلُوْنَهَا يَوْمَ الدِّيْنِ ⑤ وَ مَا هُمْ عَنْهَا بِبِيْنٍ ⑥ وَ مَا اَدْرَاكَ مَا يَوْمُ
الدِّيْنِ ⑦ ثُمَّ مَا اَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ⑧ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِنَفْسٍ
شَيْئًا وَاَلَا مَرْيُوْمٌ لِلّٰهِ ⑨

”داخل ہوں گے اس میں قیامت کے روز اور وہ اس سے غائب نہ ہو سکیں گے۔ اور آپ کو کیا علم کہ روز جزاء کیا ہے۔ پھر آپ کو کیا علم کہ روز جزاء کیا ہے۔ (یہ وہ دن ہوگا) جس روز کسی کے لئے کچھ کرنا کسی کے بس میں نہ ہوگا اور سارا حکم اس روز اللہ ہی کا ہوگا۔“

۱۔ وہ روز جزاء کو جہنم میں داخل ہوں گے اور اس میں ہمیشہ رہنے کی وجہ سے جہنم سے غائب نہ ہوں گے۔ ہم ضمیر بعض فجار کے لئے ہے جس سے مراد کفار ہیں۔ یا فجار سے مراد کفار ہیں۔ عنہا میں ہا ضمیر سے مراد جہنم ہے۔ یا اس کا معنی یہ ہوگا وہ اس سے پہلے بھی جہنم سے غائب نہ تھے یا وہ اس کی زہریلی ہوا قبروں میں بھی پاتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے فرمایا جب تم میں سے کوئی آدمی فوت ہوتا ہے تو صبح و شام اس پر اس کا ٹھکانہ پیش کیا جاتا ہے۔ اگر وہ جنتی ہوتا ہے تو جنتیوں والا ٹھکانہ اس پر پیش کیا جاتا ہے۔ اگر وہ جہنمی ہوتا ہے تو جہنمیوں والا ٹھکانہ اس پر پیش کیا جاتا ہے اور اسے کہا جاتا ہے یہ تیرا ٹھکانہ ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اسے اٹھائے گا، متفق علیہ (1)۔ براء بن عازب رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے قبر میں کافر کی حالت کا ذکر کیا کہ اس سے اس کے دین کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے تو وہ کہتا ہے ہا ہا ہا میں نہیں جانتا تو آسمان سے ندا کی جاتی ہے کہ اس نے جھوٹ بولا ہے، اس کا بستر جہنم میں لگا دو، اسے جہنم کا لباس پہنا دو اور اس کے لئے جہنم کا دروازہ کھول دو۔ (2)

۲۔ آیت میں استفہام تعجب اور توبيخ کے لئے ہے۔ معنی یہ ہوگا یہ دن عظیم مصیبت اور شدید سختی کا ہوگا تم اس کی عظمت اور شدت کو نہیں جان سکتے کیونکہ کوئی بھی اپنی عقل سے اس کی حقیقت کو نہیں جان سکتا۔

۳۔ جہنم کی عظمت شان کی تاکید بیان کی جا رہی ہے۔

۴۔ ابن کثیر، ابو عمرو و جہا اللہ تعالیٰ نے یوم کو مرفوع پڑھا ہے کیونکہ یہ ما یوم الدین کے یوم سے بدل ہے یا مبتدا محذوف کی خبر ہے مبتدا ہو ہے جبکہ باقی قراء نے اسے منصوب پڑھا ہے کیونکہ یہ یصلونہا یوم الدین سے بدل ہے۔ یا یہ کلام محذوف کے متعلق ہے جو بحر جزئی یا ذکر ہے۔ یا یہ مبنی برفتحہ ہے کیونکہ یہ مبنی کی طرف مضاف ہے اور یہ محل رفع میں ہوگا۔ کوئی نفس بھی کافر نفس کو کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گا۔ اس دن معاملہ محض اللہ کے قبضہ میں ہوگا۔ دنیا میں جس طرح لوگ چیزوں کے مالک تھے اس روز اس طرح کوئی مالک نہ ہوگا۔ جہاں تک مومنوں کو شفاعت کے اذن کا تعلق ہے یہ تملیک نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس دن معاملہ ظاہر و باہر ہوگا اور ہر کوئی جان لے گا کہ امر اسی کا ہے جبکہ اہل بصیرت پہلے بھی یہی جانتے تھے کہ دنیا میں بھی حقیقت میں امر اس کا تھا، واللہ اعلم بالصواب۔

سورۃ المطففین

آیاتها ۳۶ ﴿سُورَةُ الْمُطَفِّفِينَ مَكِّيَّةٌ ۱۳﴾ ﴿مَكِّيَّةٌ ۱﴾

سورۃ المطففین مکی ہے، اس میں ایک رکوع اور چھتیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرماتے والا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو وہ لوگوں میں سے سب سے پہلے آئے۔ انہوں نے اسے دیکھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی تو انہوں نے اس کے بعد کئی اچھے کر لیا (۱)۔ اسے حافظ نسائی اور ابن ماجہ نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ صحابی امیر المدینہ نے کہا حضور ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے وہاں ایک آدمی تھا جسے ابو جہینہ کہتے اس کے پاس دو صاع تھے۔ ایک صاع سے وہ بھینس دیتا اور دوسرے صاع سے جنس لیتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا (۱)۔

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ۝۱
الَّذِينَ إِذَا كَانُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ ۝۲
وَإِذَا كَانُوا مِنْهُمْ يَوْمًا يَوْضًا ضَيُّوعًا ۝۳
كَالَّذِينَ أَوْوَرَّوْا نُهُم يَحْسِرُونَ ۝۴

وہ بے باقی ہیں (ناپ تول میں) کسی کرنے والوں کے لئے۔ جب وہ لوگوں سے ناپ لیتے ہیں تو پورا پورا بیت پرست اور بے لوگوں کو ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو (ان کو) نقصان پہنچاتے ہیں۔

صاف کا معنی حقیر ہے۔ مطففین سے مراد وہ لوگ ہیں جو یہ عمل کرتے ہیں جس کا ذکر آیت کریمہ میں موجود ہے جب وہ غلام یا بیٹے کیس یا وزن کرتے ہیں۔ اس آیت میں وزن کا ذکر نہیں بلکہ دوسری آیت میں اس کے ذکر پر اکتفا کیا۔ یہ بھی ممکن ہے۔ یہ غلام استعمال ہوتا ہے۔ علی الناس جار مجرور اکتالوا کے متعلق ہے۔ یہاں من کی جگہ علی حرف جار کا ذکر کیا۔ اس کا مطلب ہے کہ یہ من میں اس چیز میں ہو رہا تھا جو ان کا دوسرے لوگوں پر حق تھا یا اس میل میں ظلم کا پہلو ہوتا تھا۔ اس لئے علی کا ذکر کیا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے ہامن اور علی ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے رہتے ہیں۔ جب کوئی آدمی یہ کہے اکتلت علیک میں نے تجھ سے کس کیا۔ گویا تو نے یہ کہا اخذت یا علیک میں نے وہ کچھ لے لیا جو میرا تیرے اور پر حق تھا۔ جب تو نے اکتلت منک میں نے تجھ سے لے لیا۔

۱۔ کنان، ج ۳، صفحہ ۵۲ (العلیہ)

تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

انہوں نے یہ نشان نزول توڑ کر لیا ہے مگر یہ اس لحاظ سے محل نظر ہے کہ آیت کا نزول انہیں کے متعلق نازل ہوا ہے نہ کہ سورت مکی ہے، ہذا نمبر

۲۔ ضمیر منصوب اللہ اس کی طرف لوٹ رہی ہے۔ معنی یہ ہوگا جب وہ لوگوں کے لئے کیل اور وزن کریں۔ یہاں حرف جار لام کو حذف کر دیا گیا اور فعل کے عمل کو براہ راست مفعول تک پہنچا دیا گیا۔ ایک تقدیر یہ بھی ذکر کی گئی کالوا مکیلہم یعنی مضاف کو حذف کیا گیا اور مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام رکھا گیا۔ یہاں ضمیر منفصل کے ساتھ ضمیر متصل کی تاکید نہیں لگائی گئی کیونکہ کلام کا مقصود یہ ہے کہ لینے اور دینے میں ان کی حالت کے اختلاف کو ذکر کیا جائے نہ کہ یہ مقصود ہے۔ جب وہ خود عمل کریں اور خود عمل نہ کریں تو ان کی حالت کے اختلاف کو ذکر کرنا ہے۔ کتابت کا اسلوب بھی اس تاویل کا انکار کرتا ہے کیونکہ اس صورت میں یہ تقاضا ہوگا کہ درمیان میں واؤ جمع کے بعد الف ہو۔

۳۔ جب وہ دوسرے کے لئے کیل اور وزن کرتے ہیں تو کمی کرتے ہیں۔ عرب یہ کہتے ہیں خمس المیزان واخسرہ یعنی مزید فیہ متعدی استعمال ہوتا ہے۔ اس عمل کو تطفیف اس لئے کہتے ہیں کیونکہ کیل اور وزن میں جو کمی کی جاتی ہے وہ حقیر ہوتی ہے۔ اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ تھوڑی سی چیز کی بھی کمی ہلاکت اور عذاب کا سبب بنتی ہے تو زیادہ کمی تو بدرجہ اولیٰ عذاب کا سبب بنے گی۔ حضور ﷺ نے فرمایا پانچ مصلحتیں پانچ اعمال کی وجہ سے لازم ہوں گی جو قوم بد عہدی کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر دشمن کو مسلط کر دیتا ہے جو قوم اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے خلاف فیصلے کرے اللہ تعالیٰ ان میں فقر کو عام کر دیتا ہے۔ جب قوم میں بے حیائی عام ہو جائے تو ان میں موت عام ہو جاتی ہے۔ جب کوئی قوم کیل میں کمی کرتی ہے تو ان سے نباتات کو روک لیا جاتا ہے اور خشک سالی آتی ہے۔ جب وہ زکوٰۃ دینا چھوڑتی ہے تو ان سے بارش کو روک لیا جاتا ہے (۱)۔ اسے حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے بریدہ اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے اور طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی قوم میں خیانت ظاہر نہیں ہوتی مگر اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں رعب ڈال دیتا ہے۔ کسی قوم میں سود عام نہیں ہوتا مگر اللہ تعالیٰ ان میں موت کو عام کر دیتا ہے۔ کوئی قوم کیل اور وزن میں کمی نہیں کرتی مگر اللہ تعالیٰ ان سے رزق میں کمی کر دیتا ہے۔ کوئی قوم ناحق فیصلے نہیں کرتی مگر ان میں قتل و غارت عام ہو جاتا ہے اور کوئی قوم بد عہدی نہیں کرتی مگر اللہ تعالیٰ ان پر دشمنوں کو مسلط کر دیتا ہے (۲)۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے موقوف روایت نقل کی ہے۔ سختی کا معنی دھوکہ دینا ہے۔ میں کہتا ہوں رزق کا انقطاع کبھی تو اس صورت میں ہوتا ہے کہ اسے فقیر بنا دیا جاتا ہے وہ کسی چیز پر قادر ہی نہیں ہوتا۔ بعض اوقات اس سے رزق روکنے کی صورت یہ ہوتی ہے کہ قادر ہونے کے باوجود وہ اسے فائدہ نہیں اٹھا سکتا جس طرح ہمارے ملک میں بننے ہندوؤں کا حال ہوتا ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے بیٹے والے کے پاس سے گزرتے فرماتے اللہ تعالیٰ سے ڈرو کیل اور وزن پورا رکھو کم تولنے والوں کو قیامت کے روز یوں ٹھہرایا جائے گا کہ پسینہ ان کی لگا میں بنا ہوگا اور نصف کانوں تک پہنچ رہا ہوگا۔

أَلَا يَظُنُّ أُولَٰئِكَ أَنَّهُمْ مَبْعُوثُونَ ﴿۱﴾ لِيَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿۲﴾ يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ
الْعَالَمِينَ ﴿۳﴾

”کیا وہ (اتنا) خیال بھی نہیں کرتے کہ انہیں قبروں سے اٹھایا جائے گا لے ایک بڑے دن کے لئے ۳۔ جس دن لوگ

(جو اب وہی کے لئے) کھڑے ہوں گے پروردگار عالم کے سامنے ۳۔“

۱۔ یقین کی جگہ ظن کا لفظ ذکر کیا مقصود اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ جو آدمی اس بات کا گمان رکھتا ہے اسے بھی نہیں چاہئے کہ

ان مہینوں کے اسباب کا ارتکاب کرے۔ جو اس کا یقین دیکتا ہے اسے یہ سب زیادہ ہو سکتا ہے۔ اس میں استفہام انکار کی ہے اور ان کی حالت پر تعجب کا اظہار ہے اور ان کے لئے توبیح ہے۔ اور فنک اسم اشارہ سے مراد تم تو لے والے ہیں۔ یہ اسم اشارہ بعض کا ذمہ ہے۔ ایہ مبعوثوں پر حمد بظن کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے۔

یوم عظیم یہ مبعوثوں کے متعلق ہے اور علت بیان کر رہا ہے، یعنی انہیں یوم عظیم کے حساب سے لے اٹھا جائے گا۔ ہالہ ہی کے معنی میں ہے۔ یوم عظیم سے مراد یوم قیامت ہے۔ کیونکہ اس میں بڑے بڑے واقعات ہوں گے اس لئے عظیم کے ساتھ اس کی صفت ذکر کی۔ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے تمہارے سامنے ایسی قومیں آئیں گی۔ ان میں سے کوئی سنگریزوں کے برابر بھی خرچ کرتا تو اسے ذرا ہی رہتا کہ وہ اس عظیم دن سے نجات نہ پاسکے گا۔

سب سے بڑا روز لوگ اللہ تعالیٰ کے محاسب اور جزاء کے لئے قبروں سے اٹھیں گے۔ یوم کا لفظ مبعوثوں کی طرف ہونے کی حیثیت سے منسوب ہے۔ یا یہ یوم عظیم سے بدل ہے۔ پھر اس صورت میں اس پر فتح اس وجہ سے ہے کہ یہ جملہ کی طرف مضاف ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ لوگ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں حساب دینے کے لئے آئیں گے جبکہ ان کا پسینہ ان کے کانوں کے نصف تک پہنچا ہوگا (1) متفق علیہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی مشابہت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قیامت کے روز لوگوں کو پسینہ آئے گا یہاں تک کہ ان کا پسینہ زمین میں ستر باغ تک چلا جائے گا اور یہی پسینہ اس کی لگام بن رہا ہوگا یہاں تک کہ ان کے کانوں تک پہنچے گا (2)۔ طبرانی، ابویعلیٰ اور ابن حبان رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ قیامت کے روز کافر کو پسینہ آئے گا اور وہ اس کی لگام بن جائے گا یہاں تک کہ وہ کہے گا اے میرے رب مجھے راحت پہنچا، اگرچہ جہنم میں ہی ڈال دے۔ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کافر کو موقف میں پسینہ آئے گا اور وہ اس کی لگام بن جائے گا یہاں تک کہ وہ کہے گا اے میرے رب تیرا مجھے جہنم میں بھیج دینا میرے لئے اس مسیبت سے زیادہ آسان ہے جبکہ اسے علم ہوگا کہ جہنم میں کتنی شدت کا سامنا کرنا ہوگا (3)۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے اللہ تعالیٰ کے فرمان یوم یقوہ الناس لرب العلمین کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ مجھے خبر پہنچی ہے کہ کعب الاحبار کہا کرتے تھے کہ لوگ تین سو سال تک وہاں کھڑے رہیں گے۔ امام مسمر رحمۃ اللہ علیہ نے قتادہ بن اسود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرمایا کہ جو نے سنا قیامت کے روز سورج مخلوق کے قریب ہوگا یہاں تک کہ وہ ایک میل کی مسافت پر پہنچ جائے گا۔ سلیم بن عامر نے کہا اللہ کی قسم مجھے یہ معلوم نہیں ہے یہاں تک سے کیا مراد ہے؟ اس سے مراد زمین کی مسافت ہے یا سرمد لگانے والی سلاخی۔ لوگ اپنے اعمال کے مطابق پسینے میں تھکے ہوئے ہوں گے۔ ان میں سے کچھ ٹخنوں تک پسینے میں ہوں گے، کچھ گھٹنوں تک کچھ سر تک پسینے میں ہوں گے اور بعض کو پسینہ لگاموں تک آئے گا۔ حضور ﷺ نے اپنے ہاتھ کے ساتھ اپنے منہ کی طرف اشارہ کیا (4)۔ امام احمد، طبرانی، ابن حبان اور حاکم رحمہم اللہ تعالیٰ نے نقل کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے عقبہ بن عامر سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔ امام احمد اور طبرانی رحمۃ اللہ علیہما نے امام باہل سے، انہوں نے حضور ﷺ سے روایت کیا ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ اس کی گرمی میں اتنا اتنا اضافہ کیا جائے گا کہ ان

2- کنز العمال، جلد 14، صفحہ 357 (تراث اسلامی)

1- احمد، مسخر، زیر آیت ہذا

4- تفسیر خازن، زیر آیت ہذا

3- مجمع، 10، جلد 10، صفحہ 409 (القر)

کھوپڑی یوں جوش مارے گی جس طرح ہنڈیا جوش مارتی ہے۔ امام احمد اور طبرانی رحمہما اللہ تعالیٰ نے عمدہ سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے مرفوع روایت ذکر کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب سے انسان کو پیدا کیا ہے اس نے موت سے سخت چیز سے ملاقات نہیں کی جبکہ یہ بعد والے مراحل سے بہت آسان ہے (1)۔ لوگ اس دن کی ہولناکی کو پائیں گے یہاں تک کہ انہیں (پینے کی) لگائیں دی جائیں گی۔ اگر لوگوں کے پینے میں کشتیاں چلائی جائیں گی تو وہ ضرور چل پڑیں گی۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ اس دن کی مصیبت بہت سخت ہوگی یہاں تک کہ کافر کو حساب سے پہلے پینے کے ساتھ لگام دی جائے گی۔ ان سے کہا گیا مومن کہاں ہوں گے تو جواب دیا وہ سونے کی کرسیوں پر ہوں گے اور بادل ان پر سایہ فگن ہوں گے۔ ہناد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ مومنوں پر یہ دن دن کے ایک پہر جتنا طویل ہوگا۔ ہناد اور ابن مبارک رحمہما اللہ تعالیٰ نے سلمان سے نقل کیا ہے کہ قیامت کے روز سورج مخلوقات کے سروں کے قریب ہوگا وہ قاب قوسین جتنا ہوگا۔ اور دس سال کی گرمی دے رہا ہوگا اس روز لوگوں کے جسموں پر کوئی پردہ نہ ہوگا، کسی مومن مرد اور مومن عورت کی شرمگاہ دکھائی نہ دے گی۔ مومن مرد اور مومن عورت اس کی گرمی کو نہ پائے گا۔ جہاں تک کافر کا تعلق ہے تو وہ انہیں خود پکائے گی یہاں تک کہ ان کے پیوں سے عرق عرق کی آواز سنائی دے گی۔

كَلَّا إِنَّ كِتَابَ الْفَجَّارِ لَفِي سَجِينٍ ﴿٥٠﴾ وَمَا أَدْرَاكَ مَا سَجِينٌ ﴿٥١﴾ كِتَابٌ مَّرْقُومٌ ﴿٥٢﴾

”یہ حق ہے کہ بدکاروں کا نامہ عمل سجین میں ہوگا اور تمہیں کیا خبر کہ سجین کیا ہے؟ یہ ایک کتاب ہے لکھی ہوئی ہے۔“

۱۔ کلا کا لفظ کیل میں کمی کرنے سے جھڑکنے کے لئے ہے اور بذات خود مکمل کلام ہے۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے کہا جب کلا کا لفظ مابعد کلام کے ساتھ متصل ہو تو یہ حقا کے معنی میں ہوتا ہے۔ کتاب الفجار سے مراد ان کے اعمال کے صحیفے ہیں جنہیں کراما کاتبین نے لکھا اور فجار سے مراد کفار ہیں۔ سجین یہ سجن سے مشتق ہے جس کا معنی قید کرنا ہے۔ قاموس میں ہے سجین جس کا وزن سکین ہے۔ اس کا معنی دائمی سخت قید ہے۔ انفس رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ سجن سے فعیل کے وزن پر ہے جس طرح فسیق اور شریب ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ سخت قید میں ہوں گے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی ہے کہ وہ خست اور گمراہی میں ہوں گے (2) کیونکہ کفار کی کتابوں میں جو کچھ ہے وہ کفار کی قید، ذلت اور گمراہی کا سبب ہے کتاب کی طرف نسبت مجازاً ہے۔ احادیث اور آثار کا ظاہر مفہوم یہ ہے کہ سجین جگہ کا نام ہے جس میں فاجروں کی کتاب ہوگی۔ قاموس میں اسی طرح ہے۔ اسی جگہ میں کتاب کے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے اعمال کے صحیفے وہاں رکھے جائیں گے یا وہاں ایک ایسی کتاب ہوگی جو جن و انسان میں سے فاجروں کے نامہ اعمال کو جامع ہوگی۔ اس جگہ کو سجین کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہاں کفار کی روجوں کو قید کیا جائے گا۔ وہ جگہ ساتویں زمین ہے یا وہ ساتویں زمین کے نیچے جگہ ہے۔ ابن مندہ، طبرانی اور ابوالشیخ رحمہم اللہ تعالیٰ نے حمزہ بن حبیب سے مرسل روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے مومن روجوں کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا وہ سبز پرندوں میں ہوں گی جو جنت میں جہاں چاہئیں گے گھومتے رہیں گے۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کفار کی روجیں کہاں ہوں گی؟ فرمایا وہ سجین میں محبوس ہوں گی۔ ابن مبارک، حکیم ترمذی، ابن ابی الدنیا اور ابن مندہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ

۲۔ استفہامیہ انداز اس کی عظمت بیان کرنے اور ہولناکی بیان کرنے کے لئے ہے۔ زجاج رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی یہ ہے یہ وہ چیز نہیں جسے تم اور تیری قوم جانتی ہے۔ (1)

۳۔ ان کے اعمال اس میں چھپا دیئے گئے ہیں۔ وہ یوں مثبت ہیں جیسے کپڑے میں نقش ہوتے ہیں، نہ انہیں بھلایا جاسکتا ہے اور نہ ہی مٹایا جاسکتا ہے یہاں تک کہ انہیں اس کی جزا دی جائے گی یا اس کا معنی ہے وہ جانے پہچانے ہیں، جو بھی اسے دیکھے گا اسے پہچان لے گا کہ اس میں کوئی خیر نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ حمیر کی لغت میں اس کا معنی ہے کہ اس پر مہر لگا دی گئی ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ مسجین کی تفسیر نہیں بلکہ یہ اس مذکورہ کتاب کا بیان ہے۔

امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ مسجین کا بیان ہے۔ اس کتاب کو یہ نام اس لئے دیا گیا کیونکہ یہ قید کرنے کا سبب ہے اور کہا یہ کتاب مسجین کا ظرف ہے کیونکہ یہ جن و انس میں سے جو فاجر ہیں ان کی کتابوں کو جامع ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ مسجین میں کفار کی روحوں اور ان کے اعمال کے صحیفے رکھے جائیں گے۔ کلام میں مضاف محذوف ہے یا تو یہ حذف ما مسجین میں ہوگا، یعنی اصل کلام یوں تھی ما کتاب مسجین یا کتاب مرقوم میں حذف ہوگا، یعنی اصل کلام یوں تھی محل کتاب مرقوم۔

وَيَلُّ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ۝ الَّذِينَ يَكْذِبُونَ بِبُيُوتِهِمْ ۝

”جہاں ہوگی اس دن جھٹلانے والوں کے لئے جو جھٹلاتے ہیں روز جزاء کو۔“

۱۔ جو حق کو جھٹلاتے تھے اس روز ان لوگوں کے لئے ہلاکت ہے۔

۲۔ یہ المکذبین کی صفت موصیہ ہے یا صفت ذامہ ہے یا صفت مخلصہ ہے یا المکذبین سے بدل ہے۔ وَيَلُّ يَوْمَئِذٍ کا جملہ جملہ معترضہ ہے مقصود مذمت بیان کرنا ہے۔

میں کہتا ہوں یہ مرقوم محل رفع میں ہونے کا احتمال بھی رکھتا ہے۔ معنی یہ ہوگا اس میں ہلاکت لکھی گئی ہے یا یہ المکتاب کی صفت ہے، یعنی یہ ایسی کتاب ہے جو ویل کا باعث ہے جبکہ پہلی تاویل لفظ کے اعتبار سے اور دوسری معنی کے اعتبار سے زیادہ ظاہر ہے کیونکہ کتاب مرقوم ہونا یہ فاجروں کی کتاب کے خصائص میں سے نہیں بلکہ کتاب الابرار کے بارے میں بھی کہا جاسکتا ہے۔ اس کا ما مسجین کا جواب ہونا بھی صحیح ہے۔

وَمَا يَكْذِبُ بِهِ إِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ۝ إِذْ أَتَىٰ عَلَيْهِ الْبُتُّ قَالَ آسَاطِيرُ الْأُولِينَ ۝

”اور نہیں جھٹلایا کرتا اسے مگر وہی جو حد سے گزرنے والا گناہ گار ہے۔ جب پڑھی جاتی ہیں اس کے سامنے ہماری آیتیں

تو کہتا ہے کہ یہ تو پہلے لوگوں کے افسانے ہیں۔“

۱۔ بہ میں ضمیر سے مراد روز جزاء ہے۔ مُعْتَدٍ سے مراد جہالت میں حد سے تجاوز کرنے والے اور جاہل آباء کی تقلید کرنے والے ہیں یہاں تک کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی دوبارہ اٹھانے کی قدرت کا انکار کیا اور وہ شہوات میں منہمک ہیں۔ اس چیز نے اسے دوسری چیزوں سے غافل کر دیا اور ماسوی کے انکار پر اسے برا بیخیز کیا۔

۲۔ آیات سے مراد قرآن ہے اس نے اپنی جہالت کی زیادتی اور اس کے معجز ہونے سے غافل ہونے کی وجہ سے یہ کہا یا اپنے کند ذہن

نے اور حق سے اعراض کرنے کی وجہ سے بطور سرکش یہ کہا کہ یہ پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں۔

اساطیر الاولین بہ مبتدا مخذوف کی خبر ہے جوہی ہے۔ اساطیر اسطور اسطار یا اسطر کی جمع ہے جس کا معنی این باتیں ہیں جن میں بون نظم و ضبط نہ ہو۔ قاموس میں اسی طرح ہے صراح میں اس کا معنی ہے کہ یہ ایسی چیز ہے جسے جھوٹ کے طور پر لکھا گیا ہے۔ یہ ہر شے طبعیہ معتد کی صفت کے بعد صفت ہے۔ مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ اسے دلائل حقیقیہ اور دلائل نقدیہ میں سے بون چیز چینی سے لے کر دے کر اور ما یکنذب بہ والا جملہ جملہ معترضہ ہے۔

كَلَّا بَلْ سَأَلْنَا عَنْهُمْ غُلَامًا لَّهُمْ آيَاتٌ ۚ وَمَا كَانُوا يَنْظُرُونَ ۚ
لَسَجَّوُنُونَ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا آلَ الْبَطِينِ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا آلَ الْبَطِينِ ۚ

نہیں نہیں درحقیقت رنگ چڑھ گیا ہے ان کے دلوں پر ان کر تو توں کے باعث جو وہ کیا کرتے تھے۔ یقیناً انہیں اپنی رب کے دیدار سے اس دن روک دیا جائے گا۔ پھر وہ ضرور جہنم میں داخل ہوں گے۔ پھر (ان سے) کہا جائے گا: "ہیں وہ (جہنم) ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔"

یہ آیت کو جھٹلانے اور جو بات انہوں نے کی تھی اس پر انہیں جھڑکا جا رہا ہے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ وہ ایسا نہ کہ لائیں گے۔ بل جھڑکنے سے اضطراب کے لئے ہے، یعنی حق قبول کرنے اور اسے باطل سے ممتاز کرنے کے لئے ان کے دل میں اصلاحیت کی نفی کو بیان کرنا ہے۔ حفص نے بل پر سکتے ہیں بلکہ دوسرے قراء نے اس (راء) میں اذعام کیا ہے۔ ابو جریزہ اور ابن عباس رحمہما اللہ تعالیٰ نے راء کے فتح کے ساتھ جبکہ باقی قراء نے ہم کے ساتھ پڑھا ہے۔ رین کا معنی غلبہ ہے۔ ران الخضر علی قلب جمد اس وقت بولا جاتا ہے جب نشہ اس کے دل پر غالب آجائے۔ اس کا معنی یہ ہوگا جو نافرمانیاں وہ کرتے رہے ہیں اس نے ہر گز ان سے دلوں پر تار کیوں کا غلبہ ہو چکا ہے یہاں تک کہ ان کے دل حق اور باطل میں امتیاز کرنے سے عاجز آگئے ہیں۔ حضرت ابو جریزہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مومن جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں سیاہی لگتی ہے۔ اگر وہ توبہ کرے، ندامت کا اظہار کرے اور استغفار کرے تو اس وجہ سے اس کا دل صاف ہو جاتا ہے۔ اگر وہ توبہ نہیں کرتا تو اس کے لفظوں میں اضافہ ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ اس کے دل پر غالب آجاتے ہیں۔ یہی وہ رین ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے کلام میں ران غلی قلوبہم ما کانوا ینکسبون میں فرمایا۔ اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ امام احمد اور امام ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسی طرح نقل کیا۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے صحیح قرار دیا۔ نیز اسے امام نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان اور امام حاکم رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا۔ بعض روایات میں الفاظ مختلف ہیں۔ مومن کا لفظ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ کافر کے دل میں سیاہی بہت زیادہ ہوئی۔

یہ آیت سنا دینے سے جھڑکنے کے لئے ہے جو اس رنگ کا باعث ہیں یا یہ حقا کے معنی میں ہے جو اس رنگ کو ثابت کرتا ہے۔ مقصود یہ ہے کہ وہ اس کا تصدیق نہ کریں گے۔

قیامت کے روز جب مومن اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے اس دن کفار کو ان کے گناہوں کی تار کیوں کی وجہ سے رب کے دیدار سے روک دیا جائے گا اور وہ اپنے رب کا دیدار نہ کریں گے جس صرح وہ دنیا میں حق و باطل میں فرق نہیں دیکھ سکتے تھے۔ حضرت حسن

بصری رضی اللہ عنہ نے کہا اگر زاہدوں اور عابدوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ وہ اپنے رب کا دیدار نہیں کریں گے تو وہ دنیا میں مرجائیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے اس آیت کی تفسیر کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا جب اس کے دشمنوں کو دیدار سے روک دیا جائے گا اور وہ اسے نہیں دیکھیں گے تو وہ اپنے دوستوں کے لئے ظاہر ہوگا یہاں تک کہ وہ اسے دیکھ لیں گے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس آیت میں یہ دلالت موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء اپنے رب کا دیدار کریں گے۔ (1)

۳۔ انہیں ایک طرف دیدار الہی سے محروم رکھا جائے گا تو دوسری طرف انہیں جہنم میں داخل کر دیا جائے گا۔

۴۔ پھر جہنم کے داروغے انہیں کہیں گے یہ وہی عذاب ہے جس کو تم جھٹلاتے تھے۔

كَلَّا إِنَّ كِتَابَ الْأَبْرَارِ لَفِي عِلِّيِّينَ ﴿١٩﴾ وَمَا أَدْرَاكَ مَا عِلِّيُّونَ ﴿٢٠﴾ كِتَابٌ مَرْقُومٌ ﴿٢١﴾ يُشَاهِدُ الْمُقَرَّبُونَ ﴿٢٢﴾

”یہ حق ہے نیکو کاروں کا صحیفہ عمل علیین میں ہوگا۔ اور تمہیں کیا خبر کہ علیون کیا ہے؟ یہ ایک لکھی ہوئی کتاب ہے (حفاظت کے لئے) دیکھتے رہتے ہیں اسے مقربین۔“

۱۔ یہ پہلے کَلَّا ہی کا تکرار ہے تاکہ اس کے بعد ابرار کے وعدے کو ذکر کیا جائے جس طرح پہلے کَلَّا کے بعد فجار کی وعید کو ذکر کیا گیا۔ مقصود یہ شعور دلانا ہے کہ کم تو لانا فجور ہے جس طرح پورا تو لانا نیکی ہے یا یہ عذاب کو جھٹلانے پر جھڑکنے کے لئے ہے یا یہ حقا کے معنی میں ہے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی یہ ہے جس عذاب میں وہ داخل ہوگا اس پر ایمان نہیں رکھتا تھا۔ (2)

علیین کے متعلق بعض علماء نے کہا اس سے شرف کے بعد شرف مراد ہے۔ اسی وجہ سے اس کی جمع واؤنون کے ساتھ ذکر کی۔ فراء نے کہا یہ جمع کے وزن پر ایک جگہ کا نام ہے۔ لفظوں میں اس کا واحد نہیں جس طرح عشرين۔ بعض محققین نے کہا یہ عِلِّيُّ کی جمع ہے جو علو سے فعلیل کے وزن پر ہے۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ایک مرفوع حدیث گزر چکی ہے کہ علیین عرش کے نیچے ساتویں آسمان میں ہے۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ کی ایک طویل حدیث میں ہے جس میں مومنوں اور کفار کی موت کا ذکر ہے کہ مومن کا نفس بلندی کی طرف لے جایا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ ساتویں آسمان تک جا پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے میرے بندے کی کتاب علیین میں لکھ دو اور اسے زمین کی طرف لوٹا دو۔ اس حدیث کو امام احمد، ابوداؤد، حاکم رحمہم اللہ تعالیٰ اور دوسرے محدثین نے صحیح اسناد کے ساتھ نقل کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا علیین سبز زبرجد کی تختی ہے جو عرش کے نیچے لٹک رہی ہے نیک لوگوں کے اعمال اس میں لکھے ہوتے ہیں (3)۔ اسی وجہ سے علماء نے کہا یہ وہ کتاب ہے جو فرشتوں اور جن دانس کے مومنوں کے اچھے عمل کو اپنے اندر جمع کئے ہوتی ہے۔ کعب اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا یہ عرش کا دایاں پایہ ہے۔ حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ اس سے مراد جنت ہے عطاء اور ضحاک رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا اس سے مراد سدرۃ المنتہی ہے۔ (4)

۲۔ کتب مرقوم میں وہی گفتگو ہے جو پہلے گزر چکی ہے۔

۳۔ یہ جملہ کتب کی صفت ہے جس طرح ویل یومئذ للمکذبین وہاں اسی لفظ کی صفت تھی۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے مقربین سے مراد فرشتے لئے ہیں۔ میں کہتا ہوں اس سے انبیاء، صدیقین اور شہداء کی ارواح بھی مراد ہیں کیونکہ یہ اپنی عزت اور شرف کی وجہ سے

کی صورت اختیار کر لیتی ہیں، وہ جنت میں ہوتی ہیں، وہ کھاتی پیتی ہیں، نعمتوں سے لطف اندوز ہوتی ہیں اور رات کے وقت قندیلوں میں پناہ لیتی ہیں جو عرش کے ساتھ معلق ہیں اور شہداء کی روہیں جسموں سے نکلتی ہیں اور جنت میں سبز پرندوں کے پونوں میں ہوتی ہیں جو کھاتے پیتے ہیں، نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور رات کے وقت ان قندیلوں میں پناہ لیتی ہیں جو عرش کے ساتھ لٹکی ہوتی ہیں، مطہج مومنوں کی روہیں جنت میں ہوتی ہیں، نہ کھاتی ہیں اور نہ لطف اندوز ہوتی ہیں لیکن جنت میں نظارہ کرتی ہیں۔ گناہ گار مومنوں کی روہیں زمین و آسمان کے درمیان ہوا میں ہوتی ہیں۔ کفار کی روہیں ساتویں زمین کے نیچے مسجین میں سیاہ پرندوں کے اندر ہوتی ہیں۔ میں کہتا ہوں جو یہ ذکر کیا گیا ہے کہ انبیاء کی روہیں مشک اور کافور کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ان کا انسانوں کے جسم کی طرح جسم ہوتا ہے۔ اسے مشک سے تعبیر اس لئے کیا گیا ہے کہ ان کی خوشبو بہت عمدہ ہوگی۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں موہبی جسموں سے تعبیر کیا ہے۔ یہ انبیاء اور ان کے پیروکاروں یعنی صدیقین کے لئے ہوگا۔ ان دونوں طبقات کو یہ جسم موت سے پہلے دے دیا جاتا ہے۔

شہدہ :- اگر یہ سوال کیا جائے بعض صحیح احادیث اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ مومنین یہاں تک کہ انبیاء اور اسی طرح کفار کی روہیں قبروں میں ہوتی ہیں جس طرح براء کی طویل حدیث میں ہے۔ اللہ تعالیٰ مومنوں کے حق میں ارشاد فرماتا ہے کہ میرے بندے کی کتاب علیین میں لکھ دو اور اسے زمین کی طرف لوٹا دو کیونکہ میں نے اسی سے انہیں پیدا کیا اسی میں انہیں لوٹاؤں گا اور اسی سے دوبارہ اٹھاؤں گا تو اس کی روح اس کے جسم میں واپس لوٹا دی جاتی ہے۔ کافر کے بارے میں بھی یہی فرمایا کہ اس کی روح قبر میں لوٹا دی جاتی ہے۔ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کے متعلق جو روایات مروی ہیں۔ ان میں سے یہی صحیح ترین ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں دیکھا کہ وہ معراج کی رات اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔ حضور ﷺ کا بھی یہ فرمان ہے جس نے میری قبر کے پاس مجھ پر درود پڑھا میں اسے سنتا ہوں اور جو اس حالت میں درود پڑھتا ہے جو یہاں سے غائب ہوتا ہے اس کا سلام مجھ تک پہنچایا جاتا ہے تو ان میں تطبیق کیسے ہوگی۔ ہم کہتے ہیں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ مومنوں کی روہوں کا ٹھکانہ علیین میں یا ساتویں آسمان میں ہے۔ جس طرح پہلے گزر چکا ہے اور کفار کی روہوں کا ٹھکانہ مسجین میں ہوتا ہے۔ اس کے باوجود ہر روح کا اپنی قبر میں اپنے جسم کے ساتھ تعلق ہوتا ہے جس تعلق کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اسی اتصال اور تعلق کی وجہ سے یہ کہنا صحیح ہے کہ روح اور جسم کے مجموعے پر جنت یا جہنم کا ٹھکانہ اس پر پیش کیا جاتا ہے۔ وہ انسان لذت اور دکھ محسوس کرتا ہے، قبر کی زیارت کرنے والے کا سلام سنتا ہے، منکر اور نکیر کا جواب دیتا ہے۔ اسی طرح کے دوسرے تمام امور متحقق ہوتے ہیں جو کتاب و سنت میں ثابت ہیں جس طرح جبرئیل امین ساتویں آسمان میں ہوتا ہے جبکہ وہ حضور ﷺ کے اتنے قریب ہوتا ہے کہ اپنے ہاتھ حضور ﷺ کے گھٹنوں پر رکھتا ہے۔ امام شمس رحمۃ اللہ علیہ نے بحر الکلام میں کہا روہیں جسموں کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں روہوں کو عذاب دیا جاتا ہے جس سے جسم بھی دکھ محسوس کرتے ہیں۔ جس طرح سورج آسمانوں میں ہے جبکہ اس کا نور زمین میں ہے۔

إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ﴿١٢﴾ عَلَى الْأَرَآئِنِ يُنظَرُونَ ﴿١٣﴾ تَعْرِفُ فِي وُجُوهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيمِ ﴿١٤﴾

يُسْقَوْنَ مِنْ رَحِيْقٍ مَّصُومٍ ﴿١٥﴾ خِشْيَهُ مَسْكٌ ﴿١٦﴾ وَفِي ذَلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَكْفِرُونَ ﴿١٧﴾

”بے شک نیکوکار راحت و آرام میں ہوں گے۔ پلنگوں پر بیٹھے (مناظر جنت کا) نظارہ کر رہے ہوں گے۔ آپ

پتیاں لیں گے ان کے چہروں پر راحتوں کی شگفتگی سے انہیں پلائی جائے گی، سر بہر خالص شراب سے اس کی مہر ستوریں نہ ہوں، اس کے لئے سبقت لے جانے کی کوشش کریں سبقت لے جانے والے ہیں۔

یہ نمبر مستانفہ ہے۔

تو دوسروں میں پائنتوں پر ہوں گے۔ یہ فخر مستقر نفی فیہ میں جو نمبر ہے۔ اس سے حال ہے بنظرون یہ حال ہے بعد حال ہے۔ اس سے۔ یہ نمبر میں نے کہا اللہ تعالیٰ نے انہیں جو عزت اور نعمتیں عطا کی ہیں انہیں دیکھتے ہیں۔ قنار و رحمة اللہ علیہ سے بہا و اپنے شہروں کو دیکھتے ہیں کہ انہیں کس طرح جہنم میں عذاب دیا جاتا ہے (1)۔ میں کہتا ہوں وہ اپنے رب تعالیٰ کا دیدار کرتے ہیں۔ اس میں کفار کو اور اپنے رب سے حجاب میں ہوتے ہیں۔

اس جہنم نے تعریف کو متروک جہلہ ابو جعفر اور یعقوب رحمہما اللہ تعالیٰ کے سے مجھوں پر ہے۔ نعمت اور عقاب جہنم اللہ تعالیٰ سے۔ ایک نصیرہ مرفوع ہے جہنم جہنم کے نزدیک یہ منسوب ہے۔ نعیم سے مراد جنت کی نعمتیں ہیں۔ حفظ سے حسن بصر کی نعمت اللہ تعالیٰ سے جہاں چہرے پر رونق ہوگی اور دل میں خوشی ہوگی۔

کے انہیں ایسا مشروب پلایا جائے گا جو صاف پیمیزہ اور سفید ہوگا۔ اس پر مہر لگی، ہوگی کسی ہاتھ کو اجازت نہ ہوگی کہ اسے پھسکے۔ یہاں تک کہ خود نیک لوگ اس کی مہر کو توڑیں گے۔

تو سنا رحمة اللہ علیہ نے اسے عالم کے وزن پر خاتم برزخا ہے جہلہ باقی قرآن کے اسے کتاب کے وزن پر محتاد ہے۔ کتابوں میں ہے خاتم کتاب کے وزن پر ہے، ایسی منی کو کہتے ہیں جس پر مہر لگائی جاتی ہے اور خاتم سے مراد وہ مہر جو منی پر لگائی جاتی ہے۔ وہوں قرأتوں سے مراد ایک ہی ہے، یعنی ان بدعتوں پر منی کی جگہ ستوری سے مہر لگائی جائے گی۔ ابن زید رحمة اللہ علیہ سے مراد ہی سرت لہا ہے۔ ابن مسعود رحمة اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ اس کا آخری ذائقہ ستوری کا ہوگا (2)۔ کتابوں میں ہے انحصار میں کل نسیء اجزاف کسی شے کا خاتم اس کا آخر ہوتا ہے۔

دنک اسم اشارہ سے مراد حقیق یا نعیم ہے۔ ناسیء یہ نفس یا نفس سے مشتق ہے جس کا معنی پینے کے پینے کی چیز ہے۔ عقاب لہا ہے، یعنی اس چیز کے بارے میں وہ غیر سے بخل کرتا ہے۔ اس کا حاصل معنی یہ ہے یعنی دنک سے نسیء کی چیز میں بہت سے چاہئے۔ منہیوم یہ ہوگا کہ دنیاوی چیزوں میں مقام مناسب نہیں کیونکہ دنیا کی چیزیں نسیء کی چیزیں ہوتی ہیں بلکہ متاہد تو اترونی نعمتوں میں ہونا چاہئے۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ باہم مقابلہ کرنا تو رذائل میں سے ہے تو پھر یہ پسندیدہ ہے یا پسندیدہ ہے۔ میں اس کے بارے میں یہ ہوں گا یہ اس وقت رذائل (حقیر) میں شمار ہوگا جب وہ دنیاوی امور سے متعلق ہو۔ یہ اللہ تعالیٰ سے پسند نہیں۔ نیز یہ اس سے کسی اور کو نقصان پہنچے کیونکہ دنیاوی چیزیں اور سامان ختم ہونے والا اور قلیل ہوتا ہے۔ جب وہ اس کی چیزوں سے نسیء کے پسند کرتا ہے تو وہ چیز میرے فوت ہو جاتی ہے۔ آخری نعمتوں کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کو پسند میں آتا ہے اور اس میں ہونے لگا۔ اس لیے ان چیزوں کو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے تو وہ کسی اور کو تکلیف نہیں دیتا۔

وَمِرَاجَةٌ مِنْ سَيِّمٍ ۝ عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُونَ ۝ إِنَّ الَّذِينَ أَجْرَمُوا

كَانُوا مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا يَصْحَكُونَ ﴿١٩﴾

”اس میں تسنیم کی آمیزش ہوگی۔ یہ وہ چشمہ ہے جس سے صرف مقررین پیئیں گے۔ جو لوگ جرم کیا کرتے تھے وہ اہل ایمان پر ہنسا کرتے تھے۔“

۱۔ اس خالص شراب (د حیق) میں تسنیم کی آمیزش ہوگی۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے تسنیم کی وضاحت کرتے ہوئے کہا یہ ایسی شراب ہوگی جو ان پر اوپر سے ان کے کمروں اور گھروں میں اندلی جائے گی۔

میں کہتا ہوں ظاہر یہ ہے کہ یہ شراب ان کی طرف عرش سے اندلی جائے گی کیونکہ عرش جنت کے لئے چھت کے قائم مقام ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا یہ شراب ہوا میں رواں دوں ہوگی اور جنتیوں کے برتنوں میں ان کی گنجائش کے مطابق ڈالی جائے گی۔ جب برتن بھر جائیں گے تو اسے دمک لیا جائے گا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا یہی معنی ہے۔ تسنیم کا اصل معنی بلندی ہے۔ بلند جام کو سنام کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے اذیت کی کوہان کو سنام کہتے ہیں۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ ایسی شراب ہے جس کا نام تسنیم ہے۔ یہ جنت کی بہترین شراب ہے۔ حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ مقررین کے لئے خالص ہوگی وہ اسے خالص پیئیں گے۔ باقی جنتیوں کے لئے کسی دوسری شراب میں تسنیم کو ملا یا جائے گا اور انہیں پلائی جائے گی۔ (1)

۲۔ عینا یہ مدح کے طور پر منصوب ہے یا اس سے پہلے اعنی کا لفظ محذوف ہے یا یہ تسنیم سے حال ہے۔ بھائس باء من کے معنی میں ہے۔ باء حرف جار اس لئے ذکر کیا کیونکہ بشر بیلد کا معنی اپنے ضمن میں لئے ہوئے ہے۔ بشر بھا والا جملہ عینا کی صفت ہے۔ مقررین سے مراد وہ افراد ہیں جو کمالات نبوت کے اصل کے اعتبار سے یا وارثت کے طریقہ پر مالک ہوتے ہیں۔ یہ صدیقین ہیں۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یوسف بن مہران رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آپ سے تسنیم کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے جواب دیا یہ ان چیزوں میں سے ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا قَلَّا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ مِّن قُرَّةٍ أَعْيُنٍ (2)۔

۳۔ اسم موصول سے مراد قریش کے کفار ہیں جیسے ابو جہل، ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل اور مکہ مکرمہ کے دوسرے مشرک۔ الذین امنوا سے مراد حضرت عمار، حضرت صہیب، حضرت خباب، حضرت بلال رضی اللہ عنہم اور دوسرے فقراء صحابہ کرام ہیں۔ کفار مکہ مومنوں پر بطور استہزاء ہنستے تھے۔

وَإِذَا مَرُّوا بِهِمْ يَتَغَامَرُونَ ﴿٢٠﴾ وَإِذَا انْقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ انْقَلَبُوا فَكِهِينَ ﴿٢١﴾

وَإِذَا سَأَلُوا عَنْهُمْ قَالُوا إِنَّ هَؤُلَاءِ لَضَالُّونَ ﴿٢٢﴾ وَمَا أُرْسِلُوا عَلَيْهِمْ حَفِظِينَ ﴿٢٣﴾

”اور جب ان کے قریب سے گزرتے تو آپس میں آنکھیں مارا کرتے۔ اور جب اپنے اہل خانہ کی طرف لوٹتے تو دل لگیاں کرتے واپس آتے۔ اور جب مسلمانوں کو دیکھتے تو کہتے یقیناً یہ لوگ راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ حالانکہ وہ اہل ایمان پر محافظ بنا کر تو نہیں بھیجے گئے تھے۔“

۱۔ واو ضمیر سے مراد مومنین ہیں۔ ہم ضمیر سے مراد کفار ہیں۔ کفار استہزاء کے طریقہ پر مومنوں کی طرف پلکوں اور آبرؤں سے اشارہ

تے ہیں۔ جسے شجر جہنم کا سٹنٹن پھل چھو کر مرے گا۔ یہ کلمہ ان خبر سے اسی طرح بعد اگلے دنوں ہمیشہ پڑھیں۔
 جب کفار گھروں کو لوٹتے ہیں تو مومنوں سے مذاق کرنے پر لذت حاصل کرتے ہوئے اور خوش ہوتے ہوئے کہتے ہیں۔
 رات اللہ علیہ نے فکھین پڑھا ہے جبکہ باقی قرآن نے اسم فاعل کا سینہ پڑھا ہے۔
 جب کفار مومنوں کو دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں یہ گمراہ ہیں، انہیں حضرت محمد ﷺ نے دہم میں ادا کیا ہے۔ اسی وجہ سے یہ کفار
 سے دین سے گمراہ ہو گئے اور لذت کو چھوڑ دیا ہے اور آخرت میں عزت کی امید رکھتے ہیں۔ اسی وجہ سے انہوں نے حقیقت مانی ہے۔
 ہے۔ پس چھوڑ دیا ہے۔

یہ کفار مومنوں کے اعمال پر محافظ نہیں بنائے گئے کہ ان کی ہدایت اور نصیحت کی جوائی دیں۔ وہ عا اور سوا اور ہر خلیفہ کے واسطے
 سے جاری ہے۔

قَالِيَوْمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكٰفِرِيْنَ يَتَّخِضُوْنَ عَلَيْهِمْ
 ثُوْبًا مِّنْ كٰفِرِيْهِمْ كَاُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿٣٣﴾

پس آج مومنین کفار پر جس دن سے انہیں (عروسی) پٹنوں پر بیٹھے (کفار کی دست خانوں کو) دیکھ رہے ہیں۔ یہ وہ
 دن ملا کفار کو (اپنے روتوں کا) جو وہ کیا کرتے تھے۔

یہ وہ روز ہے کہ مومنین پٹنوں پر ہوں گے اور کفار ان کا دیدار کرتے ہوں گے۔ جب
 کفار بو آئے گی زنجیروں اور بیڑیوں میں دیکھیں گے تو اس وقت کفار پر نہیں گے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اب اس وقت اللہ علیہ
 نے یہ صورت یہ ہوگی کہ کفار کے لئے جہنم کے دروازے کھولے جائیں گے اور انہیں کہا جائے گا اس سے باہر نکلو۔ جب وہ ان
 دروازوں کو دیکھیں گے تو اس سے نکلنے کے لئے آگے بڑھیں گے جبکہ مومن انہیں دیکھ رہے ہوں گے۔ جب وہ دروازوں تک پہنچیں
 گے تو ان پر دروازے بند کر دیئے جائیں گے۔ یہ عمل ان کے ساتھ بار بار کیا جائے گا۔ مومن ان کفار پر اتنی صحت نہیں گے کہ ان کفار
 ان سے دیکھ سکتے تھے۔ کعب نے کہا جنت اور دوزخ کے درمیان ایک روشن دان ہے۔ جب مومن یہاں آئے گا وہ دوزخ کے دوزخ
 طرف دیکھے تو وہ اس روشن دان سے اس کی طرف جھانکے گا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے قٰصِدُوْا الَّذِيْنَ سَوَّآءُ اَنْجَعِيْلِيْمٌ ﴿٣٣﴾ جب وہ جنت
 سے اپنے دشمنوں کی طرف جھانکیں گے جبکہ کفار کو جہنم میں عذاب ایسا جاری ہوگا تو مومن ان کفار پر نہیں گے (۳۳) اللہ تعالیٰ نے اس اشارے
 میں اراد ہے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو یہ میں آؤں گا ان
 دنوں میں سے ایک سے لئے جنت کا ایک دروازہ کھولا جائے گا۔ اسے کہا جائے گا آؤ تو وہ اپنی حسرت اور توبہ کے ساتھ
 ان طرف آئے گا جب وہ دروازے تک پہنچے گا تو اس پر دروازہ بند کر دیا جائے گا وہ لگا تار اسی طرح کرتا رہے گا یہاں تک کہ ان میں سے
 ایک سے لئے جنت کا دروازہ کھولا جائے گا تو اسے کہا جائے گا آؤ تو وہ مایوسی کی وجہ سے دروازے کی طرف نہیں آئے گا۔

یہ جارحیہ و یصیحکون کے فاعل سے حال ہے۔ منظور یہ یا تو حال مترادف ہے یا یہ حال متدخّل ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ وہ کفار
 کے دہم پٹنوں پر ہوں گے اور ان کا سینہ وہ کفار کو جہنم میں دیکھ رہے ہوں گے۔

یہ کفار جو کچھ استہزاء کرتے رہتے تھے اس کی انہیں جزا دی جائے گی۔ یہاں استغناء متقریری ہے جو فاعل کے معنی میں ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

سورة الانشقاق

﴿ ابانہا ۲۵ ﴾ ﴿ سورة الانشقاق مکیة ۸۳ ﴾ ﴿ رکوعها ۱ ﴾

سورة الانشقاق مکی ہے، اس میں ایک رکوع اور پچیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

”اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے“

اِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ ۙ وَاذِنْتَ لِرَبِّهَا وُحُشَتْ ۙ وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ۙ وَاَلْقَتْ مَا فِيهَا وَتَخَلَّتْ ۙ وَاذِنْتَ لِرَبِّهَا وُحُشَتْ ۙ

” (یاد کرو) جب آسمان پھٹ جائے گا اور کان لگا کر سنے گا اپنے رب کا فرمان اور اس پر فرض بھی یہی ہے ۱۔ اور جب زمین پھیلا دی جائے گی ۲۔ اور باہر پھینک دے گی جو کچھ اس کے اندر ہے اور خالی ہو جائے گی ۳۔ اور کان لگا کر سنے گی اپنے رب کا فرمان اور اس پر فرض بھی یہی ہے ۴۔“

۱۔ السماء کو فعل مقدر کے ساتھ رفع دیا گیا ہے جس فعل کی تفسیر ما بعد فعل کرتا ہے۔

۲۔ وہ اپنے رب کا حکم سنے گا اور پھٹ جانے کے حکم کی اطاعت کرے گا۔ اطاعت کرنا اس کا حق بنتا ہے کیونکہ ممکن کے لئے اس امر کی اطاعت کے سوا کوئی چارہ نہیں جس کا اللہ تعالیٰ ارادہ کرے کیونکہ ممکن فی نفسہ کسی چیز کا کوئی تقاضا نہیں کرتا۔

۳۔ زمین کی وسعت میں اضافہ کر دیا گیا ہے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا زمین کو یوں برابر کر دیا جائے گا کہ وہ چمڑے کی طرح پھیل جائے گی۔ اس میں کوئی پہاڑ اور عمارت نہیں رہے گی (۱)۔ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب قیامت کا روز ہوگا تو چمڑے کی طرح زمین کو پھیلا دیا جائے گا اور مخلوقات کو جمع کیا جائے گا۔ (۲)

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے عمدہ سند کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ قیامت کے روز زمین کو اس طرح پھیلا دیا جائے گا جس طرح چمڑا پھیلا یا جاتا ہے۔ پھر انسان کے لئے اس میں سے قدم رکھنے کی جگہ کے سوا کوئی جگہ نہ ہوگی (۳)۔ پھر مجھے تمام لوگوں سے پہلے بلایا جائے گا تو میں سجدے میں گر جاؤں گا۔ پھر مجھے اجازت دی جائے گی تو میں عرض کروں گا۔ مجھے جبرئیل امین نے خبر دی تھی کہ تو نے اسے میری طرف بھیجا تھا۔ جبرئیل امین اس وقت رحمن کی دائیں جانب ہوگا۔ اللہ کی قسم جبرئیل امین نے اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا ہوگا۔ جبرئیل امین خاموش رہیں گے، وہ کوئی بات نہ کریں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ خود ہی ارشاد فرمائے گا جبرئیل امین نے سچ کہا پھر اللہ تعالیٰ مجھے شفاعت کی اجازت دے گا تو میں عرض کروں گا اے

میرے رب تیرے بندے زمین کی اطراف میں بکھرے پڑے ہیں۔ یہی تمام مضمون ہے۔

اس آیت میں مردوں اور خزانوں کو باہر پھینک دینے کی اور جو تھان میں ہوگا۔ اس کو پھینکنے میں تکلف سے کام لے کر یہاں تک کہ آیت میں یہ لفظ نہیں لکھا ہے۔

یہ آیت نے اور مردے باہر پھینکنے اور خالی ہونے کے حکم کو سننے کی اور یہ اس کا حق بھی ہے۔ اذکار کا جو بے ہوشی سے اس کے باہر ہونے اور اس وقت ہے، یعنی انسان نے جو کوشش کی ہے اس کو پسور پانے کا۔ اس کتاب یا تو دانیوں ہاتھ میں دیکھ کر وہ ہوشیار ہو جائے گا یا بائیس ہاتھ میں دیکھ کر وہ ہلاکت میں پھینکے گا۔ اذکار کا لفظ اس سے نہیں لیا گیا ہے۔ اس آیت میں یہ لفظ نہیں لکھا ہے۔

یہ آیت سمرقند کے محدثین نے دیباچہ میں حسن سند کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے۔ انہوں نے اس آیت میں اللہ تعالیٰ سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا ہے سب سے پہلے بخواتین زمین کو شوق کیا جائے گا تو میں اپنی قبر میں بیٹھوں گا تو آسمان پر اس کا یہ دروازہ کھولا جائے گا یہاں تک کہ میں عرش پر بیٹھوں گا۔ پھر نیچے طرف ایک دروازہ کھولا جائے گا میں اس میں بیٹھوں گا یہاں تک کہ میں تحت الثریٰ پور بیٹھوں گا پھر دائیں جانب ایک دروازہ کھولا جائے گا تو میں جنت اور رب سے ملنے کے لیے بیٹھوں گا۔ زمین میں سے سارے مردے اترے گی تو میں اسے اٹھوں گا۔ میں تجھے لیا ہوا تو زمین کہے گی میرے رب نے مجھے تمہاری تہ سے لیا ہے جو تھان ہے اس کو باہر پھینک دو اور خود خالی ہو جاؤں تو میں اس طرف ہو جاؤں گی۔ گویا میرے اندر پہنچیں تو میں اللہ تعالیٰ سے اللہ والی اللہ ما فیہا وتخلت کا یہی مفہوم ہے۔ ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے بارے میں نقل کیا ہے کہ اس سے مراد ہونے کے کلمہ ہیں جنہیں وہ باہر پھینکے گا (۱) ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے عبید بن جریح سے نقل کیا ہے کہ اس میں جو خزانے ہوں گے انہیں وہ پھینک دے گی۔ ابن ابی حاتم حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت اللہ تعالیٰ سے نقل کی ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ سے مراد مردے ہیں، یعنی زمین میں ہونے والے مردے۔

يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ إِنَّكَ كَادِمٌ إِلَىٰ رَبِّكَ كَدًّا قَلْبِيَّةً ۖ فَأَمَّا مَنْ أُوْتِيَ كِتَابًا

بِإِسْمِيهِ ۖ فَسَوْفَ يَحَاسِبُ حِسَابًا يَسِيرًا ۚ وَيُنْقَلِبُ إِلَىٰ أَهْلِهِ عِلْمًا ۖ

انسان تو محنت سے کوشاں رہتا ہے اپنے رب کے پاس پہنچنے تک اس میں تیری اس سے ملاقات ہو رہی ہے۔ اس میں

میں پوریا گیا اس کا نام تم اس کے دائیں ہاتھ میں تو اس سے حساب آسانی سے یہ جائے گا اور اس میں کوئی

کہ والوں کی طرف شاداں و فرعاں سے

اس کتاب انسانوں کی جنس کو ہے۔ معنی یہ ہے انسان کے عمل اور جدوجہد نے اچھے اور برے عمل میں اثر پیدا کیا ہے۔ یہ کد حمت مستقر ہے۔ یہ اس وقت ہوتے ہیں جب وہ اس پر نشان چھوڑ جائے۔ انہی رسمک سے مراد ہے کہ موت اور موت کے بعد تک۔ معنی یہ ہے کہ یہ موت تک اس میں کوشش کرنے والا ہے۔ کد حیا یہ مفعول مطلق ہے اور یہ کد کا فائدہ دیتا ہے یعنی سعی بلیغ کرنے والا ہے۔ حسیلہ کا موصوفہ ہے۔ کد حیا سے ضمیر یا تو کد حیا کی طرف لوٹنے والی ہے، یعنی جو عمل کیا تھا اس کی جزا پانے والا ہے یا ضمیر رب کی طرف لوٹنے والی ہے۔

اس صورت میں معنی یہ ہوگا جس روز لوگ حساب کے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوں گے۔ اس روز اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے گا یا یہاں مضاف مذروف ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی فَمَلَا قَبِيْ حِسَابٍ رَبِّكَ اور یا ایہا الانسان والا جملہ جملہ مستانہ ہوگا اور وعدہ اور وعید کا فائدہ دے گا۔ جب پہلے اللہ تعالیٰ نے اجمالی طور پر لوگوں کا ذکر کیا کہ وہ اپنی جزا کو پائیں گے تو اب اس کی تفصیل بیان کی۔

۱۔ کتاب سے مراد عمل کا دیوان ہے۔ اسم موصول سے مراد مومن ہیں۔

۲۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے ابن ابی ملیکہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا معمول یہ تھا کہ جب وہ کوئی ایسی بات سنتیں جسے نہ پہچانتیں تو اس کے بارے میں پوچھتیں یہاں تک کہ اسے سمجھ لیتیں۔ حضور ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا مَنْ حُوْسِبَ غَذِبَ۔ حضرت عائشہ نے عرض کی کیا اللہ تعالیٰ یہ نہیں فرماتا فسوف يحاسب حسابا يسيرا۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا یہ پیشی کے وقت ہوگا مگر جس کا حساب میں مناقشہ کیا گیا وہ ہلاک ہو گیا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نقل کیا ہے کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ حساب يسير کیا ہے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کتاب دیکھے گا اور درگزر فرمائے گا جس کے حساب کے بارے میں مناقشہ شروع ہو گیا وہ مارا گیا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے یہ الفاظ ذکر کئے ہیں يَوْمَئِذٍ هَلَكْ یعنی اس روز وہ ہلاک ہو گیا۔

وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ وَرَأَىٰ ظَهْرَهُ ۖ فَسَوْفَ يَدْعُوا ثُبُورًا ۗ وَيَصِلُ
سَعِيرًا ۗ إِنَّهُ كَانَ فِي أَهْلِهِ مَسْرُورًا ۗ

”اور جس (بد نصیب) کو اس کا نامہ عمل پس پشت دیا گیا ہے تو وہ چلائے گا ہائے موت ہائے موت ۱۔ اور داخل ہوگا

بھڑکتی آگ میں ۲۔ بے شک وہ (دنیا میں) اپنے اہل و عیال میں خوش و خرم رہا کرتا تھا ۳۔“

۱۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے اس آیت کے بارے میں نقل کیا ہے کہ اس کا باباں ہاتھ اس کی پشت کے پیچھے کر دیا جائے گا اور وہ اس ہاتھ میں اپنی کتاب پکڑے گا۔ ابن سائب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا باباں ہاتھ اس کے سینے کے پشت کی جانب موڑا جائے گا۔

۲۔ ثبور کا معنی ہلاکت ہے، یعنی وہ اپنی ہلاکت کی آرزو کرے گا اور کہے گا واثبور ا۔

۳۔ عاصم، حمزہ اور ابو عمرو رحمہم اللہ تعالیٰ نے یاء کے فتح اور صاد کے سکون اور لام کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے یاء کے ضمہ، صاد کے فتح اور لام کی تشدید کے ساتھ تصلیہ مصدر سے مجہول پڑھا ہے، یعنی اسے جہنم میں داخل کر دیا جائے گا۔

۴۔ وہ دنیا میں مال اور مرتبہ کی وجہ سے خوش تھا اور آخرت سے غافل تھا اسے کسی قسم کا خوف نہیں تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان فسوف يدعوا ثبوراً کی علت ہے۔

إِنَّهُ ظَنَّ أَنْ لَنْ يَّحُورَ ۗ بَلَىٰ ۗ إِنَّ رَبَّهُ كَانَ بِهِ بَصِيرًا ۗ فَلَا أُقْسِمُ
بِالشَّفَقِ ۗ وَاللَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ۗ وَالْقَمَرِ إِذَا اتَّسَقَ ۗ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَن
طَبِقٍ ۗ فَمَالَهُمْ لَا يُوْصِنُونَ ۗ

”وہ خیال کرتا تھا کہ وہ (اللہ کے حضور) لوٹ کر نہیں جائے گا ۱۔ کیوں نہیں اس کا رب اسے خوب دیکھ رہا تھا ۲۔ پس

میں قسم کھاتا ہوں شفق کی سہ اور رات کی اور جن کو وہ سینے ہوئے ہیں اور چاند کی بسبب وہ صبح کا مل بن جائے۔ (تفسیر)
 (تفسیر) زمین پر نہ چڑھتا ہے نہ وہ پس نہیں کیا ہو گیا ہے کہ یہ ایمان نہیں لاتے۔
 یہ دو مان رہتا تھا کہ وہ حساب اور جزاء کے لئے اپنے رب کو صرف ہرگز نہیں بولے گا کیونکہ وہ دوبارہ انھیں تہذیب سے تھکا رہا ہے۔
 اسے غمگین ہونے کی علت ہے۔

اسے یہ بھی کہتا ہے کہ کیوں نہیں وہ ضرور اپنے رب کی طرف بولے گا کیونکہ اس کا رب اسے دیکھ رہا ہے۔ یہ بعد اس کے بولنے کا وقت ہے۔
 اسے یہ علت بیان کر رہا ہے۔ یعنی وہ ضرور بولے گا اور اسے ضرور عذاب دیا جائے گا کیونکہ جو کچھ وہ کہتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے بچتا ہے۔
 اللہ تعالیٰ اسے مہلت نہیں دے گا بلکہ اس سے انتقام لے گا۔
 اسے شفق سے مراد سرفی کے بعد کی سفیدی ہے۔

یہ جانور جو ان کے وقت اہم اور پھیلے ہوئے تھے رات نہیں جمع کر دیتی ہے۔ منصور نے مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ سے اس کا یہ معنی بیان کیا ہے۔
 اسے قسم ہے رات کی اور اس کی جس پر رات تاریکی پھیلا دے۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا یہ معنی بیان کیا ہے۔ (۱)
 اسے اس کی جوتوں میں مثل کیا جاتا ہے۔ (۱)
 اسے اس کی جوتوں میں جب وہ مکمل ہو جائے اور روشن راتوں میں اس کا نور مکمل ہو جائے۔ یہ وقت سے انھیں کے وہ بن رہا ہے۔ اس کا
 معنی ہے۔

اسے اس کی صفت ہے یا لفرکین میں جو ضمیر کا لفظ ہے اس سے یہ حال ہے۔ اگر صیغہ واحد کا ہو تو اس کا معنی ہوگا کہ
 جس پر منہ ہوگا اس حال میں کہ تو ایک اور طبق سے آگے بڑھے گا۔ اگر جمع کا ہو تو اس کا معنی ہوگا تم صلیب پر بند ہو گے۔ اس حال
 میں تم صلیب اور طبق سے آگے بڑھو گے۔ ابن کثیر، حمزہ اور ابن جریر رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ ساتھ واحد کا معنی بھی لکھا ہے۔
 یہ صاحب کا مطلب حضور ﷺ کو ہے۔ امام شافعی اور مجاہد رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ تم حضور ﷺ کو صلیب پر بند کر دو۔
 اس کا یہ صریح مروج کر دے (۲)۔ اس آیت میں حضور ﷺ کو معراج کی بشارت ہے۔ وہ احادیث جو معراج کے قصہ میں وارد
 ہیں ان میں سے انہیں سورہ اسری اور سورہ نجم میں ذکر کیا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس سے مراد ہو کہ صلیب پر بند کر دیا جائے۔
 امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ ایک سال کے بعد دوسرے حال کی طرف مروج کر دے اور یہاں سے مراد
 ہے۔ یہ ہے۔ یہ صیغہ واحد مونث کا ہے اور ضمیر السماء کی طرف لوت رہی ہے، یعنی آسمان ایک حالت کے بعد دوسری
 حالت کو اختیار کرے گا۔ سعید بن منصور، ابن جریر اور ابن ابی عمیر رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے
 بارے میں نقل کیا ہے کہ آسمان میں سورج واقع ہوں گے، پھر وہ پھٹ جائے گا، پھر سورج ہو جائے گا۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت
 ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہی نقل کیا ہے کہ آسمان کئی رنگوں والا ہو جائے گا۔ وہ چمکنے ہوئے تانبے کی طرح ہو جائے گا۔ پھر وہ تانبے کی
 طرح ہو جائے گا۔ پھر وہ کمزور ہو جائے گا اور پھٹ جائے گا تو یہ ایک حالت کے بعد دوسری حالت ہوگی۔ دوسرے آسمان سے
 تانبے کی طرح ہو جائے گا۔ پھر وہ کمزور ہو جائے گا اور پھٹ جائے گا۔ پھر معنی یہ ہوگا کہ اسے لوہے میں ایک حالت کے بعد دوسری حالت پر سوار کیا جائے گا اور قیامت

کے موافق میں ایک معاملہ کے بعد دوسرے معاملہ کا سامنا کرنا ہوگا۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا مفہوم یہ ہے پہلے تمہیں موت کا سامنا کرنا ہوگا پھر زندگی کا سامنا کرنا ہوگا۔ عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے کہا تمہیں مختلف احوال کا سامنا کرنا ہوگا کبھی تم فقیر ہو گے اور کبھی غنی ہو گے۔ عمرو بن دینار رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا یہ معنی نقل کیا ہے تمہیں مختلف مصیبتوں، ہولناکیوں، موت، دوبارہ اٹھائے جانے اور اللہ تعالیٰ کے حضور پیشی کا سامنا کرنا ہوگا۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی یہ ہے مختلف حالتیں یہ ہیں کبھی تم دودھ پیتے بچے، کبھی دودھ چھوڑنے کی حالت، کبھی لڑکپن، کبھی جوان اور کبھی بوڑھا ان حالتوں کا سامنا کرنا ہوگا۔ ابو عبیدہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا تم پہلے لوگوں کے طریقوں پر چلتے رہو گے (1)۔ اسے حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں تم پہلے لوگوں کے راستوں پر ہی چلو گے کچھ فرق نہ ہوگا یہاں تک کہ اگر ان میں کوئی گود کی بل میں داخل ہوا تھا تو تم بھی ضرور اس میں داخل ہو گے۔ اگر ان میں سے کسی نے راستہ پر اپنی بیوی سے جماع کیا ہوگا تو تم بھی ضرور ایسا کرو گے (2)۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔

یہ اس میں استفہام تعجب اور انکار کے لئے ہے اور اس سے پہلے جو وعدہ اور وعید گزرا ہے۔ اسی کے ساتھ اس کا تعلق ہے فلا اقسام والا جملہ معترضہ ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ جملہ اللہ تعالیٰ کے فرمان لئلا یسجدوا عن طبعنا عن طبق کے ساتھ متصل ہو، یعنی ان کا ایک حالت سے دوسری حالت میں پھرنا اس بات پر دلیل ہے کہ حالات بدلنے والی ذات موجود ہے تو پھر نہیں کیا ہو گیا ہے کہ وہ ایمان نہیں لاتے۔ لا یؤمنون والا جملہ ضمیر مجرور سے حال ہے۔ اس میں عامل فعل کا معنی ہے فعل ما یصنعون ہوگا۔

وَإِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ لَا یَسْجُدُونَ ﴿۱۰۰﴾ بَلِ الذِّمِّینَ كَفَرُوا وَإِیْكَذِبُونَ ﴿۱۰۱﴾

”اور جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو سجدہ نہیں کرتے بلکہ یہ کفار اسے (النا) جھٹلاتے ہیں لہ“

۱۰۰ اذا کا تعلق یسجدون کے ساتھ ہے اور جملہ شرطیہ کا عطف لا یؤمنون پر ہے۔ یہ اس کا حال مرادف ہوگا۔ یہ آیت اس بارے میں نازل ہوئی کہ قرآن سننے پر سجدہ واجب ہے کیونکہ اس میں ان لوگوں کی مذمت ہے جو قرآن سننے اور سجدہ نہ کرے یا یہاں سجود سے مراد مجازاً عاجزی کرنا ہے یہی معنی ظاہر ہے۔ کیونکہ قرآن کا اطلاق ہر آیت پر ہوتا ہے اگرچہ وہ آیت سجدہ نہ بھی ہو جبکہ مطلق قرآن سننے سے سجدہ واجب نہیں ہوتا یا پھر سجدہ سے مراد سجدہ تلاوت ہے اور قرآن میں الف لام عہدی ہے۔ اس صورت میں قرآن سے مراد آیت سجدہ ہے۔ اس صورت میں یہ آیت کریمہ سجدہ تلاوت کے واجب ہونے میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل ہو گی اس سجدہ کو فرض قرار نہیں دیا کیونکہ تاویل میں شک ہے اور مسئلہ میں اختلاف ہے۔ ظاہر یہی ہے کہ شک کی وجہ سے وجوب ثابت نہیں ہوتا بلکہ وجوب دلیل ظنی سے ثابت ہوتا ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبین نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے، وہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں جب کوئی انسان آیت سجدہ کی تلاوت کرتا ہے تو شیطان روتے ہوئے بھاگ جاتا ہے اور کہتا ہے بلاکت ہو ابن آدم کو سجدہ کا حکم ہو اس نے سجدہ کیا تو اس کے لئے جنت ثابت ہوگی؟ مجھے سجدہ کا حکم دیا گیا تو میں نے انکار کر دیا تو میرے لئے جہنم مقدر کر دی گئی۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (3)۔ استدلال کی صورت یہ بنتی ہے جب حکیم کسی غیر حکیم سے کلام کی حکایت بیان کرتا ہے اور اس پر ناپسندیدگی اور انکار کا اظہار نہیں کرتا تو یہ اس کلام کی صحت کی دلیل ہوتی ہے۔ ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ

آپ نے سورۃ اذا السماء انشقت کی تلاوت کی۔ آپ نے سجدہ کیا۔ میں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے ابو القاسم رضی اللہ عنہ کے پیچھے سجدہ کیا۔ میں یہاں سجدہ کرتا رہوں گا یہاں تک کہ مجھے موت آجائے (1)۔ حضرت ابو ہریرہ بن جحہ ہجری میں اسلام لائے تھے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ نجم میں سجدہ کیا اور مشرکوں نے بھی سجدہ کیا (2)۔ اسے امام بخاری اور امام ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے صحیح قرار دیا۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن میں پندرہ سجدے کئے ان میں تین مفصل میں اور دو سجدہ سورۃ حج میں کئے (3) اسے ابو داؤد، ابن ماجہ، دارقطنی اور حاکم رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ منذری اور نووی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے حسن قرار دیا اور عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس کی سند میں محمد بن راشد ہے جسے محدثین نے جھوٹا قرار دیا ہے۔ اسی ضمن میں عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دس مرتبہ دیکھا کہ آپ نے سورۃ اذا السماء انشقت میں سجدہ کیا۔ اسے بزار رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔

مسئلہ :- امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا تلاوت کرنے والے اور سننے والے پر سجدہ تلاوت واجب ہو جائے گا، سننے والے کا ارادہ تھا یا ارادہ نہیں تھا، کیونکہ سجدہ ترک کرنے پر مذمت کا سبب مطلق ہے۔ جبکہ جمہور کے نزدیک جب تک سامع کا سننے کا ارادہ نہ ہو تو سجدہ واجب نہیں ہوگا کیونکہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایک روایت مروی ہے کہ آپ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے تو انہوں نے آیت سجدہ کی تلاوت کی تاکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی ان کے ساتھ سجدہ میں شریک ہو جائیں۔ تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا سجدہ اس پر لازم ہوتا ہے جو ارادہ سے آیت سجدہ سنے۔ پھر آپ سجدہ کئے بغیر چلے گئے۔ اسے عبد الرزاق نے معمر رحمہما اللہ تعالیٰ سے اور معمر نے زہری رحمہما اللہ تعالیٰ سے اور انہوں نے ابن مسیب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے تعلق کی صورت میں ذکر کیا ہے مصنف ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سجدہ اس سننے والے پر لازم ہوگا جو سننے کے لئے بیٹھا (4) اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی بھی حدیث ہے کہ سجدہ اس سننے والے پر لازم ہوگا جو اس سجدہ کے لئے بیٹھا (5)۔ اسے امام بیہقی اور ابن ابی شیبہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔

مسئلہ :- امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قاری اگر سجدہ نہ کرے تب بھی سننے والے پر سجدہ واجب ہو جائے گا جبکہ جمہور کے نزدیک جب تک قاری سجدہ نہ کرے سامع پر سجدہ لازم نہیں ہوگا کیونکہ زید بن اسلم کی حدیث ہے کہ ایک آدمی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیت سجدہ کی تلاوت کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا پھر ایک اور نے آپ کے پاس آیت سجدہ کی تلاوت کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ نہ کیا تو اس نے عرض کی فلاں کی قرأت پر تو آپ نے سجدہ کیا لیکن میری قرأت پر سجدہ نہ کیا تو آپ نے فرمایا تو امام تھا اگر سجدہ کرتا تو ہم بھی سجدہ کرتے۔ اسے ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے مراسیل میں حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے عطاء بن یسار رحمۃ اللہ علیہ سے مرفوع نقل کیا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا قرۃ نے زہری سے، انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے جبکہ قرۃ ضعیف ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 215 (قدیمی) 1۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 146 (امدادیہ) 2۔ سنن ابی داؤد، جلد 1، صفحہ 206 (امدادیہ) 3۔ مصنف ابن ابی شیبہ، جلد 1، صفحہ 367 (دارالتاج) 4۔ ایضاً 5۔

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 215 (قدیمی)

2۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 146 (امدادیہ)

3۔ سنن ابی داؤد، جلد 1، صفحہ 206 (امدادیہ)

4۔ مصنف ابن ابی شیبہ، جلد 1، صفحہ 367 (دارالتاج)

5۔ ایضاً

اللہ عیب سے ماں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک معلق روایت ہے۔

مسئلہ:۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا جن نمازوں میں تلاوت آہستہ کی جاتی ہے۔ ان میں آیت سجدہ کی تلاوت کمزور اور آہستہ میں آیت بقرہ کی تلاوت کی جاتی ہے ان میں آیت سجدہ کی تلاوت کمزور نہیں۔ اسی طرح اگر وہ اسکے نماز پڑھا رہا ہو تو اس میں بھی کمزور نہیں۔ امام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اگر اس نے آہستہ آیت سجدہ کی تلاوت کی تو سجدہ نہ کرے جبکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے آیت سجدہ کی تلاوت میں حضور ﷺ نے ظہر کی نماز میں سجدہ کیا تو لوگوں نے ندا دیکھی کہ آپ نے آیت سجدہ کی تلاوت کی ہے تو صحابہ نے بھی سجدہ کیا۔ اسے ابو داؤد، طیحاوی اور حاکم رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔

مسئلہ:۔ جب امام سجدہ تلاوت کرے تو مقتدی بھی سجدہ کریں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی نقطہ نظر ہے کہ آپ سجدہ تلاوت کرتے ہیں۔ قنوت میں بھی یہی حکم ہے۔

منہوں نے تقریباً وہ قرآن کو جھلاتے ہیں۔ یہ قرآن سننے کے بعد سجدہ سے اعراض کرنے والوں کے بارے میں اللہ رب نے فرمایا ہے۔
نہ نہ تدرہ تو در نہ قرآن کو جھلاتے ہیں۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُوعُونَ ﴿۱﴾ فَيَكْتُوبُهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرٌ مَّسْئُوْمٍ ﴿۳﴾

اور اللہ خوب جانتا ہے جو ان (کے دلوں) میں بھرا ہوا ہے۔ پس آپ انہیں خوشخبری سنائیں درود کے عذابوں سے البتہ جو لوگ ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے رہے ان کے لئے ایسا اجر ہے جو منقطع نہ ہوگا۔

یہ جو وہ سینوں میں کفر اور عداوت کو چھپائے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں جانتا ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یوعون کا معنی بکتسرون سے، یعنی جسے وہ چھپاتے ہیں (۱)۔ یہ جملہ بکتسرون کے فاعل سے حال ہے۔

اس میں وہ عیب ہے کیونکہ یہاں جھلانا بشارت کا سبب بن رہا ہے اور انداز کی جگہ بشارت مذکور ہو تو وہ استہزاء کا انداز دیتا ہے۔ اس میں سے جو ایمان لائے اور کفر سے توبہ کی اور اچھے اعمال کئے تو ان کے لئے ایسا اجر ہوگا، نہ وہ ختم ہوگا نہ اس میں کمی ہوگی اور ان کو پورا ایمان جملایا جائے گا۔ اس صورت میں مستثنیٰ متصل ہے ورنہ یہ مستثنیٰ منقطع ہوگا۔ معنی یہ ہوگا لیکن جو ایمان لائے ان کے لئے عذاب بشارت نہیں۔ لہم اجر والا جملہ استثناء کی علت ہے۔

سورة البروج

﴿ ایتھا ۲۲ ﴾ ﴿ سورة البروج مکیة ۸۵ ﴾ ﴿ مرکوعھا ۱ ﴾

سورة البروج مکی ہے، اس میں ایک رکوع اور بائیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

”اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے“

وَالسَّمَاءَ ذَاتِ الْبُرُوجِ ۱ وَالْيَوْمَ الْمَوْعُودِ ۲ وَشَاهِدٍ وَمَشْهُودٍ ۳

”قسم ہے آسمان کی جو برجوں والا ہے ۱ اور اس دن کی جس کا وعدہ کیا گیا ہے ۲ اور حاضر ہونے والے دن کی اور اس کی جس کے پاس حاضر ہوں گے ۳“

۱۔ برج کا معنی قلعہ ہے۔ قلعہ کو برج اس لئے کہتے ہیں کیونکہ وہ نمایاں ہوتا ہے۔ عرب کہتے ہیں تبرجت المرأة عورت پردہ سے نکل آئی۔ ظاہر مفہوم یہ ہے کہ آسمان میں گھر ہیں جنہیں بروج کہتے ہیں۔ عطیہ عوفی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا بروج سے مراد مخلات ہیں جن میں پہرے دار ہوتے ہیں۔ صحیحین میں معراج کے متعلق حدیث آئی ہے۔ پھر مجھے بیت المعمور کی طرف لے جایا گیا جو ساتویں آسمان میں کعبہ کے بالکل مقابل ہے۔ سورہ مطفقین میں وہب بن منبہ کا قول گزرا ہے کہ ساتویں آسمان میں اللہ تعالیٰ کا گھر ہے جسے بیضاء کہتے ہیں جس میں مومنوں کی روئیں ہوتی ہیں۔ یا بروج سے مراد آسمان کے دروازے ہیں کیونکہ زمین پر آنے والے فرشتے انہیں دروازوں سے نیچے آتے ہیں اور ظاہر ہوتے ہیں۔

فلاسفہ کی اتباع میں عوام کا یہ خیال ہو گیا کہ آسمان بارہ موہومہ حصوں میں منقسم ہے، ان میں سے ہر حصہ کو بروج کہتے ہیں جس میں ثابت ہوتے ہیں اور وہاں متحرک ستارے بھی آتے رہتے ہیں۔ ان بروج کو حمل، ثور اور جوزاء وغیرہ کا نام دیا گیا۔ یہ نام ان ستاروں کی شکل و صورت کی بناء پر رکھا گیا جو ستارے وہاں ہی ثابت رہتے ہیں۔ جبکہ اس قول کی کوئی حقیقت نہیں کیونکہ اس کی بنیاد اس قول پر ہے کہ آسمان ہمیشہ متحرک رہتے ہیں اور ستارے ان میں مرکوز ہیں جبکہ یہ سب باطل ہے۔ کتاب و سنت سے جو بات ثابت ہے وہ یہ ہے کہ تمام ستارے افلاک میں تیر رہے ہیں، آسمان میں کوئی ستارہ بھی ثابت نہیں کہ ان ثابت ستاروں کی وجہ سے آسمان کے اس حصہ کو بروج کہا جائے۔ یہ بھی جائز نہیں کہ کلام اللہ کی وہ مراد ہو جو کافر فلاسفہ کی اصطلاح ہے تو ان موہومہ حصوں کو کیسے بروج کہا جا سکتا ہے جس کا اصل اور وضعی معنی ظہور ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ بروج سے مراد بڑے بڑے ستارے ہیں۔ انہیں بروج ان کے ظاہر ہونے کی وجہ سے کہتے ہیں (۱)۔ حسن، مجاہد اور قتادہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی اسی طرح کہا ہے۔

۲۔ یوم موعود سے قیامت کا دن مراد ہے۔

۳۔ شاہد سے مراد جمعہ کا دن ہے۔ یا شاہد کی جنس مراد ہے جو حق کی گواہی دیتا ہے اور مشہود سے مراد یوم عرفہ ہے یا اس کی

کے بارے میں شاہد گواہی دیتا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کی عظمت بیان کرنے کے لئے ان کو قسم اٹھانے سے منع کیا اور امام ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو جہر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "یوم یعود من بعد قیامت کا دن مشہود سے مراد عرفہ کا دن اور شاہد سے مراد جمعہ کا دن ہے جس میں ایک ایک کھڑا ہوگا۔" اس میں بندہ جو بھی خیر کی طلب کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول کر لیتا ہے اور جس تکلیف سے بھی وہ اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہے اللہ تعالیٰ سے پناہ دے دیتا ہے (1)۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں یہ حدیث غریب ہے۔ یہ موکی بن عبیدہ سے ہی معلوم ہونے سے صحیح ثابت کیا جاتا ہے۔

ابن تیمیہ نے ضعیف سند کے ساتھ ابوالکاشعری سے اس کی مثل روایت کی ہے۔ اس میں یہ الفاظ ہیں اس میں معذرت ہے اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے مختص کیا ہے اور صلوٰۃ وسطیٰ سے مراد عصر کی نماز ہے۔ یوسف بن مہران نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ شاہد سے مراد حضور ﷺ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وَجُنْدٌ عَلَىٰ طُورِ ثَمُودٍ" اور مشہود سے مراد قیامت کا دن ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْهُوْمٌ لِّكَ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ قَشُوْدٌ (2)۔" اس میں یہاں یوم یعود اور مشہود میں تکرار ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا شاہد سے مراد کرنا کاتین ہیں اور مشہود سے مراد انسان ہیں۔ حسین بن سعید رحمۃ اللہ علیہ نے ہر شاہد سے مراد یہ امت ہے اور مشہود سے مراد تمام امتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً مِّنْ سَائِرِ السُّوْبَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ"۔ سالم بن عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا میں نے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے اللہ تعالیٰ سے اس فرمان کے بارے میں پوچھا اور شاہد و مشہود۔ تو انہوں نے ہر شاہد سے مراد اللہ تعالیٰ اور مشہود سے مراد ہم ہیں۔ اس میں ہر امت اس آیت میں ہے، "وَكُفٰى بِاللّٰهِ شٰهِيْدًا"۔ ایک قول یہ کیا گیا شاہد سے مراد انسان کے اعضاء ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "يَوْمَ تَشٰهَدُ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَاٰيٰتُهُمْ وَاَنْبِيَآئُهُمْ اِيْكُوْنَ"۔ یہ کیا گیا شاہد سے مراد انبیاء ہیں اور مشہود سے مراد حضور ﷺ ہیں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "وَ اِذَا اَخَذْنَا لِنَفْسٍ مِّنْهُمْ... فَاشْهَدُوْا وَاَنْتُمْ مِّنْ الشّٰهِيْدِيْنَ" (3)۔

میں بہت ہوں کہ اگر آیت کی تاویل والی حدیث صحیح ہے تو پھر وہی معنی ہوگا۔ بصورت دیگر تخصیص کی کوئی نہورت میں ہر شاہد سے مراد شاہد کی جنس ہے جو حق بات کی شہادت دیتا ہے اور مشہود سے مراد حق کی جہل ہے جس کی شہادتوں سے اللہ تعالیٰ نے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "شٰهَدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ذُو الْعَرْشِ الْعَلِيْمُ"۔ اس شاہد سے مراد اللہ تعالیٰ ہے۔ انبیاء کا حضور ﷺ، مومن خصوصاً حضور ﷺ کی امت اور خصوصاً ان میں سے علماء ہیں۔ اسی طرح وہ شخص جس کی مراد ہے جو معاملات اور حدود میں گواہی دیتا ہے اور مشہود سے مراد توحید کا کلمہ، انبیاء کا صدق، ان کی تبلیغ، بنی آدم کے اعمال اور ہر قسم حق جس کے بارے میں گواہی دی۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: "تو انہوں کی تعظیم بجالاؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے حقوق تقویٰ ہے اور قسم دہرتا ہے۔ اسے خطیب اور ابن عباس رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ضعیف سند کے ساتھ روایت یہ ہے: "اللہ تعالیٰ قسم۔ جواب قسم مابعد کلام ہے۔"

قِيْلَ اَصْحٰبُ الْاُخُوْدِ ۙ النَّاسِ ذَاتِ الْوُقُوْدِ ۙ اِذْهُمْ عَلَيْهِمْ قَعُوْدٌ ۙ وَهُمْ

3- تفسیر بغوی: آیت ۱۰۰

2- تفسیر خازن: آیت ۱۰۰

1- تفسیر ترمذی: جلد 2، صفحہ 169 (وزارت تعلیم)

عَلَى مَا يَفْعَلُونَ بِالْمُؤْمِنِينَ شُهُودًا ۝

”مارے گئے کھائی کھودنے والے (جس میں) آگ تھی بڑے ایندھن والی ہے۔ جب وہ اس (کے کنارہ) پر بیٹھے تھے

تھے اور وہ جو کچھ اہل ایمان کے ساتھ سلوک کر رہے تھے اسے دیکھ رہے تھے۔“

۱۔ کھائی والوں پر اللہ کی لعنت ہے۔ اس جملہ کے جواب قسم ہونے کا قول ضعیف ہے کیونکہ جواب قسم لام کے بغیر شاذ و نادر ہی آتا ہے۔ زیادہ مناسب یہ ہے کہ کہا جائے جواب قسم محذوف ہے جس پر مابعد کلام دلالت کرتا ہے جس کی تقدیر یہ ہو سکتی ہے کہ بے شک کفار مکہ ملعون ہیں۔

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یمن کا ایک بادشاہ تھا۔ اس کے پاس ایک جادوگر رہتا تھا۔ جب وہ بوڑھا ہو گیا تو اس نے بادشاہ سے کہا میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ میرے پاس ایک نوجوان بھیجو جسے میں جادو سکھا دوں تو بادشاہ نے ایک نوجوان بھیج دیا جس راستہ سے وہ نوجوان جادوگر کے پاس جاتا تھا۔ اس پر ایک عبادت گزار آدمی بھی رہتا تھا۔ جب وہ وہاں سے گزرتا تھا تو اس کی باتیں سنتا۔ یہ باتیں نوجوان کو بہت اچھی لگتیں۔ ایک روز جب وہ جادوگر کے پاس آیا تو راہب کے پاس سے گزرا کچھ دیر وہاں اس کے پاس بیٹھ گیا۔ جب جادوگر کے پاس آیا تو جادوگر نے اسے مارا۔ جب جادوگر کے پاس سے واپس ہوا تو پھر راہب کے پاس بیٹھ گیا اس کی گفتگو سنی۔ جب گھر آیا تو گھر والوں نے بھی اسے مارا تو لڑکے نے راہب کے پاس اس کی شکایت کی۔ تو راہب نے کہا جب تجھے جادوگر سے مار کا خوف ہو تو کہہ دیا کہ گھر والوں نے مجھے روک لیا تھا۔ جب گھر والوں سے مار کا خوف محسوس ہو تو کہہ دینا۔ مجھے جادوگر نے روک لیا تھا۔ اسی اثناء میں ایک روز اپنے راستہ پر آ رہا تھا۔ تو اس نے ایک بہت بڑا جانور دیکھا جس نے لوگوں کو روک رکھا تھا۔ تو لڑکے نے کہا آج مجھے معلوم ہو جائے گا کہ راہب افضل ہے یا جادوگر افضل ہے۔ اس نے پتھر اٹھایا اور کہا اے اللہ اگر راہب جادوگر کی نسبت تجھے زیادہ محبوب ہے تو اس جانور کو مار ڈال تاکہ لوگ اس راستہ سے گزر سکیں۔ لڑکے نے اس جانور کو پتھر مارا اور اسے قتل کر دیا۔ لوگ چلے گئے۔ لڑکا راہب کے پاس آیا اور اسے واقعہ کی خبر دی۔ راہب نے کہا اے میرے بیٹے آج تو مجھ سے افضل ہو گیا، تو اس مقام پر پہنچ گیا ہے جس کا تو نے خود مشاہدہ کیا تجھے آزمائش میں ڈالا جائے گا اگر تجھے آزمائش میں ڈالا جائے تو میرے بارے میں کسی کو نہ بتانا۔ وہ لڑکا مادر زاد اندھوں اور کوڑھیوں کو تندرست کرنے لگا اور لوگوں کو مختلف دوا میں دیتا بادشاہ کے ایک دوست نے اس لڑکے کے بارے میں سنا وہ اندھا ہو گیا تھا۔ اس نے لڑکے کی طرف بے شمار تحائف بھیجے اور کہا اگر تو مجھے شفا دے تو یہ سب تیرے لئے ہیں تو لڑکے نے کہا میں شفا نہیں دیتا شفا تو اللہ تعالیٰ دیتا ہے۔ اگر تو اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئے تو میں اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کروں گا تو وہ تجھے شفا دے دے گا۔ بادشاہ کا درباری ایمان لے آیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے شفا دے دی۔ درباری بادشاہ کی خدمت میں آیا اور مجلس میں بیٹھ گیا۔ جس طرح پہلے مجلس میں بیٹھا تھا۔ بادشاہ نے اسے کہا کس نے تیری نظر واپس لوٹائی؟ تو درباری نے کہا میرے رب نے میری نظر لوٹائی؟ تو بادشاہ نے پوچھا کیا میرے علاوہ بھی تیرا کوئی رب ہے؟ تو درباری نے کہا میرا اور تیرا رب اللہ ہے تو بادشاہ نے اسے پکڑ لیا اور اسے اس وقت تک اذیتیں دیتا رہا یہاں تک کہ اس نے اس لڑکے کے بارے میں بتا دیا۔ اس لڑکے کو بلایا گیا۔ بادشاہ نے کہا اے بیٹے کیا تو جادو میں اس مقام پر پہنچ گیا ہے کہ تو مادر زاد اندھوں اور کوڑھیوں کو شفا دینے لگا ہے اور تو وہ کچھ کرنے لگا جو کچھ کر رہا ہے۔ لڑکے نے کہا میں کسی کو شفا نہیں دیتا شفا تو اللہ تعالیٰ دیتا ہے۔ تو بادشاہ نے اسے بھی پکڑ لیا۔ پھر اسے لگا تار عذاب دیتا رہا یہاں تک کہ اس نے

بادشاہ کے بارے میں بتایا راہب کو لایا گیا اور اسے کہا گیا اپنے دین کو چھوڑ دو۔ اس نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ تو اس نے اسے درمیان آدنی رکھ کر چلانے لگی جس نے اس کے دو حصے کر دیئے۔ پھر اس لڑکے کو بلایا گیا۔ اسے کہا گیا اپنا دین چھوڑ دو۔ اس نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ تو بادشاہ نے لڑکا اپنے چند ساتھیوں کے حوالے کر دیا۔ بادشاہ نے انہیں کہا اس لڑکے کو فلاں پہنا۔ جب وہ اس کے پاس پہنچا تو اس نے چوٹی پر پہنچ جاتا اور تو یہ اپنے اس دین کو چھوڑ دے تو ٹھیک ورنہ اسے نیچے پھینک دو۔ وہ لڑکے کو پہنا کر اسے اپنے پاس لے گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے انہیں کافی ہو جا پہنچا۔ لڑکا آ گیا تو وہ سب لڑکے کو لڑکا بادشاہ کے پاس واپس آ گیا۔ بادشاہ نے اس سے یہ پوچھا تیرے ساتھیوں کا کیا بنا تو لڑکے نے جواب دیا اللہ تعالیٰ انہیں کافی ہو گیا۔ بادشاہ نے لڑکا اپنے چند ساتھیوں کے حوالے کیا اور وہ اسے جاتا رہا۔ جب تم سمندر کے درمیان پہنچو اگر تو یہ وہاں اپنے دین کو چھوڑ دے تو ٹھیک ورنہ اسے سمندر میں پھینک دینا وہ لوگ اس لڑکے کو لے گئے تو لڑکے نے دعائی اے اللہ جو تو چاہتا ہے انہیں میری طرف سے کافی ہو جا کشتی ہو گئی۔ سب سرق ہو گئے۔ وہ لڑکا پھر بادشاہ کے پاس پہنچ گیا تو بادشاہ نے پوچھا تیرے ساتھیوں کو کیا ہوا تو جو ان کے پاس لے گئے وہ لڑکے نے کہا تو اس وقت تک مجھے قتل نہیں کر سکتا یہاں تک کہ تو وہ کام نہیں کرے گا جو میں تمہیں ہوں گا۔ بادشاہ نے یہ سنا وہ کیا کام ہے تو لڑکے نے کہا تو ایک کھلے میدان میں لوگوں کو جمع کر۔ مجھے سولی پر لٹکانے پھر میرے تیرے نکالے۔ پھر تیرے کمان میں چڑھائے اور کہے بسم اللہ رب العلام۔ پھر وہ تیرے کمان پر پھینکے۔ جب تو ایسا کرے گا تو مجھے قتل کر دیا گیا۔ بادشاہ نے لوگوں کو ایک کھلے میدان میں جمع کیا۔ لڑکے کو سولی پر لٹکایا پھر لڑکے کے ترکش سے ایک تیر نکالا پھر تیرے کمان پر تیر چڑھایا۔ اللہ رب العلام چڑھا۔ پھر اسے مارا تو تیر اس کی کپڑی میں جا لگا تو وہ نوجوان مر گیا۔ تو لوگوں نے تین بار جہنم سے اسے نکال دیا۔ یہ ایمان لائے۔ بعض لوگ بادشاہ کے پاس گئے اور اس سے کہا جس مصیبت سے تم بچنا چاہتے تھے تم اسی مصیبت کا شکار ہو گئے۔ لوگ اللہ رب العلام پر ایمان لے آئے ہیں۔ تو بادشاہ نے گلیوں کے سامنے خندقیں کھودنے کا حکم دیا۔ خندقیں کھودنی گئیں۔ ان خندقیوں میں آگ جلائی گئی۔ اس سے حکم دے دیا جو آدی بھی اپنے دین کو نہ چھوڑے اسے ان خندقیوں میں ڈال دو۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس سے حکم دیا۔ جو باہر سے نہ چھوڑے وہ خود ہی اس میں داخل ہو جائے۔ تو لوگوں نے ایسا ہی کیا یہاں تک کہ ایک عورت ان کے پاس آئی اور کہا۔ اے اللہ رب العلام میں نے اپنے بچے سے بچکپائی تو بچے نے کہا اے ماں صبر کر تو حق ہے (1)۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے اپنی کتاب میں روایت کیا ہے۔

منظور رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کی روایت کیا ہے اور آپ نے یہ روایت کئی جگہ بیان کی ہے۔ بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ تھا جسے یوسف ذنو اس کہا جاتا۔ یہ فسرۃ الوحی کے دور میں حضور ﷺ کی ولادت سے تھوڑے عرصے کے واقعہ ہے۔ اس بچے کا نام عبد اللہ بن تامر ذکر کیا (2)۔ محمد بن اسحاق نے وہب بن منبہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے یہ قصہ سنا لیا اور اس کا بیان یہ بھی بیان کیا کہ اس نے بارہ ہزار آدمیوں کو جلا دیا تھا۔ پھر ارباب یمن پر غائب آگئے تو ذنو اس وہاں سے بھاگے اور وہاں پہنچے۔ کھوڑے کے ساتھ سمندر میں کود گیا تو سمندر میں ہی غرق ہو گیا۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ذنو اس نے عبد اللہ کو قتل کیا تھا۔ محمد بن عبد اللہ بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ایک نہر کھودی گئی تو عبد اللہ بن تامر نے اس حالت میں ٹپا کہ انہوں نے اپنا ہاتھ اپنے سر کے زخم پر رکھا ہوا ہے۔ جب ان کا ہاتھ ان کے زخم سے ہٹا جا تو وہ ہاتھ سے

خون پھوٹ پڑتا جب ہاتھ کو چھوڑا جاتا تو ہاتھ اپنی جگہ واپس آ جاتا۔ ان کے ہاتھ میں لوہے کی ایک انگوٹھی تھی جس پر ربی اللہ لکھا ہوا تھا۔ یہ خبر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہنچی تو آپ نے یہ پیغام لکھ بھیجا کہ عبد اللہ اور انگوٹھی کو اسی حال میں رہنے دو جس پر تم نے اسے پایا ہے (1)۔ اصحاب اُحدود کے بارے میں اور روایات بھی آئی ہیں جو قوت میں امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت جیسی نہیں۔ اس لئے ان کی طرف کوئی توجہ نہیں کی جاتی۔

۲۔ النار کا لفظ الاُحدود سے بدل اشتمال ہے۔ ذات الوُفود کے ساتھ النار کی صفت ذکر کی گئی کیونکہ آگ بہت تیز تھی۔ الوُفود پر الف لام جنسی ہے۔ ربیع بن انس نے کہا اللہ تعالیٰ نے آگ میں پھینکے جانے والے مومنوں کو اس طرح نجات عطا فرمائی کہ آگ میں پہنچنے سے پہلے ان کی روحوں کو قبض کر لیا۔ آگ خندقوں کے کناروں کی طرف نکل آئی اور کفار کو جلا دیا۔

۳۔ ہا ضمیر سے مراد خندقوں کے کنارے ہیں۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وہ خندقوں کے کنارے کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے (2) اور ظرف فعود کے متعلق ہے۔

۴۔ وہ سب حاضر تھے اور یہ عذاب ان کی غفلت کی صورت میں نہیں دیا جا رہا تھا یا اس کا معنی یہ ہے کہ ان میں سے بعض بادشاہ کے پاس بعض کے حق میں گواہی دیتے کہ اسے جو کچھ حکم دیا گیا تھا اس نے کچھ کوتاہی نہیں کی۔ یا معنی یہ ہے کہ وہ قیامت کے روز اپنے خلاف گواہی دیں گے۔ جب ان کی زبانیں، ہاتھ اور پاؤں گواہی دیں گے۔ یہ جملہ یا تو ہم علیہا فعود پر معطوف ہے یا فعود کے فاعل سے حال ہے۔

وَمَا نَقَمُوا مِنْهُمْ إِلَّا أَنْ يُؤْمِنُوا بِاللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ ۝۸ الَّذِي لَهُ مُلْكُ

السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝۹

”اور نہیں ناپسند کیا تھا انہوں نے مسلمانوں سے بجز اس کے کہ وہ ایمان لائے تھے اللہ پر جو سب پر غالب، سب خوبیوں

سرا ہے۔ جس کے قبضہ میں آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو دیکھنے والا ہے۔“

۱۔ کفار نے مومنوں کے ایمان لانے کے علاوہ کسی اور بات کو ناپسند نہیں کیا۔ اس تعبیر کی صورت میں ان یومنا مفعول لہ ہے اور مضارع کا صیغہ ماضی کے معنی میں ہے جو نقموا کے معنی میں ہے۔ تقدیر کلام یہ بنے گی لان امنوا باللہ یعنی عجیب بات ہے جو چیز حسن لذاتہ اور کمال شرف کا باعث تھی انہوں نے اپنی جہالت اور بدنیتی کی وجہ سے عیب سمجھا جو عذاب کا موجب ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اپنے ملک میں غالب ہے، اس کے عذاب سے ڈرا جاتا ہے، وہ محمود اور احسان کرنے والا ہے، اس کے ثواب کی امید رکھی جاتی ہے۔

۲۔ یہ بیان کرنے کے لئے کہ خوف ورجا کا مرکز اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا اللہ تعالیٰ نے ان صفات کو اپنی صفت کے طور پر ذکر کیا تا کہ اس بات پر دلالت ہو کہ مومن اپنے ایمان میں حق ہیں اور ثواب کے مستحق ہیں اور کافر باطل پرست، اپنے اعمال میں ظالم اور لعنت و عذاب کے مستحق ہیں۔ انسان نے جو بھی اچھا یا برا عمل کیا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اسی کے حساب سے اسے بدلہ دے گا یہ جملہ تذکیر (۱) ہے۔ یا یؤمنوا کے فاعل سے حال ہے اور ما نقموا کا جملہ مقررہ ہے یا یہ شہود سے حال ہے۔

۱۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا ۲۔ ایضاً

(۱) ایک جملے کے بعد دوسرا ایسا جملہ لانا جو پہلے جملے کے معنی پر مشتمل ہو۔ مقصود پہلے جملے کی تاکید ہوتی ہے۔ اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں دوسرا جملہ مستقل ہو اور ما قبل سے مستغنی ہو، دوسرا جملہ مستقل نہ ہو، مترجم۔

إِنَّ الَّذِينَ قَتَلُوا الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوبُوا لَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَ
لَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيقِ ۝

”بے شک جن لوگوں نے ایذا دی مومن مردوں اور مومن عورتوں کو پھر توبہ بھی نہ کی تو ان کے لئے جہنم کا عذاب ہے اور ان سے لئے جلانے جانے کی سزا ہے“

جن لوگوں نے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو عذاب دیا۔ الذین کا لفظ لام اصحاب اخلدود اور دوسرے باتوں میں شامل ہے۔ مومن ہوں یا کافر۔ کسی طرح المومنین کا لفظ بھی خندقوں میں پھینکے گئے مومنوں کو شامل ہے۔ اسی طرح دوسرے مومنوں کو شامل ہے۔ صرف یہ ہے کہ انہیں کسی نے اذیت دی ہو۔ پھر ان اذیت دینے والوں نے اس گناہ سے بعد میں توبہ نہ کی ہو۔ اگر توبہ نہ کی ہو تو ان کے لئے جہنم کا عذاب ہے، یعنی اذیتیں دینے کی وجہ سے وہ عذاب کے مستحق بنے ہیں۔ اگر وہ مومن ہوں تو یہ عذاب انہیں نہیں ملے گا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ اسم موصول سے مراد کافر ہوں، یعنی جنہوں نے مومنوں کو صرف ایمان کی وجہ سے اذیتیں دیں تو ان کے لئے آگ کا عذاب ہے۔ یہ کلام اولہم عذاب الحریق یا تو فلیہم عذاب جہنم کے لئے تائید یا اس سے مراد یہ ہے کہ عذاب سے کیونکہ عموماً ایمان ہوتا ہے جو اپنے بھائی کے لئے لڑھا کھودتا ہے۔ وہ اسی لڑھے میں لڑ پڑتا ہے۔ ساتھ آیتوں میں یہ لڑھکا ہے کہ آگ خندقوں کے کناروں کی طرف نکلتی تھی اور انہیں جلا دیا تھا۔ اسی طرح وہ لوگوں کو خود بھی سزا دینے لگے۔ ہاں۔ ان الذین قتلوا والا جملہ جملہ مستفاد ہے۔ گویا کلام میں ہے کہ اصحاب اخلدود اور ان جیسے لوگوں کے ساتھ یہ سزا دینا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ
ذَلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيرُ ۝ إِنَّ يَطَّسُّ رَبُّنَا لَشَيْئًا ۝ إِنَّهُ هُوَ يَبْدِئُ وَيُعِيدُ ۝
وَهُوَ الْعَفْوَ وَالرَّحِيمُ ۝ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ ۝ فَعَالٌ لَمَّا يُرِيدُ ۝

”جو لوگ ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے رہے ان کے لئے جنات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں جن کا پانی ہے۔ بے شک آپ کے رب کی پکار بہت سخت ہے۔ بے شک وہی نہیں مرتب پیدا کرتا ہے۔ اور وہی دوبارہ پیدا کرے گا اور وہی بہت بخشنے والا ہے۔ بہت محبت کرنے والا ہے۔ عرش کا مالک ہے۔ بڑی شان والا ہے۔ اور وہی بہت بخشنے والا ہے۔“

اس کا مقابلہ میں دنیا اور ما فیہا حقیر ہیں۔

اس کی پکار بڑی سخت ہے ال سے بچاؤ ممکن نہیں۔ یہ جملہ ان الذین قتلوا سے متصل ہے۔ گویا یہ اس کی علت بیان کر رہا ہے۔ ان الذین قتلوا والا جملہ جملہ معترضہ ہے تاکہ کفار کی جزاء کے ساتھ ان مومنوں کی جزاء کا ذکر ہو جائے جس طرح اللہ تعالیٰ کا اسباب ہے۔ تیسری بات یہی دفعہ اور دوسری دفعہ پیدا کرتا ہے، اس کے ساتھ مومن معبود بڑی نیک نہیں۔ یا اس کا مطلب وہی کفار کو ان میں پکار دینا ہے۔ اور اس میں جسی دوبارہ وہی پکار کرے گا۔ وہی مومنوں کے گناہ بخشنے والا ہے۔ وہ اطلاع کرنے والوں سے محبت کرنے والا ہے اور ان کا

محبوب ہے۔

ذو العرش کا معنی مالک اور ہر شے پر غالب ہے۔ حمزہ رحمۃ اللہ علیہ نے المجید کو العرش کی صفت ہونے کی وجہ سے مجزور پڑھا ہے۔ اس کی مجدد سے مراد اس کی عظمت ہے۔ وہ ایسی رحمانی تجلیات فرماتا ہے جو اسی کی ذات کے ساتھ مختص ہیں۔ جبکہ باقی قرآن نے اسے مرفوع پڑھا ہے کیونکہ وہ خبر کے بعد خبر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مجدد سے مراد اس کا ذات و صفات میں عظیم ہونا واجب الوجود ہونا اور مکمل قدرت والا اور مکمل حکمت والا ہونا ہے۔

جس چیز کا وہ ارادہ کر لے وہ چیز اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتی اور نہ ہی وہ چیز اس پر ممنوع ہوتی ہے۔ یہ ہو کی خبر کے بعد دوسری خبر ہے۔ یا یہ ہو مبتداء محذوف کی خبر ہے اور اندہ ہو بیدء و بعد جملہ معترضہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مدح بیان کرتا ہے۔ مومنوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ جو مغفرت اور رحمت فرماتا ہے اور کافروں کو جو مختلف قسم کے عذاب دیتا ہے اس کی یہ جملہ وضاحت کرتا ہے۔

هَلْ أَتَاكَ خَبْرٌ يٰٓأَيُّهَا الْجُنُودُ ۚ فِرْعَوْنُ وَشِمُودُ ۚ بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي تَكْذِيبٍ ۚ

”کیا پہنچی ہے آپ کے پاس لشکروں کی خبر (یعنی فرعون اور شمود کے لشکروں) کی بلکہ یہ کفار جھٹلانے میں مصروف ہیں۔“

۱۔ استفہام تقریری ہے معنی بنے گا یقیناً آپ تک ان لشکروں کی خبر پہنچی ہے جو انبیاء کے خلاف جنگ کرتے تھے۔

۲۔ فرعون سے پہلے جنود کا لفظ مضاف کے طور پر محذوف ہے اور الجنود سے بدل ہے، یعنی ان کو غرق، چیخ اور اسی جیسے دوسرے عذابوں کے ساتھ ہلاک کیا گیا۔ پھر انہیں آگ میں داخل کیا گیا۔ اس لئے آپ کی قوم جو آپ کی تکذیب کرتی ہے اس پر صبر کیجئے اور انہیں اس عذاب سے ڈرائیے جو ان سے پہلے لوگوں کو پہنچا۔

۳۔ آپ کی قوم کے کفار ان لشکروں اور سابقہ اقوام کی بنسبت اس عذاب کے زیادہ مستحق ہیں کیونکہ انہوں نے سابقہ قوموں کے واقعات سن رکھے ہیں اور ان کی ہلاکت کے آثار دیکھے ہوئے ہیں بلکہ ان کا قرآن عظیم کو جھٹلانا ان کے جھٹلانے سے بھی بڑھ کر ہے کیونکہ اس کا کلام سابقہ کتب کے کلام سے زیادہ اعجاز والا ہے۔ تکذیب کو نکرہ اس لئے ذکر کیا تاکہ اس کی شدت کا بیان ہو۔

ایک قول یہ کیا گیا کہ یہاں بل اضراب (۱) کے لئے تہیں بلکہ ابتدائی ہے جو لکن کے معنی میں ہے۔ یہ جملہ استدر اکیہ (ب) ہے۔ اس کا تعلق جواب قسم کے ساتھ ہے۔ درمیان میں جملہ معترضہ ہیں۔ اس کے اتصال کی وجہ یہ ہے کہ جب قسم کے ساتھ جواب قسم واضح ہو گیا تو کفار میں سے جو سامعین تھے ان کی طرف سے بھی تصدیق پیدا ہو گئی۔ اس وہم کو دور کرنے کے لئے یہ جملہ استدر اکیہ ذکر کیا اور کہا لیکن کافر شدید جھٹلانے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان فی تکذیب اعتباری طرف ہے۔ تکذیب نہ زمان ہے نہ مکان کیونکہ صفت میں جب مبالغہ کا اعتبار کیا جائے تو وہ موصوف کو احاطہ میں لئے ہوئے ہوتی ہے۔

وَاللَّهُ مِنْ وَرَائِهِمْ مُحِيطٌ ۚ بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِيدٌ ۚ فِي لَوْحٍ مَّحْفُوظٍ ۚ

”حالانکہ اللہ تعالیٰ ان کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے بلکہ وہ کمال شرف والا قرآن ہے بلکہ ایسی لوح میں لکھا ہے

جو محفوظ ہے۔“

(ب) جو سابقہ کلام سے پیدا ہونے والے وہم کو دور کر دے، مترجم۔

(۱) کلام کا رخ پھیرنے کے لئے نہیں، مترجم۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں ہر طرف سے گھیر رکھا ہے۔ اس کی طرف سے احاطہ ذاتیہ ہے لیکن اس کی کوئی کیفیت نہیں بیان کی جاسکتی۔ تاہم قرآن کریم میں قرب اور غلبہ لازم ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے احوال سے آگاہ ہے اور ان سے انتقام لینے پر قادر ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ اس وقت سے بھاگ جائیں۔ یہ جملہ بطور وعید جملہ معترضہ کے طور پر ذکر کیا گیا۔ یا فہی تکذیب جس شہد فعل کے متعلق ہے اس کے مفہوم سے حال سے۔ اسے قرآن معزز ہے، کتابوں میں اس کا مقام بلند ہے۔ تقم و معنی میں یکتا ہے۔ اس جملہ کا معنی بل الدین کفروا فہی تکذیب۔ ساتھ متصل ہے، یعنی ان کی تکذیب حق میں کسی شہد کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ وہ آدمی جو تقم و معنی کا تصور اس جہی شعور رکھتا ہے اس سے اسے نہیں آیتا کہ وہ اس قرآن کو جھٹلائے۔

سید مہر ابن رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر محفوفہ سنیہ موتی سے پیدا کیا، اس کے صفحات سرخ یا قوت سے بنے، اس کا قلم نور ہے، اس کی کتابت نور ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر محفوفہ سنیہ موتی سے پیدا کرتا ہے، رزق دیتا ہے، موت عطا کرتا ہے، زندگی عطا کرتا ہے، عزت دیتا ہے، ذمت مقدر کرتا ہے اور جو تہ چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ لوہے محفوظہ سید میں لا الہ الا اللہ و احدہ دینہ الاسلام و محمد عندہ و رسولہ فمن امن باللہ عز و جل و صدق بوعدہ و اتبع رسالہ اذ حدتہ احدہ لکھ ہے۔ اللہ وحدہ لا شریک ہے، اس کا دین اسلام ہے، حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے ایمان دیا، اس کے وعدہ کی تصدیق کی، اس کے رسولوں کی پیروی کی اللہ تعالیٰ اسے جنت میں لکھ دے گا اور جہانوں محفوظہ سنیہ موتی سے بنی ہوئی ہے، اس کی لمبائی زمین و آسمان کے درمیان موجود مسافت جتنی ہے، اس کی چوڑائی مشرق و مغرب کے درمیان کی مسافت ہے، اس کی دونوں اطراف موتی اور یا قوت کی ہیں، اس کی جلدیں سرخ یا قوت کی ہیں، اس کا قلم نور کا ہے، اس کی کتابت نور ہے۔ ہر شے اس میں لکھی ہوئی ہے۔ ایک قول یہ آیا گیا اس کا اوپر والا حصہ عرش کے ساتھ بانٹھا گیا ہے اور اس کا نچلا والا حصہ جنت ہے۔ اس سے متعلق رحمۃ اللہ علیہ نے کہا لوح محفوظ عرش کی دائیں جانب ہے (۱)۔ جمہور نے محفوظہ سنیہ موتی پر چھابے یہ بات کی صفت۔ کیونکہ یہ شیا لین اور زیادتی و کمی سے محفوظ ہے۔ اسی وجہ سے اسے لوح محفوظ کہتے ہیں۔ یہ اہل کتاب ہے۔ اس سے آیت (قرآن) نقل کی گئی ہے۔ نافع رحمۃ اللہ علیہ نے اسے مرفوع پر چھابے کیونکہ یہ قرآن کی صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اِنَّا نَحْنُ نُنزِّلُ الْكِتَابَ وَ نَرِئُوْا اِنَّهُمْ لَحٰفِظُوْنَ۔ اس میں کسی لفظ کو لاحق نہ مسمیٰ نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کا محافظ ہے۔ نیز اس کی نظر میں اجماع پیدا ہوا ہے۔ اس میں تحریف اور حذف بھی ممکن نہیں۔ رافضیوں نے کہا قرآن کے ساتھ ایسی چیزیں شامل کر دی گئیں جو اس میں نہیں تھیں اور اس کا چوتھان حصہ حذف کر دیا گیا۔ باقی ماندہ میں پارے تبدیل اور تحریف شدہ رہ گئے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر یہ آیت ساقی نے بل الدین کفروا فہی تکذیب کہ مصحف میں جو کچھ ہے اس کی یہ تکذیب کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے واللہ من وراءہم محیط بل هو قرآن مجید فی لوح محفوظ، واللہ تعالیٰ اعلم۔

سورة الطارق

﴿ ابانها ۱۷ ﴾ ﴿ سورة الطارق مکیة ۸۶ ﴾ ﴿ رکوعها ۱ ﴾

سورة الطارق مکی ہے، اس میں ایک رکوع اور سترہ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

”اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے“

کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ابوطالب حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو روٹی اور دودھ پیش کیا۔ اسی اثناء میں کہ آپ بیٹھ کر اسے تناول کر رہے تھے کہ ایک ستارہ گرا۔ اس نے ہر چیز کو روشن کر دیا۔ ابوطالب گھبرا گئے۔ پوچھا یہ کیا چیز ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ ستارہ تھا جو ایک شیطان کو مارا گیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ ابوطالب یہ سن کر متعجب ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات کو نازل فرمایا۔ (۱)

وَالسَّمَاءَ وَالطَّارِقَ ۚ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الطَّارِقُ ۚ
النَّجْمُ الثَّاقِبُ ۗ إِنَّ كَلِّ
نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ۗ

”قسم ہے آسمان کی اور رات کو نمودار ہونے والے کی اور آپ کو کیا معلوم یہ رات کو آنے والا کیا ہے؟ جے ایک تارا

نہایت تاباں ہے کوئی شخص ایسا نہیں جس پر کوئی محافظ نہ ہو۔“

۱۔ طارق اصل میں مسافر کو کہتے ہیں۔ عرف عام میں رات کے وقت آنے والے مسافر کو طارق کہتے ہیں۔ پھر ہر وہ چیز جو رات کو ظاہر ہوا سے طارق کہا جانے لگا۔ اس کلام میں اجمال ہے جس کی وضاحت مابعد کلام کرتی ہے۔

۲۔ یہ کلام بھی مجمل ہے۔ یہ احتمال بھی موجود ہے کہ استفہام اس کی عظمت کے اظہار کے لئے ہو کیونکہ اس ستارے کے بے شمار فائدے ہیں۔ شیاطین کو اس کے ساتھ بھگایا جاتا ہے۔ یہ آسمانوں کی زینت کا باعث ہے۔ بندوں کو اس کے ذریعے ڈرایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ بھی اس کے کئی فوائد ہیں۔ ما الطارق والا جملہ ترکیب کلام میں ادراک کا مفعول ثانی ہے۔ پھر اس اجمال کی تفسیر مابعد کلام کرتا ہے۔

۳۔ النجم پر الف لام جنس کے لئے ہے اور اس سے تمام ستاروں کی جنس مراد ہے یا اس سے مراد شہابیوں کی جنس ہے جن کے ساتھ رحم کیا جاتا ہے یا الف لام عہد خارجی کے لئے ہے اور نجم سے مراد ثریا ہے۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح کہا ہے۔ عرب اسے نجم کہتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا اس سے مراد زحل ستارہ ہے (۲)۔ جنہوں نے نجم سے مراد زحل لیا ہے۔ انہوں نے اس نام کی یہ وجہ بیان کی کہ یہ بہت بلند ہے۔ وہ پرندہ جو بہت بلندی میں اڑ رہا ہو محسوس یوں ہو کہ وہ آسمان تک پہنچ چکا ہے تو عرب کہتے ہیں قد ثقب یعنی وہ بہت بلندی میں چلا گیا اور اس نے آسمان کو پھاڑ دیا۔ یہ تعبیر حکماء کے قول کے مطابق درست ہو سکتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ

زعمان مانویں آسمان میں ہے جبکہ ظاہر یہ ہے کہ ثاقب کا معنی خوب روشن ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی تعبیر کی ہے۔ کورس میں اپنی روشنی کے ساتھ تاریکیوں میں سوراخ مریتا ہے اور ان میں آریا رہ جاتا ہے۔

ابن عمر، عاصم اور حمزہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے لسانی میم کوشد کے ساتھ پڑھا ہے جو ہذیل کی لغت کے مطابق ال کے معنی میں ہے۔ یہ استنار منبرغ ہے۔ اس تعبیر کی صورت میں ان نافیہ ہوگا۔ معنی یہ ہوگا ہر نفس جس حالت میں بھی ہو ایک حافظ اس پر موجود ہے۔ ہر ذی قرآن نے میم کوشد کے بغیر پڑھا ہے۔ اس صورت میں ان تاکید یہ ہوگا جو مشغلہ سے مخلفہ ہے۔ اس کا اسم ضمیر نشان ہے جو نذر منہ اور لام مشتوح اس کی دلیل ہے اور ہا زائدہ ہے۔ معنی یہ ہوگا یقیناً ہر نفس پر ایک حافظ ہے جو اس کے رب کی طرف سے معین ہے۔ جو انسان کے عمل کی حفاظت کرتا ہے اور اس کے اچھے برے عمل کو شمار کرتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ اس آیت اور آیت کا تین ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا اس سے مراد ایسا حافظ ہے جو انسان کو آفات سے محفوظ رکھتا ہے (۱)۔ جب انسان اپنا ذوق اور دست پوری کر لیتا ہے تو پھر نوبت ہو جاتا ہے۔ حافظ سے مراد جس ہے۔ اس کا اطلاق واحد اور جمع سب پر ہوتا ہے۔ اس آیت اور آیت اور تیسرے تیسرے حقیقین میں ہوئی تصانیف یا یہاں حافظ سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور حفظ (فرشتے) اسی کے حکمت کا امتداد کرتے ہیں۔ اس وجہ سے فرشتوں کے عمل کو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیا۔ یہ حمد دونوں قرائتوں کی صورت میں جو اب لکھتے ہیں۔ اتن ابن حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے علم رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ ابو اسد ایک چیز سے پرکھرا ہو جاتا اور بتا ہے کہ میں نے جو اسٹ نہیں نے نبی کریم ﷺ کو اذیت دی اس کے لئے یہ انعام ہے اور کہتا محمد (ﷺ) یہ گمان رکھتے ہیں کہ جہنم کے دار کے لئے اس میں ایسا اس کو کافی ہوں۔ باقی نو کونم منجھال لینا تو یہ آیت کامل ہوئی۔

فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ① خُلِقَ مِنْ مَّاءٍ دَافِقٍ ② يُخْرَجُ مِنْ بَيْنِ الصُّنْبِ وَ

الْتِرَآبِ ③ إِنَّهُ عَلَىٰ رَجْعِهِ لَقَادِرٌ ④ يَوْمَ تُبْلَى السَّرَابُ ⑤ فَمَا لَهُمْ قُوَّةٌ وَلَا نَصِرٌ ⑥

سو انسان کو دیکھنا چاہئے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔ اسے پیدا کیا گیا ہے اچھلتے پانی سے ہے (جو مردمان کی)

پیچھ اور سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے۔ بے شک وہ اس کو پھر واپس لائے۔ یہ قادر ہے۔ یہ آریا اور اس میں

جب سب راز فاش کر دیئے جائیں گے۔ پس نہ خود اس میں زور ہوگا اور نہ کوئی (دوسرا) مددگار ہوگا۔

۱۔ ماء سبب ہے کیونکہ حفظہ کا وجود ہی اعمال کو تازہ کرنے کا سبب ہے تاکہ یہ استمدالی کیا جائے کہ دوبارہ اٹھایا جائے۔

۲۔ صورت میں انسان اپنے اوپر اس بات کو لازم کرے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لائے۔ اسے جن باتوں کا حکم دیا

ان کو بجالائے اور جن چیزوں سے اسے منع کیا گیا ان سے رُک جائے۔ ہم خلق میں من ابتدائی ہے اور ہا استنہا ہے۔

۳۔ یہ امر حلق کے متعلق ہے اور اس کا نائب فاعل ہے۔ یہ حمد فلینظر کے مفعول ہونے کی حیثیت میں منسوب ہے۔ صو حلق سے

ساں بنا تھا اس کا جواب خود ہی مابعد کلام میں دیا۔

۴۔ ماء سے مراد مرد اور عورت کی منی کا آمیزہ ہے۔ دافق یہ ماء کی صفت ہے۔ دفق کی ماء کی طرف نسبت مجاز ہے۔ یہاں

نسبت ہی صریح ہے۔ جس طرح راضیہ کی نسبت عیثہ کی طرف ہے۔ عیثہ راضیہ یہاں اسم فاعل امر مفعول کے معنی میں

ہے، یعنی دافق مدفوق کے معنی میں ہے۔ دافق کا معنی ایک ہی دفعہ بہانا ہے۔

یہ جملہ ماء کی دوسری صفت ہے۔ صلب سے مراد مرد کی پشت ہے۔ صراح میں صلب کا معنی تختی ہے۔ پشت کو تختی کی وجہ سے ہی صلب کہتے ہیں۔ ترائب سے مراد عورت کی سینے کی ہڈیاں ہیں۔ قاموس میں ترائب سے مراد سینے کی ہڈیاں ہیں یا اس سے مراد وہ ہڈیاں ہیں جو ہنسل کی ہڈیوں کے ساتھ ملی ہوئی ہیں یا دونوں پستانوں اور ہنسل کی ہڈیوں کے ساتھ ملی ہوئی ہیں یا سینے کی دائیں اور بائیں جانب کی چار پسلیاں مراد ہیں یا اس سے دونوں ہاتھ دونوں پاؤں اور دونوں آنکھیں ہیں یا ہار لگانے کی جگہ کو ترائب کہتے ہیں۔ بیضاوی میں ہے نطفہ ہضم رابع سے پیدا ہوتا ہے یہ تمام اعضاء سے کشید ہوتا ہے تاکہ اس نطفہ میں صلاحیت پیدا ہو جائے کہ اس سے اس جیسے اعضاء پیدا ہو سکیں۔ اس کی قرار گاہ خصیتین کے نزدیک ایک دوسرے سے الجھی ہوئی رگیں ہیں۔ اس مادہ کی پیدائش میں سب سے زیادہ حصہ دماغ کا ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے اگر دماغ میں کمزوری ہو تو انسان کو سرعت انزال کا مرض لاحق ہو جاتا ہے۔ دماغ کا ایک نائب بھی ہوتا ہے جو پشت میں ہوتا ہے۔ اس حرام مغز سے بہت زیادہ رگیں سینے کی طرف آتی ہیں۔ یہ دونوں چیزیں منی کے ذخیرہ ہونے والے برتن کے قریب ہیں۔ اس لئے انہیں خاص طور پر ذکر کیا۔

۳۰۔ ضمیر خالق کی طرف لوٹ رہی ہے جو خالق من ماء سے سمجھا جا رہا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ موت کے بعد دوبارہ اٹھانے پر قادر ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح کہا ہے کیونکہ جو ذات پہلی دفعہ پیدا کرنے پر قادر ہے تو جب اس ہستی نے دوبارہ اٹھانے پر خبر دی جس کی صداقت کا اظہار معجزہ سے ہوا اب اس کا انکار کس طرح جائز ہو سکتا ہے۔ یہ جملہ مستانہ ہے۔

۳۱۔ اس جملے کا تعلق یا تو رجوع کے ساتھ ہے یا ایسے مضمرفعل کے ساتھ ہے جس پر رجوع دلالت کرتا ہے۔ وہ مضمرفعل یبعث ہے، یعنی انسان کو اس دن اٹھایا جائے گا۔ جب اعمال عقائد، نیاں اور پوشیدہ راز سب ظاہر ہو جائیں گے اس دن سے مراد یوم قیامت ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ہر راز کو ظاہر فرما دے گا تو وہ راز چہروں پر زینت بن جائے گا۔ وہ انسان جو دوبارہ اٹھائے جانے کا انکار کرتا تھا۔ اس کے پاس اپنے دفاع کے لئے کوئی قوت ہوگی اور نہ ہی اس کا کوئی مددگار ہوگا جو اسے عذاب سے بچا سکے۔ اس جملہ میں فاء مقدر شرط کی وجہ سے ہے جو یہ ہے فاذا رجع۔ تو اس چیز کو کہتے ہیں جو اس کی ذات میں ہو جس کے ساتھ وہ عذاب سے اپنے آپ کو بچا سکے۔

وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ۝ وَالْأَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ۝ إِنَّهُ لَقَوْلُ فَصْلٍ ۝ وَمَا هُوَ إِلَّا هَزْلٌ ۝

إِنَّهُمْ يَكِيدُونَ كَيْدًا ۝ وَأَكِيدُ كَيْدًا ۝ فَبِئْسَ الْكٰفِرِينَ اٰمِهْلُهُمْ رُوٰدًا ۝

”قسم ہے آسمان کی جس سے بارش برسی ہے اے اور زمین کی جو (بارش سے) پھٹ جاتی ہے اے بلاشبہ یہ قرآن قول فیصل

ہے ۳۲ اور یہ ہنسی مذاق نہیں ہے ۳۳ یہ لوگ طرح طرح کی تدبیریں کر رہے ہیں ۳۴ اور میں بھی تدبیر فرما رہا ہوں اے پس

آپ کفار کو (تھوڑی سی) مہلت اور دے دیں کچھ وقت انہیں کچھ نہ کہیں گے“

۳۲۔ یہ دوسری قسم ہے جس کا سابقہ قسم پر عطف ہے۔ رجوع سے مراد بارش ہے اسے رجوع اس لئے کہتے ہیں کیونکہ یہ ہر سال پلٹ کر آتی ہے۔ آسمان کو اس صفت سے اس لئے متصف کیا ہے کیونکہ ستارے جس جگہ سے حرکت شروع کرتے ہیں ایک رات دن یا مہینہ یا سال کے بعد اسی جگہ واپس آ جاتے ہیں۔

یہ قسم ہے زمین کی جو شق والی ہے۔ اس میں اشکاف نباتات، چشموں اور اس جیسی چیزوں سے ہوتا ہے۔ اس کا جواب قسم ما بعد کلام ہے۔
تو تفسیر سے مراد قرآن ہے جو حق اور باطل میں امتیاز کرنے والا ہے۔

یہ یونانی حیا اور باطل چیز نہیں بلکہ سب کا سب با مقصد اور یا معنی ہے۔ اس کا حق یہ ہے کہ اس کو پڑھنے اور سننے والا نہیں اور عزائم
ان صرف متوجہ نہ ہو بلکہ اس کا دل خشوع و خضوع کا پیر ہو۔

یہ قسم تفسیر سے مراد اہل مکہ ہیں جو حضور ﷺ کے ساتھ خفیہ تدبیریں کرتے ہیں۔ جو کچھ ظاہر کرتے ہیں وہ ان کے اہل ان کے
عقل سے ہے۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ وہ حضور ﷺ کی دعوت کو باطل کرنے اور نوری حق کو بچھانے کا قصد کرتے ہیں۔

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عید کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان سے استدراج کرتے ہیں جس کو وہ سمجھ بھی نہیں سکتے۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ
اس انہیں آخرت میں ان کے مکر کی جزا دوں گا۔ انہم یکبذون کبذایہ جملہ مستانہ ہے۔ گویا یہ ایک مقدر سوال کا جواب ہے جو یہ
تفسیر میں منکری البعث ہے۔ دوبارہ اٹھائے جانے کے انکار کرنے والوں کے ساتھ کیا سزا ہوگی۔

یہ آپ نفا سے انتقام لینے میں مشغول نہ ہوں یا ان کی ہلاکت کی بددعا کرنے میں جلدی نہ کریں۔ یہ قسم آیت قرآن سے منسوب ہے
یہ ان سے انتقام لینے کی نہیں مقدر ہے۔ اہل علم میں کیا تائید ہے وزن میں تبدیلی کی صورت میں تائید لائن کی خدمت
تسبیح میں زیادتی اور لفظ کو حسین بنانا ہے۔ رویداد رواد کے معنی میں ہے، یعنی انہیں تھوڑی سی مہلت دیں۔ رویداد یہ روادہ تصغیر
نے۔ حروف اللہ حذف کر کے تصغیر بنائی۔ اسے تصغیر توحیم کہتے ہیں۔ یہ روادہ المریح سے مشتق ہے۔ یہ ہمہ اس وقت بولتے
تو جب اس میں معمول حرمت ہو۔ یہ لفظ ہمیشہ مصغر ہی استعمال ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کی
طاعت سے دسیہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بدر کے دن پکڑ لیا۔ (۱)

www.muhammadiyah.com
www.NAFSEISLAM.COM

سورة الاعلیٰ

﴿ اساتھا ۱۹ ﴾ ﴿ سُورَةُ الْأَعْلَى مَكِّيَّةٌ ۸۷ ﴾ ﴿ رُكُوعُهَا ۱ ﴾

سورة الاعلیٰ مکی ہے اس میں ایک رکوع اور انیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

”اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے“

سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ۝ الَّذِي خَلَقَ فَسُوَّى ۝ وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَى ۝

”(اے حبیب) آپ پاکی بیان کریں اپنے رب کے نام کی جو سب سے برتر ہے جس نے (ہر چیز کو) پیدا کیا ہے پھر

(ظاہری اور باطنی قوتیں دے کر) درست کیا۔ اور جس نے (ہر چیز کا) اندازہ مقرر کیا پھر اسے راہ دکھائی۔“

اے اپنے رب کے نام میں الحاد کرنے اور اس کے نام کو کسی غیر پر بولنے سے اس کی پاکی بیان کریں۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ آپ اپنے رب کے نام کی پاکی بیان کریں۔ اس کی صورت یہ ہو جب بھی تو اس کا ذکر کرے تو تو اس کی عظمت بیان کرنے والا ہو اور تو اس کا اپنی طرف سے کوئی نام نہ رکھ بلکہ ایسے نام سے اسے یاد کر جو اس نے اپنی کتاب میں اپنے لئے ذکر کیا یا حضور ﷺ کی زبان پر وہ جاری ہوا۔

ایک قول یہ کیا گیا کہ یہاں اسم سے مراد وہ ذات ہے جس کا یہ نام رکھا گیا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں اسم بمعنی مسمیٰ ہے مَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا أَسْمَاءُ سَمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ۔ اس میں بھی اسماء سے مراد ذاتیں ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہاں اسم کا لفظ زائد ہے۔ پھر معنی یہ ہوگا اپنے رب کی زبان سے پاکی بیان کرو اور لفظ جو اس کے بارے میں باتیں کرتے ہیں اس سے اس کی پاکی بیان کرو یہ زبانی اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرنے کا حکم ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ تو سبحان ربی الاعلیٰ کہے۔ صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت بھی اسی طرف گئی ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی روایت سے استدلال کیا ہے کہ حضور ﷺ نے سبح اسم ربک الاعلیٰ آیت پڑھی۔ فرمایا سبحان ربی الاعلیٰ۔ ایک قوم نے کہا یہ حکم مطلق ہے جو قول، اعتقاد اور عمل سب کو شامل ہے۔ یہاں اسے قول کے ساتھ خاص کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ یہ حدیث زبانی تسبیح کے لئے بطور دلیل مناسب نہیں بلکہ زبان کے ساتھ ایسی تسبیح کا تقاضا کرتی ہے جس میں زبان دل کی موافقت کرے۔ یہ بھی اس کا ایک معنی ہو سکتا ہے۔ یہ قول کہ دل کا زبان کے موافق ہونا ضروری نہیں اس کی کوئی حیثیت نہیں۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اپنے عظیم رب کے حکم کے مطابق نماز پڑھو۔ اس میں نماز ادا کرنے کا حکم ہے۔ اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ نماز میں زبان سے تسبیح بیان کرنے کے حکم پر وہ روایت دلالت کرتی ہے جو ہم نے سورہ حاقہ میں عقبہ بن عامر سے روایت کی تھی کہ اسے تم اپنے سجدہ میں رکھ لو اور حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث بھی دلالت کرتی ہے کہ حضور ﷺ سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ کہتے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی اسی پر دلالت کرتی ہے۔ ہم نے رکوع و سجود کی تسبیحات کے مسئلہ کو وہاں ذکر کر دیا تھا۔ ہم دوبارہ اسے نہیں ذکر کریں گے۔

اللہ تعالیٰ نے صفت لفظ اعلیٰ سے ذکر کرنا اس بات کا اشارہ کرتی ہے کہ یہی تسبیح کا موجب ہے کیونکہ اس کی شان کا عقول سے ادراک سے بلند ہونا، اس کا قہار اور قدرت والا ہونا اس امر سے منجرت ہے کہ کوئی انسان اس کا کوئی نام معین کرنے بلکہ یہ صفت اور قہار اس سے اس نام سے ذکر کیا جائے جس نام سے اس نے خود اپنے آپ کو یاد کیا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ ایسے ناموں سے اس کی پائی بیان کی ضرورت ہے جو اللہ اس کے بارے میں ذکر کرتے ہیں۔

یہاں منفعین بلکہ کو حذف کر دیا تاکہ عموم پر دلالت کرے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے جو امر (ا)، اغراض (ب) اور بندوں کے افعال میں سے چیز کو پیدا کیا اور ہر چیز کو مناسب اجزاء کے ساتھ پیدا کیا۔ اس کے اعتناء میں تفاوت نہیں رکھا۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ اس سے بڑا چیز یا اس سے درست بنا دیا اس نے ہر ایک چیز کو اس منفعت اور مصلحت کے مطابق بنا دیا جس تک عقل انسانی نہیں پہنچ سکتی یا تو مخلوقات کو اس طرح پیدا کیا جس طرح نظام کائنات کا تقاضا تھا۔ اس لئے یہ کہہ جاتا ہے جس طرح یہ نظام موجود ہے۔ اس سے بہتر نظام کی گنجائش موجود نہ تھی۔ کمالی رحمت اللہ علیہ نے اسے دال کی تکلیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ معنی یہ ہو گا کہ وہ ممکن پر قادر ہے جہاں ہائی قرآن نے اسے مشہور پڑھا ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا دونوں قرأتوں کا معنی ایک ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اشیاء میں جنات ان کی انواع، اشخاص، مقادیر، صفات، افعال، رزق اور موتوں کو اسی طرح مقدر کیا جس طرح اس نے چوہ۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کی تخلیق سے پہلے ہزار ہاں پہلے مخلوقات کی تقدیر لکھ دی تھی جبکہ اس کا عرش پانی پر تھا۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر چیز تقدیر کے مطابق ہے جہاں تک کہ کتب ذہنی اور دانش بھی تقدیر کے مطابق ہے۔ اسے ابو موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ (1)

اس مقصد کے لئے اس نے پیدا کیا اس خیر یا شر کی طرف راہنمائی کی۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ انسان کو اچھائی برائی، سعادت اور شقاوت کی طرف راہنمائی کی اور حیوانوں کی جہاں کی طرف راہنمائی کی۔ مقاتل اور بغوی نے کہا اللہ تعالیٰ نے کہا مذکورہ مومنوں سے جنت کا طریقہ بتا دیا۔ ایک قول یہ کیا کیا اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء میں منافع پیدا فرمائے اور انسان کو ان منافع کے فائدے کے طریقہ بتا دیئے۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جم میں جنین کی مدت معین کر دی۔ پھر رحمت سے باہر نکلنے کا طریقہ بتا دیا (2)۔ یا اس کا معنی یہ ہے جس کو ہدایت دینا چاہی اسے ہدایت دے دی اور جس کے حق میں گمراہی کو مقدر کیا چاہا گمراہی کو مقدر کر دیا۔ تقدیر کا معنی یہ تھی فہدی و اضل۔ لیکن اضل کو حذف کر دیا اور اللہ تعالیٰ کے فرمان اضل من یضل من یشاء ویہدی من یشاء سے استفادہ کیا گیا۔

وَالَّذِي أَخْرَجَ الْمَرْعَىٰ ۖ فَجَعَلَهُ غُثَاءً أَحْوَىٰ ۖ سَقَرْنَا ۖ فَلَا تَتَّسَىٰ ۖ إِلَّا

مَا شَاءَ اللَّهُ ۗ إِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفَىٰ ۖ

اور جس نے زمین سے چارائے نکالیں پھر اسے بنا دیا کوزہ سیاہی مائل کہ ہم خود آپ کو پڑھائیں گے پس آپ (اتنا) صوبے کے

1- صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 336 (قدیمی) 2- تفسیر بغوی، زیارت ہدایہ۔

(ب)۔ جو کسی کے واسطے کے ساتھ کہ ہو جسے مختلف رنگ ہو۔

سے بجز اس کے جو اللہ چاہے ہے۔ بے شک وہ جانتا ہے ظاہر کو اور جو چھپی ہوتی ہے۔“
لہ مرعی سے مراد وہ نباتات ہیں جسے چوپائے چرتے ہیں۔

پھر اس کی سرسبزی و شادابی کے بعد سیاہ خشک ٹونا ہوا بنا دیا۔ احوی غشاء کی صفت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا یہ مرعی سے حال ہے، یعنی اس کھیتی کو سیاہ پیدا کیا کیونکہ وہ انتہائی سبز ہے اس لئے سیاہ کہہ دیا۔ جب جبرئیل امین حضور ﷺ کے پاس وحی لاتے ابھی وہ آیت سے فارغ نہ ہوتے تو حضور ﷺ آیت کا پہلا حصہ شروع کر دیتے۔ وجہ اس کی یہ ہوتی کہ کہیں اس میں سے کوئی چیز بھول ہی نہ جائے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا (1)۔ تاہم اس کی سند میں جو میر ہے جو بہت زیادہ ضعیف ہے۔ مجاہد اور کلبی رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی یہی کہا ہے۔

سے اور کہا اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کبھی نہ بھولے (2)۔ معنی یہ ہوگا جس طرح ہم نے رسول اللہ ﷺ کی زبان سے آپ پر نازل کیا ہے ہم قرأت کے الہام کے ساتھ آپ کو اس کا قاری بنا دیں گے ایک قول یہ کیا گیا کہ اصل میں یہ لاتنس بھی کا صیغہ ہے۔ اس کے آخر میں الف فاصلہ کے لئے ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قرآن کو یاد رکھنے کا اہتمام کرو، قسم ہے مجھے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے قرآن حافظ سے اتنی تیزی سے نہیں نکلتا (بھول جاتا) ہے جتنا اونٹ بھی اپنے ڈھنگے سے نہیں بھاگتا، متفق علیہ (3)۔ صحیحین میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے اسی کی مثل مروی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حافظ قرآن کی مثال اس اونٹ کے مالک کی طرح ہے جس نے اونٹ کو ڈھنگا باندھا ہوا ہوا، گروہ اس کا دھیان رکھے تو اسے روکے رکھتا ہے اور اگر اسے چھوڑ دے تو اونٹ بھاگ جاتا ہے، متفق علیہ (4)۔ حضرت سعد بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے جو انسان بھی قرآن یاد کرے۔ پھر اسے بھول جائے تو وہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے حضور کوڑھی کی حیثیت میں حاضر ہوگا (5)۔ اسے ابو داؤد اور دارمی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔

یہ شاء کا مفعول بہ ان ینساہ ہے جو محذوف ہے۔ یہ استثناء مفرغ ہے اور محل نصب میں ہے۔ جمہور کی تاویل کے مطابق اس آیت کی مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس کی تلاوت اور اس کا حکم منسوخ کر دیا۔ جس طرح اس آیت کا ظاہر معنی ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے مَا تَلَّكَ خَمِيرًا اِيَّوَاؤُنْدَسِيهَا کیونکہ بھلا دینا بھی ایک طرح کا نسخ ہے۔

آیت کی اگر یہ تاویل کی جائے تو آیت میں دو طرح کا معجزہ ہے کیونکہ انسان کی فطرت میں یہ ہے کہ وہ بھول جاتا ہے جبکہ حضور ﷺ سے بعد میں مطلقاً نسیان ثابت نہ ہوا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ جس طرح خبر دی مستقبل میں اسی طرح واقع ہوا وہ بھی معجزہ ہے۔ جو یہ تعبیر کی گئی تھی لاتنس نہیں ہے تو اس صورت میں استثناء کا معنی یہ ہوگا کہ بشری طاقت کے مطابق قرآن کو یاد رکھنے کا اہتمام واجب ہے اگر انسان کے اس اہتمام کے باوجود بھی اللہ تعالیٰ اسے بھلا دے تو پھر انسان معذور ہوگا۔

یہ ضمیر سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، یعنی اللہ تعالیٰ قول اور فعل میں سے جو ظاہر ہے اسے بھی جانتا ہے اور اس میں سے جو مخفی ہے اسے بھی جانتا ہے۔ آپ جبرئیل امین سے بلند آواز سے قرأت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اسے بھی جانتا ہے اور اس کے سبب یعنی بھول

1- تفسیر بنو زبیر آیت ہذا

2- ایضاً

3- صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 268 (قدیمی)

4- ایضاً، صفحہ 267

5- سنن دارمی، جلد 2، صفحہ 315 (المجان)

ہونے کے خوف کو بھی جانتا ہے۔

وَنَيْسِرِكَ لَيْسِرَى ۝ قَدْ كَرَّانَ نَفَعَتِ الذِّكْرَى ۝ سَيِّدَا كَرْمَنَ يَخْشَى ۝ وَ
يَتَجَنَّبُهَا إِلَّا شَقَى ۝ الذِّمِّي يَصِلَى النَّارَ الْكُبْرَى ۝ ثُمَّ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا
يَحْيَى ۝ قَدْ أَفْذَحَ مَنْ تَرَكَى ۝ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّى ۝

اور ہم ہیں بنا دیں گے آپ کے لئے اس آسان (شریعت) پر عمل لے پس آپ نصیحت کرتے رہتے اور نصیحت فائدہ مند ہوتے سمجھ جائے گا جس کے دل میں (خدا کا) خوف ہوگا۔ اور دور رہے گا اس سے بد بختی جو (بالآخر) بسوں تک میں داخل ہوگا۔ پھر نہ وہ وہاں مرے گا اور نہ جنے گا۔ بے شک اس نے فلاں پائی جس نے اپنے آپ کو یہ لیا ہے اور اپنے رب کے نام کا ذکر کرتا رہا اور نماز پڑھتا رہا۔

ہم تمہیں توفیق دیں گے اور تم پر رحمت کے عمل کو آسان کر دیں گے اس میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس میں قرآن نازل فرمایا ہے۔ اس کے مطابق اسے پڑھنے سے یاد رکھنے اور اس کے مضمون کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے گا۔ اس کلام میں لقب کا قاعدہ جاری ہو رہا ہے۔ تقدیر کلام یوں ہے نیسر الیسری لک۔ اس میں مبالغہ ہے کیونکہ آسانی حضور ﷺ کا مطلب نہیں تو اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو یسری کا مطلوب بنا دیا۔

میں کہتا ہوں یہی تو خالص شان محبوبی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا الیسری بھلائی کا عمل ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ہم آپ کو عذیف شریعت کی توفیق دیں گے (۱)۔ اس جملہ کا عطف سنقر تک پر ہے اور انہ یعلم الجہر وما بعضی جملہ معترضہ ہے جو مدح کا فائدہ دے رہا ہے۔ اس میں فاء کا ذکر بسببیت کے لئے ہے، یعنی جب ہم نے آپ کو قرآن اور آسان شریعت کی توفیق دی تو اس لئے اس کے مطابق نصیحت کیجئے۔

یہ شرط ہے جو جزاء سے مستغنی ہے کیونکہ پہلے ایسی کلام موجود ہے جو اس جزاء پر دلالت کرتی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہاں جب حضور ﷺ نے انہیں بار بار نصیحت کی اور بعض لوگوں سے مایوسی ثابت ہو گئی تو اس وقت یہ حکم نازل ہوا کہ آپ انہیں نصیحت نہ کرے خواہ خود اپنے آپ کو نہ تھکاتے رہیں اور ان کی حرص نہ کرتے رہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے وَقَدْ آتَيْنَاهُمْ بَعْثًا بِرَبِّهِمْ يَتْلُونَ آيَاتِهِ كِتَابَ الْغُرُوثِ ۝ تِلْكَ آيَاتُ الْكُفْرَانِ ۝ لَئِنْ لَمْ يَرْجِعُوا إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنْسُفْ لَهُمْ رَبُّهُمْ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ (۱)۔ یہاں یہ شرط ہے۔ تاہم مطلب یہ ہے کہ ان میں نصیحت کوئی نفع نہیں دے گی۔ ساتھ ہی ان لوگوں کی خدمت بھی ہے۔ یہاں یہ لیا گیا کہ دوسروں کو نصیحت اور نیکی کا حکم اسی وقت واجب ہے جب نفع کا گمان ہو۔ اسی وجہ سے جو مطلق منہ بھیجتے ہیں ان سے امرائے کرنے کا حکم ہے۔ ایک قول یہ لیا گیا جملہ کا آید۔ جمع محذوف ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ نصیحت کریں، خواہ نصیحت سے نفع نہ دے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کے فرمان میں ہے سِرَابِيلُ تَقِيكُمُ الْحَرَّ ۝ حَالَانِ ۝ مَرَادُ صَرْفِ رُبِّي نَيْسِرٌ بَلَدٌ رُبِّي ۝ اور ابن عربیوں ہیں۔ پھر اس کے بعد ان کا ذکر کیا جنہیں ذکر فائدہ دیتا ہے۔

اس سے وہی نصیحت حاصل کرتا ہے اور نفع اٹھاتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے کیونکہ وہی قرآن میں غور و فکر کرتا ہے اور اس کے حکم پر عمل کرتا ہے۔ یہ نیکو وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتا ہے۔

۳۰۔ اس ذکر سے کافر اعراض کرتا ہے کیونکہ وہ فاسق سے زیادہ شقی ہے یا اس سے مراد وہ آدمی ہے جو کافروں میں سے زیادہ شقی ہے کیونکہ وہ کفر میں غلو کرتا ہے۔ اس صورت میں الف لام عہدی ہے۔ اس سے مراد ولید بن مغیرہ ہوگا یا عقب بن ربیعہ ہے۔
۳۱۔ جو جہنم کی آگ میں داخل ہوگا یا اس کے سب سے نچلے گڑھے میں داخل ہوگا۔

۳۲۔ پھر وہ جہنم میں مرے گا نہیں کہ عذاب سے راحت پائے اور نہ ہی اچھی زندگی پائے گا۔ تم کے ساتھ صلی پر عطف کیا کیونکہ عذاب میں ہمیشہ کے لئے رہنا۔ یہ عذاب میں داخل ہونے سے زیادہ تکلیف دہ ہے۔ یہ شدت کے مراتب اور وجود میں ان سے موخر ہے۔
۳۳۔ جس نے اپنے باطن کو شرک اور ظاہر کو نجاست سے پاک کیا تا کہ نماز پڑھ سکے اور اپنے مال کو زکوٰۃ ادا کرنے کے ساتھ میل سے پاک کیا۔ اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ دل کو اور چیزوں میں مشغول ہونے سے پاک کیا۔ نفس کو رذائل سے اور اعضاء کو معاصی سے پاک کیا یہ زکوٰۃ سے مشتق ہے جس طرح تصدق صدقہ سے مشتق ہے۔ قد الفلح والا جملہ جملہ مستانفہ ہے۔ گویا یہ مقدر سوال کا جواب ہے جو سوال یہ ہے کہ اس جہنم سے کس نے نجات پائی۔

۳۴۔ بزار رحمۃ اللہ علیہ نے جاہر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ قد الفلح من تزکی کا معنی یہ ہے کہ جس نے لا الہ الا اللہ کی گواہی دی، شرک کا قیادہ گلے سے اتار پھینکا اور یہ گواہی دی کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں، اپنے رب کا ذکر کیا اور نماز پڑھی۔ اس سے مراد پانچ نمازیں ہیں، ان کی محافظت اور ان کا اہتمام ہے۔ (۱)
۳۵۔ احناف رحمۃ اللہ علیہم نے کہا اس سے مراد تکبیر تحریمہ کہنا اور نماز پڑھنا ہے۔ اسی وجہ سے علماء نے کہا پہلی تکبیر نماز کا رکن نہیں بلکہ یہ شرط ہے کیونکہ یہاں فاء عاطفہ ہے جو معائزت اور تعقیب پر دلالت کرتی ہے، یعنی معطوف اور معطوف علیہ مختلف چیزیں ہوتے ہیں اور معطوف کا بعد میں ہونا ضروری ہوتا ہے۔

اعتراض

اس امر پر علماء کا اجماع ہے کہ عام کا خاص پر عطف جائز ہے جبکہ عام خاص پر مشتمل ہوتا ہے اسی طرح کل کا جزء پر عطف بھی جائز ہوگا۔ ہم اس کے بارے میں یہ کہتے ہیں عام کا خاص پر عطف ایک بلاغی نکتہ کی وجہ سے ہوتا ہے جبکہ کل کا جب جزء پر عطف کیا جائے تو یہ چیز ثابت نہیں ہوتی جبکہ لغت عرب میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ اسی وجہ سے علماء نے کہا فرضوں پر نفلوں کی بناء درست ہے۔ اسی طرح نفلوں پر نفلوں کی بناء بھی درست ہے۔ ابو میسر رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ نفل نماز پر فرض کی بناء بھی درست ہے جبکہ جمہور احناف رحمۃ اللہ علیہم نے اس سے منع کیا ہے۔ اسی طرح ایک فرض کے بعد دوسرے فرض کی بناء سے بھی منع کیا ہے۔ میں کہتا ہوں اس کا شرط ہونا اس امر کا تقاضا نہیں کرتا کہ اقتداء درست ہے کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ نیت شرط ہے لیکن ایک نیت کے ساتھ دو نمازیں صحیح نہیں۔ وضو شرط ہے ابتدائی دور میں ہر نماز کے لئے نیا وضو واجب تھا مگر نفلوں کی فرضوں پر توجیح کے طور پر بناء درست ہے جس طرح ایک آدمی نے بھول کر ظہر کی پانچ رکعتیں پڑھ دیں۔ وہ آخری قعدہ بیٹھا تو وہ ساتھ ہی چھٹی رکعت ملائے اور سجدہ سہو کرے۔ یہ دور رکعتیں نفل ہو جائیں گی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے علماء فرماتے ہیں تکبیر تحریمہ رکن ہے کیونکہ اس کے لئے بھی وہ تمام چیزیں شرط ہیں جو دوسرے ارکان کے لئے شرط ہیں۔ یہی اس کے رکن ہونے کی نشانی ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس کے بارے میں یہ ارشاد فرماتے

یہ۔ تبسیر تحریر کی وجہ سے ہے جو اس تبسیر تحریر کے ساتھ متصل ہے؟ یا تبسیر تحریر کی وجہ سے شروع نہیں۔
 اس سے عبادت کا ثبوت ہے۔ اگر کسی نے تبسیر تحریر کی اور اس کے اول جزء میں اس کے جسم پر نجاست گئی ہوئی تھی یا شرمگاہ نسی تھی یا جھری
 سورت میں ذہلا تھا یا قبلہ کی طرف رخ نہ تھا اس نے عمل بے سیر سے ساتھ اس نجاست کو زائل کر دیا، پردہ ڈال دیا، سورت اچھی پڑھا اور وہ
 نماز ہو گیا تب ان حالات میں تبسیر تحریر کا آخری جزء ادا کیا تو اس کے لئے نماز کا شروع کرنا جائز ہوگا۔

کافی میں اس نے ذکر کیا ہے کہ ہمارے بعض اصحاب کے نزدیک یہ تبسیر تحریر رکن ہے۔ امام مٹھوی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے اس
 پر حدیث ہوتی ہے۔ اس قول کی صورت میں یہ مذکورہ جزئیات درست نہ ہوں گی، واللہ تعالیٰ اعلم۔ میں کہتا ہوں کہ اس سے یہ حدیث
 اذان اور اقامت ہے، یعنی اس نے اذان اور اقامت کہی پھر اس نے نماز پڑھی۔ اس صورت میں تبسیر تحریر رکن مانا ضروری ہے۔
 اگر کسی کی کوئی دلیل نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا تو کسی کا معنی صدقہ فطر ادا کرنا ہے اور ذکر اسم ربہ سے مراد عید کے روز تسمیہ ات
 ہے اور فصلی سے مراد عید کی نماز ادا کرنا ہے۔ عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی کہا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے
 رسول اللہ تعالیٰ اس آدمی پر رحم فرمائے جس نے صدقہ فطر ادا کیا پھر نماز پڑھی۔ پھر بطور دلیل اس آیت کریمہ کی تلاوت کی۔ حضرت زید
 بن اللہ عنہ نے کہا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا معمول مبارک یہ تھا جب عید کا روز ہوتا تو آپ فرماتے انا فیہ یا تم نے
 صدقہ فطر ادا کر دیا ہے؟ اگر وہ ہاں میں جواب دیتا کہ میں نے صدقہ فطر ادا کر دیا ہے تو آپ عید گاہ کی طرف تشریف لے جاتے، اگر وہ
 نہیں صدقہ فطر ادا نہیں کیا تو آپ فرماتے ابھی اسے نکالو کیونکہ یہ آیت کریمہ اسی کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ پھر آپ خدا اہل حق
 سے اس ذکر اسم ربہ فصلی الآیۃ کی تلاوت کرتے۔ ابوالعباس ابن ہریرین رحمہما اللہ تعالیٰ کا بھی یہی قول ہے۔ بعض نے یہاں
 تاہن میں وجہ میں نہیں جانتا کیونکہ یہ سورت کی ہے۔ مکہ مکرمہ میں نہ عید تھی، نہ عید تھی اور نہ ہی صدقہ فطر (1)۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ
 نے فرمایا ہے کہ آیت کا نزول حکم سے پہلے ہو گیا ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے **قُلْ اِنَّ جِئْتُمْ بِهٰذَا الْبَیِّنٰتِ** یہ سورت ہی نے
 اس کا اثر تھا۔ کہ روز ظاہر ہوا اسی طرح مکہ مکرمہ میں یہ آیت نازل ہوئی **سَيُنزِلُ عَلَيْكُمْ ثِقَلٌ مِّنَ السَّمَاءِ**۔ حضرت عمر بن خطاب
 رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نہیں جانتا کہ وہ کونسا شکر ہے جسے شستہ دینی گئی۔ جب غزوہ بدر کا دن تھا تو حضور ﷺ زبرد پینے ہوئے تھے
 پھر اسے تھے اور کہہ رہے تھے **سَيُنزِلُ عَلَيْكُمْ ثِقَلٌ مِّنَ السَّمَاءِ**۔

میں ہنر ہوں سیہزہ النجم کے لئے آتی ہے۔ اس لئے حکم سے پہلے اس کے نزول میں کوئی ممانعت نہیں کہہ
 سکتا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے **وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّى**۔ یہ ایسا عمل ہے جس میں کسی شے کے موجود ہونے سے پہلے کسی کی حکایت کا
 تصور نہیں یا جو سنتا۔ ایک قول یہ کیا گیا یہاں صلوة سے مراد دعا ہے کیونکہ دعا کا طریقہ یہ ہے کہ اس کی ابتدا اور انتہا میں اللہ تعالیٰ
 کی تلامذہ جاتے۔ حضرت فضال رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اسی اثنا میں کہ حضور ﷺ تشریف فرما تھے کہ ایک آدمی آیا اس نے نماز
 پڑھی اور اللہ مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے نمازی تو نے جلدی کی جب تو نماز پڑھ چکا ہے تو بیٹھ جا
 اللہ تعالیٰ بس تمہارے مستحق ہے وہ اس کی حمد کر پھر مجھ پر درود پڑھو پھر دعا کر پھر ایک اور آدمی نے نماز پڑھی اس نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی۔
 حضور ﷺ پر درود پڑھا تو حضور ﷺ نے فرمایا اے نمازی اب دعا کر، اللہ تعالیٰ تیری دعا قبول فرمائے گا۔ اسے امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے

اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (1)۔ ابوداؤد اور نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی اسی کی مثل حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا میں نے نماز پڑھی جبکہ حضور ﷺ کے پاس حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے۔ جب میں بیٹھ گیا تو میں نے اللہ تعالیٰ کی ثناء کی پھر حضور ﷺ پر درود پڑھا پھر میں نے اپنے لئے دعا کی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا تو سوال کرتے عطا کیا جائے گا تو سوال کرتے عطا کیا جائے گا سے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (2)۔ شیخ اجل یعقوب چرخ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا اس آیت میں سلوک کی منازل کی طرف اشارہ ہے۔ پہلی منزل توبہ و تزکیہ ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ کا فرمان قد افلح من تزکی اشارہ کرتا ہے۔ دوسری منزل زبان، دل، روح اور سر سے دائمی ذکر کرنا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا فرمان و ذکر اسم ربہ دلالت کرتا ہے۔ تیسری منزل مشاہدہ کی ہے جس پر فصیحی دلالت کرتا ہے کیونکہ نماز مومنوں کی معراج ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ اسے امام احمد، امام نسائی، حاکم اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔

میں کہتا ہوں ذکر کا تزکی پر واؤ سے عطف اور نماز کا اس پر فاء کے ساتھ عطف اسی بات کی طرف اشارہ کرتا ہے جو حضرت مجدد رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے طریقہ کے اذکار کی ترتیب میں بیان کیا ہے۔ آپ نے مبتدی کے لئے اسم ذات کا ذکر معین کیا، تزکیہ نفس میں نفی اور اثبات کو معین کیا اور فرمایا کہ نماز نفس کے تزکیہ کے بعد ہی مکمل فائدہ دیتی ہے اور فرمایا تجلیات ذاتیہ اور ان میں ترقی نماز سے ہی ممکن ہے، واللہ اعلم۔

بَلْ تُؤْتِرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ۝ وَالْآخِرَةَ خَيْرًا ۝ إِنَّ هَذَا لَفِي الصُّحُفِ
الْأُولَى ۝ صُحُفِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى ۝

”البتہ تم لوگ دنیوی زندگی کو ترجیح دیتے ہو۔ حالانکہ آخرت کہیں بہتر ہے اس سے اور باقی رہنے والی ہے۔ یقیناً یہ

(سب کچھ) اگلے صحیفوں میں لکھا ہوا ہے۔ (یعنی) ابراہیم اور موسیٰ (علیہما السلام) کے صحیفوں میں ہے۔“

۱۔ ابو عمر ورحمۃ اللہ علیہ نے توفیرون کو بقاء کے ساتھ غائب کا صیغہ پڑھا ہے۔ اس صورت میں ضمیر اشقیاء کی طرف لوٹے گی جبکہ باقی قراء نے اسے تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ انہیں التفات کے طریقہ پر خطاب ہے یا اس سے پہلے قل کا لفظ محذوف ہے، یعنی وہ بد بخت اپنا تزکیہ نہیں کرتے اور تم اشقیاء بھی اپنا تزکیہ نہیں کرتے اور اپنے رب کا ذکر نہیں کرتے اور تم نماز پڑھتے ہو بلکہ تم دنیاوی زندگی کو ترجیح دیتے ہو۔

۲۔ آخرت کی نعمتیں ہی حقیقت میں نعمتیں ہیں جو ہر خرابی سے پاک ہیں اور سب سے بڑی نعمت اللہ تعالیٰ کا دیدار، وصال اور اللہ تعالیٰ کی رضا ہے اور وہ ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔ دنیاوی نعمتوں کا معاملہ مختلف ہے۔ یہ جملہ توفیرون کے فاعل سے حال ہے۔

۳۔ ہذا کا مشار الیہ قد افلح سے لے کر آخر تک کی آیات ہیں۔ صحف اولی سے مراد سابقہ سماوی کتابیں ہیں جو انبیاء پر نازل ہوئیں کیونکہ قرآن تمام دینی امور کو جامع ہے اور تمام کتابوں کا خلاصہ ہے۔

۴۔ یہ الصحف سے بدل بعض ہے جس طرح عام کے بعد خاص کا ذکر کیا جاتا ہے۔ حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے آیات کے اواخر میں امالہ کیا ہے جبکہ ورش نے بین بین پڑھا ہے۔ ابو عمر ورحمۃ اللہ علیہ نے ذکری اور یسوی میں امالہ کیا ہے جبکہ باقی میں بین بین

پڑھاتے جبکہ باقی قراء نے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔

بنا رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے جب یہ آیت نازل ہوئی ان هذا لیسى التصحیح الاوسی
تو بنی ہاشم نے فرمایا یہ سب کچھ حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے صحیفوں میں تھا (1)۔ آیت قول یہ یہ یہ ہدایت
اشارہ سورت میں بیان کر دو تمام احکام کے متعلق ہے۔ بعض احناف نے اس آیت سے یہ استدلال لیا ہے کہ نماز میں فارسی زبان میں
قرأت پڑھا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ جتنا آسان ہو قرآن سے اتنا ہی پڑھو پھر فرمایا یہ سب کچھ صحیف اولیٰ میں
موجود تھا اور فرمایا اِنَّهُ لَفِي زُجُورِ الْاُولٰٓئِنَ جبکہ پہلے صحیفوں میں یہ نظم کلام موجود تھا بلکہ اس کا معنی تھا۔ میں کہتا ہوں یہ استدل لے کر
کیونکہ قرآن نظم و معنی کے مجموعہ کا نام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَاَنْتُمْ اَنْتُمْ اَنْتُمْ اَنْتُمْ
مشید تو اس سے مراد سورت کی نظم ہے کیونکہ یہی معجز ہے۔ اسی وجہ سے محدث اور جنس کے لئے ترجمہ قرآن کو پھونکا، پسین اور جہ نظر۔
لے فارسی میں ترجمہ پڑھنا جائز ہے۔ اس آیت میں معنی کی طرف اشارہ کرنا اور اسی طرح ضمیر کو قرآن کی طرف لوٹانا مجاز کے طور
پر۔ اس سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ قرآن صرف معنی کو کہتے ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ اس سورت سے محبت کرتے تھے۔ اسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ۔
روایت کیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضور ﷺ وتر کی پہلی دو رکعتوں میں سبح اسم ربک
الاعلیٰ، قل یا ایہا الکافرون اور آخری رکعت میں سورۃ احلاص، سورۃ فلق اور سورۃ الناس کی قرأت کرتے (2)۔
اسے ابو ابو، ترمذی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث جو ابو ابو اور ترمذی رحمہم اللہ
تعالیٰ نے ہاں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث جو ابو ابو، نسائی، امام احمد اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے مان سے (3)۔
جب آپ ﷺ تین وتر ادا کرتے تو پہلی رکعت میں سبح اسم ربک الاعلیٰ اور دوسری رکعت میں سورۃ کافرون اور تیسری
رکعت میں سورۃ احلاص کی تلاوت کرتے (3)۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ شہیدین اور جمعہ
نماز میں سبح اسم ربک الاعلیٰ اور ہاں تک حدیث الغاشیہ کی تلاوت کرتے تھے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا
نے (4)۔ ابو ابو، نسائی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے کہ حضور ﷺ نماز میں سبح اسم
ربک الاعلیٰ اور ہاں تک حدیث الغاشیہ کی قرأت کرتے۔
قندوز۔ اس سورت کا عروج میں بہت بڑا اثر ہے جس صرح سورۃ الم نشرح کا نزول میں بہت زیادہ اثر ہوتا ہے۔ حضرت محمد
رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح کہا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

2- جامع ترمذی، جلد 1، صفحہ 61 (وزارت تعلیم)

4- صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 288 (قدیمی)

1- اندر امکا در آیت ہذا

3- ایضاً، جلد 1، صفحہ 61

سورة الغاشية

﴿ ایتھا ۲۲ ﴾ ﴿ سورة الغاشية مكية ۸۸ ﴾ ﴿ رکوعها ۱ ﴾

سورة الغاشية مکی ہے، اس میں ایک رکوع اور چھبیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

”اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے“

هَلْ اَسْأَلُكَ حَدِيثَ الْغَاشِيَةِ ۝۱ وَجُودًا يَوْمَئِذٍ خَاشِعَةً ۝۲
نَاصِبَةً ۝۳ تَصَلِي نَارًا حَامِيَةً ۝۴ تُسْقَى مِنْ عَيْنٍ اِنِيَّةٍ ۝۵

”کیا پتہ ہے آپ کو چھا جانے والی آفت کی خبر! کتنے ہی چہرے اس دن ذلیل و خوار ہوں گے ۲ مشقت میں مبتلا

تھکے ماندے ۳ داخل ہوں گے دکھتی ہوئی آگ میں ۴ انہیں پلایا جائے گا کھولتے ہوئے چشمہ سے ۵“

۱۔ یہاں استفہام تقریر کے معنی میں ہے، یعنی یقیناً آپ کو غاشیہ کی خبر پتہ ہے جو اپنی سختیوں اور ہولناکیوں کے ساتھ ہر چیز پر غالب آجاتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا غاشیہ سے مراد آگ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے تَعْلَىٰ وَجُوهُهُمْ النَّارُ لیکن اس کے بعد کفار اور مومنین کا ذکر وجوہ یومئذ کے ساتھ آیا ہے جو پہلی تاویل کی صحت پر دلالت کرتا ہے۔

۲۔ وجوہ کی تین کثرت بیان کرنے کے لئے ہے یا یہ مضاف الیہ کے عوض میں ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی وجوہ كثيرة یا وجوہ الكفار اسے مبتدا بنانا صحیح ہے کیونکہ یہ نکرہ مخصوصہ ہے یا یہ معرفہ کی قوت میں ہے۔ اس سے مراد چہرے والے ہیں اس صورت میں مضاف کو حذف کر دیا گیا اور مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام رکھا گیا اور مضاف الیہ کو مضاف کا اعراب دیا گیا اور اس کی ایسی خبر ذکر کی جو مضاف کی خبر آتی ہے۔ یومئذ غاشیہ کے متعلق ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی یَوْمَ اِذَا كَانَتِ الْغَاشِيَةُ وَجُوهُ. اس روز چہرے حزن اور ذلت کی وجہ سے اترے ہوئے ہوں گے۔

۳۔ نصب کا معنی تھکانا ہے۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے کہا انہوں نے دنیا میں اللہ تعالیٰ کے لئے کام نہیں کیا اب اللہ تعالیٰ جہنم میں ان سے کام لے گا اور انہیں زنجیریں اور بیڑیاں ڈال کر مشقت میں ڈالے گا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی معنی کیا ہے۔ عوفی رحمۃ اللہ علیہ کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی روایت ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ جہنم میں یوں دھنس جائے گا جس طرح اونٹ کچھڑ میں دھنس جاتا ہے۔

کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا انہیں جہنم میں منہ کے بل چلایا جائے گا۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وہ جہنم میں لوہے کے ایک پہاڑ پر چڑھے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا اس کا معنی یہ ہے کہ جن لوگوں نے دنیا میں کام کئے اور اپنے آپ کو تھکاتے رہے مگر وہ دین حق پر نہ تھے جیسے بتوں کے پجاری اور اہل کتاب میں سے کافر جیسے راہب وغیرہ اللہ تعالیٰ ان کی گمراہی کے بارے میں ان کے اجتہاد کو قبول نہیں کرے گا بلکہ وہ قیامت کے روز جہنم میں داخل ہوں گے۔ سعید بن جبیر اور زید بن اسلم رضی اللہ عنہما کا یہی قول ہے۔ عطاء رحمۃ اللہ علیہ

نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی معنی نقل کیا ہے۔ عکرمہ اور سعدی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اس کا معنی یہ بیان کیا ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے رکھا ہے، اسے اور آخرت میں آگ میں تھکیں گے۔ (1)

ابو عمرہ اور ابو بکر رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے قناہ کے ضمن میں لکھا ہے جبکہ باقی قراء نے قناہ کے معنی میں لکھا ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے رکھا ہے، اسے اور آخرت میں آگ میں تھکیں گے۔ (2)

یہ ابن عباس نے سعدی رحمہما اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے کہ ایسی کا معنی یہ ہے اس کی گرمی جس حد پر پہنچی ہوگی اس سے بڑھ کر اس کی تصویر نہیں لیا جاسکتا (3)۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جب کسی شخص نے اللہ تعالیٰ سے اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کسی گرمی کا تصور نہ لیا جاسکتا ہو تو عرب یہ جملہ بولتے ہیں قناہ فی حرقہ۔ اس سے اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر ایسی گرمی ہے۔ ایک قول یہ بھی ذکر کیا جاتا ہے کہ ابتداء آفرینش سے اس چشمہ پر آگ جلانی گئی ہے جس وجہ سے اس کی آبی نہایت تیز چلتی ہے۔ مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ جنہی جہنم میں پیاسے پیئیں گے تو وہ اس چشمہ سے پانی پئیں گے۔ اس چشمہ سے ایک نعتیہ شعر میں زیات پہاڑوں پر گئے تو وہ پھل جاتیں۔

لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ إِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ ۗ لَا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِي مِنْ جُوعٍ ۗ وَجُوعُهُمْ
يَوْمَئِذٍ شَاعٍ ۗ لَسَعِيهَا مَاضِيَةٌ ۗ فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۗ لَا تَسْمُ فِيهَا لَاحِيَةٌ ۗ

انہیں کوئی کھانا نہ ملے گا بجز خاردار جھاڑ کے لہ جو نہ فرج کرے گا اور نہ بھوک دور کرے گا۔ کتنے ہی چور۔ (4)

مارت ہوں گے اسے اپنی کاوشوں پر خوش ہوں گے اسے عایشان جنت میں نہیں گے وہاں کوئی لغو بات نہ ہو۔

عبداللہ بن احمد نے زہشل کی سند سے ضحاک رحمۃ اللہ علیہ سے، انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ضریع کانے کے مشابہ جہنم میں ایک چیز ہوگی جو مہر سے کڑی اور سرد سے بدبودار اور آگ سے بدبودار ہوگی۔ (4)۔ سب کوئی اسے کھائے گا تو وہ پیٹ میں داخل نہیں ہوگی اور نہ ہی منہ کی طرف واپس آئے گی۔ اسی اثر میں جہنم کا پانی پینے کا نہ ہوگا۔ یہ جسم بوسیدہ کرے گی اور نہ بھوک مٹائے گی۔

ابن عباس رحمۃ اللہ علیہ نے سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ضریع سے مراد زقوم ہے (5)۔ امام مقدسی اور بیہقی نے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو برداء رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جہنمیوں پر ایسی بھوک مسلط ہو جائے گی جو اسے کھانے سے بڑھ کر ہوگی جس میں وہ مبتلا ہوں گے (6)۔ اس کا ذکر پہلے ہی ہو چکا ہے۔ مجاہد، عکرمہ اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے جہا ضریع ایک کانے دار ہوتی ہے۔ قریش اسے شہرق کہتے ہیں جب اس کی کڑی خشک ہو جاتی تو اسے ضریع کہتے ہیں۔ یہ سب سے خصیبت حدانہ (7)۔ کبھی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جب یہ خشک ہو جاتی تو کوئی جانور اس کے قریب نہیں جاتا۔ ابن ابی زید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

3۔ الدر المنثور 2/ آیت ہذا

2۔ ایضاً

1۔ تفسیر بغوی 2/ آیت ہذا

5۔ الدر المنثور 2/ آیت ہذا

4۔ تفسیر بغوی 2/ آیت ہذا

7۔ تفسیر بغوی 2/ آیت ہذا

3۔ بحوالہ تفسیر مع عارضۃ الاموی، جلد 10، صفحہ 39 (العمریہ)

میں خشک کانٹے کو ضریع کہتے ہیں جس کے پتے نہیں ہوتے آخرت میں آگ کے کانٹے کو ضریع کہیں گے (1)۔ مفسرین نے کہا جب یہ آیت نازل ہوئی تو مشرکوں نے کہا ہمارے اونٹ کو ضریع کھا کر موٹے ہو جاتے ہیں۔ یہ بھی ایسی ہی ہوگی کیونکہ جب تک یہ تر ہو تو اونٹ اسے کھاتے ہیں۔ خصوصاً جب تک وہ شبرق رہے۔ جب وہ خشک ہو جائے تو پھر اسے کوئی چیز نہیں کھاتی تو اللہ تعالیٰ نے مابعد آیت کو نازل فرمایا۔

یہ ضریع کی صفت ہے۔ کھانے کے یہی دو مقصد ہوتے ہیں کہ جسم کو تقویت پہنچائے اور بھوک منائے۔ یہاں اس سے یہی مراد ہے کہ ان کے لئے ضریع اور اس جیسی چیز کے سوا کوئی کھانا نہیں ہوگا۔ یہ نہ موٹا کرے گا اور نہ ہی ان کی بھوک منائے گا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ ۖ لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَىٰ كٰفِرِيْنَ نہ کاہن ہیں نہ شاعر اور نہ ہی کسی ایسے وصف کے حامل جو رسالت کے منافی ہو۔ یہاں اس سے مراد بعض کافر ہیں جن کی ضریع غذا ہوگی۔ ضریع اور قوم دونوں غذائیں دوسرے کنارے کے لئے ہوں گی۔

۳۔ وجوہ کی یا تو کثیرہ صفت محذوف ہے یا اس کا مضاف الیہ مومنین محذوف ہے وجوہ مبتدأ ہے اور مابعد اس کی خبر ہے یعنی اس روز بے شمار چہرے ایسے بھی ہوں گے جو خوش و خرم اور بارونق ہوں گے۔

۴۔ جب آخرت میں اپنے اعمال کا بدلہ دیکھیں گے تو دنیا کی اپنی سعی پر راضی ہوں گے۔ لسعینا یہ راضیہ کے ساتھ متعلق ہے۔ جنت کی عالیہ صفت اس وجہ سے ہے کہ جنت بلند جگہ پر واقع ہے اور اس کی شان بھی بڑی بلند ہے۔

۵۔ ابن کثیر اور ابو عمر و رحمہما اللہ تعالیٰ نے واحد مذکر مجہول کا صیغہ پڑھا ہے اور لاغیۃ کو مرفوع پڑھا ہے کیونکہ اس صورت میں یہ نائب فاعل ہوگا اور یہ مونث غیر حقیقی ہے۔ نافع رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لاغیۃ کو مرفوع ہی پڑھا ہے مگر صیغہ واحد مونث کا پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے تاء کے ساتھ واحد مونث غائب معروف کا صیغہ پڑھا ہے اور ظہیر و ابوہریرہ کی طرف لوٹنے کی یا واحد مذکر مخاطب کا صیغہ پڑھا ہے اور خطاب حضور ﷺ کو ہے یا مخاطب معین نہیں اور لاغیۃ مفعول بہ ہونے کی حیثیت سے منسوب ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ آپ لغویاً باطل (ا) نہ سنیں گے یا لغو کلمہ (ب) نہ سنیں گے یا ایسے شخص (ج) کو نہیں سنیں گے جو غیبات کر رہا ہو کیونکہ جنتیوں کا کام سراپا ذکر اور حکمت ہے۔ بیہی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کے بارے میں کہا لا تسمع جنتہ کی دوسری صفت ہے۔

فِيهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ۖ فِيهَا سُرٌّ مَّرْقُوعَةٌ ۖ ۝۱۰ ۚ وَأَكْوَابٌ مَّوْضُوعَةٌ ۖ وَلَا نَجَاسَةٌ فِيهَا ۖ وَمِنْهَا عَذْوٌ مُّصْفًوَةٌ ۖ ۝۱۱ ۚ وَرِسَالٌ مَّبْتُوثَةٌ ۖ ۝۱۲

”اس میں چشمہ جاری ہوگا ۱۰۔ اس میں اونچے اونچے اوچے تخت (بچھے) ہوں گے ۱۱۔ اور ساغر (قرینے سے) رکھے ہوں گے

۱۲۔ اور گائیکے قطار در قطار لگے ہوں گے ۱۳۔ اور قیمتی قالین بچھے ہوں گے ۱۴۔“

۱۰۔ اس کا بہنا ختم نہ ہوگا اس کو نکرہ تعظیم کے لئے ذکر کیا۔ ابن حبان، حاکم، بیہقی اور طبرانی رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت کی نہریں مسک کے پہاڑ سے نکلتی ہیں۔

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

(ا) اس صورت میں لاغیۃ مصدر ہے۔ (ب) اس صورت میں یہ اسم فاعل کا صیغہ ہے اور کلمہ کی صفت ہے۔

(ج) اس صورت میں بھی لاغیۃ اسم فاعل کا صیغہ ہے اور نفس کی صفت ہے، مترجم۔

اس میں اوپن چار پائیاں ہیں یا اعلیٰ قسم کی چار پائیاں ہیں۔ تینٹی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی طوحت اللہ علیہ کے اور ان سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے امام احمد، امام ترمذی اور ابن جریر رحمہم اللہ تعالیٰ نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ اس حدیث کے لغوی معنی ہر شے ہر طرح کی تفسیر میں کہا کہ دونوں فرشتوں کے درمیان میں فی صلہ ہوگا ہندو زمین اور آسمان کے درمیان مسافت سے اور وہ پانچ سال کی مسافت ہے (1)۔ امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا بعض علماء نے کہا کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ ارجحیت میں یہ آسمان کے مختلف ہونے کے جس طرح زمین اور آسمان کے درمیان فرق ہے۔ ابن ابی الدیاء رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ ہر شے ہر طرح کی تفسیر میں یہ قول نقل کیا ہے کہ اگر اوپر والا ہوتے نیچے والے ہوتے تو اس سے پہلے پانچ سال لگیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے انہیں سے فرمایا کہ روایت نقل کی ہے کہ اگر اوپر والا ہوتے نیچے پھینکا جائے تو نیچے پھینکتے پھینکتے سارا کھسکتا ہے۔ امام بغوی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ان پانچوں کے تختے سونے کے ہوں گے جن کے اندر ان کے ہر ہر عضو اور یا قوت سے آراستہ ہوں گے۔ جب تک جنتی نہیں آئے گا وہ بلند رہیں گے۔ جب جنتی ان پر پھینکا جائے گا تو وہ پلنگ پست ہو جائیں گے۔ جب جنتی اس پر بیٹھ جائے گا تو وہ اپنی جلد کی طرف بلند ہو جائیں گے۔ یہ کتب و کتابت ہے۔ ہمارے مجاہد رحمہم اللہ تعالیٰ کے نقل یہ ہے کہ گویا ایسے پناہ کے تختے ہیں جس کی سمت نہ ہو ایسے پناہ کے تختوں کے کنارے پر پڑے ہوں گے جو پینے کے لیے تیار ہوں گے۔ یہ حضور خدا کی آیت ہے۔ نیچے ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ یہ کتب ہوں گے۔ جہاں بھی وہ بیٹھتے ہیں اور اگر کسی کا ہاتھ پڑ جائے گا وہ پست ہو جائے گا۔

یہ حدیث صحیح ہے۔ یہ ذرا بیگانہ ہے۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے تو دو رحمتہم اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے۔ رحمتہم اللہ تعالیٰ نے سنت میں نعمتوں کا ذکر کیا تو کفر اور لوگ اس سے متوجہ ہوئے اور اسے جھٹلایا۔

أَفَلَا يَنْظُرُونَ إِلَىٰ الْإِبْرِيلِ كَيْفَ خُلِقَ ۖ وَإِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ۖ وَإِلَىٰ
الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ۖ وَإِلَى الْأَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ۖ

یہ یہ لوگ (غور سے) اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ اسے کیسے (عجیب طرح) پیدا کیا گیا ہے اور آسمان کی طرف نہیں دیکھتے کہ اسے کیسے بلند کیا گیا ہے اور پہاڑوں کی طرف نہیں دیکھتے کیسے نصب کیا گیا ہے اور زمین کی طرف نہیں دیکھتے کیسے پھیلا گیا ہے۔

یہ سب مدارک کے نقل کیا ہے جب اللہ تعالیٰ نے یہ نازل کیا۔ فیہا سرور ہر طرح اور حضور ﷺ نے اس کی تفسیر یہ بات کہ یہ پلنگ اتنے اونچے ہوں گے اور رکھے گئے ہیں کہ مخلوق کے حساب میں نہیں آئیں گے جیسے اتنے لمبے ہوں گے اور قابضوں کی چوٹی ان کی سرسبز کھالوں کا ان کا ان کا اور کہا جنتی ان پانچوں پر ایسے چڑھے گا، اتنے زیادہ جاہلیہ ہو سکتے ہیں بلکہ ان کی یہ مہالیں ایسے تصور ہو سکتے ہیں کہ وہ سب سے بڑھ کر ہو سکتے ہیں جبکہ ان میں اللہ کی کوئی چیز نہیں دیکھی جی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ ہر شے کی قدرت ان چیزوں میں

نہیں دیکھتے۔ اس میں استفہام توبیح کے لئے ہے۔ فاء عاطفہ ہے اور معطوف علیہ محذوف ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی اَتَعَجِبُونَ وَيَغْفَلُونَ فَلَا يَنْظُرُونَ۔ یعنی وہ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ اسے کتنا طویل پیدا کیا گیا۔ جب اس پر سواری کا ارادہ کیا جائے تو یہ بیٹھ جاتا ہے۔ پھر وہ اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ پتنگ ہوں گے۔ وہ مومنوں کے لئے اسی طرح مسخر ہوں گے جیسے اونٹ انسان کے لئے مسخر کر دیا گیا ہے۔

۲۔ کیا وہ آسمان کو نہیں دیکھتے اسے کتنا بلند بنایا گیا اور اس کے ستاروں کو نہیں دیکھتے کہ وہ کتنے زیادہ ہیں، مخلوق کے حساب و کتاب میں نہیں آسکتے۔ اسی طرح جنت کے پیالوں کی تعداد ہوگی۔

۳۔ پہاڑ کتنے مضبوط ہیں جو اتنے طویل ہونے کے باوجود وہ ایک طرف جھکتے نہیں۔ اسی طرح ان گھروں کی حالت ہوگی۔

۴۔ جس طرح زمین پھیلا دی گئی ہے۔ اسی طرح قالین بچھے ہوں گے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ مرکب اور بسیط مخلوق کو نہیں دیکھتے جو خالق کی کمال قدرت پر دال ہیں تو اس کے ذریعے دوبارہ اٹھانے کی قدرت پر وہ استدلال کر سکیں اور اس منجر صادق کی باتوں کو سنیں جس کی صداقت پر معجزات کی گواہی ہے اور اس پر ایمان لائیں اور اپنے مقصد و مدعا کے لئے تیاری کریں۔

یہاں مرکبات میں سے اونٹ اور بسائط میں سے تین چیزیں ذکر کیں کیونکہ یہ خطاب عربوں کو تھا۔ مقصود یہ تھا کہ جس چیز کا وہ اکثر مشاہدہ کرتے ہیں اس سے استدلال کیا جائے۔ عرب کیونکہ صحراؤں میں رہتے تھے، وہ آسمان کو دیکھتے یا زمین کو، پہاڑوں کو دیکھتے یا اونٹوں کو جبکہ اونٹ ان کے نزدیک قیمتی مال تھا اور تمام حیوانات سے زیادہ اسی کا وہ استعمال کرتے تھے اور حیوان سے نسل، دودھ، بار برداری، سواری اور گوشت کا جو مقصود ہوتا ہے وہ سب اس میں جمع ہیں جبکہ کوئی اور جانور ان تمام چیزوں کو جامع نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا وہ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ اسے کیسے تخلیق کیا گیا کہ اس کی تخلیق اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت اور حسن تدبیر پر دلالت کرتی ہے کہ اتنا عظیم الجثہ ہونے کے باوجود وہ بوجھ لادنے کے لئے بیٹھ جاتا ہے، سامان کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوتا ہے، جو بھی اس کی ٹکیل پکڑے اس کے پیچھے پیچھے چلتا ہے اس کی گردن لمبی ہے تاکہ درختوں سے پتے کھالے اور ہر زمین کی جڑی بوٹی میں چرے، وہ دس یا اس سے زائد دن بھی پیاس برداشت کر لیتا ہے تاکہ اس کے لئے جنگل و بیابان کو طے کرنا ممکن ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ابل سے مراد بادل ہے۔ قاموس میں ہے ابل جس کے پہلے دو حرف کسور یا باء ساکن ہوتی ہے اس کو بادل کہتے ہیں جو بارش کا پانی اٹھائے ہوئے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ان آیات کا معنی یہ ہے کہ کیا میرے علاوہ بھی کوئی ایسا ہے جو اونٹ جیسی چیز پیدا کرے آسمان جیسی بلند چیز بنائے پہاڑوں کو گاڑھے اور زمین کو ہموار بنا دے (۱)۔

فَذَكِّرْ ۙ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ ۚ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيِّرٍ ۖ إِلَّا مَن تَوَلَّىٰ وَكُفِّرَ ۙ

فَيُعَذِّبُهُ اللَّهُ الْعَذَابَ الْأَكْبَرَ ۗ إِنَّ إِلَيْنَا إِيَابَهُمْ ۖ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ۗ

”پس آپ انہیں سمجھاتے رہا کریں آپ کا کام تو سمجھانا ہی ہے۔ آپ ان کو جبر سے منوانے والے تو نہیں ہیں مگر

جس نے روگردانی کی اور کفر کیا تو اللہ اس کو سخت عذاب دے گا۔ بے شک انہیں (آخر) ہمارے پاس ہی لوٹ کر آنا

ہے۔ پھر یقیناً ہمارے ہی ذمہ ان کا حساب لینا ہے۔“

۱۔ انہیں دلائل یاد کراتے رہیں تاکہ وہ ان میں سوچ و پکار کرتے رہیں۔ انما انت مذکر یہ ذکر فعل کی علت بیان کر رہا ہے، یعنی

یہ بڑی قدر نہیں ہوگی اگر وہ غور و فکر نہیں کرتے یا نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ آپ کے ذمہ تو صرف بیجا مرتع پہنچانا ہے۔ یہ بعد سالیقہ جمد کے مضمون کی تاکید ہے۔ ہشام رحمۃ اللہ علیہ نے اسے سین کے ساتھ مسیطر پڑھا ہے جبکہ ترمذی نے اسے کتب سے پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے خالص صاف پڑھا ہے، یعنی آپ ان پر مسلط نہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: **لَا تَصْلِحُ إِلَّا لِلرَّسُولِ**۔

اسے کفر جو ایمان سے روگردانی کرے اور اللہ تعالیٰ سے کفر کرے۔ یہ استثنا منقطع ہے اور لکن کے معنی میں ہے۔ جو اس نے حذف سے کفر جو روگردانی اور کفر کرے اللہ تعالیٰ اس پر مسطر اور غائب ہے۔

اسے عذاب کفر سے مراد آخرت کا عذاب ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ استثنا متصل ہے۔ معنی یہ ہے کہ اسے یہ نہیں جہاد میں جہاد میں کئی استیصال میں جہاد کے عذاب کی دھمکی دی گئی۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ ضمیر منصوب سے مستثنیٰ ہے جو حذف ہے۔ تقدیر ظاہر ہے کہ یہ کفر ہے کہ ہم الامن تولیٰ منہم و کفر یعنی آپ انہیں نصیحت کرتے رہیں مگر ان میں سے جو روگردانی کرے اور کفر کرے اور اسے یہ نالہ نہ امید منقطع ہو جائے۔

یہ ان کا بولنا ہماری طرف ہے۔ ظرف کو مقدمہ اس لئے ذکر کیا تاکہ شدید وعید پر دلالت کرے، یعنی ان کا بولنا ہمارا، تمہاری جانب سے برا تھا۔ یہ پورا ہے۔

اسے ہم ان کا محاسبہ کریں گے اور کفر میں جتنا وہ تصور کرتے تھے اتنی حساب سے انہیں بدلہ دیں گے۔ علی کا لفظ اصل میں وجوب سے منع کیا گیا ہے۔ یہاں اسے وعید کی تاکید کے لئے بطور مجاز ذکر کیا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ پر کوئی بھی چیز بندوں کی طرف سے سب نہیں کیونکہ اس پر وجوب اس کی الوہیت کے منافی ہے، اللہ تعالیٰ علیہ السلام

سورۃ فجر

﴿آیتھا ۲۰﴾ ﴿سورۃ العنبر مکیۃ ۸۹﴾ ﴿مکوعھا ۱﴾

سورۃ فجر مکی ہے، اس میں ایک رکوع اور تیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

”اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے“

وَالْفَجْرِ ﴿۱﴾ وَلَیْلٍ عَشْرِ ﴿۲﴾ وَالشُّعْرِ وَالْوَتْرِ ﴿۳﴾ وَاللَّیْلِ اِذَا یَسُرُّ ﴿۴﴾ هَلْ فِیْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِیْ حِجْرِ ﴿۵﴾

”قسم اس صبح کی ہے اور ان (مقدس) دس راتوں کی ہے اور قسم ہے جفت اور طاق (راتوں) کی ہے اور رات کی جب

گزرنے لگے ہے یقیناً اس میں قسم ہے عقل صدم کے لئے ہے“

۱۔ اللہ تعالیٰ نے صبح کے طلوع ہونے کی قسم اٹھائی ہے۔ ابوصالح رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی نقل کیا ہے۔ یہی نکرہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ عطیہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا فجر سے صبح کی نماز مراد ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے محرم کی پہلی صبح مراد ہے جس سے سال کا آغاز ہوتا ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے ذی الحجۃ کا پہلا دن مراد ہے کیونکہ دس راتوں کو اس کے ساتھ ملایا گیا ہے۔ (1)

۲۔ لیل کو تعظیم کے لئے نکرہ ذکر کیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ ذی الحجۃ کے دس دن مراد ہیں۔ یہی قتادہ، مجاہد، سدی اور کلبی رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے (2)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے جن دنوں میں عبادت کی جاتی ہے ان میں سے اللہ تعالیٰ کو سب سے محبوب ذی الحجۃ کے دس دن ہیں۔ ان دنوں میں ہر دن کا روزہ سال کے برابر ہوتا ہے اور ان میں سے ہر ایک رات کا قیام لیلۃ القدر کے قیام کے برابر ہوتا ہے (3)۔ اسے امام ترمذی اور ابن ماجہ رحمہما اللہ نے سند ضعیف کے ساتھ روایت کیا۔ ابو وروق نے ضحاک سے روایت کیا ہے کہ یہ ماہ رمضان کی پہلی دس راتیں ہیں۔

ابوظبیاں رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے یہ رمضان شریف کا آخری عشرہ ہے (4)۔ ہم نے رمضان شریف کے فضائل سورۃ بقرہ میں ذکر کئے ہیں۔ اسی آخری عشرہ میں لیلۃ القدر بھی ہے۔ ہم اس کا ذکر لیلۃ القدر میں کریں گے، ان شاء اللہ۔ ایمان بن رباب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ محرم کا پہلا عشرہ ہے جس کا دسواں روز عاشورہ ہوتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا رمضان شریف کے بعد افضل روزے ماہ محرم کے روزے ہیں اور فرض نمازوں کے بعد افضل نماز رات کی نماز (تہجد) ہے۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ (5)

3۔ سنن ابن ماجہ، جلد 2، صفحہ 354 (العلمیہ)

2۔ ایضاً

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

5۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 368 (قدیمی)

4۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

سے نماز اور سنانی رحیم اللہ تعالیٰ نے وتر کے لفظ کو واؤ کے سر کے ساتھ پڑھنا ہے جبکہ باقی قرآن سے فتح کے ساتھ پڑھنا ہے۔
یہ قول یہاں کیا کہ شفیع سے مراد مخلوق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے **عَلَّمَكُمُ الْاَجْرَ وَغَرَّتْ مَا خَلَقَتْ** تو پھر ہے۔
حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے یہی مروی ہے۔ عینیہ اور عوفی رحیم اللہ تعالیٰ کا بھی یہی قول ہے۔ عجب اور اس وقت رحیم اللہ تعالیٰ
جس اتنی صحت کا قول کیا ہے اور کہا مخلوق تمام کی تمام جوڑا جوڑا ہے، یعنی ان میں سے بعض بعض کے مقابل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا وہاں
سے نہ سمسنے ہر چیز کو جوڑا جوڑا پیدا کیا ہے۔ ایمان کے مقابل کفر، ہدایت کے مقابل گمراہی، سعادت کے مقابل بدبختی، آسمان کے
مقابل زمین، آسمان کے مقابل زمین، خشکی کے مقابل بلبلہ میں سمندر، سورج کے مقابل چاند، انسانوں کے مقابل جنات کے مقابل
ملائکے، جہنم و غیر (طاق) صرف اللہ ہے جو ایسا ہی یکتا ہے۔ (1)

اب: رتمۃ اللہ علیہ سے شفیع اور قصور کے بارے میں پوچھا گیا۔ فرمایا شفیع سے مراد مخلوق کے متضاد اور ساق ہیں۔ آیت ۱۰
۱۰ آیت ۱۰ بجز قدرت، قوت و ضعف، علم و جہالت، پیدائش اور اندھ پن، سننا اور بہرہ پن، لکھنا اور خاموشی، غن و فقر۔ یہی وتر سے
مراد اللہ تعالیٰ کی صفات کا منظر ہونا ہے کہ زندگی تو ہے موت نہیں (2)۔ موت تو ہے لذت کا تصور نہیں، قدرت تو ہے بخل نہیں۔ قدرت تو ہے
سعادت میں علم تو ہے علم جہالت نہیں، کلام تو ہے علم سکوت نہیں، غن تو ہے فقر نہیں حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ اور ابن ابی اسحاق
رضی اللہ عنہما نے کہا کہ شفیع اور وتر دونوں سے مراد تمام مخلوق ہی ہے کیونکہ مخلوقات میں سے کچھ جوڑا جوڑا ہیں اور کچھ خالق ہیں۔
جس اللہ علیہ نے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک قول یہ مروی ہے۔ اس سے
عبارت ۱۱ آیت ان میں سے کچھ عدد جنت اور کچھ طاق ہیں۔ آپ تو یہ بھی ہے اس سے نماز مراد ہے ان میں جنت بھی ہیں اور طاق بھی ہیں۔
اس کے آیتان حسین رحیم اللہ تعالیٰ سے مرفوع روایت نقل کی ہے۔ اس کے امام احمد اور ترمذی رحیم اللہ تعالیٰ نے عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ
سے نقل کیا ہے کہ شفیع سے مراد وہ لوگ ہیں جو مٹی سے پھلے دن لوٹ آئے اور وتر سے مراد وہ ہے جو آگے دن سے پہلے اللہ
تعالیٰ کا فرمان ہے **فَمَنْ تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا اِنَّهُمَا صَالِحٌ**۔ رتمۃ اللہ علیہ نے کہا شفیع کے مراد ان اور راتیں ہیں اور وتر سے مراد وہ
تیاست ہے جس کی رات نہ ہوگی۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے شفیع کے مراد جنت کے آٹھ درجے ہیں اور
وتر سے مراد جہنم کے درجے ہیں کیونکہ ان کی تعداد اسی سات ہے۔ گویا اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جنت اور جہنم کی قسم افغانی۔ (3)

۱۱۔ بصری کا معنی ہے جب وہ چلے اور گزر جائے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے **وَالَّذِينَ اٰذُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ**۔ قنادہ رتمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کے معنی
سے سب دو آئے (4)۔ یہاں رات کو بصری کے ساتھ مقید کیا ہے کیونکہ اس کے پہلنے میں اللہ تعالیٰ کی مبالغہ قدرت اور عظمت کی زیادتی ہے۔
اور اس سے مراد بصری فیہ ہے۔ جس طرح یہ قول ہے **صَلَّى الْمَقَامِ** اس کا معنی یہ ہوتا ہے۔ وہ وقت مراد جس میں نماز پڑھی
گئی یہاں رات سے مراد تمام رات ہے۔ مجاہد اور عکرمہ رحیم اللہ تعالیٰ نے کہا اس سے مراد اللہ کی رات مراد ہے (5)۔ آیت ۱۱ رتمۃ اللہ علیہ
نے سے وقف اور وصل میں بصری پڑھنا ہے کیونکہ یہ فعل کا لام مکمہ ہے جو حالت رفع میں حذف نہیں ہو سکتا۔ نافع اور ابو عبد اللہ رحیم اللہ تعالیٰ
نے بصری کی صورت میں یہاں کے ساتھ پڑھنا ہے اور وقف کی صورت میں حذف کے ساتھ پڑھنا ہے جبکہ باقی قرآن سے دونوں صورتوں میں
حذف کے ساتھ پڑھنا ہے تاکہ آیات کے سرے موافق ہو جائیں۔ انھیں رتمۃ اللہ علیہ سے طرف علت کے حذف ہانے کے بارے میں

پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا رات نہیں چلتی بلکہ اس میں چلا جاتا ہے۔ جب نسبت میں یہ تبدیلی کی گئی تو اعراب میں اسے اس کی صفت پر رکھا گیا۔ جس طرح عرب کہتے ہیں **وَمَا كَانَتْ اُمَّلًا بَغِيًّا**۔ یہاں اسے بغیۃ نہیں فرمایا کیونکہ اسے باغیۃ سے پھیر کر بنایا گیا ہے۔

یہ اسم اشارہ سے مراد وہ تمام چیزیں ہیں جو ذکر ہو چکی ہیں۔ قسم کو تعظیم کی وجہ سے نکرہ ذکر کیا گیا۔ اس میں استفہام تقریری ہے۔ جملہ استفہامیہ کو درمیان میں اس لئے ذکر کیا تاکہ جن چیزوں کی قسم اٹھائی جا رہی ہے ان کی عظمت شان کا ذکر ہو کیونکہ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کے عجائب میں سے ہیں اور حکمت کی بدیع چیزوں میں سے ہیں۔ عقل کو حجر کا نام دیا کیونکہ عقل انسان کو قبیح چیزوں سے روکتا ہے۔

جواب قسم **اِنَّ رَبَّنَا لَبَالِغُ صَادِقٍ** ہے درمیان میں جملہ معترضہ ہے جو جواب کی تاکید کے لئے آیا ہے یا جواب محذوف ہے جو یہ ہو سکتا ہے **لَا هَلْكَنَّ هَؤُلَاءِ الْكُفَّارَ اِنْ لَمْ يُؤْمِنُوْا** یعنی میں ان کفار کو ضرور ہلاک کر دوں گا اگر یہ ایمان نہ لائے۔ جس طرح ہم نے عاد اور ثمود کو ہلاک کر دیا اور مابعد کلام اسی پر دلالت کرتی ہے۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ﴿۱﴾ اِِمَامَ ذَاتِ الْعِمَادِ ﴿۲﴾ الَّتِي لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي
الْبِلَادِ ﴿۳﴾ وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ﴿۴﴾

”کیا آپ نے ملاحظہ نہ کیا کہ آپ کے رب نے کیا کیا عاد کے ساتھ جو اونچے ستونوں والے تھے ۱۔ نہیں پیدا کیا گیا جن کا مثل (دنیا کے) ملکوں میں ۲۔ اور ثمود کے ساتھ (کیا کیا) جنہوں نے کاٹا تھا چٹانوں کو وادی میں ۳۔“

۱۔ نفی کے انکار کے لئے حرف استفہام آیا ہے۔ پس یہ اثبات کی وضاحت اور تعجب کے اظہار کے لئے ہے۔ یہاں ر و ویت کا لفظ یقین کے معنی میں ہے۔ بعد والا جملہ استفہامیہ مفعول بہ کی حیثیت سے محل نصب میں ہے۔ قوم عاد کے افراد طویل عمریں رکھتے اور ان کفار سے زیادہ قوی تھے، یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کر دیا اور ایسی ہو ان پر مسلط کر دی جس نے انہیں نیست و نابود کر دیا تو ان کی حالت کیا حیثیت رکھتی ہے۔

۲۔ ارم یہ عاد کا بدل ہے یا اس سے عطف بیان ہے۔ عظمت، عجم اور تانیث کی وجہ سے عطف بیان ہے۔ یہ عاد کے ایک قبیلہ کا نام تھا۔ حکومت انہیں میں ہوتی تھی۔ ارم قبیلہ کے جد اعلیٰ کا نام تھا اور اس کا نسب یوں ذکر کیا گیا ہے ارم بن عاد بن مسام بن نوح علیہ السلام۔

محمد بن اسحاق نے کہا ہے ارم عاد کا داد تھا۔ اس صورت میں عاد قوم ارم کی ایک شاخ ہوگی۔ کسی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ارم وہی ہے جس پر عاد، ثمود، اہل سواد اور اہل جزیرہ کا نسب اکٹھا ہوتا ہے۔ یوں کہا جاتا ہے عاد ارم اور ثمود ارم۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے عاد کو ہلاک کیا پھر ثمود کو ہلاک کیا۔ اہل سواد اور اہل جزیرہ باقی رہے۔ ان اقوال کی روشنی میں ارم ایک امت کا نام ہے جو بڑی تعداد اور طویل قدوں کے مالک تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہی کہا ہے، یعنی ان کے قد بھی عماد جیسے طویل تھے (۱)۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ان کے قد بارہ ہاتھ تھے۔ ہاتھ سے مراد حضور ﷺ کا ذراع مراد ہے (۲)۔ ایک قول یہ کیا گیا ان کے قد اس سے بھی زیادہ طویل تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس امت کا یہ نام اس لئے رکھا گیا کیونکہ وہ پختہ مکانوں اور خیموں والے تھے اور ان کے جانور تھے جنہیں وہ موسم بہار میں ایک جگہ سے دوسری جگہ چرنے کے لئے لے جاتے تھے۔ جب لوٹنا مناسب سمجھتے تو اپنے گھروں کو لوٹ آتے۔ ان کے باغات، کھیتیاں اور گھر وادی قریٰ میں تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ انہیں ذات عماد کا نام اس لئے دیا گیا کہ وہ مکانوں

کے ستون بناتے جس کے ساتھ انہیں مضبوط کرتے اور انہیں اونچا کرتے۔ یہ بات بھی کی جاتی ہے کہ شہادت کے لیے یہ گھبراہٹ سے نہیں گھرتے تھے۔ وہ اپنی قوم کے ساتھ اس کی طرف چلا۔ جب اس مکان سے ایک دن اور رات کی مسافت پر تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس پر اور اس قوم پر ایک چیخ بھیجی جس نے ان سب کو ہلاک کر دیا۔ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ نے جہاد ذات النعمان کے لیے شہر تھا جسے دمشق کہتے۔ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے مراد اسکندریہ ہے (1)۔ پھر تقدیر کلام یہ ہوئی عابد اہل جہاد ذات النعمان یعنی بلند مقاموں اور بلند ستونوں والا ہے۔

اس آسمانی صفت کی دوسری صفت ہے، خواہ وہ شہر کا نام ہو یا قبیلہ کا نام ہو۔ کوئی امت قدر و قامت اور قوت میں اس جیسے پیدا نہیں کی گئی با اس شہر و مقام کی بلندی، ان کے استحکام اور حسن کو بیان کیا۔
 کافور کا عطف عابد پر ہے جنہوں نے چٹانوں کو کالہ۔ صخرہ کی جمع ہے۔ اس پتھر کو بتے ہیں بتے۔ کافور کے بتے تھے وادے سے وادی قرنی مراد ہے۔ بڑی رحمۃ اللہ علیہ نے وقف اور وصل دونوں صورتوں میں وادی قرنی یا ۲۰ باقی رکھا ہے۔ قنبر رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اسی صرح مروی ہے۔ ویش اور قنبر رحمۃ اللہ تعالیٰ نے وصل کی صورت میں یا کو باقی رکھا ہے۔ جہاد ذات النعمان کی بات نہ سبوں کی موافقت کرتے ہوئے یا کو حذف کیا ہے۔

وَقَدِّعُونَ ذِي الْاَوْتَادِ الَّذِيْنَ طَعَوْا فِي الْبِلَادِ ۗ فَكَثُرُوْا فِيْهَا الْفَسَادُ ۗ

”اور (کیا کیا) فرعون کے ساتھ جو تختوں والا تھا۔ جنہوں نے سرکشی کی تھی (اپنے اپنے ملکوں میں پھر ان میں بے لگت فساد برپا کر دیا تھا۔“

ذی العود کا عطف ثمود پر ہے۔ حضرت ابن عباس اور محمد بن کعب قرظی رضی اللہ عنہما نے ذی الاوتاد کا معنی مضبوط مقامات والا ہے۔ آیتوں میں یہ کیا گیا۔ مضبوط اور پائیدار حکومت کو ذی الاوتاد کہتے ہیں۔ عرب کہتے ہیں ہم فی المعز ثابت الاوتاد یعنی ہم ذی اور مضبوط غلبے اور عزت والے ہیں۔ عطیہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وہ کثیر لشکروں والا ہے۔ جنود کو اوتاد کا نام اس لئے دیا گیا کہ ان کے بٹا رہے ہوتے جنہیں وہ سفر میں کیلوں کے ساتھ گاڑتے تھے۔ یہی عطیہ رحمۃ اللہ علیہ کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ مقاتل اور کسی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کہا اوتاد یہ وتد کی جمع ہے۔ اس کے پاس ایسی تختیں تھیں جن کے ساتھ وہ لوگوں کو اڑھتیں دیتا تھا۔ جب وہ کسی پر سخت ناراض ہوتا تو اس کے جسم میں چار میخیں لگوا دیتا یا اس کے ہاتھ پاؤں کو کسی ستون کے ساتھ بندھ دیتا اور اسے زمین و آسمان کے درمیان ٹکاتا ہوا چھوڑ دیتا یہاں تک کہ وہ مر جاتا۔ مجاہد اور مقاتل بن حیان رحمۃ اللہ تعالیٰ نے جہاد ذات النعمان کے لیے انسان کو اوتاد دیتا پھر اس کے ہاتھ پاؤں زمین پر پھیلا دیتا اور ان میں میخیں گاڑ دیتا۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ نے جہاد ذات النعمان کے لیے تختوں کے ساتھ اسے باندھ دیتا پھر اس پر بچھو اور سانپ چھوڑ دیتا۔

امام بنوئی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اسناد سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ فرعون کو ذی الاوتاد اس لئے کہتے ہیں کہ فرعون کے خازن حزقیل کی ایک بیوی تھی۔ وہ مومن تھی۔ اس نے سو سال تک اپنا ایمان چھپائے رکھا۔ یہی صورت فرعون نے اس سے لٹکھی۔ اس نے فرعون کی بیوی کے سر کو لٹکھی کر رہی تھی کہ لٹکھی اس کے ہاتھ سے اُڑتی تو اس سے وہ جس سے اللہ تعالیٰ نے

بلاک ہو۔ فرعون کی بیٹی نے کہا کیا میرے باپ کے علاوہ بھی کوئی تیرا معبود ہے؟ تو اس عورت نے کہا میرا، تیرے باپ کا، زمین و آسمان کا معبود ایک ہی ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ فرعون کی لڑکی انھی اور روتے ہوئے اپنے باپ کے پاس گئی۔ تو فرعون نے اس سے پوچھا تو کیوں روتی ہے؟ تو لڑکی نے کہا تیرے خازن کی بیوی جو میرے سر کو کنگھی کرتی ہے وہ گمان کرتی ہے کہ تیرا، اس کا اور زمین و آسمان کا ایک ہی معبود ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ فرعون نے اسے بلا بھیجا اور اس سے اس کے بارے میں پوچھا تو عورت نے جواب دیا تو ستر سال تک مجھے ذبح کرتا رہے میں اللہ تعالیٰ کا انکار نہیں کروں گی۔ اس عورت کی دو بیٹیاں تھیں۔ اس کی بڑی بیٹی لائی گئی۔ فرعون نے اس عورت کے سامنے ذبح کر دیا پھر فرعون نے اس عورت سے کہا اللہ تعالیٰ کا انکار کر دو ورنہ میں تیری چھوٹی بیٹی کو بھی ذبح کرادوں گا۔ وہ ابھی دودھ پیتی تھی۔ عورت نے کہا اگر تو روئے زمین پر موجود تمام لوگوں کو بھی ذبح کر دے تب بھی میں اللہ تعالیٰ کا انکار نہ کروں گی۔ تو فرعون نے اس بچی کو بھی منگوا لیا۔ جب اس عورت کے سینے پر اسے لٹایا گیا اور فرعون کے آدمیوں نے اس بچی کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا تو عورت گھبرا گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس بچی کو قوت گویائی عطا فرمائی۔ اس بچی نے گفتگو کی۔ یہ ان چار بچوں میں سے ایک تھی جنہوں نے اس عمر میں بات چیت کی۔ بچی نے کہا ماں گھبرا، اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے جنت میں گھر بنایا ہے۔ صبر کر، بے شک تو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فضل تک پہنچنے والی ہے۔ پھر اس کو ذبح کر دیا گیا۔ وہ ابھی مری ہی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اسے جنت میں سکونت عطا کر دی۔

فرعون نے اس عورت کے خاوند حزقل کی تلاش میں آدمی بھیجے لیکن وہ اسے تلاش نہ کر سکے۔ فرعون سے کہا گیا اسے فلاں جگہ فلاں پہاڑ میں دیکھا گیا ہے۔ فرعون نے اس کی تلاش میں دو آدمی بھیجے۔ جب وہ اس تک پہنچے تو وہ نماز پڑھ رہا تھا اور وحشی جانوروں کی تین صفیں اس کے پیچھے مصروف عبادت تھیں۔ جب حزقل نے ان کو دیکھا تو کہا تم پلٹ جاؤ حزقل نے اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کی اے اللہ میں نے سو سال تک اپنا ایمان چھپائے رکھا ہے، کسی پر میرا ایمان ظاہر نہ ہوا۔ ان دو آدمیوں میں سے جو بھی میرا پر وہ ظاہر کرے اسے جلدی اس دنیا میں سزا دینا اور آخرت میں اس کا ٹھکانا جہنم بنانا۔ دونوں آدمی فرعون کے پاس واپس آ گئے۔ ان میں سے ایک نے عبرت حاصل کی اور ایمان لے آیا۔ دوسرے نے بھری مجلس میں تمام واقعہ بیان کر دیا۔ بادشاہ نے پوچھا کیا تیرے ساتھ کوئی اور بھی تھا؟ اس نے کہا میرے ساتھ فلاں بھی تھا۔ بادشاہ نے اسے بلا بھیجا اور پوچھا کیا جو کچھ یہ کہتا ہے وہ درست ہے؟ اس نے کہا نہیں، میں نے ایسی کوئی بات نہیں دیکھی۔ فرعون نے اسے انعام و اکرام سے نوازا اور جس نے خبر دی تھی اسے قتل کر دیا اور سولی پر لٹکا دیا۔

فرعون نے بنی اسرائیل کی ایک انہنی کی خوبصورت عورت سے شادی کی تھی جس کا نام آسیہ بنت مزاحم تھا۔ کہتے ہیں اس نے وہ سب منظر دیکھا جو اس نے کنگھی کرنے والی عورت سے کیا تھا۔ آسیہ نے کہا فرعون نے اس مومنہ عورت سے جو سلوک کیا ہے میں اس پر کیسے خاموش رہ سکتی ہوں جبکہ میں مومنہ ہوں اور فرعون کافر ہے۔ آپ اپنے آپ سے یہی باتیں ہی کر رہی تھیں کہ فرعون آ گیا اور اس کے قریب بیٹھ گیا۔ حضرت آسیہ نے کہا اے فرعون تو مخلوقات میں سے سب سے شریر اور خبیث ہے۔ تو نے کنگھی کرنے والی عورت کا ارادہ کیا اور اسے قتل کر دیا۔ فرعون نے کہا شاید تجھے بھی وہی جنون لاحق ہے جو اس عورت کو جنون لاحق تھا۔ حضرت آسیہ نے کہا مجھے تو کوئی جنون نہیں، بے شک میرا اس کا، تیرا اور زمین و آسمان کا اللہ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ فرعون نے حضرت آسیہ کے کپڑے پھاڑ دیئے، اسے مارا اور حضرت آسیہ کے والدین کی طرف پیغام بھیج دیا اور ان دونوں کو اپنے پاس بلا لیا اور کہا کیا تم دیکھتے نہیں کہ جنون کا جو مرض اس کنگھی کرنے والی عورت کو تھا وہ مرض اس کو بھی لگ گیا ہے۔ حضرت آسیہ نے کہا میں اس جنون سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتی

ہوں۔ میں اس بات کی گواہی دیتی ہوں کہ میرا تمہارا اور زمین و آسمان کا رب ایک ہے، اس کا تون شریک نہیں۔ حضرت آسید کے وارث نے کہا یہ تو اس وقت نماز کے خاندان کی بہترین عورت نہیں اور تیرا خاندان اللہ کا محبوب نہیں تو حضرت آسید نے جو جواب دیا تو بہت ہی اچھا تھا۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتی ہوں۔ اگر تمہارا کہن سچ ہے تو اس سے یہ کہو کہ یہ مجھے ایسا تاج پہنا۔ جس کے ساتھ جو بیچے اور اتارے اس کے ارد گرد ہوں۔ فرعون نے حضرت آسید کے والدین سے کہا تم دونوں میرے پاس سے نکل جاؤ نہیں ان کی پناہ پڑے گی۔ یہاں تک کہ حضرت آسید کو اذیتیں دے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے جنت کا ایک دروازہ کھول دیا تاکہ فرعون جو سب سے پہلے آتا ہے اس کو برداشت کرنا آپ کے لئے آسان ہو جائے۔ اس موقع پر حضرت آسید نے عرض کیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے لئے جنت میں ایک گھر بنا دے اور مجھے فرعون اور اس کے عمل سے نجات عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی روح کو بخش دیا اور اس جنت میں سموت عطا فرمائی (۱) فرعون کی یہی بیوی تھی جس نے اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے سے روکا تھا۔ جب فرعون نے اسے قتل کرنے سے روکا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے نہیں پانی میں ان کو ڈالا تھا۔ یہ اس وقت ہوا جب آپ کی والدہ کو خوف لاحق ہوا کہ فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دے گا۔ اس سارے واقعہ کو سارا قصص میں لکھا گیا ہے۔ فرعون کی بیوی نے کہا تھا یہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ امید ہے کہ جیسے اس سے نفع حاصل ہو۔ اللہ تعالیٰ نے لفظ آسید نفع دیا کیونکہ یہ ایمان لے آئی تھیں۔

اس سبب سے اس عمل جرم میں ہے اور مذکورہ افراد کی صفات کے نام کے طور پر منسوب ہے یا مبتدا محذوف کی خبر ہے، یعنی یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے نافرمانی میں حدود سے تجاوز کیا ہے۔ فی البلاد کما یجرطعوا کے متعلق ہے۔

اس کثرت کا عطف طعوا پر ہے۔ فیہا میں ہا ضمیر سے مراد البلاد ہے۔ فسار سے مراد کفر اور ظلم ہے۔

فَصَبَّ عَلَيْهِم مَّرَاتُكَ سَوْطَ عَذَابٍ ۝ اِنَّ مَرَاتُكَ لِبِالٍرَّصَادٍ ۝

پس آپ کے رب نے ان پر عذاب کا کوزا لیا۔ یہ ہے شک آپ کا رب (میکشوں اور مضموں کی) تاروں میں ہے۔

سب کا عطف طعوا پر ہے اور اس میں فاء سبب ہے۔ سوط عذاب سے مراد یہ عذاب ہے جو مختلف عذابوں سے ملتا ہوگا۔ یہاں صفت کو موصوف کی طرف منصاف کیا گیا ہے جس طرح اخلاق ثیاب ہے۔ سوط کا اصل معنی باہر مناسبت ہے۔ کوزے کے دروازے سوط سے لئے کہتے ہیں کیونکہ اس کے ریشے بھی لئے ہوتے ہیں۔ دنیا میں جو عذاب انہیں دیا جاتا ہے۔ اس سوط سے اس لئے تعبیر دینی تاکہ انہیں اس بات کا شعور دلایا جائے کہ وہ یہ قیاس نہیں کہ انہیں آخرت میں کیسا عذاب ہوگا کیونکہ آخرت کے عذاب بہت ہی زیادہ ہوں گے جو ظلم اور کوجھڑی سے ہوتی ہے۔ قنادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی یہ ہے عذاب کا کوزا جو اللہ تعالیٰ نے ان پر بھیجا ہے۔ ان میں معانی نے کہا یہ کلام استعارہ کے طریقہ پر ہے۔ سوط سے اشارہ سخت ترین عذاب کی طرف ہے اور حسب سے مراد یہاں عذاب کی طرف ہے، یعنی ان کی طرف ایک ہی دفعہ سخت عذاب نازل کیا جائے گا۔

یہ جو ب قسم ہے یا محذوف جواب کی وضاحت کر رہا ہے۔ ہر صداد اس جگہ کہتے ہیں جس میں تار لگانے والے بیٹھے ہیں۔

کاتاڑ میں ہونا اصل میں اس بات سے کنایہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے اس بات کا ارادہ کرتا ہے کہ وہ آخرت کے لئے اللہ تعالیٰ کے احکام کو سنیں اور ان کی اطاعت کریں۔ اس لئے وہ ان کے اعمال کو نگاہ میں رکھتا ہے۔ اس کا علم ان کے تمام اعمال کو احاطہ میں لئے ہوئے ہے۔ اس سے کوئی چیز غائب نہیں ہو سکتی۔ جس طرح اس آدمی سے گزرنے والا اوجھل نہیں ہو سکتا جو تاز میں بیٹھا ہوا ہو جبکہ انسان اس سے غافل ہے۔ اس کے لئے دنیا اور اس کی لذتیں ہی اہمیت رکھتی ہیں۔ اسی وجہ سے مابعد کلام کو اس پر عطف کیا ہے۔

فَأَمَّا الْإِنْسَانُ إِذَا مَا ابْتَلَاهُ رَبُّهُ فَأَكْرَمَهُ وَنَعَّمَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَكْرَمَنِ ﴿٥٠﴾

أَمَّا إِذَا مَا ابْتَلَاهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَهَانَنِ ﴿٥١﴾

”مگر انسان (بھی عجیب شے ہے) کہ جب آزماتا ہے اس کا رب یعنی اس کو عزت دیتا ہے اور اس پر انعام فرماتا ہے تو وہ کہتا ہے میرے رب نے مجھے عزت بخشی۔ اور جب اس کو (یوں) آزماتا ہے کہ اس پر روزی تنگ کر دیتا ہے تو کہنے لگتا ہے کہ میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا۔“

۱۔ جب اللہ تعالیٰ انسان کا امتحان غناء اور آسانی کے ساتھ لیتا ہے تاکہ یہ ظاہر ہو کہ انسان احسان کرنے والے کا شکر ادا کرتا ہے یا ناشکری کرتا ہے۔ اذا ظرفیہ بقول کے متعلق ہے۔ یعنی انسان کو دنیا میں جاہ و حشمت سے نوازتا ہے اسے مال، بیوی، اولاد اور دوسری چیزیں عطا فرماتا ہے۔ اکرمہ اور نعمہ دونوں جملے ابتلاء کا بیان ہیں۔

فیقول یہ انسان کی خبر ہے اور جزاء کے قائم مقام ہے کیونکہ شرط کا معنی پایا جا رہا تھا اس لئے اس پر فاء آئی ہے۔ کو فیوں، ابن عامر رحمۃ اللہ علیہ نے ربی کی بیاہ کو ساکن پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے مفتوح پڑھا ہے۔ ربی اہانن کی قرأت میں بھی یہی صورت حال ہے۔ وہ انسان کہتا ہے میرے رب نے مجھے سب کچھ عطا کر کے فضیلت دی۔ یعقوب اور بزی رحمہما اللہ تعالیٰ نے وقف اور وصل دونوں صورتوں میں اکرمہ اور اہانن کی بیاہ کو قائم رکھا ہے جبکہ نافع رحمۃ اللہ علیہ نے صرف وصل کی صورت میں بیاہ کو قائم رکھا ہے۔ ابو عمرو رحمۃ اللہ علیہ نے آیات کے سروں پر قیاس کرتے ہوئے اسے (نون کو) جردی ہے۔ دونوں صورتوں میں وہ حذف کو واجب کرتے ہیں۔ ابو عمر دالانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا میں نے اسی طرح پڑھا ہے۔ اسی کو دوسرے لوگوں نے اپنایا جبکہ باقی قراء نے بیاہ کو دونوں حالتوں میں حذف کیا ہے۔

۲۔ جس انسان کو اللہ تعالیٰ نے فقر کے ساتھ آزمایا تاکہ یہ ظاہر ہو کہ وہ صبر کرے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے۔ یہ جزع فزع کرے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کئے بغیر ناشکری کرے۔

ابن عامر اور ابو جعفر رحمہما اللہ تعالیٰ نے قدر کی دال کو مشدود پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا پہلی صورت کا معنی کمی کرنا ہے اور دوسری صورت کا معنی اتنا عطا کرنا جو کفایت کر جائے۔ ایک قول یہ کیا گیا دونوں قرأتوں کا معنی ایک ہی ہے، یعنی رزق میں کمی کی یہاں اہاننہ وَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ کے الفاظ نہیں فرمائے۔ جس طرح پہلی آیت میں فَأَكْرَمَهُ وَ نَعَّمَهُ کے الفاظ فرمائے تھے کیونکہ دنیا میں مال عطا کرنا فضل و احسان ہے جو شکر کو واجب کر دیتا ہے اور بعض اوقات یہ آخرت میں بھی تکریم کا موجب ہو جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دو چیزوں پر رشک کیا جانا چاہئے ایک وہ انسان جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن کی نعمت عطا فرمائی ہو اور وہ ہر لمحہ اس پر عمل پیرا رہتا ہو۔ دوسرا وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے

ماں عطا کیا ہو، وہ دن رات اس میں سے خرچ کرتا رہتا ہو، متشفق علیہ (۱)۔ مگر مال میں کمی یہ صرف ذلت و رسوائی نہیں۔ انسان اپنے مال میں کوتاہی اور دنیا میں انہماک کی وجہ سے یہ کہتا ہے۔ کبھی اور مقاتل رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا یہ آیت امیہ بن خلف ثقفی یاؤ سے ہے (۲)۔ اللہ تعالیٰ ع۔

كَلَّا بَلْ لَا تَهْتَدُ مَوْنُ الْيَتِيمِ ﴿۱﴾ وَلَا تَحْصُونَ عَلَىٰ طَعَامِ الْيَتِيمِ ﴿۲﴾

ایسا نہیں ہے بلکہ (اس کی وجہ یہ ہے کہ) تم یتیم کی عزت نہیں کرتے اور نہ تم ترغیب دیتے ہو یتیم کو بھلا جانے۔

یہ بات اس طرح نہیں جس طرح وہ کہتا ہے کیونکہ بعض اوقات دنیاوی ماں و دوست اور نعمتیں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہیں جب ان کے ساتھ شکر نہ ملا ہو اور بلکہ بعض اوقات شکر کی موجودگی میں بھی استدراج ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں شکر گزار یعنی کو صابر فقیر پر فضیلت حاصل نہیں۔ حضرت مسعب بن سعد رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ دو سو روپے اپنے آپ کو فضیلت دیتے تھے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ضعیف لوگوں کی وجہ سے تمہاری مددیں جاتی ہیں اور تمہیں عبادت میں رزق دیا جاتا ہے۔ اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔

حضرت عبدالقادر بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مہاجر و انصاریوں کی نسبت چالیس سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (۳)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا انصاریوں سے پانچ سو سال اور نصف دن پہلے جنت میں داخل ہوں گے (۴)۔ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا اور فقہ اور معتاد جب صبر کے ساتھ مل جائیں تو وہ نعمت ہوتے ہیں اہانت نہیں ہوتے۔ قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو دنیا کو اس سے الگ کر دیتا ہے جس طرح تم اپنے مریدوں سے پانی سے پرہیز کرتے ہو (۵)۔ اسے امام احمد اور ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ اس باب میں بے شمار احادیث ہیں۔

تم یتیم کے مال خرچ کر کے اس کی عزت نہیں کرتے اور نہ تم اس سے محبت کرتے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ماں و باپ سے سزا دی۔ تمہیں عزت دی۔ ایک قول یہ کیا گیا اس کا معنی ہے تم اس کا حق نہیں دیتے۔ لا تکرمون کا عطف بقولوں یہ ہے۔ مگر یہ بنی آدمیوں کے قول میں بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ دنیا میں منہمک ہیں کیونکہ وہ یتیم کی عزت نہیں کرتے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا تمہیں اللہ تعالیٰ نے خلیف کے پاس بطور یتیم پرورش پڑھا تھا اور تمہارے مال کو اس کا حق نہیں دیتا تھا (۶)۔ ابو عمر رحمۃ اللہ علیہ نے لایکرھون، لا یحصبون یا کلمون اور یحبون کو بقاء کے ساتھ غائب کا صیغہ پڑھا ہے۔ ان افعال کی ضمیر انسان کی طرف لوٹ رہی ہے اور ان میں اس کے معنی کو پیش نظر رکھا گیا ہے کیونکہ یہ جنس ہے۔ سابقہ آیات میں جو ضمیریں مفرد گزری ہیں وہ لفظ کا اعتبار کرتے ہوئے ان کی ہیں۔ جبکہ باقی قراء نے التفات کے طریقہ پر مخاطب کے صیغے پڑھے ہیں۔

یہ توفیق نے باب تفاعل سے حاء کے بعد الف سے اس صیغہ کو پڑھا ہے اور ایک قراء کو حذف کیا ہے، یعنی تمہیں ایک دوسرے سے ماں و باپ سے

۱۔ صحیح مسلم، جلد ۱، صفحہ ۲۷۲ (قدیمی)

۲۔ تفسیر بغوی زیر آیت ۱

۳۔ صحیح مسلم، جلد ۲، صفحہ ۱۰۱۱

۴۔ جامع ترمذی مع عارضۃ الاحوذی، جلد ۹، صفحہ ۱۵۴ (العلویہ)

۵۔ تفسیر بغوی زیر آیت ۱

۶۔ ایضاً جلد ۸، صفحہ ۱۴۴

پر برا بیخنتہ نہیں کرتے جبکہ باقی قراء نے الف کے بغیر پڑھا ہے۔ معنی یہ ہوگا تم دوسروں کو برا بیخنتہ نہیں کرتے، چہ جائیکہ تم اپنے اموال سے ان پر خرچ کرو۔

وَتَأْكُلُونَ الثُّمَارَ أَكْلًا لَمَّا ۙ وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ۙ

”اور چٹ کر جاتے ہو میراث کا سارا مال اور دولت سے حد درجہ محبت کرتے ہو۔“

۱۔ ثمرات کا معنی میراث ہے۔ اصل میں یہ وارث تھا۔ واؤ کو تاء سے بدل دیا، یعنی حرام و حلال کو جمع کر کے کھاتے رہتے ہو۔ وہ اپنے حصوں کے ساتھ عورتوں اور بچوں کے حصے بھی کھا جاتے تھے۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اکلا لماً سے مراد یہ ہے کہ جو چیز نے اسے کھا جائے، یہ نہ پوچھے کہ یہ حلال ہے یا حرام ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ مورث نے حلال و حرام میں سے جو کچھ جمع کیا ہوتا اسے جانتے ہوئے کھا جاتے۔

۲۔ تم مال سے حد درجہ محبت کرتے ہو اور اس کے خریدیں ہو۔

كَلَّا إِذَا دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا دَكًّا ۙ وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ۙ

”یقیناً جب زمین کو کوٹ کر ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا اور جب آپ کا رب جلوہ فرما ہوگا اور فرشتے قطار در قطار حاضر ہوں گے۔“

۱۔ جو کچھ وہ کرتے تھے اس سے انہیں جھڑکا جا رہا ہے۔ مقال رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جس چیز کا انہیں حکم دیا گیا وہ کیوں بجا نہیں لاتے (2) یا کلا حقاً کے معنی میں ہے اور اس کے بعد میں جو وعید ذکر کی جا رہی ہے اس کو ثابت کرنے کے لئے ہے اور ان کی طرف سے حسرت کرنے کی خبر دیتا ہے جس وقت حسرت انہیں کچھ فائدہ نہ دے گی۔ جب زمین میں یکے بعد دیگرے زلزلہ برپا ہو جائے گا یہاں تک کہ پرجو پہاڑ، درخت اور عمارتیں ہوں گی سب ٹوٹ پھوٹ جائیں گی اور وہ سب ذرات بن جائیں گے۔

۲۔ جاء کا عطف دکت پر ہے یہ تشابہات میں سے ہے ہم نے سورہ بقرہ میں سلف صالحین اور متاخرین کے اقوال ذکر کئے تھے۔ ساتھ ہی اصحاب قلوب کا نقطہ نظر بھی بیان کیا تھا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے اَنْ يَّاتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلُمٍ مِّنَ الْعَمَامِرِ۔

الملک میں الف لام جنس ہے۔ صفًا صفًا یہ الملک سے حال ہے، یعنی فرشتے ایک صف کے بعد دوسری صف میں آئیں گے۔ ابن جریر اور ابن مبارک رحمہما اللہ تعالیٰ نے ضحاک رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہا جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ آسمان دنیا کو حکم دے گا تو وہ اپنے مکینوں کے ساتھ پھٹ جائے گا۔ جب اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دے گا تو فرشتے اس کے کناروں پر جمع ہو جائیں گے۔ پھر وہ نیچے اتریں گے زمین پر اور زمین کے مکینوں کو گھیر لیں گے۔ پھر دوسرے، تیسرے، چوتھے، پانچویں، چھٹے اور ساتویں آسمان کو حکم دے گا۔ تو وہ فرشتے ایک دوسرے کے پیچھے صفیں بنا کر کھڑے ہو جائیں گے پھر ملک اعلیٰ اترے گا اس کی بائیں جانب جہنم ہوگی۔ جب اہل زمین اس جہنم کو دیکھیں گے تو زمین کی جس طرف بھی آئیں گے۔ وہاں فرشتوں کی سات صفیں پائیں گے۔ پھر جس جگہ سے وہ آئے تھے اسی مکان کی طرف لوٹ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان اِنَّ اِيَّآئِ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ۙ يَوْمَ تَوَلَّوْنَ مُدْبِرِيْنَ كَايِبِيْ مَقْبُوْمٍ ۙ ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا وَجِيءَ يَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ اور اللہ تعالیٰ

فَرَمَانٌ خَبِيرٌ الْجَنِّ وَالْإِنْسِ إِنَّ اسْتَعْصَمُوا أَنْ تُنْفَخُوا مِنْ أَقْصَابِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ تَعَالَى سَ فَرَمَانٌ وَانْشَقَّتْ السَّمَاءُ
 زَيْبًا يَوْمَئِذٍ وَابْيَضَّتْ عَلَى أَرْجَائِهَا، یعنی آسمان پھٹے گا۔ ابھی یہی صورت حال ہوئی کہ لوگ آواز سنیں گے اور حساب نہ صرف
 کیا۔

وَجَائِيَّ عَرِيَّةٍ مِّنْ بَيْتِهِمْ يُؤْمِنُ بِتَدَكُّرِ الْإِنْسَانِ وَأَنَّ لِلدَّالِّ كَامِي ۝

اور اس نے (لائی) جانے کی اس دن جنم لے اس روز انسان کو سمجھ آئے گی لیکن اس سمجھنے کا یہ فائدہ ہے۔

ان میں سے صرف جانا ہے۔ امام مسلم اور ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ اس اللہ
 تعالیٰ نے یہاں اس روز جنم بولایا جانے کا تو اس کی عمر برابر رکھا گیا ہے۔ ہر ایک کے ساتھ متر بہا فرشتے ہوں گے جو اسے چھینے
 لیں گے۔ (1)

ابن اب ریمۃ القدریہ نے کتاب الایہوال میں زید بن سمیرہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ جب میں امین بن ابی ہریرہ رضی اللہ
 عنہما میں حاضر ہونے۔ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ نے آپ سے پوچھا تو انصوریہ علیہ السلام نے فرمایا کہ جب میں امین بن ابی ہریرہ سے
 اسے یہ اتنا فرمایا کلا اذا دکت الارضی کلا ذکا ورجاء ربک والملک صفا صفا ورجائی یومئذ بحیث
 ہوگا ہر ایک کے ساتھ چھینے جا رہا ہوگا اور ایک کے ساتھ ہر فرشتے چھینے رہے ہوں گے۔ اسی اثنا میں جب اسے چھیننے جا رہا ہوگا
 تو ان سے چھوٹ جائے گی۔ اگر فرشتے اسے پکڑنے سے لگاؤں تو وہ بوجہ دیتی۔ تاہم فرشتے اسے پکڑ لیں گے۔ تو یہی ہوتی اللہ علیہ
 ہر جنم بوسے لایا جائے گا۔ جہاں اللہ تعالیٰ نے اسے پیر یا جہنم حشر زمین وچھینے لے گا اور جنت تک پہنچنے کا۔ اس میں
 اسے وہاں سے لایا جائے گا۔ ابو نعیم نے شعب بن جبر اللہ تعالیٰ سے کہا ہے کہ جب قیامت کا روز ہوگا تو فرشتے نیچے اتریں گے تو وہ
 مسلمانوں کے لئے ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ جب جہنم میں جہنم لے گا۔ جہنم کے پورا پورا جہنم لے آئیں گے۔ ان کے ہر
 ایک کے ساتھ چھینے جا رہا ہوگا یہاں تک کہ جب وہ مخلوق سے یہ سو سال کی مسافت پہنچے تو وہ ایک برس کے ان تو مخلوق کے
 لئے آتے ہیں گے۔ پھر وہ دوسرا برس لے گی تو کوئی مقرب فرشتہ اور نبی مرسل نہیں رہے گا کہ وہ چھینے لے لیں۔ جب اسے
 لے لیں تو اس کے دل علق بوا جائے اور علق کا مہر بنا چھوڑ دے گا، ہر ایک آدمی چھرا جانے کے لئے ہے۔ حضرت ابی ہریرہ
 رضی اللہ عنہما نے عرض کریں گے ان جات کا واسطہ میں تجھ سے اپنی ذات کے بارے میں سوال کرتا ہوں۔ حضرت امین علیہ السلام نے
 ان کے ان عزت و شرف کا واسطہ جو تو نے مجھے عطا فرمایا میں تجھ سے اپنی ذات کے بارے میں سوال کرتا ہوں، میں حضرت امین
 علیہ السلام کے بارے میں بھی سوال نہیں کرتا جس نے مجھے جنت جبکہ حضرت محمد ﷺ کے بارے میں بھی سوال نہیں کرتا۔
 ہر ایک مسلمان اسے، آج میں تجھ سے اپنی ذات کے بارے میں پوچھ عرض نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا تیری امت کے اور
 ہر ایک خوف نہیں اور نہ ہی وہ سنگین ہوں گے۔ مجھے اپنی عزت ان قسم میں تیری امت کے بارے میں تیری آنکھیں کھلانی ہوں گے اپنے
 اور اچھے ہیں۔ اس وقت فرشتے اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑے ہوں گے اور حکم کے منتظر ہوں گے۔

یومئذ یومئذ اذا دکت الارضی سے بدل ہے۔ الانسان سے مراد کافر ہے جس نے دنیا کی خوش اور تکلیف پانچا۔ یہی

اکرمین ربی اھانن ظرف میں کیونکہ شرط کے معنی پائے جا رہے ہیں اس لئے یہ اس کی جزاء ہے، یعنی وہ اپنے معاصی کو یاد کرے گا۔ نصیحت حاصل کرے گا اور توبہ کرے گا۔ انی لہ الذکری میں استفہام انکاری ہے، یعنی اسے نصیحت کرنے کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ توبہ کی قبولیت کی یہ شرط ہے کہ وہ غیب پر ایمان لائے۔

يَقُولُ يَلِيَّتِي قَدَّمْتُ لِحَيَاتِي ﴿١٣﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَا يُعَذِّبُ عَذَابَهُ أَحَدٌ ﴿١٤﴾ وَلَا يُوثِقُ وَثَاقَهُ أَحَدٌ ﴿١٥﴾

” (اس دن) کہے گا کاش! میں نے (کچھ) آگے بھیجا ہوتا اپنی (اس) زندگی کے لئے۔ پس اس دن اللہ کے عذاب

کی طرح نہ کوئی عذاب دے سکے گا۔ اور نہ اس کے باندھنے کی طرح کوئی باندھ سکے گا۔“

۱۔ وہ انسان حسرت کرتے ہوئے یہ بات کرے گا۔ یہ جملہ مستاقہ ہے۔ گویا یہ ایک مقدر سوال کا جواب ہے جو یہ ہو سکتا ہے فَمَا يَصْنَعُ جِنَّ يَتَذَكَّرُ۔ تو وہ کہے گا ہائے کاش میں نے دنیا میں اس زندگی کے لئے اچھے اعمال کئے ہوتے۔ جس تک موت کی رسائی نہیں یا یہاں لام وقت کے معنی میں ہے اور معنی یہ ہے کہ میں نے دنیاوی زندگی میں اچھے اعمال کئے ہوتے۔

۲۔ یومئذ کا عطف سابقہ یومئذ پر ہے اور ظرف مابعد کے متعلق ہے۔ عذابہ حرف جار کے حذف کے ساتھ منصوب ہے جیسے کعذابہ۔ یہی صورت وثاقہ احد کی ہے۔

۳۔ کسائی اور یعقوب رحمہما اللہ تعالیٰ نے لا یعذب اور لا یوثق کو مجہول کا صیغہ پڑھا ہے، یعنی جس قسم کا عذاب اسے (کافر کو) دیا جا رہا ہے ایسا عذاب کسی انسان کو نہیں دیا جائے گا یہ تعبیر اس وقت ہوگی جب الف لام جنسی ہو یا اس کا معنی ہے کہ اس معین انسان جیسا عذاب کسی اور کو نہ دیا جائے گا۔ اس سے مراد امیہ بن خلف ہے اور جیسا اسے زنجیروں اور بیڑیوں میں جکڑا جائے گا۔ کسی اور کو ایسی سزا نہ دی جائے گی جبکہ باقی قراء نے ان دونوں صیغوں کو معروف پڑھا ہے۔ اس صورت میں عذابہ اور وثاقہ کی ضمیر مجرور یا تو اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹے گی اور دونوں میں مصدر اپنے فاعل کی طرف مضاف ہوگا۔ یعنی قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی اس کے عذاب اور پکڑ کا ذمہ دار نہ ہوگا۔ اس دن معاملہ سب اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہوگا۔ یا ضمیر کافر انسان کی طرف لوٹے گی۔ اس صورت میں دونوں مصدر اپنے مفعول کی طرف مضاف ہوں گے یعنی وارد نئے اسے جو عذاب دے رہے ہیں۔ ایسا عذاب کسی اور کو نہ دیں گے۔ ان تاویلات کی صورت میں یومئذ لا یعذب اور لا یوثق کے متعلق ہوگا۔ یہاں تازع فعلین کا قاعدہ جاری ہوگا۔ معنی یہ ہوگا ازل سے ابد تک کسی نے کسی دوسرے کو ایسا عذاب نہ دیا ہوگا جیسا عذاب اللہ تعالیٰ اسے دے گا اور کسی نے کسی دوسرے کو اس طرح نہیں پکڑا ہوگا جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس روز اسے پکڑا ہوگا۔ حینئذ یہ عذاب یا وثاق مصدر کے متعلق ہوگا۔

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿١٦﴾ اِسْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿١٧﴾ فَادْخُلِي

فِي عِبَادِي ﴿١٨﴾ وَادْخُلِي جَنَّتِي ﴿١٩﴾

” اے نفس مطمئن! واپس چلو اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ تو اس سے راضی (اور) وہ تجھ سے راضی ہے۔ پس

شامل ہو جاؤ میرے (خاص) بندوں میں اور داخل ہو جاؤ میری جنت میں ہے۔“

نہ یہاں قبولی محذوف ہے اور یہ مقولہ ہے دونوں مل کر حملہ مستانفہ ہے گویا یہ ایک مقدر سوال کا جواب ہے سوال ہے کہ کافروں کی حالت تو بیان کر دی گئی مومنوں کی کیا حالت ہے تو تقدیر کلام یہ ہوئی یُقَالُ لِلْمُؤْمِنِينَ يَأْتِيهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ وَنَفْسُ اللَّهِ تَعَالَى تَعَالَى اور طاعت میں یوں مطمئن ہوتا ہے جس طرح مچھلی پانی میں مطمئن ہوتی ہے۔ اس اطمینان کا اس وقت تک تصور نہیں کیا جا سکتا جب تک رذیل صفات اس سے زائل نہ ہو جائیں جو اس کے نفس امارہ ہونے کا موجب تھیں۔ ان صفات کا زوال اس وقت تک ممکن نہیں جب تک اللہ تعالیٰ کی صفات محمودہ کی تجلیات نصیب نہ ہوں اور نفس ان صفات میں فنا نہ ہو جائے اور ان سے بقا نہ پا جائے۔ اس وقت وہ حقیقی ایمان پانے والی ہو جائیں گی جس طرح آس وقت تک پاک نہیں ہو سکتا جب تک وہ نمک میں نہ گربے، اس میں فنا نہ ہو اور نہ ان صفات کی صورت میں باقی نہ ہو اسی صورت میں حلال اور پاکیزہ ہوگا۔

ان اسماء اور صفات کے حجاب کے بغیر محض اس کی ذات کی طرف لوٹ جاؤ اس حال میں کہ تم اللہ تعالیٰ کے رب ہوئے اسلام کے دین ہوئے اور حضور ﷺ کے رسول ہونے اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر راضی ہو۔ راضیہ یہ ارجحی کے فاعل سے حال ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس آدمی نے ایمان کا ذائقہ چکھا جو اللہ تعالیٰ کے رب ہونے اسلام کے دین ہونے اور حضرت محمد ﷺ کے رسول ہونے پر راضی ہوا، متفق عمیدہ (1)۔ یہاں ایمان کا ذائقہ چکھنے سے مراد حقیقی ایمان کا پانا ہے۔

بند و سب اللہ تعالیٰ پر راضی ہوتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو جاتی ہے بلکہ یہ ہے کہ بندے کی رضا اللہ تعالیٰ کی رضا و توجہ اور اس پر دلیل ہے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نفس مطمئنہ کو قبض کرنا چاہتا ہے تو وہ نفس اس پر مصیبتاں ڈال دیتا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے راضی ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ بھی اس پر راضی ہوتا ہے۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو پسند کرتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے (2)۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یا ازہان مصعبہ سے کسی اور نے کہا کہ ہم موت کو ناپسند کرتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا بات اس طرح نہیں بلکہ مومن پر جب موت کا وقت آتا ہے تو اسے یہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی طرف سے کرامت کی خوشخبری سنائی جاتی ہے تو اس کے لئے جنت سے بڑھ کر کوئی چیز محبوب نہیں ہوتی۔ اس لئے وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو پسند کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے ملاقات کو پسند کرتا ہے۔ جہاں تک کافر کا تعلق ہے جب اسے موت آتی ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس کی سزا کی بشارت دی جاتی ہے۔ اس کے سامنے جو کچھ ہوتا ہے (عذاب) اس سے بڑھ کر اس کے لئے کوئی ناپسندیدہ چیز نہیں ہوتی۔ اس لئے وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے، متفق عمیدہ (3)۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت میں ہے کہ موت اللہ تعالیٰ کی ملاقات سے پہلے ہوتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب مومن کی موت کا وقت آتا ہے تو فرشتے سفید ریشمی پرالٹے ہیں تو وہ کہتے ہیں اے نفس اس حال میں جسم سے نکلے کہ تو اللہ تعالیٰ پر راضی ہے اور اللہ تعالیٰ تجھ پر راضی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت، اس کی نعمتوں اور راضی رب کی طرف جا تو وہ جسم سے یوں نکلتی ہے جیسے کستوری سے بہترین خوشبو نکلتی ہے یہاں تک کہ فرشتے سے ایک دم سے لیتے رہتے ہیں اور آسمان کے دروازوں تک پہنچاتے ہیں تو آسمان والے فرشتے کہتے ہیں اتنی عمدہ خوشبو ہے جو

زمین کی طرف سے تم تک پہنچی ہے۔ پھر فرشتے اس روح کو مومنوں کی روحوں تک پہنچا دیتے ہیں تو ان روحوں کو اس کے آنے سے اتنی خوشی ہوتی ہے جتنی تمہیں غائب مسافر کے آنے سے بھی نہیں ہوتی تو مومنوں کی روحمیں اس سے پوچھتی ہیں فلاں کا کیا حال ہے تو دوسرے کہتے ہیں اسے رہنے دو کیونکہ وہ غم دنیا میں مبتلا تھا تو وہ جواب دیتا ہے وہ تو مر چکا ہے کیا وہ تمہارے پاس نہیں پہنچا تو مومنوں کی روحمیں کہتی ہیں وہ اپنے ٹھکانے ہاویہ تک جا پہنچا ہے۔

کافر کی جب موت کا وقت آتا ہے تو عذاب کے فرشتے اس کے پاس ٹاٹ کا لباس لاتے ہیں۔ وہ اسے کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب کی طرف نکلو اس حال میں کہ تو اللہ تعالیٰ پر ناراض ہے اور اللہ تعالیٰ تجھ پر ناراض ہے۔ تو اس کی روح نکلتی ہے جو مردار سے بھی زیادہ بدبودار ہوتی ہے یہاں تک کہ فرشتے اسے زمین کے دروازے تک لاتے ہیں تو زمین کے فرشتے کہتے ہیں یہ کتنی بدبودار ہے یہاں تک کہ وہ اسے کفر کی روحوں تک لاتے ہیں۔ اسے امام احمد اور نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں بھی ایسے ہی ہے۔ اس میں یہ بھی ہے پھر نفس مومنہ کو آسمان کی طرف لے جایا جاتا ہے۔ اس کے لئے دروازہ کھولا جاتا ہے اور اسے فرحاً بالنفس الطیب کے الفاظ سے خوش آمدید کہا جاتا ہے، یعنی پاکیزہ نفس کو خوش آمدید جو پاکیزہ جسم میں تھا۔ کافر کے نفس کے بارے میں فرمایا پھر اسے آسمان کی طرف لے جایا جاتا ہے تو اسے کہا جاتا ہے خبیث نفس کو خوش آمدید جو خبیث جسم میں موجود تھا، مذمت کیا گیا واپس لوٹ جا۔ اس کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے پھر اسے آسمان سے قبر کی طرف سے بھیج دیا جاتا ہے۔ اس باب میں کثیر احادیث ہیں۔

اس گفتگو کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ ایک قوم کا یہ نقطہ نظر ہے کہ یہ سب باتیں موت کے وقت اس سے کی جاتی ہے جس طرح احادیث دلالت کرتی ہیں۔ ابوصالح رحمۃ اللہ علیہ نے از جمعی الی ربک راضیة مرضیة کے بارے میں فرمایا یہ اس وقت اسے بات کہی جاتی ہے جب وہ دنیا سے نکلتا ہے۔ جب قیامت کا روز ہوگا تو اسے فادخلی فی عبادی و ادخلی جنتی کہا جائے گا۔ دوسرے علماء نے یہ کہا جب قیامت برپا ہوگی یہ اس وقت اسے کہا جائے گا، یعنی میرے بندوں کے جسموں میں داخل ہو جاؤ، یعنی اپنے جسم میں داخل ہو جاؤ، یعنی اللہ تعالیٰ ارواح کو حکم دے گا کہ وہ جسموں میں داخل ہو جائیں۔ یہ عکرمہ، عطاء اور ضحاک رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ عوفی رحمۃ اللہ علیہ کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے کہا اس کا معنی یہ ہے اپنے رب کے ثواب کی طرف لوٹ جاؤ اس حال میں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے جو نعمتیں تیار کر رکھی ہیں اس پر تم راضی ہو اور اللہ تعالیٰ تم سے راضی ہو (1) اور میرے بندوں کے ساتھ میری جنت میں داخل ہو جاؤ۔ میں کہتا ہوں آیت کا سیاق اسی قول کی تائید کرتا ہے کہ یہ باتیں نفس سے قیامت کے برپا ہونے پر کی جائیں گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دوبارہ اٹھائے جانے پر کفار کا حال یوں ذکر کیا ہے فیومند لا یعذب عذابہ۔ اسی طرح مومنین سے جو وہ ارشاد فرمائے گا اس کا ذکر فرمایا جبکہ بے شمار احادیث پہلے قول کی تائید کرتی ہیں۔ ان دونوں میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ یہ باتیں موت اور دوبارہ اٹھائے جانے کے دونوں مواقع پر کی جائیں گی بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ دنیا میں ہی نفس اس خطاب کا مستحق ہو جاتا ہے اور اسے اطمینان نصیب ہوتا ہے تو اسے کہا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کے قرب کے مدارج اور اس کی تجلیات ذاتیہ کی طرف پلٹ آؤ اس حال میں کہ تم اللہ تعالیٰ پر راضی ہو اور اللہ تعالیٰ تم پر راضی ہو۔

سے ان سات بندوں میں داخل ہو جاؤ جن میں داخل ہونے کا سوال حضرت سلیمان علیہ السلام نے کیا تھا۔ اس کی قصہ درخصیہ
 پر حضرت ذی سبوت الضمیرین۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے یوں عرض کیا تھا تَوْفِيقِي مُسْتَبَادًا لِّلْحَقِيقِي بِأَسْبَحِيْن۔ اللہ تعالیٰ نے
 اپنے انیس بندوں کے بارے میں اعلیٰ علیین کو کہا تَعَالَيْتُمْ لِكُمْ غِيْبُهُمْ سَمْعًا ، فَاذْهَبِي فِي فَاءِ سَبِيْعٍ بِرَبِّهِنَّ نَفْسًا مِّنْ مِّنْ اَنْبِيَاۡنٍ اَوْ
 نَسَبًا مِّنْ رَّبِّيْعٍ هُوَ اَتَىٰ بِاَسْمَاءِ بَاتٍ كَمَا سَبَبَ جَبَّ كَمَا لَعْنُ هُوَ اَوْ رَفْسَانِي خَوَابِشَاتٍ اَوْ شَيْطَانٍ مَّا اَلَّ
 سے کما خلاصی کے لئے کا ذریعہ ہے۔ ان کی مذمت میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے قَدْ اَشْخَرْنَا لِهٰذَا كَوْمًا كَمَا هُوَ جَسَّسٌ يٰۤاٰمِنُ
 بنا ہے۔ اور حضور ﷺ کا فرمان ہے دینار و درہم کی عبادت کرنے والا ہلاک ہو گیا۔ جنت کی اللہ تعالیٰ کی طرف انسانی
 لذت اور تہمتوں میں سے وہ جنت خاص ہے جو مخفی نہیں۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ
 نصرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا وصال طائف میں ہوا میں آپ کے جنازہ میں شریک تھا۔ ایک پرندہ آیا جیسا پرندہ پہلے نہ دیکھا
 تھا۔ وہ پرندہ آپ کے جسم مبارک میں داخل ہو گیا۔ پھر ہم نے اس پرندہ کو آپ کے جنازہ (جسم) سے نکلنے دیکھا۔ اس
 پر فرمایا یہ کیا تو آپ کی قبر پر یہ آیت تلاوت سنانی میں مگر یہ معلوم نہ ہو۔ کہ کس نے یہ آیت تلاوت کی تھی یا اپنے انفس
 مستغنیہ۔۔۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے بریدہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا ہے۔ یہ آیت کس نے تلاوت
 کی اللہ عزوجل کے بارے میں نازل ہوئی۔ جو یہ آیت تلاوت کی اور انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما
 سے نکلنے کے حضور ﷺ نے فرمایا جس نے اس لہجہ کی تلاوت کی اس کی اذیت ہو دو۔ میں تو اللہ تعالیٰ سے ہنس کے
 نصرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے خرید لیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔
 کا مدہ ہے۔ بعض صوفیاء نے کہا اس آیت کا معنی یہ ہے اے وہ کس جو دنیا میں مضطرب ہو گیا ہے دنیا چھوڑ کر اور صوفی۔ اور اس آیت سے
 اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ آ، واللہ تعالیٰ اعلم۔

سورة البلد

﴿ ایتھا ۲۰ ﴾ ﴿ سورة البلد مکیة ۹۰ ﴾ ﴿ رکوعھا ۱ ﴾

سورة البلد کی ہے، اس میں ایک رکوع اور بیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

”اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے“

لَا اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ﴿۱﴾ وَاَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ ﴿۲﴾ وَالْوَالِدِیْنَ وَمَا وُلَدَ ﴿۳﴾ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ كَبَدٍ ﴿۴﴾ اَیْحَسِبُ اَنْ لَّنْ یُقَدِّرَ عَلَیْهِ اَحَدٌ ﴿۵﴾

”میں قسم کھاتا ہوں اس شہر (مکہ) کی لے درآں حالیکہ آپ بس رہے ہیں اس شہر میں لے اور قسم کھاتا ہوں باس کی اور اولاد کی لے بے شک ہم نے انسان کو بڑی مشقت میں (زندگی بسر کرنے کے لئے) پیدا کیا ہے کیا وہ خیال کرتا ہے کہ اس پر کسی کا بس نہیں چلے گا۔“

۱۔ لا زائدہ ہے جو قسم کی تاکید کے لئے ہے اور قسم کی وضاحت کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ یہ قسم سے غنی ہے۔ هذا البلد سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔

۲۔ یہ جملہ مقسم بہ (البلد) سے حال ہے اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ کی قسم اٹھائی مگر یہ قید لگائی کہ حضور ﷺ اس میں تشریف فرما ہیں۔ مقصود یہ ظاہر کرنا ہے کہ اس شہر کو ذاتی طور پر بھی فضیلت حاصل ہے۔ تاہم اس کو مزید یہ شرف حاصل ہے۔ حضور ﷺ نے مکہ مکرمہ کے بارے میں ارشاد فرمایا ابے شہر مکہ تو کتنا پاکیزہ ہے تو اللہ تعالیٰ کو کتنا محبوب ہے۔ اگر میری قوم تجھ سے مجھے نہ نکالتی تو میں تیرے سوا کسی اور شہر میں سکونت اختیار نہ کرتا (1)۔ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے اور فرمایا یہ حدیث صحیح غریب ہے۔ امام ترمذی اور ابن ماجہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے عبد اللہ بن عدی سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے اللہ تعالیٰ کی قسم تو اللہ تعالیٰ کی زمین میں سب سے بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہے۔ اگر مجھے تجھ سے نہ نکالا جاتا تو میں تجھ سے نہ نکلتا۔ (2)

ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اس شہر سے آپ کو نکالنے کو یوں حلال سمجھا گیا جس طرح تیرے علاوہ کسی اور جگہ شکار کو شکار کرنے کو حلال سمجھا جاتا ہے۔ یہ جملہ جملہ معترضہ ہے۔ مقصود اس شہر کے کفار کی مذمت بیان کرنا ہے جو آپ کو یہاں سے نکالنا اور آپ کو قتل کرنے کو حلال جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو اس کی حرمت اور شرف کو ظاہر کرنے کے لئے اس کی قسم کھائی ہے۔ پھر فرمایا کہ کفار کے گمان کے مطابق آپ اس شہر میں یوں حلال سمجھے جاتے ہیں۔ اسی لئے وہ آپ کو یہاں سے نکالنے اور آپ کے قتل کو حلال جانتے ہیں جبکہ وہ اس شہر میں شکار کے قتل کو حرام جانتے ہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا کہ آپ کفار کے قتل اور ان کے قید کرنے کا جو ارادہ رکھتے ہو وہ اس شہر میں آپ کے لئے حلال ہے جبکہ یہ لوگوں

یہ بحسب کی ضمیر انسان کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اس میں استفہام انکار اور تو بیخ کے معنی میں ہے۔ اگر انسان سے مراد ابی الاشد ہو تو پھر ظاہر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے اپنی قوت سے دھوکہ کھانے پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے۔ اگر انسان سے مراد جنس ہو اور ضمیر انسان کی طرف لوٹ رہی ہو تو پھر بعض افراد کے اعتبار سے اسے مفرد ذکر کیا ہے اور یہ وہ فرد ہوگا جس سے حضور ﷺ نے دوسرے افراد کی نسبت زیادہ مشقتیں اٹھائیں وہ ابوالاشد ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا اس سے مراد ولید بن مغیرہ ہے۔

ان لن یقدر میں ان مشغلہ سے مخففہ ہے۔ اس کا اسم ضمیر شان محذوف ہے اور جملہ بحسب کے دو منغولوں کے قائم مقام ہے۔ احد نکرہ ہے جوئی کے تحت داخل ہے جو عموم پر دلالت کرتا ہے۔ ابوالاشد کا یہ خیال تھا کہ عذاب کے فرشتے اس پر قدرت نہیں رکھیں گے یا احد سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ معنی یہ ہوگا کیا ابوالاشد یہ گمان کرتا ہے کہ وہ اللہ جس نے اسے اس قوت کے ساتھ پیدا کیا ہے وہ اس پر قادر نہیں اور اس سے انتقام نہیں لے گا۔

يَقُولُ أَهْلَكَ مَالًا لُبَدًا ۝ اِيْحَسَبُ اَنْ لَّمْ يَرَكَا اَحَدٌ ۝ اَلَمْ نَجْعَلْ لَهٗ
عَيْنَيْنِ ۝ وَاَلْسَانًا وَاَشْفَتَيْنِ ۝ وَهَدَيْنَهٗ اَلْجُدَيْنِ ۝

”کہتا ہے میں نے ڈھیروں مال فناء کر دیا۔ کیا وہ خیال کرتا ہے کہ اسے کسی نے نہیں دیکھا۔ کیا ہم نے نہیں بنا نہیں اس کے لئے دو آنکھیں، ایک زبان اور دو ہونٹیں اور ہم نے دکھا دیں اسے دونوں نمایاں راہیں۔“

۱۔ وہی انسان کہے گا۔ یہ جملہ بحسب کے فاعل سے حال ہے۔ اهلكت مالا لبداء یہ قول کا مقولہ ہے۔ لبداء یہ لبداء کی جمع ہے۔ یہ ایسی چیز کو کہتے ہیں جو تدریجاً جمع ہو جائے اور کثیر ہو اور جمع ہو شامد و فخر اور ریاء کاری کے طور پر اپنا مال زیادہ خرچ کرنے کا ذکر کرتا تھا یا حضور ﷺ کی دشمنی میں مال خرچ کرنے کے بعد یہ کہتا اور قریش کے کفار اس کی فضیلت اور حضور ﷺ کے ساتھ اس کی دشمنی کو تسلیم کرتے۔

۲۔ بلکہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہوتا ہے جو وہ اپنا مال ریاء کاری اور حضور ﷺ کی دشمنی میں خرچ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا کہ تو نے یہ مال کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا۔ پس اللہ تعالیٰ اسے اس عمل پر بدلہ دے گا اور اس سے انتقام لے گا۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ اور قتادہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہی کہا۔ کبھی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وہ اپنے فخر کرنے میں جھوٹا تھا۔ وہ جو یہ کہتا کہ میں نے اتنا اتنا مال خرچ کیا جو کچھ وہ کہتا تھا اس نے وہ تمام مال خرچ نہیں کیا تھا (۱)۔ یہ جملہ بحسب ان یقدر علیہ کے بعد تو بیخ اور انکار کی تاکید کے لئے ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے احسانات کا ذکر کیا تاکہ وہ انسان اس کا اقرار کرے۔ نیز یہ چیز اس کی دلیل بن جائے کہ اللہ تعالیٰ اس سے انتقام لینے پر قادر ہے۔

۳۔ ان آنکھوں سے وہ دیکھتا ہے، زبان سے وہ کلام کرتا ہے اور ہونٹوں کے ساتھ وہ اپنے منہ کو چھپاتا ہے اور ان دونوں سے وہ بولنے، کھانے پینے اور پھونکنے پر مدد لیتا ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ابن آدم سے فرمائے گا اگر تیری زبان حرام کردہ چیزوں کے بارے میں جھگڑے تو میں نے دو ہونٹوں کے ساتھ تیری مدد کی۔ پس زبان پر ان ہونٹوں کو بند کر دے۔ اگر تیری آنکھ تجھ سے حرام کردہ چیزوں میں جھگڑے تو میں نے دو پردوں کے ساتھ تیری مدد کی ہے، ان دو پردوں کو آنکھ پر بند کر دے۔ اگر تیری شرمگاہ حرام کردہ چیزوں میں تجھ سے جھگڑے تو میں نے تجھے دو پردے دیئے ہیں تو ان پردوں کو ان پر بند رکھ۔

سے السجدین سے مراد دونوں پشتات ہیں۔ محمد بن شعبہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی روایت کی ہے۔ اسے ابن مسیب اور نضاک رحمہما اللہ تعالیٰ کا بھی یہی قول ہے۔ اکثر مفسرین نے کہا اس سے مراد خیر اور شر، حق اور باطل، عدلیت اور جور کی بات ہے۔ یعنی ہم نے عقل پیدا کر کے اور رسولوں کو مبعوث کر کے خیر کو شر سے ممتاز کر دیا ہے۔ اس کے بعد چھٹی جگہ آج ۱۱۰

برایں راستہ اختیار کیا اس کے لئے کوئی عذر نہ ہوگا۔

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝ فَكَمْ مَرَقَبَةٍ ۝ أَوْ إِصْرٍ ۝ يَوْمَ ذِي قَعَبٍ ۝

پھر وہ داخل ہی نہیں ہوا اس خیر کی (بشارت) گھائی میں لے اور آپ کیا سمجھیں کہ وہ گھائی کیا ہے۔ وہ گھائی سے مراد چھڑانا ہے یا کھانا کھلانا ہے بھوک کے دن (خطا ساری) میں سے۔

اسے ایسا قول یہ کیا کہ یہاں لا اپنے حقیقی معنی میں نہیں کیونکہ جب وہ فعل ماضی پر داخل ہوتا ہے تو مکرر داخل ہوتا ہے۔ یہاں یہاں سے اس کا معنی ہے یعنی وہ اپنا مال خرچ کر کے عقبہ میں داخل کیوں نہیں ہوا جس کے ذریعے وہ طاعات کی گھائی میں غیبور لیتا۔ مسند احمد ۱۱۰

تین میں جو وہ مال خرچ کر رہا ہے اس کے مقابلہ میں یہ اس کے لئے بہتر ہوتا۔ یہ حمد اہلکت ہالاً لہذا کا معنی ہے۔

یہ قول یہ کیا گیا کہ یہ اپنے حقیقی معنی میں ہے کیونکہ اقتحم العقبہ جو وضاحت کی گئی ہے اس میں تعدد پیدا جاتا ہے۔ یہاں سے وضاحت یہی گئی ہے فلا فک رقبة ولا اطعم بسکین ولا کان من البذین انما یعنی اس نے غلام آزاد کیا، مسکین کو کھانا کھلایا اور موٹن نہ ہوا۔ اس جملے کا عطف جواب قسم پر ہوگا۔ تقدیر کا یہ ہوگا لقد خلقنا الانسان فی کمد التکلیفات فلا اقتحم منا کثیف بہ جبکہ اس پر اس گھائی میں داخل ہونا اور جن مقاصد کے لئے پیدا کیا گیا تھا ان کو بجالانے سے باز رہنا۔ یہ کہ عطف الہ نجعل له عین ولسان وشفیق پر ہے یعنی کیا ہم نے اسے وہ کھیں زمان اور ہوش نہیں دینے تو وہ سمجھنے کے عقبہ میں کیوں داخل نہیں ہوا تاکہ وہ نعمتوں پر شکر بجالاتا اور نعمتوں کو ان امور میں صرف کرتا جن میں صرف روزانہ سے صرف عقبہ اصل معنی پہاڑی راستہ ہے زندگی کی مشقتوں کے لئے اسے بطور مجاز استعمال کیا جاتا ہے۔ اس میں اقتحام سے مراد اس میں داخل ہونا ہے۔ فقارہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی معنی کیا ہے۔ یہ قول یہ کیا گیا کہ اقتحام کا معنی اس کے لئے روز اور جوہر اور اس سے مراد اس کو بجالانا ہے کیونکہ یہ بھی لٹا ہوا کار پر گناہوں کے بوجھ کی طرح ہے اور وہ اجابت کی ادائیگی میں اپنے آپ کو مسرف کھانا کھانے کی مانند ہے۔ جب کوئی آدمی کسی غلام کو آزاد کرتا ہے یا مسکین کو کھانا کھلاتا ہے یا اپنے ماں کی زکوٰۃ ادا کرتا ہے تو یہ یہی ہے۔ وہ گھائی میں داخل ہوا اور اسے عبور کیا۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس عقبہ سے مراد جہنم کی واردات کا یہ پہاڑ ہے۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ اور فقارہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ پل کے علاوہ جہنم میں مشکل گھائی ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ نے اس وقت کے ساتھ ہی عبور کر سکتے ہو۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا معنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کیا ہے۔

مجاہد، شیبانی اور کلینی رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا اس سے مراد جہنم پر ایک راستہ ہے جو تلواریں سے تیز ہوگا اس کی چوٹیاں اور آوازیں ہیں۔ اس سال کی مسافت پر محیط ہے۔ اس کی دونوں جانب آنکڑے ہوں گے۔ جو زیادہ حدانہ بونے کے کانٹے ہیں، کوئی اس سے محفوظ رہتا ہے یا ہوسے گا۔ کسی کو شیشیں آئیں گی اور نجات پا جائے گا، کوئی اس میں منہ کے بل گرنے کا نجات پانے میں سے کوئی بچے گا۔

ساتھ گزرے گا کوئی تیز ہوا کی صورت میں گزرے گا، کوئی گھسٹتے ہوئے گزرے گا، کوئی پھسل کر اس میں گرے گا اور کوئی ان کانٹوں اور آنکڑوں سے زخمی ہو کر جہنم میں گرے گا۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ ایسے راستہ پر کیوں نہ چلا جس میں اس کے لئے نجات ہے۔ پھر اس راستہ کی وضاحت کی۔ (1)

۲۔ تم نفس پر اس کی مشقت اور اس کے ثواب کو نہیں جانتے حضرت سفیان بن عیینہ رضی اللہ عنہ نے کہا جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا وما ادرک اس کے بارے میں آگاہ کر دیا اور جس کے بارے میں فرمایا وما یدرک اس کے بارے میں آگاہ نہ کیا (2)۔ اگر عقبہ سے مراد طاعات لی جائیں تو پھر تقدیر کلام کی ضرورت نہیں۔ اگر اس سے مراد گناہوں کا بوجھ ہے تو پھر تقدیر کلام اسی طرح ہوگی ما ادرک ما اقتحام العقبہ والخروج عنها۔

۳۔ ابن کثیر، ابو عمر و اور کسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے فک کو ماضی کا صیغہ پڑھا ہے اور رقبہ کو مفعول بہ ہونے کی حیثیت میں نصب دی ہے۔ اسی طرح اطعم کو ماضی کا صیغہ پڑھا ہے کیونکہ یہ دونوں فعل افتتاحی سے بدل ہیں یا اس کا بیان ہیں اور ما ادرک ما العقبہ والا جملہ جملہ معترضہ ہے جبکہ باقی قراء نے فک کے کاف کو مضموم اور رقبہ کو محجور پڑھا ہے کیونکہ یہ مضاف مضاف الیہ ہیں۔ اطعام پر تنوین پڑھی ہے کیونکہ یہ مصدر ہے اور یہ مبتدأ محذوف کی خبر ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی ہی فک رقبہ۔ فک رقبہ کا لفظ مکمل غلام آزاد کرنے، اس کی قیمت میں مدد کرنے مکاتب یا جس کا بعض حصہ آزاد کیا جا چکا ہو اس کے باقی ماندہ حقوق کی ادائیگی میں مدد کرنے کو شامل ہے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بدو حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ عرض کی مجھے کوئی ایسا عمل بتائیے جو مجھے جنت میں داخل کر دے تو حضور ﷺ نے فرمایا تو نے بات مختصر کی مگر مسئلہ طویل پوچھا غلام آزاد کر اور غلام کو گلو خلاصی کراؤ تو اس نے پوچھا کیا یہ دونوں چیزیں ایک ہی نہیں۔ فرمایا نہیں، غلام آزاد کرنے کا مطلب تو یہ ہے کہ تو اکیلے غلام کو آزاد کر اور گلو خلاصی کا مطلب یہ ہے کہ تو اس کی قیمت میں اس کی مدد کر اور منصفہ کا معنی یہ ہے کہ ظالم رشتہ دار کی طرف تو خود رجوع کرا کر تو اس کی طاقت نہیں رکھتا تو بھوکے کو کھانا کھلا، پیاسے کو پانی پلا، نیکی کا حکم دے اور منکر سے روک دے۔ اگر تو یہ بھی طاقت نہیں رکھتا تو اپنی زبان کو اچھی بات کہنے کے علاوہ ہر چیز سے روک دے۔ اسے امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے شعب الایمان میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے (3)۔ حضور ﷺ نے فرمایا جس نے مسلمان غلام کو آزاد کیا اللہ تعالیٰ اس غلام کے ہر عضو کے بدلے میں آزاد کرنے والے کا ایک عضو جہنم سے آزاد کر دے گا (4)۔ یہاں تک کہ اس کی شرمگاہ کے عوض اس کی شرمگاہ بھی آزاد کرے گا۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا فک رقبہ کا معنی تو یہ کر کے گناہوں سے آزادی حاصل کرنا ہے۔ (5)

يَتِيْبًا دَامِقْرَبَةً ۝ اَوْ سَكِيْنًا دَامْتَرَبَةً ۝ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ۝ اُولٰٓئِكَ اَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ ۝ وَالَّذِيْنَ
كَفَرُوْا اٰبَايْتِنَاهُمْ اَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ ۝ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّوْصَدَةٌ ۝

3- شعب الایمان، جلد 4، صفحہ 66-65 (العصیہ)

2- ایضاً

5- تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

1- تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

4- صحیح بخاری، جلد 6، صفحہ 2469 (ابن کثیر)

”یتم کو جو رشتہ دار ہے یا خاک نشین مسکین کو لے پھر وہ ایمان والوں سے ہو جو ایک دوسرے کو نصیحت کرتے ہیں مہربانی اور ایک دوسرے کو نصیحت کرتے ہیں رحمت کی ہے۔ یہی لوگ دائیں ہاتھ والے ہیں۔ اور جنہوں نے انکار کیا ہماری آیتوں کا وہ لوگ بائیں ہاتھ والے ہیں۔ ان پر آگ چھائی ہوئی ہوگی۔“

۱۔ مسعہ، مترہ، مقربہ یہ مفعلة کے وزن پر مصدر مہمی ہیں۔ مسعہ یہ سغب سے مشتق ہے جس کا معنی بھوکا ہونا ہے۔ مقربہ قرب سے مشتق ہے جس کا معنی نسب میں قریبی ہونا ہے۔ مترہ یہ قرب سے مشتق ہے جس کا معنی محتان ہونا ہے۔ یعنی حد درجہ محتان ہونے کی وجہ سے وہ مٹی کے ساتھ مل گئے۔ یوم کی مسعہ کے ساتھ جو صفت لگائی گئی ہے یہ مجازی ہے۔ طرف اطعام کے متعلق ہے۔ یسما اور سکنا مفعول ہونے کی حیثیت سے منسوب ہیں۔

۲۔ اس جملے کا عطف اقتحم پر ہے یا فک پر ہے فم کے ساتھ اس لئے عطف کیا کیونکہ قلام آزاد کرنے اور کھانا کھلانے کی نسبت ایمان لانے کا درجہ بہت بلند ہے۔ نیز یہ مستقل نیکی ہے اور تمام دوسری نیکیوں کے لئے شرط ہے۔ ایک دوسرے کو نافرمانیوں سے بچانے، طاعات پر قائم رہنے اور مصائب پر صبر کرنے کی تلقین کرو۔ نیز اللہ تعالیٰ کے بندوں پر رحم کرنے اور جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے رحمت کا سبب بنی ہیں ان پر باہم مہربانی کی تلقین کرو۔

۳۔ مذکورہ صفات سے جو لوگ منصف ہیں ان کی طرف اشارہ ہے۔ اصحاب میمنہ سے مراد دائیں ہاتھ والے اور بائیں ہاتھ والے ہیں۔ جملہ مستانفہ ہے۔ گویا یہ ایک مقدر سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے ما شان من اقتحم۔

۴۔ آیات سے مراد حق پر دلائل ہیں، وہ کتاب سے تعلق رکھتے ہیں یا دوسرے دلائل ہوں یا اس سے مراد قرآن ہے۔ اصحاب میمنہ سے مراد بائیں ہاتھ والے ہیں یا بد بخت مراد ہیں۔ مؤمنین کا اسم اشارہ (ا) سے ذکر کرنا اور کفار کا ضمیر کے ساتھ ذکر کرنا اس میں جو فرق ہے وہ صاحب بصیرت پر مخفی نہیں۔

۵۔ مؤصلۃ یہ اوصلۃ الباب سے مشتق ہے جب دروازے کو بند کر دیا جائے۔ مخلص، ابو عمر، حمزہ اور بنادر رحمہم اللہ تعالیٰ نے سورہ حمزہ میں مؤصلۃ کو حمزہ اور وقف کی صورت میں واؤ کے ساتھ بدل کر پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے حمزہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ تاہم اس میں یہ دونوں لغتیں ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

(۱) جب اسم اشارہ لیا جاتا ہے تو اس سے مراد مؤصولف اور صفات سب ہوتی ہیں گویا کلام میں تکرار ہوتی ہے جبکہ ضمیر کی صورت میں صرف آیت ۱۰ سے مراد ہے۔

سورۃ الشمس

ایاتھا ۱۵ ﴿سُورَةُ الشَّمْسِ مَكِّيَّةٌ ۹۱﴾ ﴿مَكِّيَّةٌ ۱﴾

سورۃ الشمس کی ہے، اس میں ایک رکوع اور پندرہ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

”اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے“

وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا ۝ وَالْقَمَرِ إِذَا تَلَّهَا ۝ وَالنَّهَارِ إِذَا جَدَّهَا ۝ وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَاهَا ۝ وَالسَّاءِ وَمَا يَنْبُتُهَا ۝ وَالْأَرْضِ وَمَا طَحَّهَا ۝ وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا ۝ فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا ۝

”قسم ہے آفتاب کی اور اس کی دھوپ کی لے اور قسم ہے ماہتاب کی جب وہ (غروب) آفتاب کے بعد آوے لے اور قسم ہے دن کی جب آفتاب کو روشن کر دے لے اور رات کی جب وہ اسے چھپالے لے اور قسم ہے آسمان کی اور اسے بنانے والے کی لے اور زمین کی اور اس کو بچھانے والے کی لے اور قسم ہے نفس کی اور اس کو درست کرنے والے کی لے پھر اس کے دل میں ڈال دیا اس کی نافرمانی اور اس کی پارسائی کو لے“

لے مجاہد اور کلبی رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا ضحاح سے مراد سورج طلوع ہونے کے وقت کی روشنی ہے کیونکہ اس وقت اس کی روشنی صاف ہوتی ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے تمام دن مراد ہے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے اس کی گرمی مراد ہے (۱)۔ قاموس میں ہے ضحیۃ بروزن غشیۃ سے مراد دن کا بلند ہونا ہے۔ ضحی اور ضحاح دونوں کا معنی دن کا نصف نهار کے قریب ہونا ہے۔ لے جب چاند کا طلوع سورج کے طلوع کے بعد ہوتا ہے یہ مہینے کے پہلے نصف میں ہوتا ہے یا چاند کا طلوع سورج کے غروب کے پیچھے ہوتا ہے یا چاند چکر لگانے اور نور کو مکمل کرنے میں سورج کے پیچھے ہوتا ہے۔ زجاج رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح کہا ہے۔ یہ دونوں صورتیں سفید راتوں (تیرہویں، چودھویں اور پندرہویں) میں ہوتا ہے۔ (۲)

لے دن کی طرف تجلی کی نسبت مجازی ہے جس طرح صام نهارہ میں فعل کی نسبت نهار کی طرف مجازی ہے۔ ہا ضمیر منصوب یا تو شمس کی طرف ہے کیونکہ جب دن خوب پھیل جاتا ہے تو سورج خوب روشن ہو جاتا ہے یا یہ ایک ایسے اسم کی طرف لوٹ رہی ہے جو مذکور نہیں یعنی دن تاریکی یا زمین یا دنیا کو روشن کر دیتا ہے۔

لے ہا ضمیر سے مراد سورج، آفات یا زمین ہے۔ ظروف یعنی اذا تلتھا، اذا اجلھا اور اذا یغشھا یہ جمہور کے نزدیک فعل قسم کے

عمران بن حصین سے مروی ہے کہ مدینہ کے دو آدمیوں نے حضور ﷺ سے عرض کی بتائیے تو سہی جو لوگ آج عمل کرتے ہیں اور اس میں کدو کاوش کرتے ہیں۔ کیا یہ ایسی چیز ہے جس کا پہلے سے فیصلہ ہو چکا ہے اور یہ سابقہ تقدیر سے تعلق رکھتی ہے یا یہ کوئی ایسی چیز ہے جو آئندہ آنے والے اختیاری امور ہیں جو ان کا نبی ان کے پاس لاتا ہے اور نافرمانی کی صورت میں ان پر حجت قائم ہو جاتی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا نہیں بلکہ یہ ایسی چیز ہے جس کا ان کے بارے میں پہلے سے فیصلہ ہو چکا ہے۔ اس کی تصدیق اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے وَتَنْظِیْرٌ وَمَا سَوَّيْنَاهُ قَالَ هَمْ مَاءٌ فَجُورًا هَا وَتَقْوَاهَا (1)۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا تمام بنی آدم کے دل رحمن کی دو انگلیوں کے درمیان اس طرح ہیں جس طرح ایک دل ہوتا ہے، وہ جس طرح چاہتا ہے نہیں پھیر دیتا ہے۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا اے دلوں کو پھیرنے والے ہمارے دلوں کو اپنی طاعت کی طرف پھیر دے اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (2)۔ فجو کو تقویٰ پر مقدم کیا کیونکہ نفس اصل میں برائی کا حکم دیتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اس میں آیات کے سروں کی رعایت بھی ہے۔

پہلی واؤ بالاتفاق قسمیہ ہے اسی طرح دوسری، تیسری اور ما بعد والی واؤ بھی بعض کے نزدیک قسمیہ ہے یہ عاطفہ نہیں کیونکہ اگر اسے عاطفہ بنایا جائے تو مختلف عالموں کے معمولوں پر عطف لازم آتا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کے فرمان میں والیل اذا یغشھا کیونکہ اللیل واؤ قسمیہ کی وجہ سے مجرور ہے اور اذا یغشی مقدر فعل قسم کی وجہ سے منصوب ہے۔ اگر والنہار اذا جلیھا میں واؤ کو عاطفہ بنایا جائے تو واؤ فعل اور حرف جار کے قائم مقام ہوگی۔ جبکہ صحیح یہ ہے کہ پہلی واؤ کے علاوہ تمام واؤ عاطفہ ہیں کیونکہ قسم کے مکمل ہونے سے پہلے قسم میں دوسری قسم کو داخل کرنا جائز نہیں ہوتا۔ یہاں صورت یہ بنے گی کہ واؤ عاطفہ قسم کے قائم مقام ہوگی لیکن واؤ قسم باء اور فعل کے قائم مقام ہے جس کے ساتھ فعل کو ظاہر ذکر کرنا جائز نہیں۔ گویا یہی اپنے دونوں معمولوں کو نصب اور جر دے رہی ہے۔ گویا یہ ایک ایسا عامل ہے جس کے دو عمل ہیں۔ اس لئے دو معمولوں پر عطف جائز ہے۔ ایسا کرنا بالاتفاق جائز ہے جیسے ضَرَبْتُ زَيْنًا عَمْرًا وَبَكَرْتُ خَالِدًا۔ ایہ تعبیر اس صورت میں ہوگی جب طرف فعل قسم کے متعلق ہیں۔ مگر جو بحر مواج نے تاویل کی ہے تو اسے اس توجیہ کی ضرورت نہیں۔

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّهَا ۝ كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوَاهَا ۝

”یقیناً فلاح پا گیا جس نے (اپنے) نفس کو پاک کر لیا۔ اور یقیناً ناکرہ ہوا جس نے اس کو خاک میں دبا دیا۔ ۲۔ جھٹلایا قوم ثمود نے (اپنے پیغمبر کو) اپنی سرکشی کے باعث۔“

۱۔ زکھا میں ہو مرفوع سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور ہا ضمیر من کی طرف لوٹ رہی ہے کیونکہ من سے مراد نفس ہے، یعنی وہ نفس کامیاب ہو گیا جسے اللہ تعالیٰ نے صفات کاملہ کے ساتھ متصف کر کے اسے رذائل سے پاک کیا یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے احکام پر راضی ہو گیا اس کے ذکر اور طاعت سے مطمئن ہو گیا جس چیز سے اسے منع کیا گیا اور جو چیز اللہ تعالیٰ سے اسے غافل کرتی تھی اس سے بچنے کی کوشش کرنے لگا کیونکہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے جویر کے واسطے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے سنا کہ وہ نفس کامیاب ہو گیا جسے اللہ تعالیٰ نے پاک کیا (3)۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایسا ہی قول کیا ہے۔

اس چٹان سے ایک اونٹنی نکل آئی۔ اس نے اسی وقت اپنے جیسا بچہ جنا۔ وہ اونٹنی سارا پانی پی جاتی تھی۔ حضرت صالح علیہ السلام نے اس اونٹنی کے لئے پانی کی باری معین فرمادی۔ آپ نے فرمایا یہ اللہ کی اونٹنی ہے۔ ایک دن اس کی پانی کی باری ہے اور تمہارے لئے بھی پانی کی باری معلوم ہے۔ انہوں نے اونٹنی کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تا کہ تمام پانی انہیں کے لئے ہو جائے۔

إِذِ انبَعَثَ أَشْقَاهَا ۗ فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ نَاقَةَ اللَّهِ وَسُقْيَاهَا ۗ فَكَذَّبُوهُ
فَعَقَرُوهَا ۗ فَصَدَمَهُ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذُنُوبِهِمْ فَنَسَوْهَا ۗ وَلَا يَخَافُ عُقْبَاهَا ۗ

”جب اٹھ کھڑا ہوا ان میں سے ایک بڑا بد بخت ہے تو کہا انہیں اللہ کے رسول نے کہ (خبردار رہنا) اللہ کی اونٹنی اور اس کے پانی کی باری سے ہے پھر بھی انہوں نے جھٹلایا رسول کو اور اونٹنی کی کوچیوں کا ٹھکانہ دیا پس بلا کر کر دیا انہیں ان کے رب نے ان کے گناہ (عظیم) کے باعث اور سب کو پیوند خاک کر دیا ہے اور کوئی ذر نہیں اللہ کو ان کے (تباہ کن) انجام کا ہے“

۱۔ جب قوم کے لوگوں نے اس بد بخت کو کہا تو وہ اونٹنی کی کوچیوں کا ٹھکانے کے لئے جلدی سے اٹھا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَكَذَّبُوا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطَى فَعَقَرُوا۔ انبعاث کا معنی اطاعت میں جلدی کرنا ہے۔ ظرف کذبیت کے متعلق ہے۔ اشقی سے مراد قوم ثمود میں سے بد بخت ترین ہے۔ وہ قد ار بن سالف ہے۔ اس کا رنگ سرخ، آنکھیں نیلی، قد چھوٹا تھا۔ اس کی بد بختی دوسروں سے اس لئے بڑھ کر تھی کیونکہ اس نے اس کام کو اپنے ذمہ لیا تھا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن زمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ کو خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا، آپ نے اونٹنی اور اس کی کوچیوں کا ٹھکانے والے کا ذکر کیا، حضور ﷺ نے فرمایا قوم کا ایک معزز اور باہمت آدمی اٹھا جیسے ابو زمعہ۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگوں میں سے بد بخت ترین وہ شخص ہے جس نے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی کوچیوں کا ٹھکانہ اور حضرت آدم علیہ السلام کا وہ بیٹا ہے جس نے اپنے بھائی کو قتل کیا تھا۔ زمین پر جو بھی خون بہایا جائے گا اس کا گناہ حضرت آدم علیہ السلام کے اس بیٹے کو بھی ہوگا کیونکہ اسی گناہ سے پہلے قتل کیا۔ اسے طہرانی، حاکم اور ابونعیم رحمہم اللہ تعالیٰ نے حلیہ میں صحیح سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔

۲۔ قال کا عطف انبعث پر ہے۔ رسول اللہ سے مراد حضرت صالح علیہ السلام ہیں۔ ناقة اللہ سے پہلے ذروا فعل محذوف ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی اونٹنی سے بچو۔ یا معنی ہوگا اللہ تعالیٰ کے لئے اس کی کوچیوں کا ٹھکانے سے بچو۔ اللہ تعالیٰ کی ناقة کی اضافت اونٹنی کی تعظیم کے اور خبردار کرنے میں کمال کے اظہار کے لئے ہے۔ سقّیہا کا عطف ناقة پر ہے، یعنی اس کے بارے میں مداخلت سے بچو، اسے جسے سے دور نہ بھگاؤ اور نہ ہی اسے کوئی تکلیف پہنچاؤ یعنی اگر تم اسے تکلیف پہنچاؤ، گے تو تمہیں عذاب عظیم پکڑ لے گا۔

۳۔ حضرت صالح علیہ السلام نے کوچیوں کا ٹھکانے کی صبرت میں جس عذاب سے ڈرایا تھا اس میں آپ کو جھٹلایا۔ عقروہا کا عطف کذبوا پر ہے۔ فعل کی نسبت تمام قوم کی طرف کی جبکہ یہ فعل صرف ایک آدمی نے کیا تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے ان کے کہنے پر یہ عمل کیا تھا۔ متقابل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جن لوگوں نے اونٹنی کی کوچیوں کا ٹھکانہ انکی تعداد تو تھی۔ نو کو اشقی کے ساتھ تعبیر کرنا جائز ہے کیونکہ اسم تفضیل کا سیغ جب مضاف ہو تو واحد اور جمع دونوں کا معنی دیتا ہے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا تین دن تک لطف

اندہ، ہو لو پہلے دن تمہارے چہرے زرد پڑ جائیں گے۔ دوسرے دن سرخ ہو جائیں گے۔ تیسرے دن چہرے سیاہ ہو جائیں گے۔ چوتھے دن ان کے بعد تمہیں ہلاک کر دیا جائے گا۔

یہ جرموں میں دھمکہ کا معنی یہ ذکر کیا ہے کہ کسی کو ہلاک کر دینا۔ عطاء اور مقاتل رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا اللہ تعالیٰ سے نہیں ہلاک کیا جاتا۔ تو مگر میں بے دھمکہ یعنی غصے ہونا، دھمکہ علیہ یعنی اس سے ناراضگی کے ساتھ بات کی۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ دھمکہ عنیبہ انیس ہ طرف سے پھیرنا۔ بدنبہم میں بے سیبہ ہے۔ ان کے گناہ سے مراد رسول کو جھٹلانا اور انہی کو نہیں کاٹنا ہے۔ یہ تمام پر عذاب کو عام کر دیا۔ ان کا چھوٹا بڑا کوئی بھی عذاب سے نہ بچا۔

نائب ابن عامر رحمہما اللہ تعالیٰ نے فلا یخاف پڑھا ہے۔ ان کے مصاحف میں بھی ایسے ہی ہے۔ عبد بن قیس نے کہا کہ یہ صحابہ نے فعل میں موجود ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ حمزہ اور مسابی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے آیتوں میں امار یہ ہے کہ تاملہا اور صحیفہ میں امارہ نہیں آیا۔ حمزہ نے انہیں فتح دیا ہے۔ ابو عمر و رحمۃ اللہ علیہ نے تمام کو بین بین پڑھا ہے۔ انہوں نے قرآن میں مشق پڑھا ہے۔

عقبہ میں ہا ضمیر سے مراد دھمکہ ہے یا اہلاک تمود ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کو ان کے ہلاکت کے انجام کا بول خوف میں۔ ان میں سے کسی کو بانی رکھتا۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے کہا ہے۔ علی بن طلحہ بن جہن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی روایت ہے۔ ضحاک، سعدی اور کلبی رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا ہے ضمیر فاعل عاقر کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اس کا ام میں تقدیم وترتیب ہے۔ تدریجاً مریوں ہے اذ انبعت اشقیها ولا یخاف عقبہا (2)۔ یہ جہر دھمکہ کے فاعل سے حان ہے یا انعت کے فاعل سے حان ہے اور وہ اذ عالیہ ہے۔ جب فاء کے ساتھ قرأت ہو تو اس کا عطف فسنوہا پر ہوگا، واللہ اعلم۔

www.nafseislam.com

سورة الیل

﴿ آیاتہا ۲۱ ﴾ ﴿ سورۃ الیل مکیہ ۹۲ ﴾ ﴿ رکوعہا ۱ ﴾

سورة الیل مکی ہے، اس میں ایک رکوع اور اکیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

”اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے“

وَالْیَلِ اِذَا یَغْشٰی ۱ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰی ۲ وَ مَا خَلَقَ الذَّکْرَ وَالْاُنْثٰی ۳ اِنَّ سَعِیْکُمْ لَشَتٰی ۴

”قسم ہے رات کی جب وہ ہر چیز پر چھا جائے ۱ اور قسم ہے دن کی جب وہ خوب چمک اٹھے ۲ اور اس کی قسم جس نے پیدا کیا نر اور مادہ کو ۳ بے شک تمہاری کوششیں مختلف نوعیت کی ہیں ۴“

۱۔ یغشی کا مفعول بہ الشمس ہے یا النہار ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے فرمان میں ہے یغشی اللیل النہار یا اس کا مفعول بہ ہر وہ چیز ہے جس کو رات اپنی تاریکی میں چھپا لیتی ہے۔ اذا یغشی میں کلام وہی ہوگی جو وَالْیَلِ اِذَا یَغْشٰی میں گزر چکی ہے کہ یہ فعل قسم کے متعلق ہے یا مضاف محذوف کے متعلق ہے جو حصول ہے۔ اس صورت میں اذا مصدر کی صفت ہوگا یا اذا وقت کے معنی میں ہے۔ اس وقت یہ ظرف نہیں ہوگا۔

۲۔ رات کی تاریکی زائل ہونے یا سورج کے طلوع ہونے کے ساتھ دن ظاہر ہو گیا۔
۳۔ ما کومن کی جگہ اس لئے ذکر کیا کیونکہ یہاں اللہ تعالیٰ کی صفت مراد ہے، یعنی ہر نوع جس میں پیدائش کا سلسلہ جاری ہوتا ہے۔ اس کی مذکر اور مؤنث دونوں صنفوں کو پیدا کرنے پر قادر ہے۔ یا الذکر والانشی سے مراد حضرت آدم اور حضرت حوا، علیہما السلام ہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہاں ما مصدر یہ ہو اور ما بعد اس کا جواب قسم ہو۔

۴۔ تمہارے اعمال مختلف ہیں۔ تم میں سے کچھ تو ایسے لوگ ہیں جو آگ سے اپنی گردن کو آزاد کرانے اور قرب اور جنت کے مدارج چڑھنے کی کوشش کرنے والے ہیں اور کچھ اپنے آپ کو ہلاک کرنے کی کوشش کرنے والے ہیں۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر انسان صبح کرتا ہے اور وہ اپنے نفس کو بیچنے والا ہوتا ہے، یا تو اسے آزادی دلاتا ہے یا ہلاکت میں ڈالتا ہے (۱) پھر اللہ تعالیٰ نے مختلف مساعی کی وضاحت کی۔

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَ اَتَّقٰی ۱ وَ صَدَّقَ بِالْحُسْنٰی ۲ فَسَنِیْبًا لِلْیُسْرِی ۳ وَ اَمَّا مَنْ بَخِلَ وَ اسْتَغْنٰی ۴ وَ کَذَّبَ بِالْحُسْنٰی ۵ فَسَنِیْبًا لِلْعُسْرِی ۶

پھر جس نے (راہِ خدا میں) اپنا مال دیا اور (اس سے) ڈرتا رہا اور (جس نے) اچھی بات کی تو وہ میں نے اسے زکوٰۃ
آسمان کر دیں گے اس کے لئے آسمانِ براہِ راست اور جس نے بخل کیا ہے اور نے پروا نہ بنا رہا بلکہ اور اچھی بات نہ کی تو
ہم آسمان کر دیں گے اس کے لئے مشکل راہ ہے۔

یہ جو ایٹماں اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتا ہے یا جو ادا کرنا اس پر فرض تھا اسے ادا کرتا ہے۔ اپنے رب کے عذاب سے بڑھتا ہے اور اس
کا اجر ہے۔ اس کے لئے آسمان ہوں سے بہت بڑا ہے۔ حدیث صحیحہ میں ہے جنہم سے بچو اگرچہ کھجور کے ایک دانہ ہو۔ تو اس سے
تنبیہ کے عدنی بن حاتم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا۔
اور صبر بن زہب اللہ تعالیٰ نے اوسط میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن عمر رضی اللہ
عنہما سے یہ روایت آئی۔ براہِ رحمت اللہ علیہ نے حضرت نعمان بن بشیر اور حضرت ابو یوسف رضی اللہ عنہما سے روایت کیا۔

یہ جو محمد ازمن مہمی اور صحابہ کرام اللہ تعالیٰ نے کہا حسنی سے مراد لا الہ الا اللہ ہے۔ یہی عطیہ کن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما
سے روایت مروی ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حسنی سے مراد جنت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا
حسنی سے مراد جنت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے۔ اسے یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کا بدلہ (جنت) میں لے گا۔ ابن عباس
رضی اللہ عنہما سے مروی ہے جو انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔ تو وہ اس سے کہیں ابو سعید اللہ
نعمان نے کہا حسنی سے مراد اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے، یعنی اس سے یہ تصدیق کی کہ اللہ تعالیٰ اس کا وعدہ پورا فرما دے گا۔ 2۔

اس سے اسے ایسے عمل کی توفیق دیں گے جو آسانی اور راحت کی طرف لے جائے، یعنی ایسے عمل کی توفیق اسے کہ جو اللہ تعالیٰ کی رضا
جنت میں اسے ہونے کو آسان بنا دے گا۔ یہ پسر المصروف سے مشتق ہے۔ یہ جہاں اس وقت بول جاتا ہے جب کسی کو کوئی کام
کے ساتھ تیار کیا جائے۔

اس سے بھلائی کے کاموں میں خرچ کرنے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے معین کر دینے اور اللہ تعالیٰ کی رضا میں ہونے کا بہت بڑا اجر
پہنچانے کا بہت بڑا ثواب ہے جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے (3) اس سے امام ترمذی اور صابغہ اللہ تعالیٰ
نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ابن حبان اور امام ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔
یہ وہ بیان شہوتوں میں نہم ہونے کی وجہ سے آخرت کے ثواب اور ثواب دینے پر قدرت رکھنے والے کے مستحق ہونے کا
تہہ ہے۔ اس کے اچھے کلمہ ہو جاتا ہے۔

یہ ہم اسے ایسے عمل کی طرف متوجہ کر دیں گے جو اسے نیکی اور بحق کی طرف لے جائے گا۔ یہ ایسا عمل ہے جسے اللہ تعالیٰ نافرمانی سے
اور اسے بہنہ میں داخل کر دیتا ہے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی یہ ہے اس کے لئے بھلائی کا کام کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔
حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے ہر ایک کے لئے ایک نیک عمل ہے جو
یہ وہ جنت میں لکھ دیا جاتا ہے۔ لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ یا ہم اپنی تقدیر پر اپنی انحصار کرتے ہیں اور تمہیں کیا
ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عمل کرو اللہ تعالیٰ اسے عمل کی توفیق دیتا ہے جس کے لئے اسے پیدا کیا ہوتا ہے۔ جو سعادت مسافر ہونے

ہم اس سعادت والے کاموں کی توفیق دیتے ہیں۔ جو بد بخت ہوتے ہیں۔ ہم اسے بد بختوں والے اعمال کی توفیق دیتے ہیں۔ پھر ان آیت کی تلاوت فرمائی، متفق علیہ۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ آیات حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئیں۔ آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو امیہ بن خلف سے ایک غلام اور اس اوقیہ پانڈی کے بدلے میں خرید لیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے سورہ لیل کو ان سبیکم لشتی تک نازل فرمایا، یعنی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک کام کیا اور امیہ نے بھی ایک کام کیا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے محدثین نے حاکم بن ابان کے واسطے سے حضرت مکرّمہ رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ ایک آدمی کے گھر ایک کھجور کا درخت تھا جس کی شاخیں ایک صاحب اولاد فقیر کے گھر کی طرف جھکی ہوئی تھیں جب کھجور کا مالک آتا گھر میں داخل ہوتا کھجور پر چڑھتا تاکہ اس کا پھل اتارے جو کھجوریں نیچے مرتیں تو محتاج آدمی کے بچے انہیں انھالیے وہ کھجور سے اترتا ان کے ہاتھوں سے کھجوریں لے لیتا۔ اگر وہ کھجور کسی کے منہ میں بھی پاتا تو اپنی انگلیاں ان کے منہ میں ڈالتا اور کھجوریں نکال لیتا۔ اس محتاج آدمی نے حضور ﷺ سے شکایت کی آپ نے فرمایا تو چلا جا۔ حضور ﷺ ان کھجور کے درخت کے مالک سے فرمایا تیری وہ کھجور جس کی شاخیں فلاں کے گھر میں ہیں وہ مجھے دے دے۔ اس کے بدلے میں تیرے لئے جنت میں کھجور کا درخت ہوگا۔ اس آدمی نے عرض کی میں نہر درخت پیش کر دیتا کیونکہ میرے پاس کھجور کے بے شمار درخت ہیں لیکن اس درخت کے پھل جیسا کسی کا ہونے چاہئے نہیں۔ پھر وہ مالک چلا گیا تو ایک آدمی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا جو حضور ﷺ کی اور اس آدمی کی گفتگوں رہا تھا۔ عرض کی اگر میں وہ درخت لے لوں تو کیا آپ مجھے بھی وہی چیز عطا کر دیں گے جو آپ نے درخت کے مالک کو عطا فرمادی۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہاں وہ سوال کرنے والا ان آدمی کے پاس گیا دونوں کے پاس کھجوروں کے کافی درخت تھے۔ اس سے کہا تمہارا کیا خیال ہے کہ حضور ﷺ نے تیرے اس درخت کے بدلے میں جو فلاں کے گھر میں جہاں ہے جنت میں ایک درخت عطا فرمایا۔ تو درخت کے مالک نے کہا حضور ﷺ نے مجھے بھی درخت عطا فرمایا تھا لیکن اس کا پھل مجھے بہت پسند ہے۔ میرے اور بھی بہت سے کھجور کے درخت ہیں مگر اس جیسا چھوٹا پھل کسی اور درخت کا نہیں۔ دوسرے آدمی نے کہا تو اسے بیچنے کا ارادہ رکھتا ہے؟ اس نے کہا میں بیچنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ ہاں ایک شرط ہے کہ جتنا میں ارادہ کروں اتنی قیمت مجھے دے دی جائے۔ مگر مجھے گمان نہیں کہ کوئی مجھے اتنی قیمت دے گا۔ دوسرے نے پوچھا اس کی کتنی قیمت ہے؟ اس نے کہا چالیس درخت۔ دوسرے نے کہا تو نے بہت بڑی قیمت لگائی ہے۔ پھر وہ خاموش ہو گیا اور اس سے کہا میں تجھے چالیس درخت دیتا ہوں اور کہا اگر تم سچے ہو تو گواہ لاؤ۔ پہلے نے اپنی قوم کے افراد بلا لئے جو اس کے گواہ بن گئے۔ پھر دوسرا آدمی جو اب مالک بن چکا تھا حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اب وہ درخت میرا ہو چکا ہے۔ اب میں اسے آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ حضور ﷺ اس محتاج کے پاس گئے، فرمایا اب یہ درخت تیرا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا (1)۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ روایت بہت ہی غریب ہے۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے علی بن حجر سے انہوں نے اتفق بن شیبہ رحمۃ اللہ علیہ سے انہوں نے انہوں نے انہوں نے اس کی مثل

یہ ہے کہ اہل سنت کے مانتے کے حضور ﷺ سے نکاحیت نہ تھی کہ پر وہی کے پتے کھجور کا پھل کھا رہے ہیں۔ ان سے انھیں
 سے اہل سنت جنت میں ایک اہل سنت کے ٹوکھ اور تو ان کے ایسا کرنے سے انکار کر رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ لوگوں
 پر اہل سنت سے۔ پھر تم مقلد بیان کیا ہے اور یہ بھی ذکر کیا ہے۔ یہ سورت ان سے لکھی گئی تھی کہ انہوں نے کہا کہ یہ لوگوں
 سورت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور امیر بن خلف رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہمارے ہاں ہوتی ہیں۔ یہ سورت تھی کہ جب اس سے
 اہل سنت کا قسم اس امر کا تھا کہ اس کے بارے میں یہ سورت نہ تھی۔ اور وہ سورت تھی کہ تو پھر ہم یہ نہیں کہے۔ یہ آیت ہوتی ہے
 کہ ان کے بارے میں نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس نے عہد یہ اور تقویٰ اختیار کیا جیسے ہوشیاران کے یہ تھا اور حضور ﷺ سے
 جو وعدہ کیا اس کی تصدیق کی تو ہم نے اس کے جنت جانے کو آسان کر دیا۔ جب آیت کا حکم ملتا ہے اور وہ اس کے بارے میں
 میرا ذکر کیا اور فرمایا اھا من بخل واستغی۔ یہ آیت کھجور کے حق میں بطور تمہید نہیں کیونکہ وہ ایک نصرت تھی۔ یہ انہوں
 میں سے نہیں تھا جو اللہ تعالیٰ کے ثواب اور جنت کی نعمتوں سے مستحق ہوں اور کسی کو جنت کے واسطے نہیں بلکہ وہ انہوں کی نصرت تھی۔ ان کے
 اس نعرے جنہم کا مستحق بنانے والا بخل فرض زکوٰۃ والا ہے۔ جس سورت یہ امر بھی نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

وَمَا يَغْنُ عَنْهُ صَلَاتُكُمْ دِيَّ ۝ اِنْ عَيَّتَا نَهْلِي ۝ وَاِنْ لَنَا لَآخِرَةٌ وَاٰوَّلَةٌ ۝

اس کے کسی کا منہ آئے گا اس کا ماں بولتا ہے (کے بڑھے) میں نے اس کے اپنے شکر سے اور اس کے
 سے رہنمائی کرنا ہے یقیناً آخرت اور دنیا کے میں سے
 کے ہاں اس میں اس کے نہیں کیا تھا وہ اسے پھولی کرنا ہے کہ جانا فہم ہے یا مستغنیہ نکاحی اور جب ان کو یہ بھی ہے
 ہے۔ یہ وہی باب تفصیل ہے اور وہی سے مشتق ہے۔ مجدد رحمتہ اللہ علیہ کے ہاں کے ہاں ہے وہ کہتا ہے یہ لوگ بدلتے ہیں
 عباد کے مستحق ہوتے ہیں یہ کہنے کے معنی میں ہے، یعنی انہوں نے کہتے ہیں کہ ان میں سے ان میں سے اور اس سے انہوں اللہ تعالیٰ سے
 کہ اس کا معنی ہے وہ جہنم میں کرے گا۔ (2)
 کے علی کا قلم تکرید کے لئے ہے۔ اس کے اپنے سابقہ ایسا یا اپنے بعد کے مطابق بدلتے ہیں کہ اس کے اپنے اپنے
 ہندی کے مہ اول اس معنی کے اور شریعت کے احکام بیان کر کے حق کی طرف رہنمائی کرنا ہے۔ یعنی وہ لوگوں کو بدلتے ہیں
 کہ بہت ہے۔ شریعت اللہ علیہ کے پاس کا معنی یہ ہے جو بہت سے راستے پر چلا دے اور انہوں کو اللہ تعالیٰ سے لگے ہیں۔ ان میں سے انہوں
 مان سے وصلی اللہ تعالیٰ السیئین۔ اس کا معنی یہ ہے جس نے اللہ تعالیٰ کا ارادہ کیا وہ سیر ہے راستہ پر ہے اور اللہ تعالیٰ سے
 راستہ پر ہے۔ واللہ تعالیٰ تمہ کو بخیر بناتا ہے۔

سے آخرت اور دنیا ملک اور تحقیق کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ یہاں خبر کو اس کے لئے مقدم کیا ہے۔ اس کے لئے اس کے
 کے لئے وہ اس اور سے مانگے اور راستہ بھٹک گیا۔ یا تمہارا ہدایت یافتہ لوگوں کو ہدایت کا ثواب دیتے ہیں یا تمہارا ہدایت دہشت گردانہ
 کو نقصان نہیں پہنچاتا۔

فَاذْرُكْمْ نَارًا تَلْقٰۤی ۝ لَا يَصْلٰۤہَا اِلَّا الّٰسَفٰۤی ۝ اَلَمْ یَكُنْ كِتٰبٌ وَّتَوٰن ۝

”پس میں نے خبردار کر دیا ہے تمہیں ایک نہزکتی آگ سے۔ اس میں نہیں جلے گا مگر وہ انتہائی بد بخت ہے جس نے (نبی کریم کو) جھٹلایا اور (آپ سے) روگردانی کی۔“

۱۔ اس میں فاء سیبہ ہے کیونکہ آخرت اور دنیا جب اللہ تعالیٰ کی ہے تو یہ خوف دلانے کا سبب ہے۔ تلمظی کی ایک تاء حذف ہے۔ یہ فعل فارا کی صفت ہے جس کا معنی روشن ہونا اور بھڑکنا ہے۔

۲۔ یہ جملہ فارا کی دوسری صفت ہے۔ یہاں اشقی شقی کے معنی میں ہے۔ یہ کافر اور ایسے فاسق کو بھی شامل ہے جس کی بخشش نہ ہوئی ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی صفت ما بعد کلام سے بیان کی ہے۔

۳۔ یعنی جس نے رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کی اور ایمان سے روگردانی کی اس پر اشقی کا اطلاق بعض افراد کی وجہ سے ہے۔ قید احترازی نہیں بلکہ عادت کے طور پر اور ایمان کا تقاضا بھی یہی ہے کہ مومن شقی نہ ہو کیونکہ ایمان تقویٰ اور سعادت کا تقاضا کرتا ہے۔ بلکہ کافر جھٹلانے والا ہی حقیقت میں بد بخت اور غالباً نافرمان ہوتا ہے۔ تو یہاں شقی کی جو صفات تکذیب اور تولی سے لگائی گئی ہیں۔ وہ بطور عادت ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کے فرمان میں ہے وَرَبَّآپَبِكُمْ التَّيِّبَاتِ فَاجْتَنِبْنَہُمْ۔ یا یہ تکذیب صریح تکذیب اور دلالت تکذیب سے عام ہے۔ صریح تکذیب سے مراد کفر ہے اور دلالت تکذیب سے مراد ایمان کی حالت میں محرمات کا ارتکاب کرنا جبکہ ان کے حرام ہونے کا اعتقاد بھی ہو یا یہ تکذیب زبان اور دل سے جھٹلانے دونوں کو عام ہے۔ تو اس صورت میں یہ کفر اور نفاق ہوگا۔ اسی طرح اسے بھی شامل ہوگا جو نفس امارہ سے صادر ہوتا ہے جبکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہوتا ہے اور زبان اس کا اقرار کرتی ہے تو یہ ایمان ہوگا اور اس پر اسے بدلہ دیا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا یہاں اشقی اسم تفضیل کے معنی میں ہے اور اس سے مراد کافر ہے کیونکہ یہ فاسق سے زیادہ بد بخت ہے۔ مگر لا یصلھا مطلق نہیں بلکہ اس سے مراد جہنم میں ایسا داخل ہونا ہے جس میں دوام اور شدت پائی جائے۔

امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا لا یصلھا کا معنی یہ ہے اس کی سختیوں کو اشقی ہی ہمیشہ کے لئے برداشت کرے گا کیونکہ فاسق کو اگر نہ بخشا گیا تو وہ اس میں ہمیشہ نہیں رہے گا۔ اس لئے حصر میں کوئی نقص نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا اس تکلف کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ لا یصلھا کی ضمیر منصوب فارا تلمظی کی طرف لوٹ رہی ہے، یعنی دہکتی ہوئی آگ میں صرف کافر ہی داخل ہوگا۔ جہاں تک فاسق کا معاملہ ہے اسے جہنم میں تو داخل کیا جائے گا مگر اسے دہکتی ہوئی آگ میں داخل نہیں کیا جائے گا بلکہ اسے کافر کی نسبت کمزور آگ میں داخل کیا جائے گا یہ جہنم کا اوپر والا طبقہ ہوگا۔

میرے نزدیک اشقی سے مراد کافر ہے جس طرح ظاہر ہے۔ اسی طرح آگ بھی عام ہے کیونکہ دنیا کی آگ کی صفت بھی تلمظ (دھکنا) سے لگائی جاتی ہے۔ جہنم کی آگ اگرچہ کمزور ہی کیوں نہ ہو وہ بہر صورت دنیا کی آگ سے بہت سخت ہوگی۔ لیکن آیت میں حصر اضافی ہے۔ اس کا تعلق صرف ان مومنوں کے بارے میں ہے جو حضور ﷺ کے زمانہ میں موجود تھے۔ اس لحاظ سے یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ کوئی بھی صحابی جہنم میں داخل نہیں ہوگا۔ یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے جب تمام صحابہ عادل ہیں اور اللہ تعالیٰ نے تمام کے ساتھ جنت کا وعدہ کیا ہے ارشاد فرمایا كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ اور ارشاد فرمایا مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ حضور ﷺ کا ارشاد ہے جہنم کی آگ اس مسلمان کو نہیں چھوئے گی جس نے مجھے دیکھا یا جس نے مجھے دیکھا اس کو اس نے دیکھا (۱)۔ امام ترمذی

تَجْرَمِي ۱۱۱ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَى ۱۱۲ وَلَسَوْفَ يَرْضَى ۱۱۳

”اور دور رکھا جائے گا وہ نہایت پرہیزگار ہے جو دیتا ہے اپنا مال اپنے (دل) کو پاک کرنے کے لئے۔ اور اس پر کسی کا کوئی احسان نہیں جس کا بدلہ اسے دینا ہو۔ بجز اس کے کہ وہ اپنے برتر پروردگار کی خوشنودی کا طلب گار ہے۔ اور وہ ضرور (اس سے) خوش ہوگا۔“

۱۔ اس کا عطف لا یصلہا پر ہے اور سین تحقیق کے لئے ہے۔ اتقی سے مراد وہ شخص ہے جو شرک جلی، شرک خفی، دل، جسم اور نفس کے معاصی سے بچا یہ نعمت نفس کے تزکیہ اور اطمینان کے بعد ہی حاصل ہوتی ہے۔

۲۔ وہ اپنا مال فقراء، غلاموں کو آزاد کرانے اور بھلائی کے کاموں میں خرچ کرتا ہے۔ پھر کسی بی بیوتی سے بدل ہے۔ اعراب میں اس کا بونی نکل نہیں یا اس کے فاعل کے حال ہونے کی حیثیت سے منسوب ہے۔ یعنی اس کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پاکیزہ ہو وہ ریا کاری اور شہرت کا ارادہ نہیں رکھتا۔ یا یہ زکوٰۃ سے باب اتعلل کے وزن پر ہے۔ ہمارے نزدیک مفہوم مخالف معتبر نہیں۔ اس وجہ سے متقی کے جہنم میں داخل ہونے کی اس میں کوئی دلالت نہیں کیونکہ مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ آیت کریمہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی۔ یہاں مقصود حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان بیان کرنا ہے وہ انبیاء کے علاوہ باقی لوگوں میں سے زیادہ متقی ہیں۔ ہم نے انبیاء کے علاوہ لوگوں کو اس لئے خاص کیا کیونکہ عقل، اجتناب اور نصوص اس پر دلالت کرتے ہیں۔ یہاں یہ قید احترازی (۱) نہیں اور نہ ہی یہ حکم لگانا مقصود ہے کہ متقی تو جہنم میں داخل ہوگا مگر اتقی داخل نہیں ہوگا۔ اگر ہم مشہوم مخالف کو تسلیم کر بی لیں تو پھر متقی سے مراد وہ متقی ہوگا جو شرک سے تو بچتا ہے۔ مگر گناہوں سے نہیں بچتا اس لئے وہ جہنم میں داخل ہوگا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سات غلاموں کو آزاد کیا۔ ان سب کو اللہ تعالیٰ کا دین قبول کرنے کی وجہ سے اذیتیں دی جاتی تھیں۔ تو یہ آیات نازل ہوئیں۔ میں کہتا ہوں اس صورت میں الف لام عہدی ہوگا۔ حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے عامر بن عبد اللہ سے انہوں نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوقحافہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا میں دیکھتا ہوں کہ تم کمزور غلاموں کو آزاد کرتے ہو، کاش تم طاقتور غلام آزاد کرتے جو تیرا دفاع کرتے اور مصیبت کے وقت تیرے ساتھ کھڑے ہوتے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے میرے والد محترم میں تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر کا متمنی ہوں تو یہ آیات نازل ہوئیں۔ محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت بلال بنی جح کے غلام تھے۔ ان کا نام بلال بن رباح تھا، والدہ کا نام حمامہ تھا۔ یہ سچے مسلمان اور پاکیزہ دل کے مالک تھے۔ جب وہ پیر خوب گرم ہو جاتی تو امیہ بن خلف انہیں باہر لے جاتا۔ مکہ کی پتھریلی زمین پر انہیں پشت کے بل لٹا دیتا۔ پھر ایک بڑا پتھر آپ کے سینے پر رکھنے کا حکم دیتا جو آپ کے سینہ پر رکھ دیا جاتا پھر کہتا تو اسی طرح مر جائے گا یا تو حضور ﷺ کا ساتھ چھوڑ دے گا۔ تو اس آزمائش کے عالم میں بھی حضرت بلال رضی اللہ عنہ احد احد پکارتے۔

محمد بن اسحاق نے ہشام رحمہما اللہ تعالیٰ سے انہوں نے حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ

(۱) یہ اس قید اور صفت کو کہتے ہیں جس کا مقصد اپنی حقیقت کے افراد کو غیر سے ممتاز کرنا ہوتا ہے یعنی اس کے ذریعے غیر کو خارج کیا جاتا ہے۔ مثلاً

یہ اللہ تعالیٰ ضرور اس کے عمل پر راضی ہوگا یا اللہ تعالیٰ اسے آخرت میں جو جنت اور عزت عطا فرمائے گا اس پر ضرور راضی ہوں گے۔ اس کا عطف سب جنہا پر ہے۔ یہ آیت بھی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں اسی طرح ہے جس طرح حضور ﷺ کے حق میں وَكَسَوَىٰ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انبیاء کے بعد اتقی ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ آپ انبیاء کے بعد سب سے افضل ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ۔ اسی پر اجماع بھی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم حضور ﷺ کے زمانہ میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ جیسا کسی کو نہ سمجھتے تھے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مقام و مرتبہ مسلم تھا، پھر اس کے بعد ہم باہم صحابہ میں فضیلت نہیں دیتے تھے۔ اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔

حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے پوچھا حضور ﷺ کے بعد سب سے افضل کون ہے؟ آپ نے فرمایا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ۔ پوچھا اس کے بعد کون افضل ہے؟ فرمایا حضرت عمر رضی اللہ عنہ۔ اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ ہم نے اس مسئلہ پر اپنی کتاب السیف المسلمول میں مفصل گفتگو کی ہے۔ اس میں ہم نے احادیث، آثار اور اجماع کا ذکر کیا ہے تاکہ ان لوگوں کا قلع قمع ہو جائے جنہوں نے دین میں تفرقہ کیا ہے۔

حزہ اور کسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے سورۃ البیل اور النحیٰ کی آیات کے سروں میں امالہ کیا ہے مگر سبھی اس سے متشکی ہے۔ حمزہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے فتنہ دیا ہے۔ ابو عمر رحمۃ اللہ علیہ نے عسری اور یسری میں امالہ کیا باقی کو بین بین پڑھا ہے۔ ورش نے تمام میں بین بین کیا ہے۔ باقی قراء نے تمام میں فتنہ پڑھا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

سورۃ الضحیٰ

سورۃ الضحیٰ ۲۱ آیتیں
سورۃ الضحیٰ ۲۱ آیتیں

سورۃ الضحیٰ کی سب سے پہلی آیت میں ایک نوحہ اور توبہ پیش کی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتے ہیں جو بہت ہی مہربان اور مہربان ہے۔

انجمن کے صحیحین میں اس آیت کے بعد شیخ نے جناب ابن عبد اللہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے یہ آیت پڑھی تو آپ سے یہ دعا آئی کہ تم میرے لیے دعا کرو۔ آپ نے فرمایا: (1) اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں کو فرمایا۔ (1)

وَالضُّحٰی ۱ وَاللَّیْلِ اِذَا سَجٰی ۲ ۛ مَا وَدَّعْتَ رُبِّکَ وَوَقَالَ ۳

تو تم نے روز روشن کو یاد کیا اور رات کی جب کہ تم نے سوئے تو تم نے اپنے رب سے کہا: (1) اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں کو فرمایا۔ (1)

انجمن کے صحیحین میں اس آیت کے بعد شیخ نے جناب ابن عبد اللہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے یہ آیت پڑھی تو آپ سے یہ دعا آئی کہ تم میرے لیے دعا کرو۔ آپ نے فرمایا: (2) اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں کو فرمایا۔ (2)

انجمن کے صحیحین میں اس آیت کے بعد شیخ نے جناب ابن عبد اللہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے یہ آیت پڑھی تو آپ سے یہ دعا آئی کہ تم میرے لیے دعا کرو۔ آپ نے فرمایا: (3) اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں کو فرمایا۔ (3)

انجمن کے صحیحین میں اس آیت کے بعد شیخ نے جناب ابن عبد اللہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے یہ آیت پڑھی تو آپ سے یہ دعا آئی کہ تم میرے لیے دعا کرو۔ آپ نے فرمایا: (4) اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں کو فرمایا۔ (4)

کے نیچے تہمتی تو میں نے اس پتے کو باہر نکال دیا۔ حضور ﷺ حرم میں تشریف لائے جبکہ آپ ﷺ کی پیش مبارک میں رشہ طاری تھا۔ جب بھی آپ ﷺ پر وحی نازل ہوتی تو آپ پر یہی کیفیت ہوتی۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس سورت کو قرصی تک نازل فرمایا۔ جاننا ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جبرئیل امین پلے کی وجہ سے نہ آئے۔ اگرچہ یہ مشہور ہے لیکن اس کا سبب نزول قرآن دینا شاذ بندہ مردود ہے جس طرح صحیح میں ہے۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جتنے دن وحی رسی اسی میں اختلاف ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ بارہ دن تھے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ چالیس دن تھے تو مشرکوں نے کہا تھا محمد (ﷺ) کو اس کے رب نے چھوڑ دیا تھا اور آپ سے ناراض ہو گیا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس سورت کو نازل فرمایا (1)۔ ابن مردودہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اے جبرئیل تم نہیں آئے میں تو تیرا مشتاق ہو گیا ہوں۔ جبرئیل امین نے عرض کی میں آپ سے زیادہ مشتاق تھا مگر میں اللہ کے حکم کا پابند ہوں، ہم تیرے رب کے حکم کے بغیر نازل نہیں ہوتے۔ ایک قول یہ کیا گیا صحیحی سے مراد تمام دن ہے جو رات کے مقابل ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَءُوا الْقُرْآنَ حَتَّىٰ يَخْرُجَ مِنَ الْفُجْرِ (2)۔ یہ وہ ساعت ہے جس میں سورہ بقرہ نازل ہوتا ہے (2)۔ قسم کے لئے اس ساعت کو مختص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس وقت کا کام کیا تھا اور اس وقت جاؤ گرجدے میں گر گئے تھے۔ یہ وہ گھڑی ہوتی ہے جس میں مری موسم سرما میں اور سردی موسم سرما میں اعتدال پر ہوتی ہے۔

واللیل اذا سجی میں ظرف یا تو فعل قسم کے متعلق ہے یا اللیل کا جو مضاف مقدر ہے اس کے متعلق ہے جو حصول یا مضاف کے مقدر ہونے کے ساتھ یہ اللیل کی صفت ہے اور اذا وقت کے معنی میں ہے اور ظرفیت سے خالی ہے اور اللیل سے بدل ہے جو مقسم بدل ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا سجی کا معنی یہ ہے جب رات کے ساتھ آئے۔ یہی عوفی رحمۃ اللہ علیہ کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ والی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا سجی کا معنی ہے جب وہ چھا جائے۔ عطاء اور خفاک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جب وہ اپنی تاریکی کے ساتھ ہر چیز کو ڈھانپ لے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جب وہ غالب آجائے۔ قتادہ اور ابن مسکن رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کہا جب اس کی تاریکی قرار پکڑ جائے اس کے بعد مزید نہ بڑھے (3)۔ یا اس کا مطلب ہے کہ اس میں لوگ اور آوازیں خاموش ہو جائیں جب رات یا سمندر پر سکون ہو جائے تو لوگ کہتے ہیں لیل ساج، بحر ساج سابقہ سورت میں رات کو پہلے ذکر کیا وہ اصل کے اعتبار سے ہے۔ یہاں صحیحی کا پہلے ذکر کیا یہ شرف کے لئے ہے۔ اس کا جواب قسم ماوڈ غک ہے، یعنی اس نے تجھے نہیں چھوڑا اور نہ ہی تجھ سے ناراض ہوا۔ قلبی کا مفعول حذف کر دیا گیا یا تو سابقہ مفعول کے ذکر پر اکتفاء کیا گیا یا آیات کے سروں کی محی فطرت کی تھی۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اوسط میں سند حسن کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا میرے بعد میری امت کے لئے نعمتوں کی کشادگی ہونے والی تھی اسے مجھ پر پیش کیا گیا تو اس نے مجھے خوش کیا (4)۔ تو اللہ تعالیٰ نے آیات کو نازل فرمایا۔

وَلَا خَيْرَ لَكَ مِنَ الْاُولٰٓئِ وَ لَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰۤی ۝

اور یقیناً ہر آنے والی گھڑی آپ کے لئے پہلی سے (بدرجہا) بہتر ہے اور عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا عطا

مے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔

یہ باتیں جو مذہب کے اس آیت کا تعلق، قبل کلام کے ساتھ ہو۔ اس کے تسلسل کی صورت یہ ہوں کہ اللہ تعالیٰ کو ماننا اور اللہ تعالیٰ سے
 ہرگز رازہ فتنی یہ اس منہبہ ہوئے فتنہ میں سے ہوئے ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کے ذریعے آپ سے تعلق ہوگا، آپ اللہ تعالیٰ
 کے حبیب ہیں اس سے بڑھ کر یہ نہیں ہو سکتا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو یہ چیز دی۔ آخرت میں آپ ہر وقت ہر لمحہ میں اس کے حق
 پسند اور اعلیٰ ہوگا کیونکہ آپ تمام اجناس سے افضل ہیں اور آپ ہر وقت ہر لمحہ کے محقق ہیں یہ اس کا پتہ اور پتہ سب کے لیے ہے۔
 کہ آپ کی امت ساری امتوں پر برتری رکھتی ہے۔ ہرگز ہو نہ ہو کہ آیت تک انور میں حضور ﷺ کے ان فضائل کا ذکر ہے۔
 آیت میں حضور ﷺ کے خاص ہیں۔

عام میں رحمت اللہ علیہ میں نبی ﷺ کے ساتھ ان کی تہذیب اور اللہ تعالیٰ سے اور انہوں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے نقل
 کیا ہے کہ حضور ﷺ کے فرمایا کہ میں ہرگز نہیں ہوں اللہ تعالیٰ سے بنا، اس کے نیچے آیت ہو یہ نہ دیکھا ہے۔ یہ اس کا معنی ہے کہ آپ کی
 امت کی حالت جہی حالت سے بہتر ہوں اور ان کے انجمن انہما سے بہتر ہوں یعنی آپ کی تہذیب و امان کا جو ان کے انجمن کے
 مقابلہ میں ہے انہوں نے انہوں کے برابر ہونے اور ان کے مقابلہ میں ہے۔ انہوں نے انہوں کے مقابلہ میں ہے انہوں نے انہوں کے مقابلہ میں ہے۔
 انہوں نے انہوں کے مقابلہ میں ہے انہوں نے انہوں کے مقابلہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کی امت پر جو چیزیں فرماتا ہے
 انہوں نے انہوں کے مقابلہ میں ہے انہوں نے انہوں کے مقابلہ میں ہے کہ آپ ﷺ خوش ہوئے تو اللہ تعالیٰ کی آیت ہونا دل فرمایا۔ (۱)

یہ بعض کے دوسرے مفعولوں کو حذف کیا گیا ہے کہ اس سے تمام پر دل سے ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت ہر چیز کی حالت میں
 ہے آپ کے یقین کی اشاعت، آخرت میں شفاست، ثواب بنی، یہ دینی وغیرہ احکامات سے نوازے گا جو اس پر نہیں ہیں، ان کی حالت میں
 انہوں نے انہوں کے مقابلہ میں ہے انہوں نے انہوں کے مقابلہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آیت ہونا دل فرمایا۔ (۱)
 ان اور آپ کے درجہ کے مطابق نصیب ہوگا۔ حضور ﷺ نے فرمایا میں اس وقت تک نہیں رہوں گا جب تک کہ یہ آیت
 میں نہیں ہوگی ہوگا۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا میں اپنی امت کی شفاست میں ہوں کہ یہ آیت
 ساری ارب ہر سے گائے گا کہ کیا تم راضی ہو؟ تو میں عرض کروں گا کہ میں نے راضی ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے انہوں نے انہوں کے مقابلہ میں ہے
 انہوں نے انہوں کے مقابلہ میں ہے کہ بعض کے برابر ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت شفاست میں ہے کہ یہ آیت ہونا دل فرمایا۔ (۱)
 آپ راضی ہو جائیں گے۔ یہی حضرت علی اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے انہوں نے انہوں کے مقابلہ میں ہے
 سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا میں اپنی امت کی شفاست میں ہوں کہ یہ آیت ہونا دل فرمایا۔ (۱)
 سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا میں اپنی امت کی شفاست میں ہوں کہ یہ آیت ہونا دل فرمایا۔ (۱)
 اللہ تعالیٰ سے انہوں نے انہوں کے مقابلہ میں ہے کہ بعض کے برابر ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت شفاست میں ہے کہ یہ آیت ہونا دل فرمایا۔ (۱)
 سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا میں اپنی امت کی شفاست میں ہوں کہ یہ آیت ہونا دل فرمایا۔ (۱)

انہوں نے انہوں کے مقابلہ میں ہے کہ بعض کے برابر ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت شفاست میں ہے کہ یہ آیت ہونا دل فرمایا۔ (۱)

ایک قول یہ کیا گیا اس میں لام ابتدا سے ہے جو مبتدا کے حذف کے بعد خبر پر داخل کیا گیا۔ تقدیر کلام یہ تھی وَلَا نَنْتَ سَوْفَ يُعْطِيكَ۔ یہ قسم کے لئے نہیں کیونکہ یہ مضارع پر نون تاکید کے بغیر داخل نہیں ہوتا۔ سوف کے ساتھ اسے اس لئے جمع کیا گیا کہ یہ لام لام قسم ہے لام ابتداء نہیں۔ جبکہ یہ بات معروف و مشہور ہے کہ یہ لام ابتداء نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ سوف پر داخل ہے اور لام ابتداء سوف پر داخل نہیں ہوتا پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی ان نعمتوں کا ذکر کیا ہے جو آپ پر پہلے کی جا چکی تھیں تاکہ سابقہ نعمتوں پر مابعد کی نعمتوں کو قیاس کر لیں تو ارشاد فرمایا۔

الْمُ يَجِدْكَ يَتِيماً فَاَوَىٰ ۙ وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ ۗ

”کیا اس نے نہیں پایا آپ کو یتیم پھر (اپنی آغوش رحمت میں) جگہ دی۔ اور آپ کو اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو منزل مقصود تک پہنچا دیا۔ اور اس نے آپ کو حاجت مند پایا تو غنی کر دیا۔“

اگر لہم یجد اس وجد سے مشتق ہے جو علمت کے معنی میں ہے۔ تو یتیم مفعول ثانی ہوگا۔ اگر یہ مصادفہ کے معنی میں ہو تو یتیم حال ہونے کی حیثیت سے منسوب ہوگا۔ ہمزہ استنہام انکار کے معنی میں ہے اور نفی انکار کا مطلب اثبات ہوتا ہے۔ اس سے غرض یہ ہے کہ مخاطب اس کا اقرار ہی ہے۔ معنی یہ ہوگا تجھے یتیم پایا یعنی تمہاری عمر چھوٹی تھی اور تم فقیر تھے کیونکہ آپ ﷺ کے والد فوت ہو گئے تھے اور تمہارے لئے کوئی مال اور جائے پناہ نہیں چھوڑی تھی اور اس صورت میں یہ جملہ ماوڈ عک کی تاکید ہے تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے چچا کے ہاں تمہیں پناہ دی اور آپ ﷺ کو ان کے ساتھ ملا دیا یہاں تک کہ انہوں نے تمہاری کفالت کی۔

امام بغوی نے ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ کی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے اپنے رب سے عرضداشت کی میں پسند کرتا ہوں کہ کاش میں نے ایسا کیا ہوتا۔ میں نے عرض کی اے میرے رب کہ آپ نے سلیمان بن داؤد کو عظیم ملک عطا فرمایا اور فلاں فلاں چیز عطا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا میں نے تمہیں یتیم نہیں پایا پس تمہیں پناہ دی۔ میں نے عرض کی اے میرے رب بات اسی طرح ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا میں نے تمہیں ضال نہیں پایا۔ پس میں نے تمہیں ہدایت سے نوازا میں نے عرض کی بات اسی طرح ہے اے میرے رب۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا میں نے تمہیں عیال دار نہیں پایا تو میں نے تمہیں غنی کر دیا۔ میں نے عرض کی بات اسی طرح ہے اے ہمارے رب۔ بعض روایات میں یہ الفاظ زائد ہیں کیا ہم نے تیرے سینے کو نہیں کھولا اور تم سے بوجھ کو ہلکا نہیں کیا؟ میں نے عرض کی کیوں نہیں اے میرے رب۔ اکثر لوگوں کی رائے یہ ہے کہ اس عرضداشت میں حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے مال اور کشادگی کا سوال کیا تھا کیونکہ حضور ﷺ مفلح تھے اور قریش اس بارے میں عار دلاتے تھے یہاں تک کہ انہوں نے یہ بات بھی کی اگر تمہیں مال کی طلب ہے تو ہم تیرے لئے اتنا مال جمع کر دیتے ہیں کہ تم مکہ کے سب سے مالدار بن جاؤ گے تو حضور ﷺ سخت غمگین ہوئے اور آپ نے یہ گمان کیا کہ کفار نے آپ کے فقر کی وجہ سے آپ کی تکذیب کی ہے تو حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے یہ عرضداشت کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ پر ان نعمتوں کا شمار کیا اور آپ کی تسلی کے لئے غنا کا وعدہ کیا۔

یہ بات تسلیم کئے جانے کے قابل نہیں۔ اس کی کئی وجوہ ہیں۔ پہلی وجہ تو یہ ہے کہ حضور ﷺ کی رفعت شان اس بات کا تقاضا نہیں کرتی کہ آپ اپنے رب سے دنیا کا سوال کریں۔ امام بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب کہا ہے:

1۔ بلند پہاڑوں نے سونے کا بن کر حضور کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا تو حضور ﷺ نے انہیں شان استغناء دکھائی۔

کا سلسلہ منقطع بھی ہوا اور آپ سخت غمگین ہوئے۔ صحیح بخاری میں ہے ہمیں خبر پہنچی ہے آپ کئی دفعہ پہاڑ کی چوٹی پر تشریف لے گئے کہ وہاں سے اپنے آپ کو نیچے گرا دیں۔ جب آپ پہاڑ کی چوٹی پر پہنچتے تے اپنے آپ کو گرائیں تو جبرئیل امین ندا دیتے اے محمد آپ اللہ تعالیٰ کے رسول برحق ہیں۔ اس سے آپ کو سکون حاصل ہوتا اور نفس میں قرار آ جاتا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا تھا میرا خیال ہے آپ کا رب آپ سے ناراض ہو گیا ہے کیونکہ آپ سخت غمگین ہیں۔ تو حضور ﷺ نے اس حالت کے ختم کرنے کا سوال کیا تھا جو حالت خالق سے انقطاع کا سبب تھی اور مخلوق کی طرف محتاج ہونے کا ذریعہ تھی جس کو آپ نے چھوڑنے اور ناراض ہونے پر معمول کیا تھا اس پر آپ سخت غمگین ہوتے تھے اور آپ نے اس وصال کا سوال کیا تھا جس میں انقطاع نہ ہو اور اس میں کبھی حجاب نہ ہو۔ تو اس صورت میں ان آیات کا معنی یہ ہوگا کہ وہ فراق جو آپ پر طاری ہوا ہے وہ چھوڑنا اور ناراض ہونا نہیں کہ آپ غمگین ہو جائیں بلکہ یہ معنوی طور پر عروج اور وصل کا کمال تھا اگرچہ صورت کے اعتبار سے یہ نزول اور فراق تھا۔ وللاخیرۃ خیر لک من الاولیٰ کا مطلب یہ ہے کہ ہر دوسری حالت جو آپ پر طاری ہوگی وہ پہلی سے بہتر ہوگی۔ آپ کے احوال میں کبھی کمی اور کوتاہی واقع نہ ہوگی یہاں تک کہ آخرت میں کلی طور پر دیدار اور وصل نصیب ہوگا۔ وہاں تبلیغ کے مکلف ہونے، مخلوق کی طرف متوجہ ہونے اور فراق کی مشقت بالکل نہ ہوگی اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اپنی نعمتیں عطا فرمائے گا جنہیں آپ پسند کریں گے اور اس پر راضی ہو جائیں گے۔

۲۔ اس جملہ کا عطف الہم بجدک کے معنی یہ ہے کیونکہ اس کا معنی بھی وجدک ہے۔ اس وجہ سے خبر کا عطف خبر پر ہے انشاء پر نہیں آپ و نبوت کی نشانیوں، شریعت کے احکام سے اور اپنی چیزوں سے بے خبر پایا جن کے حاصل ہونے کا ذریعہ صرف سہمت ہے۔ اسی معنی میں یہ آیت بھی ہے وَ اِنْ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلِهَا مِنْ الْغَافِلِينَ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے مَا كُنْتُمْ تَدْرِيْنَ مَا الْمَكْتَبُ وَلَا الْاِلْيَافُ۔ حضرت حسن بصری، ضحاک اور ابن کيسان رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہی کہا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ آپ کو چھوٹی عمر میں مکہ مکرمہ کی گھٹیوں میں گم پایا۔ یہ اس وقت ہوا جب حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ کو دودھ پھرایا اور مکہ مکرمہ واپس لائیں تاکہ آپ کے دادا تک آپ کو پہنچائیں۔ ابوحنیفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح نقل کیا ہے۔

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ نے کہا حضور ﷺ اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ سفر پر نکلے۔ اس قافلہ میں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے غلام میسرہ بھی تھے۔ ایک تاریک رات میں آپ اونٹنی پر سوار تھے۔ اونٹنی اٹھ اٹھ کر آپ کی اونٹنی کی لگام چکری اور راستہ سے دور لے گیا۔ جبرئیل امین تشریف لائے۔ آپ نے ایک پھونک ماری جس سے اونٹنی جھپٹا اور حضور ﷺ کو قافلہ کی طرف لوٹا دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ آپ کو ایسی حالت میں پایا کہ آپ اپنے بارے میں نہیں جانتے تھے کہ آپ کون ہیں (1)۔ جس صوفیاء نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ آپ کو ایسا محبت اور عاشق پایا جو محبت اور عشق میں افراط سے کام لینے والا ہے جس کے نتیجہ میں انسان پر سمر غاری ہو جاتا ہے اور سکر کی وجہ سے انسان عموماً راستہ بھول جاتا ہے۔ حدیث طیبہ میں ہے کسی شے سے تیری محبت تجھے اندھا اور بہرہ بنا دیتی ہے۔ یہاں سبب کو مسبب کا نام دے دیا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کے فرمان میں ہے: اَنْزَلْنَا الْقُرْآنَ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ رُزُقٍ۔ یہاں رزق سے مراد بارش ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے قول کی حکایت بیان کی ہے اِنَّ اَبَانَا نَفِيْ ضَلٰبٍ مُّہْمِيْنٍ اور فرمایا اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۔ اسی طرح ایک اور جگہ یہی اسلوب ہے وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ

۱۔ مفسرین نے کہا وہ سائل جو تیرے دروازے پر آئے اسے نہ جھڑک آپ بھی تو فقیر اور محتاج تھے یا تو اسے کوئی چیز دے دو یا اسے نرمی سے واپس کر دو۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا گیا کہ آپ نے فرمایا جب کوئی طالب علم تجھ سے سوال کرے تو اسے نہ جھڑک (1)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس نے اپنے علم کو چھپایا قیامت کے روز اسے آگ کی لگام دی جائے گی۔ یہ جملہ دوسری تاویل (حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے قول) کی صورت میں ووجد ضالا فہدی کے ساتھ متصل ہے اور کلام لفظ نشر مرتب کے طریقہ پر ہوگی پہلی تاویل کی صورت میں ووجدک عانلا کے ساتھ متصل ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر جو نعمتیں کی ہیں ان پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائیے۔ یہ جملہ لفظ نشر مرتب کے طریقہ پر ووجدک عانلا فاغنی کے ساتھ متصل ہے۔

حضرت سنان بن سنیہ رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کھانا کھانے والا اور اس پر شکر بجالانے والا صبر کرنے والے روزہ دار کی طرح ہے (2)۔ اسے امام احمد، ابن ماجہ اور دارمی رحمہما اللہ تعالیٰ نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا ہے۔ اشعث بن قیس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ شکر گزار بندہ وہ ہے جو بندوں کا زیادہ شکر ادا کرنے والا ہو۔ ایک روایت میں ہے جو لوگوں کا شکر نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا شکر نہیں کرتا اسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا اس کے راوی ثقہ ہیں۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو آدمی کسی پر احسان کرے وہ بھی اسے بدلہ دے۔ اگر بدلے میں احسان نہیں کر سکتا تو اچھے لفظوں میں اس کی تعریف کر دے کیونکہ جب اس نے تعریف کر دی گویا اس نے شکر یہ ادا کر دیا۔ اگر اسے چھپا دیا تو ناشکری کی جس نے کوئی چیز نہ دی۔ مگر ظاہر یہ کرے کہ میں نے دی ہے تو وہ جھوٹ کا لباس زیب تن کرنے والا ہے اسے امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر پر ارشاد فرماتے ہوئے سنا جو تھوڑے عطیہ پر شکر ادا نہیں کرتا وہ زیادہ عطیہ پر شکر ادا نہیں کرتا اور جو لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا بھی شکر ادا نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا ذکر شکر ہے اور اس کا چھوڑ دینا کفر ہے۔ اجتماعیت و اتفاق اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اور فرقہ پرستی اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے۔ اسے امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ یہ احادیث تقاضا کرتی ہیں کہ مشائخ اور اساتذہ کا شکر یہ ادا کیا جائے اور ان کا ذکر اچھے الفاظ میں کیا جائے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا آیت میں نعمت سے مراد نبوت ہے (3)۔ بشیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے یہ روایت کیا زجاج رحمۃ اللہ علیہ نے اسی قول کو پسند کیا۔ معنی یہ ہوگا جو پیغام حق آپ کو دیا گیا ہے اس کی تبلیغ کیجئے اور جو نبوت کی نعمت آپ کو عطا کی گئی ہے اس کا تذکرہ کیجئے۔ ایٹ نے مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ سے یہ قول نقل کیا ہے کہ اس سے مراد قرآن ہے۔ یہی کلیبی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے تو پھر اس کا معنی ہوگا کہ آپ قرآن پڑھا کریں (4)۔ اس تعبیر کی صورت میں یہ آیت ووجدک ضالا فہدی کے ساتھ متصل ہو گی۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا معنی یہ ہے ہم نے جو انعام پناہ عطا کرنے، ہدایت دینے، غنی کرنے کی صورت میں کئے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیجئے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا ذکر بھی شکر ہے۔ یہ مفہوم زیادہ واضح ہے کیونکہ مذکورہ نعمت مطلق ہے۔ اس تخصیص کی کوئی وجہ

2۔ سنن ابن ماجہ، جلد 2، صفحہ 369 (العلمیہ)

4۔ ایضاً

1۔ تفسیر بغوی رحیر آیت ہذا

۱۹۔ تفسیر سنان بن سنیہ، رحیر آیت ہذا

میں نعمت آئی ہو یا نہ ہو اس پر شکر بجالانا واجب ہے۔ اس تاویل کی صورت میں یہ آیت مذکورہ تین قسموں سے مراد نہیں ہے۔ سورۃ الباقیہ میں امان اور فتح کے بارے میں جو اختلاف ذکر کیا گیا تھا وہ یہاں بھی مذکور ہے۔

مسئلہ :- ہر نعمت پر شکر بجالانا واجب ہے۔ شکر کا مطلب یہ ہے کہ نعمت کو ذوق کم کرنے والے کی رضا میں صرف یہ کہہ کر کہ اس نعمت کا شکر ہوگا کہ اس نعمت کو اخلاص کے ساتھ حق کے راستہ میں صرف کیا جائے۔ بدن کی نعمت کا شکر یہ ہے کہ وہ اہل بیت سے کہ وہ اہل بیت سے اس سے اجتناب کیا جائے، علم و عرفان کی نعمت کا شکر یہ ہے کہ اوروں کو تعلیم دی جائے اور ان کی رہنمائی کی جائے۔

مسئلہ :- نعمت کا ذکر کرنا بھی شکر ہے۔ حضور ﷺ کا مذکورہ ذیل ارشاد بھی اسی قبیل سے تعلق رکھتا ہے میں بنی نوح انسان کا دوسرا پتھر کی بات نہیں۔ اسی طرح کے دوسرے ارشادات بھی اسی قبیل سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہم نے سورۃ بقرہ میں ان کا ذکر کیا ہے۔ انصاف سے سہرا انقادرجیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے جو ارشاد فرمایا ہے وہ بھی اسی قبیل سے تعلق رکھتا ہے:

كُلُّ وَبِي لَهٗ قَدَمٌ وَابِي
عَلَى قَدَمِ النَّبِيِّ بَدْرُ الْكَمَالِ

ہر نبی کے لئے ایک قدم ہے۔ میں حضور ﷺ کے قدم پر ہوں جو بدرِ کمال ہے۔ اور حضور نبوتِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمانِ قدیمی ہندہ علی رقبة کل ولی اللہ انہیں چیزوں میں سے وہ جس نے جو حضرت سید الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں ولایتوں کے قرب کے مدارق عطا کئے، نبوت و امامت کے کمالات سے نوازا اور اولی العزم رسولوں کے کمالات سے نوازا اللہ تعالیٰ نے ان تینوں ولایتوں میں عطا فرمائے اور وراثت کے طور پر بھی عطا فرمائے۔ اسی صحت سے تعلق سے بھی نوازا اور یہ ذکر کہ آپ کو حضور ﷺ نے منجانب سے پیدا کیا تھا۔ یا آپ مجدد اور قیوم کے منصب پر فائز ہوئے۔ جو دنیا کی ہستیوں کے اتواں کا انکار کرتا ہے گویا وہ اس آیت کریمہ کا انکار کرتا ہے کہ اس قسم کے ذکر میں یہ ضرور ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صفات سے فعل طور پر پاک ہو کر کسی کے لئے ایسی باتیں کرنا جائز نہیں تاکہ کہیں وہ اس مصیبت میں نہ پڑ جائے کہ شیطان نے فرمایا: اَنْ خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِي مِنْ نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ۔

فصل :- امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اہل علم کی قرأت میں سنت یہ ہے کہ سورۃ والی کے آغاز سے قرآن حکیم کے اختتام تک۔ سنت سے اختتام پر اللہ اکبر کہتے ہیں امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا میں نے امام مقرر ابو نصر محمد پر اس طرح پڑھا انہوں نے اس وقت تک اللہ علیہ قرأت کی سزا دہری۔ ان کثیر رحمت اللہ علیہ نے کہا کہ انہوں نے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ پر پڑھا انہوں نے حضرت ابن عباس سے اللہ عنہما پڑھا، انہوں نے حضرت ابن کعب رضی اللہ عنہ پر پڑھا، پھر انہوں نے ایک سلسلہ ذکر کیا۔ جو ابی اسامہ بن عثمان بن ابی سہل بن عبدالقمر قرأت ہے کہا جب میں سورۃ والی پر پہنچا تو مجھے کہا اللہ اکبر کہو یہاں تک کہ تو ہر سورت کو ختم کرے۔ چونکہ تم نے ابن عباس سے اللہ علیہ پر اس طرح پڑھا تھا انہوں نے ہمیں یہی حکم دیا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے خبر دی کہ انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما پر قرأت کی، انہوں نے بھی اسی چیز کا حکم دیا، انہوں نے بتایا کہ انہوں نے حضور ﷺ پر پڑھا تو آپ نے یہی حکم دیا۔ اس تکبیر کا سبب یہ تھا کہ جب وحی رک گئی تو مشرکوں نے کہا حضور ﷺ کو شیطان نے چھوڑا ہے اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو ان باتوں سے غمگین ہوئے تھے۔ جب سورۃ والی نازل ہوئی تو حضور ﷺ نے وحی کی خوشی میں نعرہ ثبیب بلند کیا تو صحابہ

سنت بنا یا۔ (1)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ کتاب ہر مسلمان کو نفع دے۔ آمین

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ذکر کیا کہ سورت کے اختتام پر اللہ اکبر کہے جبکہ ابو عمرو دانی نے تیسیر میں یہ ذکر کیا ہے کہ سورت کے آغاز میں اللہ اکبر کہے جس کو امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اول میں ذکر کیا۔ دانی نے اس کو آخر میں ذکر کیا یعنی دانی نے بغوی رحمۃ اللہ علیہ کے برعکس ذکر کیا ہے کیونکہ انہوں نے کہا کہ بزی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ وہ سورۃ والنضحیٰ کے آخر میں تکبیر کہتے۔ یہی طریقہ ہر سورت کے ساتھ ہوتا یہاں تک کہ وہ سورۃ الناس کے ساتھ بھی تکبیر کہتے۔ اگر سورت کا آخر متحرک ہوتا جیسے اذا حسد، الناس، الابتر تو اللہ اکبر کے ہمزہ کو حذف کر دیتے۔ اگر آخری حرف ساکن ہو جیسے فحدث، فارغب یا اس کے آخر میں تنوین ہو جیسے تراجا اور خبیر تو ساکن کو حرکت دیتے اور تنوین کے نون کو کسرہ دیتے اور تکبیر کے ساتھ اسے ملا دیتے۔ اگر قاری چاہے تو تکبیر پر قرأت ختم کر دے اور اس کے بعد جو سورت ہے بسم اللہ کو اس کے ساتھ ملا دے یا بسم اللہ کو الگ پڑھ لے اور اگر چاہے تو تکبیر کو بسم اللہ کے ساتھ ملا لے اور سورت کے اول حصہ کو بسم اللہ کے ساتھ ملا لے۔ جب تکبیر کو بسم اللہ کے ساتھ ملایا گیا ہو تو بسم اللہ پر قطع کرنا جائز ہے، یعنی جب تکبیر کو سورت کے ساتھ ملایا جائے تو چار احتمال ہیں۔ تکبیر اور بسم اللہ پر قطع کرنا، دونوں میں وصل کرنا پہلے پر قطع کرنا، دوسرے کے ساتھ وصل کرنا یا پہلے پر وصل کرنا اور دوسرے پر قطع کرنا۔ پہلی تین صورتیں جائز ہیں چوتھی صورت جائز نہیں۔ دانی نے کہا بعض اہل اداء سورت کے آخر پر قطع کرتے پھر تکبیر پڑھتے اور بسم اللہ کے ساتھ ملا لیتے۔ ابو عمرو رحمۃ اللہ علیہ نے کہا نقاش نے ابی ربیعہ سے اور انہوں نے بزی رحمۃ اللہ علیہ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ فارسی پر انہوں نے اسی طرح پڑھا ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے یہی ذکر کیا ہے۔ میں کہتا ہوں میں نے دونوں قرأتیں شیخ صالح مصری پر پڑھیں، انہوں نے شیخ القراء متاخرین کے مقتدا شیخ عبدالخالق پر پڑھیں۔ شیخ صالح مصری نے تکبیر کی صفت بزی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت پر یوں ذکر کیا لا الہ الا اللہ واللہ اکبر۔ اگر سورۃ والنضحیٰ کے آغاز میں تکبیر پڑھی تو سورۃ الناس کے بعد تکبیر نہ ملانے تو دوسورتوں کے درمیان تکبیر پر قطع نہ کرے۔ اگر اس نے پہلی صورت کے ساتھ تکبیر کو ملایا ہو، اگر اس نے پہلی سورت کے اختتام کے ساتھ تکبیر کو ملایا ہو تو تکبیر اور بعد والی سورت کے بسم اللہ اور سورت کے آغاز کے ساتھ ملانا واجب ہے اور اگر تکبیر کو سورت کے آخر سے الگ کیا تو پھر اسے اختیار ہے کہ تکبیر اور بسم اللہ اور بسم اللہ اور سورت کے درمیان وصل کرے یا قطع کرے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

سورۃ الم نشرح

ابتدا ۸ ﴿سُورَةُ الْمُنَافِقِينَ﴾ ۹۳ ﴿مَكِّيَّةٌ﴾ ۱ ﴿مَكُونُهَا﴾

سورۃ الم نشرح کی ہے، اس میں ایک رکوع اور آٹھ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

”اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے“

اَلَمْ نَشْرِكْ لَكَ صَدْرًا مَّارِكًا ۚ وَوَضَعْنَا عَنكَ وِزْرًا مَّارِكًا ۚ اَلَيْسَىٰ اَنْقَضَ صَدْرَكَ ۚ

”کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ کشادہ نہیں کر دیا اور ہم نے اتار دیا ہے آپ سے آپ کا بوجھ جس نے بوجھیں کر دیا تھا آپ کی پیٹھ کو“

ابو امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جس طرح روایت کیا یہ جملہ اور بعد والے جملے اَلَمْ يَجِدَكَ يَتِيمًا فَآوَىٰ ۖ وَوَجَدَكَ عَالِمًا فَلَا غَفْلَةَ لَكَ فَكَفَىٰ کے ساتھ متصل ہیں، اگر یہ روایت درست ہے تو بہت بہتر۔ بصورتِ ائمہ یہ سورت بھی اسی جیسی حالت میں نازل ہوئی کہ حضور ﷺ نے حقیقتاً سوال کیا یا مقدر سوال کیا۔ اس آیت کا معنی وہی ہوگا جس طرح ساتھ سورت میں نزل پہنکا ہے۔ یعنی ہم نے آپ کے سینے کو آپ کے لئے کھول دیا یہاں تک کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے نوحے سے علوم حقہ و معارف دینیہ کے سما جانے کی صورت پیدا ہو گئی جس کو عقلاً، عقل سے حاصل نہیں کر سکتے نیز اس میں یہ استعداد بھی پیدا ہوئی کہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہیں (مقام عروج پر غائب ہیں) اور ساتھ ہی ساتھ لوگوں کو دعوت دینے کے لئے مرتبہ نزلوں پر بھی فائز ہیں۔ حالت نزل میں بھی آپ اللہ تعالیٰ سے منقطع نہیں کہ آپ نشکین ہوں۔

حضور ﷺ کے لئے شرح صدر کا واقعہ دو دفعہ ظاہر و باہر واقع ہوا۔ ایک دفعہ بچپن کی عمر میں جس طرح امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جبرئیل امین تشریف لائے تھے آپ بچوں کے ساتھ تھے۔ حضرت جبرئیل امین نے آپ کو پکڑ لیا۔ آپ بولنا یا، آپ کے دل کو چیرا، اس سے بھاہوا خون نکالا اور فرمایا یہ شیطان کا حسرت ہے۔ پھر آپ کے دل کو زخم کے پانی سے ایک تلشت میں دھویا۔ پھر اسے حوزہ اور اپنی جگہ میں اسے رکھ دیا۔ بچے دہرتے ہوئے ان کی رضائی ماں کے پائے آئے اور بتایا کہ محمد کو قتل کر دیا گیا ہے۔ لوگ آئے جب کہ آپ ﷺ کا رنگ اڑا ہوا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں آپ کے سینے میں سلائی کے نشانات دیکھتا تھا (۱)۔ دوسری دفعہ شق صدر معراج کی رات ہوا۔ جس طرح صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے تھے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جبرئیل امین آئے انہوں نے میرے سینے کو کھولا، پھر اسے زخم کے پانی سے دھویا، پھر سونے کا ایک تھال لایا گیا جو حکمت اور ایمان سے نجا ہوا تھا اسے میرے سینے میں اندیل دیا۔ پھر اسے بند کر دیا (۲)۔ صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جسے وہ معصوم سے نقل کرتے

ہیں کہ حضور ﷺ نے بیان کیا کہ اس جگہ سے لے کر اس جگہ تک میرا سینا کھولا، پھر جبریل امین نے میرا دل نکالا، پھر سونے کا ایک تمثال لایا گیا جو ایمان سے بھرا ہوا تھا، میرے دل کو دھویا، اس طشت کو میرے سینے میں اٹھایا گیا، پھر دل کو اپنی جگہ رکھ دیا گیا۔ ایک روایت میں ہے پھر زمزم کے پانی کے ساتھ پیٹ کو دھویا، پھر اسے ایمان اور حکمت کے ساتھ بھر دیا۔ میں کہتا ہوں جو جما ہوا خون حضور ﷺ کے دل سے نکالا گیا وہ عناصر، نفس اور دل کے رذائل تھے جو نفس کو نفس امارہ بنانے کے باعث ہوتے ہیں۔ اعضاء کو نافرمانیوں پر برا بیختہ کرتے ہیں۔ پھر الم نشرح لک جس مفہوم پر دلالت کرتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کے فرمان و وضعنا عنک وذرک کو معطوف کیا۔

۲۔ وزر کا اصل معنی پہاڑ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کلا لا وذر یعنی وہاں کوئی ایسا پہاڑ نہیں ہوگا جہاں پناہ لی جاسکے۔ لیکن یہاں استعارہ کے طریقہ پر اس سے مراد بوجھ ہے۔ اس ثقل سے مراد یا تو فراق کا غم اور چھوڑنے کا وہم ہے جس نے حضور ﷺ کو غمگین کر دیا اور آپ کی پشت کو بوجھل کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ النضحیٰ اور الم نشرح کی آیات کو نازل فرما کر غم اور حزن کو دور کر دیا یہاں تک کہ آپ کی طبیعت کو سکون آ گیا نفس کو قرار آ گیا اور آپ کو معلوم ہو گیا کہ وحی میں یہ انقطاع قطع تعلق اور ناراضگی کی وجہ سے نہ تھا بلکہ حکمت اور منفعت کی وجہ سے تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس غم کو نعمت میں شمار کیا ہے یا اس وذر سے مراد دعوت حق، احکام کی تبلیغ، احکام کو بجالانے اور منہیات سے رکنے کی مشکل تکالیف ہیں کیونکہ شرعی امور کو بجالانا بہت ہی مشکل ہے کیا تم دیکھتے نہیں کہ آسمانوں، زمینوں اور پہاڑوں نے اس بات کا انکار کر دیا کہ وہ اس نعمت کو اٹھائیں گے بلکہ وہ خوفزدہ ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے یہ ڈرنے والوں پر بہت ہی بھاری ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کے سینے کو ایمان اور حکمت کے لئے کھول دیا شیطان کے حصے اور نفس کے ان رذائل کو زائل کر دیا جو نفس کی فطرت میں موجود ہیں تو شرعی احکام آپ ﷺ کے لئے مرغوب اور پسندیدہ ہو گئے یہاں تک کہ آپ ﷺ نے کہا میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے یہ مرتبہ جسے اللہ تعالیٰ نے بوجھ ہلکا کرنے سے تعبیر کیا ہے۔ صوفیاء اسے ایمان حقیقی کہتے ہیں۔ صوفیاء کا جو قول ہے کہ صوفی سے تکلیف شرعی کو ساقط کر دیا گیا ہے اس کا بھی یہی مفہوم ہے، یعنی احکام شرعیہ بجالانا ان کے لئے مشکل نہیں ہوتا۔ شرح صدر اور بوجھ ہلکا کرنے کا مرتبہ حضور ﷺ کو تو ظاہر و باہر حاصل ہوا جس طرح ہم نے بیان کیا ہے آپ کی امت کے اولیاء کو باطنی طور پر وراثت کے انداز میں حاصل ہوتا ہے اور وہ بھی عالم مثال میں ظاہر ہوتا ہے لیکن یہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جب نفس فناء ہو جائے، عین اور اثر باقی نہ رہے، اس وقت صوفیاء کو خوشخبری دی جاتی ہے کہ انہیں شرح صدر اور ایمان حقیقی حاصل ہو گیا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی کہا ہے اور ہم نے مشائخ کرام کے ملفوظات سے یہی سمجھا ہے۔ عبد اللہ بن یحییٰ اور ابو عبیدہ نے جو یہ کہا ہے کہ ہم نے آپ سے نبوت کے بوجھ کو ہلکا کر دیا اور اس کے فرائض بجالانے کو آسان کر دیا تو یہ بھی دوسری تاویل کے مناسب ہے۔ ہم نے جو دو تاویلیں ذکر کی ہیں وہ ان اقوال سے بہتر ہیں جو یہ کہے گئے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ دور جاہلیت میں جو آپ سے لغزشیں ہوئیں ان کو آپ سے ساقط کر دیا۔ یہ تاویل اس لئے درست نہیں کیونکہ حضور ﷺ اس سے بہت بلند ہیں۔ اسی طرح یہ قول کہ یہاں وذر سے مراد افضل کو ترک کرنا اور فاضل کو بجالانا ہے۔ اسی طرح کے دوسرے اقوال سب تکلفات ہیں۔

۳۔ اسے بوجھل کیا یہاں تک کہ اسے کمزور کیا یہاں تک کہ اس سے ایسی آہ آئے گی جس طرح جب بوجھ زیادہ ہو تو کجاوے سے آواز آتی ہے۔ یہ اسم موصول وذرک کی صفت ہے۔ اگر وذر کا معنی فراق کا غم لیا جائے تو پھر کسی تکلف اور تاویل کی کوئی ضرورت باقی

نہیں رہتی کیونکہ اسی فراق نے آپ کو تمکین کر دیا تھا۔ اگر دوردست سے مراد احکام شریعہ کی تکالیف ہیں جس طرح ہم نے اس میں تعبیر کیا ہے تو پھر اس کا معنی یہ ہوگا اگر ہم آپ کے سینے کو نہ کھولتے اور آپ سے اس بوجھ کو ہٹا نہ دیتے جس نے آپ کو پشت بوجھ اور سخت بوجھ کر دیا تھا تو جو فرائض آپ پر لازم آتے ان کو بجالانے میں آپ کو طاقت نہ ہوتی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہم پر یہ فرض نہیں کیا کہ ہم ہدایت پاتے نہ ہم صدق کرتے اور نہ ہی نماز پڑھتے۔ جب احکام شریعہ کا بوجھ دنیا میں پشت بوجھ تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس بوجھ کو ہٹا دیا اور ہمیں اس میں مانع سے تو انقض کو ماضی کے سینے کے ساتھ نہ کرنا جبکہ حضور ﷺ حضور ﷺ تھے تو اس عبادت میں سب بوجھ ہٹا کر مستغنی کا سینہ ڈکرایا جاتا کیونکہ نافرمانیاں تو آخرت میں پشت بوجھ کرتی ہیں جب ان کی جزا دی جائے گی۔

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۚ فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۚ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۚ

اور ہم نے بلند کر دیا ہے آپ کی خاطر آپ کے ذمہ بوجھ نہیں یقیناً ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ سب بوجھ ہٹا کر
سے ساتھ آسانی ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے جب میں امین سے اس آیت کی تفسیر پوچھی تو انہوں نے جواب دیا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ جب میرا ذکر کیا جائے گا تیرا بھی میرے ساتھ آسان ہو جائے گا۔ میں سمجھتا ہوں یہ آیت اور حدیث نقاشا کرتی ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں تو ساتھ ہی حضور ﷺ کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ یہ حدیث پہلے نزر چنگی ہے کہ آپ کا نام عرش کے پائے پر لکھا ہوا ہے۔ یہ روایت سورہ برون میں نذر چنگی ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ لوح محفوظ کے درمیان لکھا ہے لا الہ الا اللہ وحده دینہ الاسلام و محمد عبده ورسوله۔ عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ قول نقل کیا ہے کہ اس سے مراد ان اقامت، شہداء اور منبر پر خطبوں میں حضور ﷺ کا ذکر ہے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے اور یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی تقدیر کرتے مگر یہ گوہی نذر سے کہ حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو اسے عبادت کرنا فائدہ مند ہے اور وہ کافر ہو گیا۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اعز عليه بالبوّة خاتم
من الله مشهود بالبوّة و يشهد
اللہ تعالیٰ نے آپ کو خاتم النبیین بنا کر عزت سے نوازا جس پر ہوا ہی دینی جو آپ کا خاتم النبیین ہونا چاہا وہاں سے اور وہی اس کی عبادت کے رہا ہے۔

وَضَعِ الْإِلَهَ اسْمَ النَّبِيِّ بِاسْمِهِ
اذا قال في الخمس الأذان اشهد
اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے نام کو اپنے نام کے ساتھ ملا دیا
جب محزون یا نچوں اذانوں میں اشہد بتوں
فتق له من اسمه لجله
فذر العرش فحنود ذك محمد
اللہ تعالیٰ نے اپنے نام سے آپ کا نام مشتق کیا
اللہ تعالیٰ محمود ہے جبکہ حضور ﷺ ہیں ﷺ
یہ قول یہ یہ گیا کہ آپ کی رفعت سے مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء سے آپ کے متعلق وعدا دیا۔ ان کے نام یہ ہے اور
مسلم ﷺ پر ایمان لائیں گے اور آپ کی فضیلت کا اقرار کریں گے۔

۲۔ جس تنگی میں آپ ہیں اس کے ساتھ عظیم آسانی بھی ہے۔ یسرا کو نکرہ تعظیم کے لئے ذکر کیا ہے۔ یہ جملہ ایک محذوف جملہ کی علت کے طور پر ہے۔ اس کی تقدیر یہ ہوگی جو آپ کو تکلیف پہنچی ہے اس پر آپ غمگین نہ ہوں کیونکہ تنگی کے ساتھ آسانی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا یہاں وعدہ کی تاکید اور امید کی عظمت کے لئے نکرہ ذکر کیا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ جملہ مستأنف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور سے وعدہ فرمایا کہ تنگی ایک آسانی کے ساتھ ملی ہوئی ہے کیونکہ عبدالرزاق نے اپنی تفسیر میں حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے مستدرک میں اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے شعب الایمان میں مرسل روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہیں خوشخبری ہو، تم تک آسانی پہنچ چکی ہے۔ ایک تنگی دو آسانیوں پر غالب نہیں آسکتی۔ ابن مردودہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ضعیف سند کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اس کی ایک شاہد بھی ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے جسے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے مؤطا میں روایت کیا ہے اور حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی روایت کیا ہے اور کہا یہ سندوں میں سے صحیح ترین سند ہے۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا اگر تنگی بل میں ہو تو آسانی اسے تلاش کرے گی یہاں تک کہ اس پر داخل ہو جائے گی کیونکہ ایک تنگی دو آسانیوں پر غالب نہیں ہو سکتی۔ علماء لغت کہتے ہیں جب دوسری دفعہ معرف بالام اسم ذکر کیا جائے تو اس سے مراد بعینہ پہلے اسم کا مصداق ہوگا خواہ پہلا اسم نکرہ ہو یا معرف ہو کیونکہ اصل میں الف لام عہدی ہوتا ہے جب دوسری دفعہ اسے نکرہ ذکر کیا جائے تو اس صورت میں دوسرے اسم کا مصداق پہلے اسم کے مصداق سے مختلف ہوتا ہے۔ خواہ پہلا اسم نکرہ ہو یا معرف ہو کیونکہ کلام کو تکرار اور تاکید پر محمول کرنے کی بجائے اس سے مستقل معنی لینا زیادہ بہتر ہے۔ تنقیح الاصول میں ہے اگر کسی آدمی نے دو دفعہ ہزار کا اقرار کیا مگر اسے الف لام کے ساتھ مقید کیا تو اس پر صرف ایک ہزار واجب ہوں گے۔ اگر اس نے دو دفعہ اقرار کیا مگر اسے مقید نہ کیا تو پھر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دو ہزار لازم ہوں گے۔ ہاں ایک صورت میں ایک ہزار ہی لازم ہوگا۔ وہ صورت یہ ہے کہ مجلس ایک ہی ہو میں کہتا ہوں کہ جب کوئی ایسا قرینہ ہو جو اس بات پر دلالت کرے کہ دوسرے اسم سے مراد بھی پہلے اسم کا مصداق ہے تو پھر نہیں الگ الگ نہ سمجھا جائے گا۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس قول میں اعتراض کی گنجائش ہے کیونکہ جب کسی نے کہا اِنَّ مَعَ الْفَارِسِ سَيْفًا اِنَّ مَعَ الْفَارِسِ سَيْفًا تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ شاہسو ادلو ایک ہے مگر تلواریں دو ہیں۔ ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں جب قرینہ پایا جائے تو اس صورت میں دوسرے اسم سے مراد بھی پہلے والا اسم ہوتا ہے اور اسے اتحاد پر ہی محمول کیا جائے گا۔ فارس اور سیف کی مثال بھی اسی قسم سے تعلق رکھتی ہے۔ آیت میں دو تاویلوں کی گنجائش ہے۔ لیکن حضور ﷺ اور صحابہ نے جو تاویل کی ہے وہ صحیح ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس ساری بحث کا نتیجہ یہ ہے کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ ایک تنگی کے ساتھ دو آسانیاں ہیں لیکن یہ محض اس لئے نہیں کہ نکرہ کا تکرار آیا ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان فان مع العسر يسرا یہ سابقہ کلام کے ساتھ متصل ہے۔ اس کلام کا مقصود حضور ﷺ کو تسلی دینا ہے اور حضور ﷺ کے ساتھ آسانی اور غناء کا وعدہ کرنا ہے کہ یہ نعمت دنیا میں ہی فقر کے بعد جلد حاصل ہو جائے گی پھر اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ کیا تھا اسے پورا کر دیا، بستیوں پر فتح نصیب فرمائی اور ہاتھ میں وسعت دی یہاں تک کہ حضور ﷺ دو دو سواونٹ عطا فرماتے اور قیمتی تحائف سے نوازتے۔

۳۔ یہ نیا کلام ہے کیونکہ یہاں فاء اور واؤ کا نہ ہونا اس پر دلالت کرتا ہے۔ یہ تمام مومنوں کے ساتھ وعدہ ہے کہ دنیا میں تنگی دیکھنے کی صورت میں مومنوں کو آخرت میں آسانی کے ساتھ جزاء دی جائے گی۔ پس حضور ﷺ کے لئے ایک تنگی کے ساتھ دو آسانیاں بنا دی

گئی۔ ایک آسانی دنیا میں اور دوسری آسانی آخرت میں۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے ایک تنگی دو آسانیوں پر غالب نہیں آسکتی، اور دنیا کی ایک آسانی پر غالب آ بھی گئی تو وہ آخرت کی آسانی پر کسی صورت میں غالب نہیں آئے گی کیونکہ آخرت کی آسانی قوی اور اہم ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ پہلے عسور میں لام عہدی ہے اور دوسرے میں جنسی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

بعض مفسرین نے کہا کہ یہاں عسور سے مراد فقر، شدت اور مشرکین کی طرف سے آزمائش ہے جس میں حضور ﷺ مبتلا تھے اور جس کے بارے میں آپ نے اللہ تعالیٰ کے حضور شکایت کی تھی۔ تو یہی آسانی سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد سے اس حالت کا زائل ہونا اور فقر کے بعد غنا کا حاصل ہونا ہے۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہاں عسور سے مراد سینے کی تنگی، جو جو پشت بود ہوا تھا، قوم بن گمراہی اور ان کا اذیتیں دینا تھا اور پہلے عسور سے مراد شرح صدر، جو جو کا اتار دینا، ہدایت اور اطاعت بنی توفیق، یہاں سے اور سرے سے مراد عسور کے نزدیک آخرت کا ثواب ہے۔ انہوں نے کہا کلام کا معنی یہ ہے کہ تنگی کے بعد آسانی ہے۔ کلام میں بعد از بعد مع کالفظ ذکر کیا ہے۔ مقصود اس امر میں ہمالہ کا اظہار ہے کہ آسانی تنگی کے ساتھ ہے اور یہ دونوں اس طرح ملی ہوئی ہے جس طرح دو تین چیزیں ملی ہوئی ہیں۔ میرے نزدیک عسور سے مراد مقام نزول میں مخلوق کی صرف متوجہ ہونا ہے جو حزن اور غم کا موجب ہے پتے سے مراد مقام نزول میں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا ہے۔ صوفی اگرچہ اس حالت میں ظاہری طور پر اللہ تعالیٰ سے اعراض کرنے والا اور مخلوق کی طرف توجہ کرنے والا ہوتا ہے لیکن وہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ سے اعراض کرنے والا نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اس کے سینے میں دونوں قسم کی توجہ کی گنجائش اور استعداد پیدا ہو جاتی ہے بلکہ مخلوق کی طرف توجہ جب اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی رضا سے مطابقت ہوتی ہے تو وہ بھی حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ ہوتی ہے اس وجہ سے اس بسر کو سیر من اللہ باللہ کا نام دیا جاتا ہے۔ اس صورت میں اللہ تعالیٰ کے فرمان میں مع کلمہ اپنے جنتی معنی میں ہوگا جس کا معنی مقارنہ (ملا ہوا ہونا) ہے۔ دوسرے بسم میں مع کلمہ بغیر کسی شک کے مجازی معنی میں ہے۔ جس طرح علماء نے فرمایا اس تاویل کی صورت میں کلام کا معنی یہ ہوگا آپ غمگین نہ ہوں یہ بلکہ مخلوق کی طرف توجہ کی وجہ سے جو آپ کو تنگی کا سامنا ہے جو آپ کے حزن کا باعث ہے اس کے ساتھ آسانی ہے اور خالق کی طرف توجہ حاصل ہے۔ آخرت میں آپ کو تجاب اور غیبت کے شائبہ کے بغیر اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ حاصل ہوگی۔

فَإِذَا فَرَغْتَ فَانصَبْ ۖ وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارِعَبْ ۝۱

”پس جب آپ (فرائض نبوت سے) فارغ ہوں تو (حسب معمول) ریاضت میں لگ جائیں اور اپنے رب کی طرف راغب ہو جائیں۔“

مفسرین نے کہا یہاں انصب کا معنی تھکاوٹ ہے، یعنی جب آپ مخلوق کو دعوت دینے سے فارغ ہوں تو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہو جائیں تاکہ جو سابقہ نعمتیں آپ کی ہیں یا آئندہ آنے والے وقت آپ کے ساتھ نعمتوں کا وعدہ کیا گیا ہے ان پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لائیں۔ یا اس کا معنی یہ ہے جب آپ ایک عبادت سے فارغ ہوں تو دوسری عبادت میں اپنے آپ کو مصروف کر لیں۔ اپنے کسی وقت بوند نہ کریں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنتی کسی چیز پر حسرت نہ کریں گے مگر اس ساعت پر حسرت کریں گے جس گھڑی میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کیا ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، قتادہ، ضحاک، مقاتل اور کلثی رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا جب آپ فرض نماز سے

فارغ ہوں یا مطلق نماز سے فارغ ہوں تو اللہ تعالیٰ سے دعا کریں اور سلام سے پہلے تشہد کے بعد یا سلام کے بعد دعا میں رغبت کریں۔
 شعیب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جب تم تشہد سے فارغ ہو جاؤ تو اپنی دنیا اور آخرت کے لئے دعا کرو۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا
 جب تم فرانس سے فارغ ہو جاؤ تو رات کے نوافل میں کھڑے ہو جاؤ۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ اور زید بن اسلم نے کہا جب
 دشمنوں کے ساتھ جہاد کرنے سے فارغ ہو جاؤ تو اپنے رب کی عبادت میں شروع ہو جاؤ۔ حضور ﷺ کے ارشاد **رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ
 الْأَصْغَرِ إِلَى الْجِهَادِ الْأَكْبَرِ** کا بھی یہی معنی ہے، یعنی ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف لوٹے۔ منصور نے مجاہد رحمہما اللہ
 تعالیٰ سے کہا جب تم دنیا کے امور سے فارغ ہو جاؤ تو اپنے رب کی عبادت میں مشغول ہو جاؤ۔ حبان نے کلبی رحمہما اللہ تعالیٰ سے نقل کیا
 ہے جب آپ رسالت کی تبلیغ سے فارغ ہو جائیں تو اپنے اور مومنین کے لئے استغفار کریں (1)۔ اس آیت کا ما قبل آیت کے ساتھ
 اتصال کی صورت یہ ہے کہ نعمتوں کا حصول شکر کا سبب ہے۔ ہماری تاویل کے مطابق آیت کا معنی یہ ہے جب آپ کامل نزول یعنی
 مخلوق کو دعوت دینے سے فارغ ہو جائیں تو عروج کے مدارج اور مقام مشاہدہ کی طرف بلند ہوں۔ صحاح میں ہے نصب الشی سے
 مناسب طریقہ پر رکھا ہے جیسے نصب الزرع والبناء والحجر۔ قاموس میں ہے نصب جیسے فرج اسی طرح یوں استعمال ہوتا ہے
 ہم ناصب۔ اسی سے نصب الشی استعمال ہوتا ہے، یعنی اس نے چیز کو رکھا اور اسے اٹھایا۔ گویا یہ الفاظ تضاد میں سے ہیں۔ اسی
 طرح یہ یوں بھی استعمال ہوتا ہے نصبہ فانصب و نصب۔ اسی طرح ناقصہ نصباء استعمال ہوتا ہے، ایسی اونٹنی کو کہتے ہیں جس کا
 سینہ اٹھا ہوا ہو۔ تنصب الغراب یعنی کوا بلند ہوا۔ اس تاویل کی بناء پر یہ آیت حضور ﷺ کو تسلی دینے کے لئے ہے اور اللہ تعالیٰ کے
 فرمان **ان مع العسر يسرا** کے مرادف ہے۔

۲۔ یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان فانصب کا عطف تفسیری ہے یعنی اپنے رب سے سوال کرنے میں رغبت کیجئے، کسی اور سے سوال نہ کیجئے۔
 عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی یہ ہے آگ سے بھاگتے ہوئے اور جنت کی رغبت رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حضور آہ و زاری
 کیجئے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اپنے تمام احوال میں اپنے رب کی طرف راغب ہو جائیں۔ زجاج نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ صرف
 اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت رکھئے (2)۔ جار مجرور محذوف کلام کے ساتھ متعلق ہے جس پر ما بعد کلام دلالت کرتا ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی
فَانْصُبْ وَ ارْغَبْ إِلَى رَبِّكَ فَارْغَبْ۔ میں کہتا ہوں یہاں رَغْبَتُ کے امر میں تکرار ہے کیونکہ پہلی رغبت سے مراد اللہ تعالیٰ کی
 نعمتوں اور اس کی صفات کی طرف رغبت ہے اور دوسری رغبت سے مراد محض ذات کی طرف رغبت ہے جو اعتبارات سے ماوراء ہے
 مقام نزول میں سورۃ الم نشرح کا ورد اور مقام عروج میں سبع اسم ربک الاعلیٰ کا ورد بڑا فائدہ مند ہے۔ ہم اس کا ذکر سبع
 اسم ربک الاعلیٰ میں کر آئے ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

اس کو یہ امن دیتا ہے یا اس میں جو بھی داخل ہوتا ہے وہ مامون ہو جاتا ہے۔ بلداہین سے مراد مکہ مکرمہ ہے، دور جاہلیت اور دور اسلام میں لوگ اس میں امن سے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کی قسم اٹھائی کیونکہ قین اور زیتون جہاں (اگتے) ہیں وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت گاہ بنی۔ یہی انبیاء کی رہائش گاہ اور وحی کے نازل ہونے کی جگہ رہی اور طور وہ پہاڑ ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ندا کی گئی اور مکہ مکرمہ میں بیت اللہ یہاں ہی حضور ﷺ کی جائے پیدائش اور وحی کے نازل ہونے کی جگہ ہے۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ۝ ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ ۝

”بے شک ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے (عقل و شکل کے اعتبار سے) بہترین اعتدال پر۔ پھر ہم نے لوٹا دیا اس کو پست ترین حالت کی طرف۔“

۱۔ یہ جملہ جو اب قسم ہے۔ الانسان سے مراد جنس انسان ہے۔ تقویم یہ قیام یا قوام سے تفہیل کے وزن پر ہے۔ صحاح میں ہے قیام اور قوام اس چیز کو کہتے ہیں جس کے ساتھ وہ چیز قائم اور ثابت ہو۔ میں کہتا ہوں قوام اسے کہتے ہیں جس کے ساتھ وہ شے متحقق ہو، یعنی انسان کی حقیقت اور ماہیت کو بہترین بنایا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں عالم امور کے لطائف، عالم خلق اور نفس ناطقہ کے عناصر جن پر عالم کبیر مشتمل ہے۔ انسان ان سب کو جامع ہے۔ اسی جامعیت کی وجہ سے اس میں کائنات کے تمام خصائص ظاہر ہوتے ہیں جیسے فرشتوں، درندوں، جانوروں اور شیطانوں وغیرہ کی صفات کا یہ مظہر ہے۔ اسی طرح انسان صفات کاملہ سے بھی متصف ہوتا ہے جو صفات الہیہ سے منعکس ہوتی ہیں جیسے حیات، علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر، کلام اور محبت جسے عشق کی بنیاد کا نام دیا جاتا ہے۔ انسان نور عقل سے مزین ہوتا ہے اور ظلی، صفاتی اور ذاتی تجلیات کی اس میں استعداد ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے اسے خلافت کی خلعت عطا کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ احسن تقویم کا معنی ہے کہ اس کو حسین بنایا کیونکہ تقویم مصدر ہے جس کا معنی تعدیل ہے۔ قاموس میں ہے قَوَّمْتُهُ فَهُوَ قَوِّیْمٌ مُّسْتَقِیْمٌ یعنی میں نے اسے معتدل اور متناسب بنایا۔ یہاں مصدر اسم مفعول کے معنی میں ہے یا فعلیل کے معنی میں ہے، یعنی انسان کو اچھی صورت والا بنایا کیونکہ جو بھی مخلوق پیدا فرمائی اس کو سیدھی قد و قامت والا نہیں بنایا بلکہ وہ منہ کے بل جھکا ہوا ہے مگر انسان کو سیدھی قد و قامت والا بنایا ہے، اس کا جسم ظاہر ہے اور یہ اپنے ہاتھ سے کھانا کھاتا ہے۔

۲۔ ددنا۔ صیرونا کے معنی میں ہے۔ یہاں اسفل سافلین میں ضمیر سیاق کلام کی وجہ سے نکرہ کے حکم میں ہے اور جنس کو شامل ہے جس طرح یوں کہا جاتا ہے کہ کریم قائم اس کی تائید حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت بھی کرتی ہے۔ اگر یہ جنس کو شامل نہ ہو تو یہ فضیہ مہملہ (ا) ہوگا جو جزئیہ کے حکم میں ہوگا تو اس صورت میں یہ جائز ہوگا۔ بعض سافلین اس سے بھی نیچے ہوں۔ اس آیت لَقَدْ خَلَقْنَا..... اَسْفَلَ سَافِلِیْنِ کی موافقت حضور ﷺ کا ایک ارشاد بھی کرتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا مَا مِنْ مَوْلُوْدٍ اِلَّا یُوْلَدُ عَلٰی فِطْرَةِ الْاِسْلَامِ الخ ہر بچہ اسلام کی فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے۔ پھر اس کے والدین اسے یہودی، نصرانی اور مجوسی بناتے ہیں، متفق علیہ (۱)۔ یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے مگر یہاں رد فعل کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کے افعال کا خالق ہے اور حدیث طیبہ میں والدین کی طرف جو نسبت ہے وہ کسب کے اعتبار سے ہے۔ سافلین سے مراد وہ لوگ بھی ہو سکتے

(۱) ایسا قضیہ جس میں یہ بیان نہیں کیا جاتا کہ حکم تمام افراد پر ہے یا بعض افراد۔ مترجم

ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے پست استعداد والا بنایا ہے وہ کمالات کے حصول، قرب اور تجلیات رحمانیہ کے مراتب پر چڑھنے سے قاصر رہتے ہیں بلکہ وہ درندوں، حیوانوں، شیاطین اور جنوں کی صفات پر ہی رہتے ہیں۔ عقلاء کو غلبہ دینے کی وجہ سے جمع مذکورہ امور کا سبب بن گیا۔ اس سے مراد شیاطین اور سرکش جن ہیں۔ انسان جب اپنی صلاحیت ضائع کر دیتا ہے، احسان کرنے والے کا شکر، جلال، تصور کرتا ہے اور ایسے امور بجا نہیں لاتا جو اس کی کامیابی اور اللہ تعالیٰ کی رضا کا باعث ہوتے ہیں بلکہ ایسے کام کرتا ہے جو کفر اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا موجب ہوتے ہیں تو اسے تمام خبیثوں سے خبیث بنا دیا جاتا ہے، اس کا مرتبہ ہر پست مرتبہ سے گرجاتا ہے، وہ جنوں اور نازیروں سے بدتر ہو جاتا ہے بلکہ وہ شیطانوں سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ حدیث فیہ میں آیا ہے جو حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کافر کے لئے جنت کی طرف ایک دریچہ کھول دیا جاتا ہے تو وہ جنت کی نعمتوں کو دیکھتا ہے تو اسے کہتا ہے ان چیزوں کو دیکھ جن سے اللہ تعالیٰ نے تجھے پھیر دیا ہے۔ پھر اس کے لئے جہنم کی طرف ایک دریچہ کھول دیا جاتا ہے۔ اسے ان کا دردناک اندھیلے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ایسا کرنے کی وجہ یہ ہے تاکہ مومن کو عمل خوش حال کرے اور کافر کو حسرت حاصل کرے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بونی جنت میں داخل نہیں ہوگا مگر جہنم میں اس کا ٹھکانہ دکھایا جائے گا، یعنی اگر وہ گناہ کرتا۔ یہ اس لئے کیا جاتا ہے تاکہ وہ شکر کرے اور بونی آدمی جہنم میں داخل نہیں ہوگا مگر اسے جنت کا ٹھکانہ دکھایا جائے گا اگر وہ اچھے کام کرتا۔ تاکہ اس پر یہ چیز حسرت کا باعث ہو۔ ہے شیطان ان کا معاملہ ایسا نہیں۔ ان کے لئے جہنم میں ٹھکانہ نہیں جوتا کیونکہ ان میں جنت میں داخل ہونے کی استعداد نہیں ہوتی۔ حضرت حسن بصری، مجاہد اور قتادہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا کہ تم دو دنیاہ اسفل سافلین کا معنی یہ ہے کہ ہم اسے جہنم کی طرف پھیر دیتے ہیں کیونکہ جہنم کے بعض حصے دوسرے حصوں سے نیچے ہیں۔ ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہم اسے انتہائی بد صورتی میں جہنم کی طرف بوز دیتے ہیں جیسے خنزیر وغیرہ (۶)۔

إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ﴿٦﴾ فَمَا يَكْفُرُ
بِعَدْلِ اللَّهِ لَئِنْ أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمَ الْحَاكِمِينَ ﴿٧﴾

”بجز ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے تو ان کے لئے نئے نئے ختم ہونے والا اجر ہے۔ ان لوگوں کو جہنم سے

بچا آپ کو اس کے بعد جزاء و سزا کے معاملہ میں ہے۔ یہ نہیں ہے اللہ تعالیٰ سب کاموں سے بڑا احکم حاکم ہے۔“

یہ انسان سے مستثنیٰ متص ہے کیونکہ ان لوگوں کو رد کے حکم سے خارج کیا گیا کیونکہ انہیں جہنم کی طرف نہیں نوٹایا جاتا اور نہ ہی انتہائی بد حال میں یہ لوگ ہوتے ہیں۔ لہم میں ہم ضمیر سے مراد صالح مومن ہیں۔ ان لوگوں کے لئے ایسا اجر ہے جو ختم نہیں ہوگا یا اس قدر کی وجہ سے ان پر احسان نہیں جتلیا جائے گا۔ اس میں فاء سببیہ ہے۔ یہ حمد مستثنیٰ سے تعیل کے قائم مقام ہے اور اس کے معنی ان کی اصاحت کر رہا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا کہ احسن تقویم والی آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم نے انسان کو بہترین صورت اور بہت مناسب درجات میں پیدا کیا ہے۔ انسان جس چیز کا ارادہ کرے وہ اس کے لئے آسمان کر دی گئی ہے اور اس کے لئے حیوانات، خشکی، تری بلکہ جن اور شیاطین

بھی اس کے لئے مسخر کر دیئے گئے۔ پھر ہم انہیں میں سے بعض انسانوں کو بوڑھا بنا دیتے ہیں۔ اور ذل عمر سے مراد اسفل السافلین ہے۔ سافلون سے مراد یہاں کمزور پانچ اور بچے ہیں کیونکہ جب انتہائی بوڑھے آدمی کی عقل زائل ہو جاتی ہے، اس کا بدن کمزور ہو جاتا ہے۔ اس پر مختلف عوارض اور امراض غالب آجاتے ہیں تو بہت ہی کمزور ہو جاتا ہے۔ اس صورت میں الا الذین امنوا والا متشی منقطع ہوگا اور یہ لکن کے معنی میں ہوگا جو استدر اک اور اس وہم کو دور کرنے کے لئے ہے جو پیدا ہوا تھا وہ وہم یہ تھا۔ کہ بڑھاپے کے بعد مومن بھی کمزوری کے اعتبار سے برے حال میں ہوں گے اور اس حالت میں ان کے وجود ان کے لئے وبال جان ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لیکن جو مومن ہیں اور جنہوں نے قوت اور جوانی کے عالم میں اچھے اعمال کئے تھے تو ان کے اجر ختم نہ ہوں گے۔ جس قسم کا وہ عمل کرتے رہے تھے۔ اسی حساب سے ان کی نیکیاں لکھی جاتی رہیں گی۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یعنی ان کے لئے عمل کے بغیر بھی اجر ہے (1)۔ ابن جریر نے عوفی رحمہما اللہ تعالیٰ کے واسطے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ یہ وہ جماعت ہے جنہیں حضور ﷺ کے زمانہ میں ہی بڑی عمر کی طرف پھیر دیا گیا تھا اور ان کی عقلوں نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔ تو ان کے بارے میں صحابہ نے حضور ﷺ سے پوچھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے عذر کے بارے میں یہ حکم نازل کر دیا کہ عقلیں جانے سے پہلے جو وہ عمل کرتے رہے ہیں انہیں ان اعمال کا اجر ملتا رہے گا۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس شیخ کو اس کا بڑھاپا کوئی نقصان نہیں دے گا جب اس کا خاتمہ اچھے اعمال پر کر دیا۔ عاصم احوال نے عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے، انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ الا الذین امنوا کا معنی یہ ہے مگر وہ لوگ جنہوں نے قرآن پڑھا تو انہیں اس ضعیف ترین عمر کی طرف نہیں لوٹایا جائے گا (2)۔ جلال الدین خلجی نے کہا جب ایک آدمی بڑھاپے کی اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ اب وہ عمل کرنے سے عاجز آجاتا ہے تو اس کے لئے وہ عمل لکھے جاتے رہتے ہیں جو وہ پہلے عمل کیا کرتا تھا (3)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب کوئی مومن جسمانی مرض کے ساتھ آزمایا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتے سے فرماتا ہے وہ پہلے جو اچھے عمل کرتا تھا تو اس کے لئے وہی عمل لکھتا رہے (4)۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح کی روایت مروی ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونوں روایتوں کو شرح السنہ میں روایت کیا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابوموسیٰ رحمۃ اللہ علیہ سے اسی کی مثل مریض اور مسافر کے بارے میں بھی روایت کی ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ بلاغت کا تقاضا تو یہ ہوتا ہے کہ مخاطب جتنا منکر ہو اس کے انکار کے مطابق کلام میں تاکید لائی جائے انسان کا بہترین صورت میں پیدا کیا جانا پھر اسے بڑھاپے کی طرف پھیر دیا جانا یہ ایک بدیہی امر ہے کوئی بھی اس کا انکار نہیں کرتا تو پھر اس کلام کو قسم اور لام تاکید اور قد کے ساتھ کیوں ذکر کیا۔ ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ جب انسان پر ان احوال کا تبدیل ہونا دوبارہ اٹھانے اور جزاء پر واضح دلیل ہے جبکہ کفار دوبارہ اٹھانے اور جزاء و سزا کا انکار کرتے تھے تو گویا انہوں نے انسان پر حالت کے بدلنے کا بھی انکار کیا کیونکہ جو انسان مدلول کا انکار کرتا ہے۔ گویا وہ واضح دلیل کا انکار کرتا ہے کیونکہ یہ دونوں ایک دوسرے کو لازم و ملزوم ہیں۔

یہاں التفات کے طریقہ پر انسان کو خطاب کیا گیا ہے۔ یعنی اے انسان وہ کونسی چیز ہے جو تمہیں اس جزاء کو جھٹلانے پر برا بیچھنتی کرتی ہے اور کون سی چیز تجھے جھوٹا بنا دیتی ہے جب تو حق کے خلاف بات کرتا ہے اور تو کہتا ہے کہ نہ قیامت برپا ہوگی، نہ جزاء و سزا ہوگی جبکہ

1- تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

2- ایضاً

3- تفسیر جلالین، جلد 2، صفحہ 502 (وزارت تعلیم)

4- مشکوٰۃ المصابیح، جلد 1، صفحہ 441 (الفکر)

تین بات میں واضح دلائل موجود ہیں کہ اس نے تمہیں پیدا کیا تھے قوت عطا کی پھر تمہیں کمزور کیا اور تمہیں موت عطا کی تاکہ تم میں
تنتیں دو بارہ اٹھانے اور اشمال کی جزاء دینے پر بھی قادر ہے۔ یہاں استفہام تو بیخ اور نا پسندیدگی کے اظہار کے لئے ہے یعنی تجھ
پر جو جملہ نام یہ نہیں دیتا یا اس کا مخاطب حضور ﷺ کی ذات ہے اور نفی یا استفہام انکار کے لئے ہے۔ معنی ہوگا ہوں تو تیرے
انہی جملوں یا وہ کونسی چیز ہے جو تمہیں جھٹلاتی ہے۔ مراد یہ ہے جو آپ جزاء کے بارے میں قوی کرتے ہیں۔ وہ کونسی چیز ہے جو آپ
تصویر ہونے پر اہمیت کرتی ہے جبکہ واضح دلائل آپ کی صداقت پر دہس ہیں۔ اس آیت کی مثال: قُلْ خَالِكًا بَرَّكَانًا لَّنْ كَلِمَاتٍ
سہم قہیں سن۔ ایسے قول یہ کیا گیا کہ ہاں کے معنی میں ہے اور یہاں استفہام تعجب کے معنی میں ہے۔ پھر معنی یہ ہوگا ہوں تجھے جملہ نام
کے بعد آپ نے صداقت پر بے شمار شواہد ہیں اس آدمی پر حد درجہ تعجب ہے۔

اس میں استفہام انکار کے جملوں کا معنی دے رہا ہے۔ جب لٹنی لٹنی کی جائے تو اسے ثابت بنا دیتی ہے۔ یہ مابقی کلام کے معنی میں
انہی نسبت اور وضاحت ہے۔ معنی یہ ہوگا کیا وہ ذات پاک جس نے پہلے پیدا کیا پھر اسے اسفل سافلین کی طرف پھیر دیا یہ اس نعمت
پر تدبیر میں خمدانی نہیں ہے۔ جو اس طرح ہو وہ دوبارہ اٹھانے اور جزاء پر قادر ہے۔ کفار حضور ﷺ کو تمہیں اور عربوں کو آپ سے
جھٹلاتے تھے۔ اس پر حضور ﷺ کو سلیبی جارہی تھی یا یہ کافروں کے لئے وعید ہے۔ معنی یہ ہوگا یا اللہ تعالیٰ بتائیں فیصلہ اسے اور
کسے وہ تیرے اور جھٹلانے والوں کے درمیان فیصلہ کرے گا۔ متاثر رحمتہ اللہ علیہ نے یہی قول کیا ہے (1)۔ یا یہ آیت اللہ تعالیٰ کے
نام کا کذاب کی تعمیل کی جگہ ہے، یعنی اسے انسان جھٹلاتا ہے اسے لئے من سب نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ احمد علی زمین ہے جو تمہیں
ہرے میں عذاب کا فیصلہ کرے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جُمُورَةُ النَّاسِ كِيَا خَيْرَتِكَ تَلَوَاتٍ بِرَبِّكَ
انڈیا پہلی روایت علی ذلک من الشاہدین ہے اسے ابو ذر رحمتہ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ (2) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ
سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک سفر میں تھے آپ نے عشاء کی دو رکعتوں میں سے ایک میں سورۃ التین کی قرات کی اس
کا پانچواں آیت اللہ علیہ نے روایت کیا ہے، (3) واللہ تعالیٰ اعلم۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

سورة العلق

ابانها ۱۹ ﴿﴾ سُورَةُ الْعَلَقِ مَكِّيَّةٌ ۹۶ ﴿﴾ مَرَكُوعًا ۱ ﴿﴾

سورة العلق مکی ہے، اس میں ایک رکوع اور انیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

”اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے“

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا سب سے پہلے اقرأ باسم ربک والی سورت نازل ہوئی اکثر مفسرین کی یہی رائے ہے سب سے پہلے جو وحی نازل ہوئی وہ اس کی ابتدائی پانچ آیات ہیں۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا ابتداء میں حالت نیند میں سچی خوابوں کی صورت میں وحی آتی تھی۔ حضور ﷺ جو خواب بھی دیکھتے وہ یوں ظاہر و واضح سامنے آتا جیسے صبح روشن ہوتی ہے۔ پھر حضور ﷺ کی طبیعت خلوت نشینی کی طرف مائل ہو گئی۔ آپ ﷺ عارحراء میں خلوت نشین رہتے اور آپ گھر تشریف لائے بغیر وہاں عبادت کرتے رہتے آپ اپنے ساتھ زادراہ لے کر جاتے۔ پھر آپ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لاتے، اسی قسم کا زادراہ لیتے۔ یہ سلسلہ یوں ہی جاری و ساری تھا کہ آپ پر وحی آئی۔ آپ اس وقت عارحراء میں تھے۔ فرشتہ آیا اس نے کہا اقرأ پڑھئے۔ میں نے کہا ما انا بفقری میں پڑھنے والا نہیں ہوں اس نے مجھے پکڑ لیا۔ مجھے بھینچا یہاں تک کہ مجھے مشقت نے آلیا۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا۔ پھر کہا پڑھئے۔ میں نے کہا میں پڑھنے والا نہیں ہوں آپ نے فرمایا فرشتے نے مجھے پکڑ لیا۔ اس نے دوبارہ مجھے بھینچا یہاں تک کہ مجھے تکلیف پہنچی۔ اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا پڑھئے۔ میں نے کہا میں پڑھنے والا نہیں ہوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا فرشتے نے مجھے پکڑ لیا۔ مجھے تیسری دفعہ بھینچا اور کہا اقرأ باسم ربک الذی خلق الذی خلق الانسان من علق ﴿﴾ اقرأ و ربک الاکرم ﴿﴾ الذی علم بالقلم ﴿﴾ علم الانسان ما لم یعلم ﴿﴾ حضور ﷺ گھر واپس تشریف لائے۔ (وحی کی ہیبت سے) آپ کا دل دہشت زدہ تھا۔ آپ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لے گئے۔ فرمایا مجھے چادر اوڑھادو۔ گھر والوں نے آپ کو چادر اوڑھادی یہاں تک کہ اس کی ہیبت دور ہو گئی۔ تو آپ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو تمام واقعہ سنایا۔ فرمایا مجھے تو اپنی جان کے بارے میں خوف لاحق ہو گیا تھا۔ تو حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا ہرگز نہیں، اللہ تعالیٰ کی قسم اللہ تعالیٰ کبھی آپ کو غمگین نہ کرے گا، آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، محتاجوں کو عطا کرتے ہیں، مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں اور مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔ جب حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لائیں جو حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے چچا زاد بھائی تھے، انہوں نے دور جاہلیت میں نصرانیت کو قبول کر لیا تھا۔ آپ عبرانی زبان لکھنا جانتے تھے اور انجیل کو عربی میں منتقل کرتے جتنا اللہ تعالیٰ چاہتا۔ آپ انتہائی بوڑھے ہو چکے تھے، بینائی جاتی رہی تھی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ورقہ سے فرمایا اے میرے بھائی اپنے بھتیجے کی

رحمۃ اللہ علیہ نے کہا سابقہ حدیث میں جس خوف اور ولی دہشت کا ذکر کیا گیا ہے وہ جبرئیل امین سے خوف کی وجہ سے نہ تھا کیونکہ حضور ﷺ کی شان اس سے بہت بلند تھی اور آپ سب سے مضبوط دل والے تھے۔ یہ ذرا اس وجہ سے تھا کہ آپ اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ اور چیز میں مشغول ہوئے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ آپ پر نبوت کی ذمہ داریوں کی وجہ سے ہیبت طاری ہوئی۔ ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت جبرئیل اور میکائیل نے آپ کے سینے کو شق کیا، اسے دھویا پھر ان آیات کی تلاوت کی۔ یہ قصہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ بسم اللہ شریف ہر سورت کا جز نہیں۔ لیکن ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کیا ہے کہ جبرئیل امین سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کا یہ حکم لے کر آئے اسے محمد ﷺ اللہ عزوجل کی پناہ چاہو۔ تو حضور ﷺ نے کہا میں شیطان مردود سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔ پھر فرمایا بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کہو۔ پھر اس سورت کی ابتدائی آیات کی تلاوت کی (1)۔ یہ روایت صحیح روایات کے مقابلہ میں شاذ ہے۔

فائدہ:۔ سہیلی نے ذکر کیا ہے کہ وحی اڑھائی سال منقطع رہی۔ تاریخ میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت نقل کی ہے حضور ﷺ کی عمر چالیس سال تھی تو آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغام آیا اور تین سال تک حضرت اسرافیل اس ذمہ داری کو سرانجام دیتے رہے۔ وہ آپ کو کل اور شے کے بارے میں بتاتے رہے۔ حضرت اسرافیل کی زبان سے آپ پر قرآن حکیم نازل نہیں ہوا۔ جب تین سال گزر گئے تو جبرئیل امین نے یہ ذمہ داری سنبھال لی۔ قرآن حکیم بیس سال تک ان کی زبان سے نازل ہوتا رہا۔ ہم نے سورہ والضحیٰ میں وحی کے انقطاع کے دوران حضور ﷺ کے غمگین ہونے کا ذکر کیا ہے۔

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ
الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝

”آپ پڑھئے اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے (سب کو) پیدا فرمایا، پیدا کیا انسان کو جسے ہوئے خون سے۔“

پڑھئے آپ کا رب بڑا کریم ہے۔ جس نے علم سکھایا قلم کے واسطے سے۔ اسی نے سکھایا انسان کو جو وہ نہیں جانتا تھا۔“

۱۔ اقرا قرأت سے امر کا صیغہ ہے۔ اس کا مفعول بہ مجذوف ہے، جو القرآن ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے نام سے آغاز کرتے ہوئے اور اس سے برکت حاصل کرتے ہوئے قرآن کو پڑھئے باسم ربک یہ حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کا نام لو پھر قرآن پڑھو۔ یہ بھی احتمال ہے کہ باسم ربک مفعول ہونے کی حیثیت سے محل نصب میں ہو اس میں باء زائد ہو۔ تقدیر کلام یہ ہوگی اقرا اسم ربک یہاں اللہ تعالیٰ نے اسم اللہ نہیں فرمایا کیونکہ لفظ اللہ واجب الوجود ذات کا نام ہے اور ذات کی معرفت حاصل کرنے کا کوئی اور طریقہ نہیں۔ صرف یہی طریقہ ہے کہ آثار اور صفات میں تدبیر کیا جائے۔ ہماری طرف نسبت کے اعتبار سے اس کی سب سے ظاہر صفات اس کی صفت خلق اور تربیت ہے جو ممکنات کے احوال کی متغیر ہونے پر آگاہ کرتی ہیں جو عالم کے حادث ہونے پر دلالت کرتی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے عرفان تک پہنچانے والی ہیں جو خالق اور قدیم ہے، نقص اور زوال سے پاک ہے، اس میں ایک حالت سے دوسری حالت میں متغیر ہونے کا کوئی احتمال موجود نہیں ہوتا۔ اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ صوفی سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے نام کے ذکر کو لازم پکڑے تاکہ اس کے ذریعے مسمی تک پہنچے۔ لیکن صوفیاء نے اسماء میں سے اس کے اسم ذات کو اختیار کیا

بے یونہی صریحت کے راستے پر اسی وقت چلا جا سکتا ہے جب وہ ذات واجب الوجود پر ایمان رکھتے ہوں۔ اس کے عمل میں اس کے ساتھ سماعت، بینائی، سمبھاروں سے یونہی وہ تمام صفات کو ہٹا کر چھوڑ دینا عمل طریقت پر جامع ہوا اور اس سے بھی یہاں سماعت، بینائی، سمبھاروں سے جبکہ مقصود تو ذات حق ہوتی ہے۔ طبی رحمت اللہ علیہ نے جب یہ امر بتایا اس میں صرف قرأت کا حکم ہے، پھر اس پر اسے ہاتھ لگائیں۔ اس لئے مفعول بد کے بغیر یہ نفس الف ازہم جنس کے قائم مقام ہے۔ ہاسم ربک میں جہاں استقامت ہے۔ یہ ہاسم ربک کے اس قول کے جواب میں ہے جس میں آپ نے فرمایا تھا ما انا بقاری اس کا معنی یہ ہے میں یونہی ذات، یونہی پہچان کرانے سے پڑھنے والا نہیں بلکہ تیرے رب کی مدد اور اس کی قوت سے پڑھنے والا ہوں اور اس تعجب کی صورت میں لفظ ہاسم ربک میں اس طرح اسو ربک میں لفظ امر زائد ہے۔

الذی خلقی یہ لفظ رب کی سنت موضوع ہے یونہی۔ بولہیت مخلوق کا تقاضا کرتی ہے اور تہ بیت نقصان سے ماہرین علم سے جانے کا تقاضا کرتی ہے۔ خلق کے مفعول بوجہ فہم ہے یہاں تاکہ ثبوت پر دلالت کرے۔ معنی یہ ہوگا اس کے ہوتے ہوئے یا تو اس سے ایک قرأت پر قدرت ملے گی۔ حلق فعل متعدی بولہ ازہم نفس فی جملہ صفت ہے۔ معنی یہ ہوگا خلق اور تعجب صرف اس کی صورت میں ہے اور اس صفت سے مستغنی ہونا نہیں۔

اس کے ساتھ یہ ہے کہ یہ جملہ مستانہ ہے۔ گویا یہ ایک مقدمہ ہے اس کا خلق کا جواب ہے۔ نئی وجودی مابہ پریمانی الہیہ بولہ تقاضا کرتی ہے۔ ان میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ اجزا میں ان کے اعتبار سے انسان کامل ترین مخلوق ہے یونہی جو چیز کا مرتبہ میں سے وہاں انسان نہیں تھی موجود ہے۔ اسی وجہ سے انسان بولہ لمصغیر کہا جاتا ہے۔ اس کی ذات کے لئے یہ کہنا کہ اس نے انسان کو تخلیق کیا۔ یہاں یہ ماننا ہے کہ اس نے عالم خلق اور عالم امر کی تمام مخلوق سے کو پیدا کیا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ انسان اثری مخلوق ہے، اس کے الہیہ صفات اور ذات کی تجلیات بوجہ کرنے کی استعداد موجود ہے۔ یہ معرفت کا مستحق ہے اور اس کی معرفت خداوندی ہی کا ذات کی تخلیق و تفسیر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَمَا خَلَقْتُ الْإِنسَانَ إِلَّا لِيُعْبَدَنِي۔ اس کا معنی ہے کہ وہ مجھے سجدے میں لائے گا۔ حدیث قدسی میں ہے لَوْلَا أَنَا مَا خَلَقْتُ الْإِنسَانَ۔ اسی طرح یہ الفاظ بھی آئے ہیں لَمَّا أَظْهَرْتُ الْوَالِدِيَّةَ فِيهَا مَقْصُورٌ عَلَيْهِمْ بِمَنْعِهِمْ عَنْ الْإِنْسَانِ۔ اس سے یہ ہوا کہ آپ کی ذات معرفت میں کامل ترین ہے۔ حدیث ظہیر میں ہے میں خلق خیر انھما میں سے خیر کیا۔ پہچاننا جاننا اس کے مخلوق کو پہچاننا۔ یہاں انسان بوجہ خاص طور پر ذکر کیا۔ مقصود اس کی شرافت کو ظاہر کرنا ہے اور یہ بیان کرنا ہے کہ مخلوق میں انسان ہی ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ وہ شرعی احکام کا اولین مذاہب اور مکلف ہے۔ وہ غیر کے سوال سے اپنے احوال کے بارے میں اذیت جانتا ہے۔ اس لئے اپنے حالات کے تغیرات سے اس کا صانع پر استدلال زیادہ منسب اور معرفت کے حصول کے زیادہ قریب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پہلے جہد سے کافی مفعول محذوف ہو گیا۔ دوسرا جہد مستانہ ہوا اور مقدر سوال کا جواب ہو مقدر سوال یہ ہوسکتا ہے حدیثی شکل بولہ خلقہ۔ اللہ تعالیٰ نے خلق الانسان فرمایا۔ الانسان جنس ہے۔ یہ انسان کے تمام افراد میں ہے۔ پس انسان انسان سے پہچان کرنا مذاہب اس سے پیدا کیا گیا۔

یہ جسی احتمال موجود ہے کہ پہلے جملہ کا مفعول بہ الانسان محذوف ہو اور دوسرا جہد اس کی تاکید ہو۔ ابہام کے بعد اس کی تفسیر ان کی تائید انسان کی تخلیق کی عظمت کا ذکر ہو۔ نیز اس کی وجہ یہ ہے کہ ابہام کے بعد اس کی تفسیر انہوں میں ہوا اور تعجب ہے۔ یہی مسئلہ ہے۔ الانسان سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہے۔ آپ کا ذکر خصوصاً اس لئے کیا تاکہ آپ کے شان کا اظہار ہو۔ اور یہی وجہ ہے کہ

ہے کہ آپ ہی مخاطب ہیں۔

علق علقۃ کی جمع ہے۔ جمع کا صیغہ اس لئے ذکر کیا کیونکہ انسان جنس ہے جو جمع کے معنی میں ہے۔ یہاں خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ اور مِنْ تَرَابٍ سے عدول اس لئے کیا تاکہ آیات کے سروں کی موافقت ہو۔ نیز تخلیق کے تمام مراحل کی طرف اشارہ ہو کیونکہ جب درمیانی مرحلہ کا ذکر ہو تو سب مراحل کی طرف اشارہ ہو جاتا ہے کیونکہ سب سے پہلے انسان کو مٹی سے پیدا کیا گیا پھر غذاؤں سے جو مختلف مراحل سے گزر کر مٹی بنتی ہیں پھر مادہ منویہ جما ہوا خون بنتا ہے پھر جما ہوا خون گوشت کا لوتھڑا بنتا ہے پھر گوشت کا لوتھڑا ہڈیاں بنتی ہیں پھر ہڈیوں کو گوشت کا لباس زیب تن کرایا جاتا ہے پھر اس میں روح پھونکی جاتی ہے۔ درمیانی مرحلے کا ذکر پہلے اور مابعد مراحل کا شعور دلاتا ہے۔

اس سے پہلے اقرأ کی تاکید اور مبالغہ کے اظہار کے لئے ہے یا پہلا اقرأ مطلق ہے اور دوسرا تبلیغ یا نماز کے لئے مختص ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ باسم ربک اس اقرأ کے ساتھ متعلق ہو اور پہلا اقرأ فعل لازم کے قائم مقام ہو اور دوسرا اقرأ جملہ مستاتفہ ہو۔ تقدیر کلام یہ ہوگی کہ قاری بن جاؤ تو حضور ﷺ نے فرمایا میں کیا پڑھوں کیسے پڑھوں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اپنے رب کے نام کے ساتھ پڑھو یا اپنے رب کے نام کے ساتھ شروع کر کے قرآن پڑھو۔ اس تاویل کی بناء پر حضور ﷺ کے فرمان میں ما استفہام کے لئے ہوگا جو آپ نے حضرت جبرئیل کے اقرأ کہنے کے جواب میں مَا أَنَا بِقَارِئٍ فرمایا تھا۔ اہل مصر کے نزدیک خبر میں باء زائد ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ پہلی دفعہ جو حضور ﷺ نے مَا أَنَا بِقَارِئٍ فرمایا تھا اس میں ما نافیہ ہو اور بعد والے ارشادات میں ما استفہامیہ ہو۔

ربک یہ مبتداء ہے واؤ حال ہے الاکرم یا تو مبتداء کی صفت ہے یا اس کی خبر ہے۔ الاکرم اسے کہتے ہیں جو کرم میں ہر اس کرم سے بڑھ کر ہو جس کے وجود کا تصور کیا جا سکتا ہے کیونکہ وہ بغیر کسی غرض کے احسان فرماتا ہے اور اس کے احسانات کو مقدار، کیفیت اور محل کے اعتبار سے شمار نہیں کیا جا سکتا۔ یا اس کا معنی ہے کہ وہ بندوں کی جہالت سے حلم فرماتا ہے یا تو انہیں معاف کر دیتا ہے یا جلدی عذاب میں مبتلا نہیں کرتا حالانکہ وہ علم رکھتا ہے اور جلدی انتقام لینے پر قادر بھی ہے۔ یہاں افضلیت بطور فرض ہے اگرچہ مفروض محال ہے۔ حقیقت میں وہی اکیلا کریم ہے، اس کی ذات اور صفات میں کوئی شریک نہیں۔ اسکی وجہ سے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کو بیان کرنے کے لئے افعیل یا فعیل کا صیغہ ذکر کیا جائے تو دونوں کا معنی ایک ہی ہوتا ہے۔ کریم، رحیم، سمیع، بصیر یا اس جیسی دوسری صفات کا جب اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور پر اطلاق کیا جائے تو وہ بطور مجاز ہوتا ہے کیونکہ دوسرا شخص تو صرف اللہ تعالیٰ کی صفت کرم اور رحمت وغیرہ کا آئینہ ہوتا ہے۔

ہے ایک قول یہ کیا گیا کہ بالقلم کا تعلق محذوف مفعول بہ کے ساتھ ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے عَلَّمَ الْخَطَّ بِالْقَلَمِ تاکہ اس کے ذریعہ علوم اور آسمان سے نازل ہونے والی کتابوں کو محفوظ کیا جاسکے تو وہ زمانے گزرنے کے بعد بھی باقی رہیں اور دور رہنے والا آدمی بھی علم حاصل کر سکے۔ یہاں خط کی تعلیم کو خصوصاً ذکر کیا۔ مقصود اس کے شرف کو بیان کرنا ہے کیونکہ تعلیم کی غرض یہ ہوتی ہے کہ ان علوم کی حفاظت کی جائے اور علوم باقی رہیں اور علوم کی حفاظت عموماً کتابت کے ذریعے ہوتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ سب سے پہلے حضرت ادریس علیہ السلام نے لکھا۔ میں کہتا ہوں ظاہر یہ ہے کہ بالقلم علم کے ساتھ متعلق ہے۔ معنی یہ ہوگا قلم کے ذریعے علوم سکھائے۔ اسے پہلے اس لئے ذکر کیا کیونکہ قلم کے ذریعے تعلیم دوسری تمام تعلیمات سے مقدم ہے۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللَّهُ الْقَلَمَ (1)۔

اس کا سورہ ن والقلم میں ہو چکا ہے۔ صد موصولیٰ از مبتدا کی پہلی خبر ہے یا خبر کے بعد دوسری خبر ہے یا صفت کے بعد دوسری خبر ہے۔ سنت ہے جو تکریم کی وضاحت کرتی ہے کیونکہ اس کا کمال ہم یہ ہے کہ اس نے علوم کی تعلیم دی اور ان چیزوں کی تعلیم دی جن سے علم ہوتا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ اولاً ل معین کرنے، وحی، الہام، ذہنوں میں علم ضروری پیدا کرنے، کتابیں نازل کرنے، رسول مبعوث کرنے اور ان کے متواتر آنے وغیرہ سے انسان کو وہ کچھ سمجھ سکھایا جس کو پہلے وہ نہیں جانتا تھا۔ یہ جملہ مبتدا کی خبر ہوگا۔ اگر سابقہ کلام الاکرم والذی وربک فی صفات مان لیا جائے۔ اگر انہیں خبر مانا جائے تو پھر یہ علم بالقلم سے بدل اشمال ہوگا۔ اس میں علم نفس بالقلم کے ساتھ اس نے مقید کیا ہے جبکہ عمومیت کا فائدہ دینے کے لئے اس کے مفعول کو حذف کر دیا گیا جبکہ دوسری دفعہ علم نفس کا مفعول بنا دیا گیا۔ علم کے ساتھ اس کی قید کر نہیں کی۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ عین کے علوم انسانی علوم کا کچھ حصہ ہیں اور انسان کے علوم سے بعض چیزیں ان کا بعض اور انہیں ہونا ہی کیوں نہ ہو کیونکہ ملائکہ کے علوم قلم کے واسطے سے ہیں جسے لوں محفوظ ہے اور اس سے ہے۔ اس نے پھوٹی بڑی اولاد تک وتر میں سے کسی چیز کو بھی نہیں چھوڑا بلکہ ہر ایک کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ جہاں تک انسان کے علم کا تعلق ہے تو اس کا کچھ حصہ تو وہ ہے جو لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے اور کچھ وہ ہے جسے کتاب بھی محیط نہیں اور ان میں اس قلم کے ساتھ مقید کیا گیا ہے۔ اس حقیقت پر اللہ تعالیٰ کا فرمان کو عَصَمَ اَدْفَا اِلٰہِ سَلَّمَ کُلِّهَا دالات کرتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حقیقت سے اس میں علم حصولی سے تعلق نہیں رکھتا۔ اگر ایسا ہوتا تو لوح محفوظ اسے محیط ہوتا اور قلم اسے لکھتا بلکہ اس کا تعلق علم حصولی سے نہ ملدہ عین سے آگے اللہ تعالیٰ کی ماہیت کے علم کے بعد انسان کو اسات مہوم کا علم حاصل ہوتا ہے۔

اسی مقدم کے بارے میں بصیری کا یہ شعر:

فَاَنْ مِنْ جُوْدِكَ الدُّنْيَا وَ حَضْرَتِهَا
وَمِنْ غُلُوْمِكَ عِلْمُ النَّوْحِ وَالْقَلَمِ

دنیا اور آخرت تیری سخاوت کا حصہ ہیں
نوح و قلم کا علم تیرے علوم کا حصہ ہے
اور سک الاکرم والا جملہ اقرا فعل کے فاعل سے جان ہے کیونکہ جب حضور ﷺ سے ارشاد فرمایا اقرا تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ما انا بقاری۔ تو آپ کو کہا گیا اقرا وربک الاکرم الذی علم بالقلم علم الانسان ما لم يعلم۔ یہاں انسان سے مراد حضرت آدم علیہ السلام کی ذات ہے یا انسان کی جنس ہے جو تمام انبیاء کو شامل ہے تو لفظ اللہ تعالیٰ اس آیت سے اس کے گائے چہ دو قاری نہ ہوگا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہاں انسان سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہے۔ جب حضور ﷺ نے فرمایا ما انا بقاری تو حضرت جبرئیل نے تین دفعہ آپ کو سینے سے لگایا یہاں تک کہ آپ کو مشقت محسوس ہوئی جبکہ بندوں کے افعال اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ شائد اللہ تعالیٰ نے اس تین دفعہ کے معانقہ سے حضور ﷺ کو اولین و آخرین کا علم عطا فرمادیا۔ پھر انسان پر جو نعمتیں ان کو فرمائی اور کھا علم الانسان ما لم يعلم۔ ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا وَ عَلَّمَكُم مَّا كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ یہاں علم معصوم کا قول اس نے میں کیا حکمت کا فرمایا ہے جبکہ تعلیم ہوتی ہے ایسی چیز کی ہے جو پہلے معصوم نہ ہو۔ ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اس نے اس کے لئے کافائدہ یہ ہے کہ انسان کے عجز کی وضاحت ہو جائے اور حصول علم سے پہلے وہ اپنی جہالت کا استفادہ نہ کرے اور اس عقیدہ سنت پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائے۔ مواجب لدنیہ میں یہ روایت مذکور ہے کہ جبرئیل امین آغا ز میں آچھی صورت اور بہترین خوشبو کے

ماتہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا اے محمد ﷺ اللہ تعالیٰ تجھے سلام فرماتا ہے اور کہتا ہے آپ جن وانس کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ انہیں لا الہ الا اللہ کے قول کی طرف دعوت دیجئے۔ پھر جبرئیل امین نے زمین پر اپنا پاؤں مارا۔ زمین سے پانی کا چشمہ پھوٹ پڑا۔ جبرئیل امین نے اس سے وضو کیا پھر آپ کو وضو کرنے کے لئے کہا پھر جبرئیل امین اٹھ کر نماز پڑھنے لگے اور آپ کو بھی کہا کہ میرے ساتھ نماز پڑھیں۔ اس طرح آپ کو نماز اور وضو کی تعلیم دی، پھر حضرت جبرئیل امین آسمان کی طرف تشریف لے گئے۔ حضور ﷺ واپس تشریف لائے۔ آپ جس بھی پتھر، مکان یا درخت کے پاس سے گزرتے تھے تو وہ یہ کہتا تھا السَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ یہاں تک کہ آپ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لائے۔ آپ کو سب کچھ بتایا۔ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بہت خوش ہوئیں پھر آپ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو وضو کرنے کا حکم دیا اور انہیں اسی طرح نماز پڑھائی جس طرح جبرئیل امین نے آپ کے لئے نماز پڑھی تھی۔ ابتداء میں آپ پر دو رکعات نماز فرض کی گئی تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے سفر میں اس نماز کا حکم دیا اور حالت اقامت میں نماز مکمل کر دی۔

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں کہا ہے معراج سے پہلے بھی حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ نماز تو پڑھتے تھے اور یہ یقینی بات ہے۔ لیکن اس میں اختلاف ہے کہ کیا پانچ نمازوں سے پہلے کوئی نماز آپ پر فرض بھی تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ سورج کے طلوع اور غروب سے پہلے نماز فرض تھی۔ قول ختم ہوا۔ علامہ نے کہا ابتداء میں شرک سے اجتناب اور توحید کی دعوت دینے کا حکم نازل ہوا پھر رات کے وقت عبادت کرنے کا حکم نازل ہوا جس کا ذکر سورہ ہزل کے آغاز میں ہے پھر اس کے آخر والی آیات نے اس حکم کو منسوخ کر دیا پھر معراج کی رات پانچ نمازیں فرض کرنے کے ساتھ اس حکم کو بھی منسوخ کر دیا گیا۔ اس روایت میں جو یہ ذکر ہے کہ جبرئیل امین نے حضور ﷺ کو وضو کے بارے میں آگاہ کیا اور اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم پہنچایا۔ یہ روایت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ معراج شریف سے پہلے وضو کا حکم ہو چکا تھا، واللہ تعالیٰ اعلم۔ ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ابو جہل نے کہا کیا محمد ﷺ تمہارے سامنے سجدہ کرتا ہے؟ تو اسے بتایا گیا ہاں، ہمارے سامنے ایسا کرتا ہے۔ تو ابو جہل نے کہالات و عزی کی قسم اگر میں نے اسے ایسا کرتے ہوئے دیکھا تو میں اس کی گردن روند ڈالوں گا اور اس کے چہرے کو مٹی میں رگزدوں گا (1) تو اللہ تعالیٰ نے مابعد آیات کو نازل فرمایا۔

كَلَّا إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُفٍ ﴿١﴾ إِنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ الرُّجْعَىٰ ﴿٢﴾
 أَرَأَيْتَ الَّذِي يَبْتَهِلُ ﴿٣﴾ عَبْدًا إِذَا صَلَّىٰ ﴿٤﴾

”ہاں ہاں بے شک انسان سرکشی کرنے لگتا ہے۔ اس بناء پر کہ وہ اپنے آپ کو مستغنی دیکھتا ہے۔ (اے غافل) یقیناً تجھے اپنے رب کی طرف ہی پلٹنا ہے۔ (اے حبیب) آپ نے دیکھا اسے جو منع کرتا ہے۔ ایک بندے کو جب وہ نماز پڑھتا ہے۔“

۱۔ جو آدمی اپنی سرکشی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا انکار کرتا ہے اور نماز سے روکتا ہے۔ اگرچہ اس انکار اور روکنے کا پہلے ذکر تو نہیں لیکن سیاق کلام اور دلالت حال اس پر دلالت کرتے ہیں۔ اس لئے کوئی التباس لازم نہیں آتا۔ یا یہ کلا حقا کے معنی میں ہے۔ الانسان سے

مرا اور جوہل نے جنس کا ذکر کیا لیکن مراد اس کا ایک فرد ہے وہ یقیناً کثیر اور جمعی کی حد میں تجماع کر رہا ہے۔
 یہ قلوب رحمة اللہ علیہ نے راد کے ہمزد کو قنصر کے ساتھ جوہر ہوتی قراءت کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی وہ اپنے نفس کو خلیاں بنا کر
 ان نفس لیب میں ہے یا تو یہ مفعول لہ ہے یا یہ طرف ہے۔ مفعول لہ ہونے کی صورت میں اس طرف جارحذف ہوگا اور نفس لہ
 کی صورت میں وقت محذوف ہوگا۔ استغنی یہ راد کا اور مفعول ہے کیونکہ یہ افعال قلوب میں سے ہے۔ یہ اسباب مفعول میں
 ہوتے اس صورت میں مرفوع اور منصوب ضمیر کا ایک ہی منبع ہونا مستطیع ہوتا ہے۔ جب ابو جہل نے کہا تھا تو وہ اپنے صاحب ہاں اور اس
 کے معیار پر بندہ کر رہا تھا۔

کے درجعی بشری کی طرح مصدر ہے۔ یہ ان کا اسم ہے اور چار خبریں ان کی خبر ہے۔ ہمہ متعلق ہے اور بھڑکے اور ہلکے سے
 آئے ہے۔ تو یہ ایک مفعول کا جواب ہے۔ سوال یہ ہوگا عاقبۃ المطاعنی اور امتحان کے حریق پر اس کا ماحول ہوگا۔ ان کی
 ہوتی ہے کہ صرف ہے اور تمہیں تمہاری سرکشی پر جوہر ہوگا۔ ان خبریں رحمة اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے
 روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز پڑھتے تھے۔ ابو جہل آیا اس نے آپ کو نماز پڑھنے سے منع کیا تو اللہ تعالیٰ نے ماہرہ پڑت
 نماز کیا ہے۔ (۱)

۲۔ لاء ضمیر سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہے یہاں استغنی تقریری ہے۔ یہ قلم معنی میں سے ہیں یقیناً تمہارے سے یہ جوہر
 اس سے اس کا اقرار کرو یا رویت کے بارے میں استغنیہا میں غمگینا ہے کہ مخاطب نے جو چیز دیکھا ہے اس کے بارے میں نہ کہ
 چہ اس کا معنی ہوگا مجھے خبر دو یہ تعجب کی جگہ بھی استعمال ہوتا ہے۔ روایت لہاں قلوب سے تعلق رکھتا ہے وہ مفعولوں کی طرف متعلق ہوتے
 سے جو اس میں مبتدا اور خبر ہوتے ہیں۔ یہاں اس استغنیہا میں غرض یہ ہے لیان کے درمیان نسبت کو پختہ کیا جائے اور اس کا
 نہ طلب نہ جائے۔

یہ خبر لہی کے ساتھ متعلق ہے۔ اسم موصول سے مراد ابو جہل ہے اور عند سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہے۔ یہاں خطاب سے
 سعادت لہ کے صیغہ کی حرف التفات سے۔ اللہ تعالیٰ سے خطاب کی ضمیر کی جگہ لفظ عبد استعمال ہے۔ مقسود اس سے ہے کہ
 یہ اس میں ہونے پر دلالت ہے کیونکہ عبودیت کا نتیجہ عبادت ہے۔ اسی طرح یہ اسلوب منع کر کے اس کے معنی سے اس کا
 اس کی قیامت پر بھی دلالت ہے۔ صلہ موصول مراد اس کا ایک مفعول ہے اور اس کا زودہ مفعول محذوف ہے جو کہ خبر کے ضمیر
 ہے۔ لہذا یہ کلام یہ ہوگا اذ غایت الذی یبھی عندا اذ اصلی کیف یطغی۔

أَمْرَكَيْتَ إِنْ كَانَ عَلَى الْهُدَىٰ ۖ أَوْ أَمَرَ بِالتَّقْوَىٰ ۖ أَمْرَكَيْتَ إِنْ كَذَّبَ وَ
 تَوَكَّىٰ ۖ أَلَمْ يَعْلَم بِأَنَّ اللَّهَ يَرَىٰ ۖ

ہذا دیکھئے تو امر وہدایت پر ہوتا ہے یا پرہیزگاری کا حکم دیتا (تو اس کے لئے کتنا بہتر ہوتا) ہے۔ آپ نے تمہیں یہ امر

کے مجھنا یا اور وہ مردانی کی سے کیا نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ (اسے) دیکھ رہا ہے۔

۳۔ لاء ضمیر سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہے۔ کان میں ہو ضمیر سے مراد العبد ہے یعنی عبد جب نماز پڑھتا ہے تو وہ اپنے

۱۲۔ جب وہ لوگوں کو توحید اور نماز کی دعوت دے رہا ہو تو وہ تقویٰ کا حکم دینے والا ہو۔ ظاہر بات تو یہ ہے کہ نماز اور تقویٰ کا امر کرنے سے نبی اکٹھی تھی۔ پہلے جملے میں صرف ایک پر اکتفاء کیا گیا کیونکہ دوسری جگہ دونوں کا ذکر ہے نیز نماز عملاً دعوت ہی ہے نیز جب اس نے بندے کو نماز سے روکا تو یہ احتمال موجود ہے کہ اس کی یہ نہیں نماز اور دوسرے اعمال سے بھی تھی اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ انسان کے عام احوال دو صورتوں میں ہی محصور ہیں: 1۔ اپنے نفس کی تکمیل جو عبادت سے ممکن ہے، 2۔ دوسروں کی تکمیل جو انہیں دعوت سے ہی ممکن ہے۔ یہ ایسی شرط ہے جس کی جزاء محذوف ہے۔ سیاق کلام کیونکہ حذف پر دلالت کرتا ہے اس لئے کوئی حرج نہیں۔ جزاء یہ ہو سکتی ہے

هُوَ كَيْفَ يَنْهَاهُ، فَيَهْلِكُ النَّاهِي وَيَعُوذُ الْعَبْدُ۔ یہ جملہ شرطیہ روایت کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے۔

۱۳۔ تاء ضمیر سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہے۔ اگر منع کرنے والا اس چیز کو جھٹلا رہا ہے جو حق ہے اور جھٹلانے والا ایمان سے اعراض کرنے والا ہے تو وہ کیسے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات پائے گا جبکہ وہ تو بلاک ہو جائے گا۔ دونوں جملوں میں محذوف پر دلیل مابعد آیت ہے۔

۱۴۔ اس میں استفہام انکاری ہے جو توحید اور عہد کا فائدہ دیتا ہے کیونکہ نفی کا انکار اثبات ہوا کرتا ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی قد علم، بان اللہ یبری یعلم کے متعلق ہے جو اس کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہیں۔ یبری، یعلم کے معنی میں ہے۔ سابقہ کلام کی دلالت کی وجہ سے اس کا مفعول حذف کر دیا گیا، یعنی اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے جو ہدایت اور تقویٰ کے حکم سے منع کرتا ہے جبکہ منع کرنے والا حق کو جھٹلانے والا اور ایمان سے اعراض کرنے والا ہے جبکہ جس بندے کو وہ روک رہا ہے وہ ہدایت پر ہے اور تقویٰ کا حکم دینے والا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ علم رکھتا ہے تو جزاء بھی ضرور دے گا۔ جیسا اس کا علم ہوگا اس کی جزاء بھی ایسی ہی ہوگی۔ یہاں یبری کا ذکر کیا اور مراد جزاء لی جس طرح ملزوم ذکر کر کے لازم مراد لیا جاتا ہے۔ پھر تقدیر کلام یہ ہوگی یقیناً اللہ تعالیٰ جانتا ہے، اللہ تعالیٰ منع کرنے والے اور بندے کو اپنے علم کے مطابق جزاء دے گا۔ یہ چاروں جملے ہیں صاحب بحر مواج نے بھی اسی طرح کہا جس طرح میں نے کہا۔ ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی کہا کہ الم یعلم دوسری شرط کی جزاء ہے اور پہلی شرط کی جزاء محذوف ہے اور ایسا جملہ مقدر کیا جائے گا جس طرح دوسرے جملے کی جزاء ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی اِنْ سَكَانَ عَلَيَّ الْهُدَىٰ أَوْ أَمَرَ بِالتَّقْوَىٰ الْمَ يَعْلَمُ بَانَ اللّٰهُ يَبْرِي۔

ایک قول یہ کیا گیا کہ پہلے اور تیسرے روایت میں خطاب حضور ﷺ کو ہے اور دوسرے روایت میں خطاب کافر کو ہے۔ پھر معنی یہ ہوگا اے محمد ﷺ بتاؤ جب تو نماز پڑھتا ہے تو جو منع کرتا ہے تو کیا اس نے سرکشی نہیں کی اے ابو جہل بتاؤ اگر محمد ﷺ ہدایت پر ہوں یا تقویٰ کا حکم دیں تو تو اسے کیسے منع کرے گا اے محمد ﷺ بتاؤ اگر ابو جہل جھٹلائے اور حق سے روگردانی کرے تو وہ کیسے نجات پائے گا کیا وہ جانتا نہیں کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ دیکھ رہا ہے جس طرح حاکم دو جھگڑا کرنے والوں کے درمیان میں جب فیصلہ کر رہا ہوتا ہے تو اس وقت وہ کبھی ایک کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور کبھی دوسرے کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ شیخ جلال الدین محلی نے کہا اس کا معنی یہ ہے اے مخاطب بڑے تعجب کی بات ہے کہ منع کرنے والا بندے کو نماز سے روکتا ہے جبکہ جسے منع کیا جا رہا ہے وہ ہدایت پر ہے اور تقویٰ کا حکم دیتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ منع کرنے والا جھٹلانے والا اور ایمان سے روگردانی کرنے والا ہے (1)۔ اس تعبیر کی صورت میں بھی جملے چار ہی رہیں گے۔ یا اس کا معنی ہے اے محمد ﷺ بتاؤ وہ آدمی جو بندے کو نماز پڑھنے سے روکتا تھا۔ ہم نے کیسے اسے آپ سے روک دیا۔

مخالف ہے کہ حضور ﷺ کے بعد اسے اٹھایا گیا۔ اس کی تائید وہ روایت بھی کرتی ہے جسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا۔ آپ سے کہا گیا لوگوں کا گمان ہے کہ لیلۃ القدر کو اٹھا دیا گیا ہے۔ تو آپ نے جواب دیا جس نے یہ کہا ہے اس نے جھوٹ بولا ہے۔ اسے عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (1)۔ راوی نے پوچھا میں نے کہا یہ ہر اس رمضان میں ہوگی جسے وہ پائے گا تو آپ نے جواب دیا ہاں بات اسی طرح ہے۔

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ﴿۱﴾ وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ﴿۲﴾ لَيْلَةُ الْقَدْرِ ﴿۳﴾
خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ﴿۴﴾

”بے شک ہم نے اس (قرآن) کو اتارا ہے شب قدر میں۔ اور آپ کچھ جانتے ہیں کہ شب قدر کیا ہے؟ شب قدر بہتر ہے ہزار مہینوں سے۔“

۱۔ ہضمیر سے مراد قرآن حکیم ہے ذکر کے بغیر اس کے لئے ضمیر کا ذکر کیا گیا۔ مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ قرآن کی اتنی عظمت ہے کہ اس کی وضاحت کی ضرورت نہیں کیونکہ ذہن اس کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کے نازل کرنے کو اپنی طرف منسوب کر کے اس کی عظمت بیان کی۔ جب جملہ فعلیہ خبر بن رہا ہے تو اس سے پہلے مسند الیہ کو مقدم کیا مقصود تاکید میں اضافہ کرنا ہے یا یہ اسلوب تخصیص کے لئے ہے پھر وقت کے اعتبار سے اس کی عظمت بیان کی۔ اللہ تعالیٰ اس رات میں اپنے بندوں اور شہروں کے بارے میں آنے والے سال کے معاملات کو مقدر کر دیتا ہے۔ حضرت حسین بن فضل رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کیا اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تخلیق سے پہلے مقادیر کا اندازہ معین نہیں کر دیا تھا۔ انہوں نے جواب دیا ہاں تو ان سے سوال کیا گیا تو پھر لیلۃ القدر کا کیا معنی ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا ان مقادیر کو اوقات کی طرف لے جائے اور مقدر فیصلوں کی تصفیہ کا اہتمام کرنا (2)، یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں اور شہروں کے بارے میں جو فیصلہ کرتا ہے اس کے بارے میں وہ فرشتوں کو اطلاع کر دیتا ہے۔

عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا مقادیر کا اندازہ اور امور کا فیصلہ شعبان کی درمیانی رات کو ہوتا ہے، اس میں مردوں کو زندوں میں لکھ دیا جاتا ہے۔ ان میں نہ زیادتی کی جاتی ہے اور نہ ہی ان میں کمی کی جاتی ہے۔ اس کی تائید وہ روایت کرتی ہے جسے امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ ایک شعبان سے دوسرے شعبان تک موتوں کا فیصلہ کیا جاتا ہے یہاں تک کہ فلاں نکاح کرتا ہے، اس کا بچہ ہوتا ہے مگر اس کا نام مردوں میں شامل ہوتا ہے (3)۔ میں کہتا ہوں شاید نجات وغیرہ کے چند امور شعبان کی نصف رات کو جزوی طور پر مقدر کئے جاتے ہیں اور کلی طور پر ان کی تقدیر اور موکل فرشتوں کی طرف ان کی سپردگی یہ لیلۃ القدر کو ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے
فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا سال بھر میں خیر، شر، رزق، موت یہاں تک کہ فلاں فلاں حج کرے گا لوح محفوظ سے لکھ لیا جاتا ہے (4)۔ ابونعیم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ شعبان کی نصف رات کو فیصلے فرماتا ہے اور لیلۃ القدر کی رات ان فرشتوں کے سپرد کرتا ہے جو ان امور کی تدبیر پر معین ہیں۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے اس رات کی عظمت اور شرف کی وجہ سے اس کا نام لیلۃ القدر رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ، یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی صحیح تعظیم نہیں کی۔ ایک قول یہ کیا گیا اس رات میں کہا گیا اچھا عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑی عظمت و شان اور اجر عظیم والا ہوتا ہے (5)۔ لیلۃ القدر کو قرآن حکیم کے نازل ہونے کی بات

جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول سے صحیحی جا رہی ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ لیلۃ القدر میں عرس قرآن حکیم جون محفوظات آسمان: یہاں بیت العزت کی طرف نازل ہوا۔ پھر حضرت جبرئیل امین میں سال (1) تک حضور اکرم ﷺ کے پاس لائے رہنے اللہ تعالیٰ کے ارشاد مواقع انجوم کا یہی مفہوم ہے۔ ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے وہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ نصف ابراہیمی رمضان کی تیسری رات میں جبکہ ایک روایت میں رمضان کی پہلی رات میں نماز ہوئے تو رات چھ رمضان، انجیل تیرہ رمضان، زبور اٹھارہ رمضان اور قرآن چوبیس رمضان کو نازل ہوا (1)۔ امام احمد اور حیرانی نے ان دونوں روایتوں سے اتفاق کیا ہے کہ نصف ابراہیم پہلی رمضان، تورات چھ رمضان، انجیل تیرہ رمضان اور قرآن چوبیس رمضان کو نازل ہوا۔ ابن قتیبہ نے حضرت ابن مسعود، شعبی، حضرت حسن بصری اور قتادہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا بھی ہے ان کے قول کی تائید و روایت بھی کرتے ہیں جو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کی ہے کہ لیلۃ القدر چوبیس رمضان کو تلاش کرو (2) اس سند میں ابن ابی عمیر نے حافظ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ لیلۃ القدر نے اسے مرفوعاً کہنے میں غلطی کی ہے۔ میں کہتا ہوں اگر یہ احادیث صحیح ہیں تو ان میں سے کسی کو اس وقت تک نہ ہر سال لیلۃ القدر چوبیسویں رات کو ہوتی ہے بلکہ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ جس سال قرآن حکیم بواج محفوظات سے بیٹا ہوا ہے صرف نازل ہوا۔ اس سال لیلۃ القدر چوبیسویں رات کو تھی یا جس کا ذکر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کیا ہے اس سال لیلۃ القدر چوبیسویں رات کو تھی۔

قرآن مجید نے لیلۃ القدر کی تعیین میں اختلاف کیا ہے۔ اس میں ان کے چالیس قول ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ رمضان شریف کے شروع ہونے کے بعد اس وقت تک یہ رات منتقل ہوتی رہتی ہے۔ یہ قول اس لئے درست ہے کہ صحیح احادیث میں تفسیق ہو سکے اور ان کی جو مخالفت روایت ہے ان سے اس کا ابطال کیا جاسکے۔

ان احادیث میں سے ایک حدیث یہ ہے جسے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے شہداء کے لئے قرآن ان خطبہ ارشاد فرمایا اے لوگو تمہاراے اوپر ایک عظیم مبارک مہینہ آ رہا ہے، اس مہینے میں ایک رات ہے جو بہت مبارک ہے۔ یہ حدیث (3)۔ یہ حدیث اور رمضان کے فضائل سورۃ بقرہ میں گزر چکے ہیں، یہ حدیث اس قول کو رد نہیں کرتی جس میں یہ کہا گیا کہ لیلۃ القدر رمضان شریف اور دوسرے مہینوں میں بھی ہو سکتی ہے۔ قاضی خان نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب اس وقت تک بیان کیا ہے کہ حدیث کے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ شاید اس سال لیلۃ القدر رمضان شریف میں ہوئی تھی جس سال قرآن حکیم نازل ہوا ہے پھر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے جس لیلۃ القدر کا ذکر کیا ہے وہ رمضان شریف میں ہوئی تھی۔ اس حدیث اور آیت سے اس قول کا لازم نہیں آتا کیونکہ ہم کہتے ہیں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں رمضان شریف کی کئی صفات ذکر کی ہیں کیونکہ اس حدیث میں آپ نے ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے روزوں کو فرض قرار دیا اور اس کی راتوں کے قیام کو نفل قرار دیا جس سے اس مہینے میں نفل ادا کئے وہ اس آدمی جیسا ہے جس نے فرض ادا کیا۔ جس نے اس میں فرض ادا کیا وہ اس آدمی کی طرف سے اس کے لئے ہے۔

2۔ کنز العمال، جلد 8، صفحہ 537 (الترغیب للاسلامی)

3۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 107 (صادر)

ذکر آئینہ بوقی، جلد 1، صفحہ 222 (المفکر)

انہی کے نزول کا وہ رانیہ یا کچھ سال سے چھ اوپر بنتا ہے، تاہم یہ تعبیر اس صورت میں درست ہو سکتی ہے کہ پہلے تین سال جو نفلت اور نفلت کے لئے ہے۔

فرض ادا کئے۔ یہ صبر اور مواسات کا مہینہ ہے۔ ان سعادت میں سے کوئی صفت بھی ایسی نہیں جو اس رمضان کے ساتھ خاص ہو۔ اسی لیلۃ القدر کو اسی رمضان کے ساتھ خاص کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ انہیں احادیث میں سے ایک حدیث حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضور ﷺ رمضان کے آخری عشرہ میں اتنی کوشش کرتے جتنی محنت کسی اور مہینے میں نہیں فرماتے تھے۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (1)۔ آپ فرماتی ہیں جب آخری عشرہ ہوتا تو آپ کمر کس لیتے اس کی راتوں میں قیام کرتے اور اپنے گھر والوں کو بھی بیدار کرتے۔ یہ روایت متفق علیہ ہے (2)۔ آپ کا یہ فرمان بھی ہے کہ آپ رمضان شریف کے آخری عشرہ میں اعتکاف کرتے رہے یہاں تک کہ آپ نے ان جہاں سے پردہ فرمایا پھر آپ کے بعد آپ کی ازواج مطہرات اعتکاف کرتی رہیں یہ روایت متفق علیہ ہے (3)۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ بھی فرمان ہے کہ آپ رمضان شریف کے آخری عشرہ میں اعتکاف فرماتے اور فرماتے رمضان کے آخری عشرہ میں لیلۃ القدر تلاش کرو۔ اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (4)۔ انہیں احادیث میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے پہلا عشرہ میں اعتکاف کیا پھر ایک ترکی خیمہ میں درمیانی عشرہ میں اعتکاف کیا۔ پھر حضور ﷺ نے خیمہ سے اپنا سر باہر نکالا اور کہا میں نے پہلے عشرہ میں اعتکاف کیا تاکہ لیلۃ القدر کو تلاش کروں۔ پھر میں نے درمیانی عشرہ میں اعتکاف کیا پھر میرے پاس فرشتہ آیا اور مجھے بتایا گیا کہ یہ رات تو آخری عشرہ میں ہے۔ اس لئے جس نے میری معیت میں اعتکاف کیا تھا وہ آخری عشرہ میں اعتکاف کرے۔ مجھے یہ رات دکھائی گئی۔ میں نے اس کو پایا۔ میں اس کی صبح اپنے آپ کو دیکھتا ہوں کہ پانی اور مٹی میں سجدہ کر رہا ہوں۔ اس لئے آخری عشرہ کی طاق رات میں اسے تلاش کرو۔ راوی نے کہا اس رات بارش ہوئی مسجد چھپر نہا تھی۔ اس لئے اس کی چھت پگلی میری نظر حضور ﷺ کے چہرے پر پڑی جبکہ آپ کی پیشانی پر پانی اور مٹی کے نشانات تھے۔ یہ ایک سو برس رمضان کی صبح تھی۔ یہ روایت معنوی اعتبار سے متفق علیہ ہے۔ (5)

امام مسلم نے ابوسعید رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے رمضان کے درمیانی عشرہ میں اعتکاف کیا۔ مقصود لیلۃ القدر تلاش کرنا تھا۔ جب درمیانی عشرہ ختم ہو گیا تو آپ نے خیمہ اکھاڑنے کا حکم دیا خیمہ اکھاڑ لیا گیا پھر آپ کو وہ رات بھول گئی جبکہ یہ آخری عشرہ میں تھی تو آپ نے دوبارہ خیمہ لگانے کا حکم دیا تو خیمہ دوبارہ لگا دیا گیا پھر حضور ﷺ لوگوں کے پاس تشریف لائے، فرمایا اے لوگو مجھے لیلۃ القدر دکھائی گئی تھی۔ میں تمہیں بتانے کے لئے باہر نکلا تو دو آدمی آگئے جن کے ساتھ شیطان تھا تو مجھے رات بھول گئی۔ لیلۃ القدر رمضان کی آخری طاق راتوں میں تلاش کرو۔ سے نویں، ساتویں اور پانچویں شب میں تلاش کرو۔ میں نے پوچھا اے ابوسعید تم ہماری نسبت عدد کو زیادہ جانتے ہو تو انہوں نے جواب دیا ہم تمہاری نسبت اس کا زیادہ حق رکھتے ہیں۔ فرمایا رمضان کے اکیس دن گزر جائیں اس کے بعد والا دن بائیسواں ہو تو یہ نویں رات ہے۔ جب رمضان کے تیس دن گزر جائیں تو جو رات اس سے ساتھی ہوتی ہے وہ ساتویں ہوتی ہے۔ جب پچیس دن گزر چکے ہوں تو اس کے ساتھ جو رات ملی ہوتی ہے وہ پانچویں ہوتی ہے (6)۔ طیارسی نے ابوسعید رحمہما اللہ تعالیٰ سے مرفوع روایت نقل کی ہے کہ لیلۃ القدر رمضان شریف کی چوبیسویں رات ہے (7)۔ انہیں احادیث میں حضرت عبد اللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے کہ مجھے لیلۃ القدر دکھائی گئی پھر مجھے بھلا دی گئی۔ مجھے اس کی صبح میں یوں دکھایا گیا کہ میں مٹی

1- صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 372 (قدیمی) 2- ایضاً 3- ایضاً 4- صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 271 (وزارت تعلیم)

5- تکرار المصاحف، جلد 1، صفحہ 181 (وزارت تعلیم) 6- صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 370 (قدیمی) 7- تفسیر ابن کثیر، جلد 8، صفحہ 3822 (ابن حزم)

۱۱۔ ہاں یہ کہہ کر ہاں ہوں۔ راتوں نے کہا تیسویں رات و بارش ہوں۔ حضور ﷺ نے ہمیں فجر کی نماز پڑھانی۔ حضور ﷺ نے
 ہاں میں صرف رات تیسویں رات کا اثر آپ کی پیشانی پر دکھایا۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ ۱۰
 انہوں نے ایک روایت مروی ہے کہ میں نے حضور ﷺ سے عرض کیا میں جنگل میں رہتا ہوں۔ مجھے ایک رات کے بارے میں
 سمجھ نہیں آتا کہ میں مسجد نبوی میں آجایا کروں تو حضور ﷺ نے تیسویں رات آنے کا ارشاد فرمایا۔ انہوں نے یہ روایت مروی
 ہے۔ انہوں نے حضور ﷺ سے اسیسویں رات کی صبح کو ایلاتہ القدر کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا کئی راتوں کے بعد
 اسے تیسویں سے فرمایا یعنی یا آنے والی رات ہے (2)۔ انہیں احادیث میں سے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے روایت
 کیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا جو اس رات کو تلاش کرنا چاہے وہ اسے تیسویں رات میں تلاش کرے۔ اسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے
 روایت کیا ہے اور ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی ہم معنی روایت نقل کی۔ اسی طرح جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ ان رضی اللہ
 عنہما نے یہ روایت کیا ہے۔ انہوں نے ایک معاویہ بن ابن سفیان کی حدیث ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ سے یہ روایت سنی ہے
 کہ پانچ سو سال پہلے فرمایا یہ منکلفان میں تیسویں رات ہے سے ابو ذر رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے
 روایت کی ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایک روایت سنی ہے۔ ابن کعب نے بھی یہی یقین سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے
 حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی روایت کی ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے جو اب یہ روایت سنی ہے وہ
 ہے کہ میں یہ روایت کرتا ہوں جو علامت حضور ﷺ کے ہیں کہ اس روز سورج طلوع ہوگا تو اس کی شمع نہ ہوگی۔ اسے امام احمد
 رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (5)۔ یہ قول ابن شیبہ رحمۃ اللہ علیہ سے انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور
 صحابہ سے روایت کیا ہے۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس روایت کی ہے کہ میں نے
 حضور ﷺ سے یہ روایت سنی ہے کہ ہم نے آپ سے اس لیلۃ القدر کے بارے میں کئی سوالات کیے اور انہوں نے یہ روایت
 سنی ہے کہ یہ لیلۃ القدر ہے جس طرح آنکھ کا شکاف ہوتا ہے (6)۔ ابو الحسن فارسی نے اس سے مراد تیسویں رات ہے۔ یہ روایت
 صحیح ہے۔ اس طرح طلوع ہوا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا وقت پورا ہو چکا ہے اور تیسویں رات ہے۔ تاہم پانچ سو
 سال سے یہ روایت سے ظاہر یہ ہے جس طرح سورج اس وقت کو شعاع کے بغیر طلوع ہوتا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اس روایت
 سے بغیر طلوع ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وقت پورا ہو جاتا ہے بلکہ اس کی وجہ اور ہوتی ہے۔
 یہ روایت اس امر پر دلالت کرتی ہے۔ لیلۃ القدر تیسویں شب آجوتی ہے۔ اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا۔ یہ لیلۃ القدر تیسویں
 شب آجوتی ہے اسے پیچھے نہیں ہوتی۔ ان احادیث میں سے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے۔ یہ روایت
 تیسویں شب لیلۃ القدر ہے یعنی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا آخری عشرہ میں میں تمہارے خوابوں کو موافق پاتا ہوں اس وقت کہ میں
 تمہارے پاس ہوں۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا (7)۔ انہوں نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ روایت سنی ہے۔
 آپ سے فرمایا ہے کہ تیسویں رات میں تلاش کرو۔ اسے عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا (8)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ان روایت

۱۔ سنن ابی داؤد، جلد 5، صفحہ 284-85 (ارشاد)
 2۔ سنن ابی داؤد، جلد 5، صفحہ 290 (ارشاد)
 3۔ سنن ابی داؤد، جلد 5، صفحہ 277 (ارشاد)
 4۔ سنن ابی داؤد، جلد 5، صفحہ 290 (ارشاد)
 5۔ سنن ابی داؤد، جلد 5، صفحہ 277 (ارشاد)
 6۔ سنن ابی داؤد، جلد 5، صفحہ 290 (ارشاد)
 7۔ سنن ابی داؤد، جلد 5، صفحہ 290 (ارشاد)
 8۔ سنن ابی داؤد، جلد 5، صفحہ 290 (ارشاد)

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے اسی قسم کی روایت نقل کی ہے، یعنی بیس کے بعد ساتویں یا باقی ماندہ راتوں میں سے ساتویں ہے۔ انہیں احادیث میں سے ایک نعمان بن بشیر کی مرفوع روایت ہے جس میں یہ الفاظ ہیں سابعة تمضی اور سابعة تبقی یعنی گزرتی ہوئی ساتویں یا باقی رہتی ہوئی ساتویں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوع روایت نقل کی ہے کہ یہ رات آخری دس راتوں میں ہے نو میں جو گزر جاتی ہیں یا سات میں جو باقی رہتی ہیں۔ تسع یمضین کے الفاظ کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ یہ ہیں اسے آخری عشرہ میں تلاش کرو نویں میں جو باقی ہو ساتویں میں جو باقی ہو پانچویں میں جو باقی ہو (1)۔ انہیں احادیث میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ تشریف لائے تاکہ لیلة القدر کے بارے میں بتائیں تو وہ مسلمان الجھ پڑے۔ حضور ﷺ نے فرمایا میں اس لئے نکلا تھا تاکہ تمہیں لیلة القدر کے بارے میں بتاؤں تو فلاں اور فلاں الجھ پڑے تو وہ اٹھالی گئی ممکن ہے۔ یہی تمہارے لئے بہتر ہو اسے نویں، ساتویں اور پانچویں میں تلاش کرو (2) انہیں میں ایک حدیث حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ لیلة القدر کو تلاش کرو جب نو دن باقی ہوں یا پانچ دن باقی ہوں یا تین دن باقی ہوں یا آخری رات میں تلاش کرو اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (3)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے عبادہ بن صامت کی حدیث اسی کی مثل روایت کی ہے۔

انہیں احادیث میں سے ایک یہ ہے کہ حضور ﷺ کے ایک صحابی نے لیلة القدر آخری سات راتوں میں دیکھی تو حضور ﷺ نے فرمایا میں دیکھتا ہوں کہ تمہارے خواب آخری سات راتوں میں موافق ہوتے ہیں۔ جو کوئی اس کی تلاش کرنا چاہتا ہے وہ اسے آخری سات راتوں میں تلاش کرے، متفق علیہ (4)۔ ایک روایت میں ہے کچھ لوگوں کو آخری سات راتوں میں لیلة القدر دکھائی گئی اور کچھ کو آخری دس راتوں میں دکھائی گئی تو حضور ﷺ نے فرمایا آخری سات راتوں میں اسے تلاش کرو (5)۔ انہیں روایات میں سے ایک حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے کہ اگر تم کسی وجہ سے مغلوب ہو جاؤ تو آخری سات راتوں میں مغلوب نہ ہو۔ اسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی ایک مرفوع حدیث ہے کہ اسے آخری دس راتوں میں اسے تلاش کرو اگر تم میں سے کسی کو ضعف یا عجز لاحق ہو تو باقی ماندہ سات راتوں میں مغلوب نہ ہو۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (6)۔ ان تمام احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ لیلة القدر رمضان کی آخری دس راتوں میں ہوتی ہے، کبھی اکیسویں کی رات ہوتی ہے جس طرح ابوسعید کی روایت سے ثابت ہے، کبھی تیسویں کی رات ہوتی ہے جس طرح حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے ثابت ہے، کبھی چوبیسویں کی رات ہوتی ہے جس میں قرآن نازل ہوا کبھی ستائیسویں کی رات ہوتی ہے جس طرح حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ پر اس کی علامت ظاہر ہوئی، کبھی بائیسویں کی رات ہوتی ہے، کبھی چھبیسویں کی رات ہوتی ہے، کبھی اٹھائیسویں کی رات ہوتی ہے، کبھی انتیسویں کی رات ہوتی ہے، کبھی تیسویں کی رات ہوتی ہے۔ اس تاویل کی بناء پر احادیث میں تعارض نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم نے لیلة القدر کی فضیلت میں قرآن کو نازل کیا۔

۲۔ ما ادراک میں ما استفہامیہ ہے اور انکار کے لئے آیا ہے۔ استفہام کا مقصود تعظیم اور تعجب کا اظہار ہے ما لیلة القدر میں بھی یہی

3۔ جامع ترمذی، جلد 1، صفحہ 98 (وزارت تعلیم)

2۔ ایضاً

1۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 271 (وزارت تعلیم)

6۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 369 (قدیمی)

5۔ ایضاً

4۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 270 (وزارت تعلیم)

گیا کہ یہ صرف سلام ہی سلام ہے کیونکہ فرشتے کثرت سے مومنوں کو سلام کریں گے۔ اس صورت میں حتی مطلع الفجر یا تو سلام کے مفہوم کے ساتھ متعلق ہوگا جو تسلیم کے معنی میں ہے۔ معنی یہ ہوگا یہ رات صبح تک سلام سے بھری ہوئی ہے یا یہ ظرف مستقر ہے اور مبتدا مخذوف کی خبر ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی تلک حتی مطلع الفجر یہ جملہ لیلۃ القدر کی ایک اور خبر ہوگی یا یہ تنزل کے متعلق ہوگی۔ ان دونوں تاویلوں کی صورت میں سلام جملہ مقررہ ہوگا۔ کسائی رحمۃ اللہ علیہ نے مطلع کو لام کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اس لام کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے یا تو یہ طلوع سے مصدر میمی ہے یا یہ ظرف زمان ہے اور اس سے طلوع کا وقت مراد ہے۔

فائدہ :- ایک قول یہ کیا گیا اس رات ہر چیز سجدہ میں دکھائی دیتی ہے، ہر جگہ نور پھیلا ہوا ہوتا ہے، فرشتوں کی طرف سلام اور خطاب سنائی دیتا ہے۔ یہ چیز بعض اکابر پر بذریعہ کشف ظاہر ہوتی ہے۔ ہر کسی پر یہ حقیقت ظاہر نہیں ہوتی ثواب کے حصول کے لئے اس میں سے کسی چیز کا ظاہر ہونا ضروری نہیں۔ اگر ان چیزوں کا ظہور امر کلی ہوتا یا اکثر ایسا ہوتا تو امت پر اس کے مخفی یا مبہم ہونے کا تصور نہ ہوتا خصوصاً صحابہ تابعین اور اکابر اولیاء پر یہ مخفی نہ ہوتا لیکن لیلۃ القدر کے ثواب کو حاصل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی عبادت ضروری ہے جس پر حضور ﷺ کا یہ ارشاد دلالت کرتا ہے جس نے ایمان کی حالت میں لیلۃ القدر کو قیام کیا اور حضور ﷺ کا ارشاد فرشتے ہر اس بندے کے لئے دعائیں کرتے ہیں جو کھڑے یا بیٹھے اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہے ہوتے ہیں۔

مسئلہ :- جس نے اس رات عشاء اور فجر کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کی تو اس نے اس رات کا ثواب پالیا جس نے عمل میں اضافہ کیا اللہ تعالیٰ اس کے اجر میں اضافہ کر دے گا۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جس نے عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کی گویا اس نے نصف رات قیام کیا اور جس نے صبح کی نماز بھی جماعت کے ساتھ ادا کی تو گویا اس نے ساری رات نماز پڑھی۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا (1)۔ تو گویا دونوں میں سے ہر ایک نماز جب جماعت کے ساتھ ادا کی تو وہ نصف رات کے قیام کی مثل ہوگئی کیونکہ یہ دونوں رات کے فرض ہیں۔ جہاں تک مغرب کی نماز کا تعلق ہے وہ دن کے وتر ہیں۔ مناسب یہ ہے کہ انسان لیلۃ القدر میں زیادہ نماز پڑھے، اسے اللہ تو بہت زیادہ معاف کرنے والا ہے، معافی کو پسند کرتا ہے مجھے بھی معاف فرمادے کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث ہے مجھے بتائیے اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ یہ لیلۃ القدر ہے تو میں اس میں کیا کہوں تو فرمایا تو کہ اِنَّكَ غَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّي (2)۔ اسے امام احمد، ابن ماجہ اور ترمذی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

سورة البينة

آیتھا ۱ ﴿سورة البينة مكية ۹﴾ ﴿مکویھا﴾

سورة القدر کی ہے، اس میں ایک رکوع اور آٹھ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

”اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان، بخشنے والا ہے۔“

لَعْرَبِيْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَأْتِيَهُمُ
الْبَيِّنَةُ ۙ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ يَتْلُوْا صَحُفًا مُّطَهَّرَةً ۙ فِيْهَا كُتِبَ قِيَمَةٌ ۙ وَمَا
تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اَوْلَوْا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَةُ ۙ

”ان لوگوں نے اس کتاب میں سے کفر کیا (جو) مشرکین (کفر سے) الگ ہوئے، اللہ کے جب کتاب آئے تو

ان کے پاس ایک روشن دلیل (یعنی) ایک رسول اللہ کی طرف سے جو انہیں پروردگار کے پاک صحیفے سے جان میں بھی

ہوں تھی اور درست باتیں سنیں اور انہیں بے فرقوں میں اس کتاب کے آگے بعد کے آگے پاس روشن کتابیں

نے منسوخ کر دیں۔ پہلے جنہوں نے کفر کیا۔ اس بیان سے کلام مومنین کی ولایت کر رہا ہے۔ ان کا ظہور ۱۰۰ھ

معدی کی اسفند میں تحریف کرتے اور حضرت حمزہ اور حضرت سید علیہما السلام بوالقحطان کا میرا ہے۔

منسوخ کیں سے مراد بت پرست ہیں۔ اس کا عطف اہل کتاب پر ہے، یعنی اہل کتاب اور مشرکوں میں سے کافر اور

چھوڑنے والے نہیں جس پر وہ پہلے سے قائم تھے۔ منفکیں کا سمر مند فرمایا ہے، یعنی انہیں کا سراسر یہ ذرات اتنا ہے حتیٰ

قائمیہ میں سینہ مضارح کا ذکر کیا گیا جبکہ مراد باطنی ہے، یعنی ان کے پاس ایسی دلیل آج بھی ہے جو حق کو باطل سے ممتاز کر دے۔ ان کے

سے رسول سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہے جو البیئہ سے بریں ہے۔ یتلوا صحفًا یہ جس رسول کی کتاب سے منسوخ کر دی گئی

تھی مگر جب آپ کا تلاوت کردہ کلام الہی صحیفوں میں لکھا جاتا ہے تو بویا آپ صحیفوں کی تلاوت کرتے ہیں۔ یہ صحیفے باطل اور شیطان

کے تصرفات سے پاک ہیں یا بے وضو، جنسی (جس پر غسل فرض ہوتا ہے) اور حائض کے لئے نہیں چھونا منع ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ

فرمان ہے اَلَا يَتَّبِعُ اَبَاصُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَاَنْ يَّحْفَظَهُ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اَلَا يَتَّبِعُ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ان سے بظاہر

پہچنے سے انہیں ہو سکتا اور اسے پاک ٹوکے ہی چھوئیں۔

اسے ان صحیفوں میں ایسی چیزیں لکھی ہوئی ہیں جو ہر جہی سے منسوخ ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کا رسول ان کے پاس آتا ہے تو یہ ان کے پاس

کے حق کو ظاہر فرمایا ان کی جہالت کو ان سے زائل فرمایا اور انہیں ایمان کی طرف دعوت دی۔ پس جسے اللہ تعالیٰ نے ایمان سے

مرفق دیا اور اس کے لئے سعادت کو مقدر کیا وہ کفر سے دور ہو گیا۔

ہے جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی انہوں نے حضور ﷺ پر ایمان لائے اور آپ کے ساتھ کفر کرنے کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں کیا مگر جب ان کے پاس ہاشم بن علی آچکی تھی۔ بعد ماجاء ثنیبہ الیہ میں ما مصدر یہ ہے۔ یہ مشتق منفرث سے ظرف ہونے کی حیثیت میں محل نصب میں ہے اور تفرق کے ساتھ متعلق ہے یعنی ان لوگوں نے حضور ﷺ کی تشریف آوری کے بعد آپ کے بارے میں اختلاف کیا جبکہ اس سے پہلے حضور ﷺ کی تصدیق پر سب متفق تھے آپ کی آمد کے منظر تھے۔ قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے یَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا أَفَلَمْ تَجَاءَهُمُ فَاذَعَبُوا أَمْ كَانُوا فِي سُلُوكٍ مِّنَ الْغَافِلِينَ۔ ان کا یہ انکار حسد اور عناد کی وجہ سے تھا۔ ما تفرق کا عطف لہ یکن ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اگرچہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں الحاد کرتے اور اس کی طرف بچے کی نسبت کرتے۔ تاہم وہ حضور ﷺ کے بارے میں متفق تھے کیونکہ ان کی کتابوں میں معاملہ بالکل واضح تھا۔ حضور ﷺ کی تصدیق پر اتفاق کیونکہ اہل کتاب کے ساتھ خاص تھا۔ شرک۔ اس میں شامل نہ تھے۔ اس وجہ سے آیت میں ان کا خصوصی ذکر آیا تاکہ اہل کتاب میں سے جو ابھی تک کفر پر باقی ہیں تاکہ ان کی پریشانی کی زیادتی کا اظہار ہو۔ پہلی آیت ان اہل کتاب اور مشرکوں کے بارے میں تھی جو ایمان لے آئے تھے اور دوسری آیت ان اہل کتاب کے بارے میں ہے جو کفر پر باقی رہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا بعض علماء لغت نے منفکین کا معنی بلاک ہونے والے لیا ہے جس طرح عرب کہتے ہیں انفک صدر المرأة عند الولادة یعنی ولادت کے وقت عورت کا سینہ کھل گیا پھر جڑ نہ سکا اور وہ بلاک ہوئی۔ اس آیت کا معنی یہ ہوگا یعنی نہ وہ بلاک ہوں گے اور نہ ہی انہیں عذاب دیا جائے گا۔ مگر اس صورت میں جب ان پر رسول مبعوث کرنے اور کتابیں نازل کرنے کے بعد ان پر حجت تمام کر دی گئی۔

وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ
وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَلِكَ دِينُ الْقِيَمَةِ ﴿٥١﴾

”حالانکہ نہیں حکم دیا گیا تھا انہیں مگر یہ کہ عبادت کریں اللہ تعالیٰ کی دین کو اس کے لئے خالص کرتے ہوئے بالکل یکسو ہو

کر اور قائم کرتے رہیں نماز اور ادا کرتے رہیں زکوٰۃ اور یہی نہایت سچا دین ہے۔“

۱۔ ہم ضمیر سے مراد تمام کافر ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا لیعبدوا میں لام زائدہ ہے اور فعل ان مقدرہ کی وجہ سے منصوب ہے۔ ان کو حذف کیا گیا اور لام زائدہ کر دیا گیا۔ جملہ محل نصب میں ہے کیونکہ امر و اکا مفعول بہ ہے۔ معنی یہ ہوگا انہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم دیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا اس کا مفعول بہ محذوف ہے اور لام لام کی (تعلیل) ہے۔ جملہ مشغول لہ ہونے کی وجہ سے محل نصب میں ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ انہیں عبادت کے سوا کسی چیز کا بھی حکم نہیں دیا گیا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ انہیں حضور ﷺ کی زبان پر اچھی چیز کا حکم دیا گیا جس کے حسن پر دلائل عقلیہ دلالت کرتے ہیں۔ سابقہ کتابوں میں بھی انہیں انہیں چیزوں کا حکم دیا گیا تھا تو ان انکار کرنے والوں پر تعجب ہے کہ وہ کیسے انکار کرتے ہیں اور آپ کے بارے میں تفرقہ کرتے ہیں۔

مخلصین یہ یعبدوا کے فاعل سے حال ہے۔ لہٰذا کی ضمیر سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ دین کا معنی اعتقاد ہے۔ حنفاء یہ حال مرادف ہے یا حال متداخل ہے، یعنی اس حال میں کہ وہ تمام باطل دینوں سے منہ موڑنے والے ہوں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ان لوگوں کو تورات اور انجیل میں یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ اپنی عبادت کو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے مختص کریں اور

ماں بہنہ یدہ اور محبوب ہو اور چہ وہ اس کی خواہش کے خلاف ہو اس کا کٹھ عشق اور محبت الہی ہے یہ کٹھ عشق ہے۔ یہ ہے
 آپ محبوب کا فعل اور مراد اپنی مراد سے زیادہ پسندیدہ ہوتی ہے۔ اس کے بارے میں شمس نے کہا ہے کہ قویہ اس کے نام سے
 ہیں۔ اس کے بعد اس کے ایک قسم یہ ہے کہ اس مراد کو پالینا جو اس کی انتہائی خواہش تھی۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہیں: **وَلَا تَقْرَبُوا**
بَعْضَ الْبَنَاتِ فَتَكْرَهُنَّ۔ حضور ﷺ نے اس آیت کے نزول کے موقع پر ارشاد فرمایا تھا میں اس وقت تک نہیں کہ جس کو اسے
 میری امت کا ایک فرد بھی جنم میں ہوگا (1)۔ یہ حدیث سورہ نوری میں مذکور ہے۔ مذکورہ جزاء اور خدا کے لئے ہے۔
 اس کے یہ کٹھ اللہ تعالیٰ کا خوف تمام امور کا خلاصہ ہے۔ چنانچہ یہ بڑا ہی محنت کرنے والا اور ہر برائی اور نافرمانی سے بچنے والا ہے۔
 ذلک نفس حسنی ریتہ یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان جزاء ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم بن عبد اللہ سے مراد ہے
 حضور ﷺ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں تمہیں اس قسم سے
 روایت میں ہے کہ میں تمہیں یہ صورت لہ یکن اللدین سنہن تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے عرض کیے یہ ہے کہ
 آپ کے سامنے میرا نام لیا ہے۔ فرمایا ہاں انہوں نے عرض کی میرا ذکر ہے اللہ تعالیٰ نے بارگاہ اقدس میں ہمارے لئے حضور ﷺ کے
 ماں تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی آنکھیں کھل گئیں، متشقیعہ (2)۔ میں کہتا ہوں حدیث میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ
 عنہ جو حالت ذکر کی ہے وہ عشاق کی حالت ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے

www.muhammadafseislam.com
 نَفْسِ اسْلَامِ
 WWW.NAFSEISLAM.COM

سورة الزلزال

﴿ اب تھا ۱ ﴾ ﴿ سورة الزلزال مائید ۹۹ ﴾ ﴿ رکوعها ۱ ﴾

سورة الزلزال مدنی ہے، اس میں ایک رُوح اور آخرا تیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۚ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۚ وَقَالَ
الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ۚ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ۚ

”جب تھر تھرانے لگے گی زمین پوری شدت سے۔ اور باہر پھینک دے گی زمین اپنے بوجھوں (یعنی دینوں) کو اور

انسان (جہ ان ہو کر) کہے گا اسے کیا ہو گیا؟“ اس روضہ و بیان کر دے گی اپنے سارے حالات۔“

یہ زمین کی عظمت کے مطابق جتنی حرکت اور اضطراب اس کے لئے مناسب ہوگا اتنا اسے جھجھوزا جائے گا یا جتنا حکمت تقاضا کرے گی اتنا ہی اسے جھجھوزا جائے گا یا جتنا زلزلہ اس کے لئے ممکن ہے اتنا اس میں زلزلہ واقع ہوگا یا جتنا زلزلہ زمین کے لئے مقدر کیا گیا اتنا اس میں زلزلہ برپا ہوگا۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ زمین کی نیچی والی جانب سے اس میں حرکت برپا ہوگی (۱)۔ اس زلزلہ میں اختلاف ہے کیا یہ زلزلہ دوسرے نوحی کے بعد ہوگا جبکہ لوگ اپنی قبروں سے باہر آچکے ہوں گے یا جب دنیا میں قیامت کی علامات ظاہر ہو رہی ہوں گی تو پہلے نوحی سے پہلے یہ زلزلہ برپا ہوگا۔ طلحی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے علماء نے پہلے قول کو پسند کیا جبکہ ابن عربی اور دوسرے علماء نے دوسرے قول کو پسند کیا وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استدلال کرتے ہیں یَوْمَ تَرُؤْنَهَا تِلْكَ هُلْ كُلٌّ مُذْضَعَبَةٌ مَّا اَرْضُضَعَتْ وَتَقَعُ كُلُّ اُنْثَىٰ حَمْلًا وَتَكْسِرُ الْاُنْثَىٰ سُرْجًا۔ پہلے قول کے قائلین نے یہ جواب دیا کہ یہ کلام تمثیل اور مجاز کے طور پر ہے۔ مقصود اس کی ہولناکی بیان کرنا ہے۔ یہ اپنے حقیقی معنی میں نہیں وہ اس روایت سے استدلال کرتے ہیں جسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے عمران سے نقل کیا اور اسے صحیح قرار دیا کہ ہم حضور ﷺ کے ساتھ تھے تو یہ آیت نازل ہوئی: يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَرٌّ لِّكُمْ وَبَعِيدٌ۔ حضور ﷺ نے پوچھا کیا تم جانتے ہو کہ وہ کونسا دن ہے یہ وہ دن ہے جس دن اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام سے فرمائے گا انھو (۲)۔ اس کی کئی سندیں ہیں۔ صحیحین میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام سے کہے گا اٹھو اور اپنی اولاد میں سے جہنم کا حصہ بھیجو تو حضرت آدم علیہ السلام عرض کریں گے اے میرے رب جہنم کا کتنا حصہ ہے؟ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا ایک ہزار میں سے نو سو ننانوے۔ تو ہزار میں سے باقی ایک بچے گا۔ یہ کلام سن کر چھوٹی عمر کا آدمی بوڑھا ہو جائے گا۔ حاملہ جاندار اپنا حمل گرا دے گی۔ تم لوگوں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی آپ نے پوچھا کیا تم جانتے ہو وہ کیا خبریں دے گی؟ لوگوں نے عرض کی اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا اس کی خبر دینے کا مطلب یہ ہے کہ اس پر جو کچھ عمل کیا گیا زمین ہر مرد اور عورت کے بارے میں گواہی دے گی۔ وہ کہے گی فلاں فلاں نے یہ عمل کیا۔ یہی اس کی خبریں ہیں۔ اسے امام احمد اور امام ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا (1)۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے صحیح قرار دیا۔ نیز امام نسائی، ابن حبان اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے نقل کیا۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ربیعہ حوثی سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا زمین سے محتاط رہو، یہ تمہاری ماں ہے۔ اس پر جس نے بھی اچھا یا برا عمل کیا وہ اس کے بارے میں خبر دے گی (2)۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے یہی روایت کیا ہے۔

بَانَ رَبِّكَ أَوْحَىٰ لَهَا ۖ يَوْمَئِذٍ يُصَدِّرُ النَّاسَ أَشْتَاتًا لِّيُرَوْا أَعْمَالَهُمْ ۖ
فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۖ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۖ

”کیونکہ آپ کے رب نے اسے (یونہی) حکم بھیجا ہے کہ اس روز پلٹ کر آئیں گے لوگ سروہ در سروہ تاکہ انہیں دکھا دیئے جائیں ان کے اعمال کی پسلیں جس نے ذرہ برابر بھی نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا۔ اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی وہ (بھی) اسے دیکھ لے گا۔“

۱۔ لہا میں لام جار الہی کے معنی میں ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی اوحی ربک الیہا ان تخبر کہ تیرے رب نے زمین کی طرف وحی (اشارہ) کی کہ وہ سب کچھ بتا دے یا اس کو اجازت دی ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ بان ربک، اخبار ہا سے بدل ہو۔ پھر معنی یہ ہوگا کہ میں نے یہ خبر دی۔ اس صورت میں یہ انسان کے قول ما لہا کا جواب ہوگا، یعنی وہ زمین کہے گی تیرے رب نے میری طرف وحی کی اور حکم دیا کہ اپنے اندر زلزلہ برپا کروں اور اپنے تمام خزانے نکال دوں۔

۲۔ یومئذ ما بعد فعل کی ظرف ہے۔ پیشی کے بعد لوگ حساب کی جگہ سے الگ الگ لوٹیں گے۔ دائیں سمت والے جنت میں جائیں گے اور بائیں سمت والے جہنم میں جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے یَوْمَئِذٍ يُنْفَخُ الْقُورُ۔

لیروا یصدر کے متعلق ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس کا معنی ہے کہ وہ اپنے اعمال کی جزا دیکھیں گے یعنی وہ حساب کی جگہ سے پلٹیں گے تاکہ جنت یا جہنم میں اپنے ٹھکانے پر پہنچیں (3) اور یومئذ یصدر والا جملہ حملہ مستانہ ہے۔

۳۔ یہاں سے لے کر آخر تک لیروا کی تفصیل ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی وَ يُظْعَمُونَ الضَّعَامَ عَلٰی حَبِمْ تو مسلمانوں کا یہ خیال ہوا کہ اگر انہوں نے کوئی تھوڑی چیز دی تو انہیں کوئی اجر نہیں دیا جائے گا۔ دوسروں کی رائے یہ تھی کہ چھوٹے گناہ پر کوئی گناہ نہ ہوگا جیسے معمولی جھوٹ، نامحرم کو دیکھنا اور اسی طرح کی دوسری چیزیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے اعمال کا ذکر کیا ہے (4) تو یہ آیت نازل ہوئی۔ وہ عمل چھوٹی چیزوں کے وزن کا ہو یا اس سے بھی کم وزن کا ہو خیرا یہ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ سے تمیز ہے۔ بشام رحمۃ اللہ علیہ نے یہ وہ میں دونوں جگہ ۵ کو ساکن پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اشباع کی صورت میں پڑھا ہے، یعنی وہ اس چھوٹے عمل کی جزا دیکھے گا۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اللہ تعالیٰ اسے چھوٹی نیکی کی رغبت دلاتا ہے۔ ممکن

2۔ الدر المنثور زیر آیت ہذا

1۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 171 (وزارت تعلیم)

4۔ الدر المنثور زیر آیت ہذا

3۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

ہی کیوں نہ ہو جبکہ نصوص اور اجماع اس چیز پر دلالت کرتا ہے کہ وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں یہ آیت کفار کو شامل نہیں کیونکہ نیک اعمال کو قبول ہونے کے لئے اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اخلاص عمل ضروری ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے: اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ (1)۔ اگر شرط ان سے فوت ہوگئی تو مشروط بھی نہ با کفار کے نیک اعمال ایسے ہی ہیں جس طرح ہضو کے بغیر نماز پڑھی جائے کیونکہ یہ حقیقت میں نماز نہیں بلکہ یہ تو استہزاء اور نافرمانی ہے۔ اسی وجہ سے علماء نے فرمایا جس نے حالت کفر میں نماز، روزے اور اعتکاف کی نذرمانی پھر اس نے اسلام قبول کیا تو اس پر نذر کا پورا کرنا واجب نہ ہوگا کیونکہ کافر کی طرف سے نماز، روزہ اور اعتکاف خالص اللہ تعالیٰ کے لئے نہیں بلکہ یہ تو کفر اور معصیت ہے، یہ طاعت نہیں اور معصیت کی کوئی نذر نہیں ہوتی ان کے اعمال سراب کی مانند ہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اَنْعَمْنَا لَكَ كَسْرًا لِّبِطْنَةٍ بِتَقِيْعَةِ الْمَخِ۔

یہ اگر گناہ پر بخشش نہ ہوتی تو اس کی جزاء ضرور دیکھے گا۔ اس شرط کی دلیل آیات اور احادیث ہیں جو اس پر دلالت کرتی ہیں کہ توبہ کے بغیر بھی اللہ تعالیٰ گناہ بخش دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَّشَاءُ۔ اس کا فرمان ہے مَن يَّشَاءُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖۤ اِلَّا الصَّالٰتُونَ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان لَا تَقْتُلُوْا مَن رَّحِمَةً اللّٰهِ۔ اسی طرح کی دوسری آیات بھی ہیں۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس ذات پاک کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز ایسی عام مغفرت فرمائے گا کہ اطمینان بھی اس طرف متوجہ ہوگا۔ وہ اس کی طرف آئے گا تاکہ مغفرت پالے (لیکن نہ پاسکے گا)۔ اسے یہی رحمت اللہ علیہ ہے روایت کیا ہے۔ اس باب میں بے شمار احادیث ہیں جو تواتر کی حد تک پہنچی ہوئی ہیں۔ یہ آیت مرجحہ کے خلاف اہل سنت کی دلیل ہے۔ مرجحہ کا یہ قول ہے کہ اللہ تعالیٰ مومن کو عذاب نہیں دے گا اگرچہ مومن فاسق ہی کیوں نہ ہو۔ مومن کو کوئی گناہ نقصان نہیں پہنچاتا جس طرح کافر کو کوئی نیکی فائدہ نہیں دیتی۔ وہ مومن جنہوں نے چھوئے یا بڑے گناہ کئے ہیں ان کے عذاب کے بارے میں بھی بے شمار آیات اور احادیث ہیں جو حد و شمار سے باہر ہیں۔ اگر ان کا ذکر کیا جائے تو بحث بہت طویل ہو جائے گی۔ تو اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حق وہی ہے جو اہل سنت نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو عدل کرتے ہوئے چھوئے گناہ پر عذاب دے اور اگر چاہے تو فضل کرتے ہوئے بڑے گناہ کو بخش دے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا قیامت کے دن گناہ گار کی نظر میں چھوٹا گناہ بھی پہاڑ سے بڑا نظر آئے گا (2)۔ حضرت سعید بن جبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضور ﷺ غزوہ حنین سے فارغ ہوئے، ہم ایک بے آباد جگہ اترے جہاں کوئی چیز بھی نہ تھی تو حضور ﷺ نے فرمایا تمہارے پاس جو کچھ ہو اسے جمع کر کے لے آؤ تو چند گھڑیاں بھی نہ گزری تھیں لوگ جمع کر کے لے آئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کیا تم یہ دیکھتے ہو تمہارے گناہ بھی اسی طرح تم پر جمع کئے جاتے ہیں جس طرح تم نے ان چیزوں کو جمع کیا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو کوئی بھی چھوٹا بڑا گناہ نہ کرے کیونکہ اس کا شمار ہو رہا ہے۔ اسے طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (3)۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا چھوئے گناہوں سے بچو کیونکہ ان کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مطالبہ کرنے والا ہوگا (4)

1- صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 2 (وزارت تعلیم)

2- تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

3- تہذیب کبیر، جلد 6، صفحہ 52 (العلوم والکلم)

4- سنن ابن ماجہ، جلد 4، صفحہ 232 (العلیہ)

۔ سے سنان اور ابن ماجہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے اور ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ تم ایسے اعمال کرتے ہو جو تمہاری نظروں میں ہاں سے بھی زیادہ باریک ہیں۔ ہم حضور ﷺ کے زمانے میں نہیں مرنے والے اعمال خیال کرتے تھے اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (1)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں بھی اس روایت حضرت یوسف خدیری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا قرآن حکیم میں سب سے بڑا آیت یہ ہے پھر آپ نے اس مذکورہ آیت کی تلاوت کی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث میں مروی ہے جو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ہے کہ حضور ﷺ نے اس آیت کو پیکار اور جامع فرمایا۔ (2)

بیچ بن حاتم نے کہا ایک آدمی حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کے پاس سے نزا جو اس آیت کی تلاوت کر رہا تھا۔ جب آیت نزا تم تک پہنچا تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا میرے لئے یہ کافی ہے تو نے نصیحت کی انتہا نہ ہوئی (3)۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا، عرض کی مجھے چھوڑ جائیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اس میں سورتیں پڑھا کرو۔ اس کے عرض کی میں بوزہا ہو گیا ہوں، دل سخت ہو گیا ہے اور زبان بھی بھاری ہو گئی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ان تین سورتیں پڑھا کرو۔ اس آدمی نے پھر وہی باتیں کیں اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ مجھے ایک جامع سورت بتائیں تو حضور ﷺ نے سورۃ زلزلا کی تلاوت کی یہاں تک کہ آپ اس سے فارغ ہوئے، یعنی اسے مکمل پڑھا۔ آدمی نے عرض کی اس آیت رستم ہیں نے آپ کو جس کے ساتھ مبعوث کیا میں کبھی نہیں اس سے زیادہ نہیں پڑھوں گا۔ پھر وہ آدمی چل گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ آدمی کامیاب ہو گیا۔ آپ ﷺ نے دو وجہ تفسیر کا لفظ استعمال کیا (4)۔ اسے امام احمد اور ابو داؤد رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ حضرت انس اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ سورت نصف قرآن کے برابر ہے اور سورۃ اخلاص قرآن کے تیسرے حصہ کے برابر ہے اور سورۃ کافرون قرآن کے چوتھائی حصہ کے برابر ہے (5)۔ امام ترمذی اور بخاری رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا۔ امام ترمذی اور ابن ابی شیبہ رحمہما اللہ تعالیٰ کے ہاں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت مروی ہے کہ سورۃ زلزلا قرآن کے چوتھائی حصہ کے برابر ہے (6)۔ حذری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اس کے چوتھائی حصہ کے برابر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ سورت حساب پر مشتمل ہے۔ اس لحاظ سے یہ زندگی، موت، بعث اور حساب کی طرف نسبت کے اعتبار سے چوتھائی ہے۔ کیونکہ قرآن میں ان چار چیزوں کا ذکر ہے۔ اس کے نصف قرآن ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ سورت آخرت کے حوالوں پر مشتمل ہے اور آخرت کے حوالوں دنیائے حوالوں کے مقابلہ میں نصف ہیں جبکہ قرآن دونوں پر مشتمل ہے۔ اس لئے یہ آیت تمام سے نصف اور دوسرے اعتبار سے چوتھائی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک انتہائی ضعیف سند کے ساتھ یہ مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جس نے سورۃ زلزلا کو چار دفعہ پڑھا اس نے نوباً عمل قرآن حکیم پڑھا، واللہ تعالیٰ اعلم۔ (7)

1- صحیح بخاری، جلد ۲، صفحہ 961 (وزارت تعلیم)

2- صحیح مسلم، جلد ۱، صفحہ 3۰9 (قدیمی)

3- تفسیر بخاری، جلد ۱، صفحہ 6

4- سنن ابن ابی داؤد، جلد 5، صفحہ 304 (الرشید)

5- جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 113 (وزارت تعلیم)

6- تفسیر تفسیر، جلد 6، صفحہ 651 (العربیہ)

سورة العاديات

﴿ اياتها ۱۱ ﴾ ﴿ سورة العاديات مكية ۱۰۰ ﴾ ﴿ ركوعها ۱ ﴾

سورة العاديات مکی ہے، اس میں ایک رکوع اور گیارہ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

”اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے“

بزاز، وارقطنی، حاکم اور ابن ابی حاتم رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ نے گھڑ سوار دستہ روانہ کیا۔ وہ ایک ماہ تک باہر بھر رہا۔ اس کے بارے میں آپ ﷺ کو کوئی خبر نہ آئی تو یہ آیات نازل ہوئیں۔ (1)

وَالْعٰدِیَاتِ ضَبْحًا ۝۱ فَاَلَمْ یَرِیْتِ قَدْحًا ۝۲ فَاَلَمْ یَعِیْدِیْتَ صُبْحًا ۝۳ فَاَنْتَ رِنًا ۝۴ بِهٖ نَقَعَا ۝۵

فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۝۶ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُودٌ ۝۷ وَاِنَّهٗ عَلٰی ذٰلِكَ لَشَهِیْدٌ ۝۸

”قسم ہے تیز دوڑنے والے گھوڑوں کی جب وہ سینہ سے آواز نکالتے ہیں پھر پتھروں سے آگ نکالتے ہیں سم مار کر

پھر اچانک حملہ کرتے ہیں صبح کے وقت پھر اس سے گردوغبار اڑاتے ہیں پھر اسی وقت (دشمن کے) لشکر میں

گھس جاتے ہیں یہ بے شک انسان اپنے رب کا بڑا ناشکر گزار ہے اور وہ اس پر (خود) گواہ ہے۔“

ابو عمر و رحمۃ اللہ علیہ نے تاء اور ضاد میں بڑے ادغام کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہاں غازیوں کے گھوڑوں کی قسم اٹھائی جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں دوڑتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، عکرمہ، حضرت حسن بصری، کلبی، قتادہ، مقاتل، ابو العالیہ رحمہم اللہ تعالیٰ اور دوسرے مفسرین نے یہی کہا ہے (2)۔ اس تاویل اور جوہم نے سبب نزول ذکر کیا ہے۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ سورت مدنی ہے کیونکہ ہجرت سے پہلے تو جہاد وغیرہ نہیں تھا۔ یہ بھی جائز ہے کہ ان کے ساتھ قسم اس لئے اٹھائی گئی کہ یہ آئندہ زمانے میں ہوں گے اس صورت میں یہ مکی ہوگی۔

ضبح مصدر ہے جو فعل کے قائم مقام ہے اور مکمل جملہ عادیات کے فاعل سے حال ہے۔ ضبحا دوڑ کے وقت گھوڑوں کے سانسوں کی آواز ہوتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا گھوڑے، کتے اور لومڑی کے علاوہ حیوانات کی سانسوں کی آواز کو ضبح نہیں کہتے اور ان کی آواز کو ضبح اس وقت کہتے ہیں جب وہ تھک جائیں۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا عادیات سے مراد اونٹ ہیں جو حج کے موقع پر عرفات سے مزدلفہ اور مزدلفہ سے منیٰ کی طرف دوڑتے ہیں اور آپ نے فرمایا اسلام میں سب سے پہلا جہاد غزوہ بدر تھا اور ہمارے ساتھ صرف دو گھوڑے تھے۔ ایک حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تھا اور ایک حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تھا تو اس لئے وہ عادیات کس طرح ہو سکتے ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ

تو ان سنہ ثلثہ بنی عقب اور سدی رحیم اللہ تعالیٰ کا یہی نقطہ نظر ہے (1)۔ اس صورت میں صبح کا معنی یہ ہوگا کہ اذان چلتے وقت پر
انہیں منہرتے ہیں۔

یہ وہ صورت ہے جو آگ کی چنگاریاں نکالتے ہیں۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب وہ رات کے وقت پھر مٹی زمین پر پڑتے ہیں۔
یہ اس وقت پھر ان میں ریز کے ذریعے آگ نکالتے ہیں۔

یہ اب وہ تھا اور رحیم اللہ تعالیٰ نے تاء کو صداد میں ادغام کے ساتھ پڑھا ہے۔ معنی یہ ہے جو صبح کے وقت اذانوں پر اذان پڑھنے
کی۔ اعداد کا معنی تیز اور تازہ ہے۔ صبحا یہ معنی کی طرف ہے۔ اکثر مفسرین کی رائے یہی ہے کہ اس سے مراد کھولنے کی جہز
کی رات اللہ صبح نے کہا اس سے مراد وہ اذان ہے جو یوم النہی صبح کے وقت مولد سے مٹی کی طرف آتے ہیں۔ ان سات سے بلکہ
اب ہے۔ نیک اس وقت کی نماز فجر کے بعد عزت فقہ سے مٹی کی طرف جائیں (2)۔ حضور ﷺ نے ظہروں اور نمازوں میں جو
ظہور ہونے کے بعد جانے کی رخصت دی۔

اس ہمدانی سلف صد کے مضمون پر ہے۔ تقدیر کلام یہ ہونی لاتی عدون قادرین قادرین فاعلون فاعلون یعنی وہ غبار اذان سے ہیں اللہ
یعنی اس معنی میں ہے اور ضمیر اس زمانہ کی طرف لوت رہی ہے جو صد کے مضمون میں ضمیر پایا جا رہا ہے یعنی جب وہ اذان پڑھتے
ہوتے ہیں تو اس وقت غبار اذان سے ہیں یا ضمیر اس مکان کی طرف لوت رہی ہے جو بطور اقتضاء النص اس سے سمجھا جا رہا ہے یعنی وہ
انہں نے جہز میں غبار اذان سے ہیں۔ فقہاء انون کا مفعول یہ ہے اس کا معنی غبار ہے۔

یہ وہ نغمہ نغمہ وقت یا مکان کی طرف لوت رہی ہے جس وقت اور مکان کا پہلے ذکر ہو چکا ہے تو وہ جہز سے اس وقت اس جہز یا اس
یہ اذانوں میں صفوں میں داخل ہو جاتے ہیں۔ جہز سے مراد اذان کے پھر جہز۔ ان تمام قسموں کا جواب بالبعد کلام ہے۔

یہ وہاں انسان سے مراد جہز ہے۔ اکثر افراد کو پیش نظر رکھتے ہوئے جہز کا ذکر کیا ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قیوم جن
یعنی اللہ تعالیٰ کے لئے اس آیت میں وہ جار مجرور بالبعد کے متعلق ہے۔ آیت کے سر میں کی رعایت کرتے ہوئے صرف جو مقدم یا۔ مضمون
نہت میں کنود کا معنی نعمتوں کی ناشکری کرنے والا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما مجاہد اور قتادہ رحمہم اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا ہے کہ
۔ سات اپنے رب کی نعمتوں کی ناشکری کرتا ہے۔ کلمہ کی نعت میں اس کا معنی نافرمان ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے لئے اس کا معنی جہز
ہے۔ اب وہیہ رحمت اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی ہے جس میں خیر کم ہے۔ ارض کنود اسے کہتے ہیں جو بڑی چیز ہے۔ اذان۔ (3)

تو ان سے ان رحمت اللہ علیہ نے کہا انہ کی ضمیر انسان کے لئے ہے (4) یعنی انسان اپنے ناشکرا، نافرمان اور نہیں ہوئے۔
تو۔ جب وہ کھوڑا سا بھی غور و فکر کرتا ہے تو وہ اپنے خلاف ہوا ہے۔ یوں کہ اس کا اثر اس پر ظاہر ہوتا ہے۔ یا اس کا معنی ہے کہ وہ
تو اس میں اپنے خلاف گواہی دے گا اور اپنے گناہ کا اعتراف کرے گا۔ وہ کہے گا کہ: لَنْ يَنْفَعَكَ الْكِبَرُ لَوْ لَمْ تَنْفَعِ الْكِبَرُ الْكِبَرُ
اور مفسرین نے کہا انہ کی ضمیر رب کی طرف راجع ہے۔ اللہ تعالیٰ انسان کے ناشکرا ہونے پر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے اس کی طرف
تو اس سے وہ ضرور منہرتا ہے۔ اس صورت میں یہ طریق ہے۔

وَأِنَّ لِحُبِّ الْغَيْرِ لَشَدِيدًا ۝ أَفَلَا يَعْلَمُ إِذَا بُعِثَ رَافِي الْقُبُورِ ۝ وَحِص

مَا فِي الصَّدُورِ ۝ اِنَّ سَابِقَهُمْ بِمِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيرٌ ۝

”اور بلاشبہ وہ مال کی محبت میں بڑا سخت ہے۔ کیا وہ اس وقت کو نہیں جانتا جب نکال لیا جائے گا جو کچھ قبروں میں ہے

۱۔ اور ظاہر کر دیا جائے گا جو سینوں میں (پوشیدہ) ہے۔ یقیناً ان کا رب ان سے اس روز خوب باخبر ہوگا۔“

۱۔ ہ ضمیر سے مراد انسان ہے۔ خیر سے مراد مال ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں خیر سے مراد ہے۔ ان ترک خیرا یعنی انسان مال سے بہت زیادہ محبت کرتا ہے۔ وہ نعمت پر شکر بجالانے کے لئے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتا یا ہ ضمیر بخیل کے لئے ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ بخیل بہت ہی سخت دل ہے کیونکہ اسے مال سے بہت محبت ہے۔ اس صورت میں لُحِب الخیر پر لام تغلیل کے لئے ہوگا۔ پہلی صورت میں لام صلہ کے طور پر ہے۔

۲۔ ہمزہ استفہام تہجیب کے لئے ہے۔ اس میں فاء عاطفہ ہے اس کا عطف محذوف کلام پر ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی اَلَا يَنْظُرُ الْاِنْسَانُ فَلَا يَعْلَمُ۔ معنی اس کا یہ ہے گا اسے غور و فکر کرنا چاہئے تاکہ وہ آج ہی اس چیز کو جان لے جسے وہ کل جانے گا کہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال سے آگاہ ہے جو کچھ وہ کر رہے ہیں۔ قیامت کے روز انہیں ان اعمال کی جزاء دے گا اور جو کچھ ان کے سینوں میں چھپا ہوا ہے وہ ظاہر فرمادے گا۔

مَا فِي الْقُبُورِ سے مراد مردے ہیں من کی جگہ ما کا لفظ ذکر کیا تاکہ یہ مافی الصدور کا ہم وزن ہو جائے۔ یا اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ مردہ ہے اور اس حالت میں وہ عقل نہیں رکھتا اس لئے اسے جمادات کے ساتھ ملحق کر دیا گیا۔
۳۔ یعنی انسانوں کے سینوں میں خیر اور شر جو کچھ ہے اسے جمع کیا جائے گا یا تمیز دی جائے گی یا اسے ظاہر کیا جائے گا۔ یہاں اعضاء کے اعمال کا ذکر نہیں کیا مافی الصدور کو خاص کیا کیونکہ یہی اصل ہے۔ اذا بعثر شرط ہے، اس کی جزاء محذوف ہے کیونکہ یہ شرط ایسے جملے کے درمیان واقع ہے جو جواب پر دلالت کرتا ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی اِذَا بُعِثَ مَا فِي الْقُبُورِ يَعْلَمُ۔ درمیان میں جملہ مقررہ دھمکی دینے اور اس کی ہولناکی بیان کرنے کے لئے ہے۔

۴۔ یہ جملہ بعلم کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے۔ اِنَّ اس لئے پڑھا گیا کیونکہ اس کی خبر پر لام مفتوح ہے یا یہ قول کیا گیا کہ اس کے دونوں مفعول محذوف ہیں جن پر یہ جملہ دلالت کرتا ہے، یعنی ہم انہیں اس روز بدلہ دیں گے۔ یومئذ خبیر کے مضمون کے متعلق ہے۔ اس دن کو خصوصی طور پر اس لئے ذکر کیا کیونکہ جزاء اسی دن واقع ہوگی اور پتہ چلے گا کہ وہ خبیر ہے جملہ حقیقت حال یہ ہے کہ وہ تمام زمانوں کا علم رکھتا ہے یا یہ کہا جائے گا کہ خبیر کا لفظ مجازی (جزا دینے والا) سے مجاز ہے۔ معنی یہ بنے گا کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس روز جزا دے گا۔ ز جاج رحمۃ اللہ علیہ نے یہی کہا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

سورة القارعة

آیتها ۱۰ سورۃ القارعة مکیہ ۱۰

سورة القارعة مکی ہے، اس میں آیتوں اور پانچ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

”اللہ کے نام سے شروع کرتے ہیں جو بہت ہی مہربان، مہربان اور مہربان ہے۔“

الْقَارِعَةُ ۝۱ مَا الْقَارِعَةُ ۝۲ وَمَا اَدْرَاكَ مَا الْقَارِعَةُ ۝۳ یَوْمَ یَكُونُ

نَفْسٌ كَأَنفَرَاتٍ ۝۴ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِیْنِ السَّقُوبِ ۝۵

اس بلائیے والی (تڑک لے گی) اور آپ کو یہاں سے ہٹا دے گی۔ یہ تڑک لے گی اور اس کی طرف

پھرتے ہوئے پر والوں کی طرح ہوں گے اور پہاڑ رٹ رٹ کر ہٹ جائیں گے اور ان کی مانند ہوں گے۔“

اس کا بیان سورہ حاق میں مذکور ہے۔ اس کے آخر میں ”یا عباد اللہ! تمہاری قومیں اور تمہاری اولادیں“

کی طرف یہ منظر لکھنے کی وجہ سے منسوب ہے جس پر قارعہ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ تقدیر کا نام یہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں لکھی ہوئی ہے اور اس پر وہ بکریاں لکھی ہیں۔ یہ تڑک لے گی اور اس کی طرف منفرات ہے اور اس کے یوم کے یوم یہ مبتدا محذوف ہے۔ تقدیر کا نام یہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے۔

یہ اس لئے حذف ہوئی ہے۔ عین اس اور وقت میں جو مختلف رنگوں والی ہوں۔ اس کی نسبت یہ ہے۔ پہاڑ جس کی طرف منفرات ہوتے ہیں۔ یعنی پہاڑ رٹ رٹ کر ہٹ جائیں گے اور ان کی طرف منفرات ہوں گے اور ان کے یوم کے یوم۔“

فَمَا مَن ثَقُفَتْ مَوَازِیْنُهُ ۝۶ فَهُوَ فِي عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ ۝۷ وَ اَمَّا مَن خَفَّتْ

مَوَازِیْنُهُ ۝۸ فَامَّهُ هَاوِیَةٌ ۝۹ وَمَا اَدْرَاكَ مَا هِیَ ۝۱۰ نَارٌ حَامِیَةٌ ۝۱۱

”جہاں کے (تکیوں کے) پلڑے بھاری ہوں گے تو وہ دل پسند عیش (مہلت) میں ہو گا۔ اور جس کے

(تکیوں کے) پلڑے ہلکے ہوں گے تو اس کا ٹھکانہ ہاوی ہو گا۔ اور آپ کو یہاں سے ہٹا دے گی۔ یہ تڑک لے گی اور اس کی طرف منفرات ہے۔“

یہ اس لئے ہے۔ عین اس اور وقت میں جو مختلف رنگوں والی ہوں۔ اس کی نسبت یہ ہے۔ پہاڑ جس کی طرف منفرات ہوتے ہیں۔ یعنی پہاڑ رٹ رٹ کر ہٹ جائیں گے اور ان کی طرف منفرات ہوں گے اور ان کے یوم کے یوم۔“

میزان کی جمع ہے۔ اس صورت میں اس سے مراد نیکیوں والا پلڑہ ہے۔ یہ درست ہے کہ وہ میزان اسی طرح ہوگا جس طرح دنیا میں ترازو ہوتا ہے۔ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے زہد میں ماجری اور ابوالاشیخ رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کی تشبیہ میں بیان لکھا ہے۔ ابن مردودہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے یہی نقل کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے اس ترازو کے دونوں پلڑے زمین و آسمان جتنے بنائے ہیں۔ (1)

موازن کا لفظ جمع ذکر کیا کیونکہ من ثقلت معنی کے انتہار سے جمع ہے اور مفرد کی ضمیر اس کے لفظ کا اعتبار کرتے ہوئے ذکر کی۔ جب جمع کا جمع سے مقابلہ ہو تو یہ آحاد کو آحاد پر منقسم ہونے کا تقاضا کرتی ہے۔ لیکن یہ تاویل دلالت کرتی ہے کہ ہر ایک آدمی کے لئے ترازو عینہ عینہ ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ ترازو تو ایک ہی ہو لیکن جب وہ افراد بے شمار ہیں جن کے نامہ اعمال تولے جانے ہیں تو موازن کا لفظ جمع ذکر کیا۔

۲۔ ہو ضمیر من کے لفظ کا اعتبار کرتے ہوئے مفرد ذکر کی رضا کی نسبت عیشۃ کی طرف مجازاً کی گئی ہے یا یہ اس آدمی کی صفت ہے جو یہ زندگی گزار رہا ہے۔ جس طرح ناصیۃ کا ذبہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا یہاں اسم فاعل اسم مفعول کے معنی میں ہے، یعنی عیشۃ مرضیۃ یعنی مجاز عقلمی کا قاعدہ ہے۔ اس کے بالکل برعکس وعدا ہاتیا ہے یا یہ ذات رضی کے معنی میں ہے۔

۳۔ یہاں بھی موازن سے مراد اس کے اعمال صالحہ ہیں یا اعمال صالحہ کا پلڑا ہے۔ یہاں من کا فر کو بھی شامل ہے جس کا ایمان نہ ہونے کی وجہ سے کوئی نیکی بھی نہ ہوگی کیونکہ اعمال صالحہ کے لئے ایمان شرط ہے۔ وہ مومن جو فاسق ہو اور اس کی برائیاں اچھائیوں پر غالب ہوں تو اس کا معاملہ ان مومنوں کے الٹ ہوگا جن کا ذکر من ثقلت موازنہ سے کیا گیا تھا کیونکہ یہ وہ لوگ ہوں گے جو یا تو معصوم ہوں گے یا ان کے گناہ بخش دیئے گئے ہوں گے یا ان کی نیکیاں برائیوں پر غالب آجاتی ہوں گی۔

قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہمارے علماء نے کہا لوگوں کے آخر میں تین طبقات ہوں گے۔ ایک متقین کی جماعت ہوگی جس کے گناہ کبیرہ نہ ہوں گے، ان کی نیکیاں منور پلڑے سے ہیں ہوں گی۔ وہ پلڑا اوپر نہیں اٹھے گا اور تاریک پلڑا خالی پلڑے کی طرح اوپر اٹھ جائے گا۔ دوسری جماعت کفار کی ہوگی ان کا کفر اور اعمال کا بوجھ تاریک پلڑے میں رکھا جائے گا۔ اگر ان کا کوئی اچھا عمل ہو جس طرح صلہ رحمی وغیرہ تو اسے دوسرے پلڑے میں رکھا جائے گا مگر یہ پلڑا گناہوں والے پلڑے کے برابر نہ ہوگا۔ اسے لئے نیکیوں والا پلڑا خالی پلڑے کی طرح اٹھ جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے روز ایک بھاری بھاری آدمی لایا جائے گا لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا وزن پچھم کے پر جتنا بھی نہ ہوگا۔ پھر حضور ﷺ نے یہ آیت پڑھی فَلَا نُقِیُّہُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَذُنَا مُتَّفِقٌ عَلَیْہِ (2)۔ یہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ ایک جماعت فاسق مومنوں کی ہوگی ان کی نیکیاں روشن پلڑے میں رکھی جائیں گی اور برائیاں تاریک پلڑے میں رکھی جائیں گی۔ اگر اس کی نیکیوں والا پلڑا بھاری ہوگا تو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا، اگر برائیوں والا پلڑا بھاری ہو تو جس طرح اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوئی ایسا ہی ہوگا، یعنی اگر وہ چاہے گا تو اسے جنت میں داخل کر دے گا۔ اگر چاہے گا تو اسے بخش کر جنت میں داخل کر دے گا۔ اگر دونوں پلڑے برابر ہوئے تو اسے اعراف میں رکھا جائے گا۔ یہ اس صورت میں ہوگا جب اس نے ایسے گناہ کبیرہ کئے ہوں گے جو اس کے اور اس کے رب کے درمیان ہوں۔ اگر وہ گناہ کبیرہ بندوں کے حقوق سے تعلق رکھتے ہوں

تو اس حساب سے اس کی نیکیاں حق دار کو دے دی جائیں گی۔ اگر وہ پوری نہ ہوں تو حق دار کے گناہ اس پر ڈال دینے جائیں گے۔ سب کے بدلے میں عذاب دیا جائے گا۔ احمد بن حرث رحمۃ اللہ علیہ نے کہا قیامت کے روز لوگوں کو تین جماعتوں میں اٹھایا جائے گا۔ ایک جماعت ایسی ہوگی جن کے پاس اعمال صالحہ کثرت سے ہوں گے، دوسری جماعت ایسی ہوگی جو اعمال صالحہ میں فقیر ہوگی۔ اور تیسری جماعت وہ ہوگی جو اعمال صالحہ میں غنی تو ہوں گے پھر لوگوں کے حقوق کی وجہ سے فقیر ہو جائیں گے۔ حضرت عیاض بن یزید رضی اللہ عنہ نے کہا اگر تو اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے کہ تیرے اور تیرے رب کے درمیان ستائینہ چیں تو یہ آسان ہے بہت اس کے کہ تیرے اور دوسرے انسان کے درمیان ایسا ستناہ ہو، یعنی حقوق اللہ میں سے مترادانہ کئے ہوں تو ان پر اتنی سخت عتاب نہ ہو جس پر سخت حقوق العباد میں سے ایک حق پامال کرنے پر سخت ہوگی۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ قیامت کے روز لوگوں کا سبب یہاں تک کہ جن میں یہ تین بھی نہ ہوں وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں گی انہیں اعراف میں رکھا جائے گا، وہ یہ شرط پر قدم رکھیں گے یہاں تک کہ اس کی بعض برائیوں کا بدلہ پورا ہو جائیگا اور اس کی نیکیاں بڑھ جائیں گی تو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ایسا مقفی جس کا کوئی ستناہ نہ ہوگا اس کے اعمال اس کی فضیلت کو ظاہر کرنے کے لئے تو بے بائیں گے اور کافر کے اعمال اسے ذلیل کرنے کے لئے توئے جائیں گے۔ قرآن حکیم میں عموماً کفار کی جزا کے مقابلہ میں سچے لوگوں کی جزا مذکور ہے۔ جن مومنوں کے اعمال صالحہ اور اعمال سیئہ ملط ہیں قرآن ان کے بارے میں عموماً خاموش ہے۔ جس معبود یہ ہو۔ یہاں من ہوا زینہ میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو کافر ہیں۔ ما بعد حکم انہیں کے بارے میں ہے۔

اس کا سنن ہاویہ ہوگا۔ مسکن کو ام کا نام دیا ہے کیونکہ اولاد کو سونے والی آغوش میں ہوتا ہے۔ ہاویہ جہنم کے ناموں میں سے ایک ہے۔ اس کی گہرائی کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ عربی زبان کا لفظ ہے۔ جب کوئی آدمی سخت مصیبت میں آئے تو عرب کہتے ہوت امہ اس کی ماں گر پڑی۔ ایک قول یہ کیا گیا یہاں ام سے مراد ہے، یعنی انہیں اس سے بل جہنم میں لے لیا جائے گا (۱)۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا قتادہ اور ابو صالح رحمہما اللہ تعالیٰ بھی اسی طرف گئے ہیں۔ میں کہتا ہوں حضرت اس میں اللہ عنہ کی روایت میں متقین کے مقابل جن کا ذکر ہے اس سے مراد کافر ہیں۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ من آدم یور او یرا اللہ یاجہ۔ کافر اور کافر کے دونوں پلڑوں کے درمیان ایک فرشتہ کھڑا ہوگا اور اس کے اعمال حسنہ کا پلڑا بھاری ہوگا تو فرشتہ بلند آواز سے ندا دے گا کہ یہ تو تمہارے حقوق سے لے لی فلاں ایسی سعادت سے فیض یاب ہو کہ وہ بعد میں کبھی بھی بد بخت نہیں ہوگا، اگر اس سے اچھے اعمال کا پلڑا ملے ہوگا تو فرشتہ بلند آواز سے ندا کرے گا جسے تمام مخلوقات سنے گی فلاں ایسا بد بخت ہوا کہ اس کے بعد کبھی سعادت نہ ہوگا۔ اس سے اچھے اور بڑے اعمال خلط ملط ہوں گے اس کے بارے میں حدیث میں خاموشی ہے۔ ظاہر یہی ہے کہ فرشتہ ان کے بارے میں کوئی ندا نہیں لگائے گا۔ اسی وجہ سے اس کا ذکر نہیں فرمایا۔

تو اندہ۔ فریبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ترازو ہر ایک کے لئے نہیں لگایا جائے گا کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو بغیر حساب سے جنت میں لائیں ہوں گے۔ اسی طرح کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جنہیں حساب کے بغیر جہنم میں داخل کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان یعراف

الْمُجْرِمُونَ بِسَبِّئِهِمْ مِمَّنْ كَانُوا كَافِرِينَ۔

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وہ کافر جن کے اعمال تو لے جائیں گے لیکن ان میں کوئی وزن نہ ہوگا۔ انہیں منافقوں کے ساتھ خاص کرنے کا احتمال بھی موجود ہے۔ جب ہر جماعت اپنے معبود کے پیچھے پیچھے چل پڑے گی تو یہ منافق مسلمانوں کے ساتھ ملے ہوں گے۔ یہ دنیا میں مسلمانوں کے ساتھ ریاکاری کے طور پر نماز پڑھتے اور روزے رکھتے تھے تو اللہ تعالیٰ میزان کے ذریعے خبیث کو پاکیزہ سے الگ کرے گا۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ستر ہزار ایسے مومن ہیں جو حساب کے بغیر جنت میں داخل ہوں گے، نہ ان کے لئے ترازو رکھا جائے گا اور نہ ہی وہ صحیفے لیں گے بلکہ ان کے لئے ایک برأت نامہ ہوگا جو انہیں دیا جائے گا۔ اس میں یہ لکھا ہوگا یہ فلاں کا برأت نامہ ہے۔ اصہبانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ترازو نصب کئے جائیں گے۔ نمازیوں کو لایا جائے گا۔ ترازو کے ذریعے انہیں پورا پورا اجر دیا جائے گا۔ حاجیوں کو لایا جائے گا انہیں ترازو کے ذریعے پورا اجر دیا جائے گا۔ اہل امتحان کو لایا جائے گا ان کے لئے ترازو نصب نہیں کئے جائیں گے اور نہ ہی ان کے لئے دیوان کھولے جائیں گے۔ ان پر اجر بغیر حساب کے اندیا جائے گا یہاں تک کہ عافیت والے تمنا کریں گے کہ کاش ان کے جسم دنیا میں قینچی کے ساتھ کاٹے جاتے جس کے باعث اہل امتحان یہ فضیلت لے گئے (1)۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صبر کرنے والوں کو بغیر اجر کے حساب دیا جائے گا۔

طبرانی اور ابویعلیٰ رحمہما اللہ تعالیٰ نے ایسی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور انہوں نے حضور ﷺ سے روایت کیا ہے جس میں کوئی قدغن نہیں، قیامت کے روز شہید کو لایا جائے گا۔ حساب کے لئے ترازو نصب کیا جائے گا۔ پھر صدق کرنے والے کو لایا جائے گا تو حساب کے لئے ترازو نصب کیا جائے گا۔ پھر اہل امتحان کو لایا جائے گا ان کے لئے ترازو نصب کیا جائے گا اور نہ ہی صحائف کو کھولا جائے گا۔ اجر ان پر اندیا جائے گا یہاں تک کہ دنیا میں عافیت سے رہنے والے لوگ یہ آرزو کریں گے کاش ہمارے جسم قینچیوں کے ساتھ کاٹے جاتے تاکہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ثواب ملتا۔ (2)

پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ جو لوگ حساب کے بغیر جنت میں داخل ہوں گے وہ صوفیاء ہیں۔ یہاں اہل امتحان سے مراد بھی شائد وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے عاشق اور محبت ہیں جو اس کی طرف سے امتحان پر اسی طرح راضی ہیں جس طرح وہ اس کی عطاء پر راضی تھے۔ حضور ﷺ کے ارشاد میں بقاء کا بھی یہی معنی ہے۔ ہر چیز کے لئے ایک مقدار اور ترازو ہے مگر آنسو کے لئے کوئی ترازو نہیں کیونکہ اس ایک آنسو کے ذریعے آگ کے سمندر بجھا دیئے جائیں گے۔ اسے بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے معتقل بن یسار سے روایت کیا ہے کہ اس آنسو سے مراد عشاق کا رونا ہے۔ ورنہ احادیث میں ثابت ہے کہ مصیبت زدہ لوگوں کے اعمال کو بھی تو لایا جائے گا۔ جس طرح حضور ﷺ کے ارشاد میں ہے واہ کیا بات ہے واہ کیا بات ہے میزان میں پانچ چیزوں سے بڑھ کر کوئی وزنی چیز نہیں لا الہ الا اللہ، سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر، ایسا صالح بچہ جو کسی مسلمان کا مر جائے اور وہ ٹھہر کرے (3)۔ اسے امام نسائی، ابن حبان، حاکم، بزار، احمد اور طبرانی رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بچے کی وفات بھی بڑی

2- مجمع الزوائد، جلد 3، صفحہ 34 (الفکر)

1- تفسیر قرطبی، جلد 15، صفحہ 241 (دار الکتب المصریہ)

3- مجمع کبیر، جلد 22، صفحہ 348 (العلوم والحکم)

آزمائش ہے۔ وہ شہادت جس کا ذکر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں آیا ہے وہ بھی آزمائش ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔
 اس پر سوال آیا جائے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح مسند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: اللہ
 علیہ السلام نے فرمایا قیامت کے روز تر ازور رکھے جائیں گے۔ ایک آدمی بولا یا جانے کا اور اسے ایک پلڑا میں ڈھک کر رکھ دیا
 اس کے نیب اتمال بھی رکھے جائیں گے تو اس کے اتمال بد والا پلڑا ابھ جائے گا اور اسے جہنم کی طرف بھیج دیا جائے گا۔ جب اس پر یہ
 پوچھا گیا کہ اسے کونئی چیز تھی والا چھینے گا کہ اس کے بارے میں جہنم کی خبر ہے، اس کا ایسا ٹکڑا باقی رہ گیا۔ یہ ایسا ہے کہ
 اس میں لا الہ الا اللہ لکھا ہوگا۔ اسے آدمی کے ساتھ رکھ دیا جائے گا تو اس پر پٹے کے ساتھ اس کا پلڑا ابھ جائے گا۔ اس پر امام
 رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا اور اسے صحیح قرار دیا۔ نیز ابن حبان اور ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ نے ان سے اس کی مثال روایت ہے۔
 حضرت ابو سعید حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور دوسرے محدثین سے ایک روایت مروی ہے جو اس روایت کی تائید کرتی ہے۔
 حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے مروی تھی کہ مومن کا اتمال والا پلڑا ایسے ہلکا ہو سکتا ہے کہ مومن بولا لا الہ الا اللہ سے اس میں ہلکا
 اور چہرندگی میں اس نے ایک دفعہ کہا ہو۔ ہم اس کا جواب دیتے ہیں آخرت کے آخر احکام قضا یا مہمدا (اللہ سے ہوتے ہیں) ان
 میں قضیہ جزئیہ کی قوت ہوتی ہے، ان میں شہادہ اور ہی کلیہ ہوتا ہے جبکہ آخرت کا معاملہ تو اللہ تعالیٰ کے فضل پر منحصر ہے اور اس کا
 دار و مدار خلاص پر مبنی ہے۔

یہ مزونے وصل کی صورت میں ماہیہ کو آخری ہاء کے پھر پڑھنا ہے جبکہ باقی قراءتوں میں سلتین ہاء پڑھنی ہے۔
 ضمیر باہر کی طرف لوٹ رہی ہے۔ یہاں استفہام ہولناک بیان کرنے کے لئے ہے۔ عا ادراک والا جہد مقرر ہے۔ تفسیر
 محفمت شان کو بیان کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان نارا، ہا وید سے بدل ہے یا اس کا بیان ہے یا مہمدا مہمدا و ن خیر ہے۔
 حامیہ ذات حمی کے معنی میں ہے یعنی دو گری میں انتہاء کو پہنچا ہوا ہے۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

سورة التكاثر

﴿ ایتھا ۸ ﴾ ﴿ سورة التكاثر مکیة ۱۰۲ ﴾ ﴿ رکوعھا ۱ ﴾

سورة التكاثر مکی ہے، اس میں ایک رکوع اور آٹھ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

”اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے“

اَلْهٰکُمُ التَّکٰثُرُ ۱ حَتّٰی زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۲ کَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۳ لَمْ کَلَّا
سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۴ کَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْیَقِیْنِ ۵ لَتَرَوُنَّ الْجَحِیْمَ ۶ لَمْ کَلَّا
لَتَرَوُنَّهَا عِیْنَ الْیَقِیْنِ ۷ لَمْ کَلَّا لَئِنْ لَّمْ یَرَوْا یَوْمَئِذٍ عِیْنَ النَّعِیْمِ ۸

”غافل رکھا تمہیں زیادہ سے زیادہ مال جمع کرنے کی ہوس نے۔ یہاں تک کہ تم قبروں میں جا پہنچے۔ ہاں ہاں تم جلد جان لو گے۔ پھر ہاں ہاں تمہیں (اپنی کوششوں کا انجام) جلد معلوم ہو جائے گا۔ ہاں ہاں اگر تم (اس انجام کو) یقینی طور سے جانتے (تو ایسا ہرگز نہ کرتے)۔ تم دیکھ کر رہو گے دوزخ کو۔ پھر آخرت میں تم دوزخ کو یقین کی آنکھ سے دیکھ لو گے۔ پھر ضرور پوچھا جائے گا تم سے اس دن جملہ نعمتوں کے بارے میں۔“

۱۔ مال کی کثرت، جاہ و مرتبہ کی زیادتی اور تعداد کی کثرت پر فخر و مباہات نے تمہیں باطل میں مشغول کر دیا ہے۔ لھو کا معنی باطل ہے یا ایسی چیز جو قابل ذکر فائدہ نہ دے۔ یا اس کا معنی ہے کہ اس عمل نے تمہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور ان اعمال سے غافل کر دیا جو تمہیں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بچانے والے ہیں۔

۲۔ یہاں تک کہ تمہیں موت نے آلیا اور تمہیں قبروں میں دفن کر دیا گیا۔ ابن ابی حاتم نے زید بن اسلم رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کثرت کی خواہش نے تمہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے غافل کر دیا یہاں تک کہ تمہیں موت نے آلیا (۱)۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہودی اپنی کثرت پر فخر کرتے تھے اور کہتے تھے ہم فلاں خاندان سے زیادہ ہیں۔ انہیں اس چیز نے غافل کئے رکھا یہاں تک کہ انہیں موت نے آلیا (۲)۔ یہ آیت ان کے بارے میں نازل ہوئی اس وجہ سے یہاں حتی غایت کے لئے ہے۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ابن بریدہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت دو قبیلوں کے بارے میں نازل ہوئی، ایک قبیلے کا نام بنی حارثہ اور دوسرے کا نام بنی حارث تھا۔ انہوں نے ایک دوسرے پر فخر کیا اور کثرت کا اظہار کیا۔ ان میں سے ایک نے کہا کیا تم میں فلاں فلاں کی مثل ہے۔ دوسروں نے بھی اسی قسم کی بات کی۔ وہ زندہ لوگوں کے بارے میں جب فخر و مباہات کر چکے تو پھر کہا آؤ ہم مردوں کے بارے میں مقابلہ کر لیں۔ ایک قبیلہ کے لوگ کہتے تھے کیا تم میں فلاں فلاں کی مثل ہے اور قبروں کی طرف اشارہ کرتے (۳)۔ کلی رحمۃ

اللہ علیہ نے کہا یہ قریش کے دو قبیلوں کے بارے میں نازن ہوئی۔ ان میں سے ایک بنی عبدمناف تھا اور دوسرا بنی کعبہ تھا۔ ان میں سے ایک سے یہی دعویٰ کیا ہم سرداری میں، عزت دار ہونے میں اور تعداد میں ہم زیادہ ہیں۔ بنی عبدمناف کی نسب تعداد زیادہ ہوتی تھی انہوں نے کہا ہم اپنے مردوں کو شمار کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ قبروں کے پاس چلے گئے انہیں شمار کیا اور کہا یہ فلاں بن فلاں ہے۔ یہ فلاں بن فلاں سے۔ تو بنو کعبہ ان پر بڑھ گئے کیونکہ دور جاہلیت میں ان کی تعداد زیادہ تھی۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا (یا اہل ان دونوں رہو انہوں نے یہاں پر حسی زرتکو المقابر کا معنی یہ ہوگا کہ جب تم زندوں کو شمار کر چکے تو تم نے کثرت حاصل کرنے کے لئے مردوں کو شمار کیا تو یہاں مجازاً مردوں کی تعداد شمار کرنے کو زیارت قبور سے تعبیر کیا۔ یہاں زیارت قبور کا حقیقی معنی مراد ہوگا کیونکہ وہ قبرستان کی طرف گئے تھے۔ تو اس صورت میں حسی سمیت کے لئے ہوگا۔ عبد اللہ بن خیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ سورۃ نکاح کی تلاوت کر رہے تھے تو آپ نے فرمایا انسان کہتے ہیں میرا مال، بوائے میرا مال، تیرا مال تو وہی ہے جو تم نے حاصل کیا اور اسے فرما کر دیا، اسے چھین لیا اور بوسیدہ کر دیا، یا صدقہ کر دیا اور اسے آگے بھیج دیا۔ اسے امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت اس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا تین چیزیں میت کے ساتھ ہوتی ہیں، روپوت آتی ہے اور ایک ساتھ رہتی ہے اس کے گھر والے اس کا مال اور اس کا عمل اس کے پیچھے ہوتے ہیں۔ اس کے گھر والے اور مال اللہ آتات اور اس کا تمس باقی رہتا ہے اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (2)۔ عیاض بن حمار عجمی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی کی ہے کہ لوگوں میں ایک دوسرے کے ساتھ تواضع کرو، کوئی ایک بھی دوسرے پر فخر نہ کرے۔ اور ایک دوسرے پر بغاوت کرے۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا۔ (3)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اقوام کو چاہئے کہ وہ اپنے ان آب و اجداد پر فخر کرنے سے رک جائیں جو فوت ہو چکے ہیں۔ بے شک وہ جہنم کا ایک کونڈہ ہوں گے۔ ورنہ وہ اللہ تعالیٰ کے پاس اس کیلئے سے اس زیادہ تشریح ہوں گے جو اپنے ناک کے ساتھ گندگی کو لڑھکا رہا ہوتا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کی سمیت اور آباء و اجداد سے تم کو ختم کر دیا ہے۔ لوگ یا تو مومن متقی ہیں یا فاجر شقی ہیں۔ سب بنو آدم ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام منیٰ سے پیدا کئے گئے تھے (4)۔ اسے امام ترمذی اور ابوداؤد رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا۔ عقبہ بن عامر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے یہ نسب ایک دوسرے پر فضیلت کا باعث نہیں ایک صاحب دوسرے صاحب جیسا ہی ہوتا ہے۔ ایک دوسرے سے پرہیزگاری کی ضرورت ہے مگر تقویٰ اور دین کی وجہ سے فضیلت ہے ایک آدمی کے لئے یہی برائی کافی ہے کہ وہ بد زبان، یا وہ گوا اور نجس ہو (5)۔ اسے امام احمد اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب قیامت کا روز ہوگا تو اللہ تعالیٰ ایک ندا کرنے والے کو حکم دے گا خیر دار میں نے ایک نسبت بنائی اور تم نے بھی ایک نسبت بنائی، میں تم سے سب سے بہتر تم میں سے سب سے زیادہ متقی کو بنایا تو تم نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ تم نے یہ کہا فلاں بن فلاں، فلاں بن فلاں سے بہتر ہے۔ آج میں اپنے نسب کو بلند کروں گا اور تمہارے نسب کو پست کروں گا۔ متفقین کہاں ہیں۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت میں روایت کیا ہے (6)۔

1- تفسیر معانی آیات ہذا
2- صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 964 (وزارت تعلیم)
3- صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 385، قولہ
4- جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 234 (وزارت تعلیم)
5- مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 145 (صادر)
6- مجمع الزوائد، جلد 8، صفحہ 160-61

سے باہم فخر کرنے اور مال کو جمع کرنے پر جھڑکا جا رہا ہے۔ تعلمون کا مفعول حذف کر دیا گیا کیونکہ سیاق کلام اس پر دلالت کرتا ہے۔ معنی یہ ہوگا جب تمہیں عذاب دیا جائے گا تو اس وقت تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ باہم فخر کرنے اور مال و عدد میں زیادتی کا دعویٰ کرنے کا ایک برا انجام ہے۔ پہلی وعید کا نکرار ہے یا نئی وعید کا ذکر ہے۔ تم کے لفظ میں یہ دلالت موجود ہے کہ دوسری وعید پہلی وعید سے سخت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ پہلی وعید موت یا قبر کے بارے میں ہے اور دوسری وعید اٹھانے کے بعد کے بارے میں ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ علیہ سے نقل کیا ہے کہ ہم عذاب قبر کے بارے میں شک کرتے تھے یہاں تک کہ سورہ نکاتر کلا سوف تعلمون تک ہوئی۔ یہ عذاب قبر کے متعلق ہے۔ (1)

یہ تاکید کے بعد جھڑکنے کے لئے کلا کا لفظ آیا ہے، کاش تم آنے والے احوال کا ایسا علم رکھتے جس طرح تمہارے ہاں ایسی چیز کا علم ہوتا ہے جو یقینی ہوتی ہے اور تمہارے پاس موجود ہوتی ہے۔ لو کا جواب محذوف ہے۔ مقصود اس کی عظمت بیان کرنا ہے۔ جواب یہ ہے لَسْغَلْكُمْ ذَلِكْ عَنْ غَيْرِهِ يَا لَهَا تَكَاثُرْتُمْ۔ قادرہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہم آپس میں باتیں کرتے تھے کہ علم یقین اسے کہتے ہیں کہ انسان یہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ ضرور دوبارہ اٹھائے گا (2)۔ میں کہتا ہوں اس سے مراد ایسا علم غیب ہے جو استدلال سے حاصل ہو۔

اسے شرط کا جواب بنانا جائز نہیں کیونکہ اس کا وقوع یقینی ہے بلکہ یہ محذوف قسم کا جواب ہے۔ وعید کو اس کے ساتھ موکد کیا جس چیز سے پہلے نہیں ڈرایا تھا اور اسے ہم ذکر کیا گیا تھا اب اس کا تفصیلاً ذکر کیا گیا۔ مقصود اس کی عظمت شان بیان کرنا ہے۔ میں کہتا ہوں یہ بھی جائز ہے کہ لو اذ اسے مجاز ہے یعنی تم موت کے وقت یقینی طور پر جان لو گے تو تم ضرور جہنم دیکھو گے مگر اس کا علم تمہیں کوئی فائدہ نہ دے گا کیونکہ اب ازالہ کا وقت گزر چکا ہے۔ ابن عامر اور کسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے مجہول کا صیغہ پڑھا ہے یہ اربیت الشیء سے ماخوذ ہے جبکہ باقی قراء نے استناء کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہاں روایت سے مراد معرفت اور علم ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہاں روایت سے مراد قبروں میں دیکھنا ہو کیونکہ کفار کو صبح و شام قبروں میں آگ پر پیش کیا جاتا ہے۔ جس طرح ہم نے

وَصَاهُمْ عَنْهَا بِعَاثِرِ يَوْمِئِذٍ کے ضمن میں ذکر کیا ہے۔ فعل کو تاء کے فتح کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ اسی پر سب کا اتفاق ہے، یعنی پھر دوبارہ اٹھنے کے بعد جہنم کو ضرور دیکھو گے۔ عین یقین مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ اگرچہ فعل اور مصدر کے الفاظ مختلف ہیں مگر معنی دونوں کا ایک ہی ہے۔ اس لئے وہ احتمال بھی ختم ہو جائے گا جو یہ ذکر کیا جا رہا تھا کہ یہاں روایت علم کے معنی میں ہے۔ معنی یہ ہوگا تم ایسا دیکھنا دیکھو گے جو تمہیں یقین عطا کرے گا۔ اسی وجہ سے علم یقین اس علم کو کہتے ہیں جو دیکھنے اور مشاہدہ کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ روایت عمل کا قوی ترین سبب ہے حضور ﷺ کا ارشاد ہے خبر آنکھوں دیکھی جیسی نہیں ہو سکتی۔ خطیب نے اسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ احمد اور طبرانی رحمہما اللہ تعالیٰ نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ اور کچھ زائد روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بتایا کہ اس کی قوم پھڑے کی پوجا کرنے لگی ہے تو انہیں نے تختیاں پھینکیں۔ جب خود آنکھوں سے دیکھا تو تختیاں پھینک دیں اور وہ ٹوٹ گئیں۔ ایک قول یہ کیا گیا عین یقین محذوف مصدر کی صفت ہے، یعنی یہ دیکھنا ہی یقین ہے۔ اس میں مبالغہ کا اظہار ہے۔

یہ چیز اس دوران سے پوچھا جائے گا کہ تم نے نعمتوں کا شکر ادا کیا ہے یا اور ان کی ناشکرانی کیوں کی۔ اللہ تعالیٰ رحمتہ اللعالمین سے یہ قیامت کے دوران سے ان تمام چیزوں کے بارے میں پوچھا جائے گا جو انہیں دین میں حاصل تھیں۔ متعلق رحمتہ اللعالمین سے ان دنوں میں ماند اور اچھی حالت میں تھے (1)۔ انہوں نے اپنے رب کا شکر ادا کیا بلکہ غیر اللہ کی عبادت کرتے رہے۔ اس لئے قیامت کے روز ان فخری کرنے کی وجہ سے انہیں عذاب دیا جائے گا۔ یہ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ لفظ استاذین سے مراد ان مسعودی رضی اللہ عنہ ہیں مرفوع روایت مروی ہے یہاں خطاب کفار کے ساتھ خاص ہے جنہیں نشت کی خواہش کے لئے لاشیں لایا گیا۔ یہ آیت ہے۔ لَتَرْوُنَّ الْجَحِيمَ سے لے کر آخر تک خطاب تمام مومن کو ہو۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے لَنُفَصِّلَنَّكَ الْوَدَّ وَالْبَدَّ۔ عذاب عظیم میں نہر چکا ہے۔ مومن کو پہلے قبر میں جہنم میں اس کا حکم نہ دکھایا جائے گا جس کا اب جنت میں ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا مقصد یہ ہے۔

فقہاء نے اس کی سیاق و سباق اور آیت کی ابتدا میں کی وجہ سے آیتوں کے بارے میں امر پید ہوا۔ نشت کی خواہش رکھنے والوں کے بارے میں اس سے بہت سی تواتر احادیث سے یہ ثابت ہے کہ سوال عام ہے، کافروں اور مومنوں سب سے سوال جواب ہوگا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں اور حضرت کے بارے میں بھی پوچھا جائے گا۔ ان میں سے ایک آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ میں نے کان اور آنکھوں کی حالت کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ بندوں سے پوچھے گا۔ انہوں نے کن مقاصد کے لئے انہیں استعمل کیا (3)۔ فریبانی اور ابو نعیم نے مجاہد رحمہم اللہ تعالیٰ سے اس آیت کی تفسیر سے کہا ہے۔ میں ہر دنیا کی ہر لذت کے بارے میں سوال ہوگا (4)۔ عبد الرزاق نے قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے بارے میں اس سے پوچھے گا جو اس پر کن کی قسم (5)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے زہد میں یہ قول ہے۔ انہوں نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ سے اس آیت کی تفسیر کے بارے میں روایت یہ ہے فرمایا میرا امت کے پتھ لوگ۔ مخلص اور شہد میدی۔ اس کے ساتھ ہونے اور صحت میں تو ان سے اس کے بارے میں پوچھا جائے گا (6)۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو لوگوں نے حضور ﷺ سے کہا کہ تم نے ہم سے اس نعمت کے بارے میں پوچھا جائے گا، ہمارے پاس تو کھانے پینے کو کھجوریں اور پانی ہے۔ انہوں نے کہا کہ تم نے تمہاری دنیا سے کدوئوں پر آویزاں ہیں۔ آپ نے فرمایا ان کے بارے میں بھی تم سے پوچھا جائے گا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ نے پوچھا کہ ہم کبھی نعمت سے قطع ہو رہے ہیں، ہم تو یوں روئے صحت ہیں اور وہ عیب نہ کر رہے ہیں۔ تو ان کی طرف حکم نازل ہوا کیا تم جو تہ نہیں پہنتے اور تمہند پانی نہیں پیتے۔ یہ بھی تو نعمت ہے (8)۔ اللہ تعالیٰ نے اللہ تعالیٰ سے مرہی ہے جس نے گندمی روئی کھائی اس کے لئے آرام کرنے کے لئے سایہ لگایا اور وہ بیٹھ پانی پے تو یہ بھی وہ نعمت ہے جس کے بارے میں اس سے سوال کیا جائے گا (9)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے مستدرک میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت یہ ہے کہ میں نے یہ سنا ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تم نے اللہ تعالیٰ سے کبھی شکر کیا ہے۔ ابو ہریرہ نے کہا کہ ہاں، تو پوچھا کہ کھلایا اور پانی پلایا تو حضور ﷺ نے فرمایا یہی وہ نعمتیں ہیں جن کے بارے میں تم سے قیامت کے روز سوال کیا جائے گا۔

1- تفسیر ابن کثیر، ج 2، صفحہ 171 (وزارت تعلیم)
2- الدر المنثور، ج 2، آیت ہذا
3- الدر المنثور، ج 2، آیت ہذا
4- ایضاً
5- ایضاً
6- ایضاً
7- ایضاً
8- ایضاً
9- ایضاً

جائے گا۔ جب یہ چیز آپ کے صحابہ پر شاق گزری اور انہوں نے تکبیر کہی تو حضور ﷺ نے فرمایا جب تم اس قسم کی چیز حاصل کرو اور اپنے ہاتھوں سے روٹی کھاؤ تو یہ کلمات کہا کرو بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلَىٰ بَرَکَةِ اللّٰهِ۔ جب تم سیر ہو جاؤ تو کہو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ۔ جس نے ہمیں کھلایا، ہمیں پلایا، ہم پر انعام کیا اور ہم پر اپنا فضل فرمایا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہی قصہ مروی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا علم کے معاملہ میں ایک دوسرے سے اخلاص کے ساتھ کام لیا کرو۔ تم میں سے کوئی کسی دوسرے سے کوئی بات نہ چھپائے کیونکہ انسان کے علم میں خیانت اس کے مال میں خیانت سے زیادہ سخت ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اس بارے میں بھی باز پرس کرے گا (1)۔ اسے طبرانی اور اصہبانی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابو برداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بندے سے سب سے پہلے یہ سوال کیا جائے گا کہ تو نے اپنے علم میں سے کس چیز پر عمل کیا۔ اسے امام احمد اور ابن مبارک رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت مروی ہے کہ جس طرح ایک انسان سے اس کے جاہ و مرتبہ کے بارے میں محاسبہ کیا جائے گا۔ اسی طرح اس کے مال کے بارے میں بھی اس سے سوال کیا جائے گا۔ اسے طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے انسان جو قدم بھی اٹھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا کہ تو نے اس سے کیا ارادہ کیا تھا (2)۔ اسے ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت مروی ہے کہ قیامت کے روز مومن سے اس کی تمام کاوشوں کے بارے میں پوچھا جائے گا یہاں تک کہ اس نے آنکھ میں سرمہ لگایا تھا اس کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ اسے ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوع روایت نقل کی ہے بندہ جو خطبہ دے گا اللہ تعالیٰ اس سے اس بارے میں پوچھے گا کہ اس نے اس سے کیا ارادہ کیا تھا۔ یہ روایت مرسل ہے، اس کی سند عمدہ ہے۔ اسے بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا (3)۔ آیت میں ثم کا لفظ دلالت کرتا ہے کہ یہ سوال وجواب جہنم کو دیکھنے کے بعد ہوگا۔ میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے یہ سوال پل صراط پر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے انہیں روکو، ان سے سوال کئے جائیں گے۔

حضرت ابو ہریرہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ابھی بندے کے قدم پل صراط پر ہوں گے کہ اس سے چار چیزوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا، اس کی عمر کے بارے میں سوال کیا جائے گا، اس نے اپنی عمر کہاں فنا کی، جسم کے بارے میں سوال ہوگا کہ کس چیز میں اس نے اسے بوسیدہ کیا، علم کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ اس نے اس سے کیا کام لیا، مال کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ اس سے کمایا اور کس میں خرچ کیا (4)۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا۔ امام ترمذی اور ابن مردودہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس کی مثل روایت کی۔ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ آیات عام ہیں۔ تاہم احادیث کے ذریعے ان لوگوں کو خاص کر دیا گیا جنہیں حساب کے بغیر جنت میں داخل کیا جائے گا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کیا تم میں سے ایک آدمی دن میں ہزار آیات پڑھنے کی طاقت نہیں رکھتا ہے۔ لوگوں نے عرض کی حضور ﷺ ایسا کون ہے جو دن میں ایک ہزار آیات کی تلاوت کرے۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا کیا تم میں سے کوئی الھکم التکائر کو تلاوت کرنے کی طاقت بھی نہیں رکھتا۔ اسے حاکم اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے (5)، واللہ تعالیٰ اعلم۔

1- کنز العمال، جلد 15، صفحہ 411 (التراث الاسلامی)

2- ایضاً، جلد 10، صفحہ 192

3- جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 64 (وزارت تعلیم)

4- مستدرک حاکم، جلد 1، صفحہ 755 (العلمیہ)

سورة العصر

﴿ اسماها ۳ ﴾ ﴿ سورة العصر مكية ۱۰۳ ﴾ ﴿ ركوعها ۱ ﴾

سورة العصر کی ہے، اس میں ایک رکوع اور تین آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

”اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے“

وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهِۦٓ اَلْاَكْفَرُ ۝ اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۚ وَتَوَّصَّوۡا بِالْحَقِّ ۚ وَتَوَّصَّوۡا بِالصَّبْرِ ۝

”قسم ہے زمانہ کی کہ یقیناً ہر انسان خسارہ میں ہے۔ بجز ان (خوش نصیبوں) کے جو ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے

رہے۔ نیز ایک دوسرے کو حق کی تلقین کرتے رہے اور ایک دوسرے کو صبر کی تاکید کرتے رہے۔“

۱۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا عصر سے مراد زمانہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کی قسم اس لئے اٹھائی یہ وقت۔ زمانہ میں فقر و فقر کرنے والوں کے لئے عبرتیں موجود ہوتی ہیں۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا عصر سے مراد رات اور دن ہے۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے کہا سورج کے ڈھلنے سے لے کر سورج کے غروب ہونے تک کے وقت کو عصر کہتے ہیں (۱)۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا دن کے آخری پہر کو عصر کہتے ہیں۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے مراد عصر کی نماز ہے۔ یہی صلوٰۃ ہے جس میں سورہہ بقرہ میں ذکر کیا ہے۔

۲۔ ”الانسان“ سے مراد جنس ہے۔ خسار کو نکرہ ذکر کیا۔ مقصود اس کی عظمت بیان کرنا ہے، یعنی وہ بہت بڑے خسارہ میں ہے۔ یونہی خسارے کا مطلب اس المال کا ضائع ہو جانا ہے۔ انسان اپنے آپ کو، اپنی عمر کو اور اپنے مال کو ایسی چیزوں میں بلا کر دے دیتا ہے جو اسے آخر میں زندگی میں کوئی فائدہ نہ دے گا۔

عصر: جس نے اپنی آخرت کو دنیا کے بدلے میں بیچ دیا اس کی نقد اور ادھار بیچ میں خسارہ واضح ہے۔

۳۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے آخرت کو جو قوی ہے اور باقی رہنے والی ہے دنیا کے بدلے میں خرید لیا۔ اس لئے ان کی تجارت نفع سے ان ہو گئی۔ وہ باہم نیک کی تاکید کرتے ہیں۔ حضرت حسن اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے ہا حق سے مراد قرآن ہے۔ متذکر، امت اللہ علیہ نے کہا اس سے مراد ایمان اور توحید ہے (۲)۔ اور وہ باہم صبر کی تاکید کرتے ہیں۔ صبر کا مطلب ہے نفس کو زیادتیوں سے روکنا اور اللہ کی نواہشات سے روکنا جو اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔ یا اس کا مطلب یہ ہے کہ طاعات، مصائب اور منکرات کو چھوڑنے پر صبر کرنا۔ یہاں سماں سانس بھی یا تو مطلق ہیں تو اس صورت میں خاص کا عطف عام پر ہوگا اور یہ مبالغہ کے لئے ہوگا۔ یا اس سے مراد صرف وہ اعمال

ہیں جو کمال کا سبب بنتے ہیں تو اس صورت میں مواصات سے مراد ایسی چیزیں ہوں گی جو تکمیل نفس کا باعث ہیں۔ باقی سب نقصان کا باعث ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب انسان دنیا میں زیادہ عمر والا اور بوڑھا ہو جاتا ہے تو وہ نقصان میں ہو جاتا ہے۔ مگر مومنوں کی یہ حالت نہیں ہوتی کیونکہ وہ اپنی صحت اور جوانی میں جو اعمال کرتے رہے تھے ان کا اجر اب بھی انہیں دیا جاتا رہتا ہے۔ اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: **لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ** الخ۔ (1)

مسئلہ:۔ نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا واجب ہے جس نے ایسا نہ کیا وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے جو برائی دیکھے وہ اسے زور بازو سے تبدیل کرے، اگر اس کی طاقت نہ رکھے تو زبان سے اسے بدلے، اگر اس کی طاقت بھی نہ رکھتا ہو دل سے ایسا کرے اور یہ کمزور ترین ایمان ہے۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا۔ (2)

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح السنہ میں حضور ﷺ سے روایت کیا ہے اللہ تعالیٰ خاص لوگوں کے برے اعمال کی وجہ سے عام لوگوں کو عذاب میں مبتلا نہیں کرتا یہاں تک کہ برائی ان سب میں عام نظر آنے لگے اور لوگ اس برائی کو ختم کرنے پر قادر ہوں اور وہ اس برائی کو نہ روکیں۔ جب لوگ ایسا کرنے لگیں تو اللہ تعالیٰ عام اور خاص لوگوں کو عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے۔ ابو داؤد اور ابن ماجہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے اسی قسم کی ایک مرفوع روایت نقل کی ہے۔ ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی جس قوم میں نافرمانیاں ہوں، لوگ اس کو بدلنے پر قادر ہوں پھر اسے نہ بدلیں تو ممکن ہے کہ ان سب پر عذاب نازل کر دیا جائے (3)۔ اس بارے میں بے شمار احادیث ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

نفس اسلام
WWW.NAFSEISLAM.COM

سورة الهمزة

ابواب ۹ ﴿سورة الهمزة مكية ۱۰۳﴾ ﴿رکوعها ۱﴾

سورة الهمزة مکی ہے، اس میں ایک رکوع اور نو آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

”اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے“

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ۝ الَّذِي جَمَعَ مَالًا وَعَدَّدَهُ ۝ يَحْسَبُ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ ۝
كَلَّا لَيُنْبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْحُطَمَةُ ۝ نَارُ اللَّهِ الْمَوْقُودَةُ ۝ الَّذِي
نَصَبَهُ عَلَى الْإِفْدَةِ ۝ إِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّوَصَّاةٌ ۝ فِي عَذَابٍ مُّتَدَدَةٍ ۝

”ہلاکت ہے ہر اس شخص کے لئے جو (رورو) طغنائے ہے (پینہ پیچھے) عیب جوئی کرتا ہے۔ جس نے ماں جمع کیا اور
استغناء کر رکھتا ہے۔ وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اس کے مال نے اسے لافانی بنا دیا ہے۔ ہرگز نہیں وہ یقیناً حطمہ میں
پھینک دیا جائے گا۔ اور تم کیا جانو کہ حطمہ کیا ہے؟ لہذا وہ اللہ کی آگ ہے جو بھڑکانی ہوئی۔ جو دلوں تک جا پہنچے
سے بے شک وہ (آگ) ان پر بند کر دی جائے گی۔ (اس کے شعلے) بجے ستونوں کی صورت میں ہوں گے۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہمزمہ اور لمزمہ کا معنی یہ ہے وہ جو چھٹل خودی کرتے ہیں، وہ ستوں میں تفریق کرتے
ہیں۔ یہ دونوں لوگوں پر عیب لگاتے ہیں۔ ان دونوں لفظوں کا معنی ایک ہے، یعنی عیب لگانے والے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہمزمہ
اس وقت ہے جو منہ پر عیب لگائے اور لمزمہ اسے کہتے ہیں جو عدم موجودگی میں عیب لگائے۔ ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت حسن
بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے برعکس معنی بیان کیا ہے۔ (۱)

عید بن جبیر اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا ہمزمہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو لوگوں کے گوشت کھاتے ہیں اور ان کی نسبت یہی ہے
۱۔ ہمزمہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو طعن زنی کرتے ہیں۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہمزمہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو ہاتھ سے کسی
تقبیب پہنچانے میں اور عیب لگاتے ہیں اور لمزمہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو زبان سے تکلیف دیتے ہیں اور عیب لگاتے ہیں۔ حضرت
سنان ثوری رضی اللہ عنہ نے کہا ہمزمہ جو اپنی زبان اور لمزمہ جو آنکھ سے عیب جوئی کرے۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا
ہمزمہ سے مراد وہ شخص ہے جو اپنے لفظوں سے اپنے ساتھی کو اذیت دے اور لمزمہ جو آنکھوں سے اور آبرو سے اذیت کرتے ہیں۔
(۲)۔ میں کہتا ہوں اسل میں ہمزمہ کا معنی توڑنا اور چھوٹا ہے۔ حدیث میں ہے وَقُلْ شَرِبْتُ مِنْ عَذَابِكَ مِنَ الشَّيْطَانِ ۝ ۱۔ ہمزمہ

کا معنی طعن کرنا ہے۔ پھر یہ دونوں الفاظ لوگوں کی عزتوں کو پامال کرنے اور ان میں طعن کرنے میں عام ہو گئے۔ یہ وزن ایسے کاموں کے لئے استعمال ہوتا ہے جو کثرت سے کئے جائیں جیسے ضحکہ، شجرة، لعنة، همزة اور لمزة ان لوگوں کے لئے استعمال ہوتا ہے جو کثرت سے اس فعل کو کرے اور اس کا عادی ہو۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عثمان بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے ہم ہمیشہ یہ سنتے تھے کہ ویل لكل همزة یہ ابی بن خلف کے حق میں نازل ہوئی۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ یہ آیات اخص بن شریق کے حق میں نازل ہوئیں (1)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اہل رقبہ کے ایک آدمی سے نقل کیا ہے کہ یہ جمیل بن عامر کے حق میں نازل ہوئیں (2)۔ ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ نے ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ امیہ بن خلفؓ جب حضور ﷺ کو دیکھتا تو زبان اور آنکھ دونوں سے عیب جوئی کرتا تو اللہ تعالیٰ نے اس سورت کو نازل فرمایا۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ آیات ولید بن مغیرہ کے حق میں نازل ہوئیں وہ پیٹھ کے پیچھے حضور ﷺ کی غیبت کرتا تھا اور سامنے طعن زنی کرتا تھا (3)۔ آیات اپنے الفاظ کے اعتبار سے ہر اس آدمی کو شامل ہیں جس میں یہ صفات موجود ہوں، اگرچہ نازل تو مذکورہ افراد میں سے ایک کے بارے میں ہوئی ہوں۔

۲۔ جعفر، ابن عامر اور کسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے جمع کو باب تفعیل سے پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے مجرد سے پڑھا ہے۔ اسم موصول یا تو کل سے بدل ہے یا مذمت کی وجہ سے منصوب ہے یا مرفوع ہے اور مبتدا مخذوف کی خبر ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی ہو اللدی جمع۔ یعنی جو مال جمع کرتا ہے اور اسے شمار کرتا ہے یا اسے مصائب سے بچاؤ کے لئے توشہ بناتا ہے اور اسے بار بار گنتا ہے۔

۳۔ ان اپنے اسم اور خبر سے مل کر بحسب کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے۔ اس کا گمان یہ ہے کہ اس کا مال ہمیشہ کے لئے اسے زندہ رکھے گا، اس کی خوشحالی کی وجہ سے اسے موت نہیں آئے گی۔ گویا وہ یہ گمان کرتا تھا کہ جس کے پاس مال نہ ہو وہ بھوک کی وجہ سے مرجاتا ہے اور جس کے پاس مال ہو وہ نہیں مرتا۔ یہ اصل میں اس کی لمبی امیدوں، موت سے غفلت اور مال کی محبت سے کنایہ ہے یہاں اس کا حقیقی معنی مراد نہیں کیونکہ ان میں سے کئی ایسے لوگ بھی تھے جو یہ گمان نہیں کرتے تھے کہ وہ ہمیشہ نہیں مرے گے۔ یا اس میں اشارہ سے بات کی گئی ہے کہ ہمیشہ کی زندگی عطا کرنے والی چیز تو ایمان اور اعمال صالحہ ہیں مال نہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ایک مربع شکل کا خط کھینچا، اس کے درمیان باہر کو نکلتا ہوا ایک خط کھینچا اور درمیانی خط کی طرف دونوں طرف سے چھوٹے چھوٹے خط کھینچے اور کہا یہ درمیان والا خط انسان ہے، مربع شکل کا خط اس کی موت ہے باہر کو نکلنے والا حصہ اس کی آرزو ہے، چھوٹے چھوٹے خط اس کی اغراض ہیں۔ جب وہ ایک سے بچتا ہے تو دوسری جانب والا اسے نوبچ لیتا ہے (4) اگر اس سے بچتا ہے تو دوسری سمت والا نوبچ لیتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے خطوط کھینچے اور فرمایا یہ انسان کی آرزو ہے اور یہ اس کی موت ہے۔ انسان ان کے درمیان ہی ہوتا ہے کہ اچانک اسے موت آجاتی ہے۔ محدثین میں سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا ہے۔ (5)

۴۔ همزة اور لمزة مال کی محبت اور لمبی آرزوؤں جیسی کی مذکورہ خصلتوں سے اسے جھڑکا جا رہا ہے۔ لیندن یہ مخذوف قسم کا جواب ہے یہ بھی جائز ہے کہ کلا حقا کے معنی میں ہو جو قسم کے معنی کا فائدہ دے۔ اس صورت میں یہ مذکورہ قسم کا جواب ہوگا۔ حطمہ جہنم کا ایک نام ہے اسے حطمہ اس لئے کہتے ہیں کیونکہ اس میں جو چیز بھی پھینکی جاتی ہے اسے توڑ پھوڑ دیتی ہے۔ پھر بعد والی آیت میں اس کی شدت کو

3- تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

2- تفسیر طبری زیر آیت ہذا

1- الدر المنثور زیر آیت ہذا

4- صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 950 (وزارت تعلیم) 5- ایضاً

بیان ہے۔

یہاں شہد استفہام جہنم کی عظمت بیان کرنے اور اس کی ہوننا کی بیان کرنے کے لئے ہے۔ یہ جملہ معترضہ ہے۔ اور اس کی عظمت بیان کرنا ہے۔ یعنی تم اس کی شدت کو نہیں جانتے کیونکہ یہ اور اک سے بہت ہی ماوراء ہے۔ ابہام کے بعد اس کی تفسیر بیان ہے۔

اللہ تعالیٰ ہی فار اللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نار کی نسبت اپنی ذات کی طرف سے مفسر اس کی عظمت بیان کیا ہے کیونکہ جہنم کی آگ اللہ تعالیٰ کے قہر کا مظہر ہے اللہ تعالیٰ کی صفات جمالیہ ہوں یا جلالیہ سب مرتبہ ماں تک پہنچے ہیں۔ ان سے مزید بلندی کا تصور نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی ان کی قدر معلوم کی جاسکتی ہے۔ موقدہ یہ نار کی صفت ہے اور اس معصوم کو مبینہ ہے۔ اس سے وہ آگ جسے اللہ تعالیٰ نے روشن کیا اور جس آگ کو اللہ تعالیٰ نے روشن کرے کوئی اور اسے بچھ نہیں سکتا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جہنم کی آگ کو ایک ہزار سال تک بچھ کر دیا جائے گا تو دوسرے ہونے پھر اسے ہزار سال تک جلا دیا جائے گا تو وہ سیاہ ہوگی۔ وہ آگ سیاہ تاریک ہے۔ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ (1)

وہ آگ دیوں تک پہنچے گی۔ اطلاق اور بلوغ دونوں کا معنی ایک ہی ہے۔ عرب کہتے ہیں من اطلعت ارضاً یعنی جو بہا رین زمین تک پہنچے۔ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے خالد بن عمر ان سے اپنی سند کے ساتھ حضور ﷺ سے نقل کیا ہے کہ جہنم کی آگ جہنمیوں کو صائے گا یہاں تک کہ جب دل تک پہنچے گی تو رک جائے گی پھر جہنمی اسی طرح ہو جائے گا (2) جس طرح وہ پہلے تھ چھ آگ کی طرف سے کی در تک پہنچے گی تو پھر پہلے والا معاملہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا إِنَّ اللہَ الْمُؤَقَّدُ الَّذِیْ اَنْتُمْ تُقَدُّوْنَ عَلَیْہِ اِنَّ فِیْہِ لَعَذَابًا مُّبِیْنًا ہے۔ قرین اور کلبی رحمہما اللہ تعالیٰ نے یہی کہا ہے۔ میں کہتا ہوں یہاں نماز اور اس امر پر دلالت کرنے کے لئے ہے۔ عذاب اللہ کا جو کہ جہنم کی آگ جب کسی کو جلاتی ہے تو اسے مار ڈالتی ہے جبکہ ابھی وہ دل تک نہیں پہنچتی جبکہ جہنم کا عذاب مختلف ہے یا نہ ہو۔ اس لئے یہ کیونکہ بدن میں وہ سب سے لطیف جزء ہے اور سب سے شدید درد اس میں ہی ہوتا ہے۔ یا اس لئے کہ یہ جہنم میں عذاب اللہ کا اصل اور قبیح اعمال کا منشا ہے۔ گویا جہنم کی آگ کا یہی منبع ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رعایت کرتے ہوئے ذکر کی علیہم والی ضمیر مابعد کے متعلق ہے۔ مؤصدہ جملہ عذاب ہے۔ سو یہ معترضہ سوال کا جواب ہے جو یہ ہے مَا بِاللہِمَّ لَا یَخْرُجُونَ وَلَا یَقْرُونَ تو یہ جواب دیا جائے گا کیونکہ یہ آگ نہیں جڑ سے تھکتی ہے۔ ابن مردودہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسی طرح نقل کیا ہے (3) کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے وہ آگ ان پر بند ہوگی یہ اَوْضَدْتُ النَّابِ سے مشتق ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب تو اس کے ایک ٹوڑے کو دوسرے ٹوڑے پر رکھ دو۔

ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن ابی الدنیا اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے جب جہنم میں دو چیزوں کو جوڑا گیا جس نے جہنم میں ہمیشہ رہنا ہے تو اسے لوہے کے تابلوں میں رکھا جائے گا جس کے نیل لوہے کے ہوں گے پھر ان تابلوں کو لوہے کے تابلوں میں رکھا جائے گا پھر جہنم کے سب سے نیچے درجے میں پھینک دیا جائے گا۔ کوئی بھی دوسرے کا عذاب نہ

دیکھے گا۔ ابو نعیم اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے سوید بن غفلہ سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔

۹۔ ظرف محذوف شبہ فعل کے متعلق ہے جو حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی موثقین فی عمد۔ یہ بھی جائز ہے کہ جار مجرور موصلہ کے متعلق ہو تو اس صورت میں آگ ان ستونوں کے اندر ہوگی۔ حمزہ، کسائی اور ابو بکر رحمہم اللہ تعالیٰ نے عین اور میم دونوں کو مضموم پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے میم کو مفتوح پڑھا ہے۔ یہ دونوں عمود کی جمع ہیں جیسے ادیم کی جمع اذم اور اذم ہوتی ہے۔ قراء رحمۃ اللہ علیہ نے یہی قول کیا ہے۔ ابو عبیدہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ عماد کی جمع ہے جس طرح اہاب کی جمع اہب آتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا اللہ تعالیٰ انہیں ستونوں میں داخل کرے گا تو ان پر ایک ستون تان دیا جائے گا ان کی گردنوں میں زنجیریں ہوں گی اور ایک ستون کے ذریعے ان پر دروازے بند کر دیئے جائیں گے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہمیں یہ خبر پہنچی ہے یہ وہ ستون ہیں جہنم میں جن کے ذریعے انہیں عذاب دیا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا یہ کواڑوں کے کیل ہیں جو جہنیموں پر بند کر دیئے جائیں گے، یعنی لمبے لمبے کیلوں کے ذریعے انہیں بند کر دیا جائے گا۔ عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کی قرأت میں بعمد کے الفاظ ہیں۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ان پر دروازے بند کئے جائیں گے پھر آگ کے لوہے کی کیلوں کے ذریعے انہیں بند کیا جائے گا، نہ کوئی دروازے سے باہر آسکے گا اور نہ ہی اس میں سے اندر آسکے گا۔ ممددہ یہ عمد کی صفت ہے، یعنی وہ ستون طویل ہوں گے۔ اسی وجہ سے وہ چھوٹے کیلوں کی بنسبت زیادہ مضبوط ہوں گے (1)، واللہ تعالیٰ اعلم۔

www.muhammadafseislam.com
www.nafseislam.com

سورة الفيل

آیت ۵ ﴿سورة الفيل مكية ۱۰﴾ ﴿مکونہ﴾

سورة الفيل کی ہے، اس میں آیات روح اور پانچ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

”اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرماتے والا ہے“

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِیْلِ ۝ اَلَمْ یَجْعَلْ لِّیَهُمْ قُوَّةً
تَضَلِّیْلًا ۝ وَاَرْسَلَ عَلَیْهِمْ طَیْرًا اَبَیْیْمًا ۝ تَرْمِیْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ
سِجِّیْلٍ ۝ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّأْكُوْلٍ ۝

”یا آپ نے ملاحظہ نہیں کیا کہ آپ کے رب نے انھیں والوں کے ساتھ کیا سزا کیا؟ کیا اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے
وہ قوت بنا دی؟ اور (وہ یوں کہ) انھیں ان پر ہرمت سے پرندے ڈاروں کے اارتے جو ہر رات
تھے ان پر ٹھکر کی چھریاں پس بناؤ الا ان وجیسے کھبا ہوا بھوہ ہے“

ان کلمات حضور ﷺ کو ہے اور استفہام انکاری ہے۔ قی کا انکار اثبات ہوا کرتا ہے۔ یہاں مقصود تقریر اور ثبات ہے۔ یعنی =
تمہارا ﷺ یقیناً آپ نے دیکھا حضور ﷺ نے اس واقعہ - مشاہدہ کیا تھا کہ ان کے آثار دیکھتے تھے اور اس کے واقعات تو ان
سے تھے۔ تو یہ آپ نے انہیں خود دیکھا تھا۔ یہ بھی جو کہ ہے کہ یہاں روایت علم کے معنی میں ہیں۔ کیف فعل اسکا یہ اس کے
مستعملوں سے تعلق رکھتا ہے۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کے دشمنوں کے ساتھ ان معجزات کے
پر اسے۔ اسباب فعل کے ساتھ کیا۔ کیف فعل میں استفہام ہے اسے انہما کے لئے ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں
پر دلانی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے مال عمل، اس کی قدرت، اس کے گھر کی عزت اور حضور ﷺ کے شرف پر دلالت کرتی ہیں۔ یہاں یہ
ابحاصات (۱) سے تعلق رکھتا ہے۔ چونکہ اسباب فعل کا قصہ حضور ﷺ کی نبوت کی تمہید، آپ کے ظہور اور بعثت کا مفہوم تھا۔ اور
اسباب میں تو اہل کتاب میں سے نصرانی تھے۔ جس طرح ابن نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے۔ ان کا دین اس حد کے آئین سے جتنے
بیٹہ مردانے توبت پرست تھے۔ ہاتھی اتوار کے دن محرم بن ستر و تاریخ کو آئے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی کہا یہ سب
عہد ان صراف سے اسی پر اتفاق نقل کیا گیا ہے اور کہا گیا کہ اس کے برعکس جو بھی قول نقل کیا ہے وہ وہم ہے۔ ان سال دو ماہ بعد روایت
الاولیٰ کے مہینہ میں حضور ﷺ کی ولادت ہوئی۔ اکثر علماء ان میں رائے ہے۔ کہ زیادہ صحیح ہے۔ یہ قول بھی یہ کیا کہ اس واقعہ سے
روایات نے۔ تمہیں واقع ہونے والے واقعات جو کسی ایسی سستی سے ظہور پذیر ہوں جس نے انہیں نبوت کا دعویٰ نہ کیا ہو۔ یہاں نبوت کے ہونے سے
مترجم ہیں، (۱) مترجم

تیس سال بعد آپ کی ولادت ہوئی۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس واقعہ سے چالیس سال بعد ولادت ہوئی۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ ستر سال بعد ولادت ہوئی۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا تیس سال بعد ولادت ہوئی (1) جبکہ پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ خلاصہ سیر میں اسی طرح ہے۔

اصحاب فیل سے مراد ابرہہ اور اس کے ساتھی ہیں جو یمن کا بادشاہ تھا۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہاتھی اسی تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا بڑے ہاتھی کے علاوہ بارہ تھے (2)۔ بڑے ہاتھی کو محمود کہتے۔ یہاں فیل واحد ذکر کیا کیونکہ باقی ہاتھی بھی اس کی طرف منسوب تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ واحد کا لفظ محض آیات کے سروں کی وجہ سے ذکر کیا۔ اصحاب فیل کا واقعہ جسے محمد بن اسحاق نے بعض علماء سے جنہوں نے اسے سعید بن جبیر اور عمرہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے، انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے اور واقعہ ہی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ نجاشی نے اریاط کو یمن کی طرف بھیجا۔ اس نے یمن پر قبضہ کر لیا۔ ایک آدمی اس کے مخالف اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کا نام ابرہہ تھا۔ یہ اریاط سے سرداری کے بارے میں حسد کرتا تھا تو اس طرح حبشی دو گروہوں میں بٹ گئے۔ ایک جماعت اریاط کی طرف ہو گئی اور دوسری جماعت ابرہہ کے ساتھ ہو گئی۔ وہ آپس میں لڑ پڑے تو ابرہہ نے اریاط کو قتل کر دیا۔ تمام حبشی ابرہہ کے گرد جمع ہو گئے۔ ابرہہ یمن پر قابض ہو گیا اور نجاشی کو اس کے بارے میں آگاہ کیا۔ پھر ابرہہ نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ حج کے ایام میں بیت اللہ کے حج کے لئے مکہ مکرمہ جانے کی تیاریاں کر رہے ہیں تو اس نے صنعاء میں ایک کنیہ بنایا۔ اس نے نجاشی کو خط لکھا کہ میں نے تمہارے لئے صنعاء میں ایک کنیہ بنایا ہے۔ کسی بھی بادشاہ کے لئے ایسی عبادت گاہ نہیں بنائی گئی۔ تم یہاں آؤ تاکہ میں عربوں کے حج کو اس طرف پھیر دوں۔ بنی مالک بن کنانہ کے ایک آدمی نے اس بارے میں سنا، وہ رات کے وقت اس کنیہ کی طرف نکلا، اس میں قضاء حاجت کی اور اس کے قبلہ کو آلودہ کر دیا۔ یہ خبر ابرہہ تک پہنچی۔ ابرہہ نے قسم اٹھائی کہ وہ ضرور کعبہ پر حملہ کرے گا اور اسے گرائے گا۔ اسی نے نجاشی کو خط لکھ بھیجا تاکہ اس کو اس کے بارے میں آگاہ کرے اور یہ بھی لکھ بھیجا کہ محمود ہاتھی بھی بھیج دے۔ اس جیسا بڑا ہاتھی نہیں دیکھا گیا تھا۔ نجاشی نے ہاتھی اس کی طرف بھیج دیئے۔ ابرہہ مکہ مکرمہ پر حملہ کرنے کی نیت سے نکل پڑا۔ عربوں نے اس بارے میں سنا تو یہ چیز ان پر شاق گزری۔ انہوں نے خیال کیا کہ اب ان پر جنگ کرنا فرض ہو چکا ہے۔ یمن کا بادشاہ جسے ذونفر کہتے، ابرہہ کے مقابلہ کے لئے نکلا۔ ابرہہ نے اسے شکست دی۔ ذونفر کو پکڑ لیا، اسے قتل نہ کیا بلکہ اسے باندھ دیا۔ پھر وہ چلا رہا یہاں تک کہ جب خشم کے علاقہ کے قریب پہنچا تو نفیل بن حبیب نخعی نکلا۔ یمن کے قبائل کو اس نے جمع کیا اور ابرہہ سے جنگ کی۔ ابرہہ نے نفیل کو پکڑ لیا۔ نفیل نے کہا میں عرب کی سرزمین کے بارے میں راہنمائی کروں گا تو ابرہہ نے اسے قتل نہ کیا۔ نفیل راستہ بتاتے ہوئے چل پڑا۔ جب وہ طائف کے پاس سے گزرا تو مسعود بن ثقفی ثقیف کے لوگوں کے ساتھ اس کے لئے نکلا۔ اس سے کہا اے بادشاہ ہم تیرے غلام ہیں، ہمارا تیرے ساتھ کوئی جھگڑا نہیں تو اس گھر پر حملہ کرنا چاہتا ہے جو مکہ مکرمہ میں ہے، ہم تیرے ساتھ ایسے آدمی بھیجتے ہیں جو تیری راہنمائی کریں گے۔ انہوں نے اپنا غلام ابورغال ساتھ بھیج دیا۔ جب وہ معتمس کے مقام پر پہنچا تو ابورغال مر گیا۔ یہی وہ شخص ہے جس کی قبر پر پتھر مارے جاتے ہیں۔ معتمس سے ابرہہ نے ایک حبشی کو بھیجا جسے اسود کہا جاتا کہ جاؤ حرم کے جانور ہانک لاؤ۔ وہ حضرت

عبدالطلب نے دوسراونٹ ہانک لایا پھر ابرہہ نے حناطہ حمیری کو مکہ والوں کی طرف بھیجا اور کہا کہ ان کے سردار کے بارے میں یہ نہیں پتا ہے کہ تم سے جنگ کرنے کے لئے نہیں آیا، میں تو اس گھر کو گرانے آیا ہوں حناطہ گیا اور مکہ مکرمہ میں داخل ہو گیا اور حضرت سردار مطلب سے ملا اور ابرہہ کا پیغام دیا۔ عبدالطلب نے کہا ہمارے اندر اس سے جنگ کرنے کی طاقت نہیں اور ابرہہ کے بارے میں مٹا ہونے سے کنارہ کشی اختیار کی اور کہا یہ اللہ تعالیٰ کا گھر ہے اور غمیل اللہ کا گھر ہے، ابرہہ اسے محفوظ رکھے تو یہ اس کا گھر اور ابرہہ کے لئے ہمارے راستہ کو خالی چھوڑ دے تو ہمارے اندر تو اس سے جنگ کرنے کی طاقت نہیں۔ عبدالطلب اونٹوں کے مطالبات کے لئے لشکر میں آئے۔ ذوفنر آپ کا دوست تھا۔ آپ ذوفنر کے پاس آئے۔ ذوفنر نے کہا میں تو ایک قیدی ہوں لیکن میں تمہیں ہاتھیوں کے لیجانے کی طرف بھیجتا ہوں کیونکہ وہ میرا دوست ہے۔ ذوفنر نے انہیں سے کہا یہ قریش کا سردار اور مکہ مکرمہ سے لائے گئے۔ اونٹوں کو مکہ کے جو سرداروں میں لوگوں کو کھانا کھلاتا ہے اور پہاڑوں میں وحشی جانوروں کو کھانا کھلاتا ہے۔ وہ بادشاہ سے ملاقات کا خواہش مند ہے۔ بادشاہ کا ارادہ رکھتے ہیں اور نہ ہی یہ تمہاری مخالفت کرنے والے ہیں۔ لہذا یہ ملاقات کی اجازت دے دی حضرت عبدالطلب نے خواہش اور جسم انسان تھے۔ جب ابرہہ نے آپ کو دیکھا تو آپ کی تعظیم کی اور اسے ناپسند کیا کہ انہیں ساتھ تخت پر بٹھانے سے یہ بھی ناپسند کیا کہ انہیں نیچے بٹھائے۔ اس کے خود نیچے قالین پر بیٹھ گیا۔ پھر آپ کو بلایا اور ساتھ بٹھایا۔ اپنے تہمان سے ہاتھ سے یو چھو، اسے بادشاہ سے کیا کام ہے؟ حضرت عبدالطلب نے کہا میری غرض تو صرف دوسراونٹ ہیں۔ ابرہہ نے کہا جب میں نے تمہیں دیکھا تھا تو تو نے مجھے بہت ہی خوش کیا تھا لیکن اب تو میں غم میں سے گر چکا ہے۔ میں اس گھر کو گرانے آیا ہوں جو تیرے تہمان کا دین ہے۔ یہ تمہارا شرف اور تمہاری عصمت ہے۔ تم نے اس بارے میں مجھ سے کیوں بات نہ کی۔ تم نے صرف دوسراونٹوں کے بارے میں بات کی تو حضرت عبدالطلب نے کہا میں ان اونٹوں کا مالک ہوں اس گھر کا مالک اور تہمان کا مالک اور خواہش میں مخالفت کرنے کا۔ ابرہہ نے کہا وہ مجھ سے اس گھر کو نہیں پیسے گا۔ ابرہہ نے حضرت عبدالطلب کے اونٹ واپس کرنے پر حکم دیا جو آپ کو واپس مردینے گئے۔ حضرت عبدالطلب قریش کے پاس تشریف لائے، انہیں سب چھوڑتا ہوا اور حکم دیا کہ گھریوں میں نہ بٹھو، پہاڑی بیٹیوں پر چڑھ کر اپنی حفاظت کرو تا کہ جیشی تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچائیں۔ قریش نے ایسا ہی کیا۔ حضرت عبدالطلب بعد سے پاس آئے اور وازے کے حلقہ کو پکڑا اور یہ التجا کرنے لگے:

اے میرے رب ان سے اپنے جسم کی حفاظت نہ
انہیں اپنی بستی کو اجازت سے رہے۔

نہ تمہارا میرے رب، تیرے سوا کوئی امید نہیں
بے شک اس گھر کا دشمن تیرا دشمن ہے

اب نے پاشعاً بھی پڑھے:

ان دن صیب، عمرو فریب تیری تدبیر پر تبھی غالب نہ آئے
وہ اپنے لشکر اور ہاتھی تھے۔

گھر کے خادموں کو گرفتار کرنے آئے ہیں
انہوں نے جہانت کی وجہ سے عمرو فریب کے ساتھ تیرے تہمان کو نقصان پہنچا

اب تیرے جلال سے خوفزدہ نہ ہوئے
اگر تو انہیں اور ہمارے بعد کو یا نہیں چھوڑنے والا ہے تو جو ہوتے

اب تیرے جلال سے خوفزدہ نہ ہوئے

اب تیرے جلال سے خوفزدہ نہ ہوئے

چونکہ حضرت عبدالطلب نے حلقہ چھوڑا اور اپنی قوم کے سرداروں کے ساتھ کہیں چلے گئے۔

ابرہہ نے مغمس کے مقام پر مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کی تیاری کی، اپنے لشکر کو تیار کیا، ہاتھی تیار کئے۔ اس ہاتھی جیسا طاقتور اور بڑا ہاتھی پہلے نہ دیکھا گیا تھا۔ اس کے ساتھ بارہ اور ہاتھی بھی تھے۔ نفیل بڑے ہاتھی کی طرف گیا۔ اس کے کان کو پکڑا اور کہا اے محمود مجھ کو اور جہاں سے آیا ہے اسی کی طرف پلٹ جاؤ کیونکہ تو بلد حرام میں ہے۔ ہاتھی بیٹھ گیا۔ انہوں نے اسے اٹھایا مگر اس نے اٹھنے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے اس کے سر پر کدال ماری تو اس نے پھر بھی انکار کر دیا۔ انہوں نے آنکڑے اس کی آنکھوں کے نیچے داخل کئے۔ اسے خوفزدہ کیا تاکہ وہ اٹھے تو اس نے پھر بھی انکار کر دیا۔ انہوں نے اسے یمن کی طرف موڑتے ہوئے اٹھایا تو وہ تیزی سے اٹھ گیا۔ انہوں نے شام کی طرف اس کا منہ کیا تو اس نے اسی طرح جلدی کی۔ مشرق کی طرف منہ کیا تب بھی اس نے جلدی کی۔ جب انہوں نے حرم کی طرف اسے پھیرا تو اس نے اٹھنے سے انکار کر دیا۔ نفیل تیزی سے پہاڑ پر چڑھ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ابا بیلوں جیسے پرندے سمندر کی جانب سے بھیجے۔ ہر پرندے کے ساتھ تین سنگریزے تھے۔ دو ان کے پاؤں میں اور ایک ان کی چونچ میں تھا جو چنے یا مسور کے دانے جتنا تھا۔ جب وہ ابرہہ کے لشکر تک پہنچے تو ان پتھروں کو ان پر برسایا وہ سنگریزہ جس آدمی کو بھی لگا تو وہ ہلاک ہو گیا۔ تمام قوم کو وہ پتھر نہ لگے تھے۔ اس لئے وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ وہ نفیل کو تلاش کر رہے تھے تاکہ انہیں یمن کا راستہ بتائے۔ نفیل ایک پہاڑ سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ لوگ راستوں پر گرتے پڑتے بھاگ رہے تھے اور ہر گھاٹ پر مر رہے تھے۔ کوئی بھی صحیح راستہ پر نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ابرہہ کو ایک مرض لگا دی۔ اس کے پورے گر پڑتے۔ جب بھی کوئی پورا کرتا تو ایک عرصہ تک اس سے خون اور پیپ بہتی رہتی۔ آخر کار صنعاء پہنچ گیا تو اس کی حالت پرندے کے چوزے کی طرح تھی۔ کچھ ساتھی بھی اس کے ساتھ تھے۔ اسے موت نہ آئی یہاں تک کہ سامنے سے اس کا سینہ پھٹ گیا اور وہ مر گیا۔

واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا محمود نامی ہاتھی نجاشی کا ہاتھی تھا۔ اس نے حرم پر چڑھائی نہیں کی تھی اس لئے بچ گیا۔ دوسرے ہاتھیوں نے کیونکہ چڑھائی کی تھی اس لئے ان کو سنگریزے لگے۔

مقاتل بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ نے یہ گمان کیا ہے کہ اصحاب فیل کے حملہ کا سبب یہ تھا کہ قریش کی ایک جماعت تجارت کی غرض سے نجاشی کے علاقہ میں گئی۔ وہ سمندر کے کنارے کے قریب پہنچے پھر ایک گرجا کے قریب گئے جسے قریش نیکل کہتے۔ وہاں انہوں نے پڑاؤ کیا آگ جلائی اور گوشت بھونا۔ جب وہاں سے کوچ کیا تو آگ کو یونہی چھوڑ دیا جبکہ اس میں زیتیز ہوا چل رہی تھی۔ گرجا کو آگ لگ گئی۔ اس کی فریاد نجاشی کو پہنچی تو وہ گرجا کی وجہ سے سخت غضبناک ہوا۔ اس نے ابرہہ کو بیت اللہ گرانے کا حکم دیا۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی کہا ان دنوں سعید ثقفی مکہ مکرمہ میں تھا۔ اس کی بیٹائی نہ تھی۔ وہ موسم گرما طائف میں گزارتا اور موسم سرما مکہ مکرمہ میں گزارتا تھا وہ بڑا ہی دانا آدمی تھا۔ اس کی رائے سے معاملات درست ہو جاتے تھے۔ وہ حضرت عبدالمطلب کا دوست تھا۔ حضرت عبدالمطلب نے اس سے کہا آج تیری کیا رائے ہے؟ بتاتا کہ اس سے فائدہ اٹھایا جائے۔ ابو مسعود نے کہا مجھے حراء کی طرف لے چلو۔ وہ پہاڑ پر چڑھ گئے۔ ابو مسعود نے حضرت عبدالمطلب سے کہا سواونت لو، انہیں اللہ تعالیٰ کے لئے مختص کرو، ان کے گلے میں جوتے ڈالو۔ پھر انہیں حرم میں بھیج دو۔ شائد ان حبشیوں میں سے کوئی انہیں مار ڈالے تو اس گھر کا مالک ان پر غضبناک ہو اور انہیں پکڑ لے۔ عبدالمطلب نے ایسا ہی کیا۔ حبشی ان اونٹوں کی طرف اٹھے ان پر حملہ کیا اور بعض کو مار ڈالا۔ حضرت عبدالمطلب لگا تا رہے تھے۔

ابو مسعود نے کہا ان گھر کا مالک اس کی حفاظت کرے گا کیونکہ اس سے پہلے قریب یہاں آیا تھا اور اس گھر کے دشمن نہیں تھے۔ اس نے اسے گرانے کا قصد کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے محفوظ رکھا تھا اور اسے ایک آزمائش میں ڈال دیا تھا اور نہیں دینا تھا اس پر تاریکی چھائی رہی۔ جب جمع نے یہ دیکھا تو بیت اللہ پر سفید مسیری پڑا اس کا تعارف نہ تھا۔ ان کی تعظیم میں اس نے اونٹ ذبح کئے۔ ابو مسعود نے سمندر کی طرف دیکھا تو کوئی چیز محسوس ہوئی۔ اس نے عبدالمطلب سے کہا سمندر کی طرف دیکھو۔ اللہ نے عبدالمطلب نے سمندر کی طرف دیکھا؟ کجا میں سفید پرندہ دیکھتا ہوں ابو سمندر کی جانب سے آ رہے ہیں۔ ابو مسعود نے انہیں دیکھتے رہو یہ کہاں ٹھہرتے ہیں؟ وہ پرندے ان کے سروں پر چھرنکاتے گئے۔ ابو مسعود نے کہا یہ تم انہیں پیپتے ہو اللہ نے عبدالمطلب نے کہا اللہ کی قسم میں انہیں نہیں پہچانتا۔ نہ یہ خدا کے علق کے ہیں نہ تمہارے ہیں نہ عربی ہیں نہ شامی ہیں۔ اس نے یہ پتہ لگاتے ہیں؟ حضرت عبدالمطلب نے جواب دیا شہد کی عیسیٰ جتنے ہیں ان کی چونچوں میں ایک ایک سنگ زیادہ ہے اور وہ سنگوں میں پڑتے ہیں، نند آگے بڑھے چلے آ رہے ہیں۔ ان کے آگے پرندے جس کی چونچ میں ایک ایک سنگ اور وہ سنگوں میں پڑتے ہیں انہوں نے لشکر کو تھیر لیا اور ان پر ٹھہر گئے۔ جب تمام لوگوں کے اوپر ہو گئے تو ان لشکر بڑوں کو نیچے برناتے رہے۔ ان کے کان مہلکے ہوئے تھے جس پر اسے لایا جا رہا تھا۔ چہ جہاں سے آئے تھے وہاں چھو گئے۔ جب آج ہوں تو ان لوگوں نے ان سے یہ پتہ لگایا تو ایک پہاڑی پر گئے۔ وہاں بھی کوئی زمین کے آثار نہ دیکھے۔ پھر دوسرے نیچے پڑ گئے۔ وہاں بھی کوئی نشان نہ تھا۔ یہ شہد کو مسورتی ہے کیوں کہ رات انہوں نے جاگتے ہوئے تیار کی۔ جب قوم کے لشکر کے قریب گئے تو وہ سب کے پاس گئے۔ پھر ان کے خودوں میں لگا تھا۔ اسے پھانسی کر دیا گیا تھا۔ ان کے ہاتھ تھیں اور جانوروں کو لگا اور ترقی سے زمین میں سے ان کا بے ہوشی حضرت عبدالمطلب اٹھے، انہیں کی ایک کدال لی ایک گہرا گڑھا کھودا اللہ کے لشکر کے سونے جو اہل بیت سے جو یہاں پہنچا گئے بھی ایک گڑھا کھودا، اسے بھی لشکر کے سامان سے جبر دیا۔ ابو مسعود کے کہا آدھا ہو تو میرا گڑھا کھالے ہو چاہتا ہوں یہاں پہنچا تو وہاں لے لو ابو مسعود نے کہا جو چاہا ہو لے لو۔ حضرت عبدالمطلب نے فرمایا میں نے اپنے گڑھے میں تھوڑا سا پتھر جمع کیا ہے۔ ان کے ہاتھوں میں تھیں، اب وہ تمہارا ہے۔ ہر ایک اپنے اپنے گڑھے پر بیٹھ گیا اور حضرت عبدالمطلب نے قریش کے ہاتھوں کو یہ بات کہی۔ باقی ماندہ مال جمع کیا یہاں تک کہ وہ مال ان کے قابو سے باہر ہو رہا تھا۔ حضرت عبدالمطلب انی مال کی کاپی سے قریش کے ہاتھوں سے قریش نے انہیں اپنی قیادت (۱) عطا کی۔ حضرت عبدالمطلب اور ابو مسعود کی ماں کی وجہ سے گھر میں خوشحالی کی حالت تھی۔

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر سے دشمنوں کو دور بھگا دیا۔ (۱)

یہ ان میں استغفار اور انکاری ہے جس طرح الم تر میں استغفار انکاری تھا۔ کلمہ سے مراد ان کا گمراہی اور بیت اللہ کی طرف سے ان کی کوشش ہے۔ فی تضلیل یعنی ان کی کوشش ضائع اور باطل ہے۔

تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

ابو مسعود نے کہا ان گھر کا مالک اس کی حفاظت کرے گا کیونکہ اس سے پہلے قریب یہاں آیا تھا اور اس گھر کے دشمن نہیں تھے۔ اس نے اسے گرانے کا قصد کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے محفوظ رکھا تھا اور اسے ایک آزمائش میں ڈال دیا تھا اور نہیں دینا تھا اس پر تاریکی چھائی رہی۔ جب جمع نے یہ دیکھا تو بیت اللہ پر سفید مسیری پڑا اس کا تعارف نہ تھا۔ ان کی تعظیم میں اس نے اونٹ ذبح کئے۔ ابو مسعود نے سمندر کی طرف دیکھا تو کوئی چیز محسوس ہوئی۔ اس نے عبدالمطلب سے کہا سمندر کی طرف دیکھو۔ اللہ نے عبدالمطلب نے سمندر کی طرف دیکھا؟ کجا میں سفید پرندہ دیکھتا ہوں ابو سمندر کی جانب سے آ رہے ہیں۔ ابو مسعود نے انہیں دیکھتے رہو یہ کہاں ٹھہرتے ہیں؟ وہ پرندے ان کے سروں پر چھرنکاتے گئے۔ ابو مسعود نے کہا یہ تم انہیں پیپتے ہو اللہ نے عبدالمطلب نے کہا اللہ کی قسم میں انہیں نہیں پہچانتا۔ نہ یہ خدا کے علق کے ہیں نہ تمہارے ہیں نہ عربی ہیں نہ شامی ہیں۔ اس نے یہ پتہ لگاتے ہیں؟ حضرت عبدالمطلب نے جواب دیا شہد کی عیسیٰ جتنے ہیں ان کی چونچوں میں ایک ایک سنگ زیادہ ہے اور وہ سنگوں میں پڑتے ہیں، نند آگے بڑھے چلے آ رہے ہیں۔ ان کے آگے پرندے جس کی چونچ میں ایک ایک سنگ اور وہ سنگوں میں پڑتے ہیں انہوں نے لشکر کو تھیر لیا اور ان پر ٹھہر گئے۔ جب تمام لوگوں کے اوپر ہو گئے تو ان لشکر بڑوں کو نیچے برناتے رہے۔ ان کے کان مہلکے ہوئے تھے جس پر اسے لایا جا رہا تھا۔ چہ جہاں سے آئے تھے وہاں چھو گئے۔ جب آج ہوں تو ان لوگوں نے ان سے یہ پتہ لگایا تو ایک پہاڑی پر گئے۔ وہاں بھی کوئی زمین کے آثار نہ دیکھے۔ پھر دوسرے نیچے پڑ گئے۔ وہاں بھی کوئی نشان نہ تھا۔ یہ شہد کو مسورتی ہے کیوں کہ رات انہوں نے جاگتے ہوئے تیار کی۔ جب قوم کے لشکر کے قریب گئے تو وہ سب کے پاس گئے۔ پھر ان کے خودوں میں لگا تھا۔ اسے پھانسی کر دیا گیا تھا۔ ان کے ہاتھ تھیں اور جانوروں کو لگا اور ترقی سے زمین میں سے ان کا بے ہوشی حضرت عبدالمطلب اٹھے، انہیں کی ایک کدال لی ایک گہرا گڑھا کھودا اللہ کے لشکر کے سونے جو اہل بیت سے جو یہاں پہنچا گئے بھی ایک گڑھا کھودا، اسے بھی لشکر کے سامان سے جبر دیا۔ ابو مسعود کے کہا آدھا ہو تو میرا گڑھا کھالے ہو چاہتا ہوں یہاں پہنچا تو وہاں لے لو ابو مسعود نے کہا جو چاہا ہو لے لو۔ حضرت عبدالمطلب نے فرمایا میں نے اپنے گڑھے میں تھوڑا سا پتھر جمع کیا ہے۔ ان کے ہاتھوں میں تھیں، اب وہ تمہارا ہے۔ ہر ایک اپنے اپنے گڑھے پر بیٹھ گیا اور حضرت عبدالمطلب نے قریش کے ہاتھوں کو یہ بات کہی۔ باقی ماندہ مال جمع کیا یہاں تک کہ وہ مال ان کے قابو سے باہر ہو رہا تھا۔ حضرت عبدالمطلب انی مال کی کاپی سے قریش کے ہاتھوں سے قریش نے انہیں اپنی قیادت (۱) عطا کی۔ حضرت عبدالمطلب اور ابو مسعود کی ماں کی وجہ سے گھر میں خوشحالی کی حالت تھی۔

۳۔ اس جملے کا عطف الم يجعل کے مضمون یعنی جعل پر ہے۔ ابابیل طیر کی صفت ہے، یعنی بہت زیادہ پرندے جن کی ایک جماعت دوسری جماعت کے پیچھے آرہی ہے۔ عرب کہتے ہیں جَاءَتْ الْخَيْلُ أَبَابِيلَ مِنْ هَهْنًا وَمِنْ هَهْنًا۔ یہ ابالہ کی جمع ہے جس کا معنی بڑا گٹھا ہے۔ پرندوں کی ایک بڑی جماعت کو گٹھے کے ساتھ تشبیہ دی کیوں کہ وہ پرندے بھی لکڑیوں کی طرح جمع تھے۔ ابو عبیدہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہی کہا ہے۔ فراء رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا واحد نہیں۔ کسائی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ ابول کی جمع ہے جس طرح عجول کی جمع عجاجیل آتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا یہ اہل کی جمع ہے۔ (1)

۴۔ ترمیہم میں ہم ضمیر سے مراد حبشہ کا لشکر ہے۔ یہ جملہ بھی طیر کی صفت ہے۔ سجیل یہ سنگ گل سے عربی زبان میں منقول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہ سجیل سے مشتق ہے جس کا معنی بڑا ڈول ہوتا ہے یا یہ اسجال سے مشتق ہے جس کا معنی ٹھکانہ ہے یا یہ سجیل (مہر) سے مشتق ہے۔ معنی یہ ہوگا یہ بھی اس عذاب میں سے تھیں جو ان کے لئے عذاب لکھا جا چکا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا وہ ایسے پرندے تھے جن کی چونچیں پرندوں کی تھیں اور ہاتھ کتے کے ہاتھوں جیسے تھے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ان کے سر درندوں کے سروں جیسے تھے۔ ربیع نے کہا ان کی داڑھیں درندوں کی داڑھوں جیسی تھیں۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وہ سبز پرندے تھے جن کی زرد چونچیں تھیں۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وہ سیاہ پرندے تھے جو سمندر کی جانب سے جماعت در جماعت آئے تھے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا پتھر کے ساتھ ایک ورقہ بھی تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بھیجا اس نے زور سے پتھر پھینکا۔ وہ پتھر جس آدمی کو بھی لگتا تو اس کی دوسری جانب سے نکل جاتا۔ اگر کسی کے سر پر لگا تو اس کی دبر سے نکل گیا۔ (2)

۵۔ اس جملے کا عطف ارسل پر ہے۔ کعصف ما کول جعل کا دوسرا مفعول ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسی کھیتی اور گھاس کی طرح بنا دیا جسے جانوروں نے کھا لیا ہو اور گوہر بنا دیا ہو۔ فوجیوں کے اعضاء کو الگ الگ کر دینے کو گوہر کے اجزاء کے الگ الگ کر دینے سے تشبیہ دی۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا عصف گندم کے درخت کے پتے ہیں۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے مراد تنکا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس سے مراد وہ چھلکا ہے جو گندم کے دانے پر غلاف کی مانند ہوتا ہے (3)۔ ما کول کا معنی ہے جسے جانوروں نے کھا لیا ہو، واللہ تعالیٰ اعلم۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

سورہ قریش

ایسا تھا ۴ ﴿سورہ قریش مکیہ ۱۰۶﴾ ﴿مکہ مکرمہ﴾

سورہ قریش مکی ہے، اس میں ایک ربوع اور چار آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

”اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے“

لَا یَلْفِیْ قُرَیْشٍ ۱۱ اِلْفِیْهِمْ مِّرْحَلَةٌ الشِّتَاءِ وَالصَّیْفِ ۱۲ فَلَیَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا

الْبَیْتِ ۱۳ الَّذِیْ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوعٍ وَّوَامَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۱۴

”اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے قریش کے دلوں میں الفت پیدا کر دی ہے الفت تجارتی سفر کی جائزہ اور رزق کے موسم میں لے لے چاہئے کہ وہ عبادت کیا کریں اس خاند (کعبہ) کے رب کی سزا جس نے انہیں رزق دے رفقہ سے نجات بخشی اور امن عطا فرمایا انہیں (قتلہ) خوف سے ہے“

۱۔ ابن عامر رحمۃ اللہ علیہ نے بیاء کے بغیر لالف پڑھا ہے۔ ابو جعفر رحمۃ اللہ علیہ نے ہمزہ کے بغیر لیللاف پڑھا ہے۔ سانی نے ۱۰۱۹ بیاء دونوں کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس ایلاف سے پہلے جو لام ہے امام سہلی اور حفص رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک دو تہجہ سے ہے اور محذوف فعل کے متعلق ہے، یعنی عجیبو الایلاف قریش۔ زجاج رحمۃ اللہ علیہ کے کہنا یہ اپنے مابعد فعل کے متعلق ہوگا۔ فقہ برکات یہ ہیں فَلَیَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَیْتِ لِاِیْلَافِ قُرَیْشٍ (۱)، فَلَیَعْبُدُوْا میں فاء جزائیہ ہے کیونکہ کلام شرط کے معنی میں ہے یہ نہ معنی پادشہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شمار نہیں کیا جاسکتا۔ اگر تم ساری نعمتوں کا شکر بجا نہیں لاتے تو صرف اس نعمت کا ہی شکر بجالاؤ۔ یعنی اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ وارہ ہوتا ہے جو جملہ جزاء بن رہا ہو وہ ماقبل میں عمل نہیں کرتا۔ اس صورت میں یہ کہنا زیادہ بہتر ہوگا کہ فاء نہ آئے۔

یہ بھی جائز ہے کہ اس کا تعلق ماقبل سورت کے ساتھ ہو جس طرح شعر میں ہوتا ہے کہ دوسرے مصرعہ کا پہلے مصرعہ کے ساتھ ایسا تعلق ہوتا ہے کہ اس کا معنی اس وقت تک درست نہیں ہوتا جب تک اسے ساتھ نہ ملایا جائے۔ پھر معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اسباب فیل کو ہلاک کیا اور انہیں کھائے ہوئے چارہ کی مانند بنا دیا تاکہ قریش کے لئے موسم سرما اور موسم گرما کا سفر مانوں بنا دیا جائے۔ ان کے ذریعے اصحاب فیل کی ہلاکت کا سنیں۔ پھر اس کی وجہ سے ان کی تعظیم بجالائیں تاکہ دونوں سفروں میں ان کے لئے امن ہو۔ کون بھی سفر میں ان پر زیادتی نہ کرے۔ اسی تعلق کی وجہ سے بعض علماء نے یہ کہا کہ سورہ فیل اور سورہ قریش ایک سورت ہے۔ ان میں سے ایک حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بھی ہیں جن کے مصحف میں ان دونوں کے درمیان کوئی فصل نہیں اس صورت میں لایلاف نہ لام جعل کے متعلق ہوگا۔ قریش نضر بن کنانہ کی اولاد ہے۔ جو نضر کی اولاد ہیں انہیں قریش کہتے ہیں اور جو اس کی اولاد ہیں انہیں نضر

نہیں کہتے۔ یہ لفظ قرش یا تفرش سے مشتق ہے جس کا معنی کمانا اور جمع کرنا ہے۔ عرب کہتے ہیں فُلَانٌ يَفْرُشُ لِعِيَالِهِ وَيَتَقَرَّشُ لِعِيَالِهِ یعنی وہ اپنے گھر والوں کے لئے محنت کرتا ہے یہ لوگ تاجر تھے اور مال و شرف جمع کرنے کے بڑے حریص تھے۔ حضرت معاذ یہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا قریش نام کی وجہ کیا ہے، انہوں نے جواب دیا سمندر میں ایک بڑا جانور ہوتا ہے جسے قریش کہتے ہیں۔ وہ جس سمت سے گزرتا ہے ہر چھوٹے بڑے جانور کو کھا جاتا ہے۔ یہ دوسروں کو تو کھا جاتا ہے لیکن کوئی اسے نہیں کھاتا یہ اوروں پر تو غالب آتا ہے مگر اس پر غلبہ نہیں پایا جاسکتا۔ قاموس میں ہے فَرَشَةُ أَيْ قَطْعُهُ وَجَمْعُهُ مِنْ هَهْنًا وَهَهْنًا اسے کانا اور یہاں وہاں سے جمع کیا اور ایک دوسرے کے ساتھ ملا لیا اسی سے قریش ہے کیونکہ یہ سب حرم میں جمع تھے۔ یہ تجارتی سامان جمع کرتے اور اسے خرید کر لاتے یا اس کی وجہ یہ ہے کہ نضر بن کنانہ ایک روز اپنے کپڑے میں جمع کر ہو کر بیٹھا تھا تو لوگوں نے کہا تفرش۔ یا اس کی وجہ یہ ہے وہ اپنی قوم کے پاس آیا تو قوم کے افراد نے کہا گویا یہ تو مضبوط اونٹ ہے۔ یا اس نام کی وجہ یہ ہے کہ یہ حاجیوں کو جمع کرتے تھے یا یہ قریش کی لغت ہے۔ قریش ایک سمندری جانور ہے جس سے تمام سمندر جانور ڈرتے ہیں۔

فائدہ:۔ وائلہ بن اشجع سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے بنی اسماعیل سے کنانہ کو منتخب کیا، بنی کنانہ سے قریش کو منتخب کیا قریش سے، بنی ہاشم کو منتخب کیا اور بنی ہاشم سے مجھے منتخب کیا۔ اسے امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں لوگ قریش کے پیروکار ہوں گے، مسلمان مسلمان کے اور کافر کافروں کے متفق علیہ (1)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے لوگ اچھائی اور برائی میں قریش کے تابع ہیں۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (2)۔ میں کہتا ہوں شاگرد پہلی حدیث سے مراد قریش کی قوت اور استعداد مراد ہے۔ اسی وجہ سے افضل ترین صحابہ اور اکثر اولیاء انہیں میں سے ہوئے اور دوسری حدیث سے مراد یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے قریش میں سے خاتم النبیین بنا کر مبعوث فرمایا گویا وہی ابتداء میں شرعی احکام اور ایمان لانے کے مخاطب بنے، باقی سب لوگ ان کی تبع میں تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانٍ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ وَأَلَّا يَكْفُرُوا بِاللَّهِ وَاللَّهُ يَكْفُرُ عَنِ الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ۔ ان قریش میں سے جو ایمان لایا اس نے حضور ﷺ کی اتباع کی۔ ایک سنت قائم کی تو ان کے لئے اپنے عمل کا اجر ہے۔ اسی طرح ان لوگوں کے عمل کا بھی اجر ہے جو بعد میں ایمان لائے اور ان کے راستہ پر چلے۔ اسی وجہ سے انبیاء کے بعد وہ لوگوں میں سے افضل ترین ہوتے جس نے ان میں سے کفر کیا اور حضور ﷺ کی مخالفت کی اور اسی حالت پر مر گیا تو اس پر اپنے کفر کا وبال ہے اور اسی طرح ان لوگوں کے کفر کا بھی وبال ہے جو بعد میں کافر رہے جس طرح قابیل نے سب سے پہلے قتل کیا تو جہنم میں جتنے قاتل ہوں گے ان کا عذاب بھی اس کے حصہ میں آئے گا مگر ان کے عذاب میں کمی نہ ہوگی۔ اسے امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ سورۃ الشمس میں ایک حدیث گزر چکی ہے کہ قابیل بد بخت ترین انسان ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع روایت مروی ہے جب تک قریش میں سے دو آدمی بھی باقی رہیں گے یہ معاملہ انہیں میں رہے گا، متفق علیہ۔ (3)

حضرت معاذ یہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے حضور ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا جب تک قریش ایمان پر قائم رہیں گے یہ امر انہیں میں رہے گا، جو آدمی بھی ان سے دشمنی کرے گا اللہ تعالیٰ اسے ذلیل و رسوا کرے گا۔ اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ

نے روایت کیا (1)۔ میں کہتا ہوں یہاں امر سے مراد خلافت ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ قریش خلافت کے مستحق ہیں اس سے مقصود مابعد کی خبر دینا نہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا مطلب یہ ہے جو آدمی عادل قریشی خلیفہ کے خلاف بغاوت کرے اس کے لئے بددعا ہے۔ حضرت سعد حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں جو آدمی قریش کو ذلیل کرنے کا ارادہ کرے گا اللہ تعالیٰ اسے ذلیل و رسوا کرے گا۔ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے قریش کو سات ایسی چیزوں میں فضیلت عطا کی ہے جو چیزیں اور فضیلتیں کسی اور کو نہ پہلے عطا کیں اور نہ ہی بعد میں عطا کی جائیں گی۔ 1۔ اللہ تعالیٰ نے قریش کو یہ فضیلت عطا کی کہ میں ان میں سے ہوں، 2۔ نبوت ان میں ہے، 3۔ بیت اللہ شریف کی دربانی انہیں حاصل ہے، 4۔ حاجیوں کو پانی پلانے کا شرف انہیں حاصل ہے، 5۔ دشمنوں کے خلاف اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد کی، 6۔ ابتدائی دس سالوں میں قریش کے علاوہ کسی نے اللہ تعالیٰ کی عبادت نہ کی، 7۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق ایک سورت نازل فرمائی جس میں ان کے علاوہ کسی کا ذکر نہیں وہ سورۃ قریش ہے (3)۔ اسے حاکم، طبرانی اور بخاری رحمہما اللہ تعالیٰ نے تخریج میں روایت کیا ہے۔ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اسی کی مثل مروی ہے لیکن اس میں یہ ذکر نہیں کہ میں ان میں سے ہوں بلکہ اس میں یہ مذکور ہے کہ قریش میں نبوت، خلافت، دربانی، پانی پلانا اور تین یہ ہیں۔ اصحاب قبل کے خلاف فتح، قریش نے دس سال تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کی اور انہیں میں سورۃ قریش نازل ہوئی۔ اسے طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اوسط میں روایت کیا ہے۔ (4)

۲۔ یہ پہلے ایلاف سے بدل ہے۔ ابو جعفر رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ سب کا اتفاق ہے کہ ہمزہ کے بعد یاء پڑھنے میں تو ہوگی لیکن لکھنے میں نہ ہوگی مگر عبدالوہاب بن فلح نے ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ سے یہ نقل کیا ہے کہ انہوں نے الالف کو لام کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ پہلا ایلاف مطلق ہے بعد میں بدل کے ساتھ اسے مقید کر دیا گیا۔ مقصود اس کی عظمت بیان کرنا ہے کیونکہ ان پر یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت تھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حرم پاک ایک خشک وادی ہے جہاں نہ کھیتی باڑی ہو سکتی ہے اور نہ ہی جانور پالے جاسکتے ہیں۔ اگر تجارت کے ذریعے یہ سفر نہ ہوتے تو ان کے لئے وہاں رہنا اور زندگی بسر کرنا ممکن نہ ہوتا اگر اللہ تعالیٰ ملک کو حرم نہ بنا تا تو وہ ادھر ادھر سفر نہ کر سکتے کیونکہ مکہ مکرمہ کے ارد گرد تو لوٹ مار ہوتی جبکہ قریش کے بارے میں لوگ یہ کہتے یہ اللہ تعالیٰ کے حرم کے مکین ہیں اور اس کے گھر کے رکھوالے ہیں۔ وہ موسم سرما میں یمن کی طرف تجارتی سفر کرتے کیونکہ یہ گرم علاقہ ہے اور موسم سرما میں شام کی طرف سفر کرتے کیونکہ وہ سرد علاقہ ہے وہ تجارت کرتے اور نفع کماتے۔ عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے قریش سخت مصیبت اور بھوک کا شکار تھے۔ حضرت ہاشم رضی اللہ عنہ نے انہیں تجارتی سفروں پر آمادہ کیا۔ وہ فقیر اور غنی میں اپنا نفع تقسیم کرتے تھے یہاں تک کہ ان کا فقیر غنی کی طرح ہو گیا۔ (5)

کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا سب سے پہلے جو شام سے گندم لایا وہ حضرت ہاشم تھے (6)۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ان لوگوں پر

2۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 230 (وزارت تعلیم)

4۔ ایضاً، جلد 9، صفحہ 754

6۔ ایضاً

1۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 497 (وزارت تعلیم)

3۔ مجمع الزوائد، جلد 9، صفحہ 753 (الفلک)

5۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

شام اور یمن کا سفر مشکل پڑتا تھا۔ ملک یمن میں تبالہ اور حرش کا علاقہ بڑا سرسبز و شاداب تھا۔ ساحلی علاقہ کے لوگ سامان سمندر کے ذریعے جدہ کے ساحل پر پہنچا دیتے اور خشک علاقوں کے لوگ اونٹوں اور گدھوں پر محسب پہنچا دیتے۔ شام کا علاقہ بھی سرسبز و شاداب تھا۔ شام کے لوگ غلہ ابطح پہنچا دیتے تھے تو اس طرح قریش قریب سے غلہ لے لیتے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں سفروں سے انہیں چھٹکارا دلایا اور گھر کی مالک کی عبادت کا حکم دیا۔

سے اگر ایلاف کا لام ماقبل کے متعلق ہو یا تعجب کے لئے ہو تو فاء عاطفہ اور سییہ ہوگی۔ اگر وہ مابعد کے متعلق ہو تو یہ زائدہ ہے یا یہ مقدر شرط کا جواب ہے۔ هذا البیت سے مراد کعبہ ہے یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنا ذکر صفت ربوبیت سے کیا بیت کی طرف اس کی اضافت اس لئے کی کیونکہ ان کے امن کا باعث یہی گھر تھا۔

یہ اصحاب فیل کے خوف سے انہیں امن دیا اپنے شہروں میں ڈاکے اور سفر میں ڈاکے سے انہیں امن دیا کیونکہ قریش کو اہل حرم سے بنا دیا۔ ضحاک، ربیع اور سفیان رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا بستی کو تباہ ہونے سے امن دیا (۱) کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی کہ اے اللہ اس شہر کو امن عطا فرما اور یہاں کے رہنے والوں کو پھلوں سے رزق عطا فرما۔ اس لئے وہ ایسی آفت سے محفوظ رہے جو تمام لوگوں کو پہنچتی۔

ابوالحسن قزوینی سے ایک موقوف روایت مروی ہے اگر دشمن یا کسی اور چیز کا خوف ہو تو سورہ قریش کی قرأت اس کے لئے ہر تکلیف اور مصیبت سے امان ہوتی ہے۔ جزری نے حصین حصین میں ذکر کیا کہ یہ نسخہ مجرب ہے۔ میں کہتا ہوں میرے شیخ اور میرے امام نے ہر مصیبت اور تکلیف سے بچنے کے لئے سورہ قریش پڑھنے کا حکم دیا اور کہا یہ ایک مجرب وظیفہ ہے۔ میں کہتا ہوں میں نے خود اس کا کئی دفعہ تجربہ کیا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

www.nafseislam.com

سورة الماعون

﴿ اِسْمَاتُهَا ﴾ ﴿ سُوْرَةُ الْمَاعُوْنِ مَكِّيَّةٌ ١٠٤ ﴾ ﴿ رُكُوْعُهَا ١ ﴾

سورة الماعون کی ہے، اس میں ایک رکوع اور سات آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

”اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے“

اَسْرَعَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالْاٰیٰتِ ۙ قَدْ لِكَ الَّذِي يَدْعُ الْيَتِيْمَ ۙ وَلَا يَحْصُ
عَلٰى طَعَامِ الْبٰسِكِيْنَ ۙ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۙ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلٰتِهِمْ
سَاهُوْنَ ۙ الَّذِيْنَ هُمْ يُرٰءَوْنَ ۙ وَيَسْعَوْنَ الْمَاعُوْنَ ۙ

”کیا آپ نے دیکھا ہے اس کو جو جھٹلاتا ہے (روز) جزاء کو۔ پس یہی وہ (بد بخت) ہے جو دھکے دے کر نکالتا ہے یتیم کو۔ اور نہ ہی برا بیخیز کرتا ہے (دوسروں کو) کہ غریب کو کھانا کھلائیں۔ پس خرابی ہے ایسے نمازیوں کے لئے جو اپنی نماز (کی ادائیگی) سے غافل ہیں۔ وہ جو ریاء کاری کرتے ہیں۔ اور (مانگے بھی) نہیں دیتے روزمرہ استعمال کی چیز کے“

۱۔ استفہام تعجب کے لئے ہے اور روایت البصار (دیکھنا) اور معرفت (پہچاننا) کے معنی میں ہے۔ اسی وجہ سے اس کا ایک مفعول ہے جو موصول اور صلہ ہے۔ صاحب البحر الموانج نے کہا یہاں استفہام تقریر کے معنی میں ہے اور روایت علم کے معنی میں ہے اور اسم موصول مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی اَزْ اٰیٰتِ ذٰلِكَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالْاٰیٰتِ ۙ۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ آیات عاصم بن وائل سہمی کے حق میں نازل ہوئیں۔ سدی، مقاتل اور ابن کيسان رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا یہ ولید بن مغیرہ کے حق میں نازل ہوئی۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ عمرو بن عاصم بن مخزومی کے حق میں نازل ہوئیں ان اقوال کی روشنی میں سورت کا ابتدائی حصہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوا اور سورت کا آخری حصہ مدینہ طیبہ میں نازل ہوا۔ اسی طرح کا ایک قول موجود ہے۔ عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ سورت ایک منافق کے حق میں نازل ہوئی (1)۔ اس صورت میں اسم موصول سے مراد معین شخص ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اسم موصول جنس کے معنی میں ہے۔ الدین سے مراد اسلام ہے یا جزاء ہے۔

۲۔ ذٰلِكَ اسم اشارہ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ تقدیر کلام اسی طرح ہے فہو ذٰلِكَ اور فاء سببیہ ہے اور جملہ سابقہ جملہ کے لئے تعلیل کے قائم مقام ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا اس میں فاء جزائیہ ہے اور اس کی شرط محذوف ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی کیا آپ نے اسے پہچان لیا ہے جو روز جزاء کو جھٹلاتا ہے۔ اگر تم اسے نہیں پہچانتے تو وہ یہ ہے جو یتیم پر ظلم کرتا ہے اور اسے حق سے محروم کر دیتا ہے۔ دع کا

معنی سختی کے ساتھ دور کرنا ہے۔

یعنی وہ اپنے آپ کو، گھر والوں کو اور دوسروں کو اس بات پر برا بھلا نہیں کرتا کہ وہ انہیں کھانا کھلائیں کیونکہ وہ روز جزاء کو جھنلاتا ہے۔
 ہے، فویل میں فاء جزا یہ ہے۔ معنی یہ بنے گا جب یتیم سے لاپرواہی کرنا دین کی کمزوری اور مذمت کا باعث ہے تو نماز جو دنیا کا ستون ہے۔ اس سے غفلت اور ریاء جو کفر کا ایک حصہ ہے اور زکوٰۃ جو اسلام کا پل ہے اسے ادا نہ کرنا۔ اس کی وجہ سے وہ زیادہ مذمت اور توبیح کا مستحق ہے۔ اسی وجہ سے فاء کے بعد ویل کا ذکر کیا۔ اسم ضمیر کی جگہ مصلین کا لفظ ذکر کیا تاکہ اس امر پر دلالت ہو کہ خالق و مالک کے ساتھ ان کا یہ معاملہ ہے۔ ساہون کا معنی ہے کہ وہ غافل ہیں اور وہ کوئی پرواہ نہیں کرتے۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت معصب بن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے اور وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ ہم عن صلواتہم ساہون کا کیا مطلب ہے تو آپ نے فرمایا وقت میں نماز ادا نہ کرنا۔ ابن جریر اور ابو یعلیٰ رحمہما اللہ تعالیٰ کی روایت میں ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو نماز کو اپنے وقت سے مؤخر کرتے ہیں (1)۔ ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وہ نماز کو اپنے وقت میں ادا نہیں کرتے اور نہ ہی اپنا رکوع و سجود مکمل کرتے ہیں۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وہ اس چیز کی کوئی پرواہ نہیں کرتے کہ اس نے نماز پڑھی یا نہ پڑھی۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اگر وہ نماز پڑھیں تو انہیں ثواب کی کوئی امید نہیں ہوتی۔ اگر چھوڑ دیں تو انہیں سزا کا کوئی خوف نہیں ہوتا۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وہ نماز پڑھتے ہوئے بھی اس سے غافل ہوتے ہیں اور سستی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس سے مراد وہ آدمی ہے جو نماز پڑھے تو ریاکاری سے کام لے اور اگر نماز فوت ہو جائے تو اس پر شرمندہ نہ ہو۔ (2)

یہ روایت سے باب مفاعلہ ہے کہ وہ لوگوں کو اپنے اعمال اس لئے دکھاتے ہیں تاکہ لوگ ان کی تعریف کریں۔ حضور ﷺ نے فرمایا جس نے ریاکاری کرتے ہوئے نماز پڑھی تو اس نے شرک کیا جس نے ریاکاری کرتے ہوئے روزہ رکھا تو اس نے شرک کیا جس نے ریاکاری کرتے ہوئے صدقہ کیا تو اس نے شرک کیا۔ اسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے شداد بن اوس سے روایت کیا۔ (3)

7۔ قطرب نے کہا ماعون کا معنی تھوڑی چیز ہے۔ یہاں اس سے مراد زکوٰۃ ہے۔ حضرت علی، حضرت ابن عمر، حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہم، قتادہ اور ضحاک رحمہما اللہ تعالیٰ سے یہی مروی ہے۔ زکوٰۃ کو ماعون اس لئے کہا کیونکہ کثیر مال سے تھوڑا سا حصہ دینا ہوتا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا ماعون سے مراد کلبازی، ڈول، ہنڈیا اور اس جیسی چیزیں ہیں۔ یہی سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ماعون سے مراد ادھار مانگی ہوئی چیز ہے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کی بلند ترین صورت زکوٰۃ اور ادنیٰ صورت ادھار کی چیز ہے۔ محمد بن کعب اور کلبی رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا ماعون سے مراد وہ چیز ہے جو لوگ ایک دوسرے کو دیتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ماعون سے مراد وہ چیز ہے جس کو روکنا حلال نہیں سمجھا جاتا جیسے پانی، نمک اور آگ (4)۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ پانی کی تو خیر نمک اور آگ کی کیا حیثیت ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا اے حمیرا جس نے آگ دی گویا اس نے وہ تمام چیزیں صدقہ کیں جو

1۔ الدر المنثور زیر آیت ہذا

2۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

3۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 126 (صادر)

4۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

اس آگ پر پکائی گئیں، جس نے نمک دیا اس نے وہ تمام چیزیں صدقہ کیس جن میں وہ نمک ملایا گیا، جس نے کسی کو ایسی جگہ پانی پلایا جہاں پانی مل جاتا ہے تو گویا اس نے ایک غلام صدقہ کیا اور جس نے ایسی جگہ کسی کو پانی پلایا جہاں پانی نہیں ملتا تو گویا اس نے اسے زندہ کیا۔ اسے ابن ماجہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا۔ ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ نے ابی طلحہ کے واسطے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ فویل للمصلین والی آیت منافقین کے حق میں نازل ہوئی، جب وہ حاضر ہوتے تو مسلمانوں کو دکھانے کے لئے نماز پڑھتے اور جب غائب ہوتے تو نماز نہ پڑھتے اور کوئی چیز ادھار نہ دیتے (1)۔ مدارک میں ہے حضرت انس اور حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے تمام تر تعریفیں ہیں اس ذات پاک کی جس نے عن صلاتہم ساہون فرمایا ہے فی صلاتہم نہیں فرمایا (2) کیونکہ عن الصلوۃ سہو کا معنی ترک کرنا، اس سے اعراض کرنا اور اس کی طرف توجہ نہ کرنا ہے۔ یہ منافقوں کا عمل ہے۔ فی الصلوۃ سہو کا معنی نفس اور شیطان کا دوسرے ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے پناہ چاہے اور جتنی طاقت رکھتا ہو اس دوسرے کو دور کرے اور جس کی طاقت نہ رکھتا ہو اس پر معافی کا خواستگار ہو۔ حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ شیطان میرے اور میری نماز اور میری قرأت کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور اسے میرے اوپر خلط ملط کر دیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ شیطان ہے جسے خنزب کہتے ہیں۔ جب تجھے محسوس ہو تو اس کے شر سے اللہ کی پناہ چاہو اور اپنی بائیں جانب تین دفعہ تھوک دو۔ میں نے ایسے ہی کیا تو اللہ تعالیٰ نے شیطان کو مجھ سے دور کر دیا۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا (3)۔ قاسم بن محمد سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ مجھے نماز میں وہم ہو جاتا ہے اور بہت زیادہ ہوتا ہے۔ تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا نماز جاری رکھو کیونکہ یہ سلسلہ تیری نماز کے مکمل ہونے تک جاری رہے گا اور تو کہے گا میں نے اپنی نماز مکمل نہیں کی، واللہ تعالیٰ اعلم۔

نفس اسلام
WWW.NAFSEISLAM.COM

سورة الكوثر

﴿ اياتها ۳ ﴾ ﴿ سورة الكوثر مكية ۱۰۸ ﴾ ﴿ ركوعها ۱ ﴾

سورة الكوثر مکی ہے، اس میں ایک رکوع اور تین آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

”اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے“

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ایک روز حضور ﷺ ہمارے درمیان تشریف فرما تھے کہ آپ کو اونگھ آئی۔ پھر حضور ﷺ نے مسکراتے ہوئے اپنا سرا پر اٹھایا۔ ہم نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ کس چیز نے آپ کو ہنسایا؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا مجھ پر ابھی ایک سورت نازل ہوئی ہے۔ تو آپ نے اس سورت کو تلاوت کیا۔ حضور ﷺ نے آپ سے پوچھا کیا تم جانتے ہو کہ کون کیا ہے؟ ہم نے عرض کی اللہ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ ایک نہر ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے، اس پر خیر کثیر ہے۔ یہ ایک حوض ہے، قیامت کے روز میری امت اس پر وارد ہوگی، اس کے برتن ستاروں کی تعداد کے برابر ہیں۔ ایک بٹھو کو اس حوض سے الگ کر دیا جائے گا۔ میں عرض کروں گا یہ میری امت ہے۔ تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا تو کیا جانے کہ اس نے تیرے بعد کیا کیا (1)۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ضعیف سند سے ابو ایوب سے روایت نقل کی ہے کہ جب حضور ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کا وصال ہوا تو مشرک ایک دوسرے کے پاس گئے اور کہا کہ اس بے دین (نعوذ باللہ) کی آج رات نسل کا ختم کر دی گئی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس سورت کو نازل فرمایا (2)۔ ابن منذر نے ابن جریج رحمہما اللہ تعالیٰ سے بھی اسی طرح نقل کیا ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے شمر بن عطیہ سے نقل کیا ہے کہ عقبہ بن ابی معیط کہا کرتا تھا کہ حضور ﷺ کا بیٹا کوئی نہیں بچا۔ اس لئے اس کی نسل ختم ہوگئی۔ تو اللہ تعالیٰ نے عقبہ کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے فَصَّلْ لِيَوْمِكَ وَانْحَزْ كِي تَقْسِمُ كِي بَارِءِ كِي فِي نَقْلِ كِي كِي كِي كِي آیت حدیبیہ کے روز نازل ہوئی۔ حضرت جبرئیل آئے اور کہا جانور ذبح کرو اور واپس پلٹ جاؤ۔ آپ اٹھے قصر (بال کٹوانا) اور نحر (قربانی ذبح کرنا) کے بارے خطبہ ارشاد فرمایا۔ پھر آپ نے دو رکعت ادا کیں۔ پھر آپ قربانی کے جانوروں کی طرف متوجہ ہوئے، انہیں ذبح کیا (3)۔ یہ روایت بہت ہی غریب ہے۔ بزار رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے راویوں نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ کعب بن اشرف مکہ مکرمہ آیا تو قریش مکہ نے کہا تو مدینہ کا سردار ہے، ہمیں قوم سے الگ تھلگ ہونے والے شخص کے بارے میں بتاؤ جو یہ گمان کرتا ہے کہ ہم مجرم ہیں جبکہ ہم بیت اللہ کا حج کرتے ہیں، حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں اور بیت اللہ کے خادم ہیں۔ تو کعب بن اشرف نے کہا تم اس سے بہتر ہو۔ تو یہ آیت نازل ہوئی اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ۔ (4)۔ ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ

2۔ معجم کبیر، جلد 4، صفحہ 179 (العلوم والحکم)

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 172 (قدیمی)

4۔ ایضاً، جلد 6، صفحہ 690

3۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 90-689 (العلمیہ)

علیہ نے مصنف میں اور ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ نے عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا کہ جب حضور ﷺ کی طرف وحی کی گئی تو قریش نے کہا محمد ﷺ ہم سے کٹ گئے۔ تو یہ آیت نازل ہوئی إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ مَا بِنِ ابْنِ حَاتِمٍ نے سدی رحمہما اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے جب کسی آدمی کے بچے فوت ہو جاتے تو عرب کہتے فلاں کی نسل ختم ہو گئی۔ جب حضور ﷺ کا بچہ فوت ہوا تو عاص بن وائل نے کہا حضرت محمد ﷺ کی نسل ختم ہو گئی۔ تو یہ آیت نازل ہوئی (1)۔ یہی رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل میں اسی کی مثل محمد بن علی بن حسین سے نقل کیا اور بچے کا نام قاسم لیا۔ یہی رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل میں مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت عاص بن وائل کے بارے میں نازل ہوئی جس نے یہ کہا تھا میں محمد ﷺ کا دشمن ہوں۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ عاص بن وائل سہمی نے حضور ﷺ کو مسجد سے نکلنے ہوئے دیکھا جبکہ وہ اس میں داخل ہو رہا تھا۔ دونوں کی ملاقات بنی سہم کے دروازے پر ہوئی۔ دونوں نے گفتگو کی جبکہ قریش کے سردار مسجد میں بیٹھے ہوتے تھے۔ جب عاص ان کے پاس گیا تو سرداروں نے کہا تو کس کے ساتھ بات کر رہا تھا؟ تو اس نے جواب دیا اس کے ساتھ جس کی نسل ختم ہو چکی ہے۔ ان دنوں حضور ﷺ کا ایک بیٹا جو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن سے ہوا تھا، فوت ہو گیا تھا۔ محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے یزید بن رومان سے نقل کیا ہے کہ جب حضور ﷺ کا ذکر ہوتا تو وہ کہتا اسے چھوڑو اس کی تو کوئی نسل ہی نہیں۔ جب یہ خود فوت ہو جائے گا تو اس کا ذکر ختم ہو جائے گا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس سورت کو نازل فرمایا۔ (2)

میں کہتا ہوں میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ ان آیات کا نزول حضور ﷺ کے صاحبزادے حضرت قاسم کی وفات پر نہیں ہوا کیونکہ حضرت قاسم کا وصال ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں ہو گیا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ ان کا وصال اعلان نبوت سے بھی پہلے ہوا۔ محمد بن علی رحمۃ اللہ علیہ سے جو روایت مروی ہے وہ جابر جعفی کی روایت ہے جو کذاب ہے جبکہ حضرت ابراہیم کا وصال سن دس ہجری کو ہوا۔ واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول کو یقین کے ساتھ ذکر کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ منگل کا دن تھا اور ربیع الاول کی دسویں تاریخ تھی۔ سمیل الرشاد میں بھی اسی طرح ہے۔ اس سورت کے نزول کے بارے میں صحیح روایت وہ ہے جو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی اور بزار رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کی کہ جب کعب بن اشرف مکہ مکرمہ آیا اور اس نے وہ بات کی جو ذکر ہو چکی ہے تو یہ سورت نازل ہوئی، واللہ تعالیٰ اعلم۔

إِنَّا أَعْطَيْنَكَ الْكَوْثَرَ ۖ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۗ إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ ۝

”بے شک ہم نے آپ کو (جو کچھ عطا کیا) بے حد و حساب عطا کیا۔ پس آپ نماز پڑھا کریں اپنے رب کے لئے اور قربانی دیں (اسی کی خاطر)۔ یقیناً آپ کا جو دشمن ہے وہی بے نام و نشان ہو گا۔“

۱۔ اہل لغت نے کہا کثیر کثرت سے فاعل کا وزن ہے جس طرح نزل نقل سے ہے۔ عرب ہر ایسی چیز کو کثیر کہتے ہیں جو تعداد اور قدر و شان میں کثیر ہو۔ اسی وجہ سے وہ روایت بھی اس کی تائید کرتی ہے جسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابو بشر اور عطاء بن سائب رحمہما اللہ تعالیٰ سے، انہوں نے سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا کہ کثیر کا معنی خیر کثیر ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو عطا کیا۔ ابو بشر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا میں نے سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ کثیر سے مراد جنت کی ایک نہر ہے۔ تو انہوں نے جواب دیا جنت کی نہر تو ان میں سے ایک ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو خیر کثیر

عطا کیا (1)۔ اسی وجہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے الکوفہ کا الف لام جنسی قرار دیا اور یہ گمان کیا کہ حوض تو اس خیر کثیر میں سے ایک ہے۔ اسی طرح جس نے اس کی تفسیر نبوت اور قرآن سے کی زیادہ مناسب یہ ہے کہ الف لام کو عہد خارجی پر محمول کیا جائے۔ اس کی تفسیر وہی ہے جس کی وضاحت حضور ﷺ نے کی جس طرح ہم نے وہ روایت ذکر کی جو حضرت مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں جنت میں داخل ہوا تو اچانک میں ایک نہر پر پہنچا جس کے دونوں کناروں پر موتیوں کے خیمے تھے جس میں پانی چل رہا تھا۔ اس میں میں نے ہاتھ ڈالا تو خالص مشک کی طرح خوشبودار تھا۔ میں نے پوچھا اے جبرئیل یہ کیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا یہی وہ کوثر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کی ہے (2)۔ امام احمد اور امام ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک مرفوع روایت مروی ہے فرمایا وہ دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھی ہے۔ اس میں ایسے پرندے ہیں جن کی گردنیں اونٹوں کی گردنوں جتنی لمبی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ وہ تو بڑے نرم اور ملائم ہوں گے۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا اے عمران کا کمانا اس سے بھی نرم و ملائم ہوگا۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسامہ بن زید سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت حمزہ بن مطلب رضی اللہ عنہ کی بیوی نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ کو جنت میں ایک نہر عطا کی گئی ہے جسے کوثر کہتے ہیں۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا ہاں اس کی زمین یا قوت، مرجان، زبرجد اور موتی کی ہے۔ موتی اتنا بڑا ہوگا جتنا ایلہ اور صنعا کا درمیانی فاصلہ ہے۔ اس میں ستاروں کی تعداد کے برابر لوٹے ہوں گے۔ (3)

طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیفہ سے اس آیت کے بارے میں نقل کیا ہے کہ یہ جنت میں ایک بڑی نہر ہے جس میں سونے اور چاندی کے برتن ہیں جن کی تعداد اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کوئی نہیں جانتا (4)۔ امام احمد اور امام ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے نقل کیا اور اسے صحیح قرار دیا اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کوثر جنت میں ایک نہر ہے جس کے کنارے سونے کے ہیں اور پانی موتی پر چل رہا ہے (5)۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نقل کیا ہے کہ آپ سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا یہ جنت میں ایک نہر ہے جو تمہارے نبی کو عطا کی گئی (6)۔ حوض کا ذکر پچاس سے اوپر صحابہ سے مروی ہے جن میں خلفاء اربعہ، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت حسن بن علی، حضرت حمزہ بن عبدالمطلب، حضرت عائشہ، حضرت ام سلمہ، حضرت ابوہریرہ، حضرت ابی بن کعب، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور دوسرے صحابہ ہیں۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بدور سا فرہ میں ستر کے قریب روایات نقل کی ہیں۔

اس میں فناء سبب ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو کچھ عطا کیا ہے اس پر شکر بجالاتے ہوئے اخلاص کے ساتھ نماز پڑھئے، نہ کہ ان لوگوں کی طرح جو اوروں کے لئے نماز پڑھتے ہیں اور قربانیاں کرتے ہیں کیونکہ نماز شکر کی تمام اقسام کو جامع ہے، یعنی زبان، دل اور اعضاء کے ذریعے شکر کرنے کو شامل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی ہے کہ ہمیشہ نماز پڑھو اور اونٹ ذبح کیجئے کیونکہ عربوں کے نزدیک یہی سب سے بہترین مال ہے اور اسے تیموں اور مسکینوں پر صدقہ کیجئے، نہ کہ ان لوگوں کی طرح معاملہ کیجئے جو تیموں اور

2- مستدرک حاکم، جلد 1، صفحہ 152 (العلمیہ)

1- صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 724 (وزارت تعلیم)

4- معجم اوسط، جلد 2، صفحہ 580 (المعارف)

3- معجم کبیر، جلد 3، صفحہ 152 (العلوم، الکلم)

6- صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 742 (وزارت تعلیم)

5- جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 172 (وزارت تعلیم)

مسکینوں کو دور بھگاتے ہیں اور ضرورت کی چیزیں دینے سے انکار کر دیتے ہیں۔ یہ سورت ماقبل سورت کے مقابلہ کی طرح ہے۔
 عکرمہ، عطاء اور قتادہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا اس کا معنی یہ ہے یوم نحر کو عید کی نماز پڑھو اور اپنی قربانیاں کرو۔ اس صورت میں نماز عید اور قربانی کا جو ب ثابت ہوتا ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا فرض نماز پڑھو عرفات میں اور منیٰ میں جانور قربان کرو۔ ابن جوزاء رحمۃ اللہ علیہ سے روایت مروی ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کی گئی کہ اس کا معنی یہ ہے اپنے رب کی نماز پڑھو اور نماز میں اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر سینے پر رکھو۔ (1)

اس شاننی سے مراد دشمن اور بغض رکھنے والا ہے۔ یعنی آپ کے دشمن کا کوئی نام و نشان نہ رہے گا، یعنی اس کا حسن ذکر نہ ہوگا بلکہ اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں اور تمام لوگوں کی طرف سے اس پر لعنت ہوتی رہے گی۔ اس پر یہ اعتراض نہیں کیا جاسکتا کہ وائل کے تو دو بیٹے تھے، ایک کا نام عمرو اور دوسرے کا ہشام تھا۔ تو اس کے لئے نسل کے ختم ہونے کی بات کس طرح درست ہو سکتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے یہ دونوں مسلمان ہو گئے تھے۔ اس لئے وائل اور اس کے بیٹوں کے درمیان تعلق ختم ہو گیا بلکہ وہ تو اس کے وارث بھی نہیں بن سکتے کیونکہ وہ اب حضور ﷺ کے ابناء میں شمار ہو گئے اور آپ ﷺ کی ازواج مطہرات ان کی مائیں بن گئیں ان کی خیر کو معرف بالام ذکر کیا گیا اور درمیان میں ضمیر فصل ذکر کی گئی تاکہ حصہ پر دلالت ہو۔ معنی یہ ہوا کہ آپ ابتر نہیں بلکہ آپ کا ذکر اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ ہمیشہ رہے گا اور آپ کی اچھی شہرت اور فضیلت کے آثار ہمیشہ باقی رہیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا اعلان ہے آپ ﷺ کی ہر اگلی ساعت پہلی ساعت سے بہتر ہوگی اور آپ ﷺ کی امت کے مومنین کا ذکر فرشتوں اور مومنین کی زبانوں پر ہوگا کیونکہ وہ یہ کہتے ہیں:

اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ، وَاللَّهُ تَعَالَى اعْلَمُ۔

www.muhammadsaleem.com
 نَفْسِ اسْلَامِ
 WWW.NAFSEISLAM.COM

سورة الكافرون

﴿ اياتها ٢ ﴾ ﴿ سورة الكافرون مكية ١٠٩ ﴾ ﴿ ركوعها ١ ﴾

سورة الكافرون مکی ہے، اس میں ایک رکوع اور چھ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

طبرانی اور ابن ابی حاتم رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ قریش نے حضور ﷺ کو یہ پیشکش کی کہ وہ آپ کو اتنا مال دیں گے کہ آپ اہل مکہ میں سے سب سے مالدار بن جائیں گے، جس عورت سے چاہیں گے اس سے آپ کی شادی کر دیں گے اور ہم یہ کہیں گے اے محمد یہ سب کچھ آپ کا ہے۔ پس تم ہمارے معبود کو برا بھلا کہنا چھوڑ دو۔ اگر تم ایسا نہیں کرتے تو ایک سال ہمارے معبودوں کی عبادت کرو، ہم ایک سال تمہارے معبودوں کی عبادت کریں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں اپنے رب کے حکم کا انتظار کرتا ہوں (1)۔ عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے وجہ سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کو نقل کیا ہے کہ قریش نے کہا کہ اگر تمہیں یہ خوش کرے کہ ہم ایک سال آپ کی پیروی کریں اور ایک سال کے لئے آپ ہماری طرف پلٹ آئیں (تو ہم ایسا کرنے کو تیار ہیں) (2)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے سعید بن دینار سے نقل کیا ہے کہ ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل، اسود بن عبدالمطلب اور امیہ بن خلف حضور ﷺ سے ملے۔ انہوں نے کہا اے محمد آؤ جس کی ہم عبادت کرتے ہیں تم بھی اس کی عبادت کرو اور ہم اس کی عبادت کریں گے جس کی تم عبادت کرتے ہو، ہم سب اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس سورت کو نازل فرمایا (3)۔

قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ ۚ لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ ۚ وَلَا أَنْتُمْ عِبُدُونَ مَا أَعْبُدُ ۚ

وَلَا أَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُمْ ۚ وَلَا أَنْتُمْ عِبُدُونَ مَا أَعْبُدُ ۚ لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ ۚ

”آپ فرمادیجئے اے کافرو! میں پرستش نہیں کیا کرتا (ان بتوں کی) جن کی تم پرستش کرتے ہو۔ اور نہ ہی تم عبادت کرنے والے ہو اس (خدا) کی جس کی میں عبادت کیا کرتا ہوں۔ اور نہ ہی میں کبھی عبادت کرنے والا ہوں جس کی تم پوجا کیا کرتے ہو۔ اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کیا کرتا ہوں۔ تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور میرے لئے میرا دین ہے۔“

۱۔ یہ اس مخصوص جماعت کو خطاب ہے۔ جنہوں نے حضور ﷺ سے صلح کی بات کی تھی ان سے کافروں کے لفظ کے ساتھ اس لئے خطاب کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ ما سے مراد بت ہیں۔ اس آیت میں اس امر کی نفی ہے کہ میں زمانہ مستقبل میں تمہارے ساتھ بتوں کی عبادت میں موافقت نہیں کروں گا تا کہ یہ سوال کے مطابق ہو جائے کیونکہ انہوں نے حضور ﷺ

سے یہی مطالبہ کیا تھا کہ زمانہ مستقبل میں صلح اور مصالحت ہو جائے جبکہ زمانہ حال میں تو مخالفت ظاہر اور واضح تھی اور جس طرح امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا لا صرف اس مضارع پر داخل ہوتا ہے جو حال کے معنی میں ہو۔

اسے تم زمانہ مستقبل میں اس ذات کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ یہ معنی اس لئے کیا کیونکہ یہ لا اعبدا کے مقابلہ میں ہے۔ یہاں ما کو من کی جگہ ذکر کیا تاکہ ماقبل کے کلام کے موافق ہو جائے۔ یا یہاں اس سے صفت مراد ہے۔ گویا کلام یہ فرمائی میں باطل کی پوجا نہیں کرتا اور نہ ہی تم حق کی پوجا کرو گے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہ ما مصدریہ ہے۔

یہ، ہے ہشام رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں جگہ عابدون اور عابد کو امالہ کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ اکثر علماء معانی کا یہ قول ہے کہ قرآن حکیم عربی زبان اور ان کے اسلوب خطاب پر نازل ہوا۔ عربوں کے اسلوب میں تکرار کے یہ مقاصد ہیں کہ کلام میں تاکید لائی جائے اور مخاطب کو بات سمجھائی جائے۔ جس طرح اختصار کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ تخفیف اور اختصار کا ارادہ کیا جائے یہاں تکرار تاکید کے لئے ہے۔ تیسری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کلام میں تکرار وقت کے تکرار کی وجہ سے ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے کہا تھا اگر آپ کو یہ بات خوش کرے کہ ہم ایک سال تک آپ کے دین میں داخل ہو جائیں تو ایک سال کے لئے آپ ہمارے دین میں داخل ہو جائیں تو یہ سورت نازل ہوئی۔ گویا دونوں وقتوں میں مشارکت کی نفی ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا پہلے دونوں ما کے کلمات الذی کے معنی میں ہیں اور دوسرے دونوں مصدری معنی میں ہیں۔ یہاں مقصود معبود کی حیثیت میں مشارکت کی نفی ہے، عبادت کی کیفیت میں مشارکت کی نفی نہیں۔

یعنی جس دین پر تم ہو اس کو تم کبھی نہیں چھوڑو گے اور جس دین پر میں ہوں میں اسے کبھی نہیں چھوڑوں گا۔ تو یہ خبر ہے جس طرح مابعد کلام خبر ہے، یعنی جس دین پر میں ہوں میں اسے کبھی بھی نہیں چھوڑوں گا ان شاء اللہ اس میں نہ کفر کی اجازت کا مسئلہ ہے اور نہ ہی جہاد سے روکنے کا حکم ہے۔ بلکہ یہ کلام سابقہ کلام کی تذکیل اور تاکید ہے۔ خبر کو مقدم اس لئے ذکر کیا تاکہ حصر کا فائدہ دے۔ اس میں یہ حکم لگانے کی کوئی ضرورت نہیں کہ اس آیت کا حکم آیت قال سے منسوخ ہو گیا ہے۔ اس کی تفسیر ایک دوسرے کو چھوڑنے اور ایک دوسرے کو اپنے دین پر قائم رکھنے کی تفسیر کرنا جائز نہیں کیونکہ حضور ﷺ لگا تار انہیں اسلام کی دعوت دیتے رہے جب تک وہ حضور ﷺ اور مومنوں کو اذیتیں دیتے رہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ لکم دینکم کا معنی کیا جائے کہ تمہارے لئے تمہارے اعمال کی جزاء ہے اور میرے لئے میرے اعمال کی جزاء ہے۔

نافع، حفص اور ہشام رحمہم اللہ تعالیٰ نے دین میں نون کو کسرہ اور باقی قراء نے اسے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ بڑی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی روایت مشہور ہے۔ دالانی نے بھی اسے ہی اپنایا ہے اذالزلزلت کی تفسیر میں حضور ﷺ کا فرمان جو حضرت انس اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیثوں میں مروی تھا گزر چکا ہے کہ سورۃ یا ایہا الکافرون چوتھائی قرآن کے برابر ہے (1)۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آپ فرماتی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ دو سورتیں کتنی اچھی ہیں جو فجر کی نماز سے پہلے دو رکعتوں (سنتوں) میں پڑھی جاتی ہیں۔ وہ سورۃ کافرون اور سورۃ اخلاص ہے (2)۔ اسے ابن ہشام رحمۃ

اللہ علیہ نے روایت کیا۔ فروہ بن نوفل بن معاویہ سے مروی ہے، وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ مجھے کوئی ایسی چیز سکھادیں جسے میں بستر پر لیٹتے ہوئے پڑھا کروں تو حضور ﷺ نے فرمایا سورۃ یا ایہا الکافرون پڑھا کرو کیونکہ یہ شرک سے برأت کا اظہار ہے (1)۔ اسے امام ترمذی، ابوداؤد اور دارمی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا۔

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے جبیر کیا تو یہ پسند کرتا ہے کہ جب تو سفر پر نکلے تو لوگوں سے حیثیت میں سب سے اعلیٰ اور سب سے زیادہ زادراہ والا ہو۔ تو میں نے عرض کی میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں میں اسے پسند کرتا ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا ان پانچ سورتوں کو پڑھا کر وقل یا ایہا الکافرون، اذاء جاء نصر اللہ، قل هو اللہ احد، قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس۔ ہر سورت کے آغاز میں بسم اللہ شریف پڑھا کرو اور اسی پر اسے ختم کیا کرو۔ حضرت جبیر رضی اللہ عنہ نے کہا میں غنی تھا اور وافر مال رکھتا تھا۔ جب سفر پر جاتا تو سب سے کمزور حیثیت اور کم زادراہ والا ہوتا۔ جب سے میں نے حضور ﷺ سے یہ سبق سیکھا تو میں نے اسے نہ چھوڑا۔ میں انہیں پڑھا کرتا تو میری حیثیت سب سے اعلیٰ ہو گئی اور میرے پاس زادراہ بھی زیادہ ہوتا یہاں تک کہ میں اپنے سفر سے واپس آ جاتا (2)۔ اسے ابو یعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بچھونے حضور ﷺ کو ڈنگ مارا۔ آپ ﷺ نے پانی اور نمک منگایا اور ڈنگ والی جگہ اسے بہایا جبکہ آپ ﷺ اس جگہ اپنا ہاتھ پھیر رہے تھے اور ساتھ ساتھ سورۃ یا ایہا الکافرون، سورۃ قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھ رہے تھے (3)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

www.muhammadsaleem.com
www.NAFSEISLAM.COM

سورة النصر

﴿ آیتها ۳ ﴾ ﴿ سورة النصر مكية ۱۱ ﴾ ﴿ ركوعها ۱ ﴾

سورة النصر کی ہے، اس میں ایک رکوع اور تین آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

”اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے“

عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مصنف میں معمر رحمۃ اللہ علیہ سے انہوں نے زہری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے کہ جب فتح مکہ کے سال حضور ﷺ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو حضور ﷺ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ کے زیریں علاقہ کی جانب سے بھیجا۔ قریش کے لشکروں نے ان کا مقابلہ کیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں شکست دے دی۔ پھر حضور ﷺ نے جنگ روک دینے کا حکم دیا تو جنگ روک دی گئی تو قریش نے اسلام قبول کر لیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس سورت کو نازل فرمایا۔ (۱)

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللّٰهِ

أَفْوَاجًا ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْ لَهُ ۝ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا ۝

”جب اللہ کی مدد آئی اور فتح (نصیب ہو جائے)۔ اور آپ دیکھ لیں لوگوں کو کہ وہ داخل ہو رہے ہیں اللہ کے دین میں فوج در فوج۔ تو (اس وقت) اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے اس کی پاکی بیان کیجئے اور (اپنی امت کے لئے) اس سے مغفرت طلب کیجئے بے شک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے۔“

۱۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دشمنوں پر غلبہ عطا فرمایا اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ یہ سورت فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی تو اس صورت میں اذا اذ کے معنی میں ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کے فرمان میں ہے حَقِّي إِذَا جَاءَ أَمْرُنَا وَآقَاتِ الشُّؤْمُرُ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے حَقِّي إِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ۔

فتح سے مراد فتح مکہ ہے طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے روز یہ ارشاد فرمایا یہ وہ فتح ہے جس کا میرے رب نے مجھ سے وعدہ کیا تھا پھر آپ نے إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ کی تلاوت کی (۲)۔ فتح مکہ کا قصہ جو تاریخ دانوں نے ذکر کیا ہے وہ یہ ہے کہ جب حضور ﷺ نے حدیبیہ کے موقع پر قریش سے اس بات پر صلح کی کہ دس سال تک جنگ نہ ہوگی جس میں لوگ امن سے رہیں گے۔ جو قبیلہ حضور ﷺ کے ساتھ معاہدہ میں شامل ہونا چاہے گا وہ اس میں داخل ہو سکتا ہے اور جو قریش کے ساتھ معاہدہ میں شامل ہونا چاہتا ہے وہ ان کے ساتھ معاہدہ میں شامل ہو جائے۔ بنو بکر نے قریش سے دوستی کا معاہدہ کیا اور بنو خزاعہ نے حضور ﷺ کے ساتھ معاہدہ کیا۔ ان دونوں قبیلوں کے درمیان پرانی دشمنی تھی۔ پھر بنی بکر میں سے

بنی نفاثہ نے بنی خزاعہ پر حملہ کیا۔ انہیں میں سے نوفل بن معاویہ دیلمی نے بنو خزاعہ پر وتیر کے مقام پر جو مکہ مکرمہ کا نشیبی علاقہ ہے، میں شب خون مارا۔ ان سے جنگ کی یہاں تک کہ بنو خزاعہ حرم میں داخل ہو گئے۔ انہوں نے جنگ ختم نہ کی۔ قریش نے بنی بکر کی اسلحہ کی صورت میں مدد کی بعض قریش نے رات کی تاریکی میں چھپ کر جنگ میں بھی حصہ لیا۔ ان میں صفوان بن امیہ، نکرہ بن ابی جہل، سہیل بن عمرو، شیبہ بن عثمان، خویطب بن عبد اللہ اپنے غلاموں کے ساتھ شریک ہوئے۔ پھر قریش وعدہ خلائی پر شرمندہ ہوئے اور ایک دوسرے کو ملامت کی جنگ کے بعد سالم خزاعی چالیس سو اوروں کے ساتھ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تا کہ تمام واقعہ بتائیں اور مدد کی درخواست کریں۔ ان کی طرف سے خبر پہنچنے سے پہلے ہی بنی نفاثہ اور بنی خزاعہ کی جنگ کی خبر آپ کو پہنچ گئی۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا وہ اسی معاملہ کے لئے وعدہ توڑتے ہیں جس کا اللہ تعالیٰ نے ارادہ کر رکھا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کی وہ معاملہ خیر کا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا معاملہ خیر کا ہے۔ محمد بن عمرو رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اور طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت میمونہ سے اسی جیسی روایت نقل کی ہے جب عمرو بن سالم حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا حضور ﷺ اپنی چادر کھینٹے ہوئے کھڑے ہوئے اور فرمایا اے عمرو اگر میں تیری اس قوت کے ساتھ مدد نہ کروں جس کے ساتھ میں اپنی مدد کرتا ہوں تو میری مدد نہ کی جائے۔ یہ شعبان کا مہینہ تھا اور صلح حدیبیہ کو بائیس ماہ گزر چکے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حمزہ (۱) کو قریش کی طرف بھیجا کہ تین باتوں میں سے ایک بات کا انتخاب کرنا ہوگا:-

- 1- خزاعہ کے مقتولوں کی دیت ادا کرو، وہ تیسس مقتول تھے۔
- 2- جنہوں نے وعدہ کی خلاف ورزی کی ہے اس سے اپنا معاہدہ توڑ دو، یعنی بنو نفاثہ سے اپنا تعلق ختم کر دو۔
- 3- ہمارا تمہارا معاہدہ ختم۔

پہلے قریش نے ان باتوں میں باہم اختلاف کیا۔ آخر کار صلح حدیبیہ ختم کرنے پر اتفاق کیا۔ حضرت حمزہ (۱) صلح ختم کرنے کی خبر لے کر واپس آئے۔ حضور ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مشورہ طلب کیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے صلح اور نرمی کا مشورہ دیا اور عرض کی وہ آپ کی قوم ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ یہ خیال کر رہے تھے کہ شاید آپ ان کی رائے کو مان لیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جنگ کا مشورہ دیا اور عرض کیا یہ کفر کے سرغنے ہیں۔ انہوں نے گمان کیا کہ آپ جادو گر کا ہن اور جھوٹے ہیں۔ جو کچھ کفار آپ کے متعلق کہتے تھے سب کا ذکر کیا۔ اور عرض کیا عرب اس وقت اطاعت نہیں کریں گے جب تک قریش اطاعت نہیں کریں گے۔ حضور ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کو پسند فرمایا۔ حضور ﷺ نے اپنے معاملہ کو مخفی رکھا اور عربوں کو اس پر برا بھینٹے کیا۔ بنو اسلم، بنو غفار، بنو مزنیہ، بنو حزیفہ، بنو شعیب اور بنو سلیم آ گئے۔ ان میں سے کچھ تو مدینہ طیبہ پہنچ گئے اور کچھ راستے میں ساتھ ملے۔ مسلمانوں کے لشکر کی تعداد دس ہزار تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا وہ بارہ ہزار تھی۔ ان دونوں میں تطبیق اس طرح دی گئی کہ جب لشکر مدینہ طیبہ سے روانہ ہوا تو اس کی تعداد دس ہزار تھی اور دو ہزار راستے میں مل گئے تھے۔ پھر قریش صلح ختم کرنے پر شرمندہ ہوئے اور اپنے سردار ابو نعیان کو بھیجا۔ وہ اپنی بیٹی ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئے۔ جب ابو سفیان نے

(۱) متن میں حمزہ کا نام لکھا ہوا ہے، شاید کتابت کی غلطی ہے کیونکہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو غزوہ احد میں شہید ہو گئے تھے۔ اس صحابی کا نام حضرت ضمیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھا۔ مترجم

حضور ﷺ کے بستر پر بیٹھنے کا ارادہ کیا تو حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وہ بستر لپیٹ دیا اور کہا یہ رسول اللہ ﷺ کا بستر ہے۔ تو ابوسفیان نے کہا اے بیٹی میرے بعد تجھ میں بہت بڑی خرابی آگئی ہے۔ تو حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے مجھے اسلام کی دعوت دی، اے میرے ابا تو قریش کا سردار اور رئیس ہے، تم سے اسلام لانے کا حکم کیسے ساقط ہو سکتا ہے جبکہ تو ایسے پتھروں کی پوجا کرتا ہے جو نہ سنتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں۔ ابوسفیان حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس سے اٹھ کھڑا ہوا اور حضور ﷺ سے گفتگو کی۔ آپ نے ابوسفیان کو کوئی جواب نہ دیا پھر وہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گیا اور آپ سے بات چیت کی اور عرض کی کہ آپ ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے بات کریں تو انہوں نے جواب دیا میں ایسا نہیں کر سکتا۔ پھر وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا آپ سے گزارش کی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اگر میرے پاس درا کے علاوہ کوئی اور ہتھیار نہ ہو تو میں اس کے ساتھ بھی تم سے لڑوں گا۔ پھر وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گیا جبکہ ان کے پاس حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف فرما تھے اور عرض کی اے علی تم رشتہ داری میں میرے سب سے قریبی ہو۔ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ اقدس میں ہماری سفارش کریں تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اے ابوسفیان تیرے لئے افسوس ہے حضور ﷺ نے پختہ عزم کر لیا ہے کوئی بھی آپ سے گفتگو نہیں کر سکتا۔ تو ابوسفیان حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف متوجہ ہوئے، عرض کی کیا آپ اپنے والد ماجد سے کچھ گزارش کر سکتی ہیں جس کے نتیجے میں حضور ﷺ لوگوں میں صلح بحال کر دیں تو انہوں نے بھی انکار کر دیا۔ ابوسفیان نے کہا اے ابوالحسن مجھ پر معاملہ بہت سخت ہو گیا ہے مجھے کوئی نصیحت ہی کیجئے۔ تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اللہ کی قسم میں کوئی ایسی بات نہیں جانتا جو تجھے فائدہ دے لیکن تو بنی کنانہ کا سردار ہے، انہو اور لوگوں کے درمیان ان کا اعلان کر دو اور واپس چلے جاؤ۔ ابوسفیان نے پوچھا تیری کیا رائے ہے؟ کیا یہ مجھے کچھ نفع دے گا؟ تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا لیکن میرے ذہن میں اس کے علاوہ کوئی بات نہیں۔ ابوسفیان مسجد میں کھڑا ہوا اور کہا اے لوگو میں نے لوگوں کے درمیان امن جاری کر دیا۔ پھر اپنے اونٹ پر سوار ہو گیا اور چلا گیا۔ قریش کے پاس آیا اور تمام واقعہ بیان کر دیا تو قریش نے کہا اللہ کی قسم! حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو صرف تم سے دل لگی کی۔

حضور ﷺ نے مدینہ طیبہ پر حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ بنایا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ آپ نے حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ بنایا۔ یہ قول صحیح ہے۔ اسے طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ حضور ﷺ بدھ کے روز دس رمضان شریف سنہ 8 ہجری کو مدینہ طیبہ سے نکلے۔ اس کے علاوہ بھی قول کیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا کی اے اللہ مجھروں اور جا سوسوں کو قریش سے روک دے، یعنی قریش کو خبر نہ ہونے پائے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ حضور ﷺ نے مجھے، حضرت زبیر اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہم کو بھیجا فرمایا جاؤ یہاں تک کہ تم روضہ خاخ (جگہ کا نام) پہنچو گے۔ وہاں ایک عورت ہوگی جس کے پاس ایک رقعہ ہوگا، وہ اس سے لے لینا۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں ہم اپنے گھوڑے دوڑاتے ہوئے چل پڑے یہاں تک کہ ہم روضہ خاخ میں پہنچے تو وہاں ایک عورت کو پایا۔ ہم نے کہا خط نکال دو۔ اس نے کہا میرے پاس تو کوئی خط نہیں۔ ہم نے اس سے کہا یا تو خط نکال دو ورنہ تیرے کپڑے اتار دیئے جائیں گے۔ اس نے خط بالوں کے جوڑے سے نکال دیا۔ ہم وہ خط حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں لے آئے۔ اس میں یہ تحریر تھا کہ یہ خط حاطب بن ابی بلتعجہ کی

جانب سے مشرکین مکہ کے نام ہے جس میں حضرت حاطب بن ابی بلتعہ نے حضور ﷺ کے ارادہ کے بارے میں بتایا تھا۔ حضور ﷺ نے حضرت حاطب سے پوچھا اے حاطب یہ کیا ہے؟ اس نے عرض کی یا رسول اللہ مجھ پر کوئی فیصلہ جلدی میں نہ کیجئے، میں ایک ایسا آدمی ہوں جو قریش کے ساتھ معاہدہ میں شریک ہوں (میرا نسب قریش سے نہیں)۔ آپ کے ساتھ جتنے بھی مہاجرین ہیں وہاں ان کی رشتہ داریاں ہیں جو ان کے رشتہ داروں اور اموال کی حفاظت کرتے ہیں۔ جب میرا ان میں نسب نہیں تو میں نے اس بات کو پسند کیا کہ میں ان پر ایک احسان کر دوں جس کی وجہ سے وہ میرے رشتہ داروں کی حفاظت کریں۔ میں بنے یہ عمل دین چھوڑنے کی وجہ سے نہیں کیا، نہ ہی اسلام لانے کے بعد کفر کو اپنانے کی وجہ سے کیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اس نے تم سے سچی بات کہی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کا سر قلم کر دوں۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا یہ غزوہ بدر میں شریک ہوا، اے عمر کیا تم جانتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں کے اعمال پر مطلع تھا جو غزوہ بدر میں شریک تھے۔ اس نے فرمایا اِعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ جو چاہو کرتے رہو، میں نے تمہیں بخش دیا ہے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ الْبَغِ (1)۔ رسول اللہ ﷺ نے روزہ رکھا۔ لوگوں نے بھی ساتھ ہی روزہ رکھا۔ جب آپ کدید کے مقام پر پہنچے تو حضور ﷺ نے روزہ افطار کیا۔ ساتھ ہی صحابہ نے بھی روزہ افطار کیا۔ پھر افطار ہی کرتے رہے یہاں تک کہ پورا رمضان شریف نکل گیا۔ حضرت عباس بن مطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہجرت کی نیت سے مکہ مکرمہ سے چلے اور حضور ﷺ کو جھگڑے کے مقام پر ملے۔ اس سے قبل آپ مکہ مکرمہ میں ہی مقیم تھے اور حضور ﷺ کی رضامندی سے حاجیوں کو پانی پلایا کرتے تھے۔ ابواء کے مقام پر آپ کو ابوسفیان بن حارث جو آپ کے چچا زاد بھائی تھے اور ان کا بیٹا جعفر بن ابی سفیان ملے۔ یہ دونوں حضور ﷺ کے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے پہلے ہی مسلمان ہو گئے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ آپ کو عبد اللہ بن امیہ جو آپ کے پھوپھی زاد بھائی تھے، ملے۔ حضور ﷺ نے دونوں سے اعراض کیا، فرمایا مجھے ان سے کوئی غرض نہیں، انہوں نے میری عزت کو پامال کیا انہوں نے میرے بارے میں جو کچھ کہا۔ انہوں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے گزارش کی۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کی سفارش کی تو حضور ﷺ نے ان دونوں کو اجازت دے دی۔ جب آپ کدید کے مقام پر تھے تو آپ نے جھنڈے باندھے اور قبائل کو عطا فرمائے۔ حضور ﷺ کا جھنڈا حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تھا پھر آپ عشاء کے وقت مر الظهران میں اترے۔ ابھی تک قریش کو کوئی خبر نہ تھی۔ اس رات ابوسفیان بن حرب، حکم بن حزام اور بدیل بن ورقہ خبر لینے کے لئے نکلے۔ حضور ﷺ نے دس ہزار جگہ آگ روشن کرنے کا حکم دیا۔ حضرت عباس بن مطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا قریش کی صبح برباد ہو گئی، اللہ کی قسم اگر حضور ﷺ صبح زبردستی مکہ مکرمہ میں داخل ہو گئے تو قریش ہمیشہ کے لئے برباد ہو جائیں گے۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضور ﷺ کے خچر پر سوار ہو کر نکلے تاکہ کوئی لکڑہارا، دودھ والا یا ضرورت مند مکہ مکرمہ جاتے ہوئے دیکھیں جو حضور ﷺ کی تشریف آوری کے بارے میں قریش مکہ کو بتائیں تاکہ حضور ﷺ کے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے پہلے آپ سے امان لے لیں تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ابوسفیان کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا میں نے اس رات جیسی آگ نہیں دیکھی۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا تو ہلاک ہو۔ یہ رسول اللہ ﷺ ہیں وہ ایسا لشکر لائے ہیں جس کا سامنا کرنا تمہارے بس کی بات نہیں۔ تو ابوسفیان نے پوچھا اب بچنے کی تدبیر کیا ہے۔ تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے

فرمایا اے ابوسفیان اگر انہوں نے تجھے پکڑ لیا تو تیری گردن اڑادی جائے گی اس فخر پر میرے پیچھے سوار ہو جاؤ تاکہ میں تمہیں رسول اللہ ﷺ تک لے چلوں تاکہ تو آپ سے امان طلب کر لے۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما واپس پلٹے۔ جب بھی وہ کسی آگ کے پاس سے گزرتے تو لوگ آپ کو دیکھتے اور کہتے یہ حضور ﷺ کے چچا ہیں جو حضور ﷺ کے فخر پر سوار ہیں یہاں تک کہ اس آگ پر سے گزرے جسے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روشن کر رکھا تھا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابوسفیان کو دیکھا تو فرمایا یہ ابوسفیان ہے جو اللہ کا دشمن ہے۔ الحمد للہ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں، جس نے بغیر کسی وعدہ کے اسے ہمارے قابو میں دیا ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما جلدی سے حضور ﷺ کی طرف گئے اور ابوسفیان کے ساتھ حضور ﷺ کی خدمت حاضر ہو گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی حاضر خدمت ہوئے۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا اے عمر تم ابوسفیان کے بارے میں اس لئے یہ سب کچھ کر رہے ہو کیونکہ یہ بنی عبد مناف کا ایک فرد ہے اگر یہ بنی کعب میں سے ہوتا تو تم ایسا نہ کرتے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اے عباس تمہارے، جس دن تم مسلمان ہوئے تمہارا اسلام لانا میرے لئے میرے باپ خطاب کے اسلام لانے سے زیادہ پسندیدہ تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا اے عباس اسے اپنے ٹھکانے پر لے جاؤ۔ جب صبح ہوئی تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابوسفیان کو لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا تجھ پر افسوس ہو کیا ابھی تجھے علم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو ابوسفیان نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ کتنے علم والے ہیں، کتنے کرم والے ہیں اور کتنے صلہ رحم ہیں، اللہ کی قسم میرا گمان ہے اگر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور معبود بھی ہوتا تو اب کچھ فائدہ بھی دیتا۔ حضور ﷺ نے فرمایا اے ابوسفیان تجھ پر افسوس، کیا۔ ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ تو یہ جانتا کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ تو ابوسفیان نے عرض کی میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ کتنے حلیم، کتنے کریم اور کتنے ہی رشتہ کا خیال رکھنے والے ہیں۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے اس بارے میں میرے دل میں کچھ تردد ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا وبعثک (تو بلاک ہو) اسلام قبول کر لے ورنہ تیری گردن اڑادی جائے گی تو اس نے کلمات شہادت کو پڑھا اور اسلام لے آیا۔ حکیم اور بدیل تو پہلے ہی اسلام قبول کر چکے تھے۔ یہ اسحاق بن راحو یہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے جو صحیح سند کے ساتھ مروی ہے۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں روایت اس طرح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ابوسفیان پیلو کے درخت کے پاس ہے اسے پکڑ لو۔ ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں روایت اسی طرح ہے۔ ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کو حضور ﷺ کے انصاری پہریداروں نے پکڑا تھا۔ اس رات نگہبانوں میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے تو حضور ﷺ نے فرمایا اسے قید کر دو۔ صحابہ نے اسے قید کر دیا یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں یہ روایت بھی ہے کہ ابوسفیان نے کہا میری حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں راہنمائی کرو۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ اس موقع پر پہرہ دینے والوں میں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی تھے جو انہیں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے گئے تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا تھا جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو گیا وہ امن میں ہے، جو مسجد حرام میں داخل ہو گیا وہ امن میں ہے، جس نے اپنا دروازہ بند کر لیا وہ امن میں ہے۔ ابوسفیان نے مسجد حرام میں جا کر بلند آواز سے یہ اعلان کیا تھا اے قریش یہ حضرت محمد ﷺ ہیں۔ وہ اتنا بڑا لشکر لائے ہیں جس کا مقابلہ کرنے کی تم میں ہمت نہیں۔ تو لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے اور مسجد حرام میں چلے گئے۔ جب حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء مسلمان ہو گئے اور بیعت کر لی تو حضور ﷺ نے دونوں کو قریش کی طرف بھیجا کہ وہ انہیں اسلام کی دعوت دیں۔ حضور ﷺ نے زبیر کو بھیجا، انہیں جھنڈا عطا کیا اور انہیں مہاجرین و انصار کے شاہسواروں پر امیر مقرر کیا اور حکم دیا کہ بالائی مکہ

میں جنوں کے مقام پر جھنڈا لگا دیں۔ فرمایا اس وقت تک اپنی جگہ نہیں چھوڑنی جب تک میں تمہیں حکم نہ دوں۔ اسی سمت سے حضور ﷺ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ وہاں حضور ﷺ کے لئے ایک خیمہ قبا نما نصب کیا گیا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بنی قضاہ اور بنی سلیم کے لئے مسلمانوں پر امیر بنایا اور حکم دیا کہ وہ مکہ مکرمہ کے نشیبی علاقوں سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوں جہاں بنو بکر رہتے تھے جنہیں قریش اور بنو حارث نے انہیں مکہ مکرمہ سے نکال دیا تھا۔ اسی طرح احابیش کو قریش نے کہا تھا کہ وہ مکہ مکرمہ کے نشیبی علاقوں میں جا کر رہیں۔ حضور ﷺ نے حضرت خالد بن ولید اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو حکم دیا تھا کہ دونوں صرف ان سے ہی جنگ کریں جو مسلمانوں سے جنگ کریں۔

حضور ﷺ نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ وہ بعض لوگوں کے ساتھ کداع سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوں۔ حضور ﷺ نے انہیں جھنڈا عطا کیا تھا تو حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے داخل ہوتے وقت کہا تھا آج جنگ کا دن ہے، آج اس شہر کی حرمت حلال ہوگئی۔ تو ایک مہاجر نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بات سن لی اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی یا رسول اللہ ﷺ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بات سنئے، انہیں قریش پر یہ شوکت کہاں سے حاصل ہوگئی؟ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملو اور ان سے جھنڈا لے لو جھنڈا لے کر مکہ میں داخل ہو جاؤ۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جھنڈا لے کر تشریف لے گئے اور اسے رکن کے پاس گاڑ دیا۔ ابو یعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے انہیں جھنڈا عطا فرمایا۔ حضور ﷺ دو جھنڈوں کے ساتھ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تھے۔ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پہلے مکہ کے بالائی علاقوں سے کوئی داخل نہیں ہوا تھا۔ جہاں تک حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تعلق ہے تو جب آپ مکہ کے زیریں علاقوں سے داخل ہوئے تھے تو وہاں جو قریش اور دوسرے مشرک تھے۔ انہوں نے آپ کو روکا تھا۔ انہوں نے اسلحہ سونت لیا اور تیر چلائے۔ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ساتھیوں کو لاکرا اور ان سے جنگ کی جس میں قریش کے چوبیس اور ہذیل کے چار آدمی مارے گئے۔ ابن اخطی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ مشرکوں میں سے بائیس یا تیس آدمی مارے گئے اور بری طرح شکست کھائی۔ وہ ہر طرف بھاگ رہے تھے اور جانیں پھول جانے کی وجہ سے بھی وہ مارے گئے۔ ایک جماعت پہاڑوں پر چڑھ گئی۔ مسلمانوں نے ان کا پیچھا کیا۔ مسلمانوں میں سے صرف ایک ہیبنہ قبیلہ کا شخص شہید ہوا جسے سلمہ بن میلاء کہا جاتا جو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھڑ سواروں میں سے تھا۔ وہ اور آدمی شہید ہوئے جن کا نام کرز بن جابر فہری اور جیش بن خالد بن ربیعہ تھا یہ دونوں بھی حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھڑ سوار دستے سے تعلق رکھتے تھے یہ دونوں حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے الگ ہو گئے تھے اور آپ کے راستہ سے مختلف راستہ اپنایا تھا اور دونوں قتل ہو گئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے مسلمان امراء سے وعدہ لیا تھا کہ جب وہ مکہ مکرمہ میں داخل ہوں گے کہ ایسے شخص سے جنگ کریں گے جو ان پر حملہ کرے گا۔ ہاں چند افراد کا آپ نے خاص طور پر نام لیا جن کو حضور ﷺ نے قتل کا حکم دیا اگرچہ وہ غلاف کعبہ کے نیچے چھپے ہوں۔ ان میں عبد اللہ بن سرح تھا۔ یہ پہلے مسلمان ہوا تھا پھر مرتد ہو گیا تھا۔ فتح مکہ کے روز حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی سفارش کی تھی تو اس کی جان بخشی ہوگئی۔ یہ بعد میں مسلمان ہو گیا تھا۔ عکرمہ بن ابی جہل تھا۔ حضور ﷺ نے اس کے اسلام کو قبول کیا تھا۔ ایک حریت بن نقیر تھا جو حضور ﷺ کو اذیتیں دیا کرتا تھا۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے قتل کیا۔ ایک مقیس بن صبابہ تھا۔ یہ

مسلمان ہو گیا تھا پھر ایک انصاری پر حملہ کیا اور اسے قتل کر دیا تھا۔ انصاری نے اس کے بھائی ہشام کو غزوہ ذی قردہ میں غلطی سے قتل کیا تھا۔ انصاری نے اسے دشمن کا آدمی سمجھا تھا۔ مقیس آیا۔ اس نے انصاری سے بھائی کی دیت وصول کرنی پھر مرتد ہو گیا۔ اسے اسی کے قوم کے ایک فرد غیلہ بن عبد اللہ نے قتل کر دیا۔ ایک ہبار بن اسود تھا۔ یہ مسلمانوں کو سخت اذیتیں دیتا تھا۔ اسی نے حضور ﷺ کی لخت جگر حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا راستہ روکا تھا اور آپ کو نیزہ مارا تھا جس کی وجہ سے آپ کا حمل گر گیا تھا۔ آپ اس کی وجہ سے بیمار ہیں یہاں تک کہ آپ کا وصال ہو گیا۔ اس نے فتح مکہ کے روز اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس لئے اسے معاف کر دیا گیا۔ ان میں سے ایک حارث بن طلال خزاعی تھا۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے قتل کیا تھا۔ ابو معشر نے یہ ذکر کیا ہے۔ ان میں سے ایک کعب بن زبیر شاعر تھا۔ یہ بھوکھا کرتا۔ اس نے اسلام قبول کیا اور بعد میں حضور ﷺ کی مدح کہی تھی۔ ایک وحش بن حوب تھا جس نے غزوہ بدر میں حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ علیہ کو شہید کیا تھا۔ یہ طائف کی طرف بھاگ گیا تھا۔ پھر مسلمان ہو کر واپس آیا۔ ایک عبد اللہ بن حظل تھا۔ اس کا نام عبد العزی تھا۔ اس نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ حضور ﷺ نے اس کا نام عبد اللہ رکھا تھا۔ حضور ﷺ نے اسے عامل زکوٰۃ بنا کر بھیجا تھا اور بنی خزاعہ کا ایک آدمی بھی اس کے ساتھ بھیجا۔ وہ عبد اللہ کے لئے کھانا پکایا کرتا تھا اور اس کی خدمت کرتا تھا۔ یہ دونوں ایک جگہ اترے اور عبد اللہ نے خزاعی کو کہا کہ اس کے لئے کوئی جانور ذبح کرے اور اس کے لئے کھانا تیار کرے۔ وہ دو پہر کو اٹھا خزاعی کو جگایا۔ اس نے کھانا تیار نہ کیا تھا۔ اس پر حملہ کر کے قتل کر دیا۔ پھر مرتد ہو گیا اور مکہ مکرمہ بھاگ گیا۔ اس کی دو لونڈیاں تھیں جو گانا گاتیں اور حضور ﷺ کی بھوکھا کرتی تھیں۔ حضور ﷺ نے دونوں لونڈیوں کو بھی اس کے ساتھ قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔ ان میں ایک کو قتل کر دیا گیا اور دوسری بھاگ گئی۔ عبد اللہ کو سعید بن حریت مخزومی اور ابو برزہ اسلمی نے قتل کیا یہ دونوں اس کے قتل میں شریک ہوئے۔ جو لونڈی بھاگ گئی تھی وہ بعد میں مسلمان ہو گئی تھی۔ ایک عمر بن ہاشم کی لونڈی تھی۔ یہ گانا گاتی اور نوحہ کرتی تھی۔ یہ وہی عورت تھی جس کے پاس حاطب بن ابی بلتعہ کا خط تھا۔ یہ مسلمان ہو گئی تھی۔ ایک ہند بنت عتبہ تھی جو ابوسفیان کی بیوی تھی جس نے حضور ﷺ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کلیجہ چبایا تھا۔ یہ مسلمان ہو گئی تو حضور ﷺ نے اسے معاف کر دیا۔ ایک صفوان بن امیہ تھا جو جدہ کی طرف بھاگ گیا تھا تاکہ کشتی میں سوار ہو کر یمن چلا جائے۔ عمیر بن وہب نے اس کے لئے امان چاہی۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے بارے میں فیصلہ کرنے کے لئے دو ماہ کی مہلت چاہی۔ حضور ﷺ نے اسے چار ماہ کی مہلت دے دی۔ پھر بعد میں یہ مسلمان ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو آپ کے سر مبارک پر عمامہ تھا اسے امام احمد، امام مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ اور چار دوسرے محدثین نے روایت کیا ہے۔ صحیحین میں ہے کہ آپ کے سر مبارک پر خود تھا۔ اس میں تطبیق یوں دی گئی کہ پہلے حضور ﷺ کے سر مبارک پر خود تھا پھر آپ نے خود اتارا اور عمامہ (پگڑی) باندھا۔ آپ اس وقت سورہ فتح کی تلاوت کر رہے تھے۔ آپ کی قرأت کی آواز لوٹ لوٹ کر آرہی تھی۔ صحیحین میں اسی طرح ہے۔

حضور ﷺ حجون کے مقام پر چمڑے کے ایک خیمہ میں فرودکش ہوئے۔ آپ کے ساتھ حضرت ام سلمہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما تھیں۔ یہ وہی جگہ تھی جہاں قریش اور بنو کنانہ نے بنی ہاشم اور بنی مطلب کے خلاف معاہدہ کیا تھا کہ نہ ان کے ساتھ شادیاں کریں گے اور نہ ہی ان کے ساتھ خرید و فروخت کریں گے یہاں تک کہ وہ حضور ﷺ کو ان کے حوالے کر دیں گے۔ آپ سے عرض کی گئی کیا آپ شعب ابی طالب میں اپنے گھر میں قیام نہیں کریں گے تو آپ نے فرمایا کیا عقیل نے ہمارے لئے کوئی گھر چھوڑا ہے۔

عقیل نے حضور ﷺ اور اپنے بھائی بہنوں کے گھونچ دیئے تھے۔ آپ سے عرض کی تھی آپ اپنے گھر کے علاوہ کسی اور گھر میں قیام فرمائیں تو آپ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا میں گھروں میں داخل نہیں ہوں گا۔ آپ خون سے ہر نماز کے لئے مسجد میں تشریف لاتے تھے۔ آپ اپنی رہائش گاہ پردن کی کچھ گھڑیاں ٹھہرے۔ آپ نے غسل کیا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ کو پردہ کیا۔ آپ نے چاشت کے آٹھ نوافل ادا کئے۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں حضرت ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ان کے گھر میں غسل کیا نماز پڑھی پھر سواری پر سوار ہوئے، کعبہ شریف میں آئے، اپنی چھڑی کے ساتھ رکن کو سلام کیا، زبان سے تکبیر کہی۔ مسلمانوں نے بھی اللہ اکبر کے الفاظ کہے یہاں تک کہ مکہ مکرمہ نعرہ تکبیر سے گونجنے لگا۔ حضور ﷺ صحابہ کو پرسکون رہنے کا اشارہ کر رہے تھے جب کہ مشرک پہاڑوں پر چڑھ کر یہ منظر دیکھ رہے تھے پھر آپ نے اپنی سواری پر سوار ہو کر بیت اللہ شریف کا طواف کیا اور سات چکر لگائے۔ آپ اپنی چھڑی کے ساتھ رکن (حجر اسود) کو سلام کرتے۔ کعبہ شریف کے ارد گرد تین سو ساٹھ بت نصب تھے جنہیں سب کے ساتھ مضبوط کیا گیا تھا۔ ہبل سب سے بڑا بت تھا۔ وہ کعبہ کے سامنے دروازے پر نصب تھا۔ اساف اور ناکلہ کے بت تھے۔ یہ وہاں نصب تھے جہاں لوگ جانور قربان کرتے۔ حضور ﷺ جب بھی کسی بت کے پاس سے گزرتے۔ آپ اس کی طرف اشارہ کرتے اور اس کی آنکھ میں کچھ مارے اور فرماتے حق آگیا اور باطل بھاگ گیا بے شک باطل بھاگنے والا ہے۔ آپ جس بت کی طرف بھی اشارہ کرتے وہ منہ کے بل گر پڑتا یا پشت کے بل گر پڑتا جبکہ آپ ﷺ کی چھڑی اسے مس بھی نہ کرتی۔ فضالہ بن عمر لیشی نے حضور ﷺ کو اس وقت شہید کرنے کا ارادہ کیا جب آپ طواف کر رہے تھے۔ جب وہ حضور ﷺ کے قریب ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا اے فضالہ۔ اس نے عرض کی جی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا سوچ رہے ہو؟ اس نے عرض کی میں تو کچھ بھی نہیں سوچ رہا، میں تو اللہ کا ذکر کر رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ مسکرائے اور فرمایا استغفر اللہ۔ پھر آپ نے اپنا ہاتھ اس کے سینے پر رکھا۔ فضالہ کہا کرتے تھے اللہ کی قسم حضور ﷺ نے اپنا ہاتھ میرے سینے سے نہیں ہٹایا تھا مگر آپ مجھے سب سے زیادہ محبوب تھے۔ جب آپ ﷺ طواف سے فارغ ہوئے تو آپ اپنی سواری سے لوگوں کے ہاتھوں پر نیچے اترے۔ آپ نے مسجد میں اونٹنی بٹھانے کی جگہ نہ پائی۔ آپ نے مسجد سے باہر اونٹنی کو بٹھایا پھر آپ مقام ابراہیم پر پہنچے جبکہ وہ کعبہ میں شامل تھا۔ زرہ اور خود آپ زیب تن کئے ہوئے تھے جبکہ عمامہ آپ کے کندھوں کے درمیان تھا۔ آپ نے دو رکعت نماز ادا کی پھر آپ چاہ زمزم پر تشریف لے گئے۔ آپ اس میں جھانکے اور فرمایا اگر بنو عبدالمطلب کے غلبہ کا خوف نہ ہوتا تو میں خود اس میں سے ایک ڈول نکالتا۔ تو حضرت عباس یا حارث بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس میں سے ڈول نکالا تو آپ ﷺ نے اس سے پانی پیا اور وضو کیا۔ مسلمان آپ کے استعمال شدہ پانی کو حاصل کرنے میں جلدی کرتے اور اسے اپنے منہ میں ڈالتے جبکہ مشرک یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے اور حیران ہو رہے تھے اور کہہ رہے تھے ہم نے تو ایسا کوئی بادشاہ نہیں دیکھا اور نہ ہی اس کے بارے میں سنا تو اس کے پیروکار اس سے اتنی وارفتگی رکھتے ہوں پھر حضور ﷺ نے ہبل کو توڑنے کا حکم دیا تو اسے توڑ دیا گیا۔

حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا بیٹھ جاؤ تو میں کعبہ کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ حضور ﷺ کھڑے ہو گئے۔ فرمایا اے علی میرے کندھوں پر سوار ہو جاؤ۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ جب آپ نے مجھے اٹھایا تو مجھے یوں خیال ہوا اگر میں چاہوں تو آسمان کے افق تک پہنچ جاؤں۔ میں کعبہ کے اوپر چڑھ گیا۔ آپ نے فرمایا بڑے بت کو توڑ دو۔ وہ تانے کا تھا اور لوہے کی

سلاخوں سے اسے زمین میں گاڑھا گیا تھا۔ فرمایا اسے پکڑ لو اور خود یہ تلاوت کرنے لگے جَاءَ الْحَقُّ وَرَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا۔ میں نے اس بت کو گرا دیا۔ حضور ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عثمان بن طلحہ کی طرف بھیجا کہ وہ کعبہ کی چابی لے آئے۔ عثمان نے کہا وہ میری ماں کے پاس ہے عثمان نے چابی منگوائی تو اس کی ماں نے کہا لات وعزئی کی قسم میں تمہیں چابی کبھی بھی نہ دوں گی تو عثمان نے کہا نہ لات رہا اور نہ ہی عزئی۔ اگر تو چابی نہیں دے گی تو مجھے اور میرے بھائی کو قتل کر دیا جائے گا۔ عثمان نے دیر کی جبکہ حضور ﷺ انتظار کر رہے تھے۔ تو حضور ﷺ نے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بھیجا۔ جب اس کی ماں نے حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی آواز سنی تو کہا اے بیٹے چابی لے لو، اگر تو لے لے تو یہ میرے لئے زیادہ پسندیدہ ہے کہ میرے دشمن مجھ سے یہ لیں۔ عثمان نے وہ چابی لے لی اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دی۔ حضور ﷺ نے چابی لے لی، اپنے ہاتھ سے بیت اللہ شریف کے دروازے کو کھولا عثمان اور طلحہ کہا کرتے تھے کعبہ کو وہ ہی کھول سکتے ہیں (جبکہ اب ان کا دعویٰ باطل ہو گیا)۔ حضور ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ آپ کے داخل ہونے سے پہلے بیت اللہ شریف کو تمام تصویروں سے پاک کر دیں۔ مسلمانوں نے تہبند کے علاوہ تمام کپڑے اتار دیئے۔ انہوں نے ڈول پکڑ لئے اور رجز پڑھتے ہوئے چاہ زمزم پر آئے اور کعبہ کو اندر باہر سے غسل دینے لگے۔ انہوں نے مشرکوں کا کوئی اثر اس میں نہ چھوڑا بلکہ اسے مٹا دیا۔ پھر حضور ﷺ، حضرت اسامہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما اندر داخل ہوئے۔ دروازہ بند کر دیا۔ حضور ﷺ نے ایک ستون اپنی دائیں جانب، دو ستون بائیں جانب اور تین ستون دروازے کی طرف اپنے پیچھے رکھے جبکہ آپ اور بیت اللہ شریف کی دیوار کے درمیان تین ہاتھ کا فاصلہ تھا یا دو ہاتھ کا فاصلہ تھا۔ آپ نے وہاں دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ آپ ﷺ باہر تشریف لائے اور قبلہ شریف کی طرف دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ پھر فرمایا یہ قبلہ ہے پھر آپ ﷺ بیت اللہ شریف کے دروازے پر کھڑے ہو گئے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ وحدہ لا شریک ہے، اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا، اپنے بندے کی مدد کی، خود ہی تمام قبائل کو شکست فاش دی۔ خبردار ہر استحقاق خون یا مال کا دعویٰ وہ میرے ان دو قدموں کے نیچے ہیں۔ سب سے پہلے میں ربیعہ بن حارث کا خون معاف کرتا ہوں۔ مگر بیت اللہ شریف کی دربانی اور حاجیوں کو پانی پلانے کی ذمہ داری اس سے مستثنیٰ ہیں مگر جیسے سوئے یا چھڑی سے قتل کیا جائے یا خطا قتل ہو جائے یا شبہ عمد کی صورت ہو تو اس میں دیت مغلظہ ہوگی، اس میں سوا وثنیاں ہیں، چالیس کے پینوں میں بچے ہونے ضروری ہیں۔ وارث کے لئے کوئی وصیت نہیں۔ بچہ اس کا ہوگا جس کے ساتھ عورت کا عقد نکاح ہے اور بدکار کے لئے پتھر ہے۔ عورت کے لئے حلال نہیں کہ وہ اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر مال عطا کرے۔ غیر مسلموں کے مقابلہ میں تمام مسلمان ایک ہاتھ کی طرح ہیں۔ مسلمان کو کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی ذمی کو کافر کے بدلے میں قتل کیا جائے گا۔ دو دینوں پر ایمان رکھنے والے ایک دوسرے کے وارث نہیں بن سکتے۔ زکوٰۃ و عشر وصول کرنے والا نہ اپنے پاس مال منگوائے اور نہ کسی عورت سے اس کی پھوپھی پر، نہ اس کی خالہ پر نکاح کیا جائے گا۔ گواہ پیش کرنا مدعی کی ذمہ داری ہے اور قسم اس پر لازم ہوگی جو انکار کرے۔ عورت اپنے ذمی رحم محرم کے ساتھ سفر کرنے۔ عصر اور فجر کے فرض پڑھنے کے بعد کوئی (نفل) نماز نہیں۔ میں تمہیں عید الفطر اور عید قربان پر روزے رکھنے سے منع کرتا ہوں۔ دو قسم کے لباسوں سے بھی منع کرتا ہوں کوئی بھی ایک کپڑے میں احتباء نہ کرے۔ احتباء کا مطلب یہ ہے کہ آدمی سرین پر اس طرح بیٹھے کہ گھٹنے کھڑے کر کے اپنے سینے کے ساتھ ملا لے اور قدموں کو سرین کے ساتھ ملا لے۔ اس میں ستر کھلنے کا امکان ہوتا

ہے یا وہ اعضاء نمایاں نظر آتے ہیں۔ دوسرا لباس یہ ہے کہ کوئی آدمی اپنے اوپر یوں چادر یا کمبل لپیٹ لے کہ اس کے ہاتھ اندر ہوں اور وہ انہیں حرکت بھی نہ دے سکے۔ اے جماعت قریش اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کی نخوت اور اپنے آباء پر فخر کرنے کو ختم کر دیا ہے۔ تمام لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے بنائے گئے تھے۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت کی يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ۔ اے اہل مکہ کیا تم جانتے ہو کہ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں؟ انہوں نے کہا بہتری کی امید ہے آپ کریم بھائی ہیں اور کریم بھائی کے بیٹے ہیں۔ فرمایا لَا تَشْرِبْ عَلَيْكُمْ الْيَوْمَ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ هُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ اذْهَبُوا فَانْتُمُ طَلْقَاءُ۔ تم پر کوئی گرفت نہیں، اللہ تعالیٰ تمہیں بخشے، وہ ارحم الراحمین ہے، تم جاؤ، تم آزاد ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں آزاد کر دیا۔ وہ یوں حرم سے باہر نکلے گویا وہ قبروں سے اٹھائے گئے ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ فتح کے سال بنی خزاعہ نے ایک ایسے آدمی کو قتل کر دیا جس نے دور جاہلیت میں ان کے ایک آدمی کو قتل کیا تھا۔ حضور ﷺ خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہاتھی والوں کو مکہ مکرمہ سے روکا اور اپنے رسول اور مومنین کو اس پر غلبہ عطا فرمایا خبر دار نہ یہ مجھ سے قبل کسی کے لئے یہ حلال ہوا اور نہ ہی میرے بعد یہ شہر کسی کے لئے حلال ہوگا۔ میرے لئے بھی دن کی چند ساعتوں میں حلال ہوا تھا۔ یہ شہر حرام ہے، اس کے کانٹے کونہ روند جائے، اس کے درخت کونہ کاٹا جائے اور نہ ہی یہاں گری ہوئی چیز کو اٹھایا جائے۔ ہاں صرف اس صورت میں کہ اس کے اعلان کا ارادہ ہو۔ جس کا کوئی آدمی قتل کیا گیا اس کی دو باتوں میں سے ایک کا اختیار ہوگا، چاہے تو دیت لے لے، چاہے قصاص لے لے۔ ایک یعنی آدمی نے آپ سے عرض کی جسے ابو شاہ کہا جاتا مجھے یہ چیزیں لکھ دو۔ حضور ﷺ نے حکم دیا اسے لکھ دو۔ قریش میں سے ایک آدمی اٹھا، اس نے عرض کی اس کی حرمت سے اذخر کو مستثنیٰ کر دیں تو حضور ﷺ نے اذخر کو مستثنیٰ کر دیا (1)۔ ایک روایت میں ہے ایک آدمی اٹھا، عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں نے دور جاہلیت میں ایک عورت داشتہ بنا کر رکھی تھی۔ حضور ﷺ نے فرمایا جس نے دور جاہلیت میں کسی عورت سے داشتہ والے تعلقات رکھے جس کا وہ مالک نہ تھا یا وہ کسی اور کی لونڈی تھی پھر اس نے بعد میں اس کے بچے کا دعویٰ کیا۔ یہ اس کے لئے جائز نہ ہوگا نہ یہ اس بچے کا وارث ہوگا اور نہ ہی بچہ اس کا وارث ہوگا۔ میرا خیال ہے تم باتوں کو اچھی طرح سمجھ گئے ہو: أَقُولُ قَوْلِي هَذَا وَأَسْتَغْفِرُ اللَّهَ لِي وَلَكُمْ۔ پھر حضور ﷺ کی طرف سے ایک منادی کرنے والے نے مکہ مکرمہ میں اعلان کیا جو آدمی اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے تو وہ اپنے گھروں میں رکھے بتوں کو توڑ دے۔ جب ظہر کا وقت ہوا تو حضور ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ وہ بیت اللہ شریف کی چھت پر چڑھ کر اذان کہے جس سے مشرک غمیض و غضب میں مبتلا ہوں۔ اس وقت قریش پہاڑوں پر تھے۔ خود چھپے ہوئے تھے۔ اور چہرے سامنے تھے ابوسفیان، خالد بن اسید اور حارث بن ہشام کعبہ کے صحن میں بیٹھے ہوئے تھے۔ خالد بن اسید نے کہا اللہ تعالیٰ نے اسید کو عزت دی کہ اس نے یہ آواز نہ سنی۔ حارث نے کہا اللہ کی قسم اگر مجھے اس کے حق ہونے کا یقین ہوتا تو میں ضرور اس کی اتباع کرتا۔ سعید بن عاص کے ایک آدمی نے کہا اللہ تعالیٰ نے سعید کو عزت دی کہ اس کا لے جشی کو کعبہ پر دیکھنے سے پہلے ہی موت دے دی۔ ابوسفیان نے کہا میں تو کچھ بھی نہ کہوں گا، اگر میں نے کوئی بات کی تو یہ سنگریزے بھی آپ کو اطلاع کر دیں گے۔ جبریل امین حاضر خدمت ہوئے اور انہوں نے جو باتیں کی تھیں

سب کچھ بتادیں۔ حضور ﷺ نے انہیں وہ باتیں بتائیں جو انہوں نے کی تھیں تو انہوں نے کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اہل مکہ مسلمان ہو گئے۔ ایک مسلمان نے ابو قحافہ کو پتھر مارا اور اسے زخمی کر دیا اور حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ہار لے لیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں اس حال میں پایا کہ ان کے سر سے خون بہ رہا تھا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے چہرے سے خون صاف کیا اور حضور ﷺ کی خدمت میں لے آئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اس شیخ کو وہیں کیوں نہیں چھوڑ دیا یہاں تک کہ میں اس کے پاس آتا۔ حضور ﷺ نے اس کے سینے پر ہاتھ پھیرا تو وہ مسلمان ہو گئے۔ حضرت ابو قحافہ کا سر اور داڑھی شگامہ (پھول) کی طرح سفید تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا اسے کسی چیز سے تبدیل کر دو مگر سیاہ خضاب نہ لگانا۔ حضور ﷺ صفا پہاڑی پر تشریف فرما ہوئے جبکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نیچے تھے جو لوگوں سے اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان اور لا اِلهَ اِلاَّ اللّٰهُ وَخُدَّةٌ وَاَنْ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ پر بیعت لے رہے تھے۔ بڑے چھوٹے مرد اور عورتیں سب آئیں اور انہوں نے بیعت کی۔ جب مردوں کی بیعت سے فارغ ہوئے تو عورتوں سے بیعت لی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کسی عورت نے بیعت کرتے ہوئے حضور ﷺ کے ہاتھ کو نہیں چھوا۔ آپ گفتگو کے ذریعے بیت لے رہے تھے۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ جب طواف سے فارغ ہوئے تو صفا پہاڑی پر تشریف لائے آپ اس پر چڑھے یہاں تک کہ بیت اللہ شریف نظر آنے لگا۔ آپ نے اپنے ہاتھ اٹھائے اللہ تعالیٰ کی حمد کی، اس کا ذکر کیا اور جو پسند کرتے تھے وہ دعا کی جبکہ انصار نیچے تھے۔ بعض نے بعض سے کہا آپ کو رشتہ داروں کی رغبت اور قبیلہ کی شفقت نے اپنی گرفت میں لے لیا ہے۔ آپ پر وحی آئی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے انصار۔ عرض کی لیبیک یا رسول اللہ ﷺ فرمایا تم نے یہ یہ بات کی۔ انہوں نے عرض کی جی حضور کی ہے۔ فرمایا حاشا وکلا میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، میں نے اللہ اور تمہاری طرف ہجرت کی۔ میری زندگی اور موت تمہارے ساتھ ہے۔ وہ روتے ہوئے حضور ﷺ کی طرف بڑھے اور کہہ رہے تھے اللہ کی قسم ہم نے یہ بات صرف اس لئے کی تھی کہ ہم اللہ اور اس کے رسول کے بارے میں بخیل ہیں، یعنی ہم نہیں چاہتے کہ آپ یہاں رہ جائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول تمہاری سچائی کی وجہ سے تمہارا عذر قبول کرتا ہے۔ حضور ﷺ نے قریش کے تین آدمیوں سے قرض لیا، صفوان بن امیہ سے پچاس ہزار درہم، عبد اللہ بن ربیعہ سے چالیس ہزار درہم اور حویطب بن عبد العزیٰ سے چالیس ہزار درہم اور مالی لحاظ سے کمزور صحابہ میں اسے تقسیم کیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے ہوازن پر فتح نصیب فرمائی تو اس قرض کو واپس کر دیا اور فرمایا قرض کا بدلہ شکر یہ اور اس کی ادائیگی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اب مکہ مکرمہ پر حملہ نہ کیا جائے اور فتح مکہ کے بعد ہجرت کی ضرورت نہیں۔ ابو یعلیٰ اور ابو نعیم رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو شیطان بلند آواز سے رونے لگا تو اس کی آل اولاد سب جمع ہو گئے۔ اس نے کہا اب اس چیز سے مایوس ہو جاؤ کہ حضور ﷺ کی امت شرک کی طرف لوٹے گی۔ ابن ابی شیبہ نے مکحول رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کی ہے جب حضور ﷺ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو جن آپ کو ملے جو آپ کی طرف انگارے پھینک رہے تھے۔ تو جبرئیل امین نے عرض کیا اے محمد ﷺ ان کلمات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہیں:

أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ التَّامَّةِ الَّتِي لَا يَجَاوِزُهَا بَرٌّ وَلَا فَاجِرٌ مِنْ شَرِّ مَا نَزَلَ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا وَمِنْ شَرِّ مَا بَثَّ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمِنْ شَرِّ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمِنْ شَرِّ كُلِّ طَارِقٍ يَطْرُقُ إِلَّا طَارِقًا يَطْرُقُ بِخَيْرٍ

یا رَحْمَن۔

میں اللہ تعالیٰ کے مکمل تام کلمات کی پناہ چاہتا ہوں جن سے نیک اور براتجاوز نہیں کر سکتے، ہر اس شر سے جو آسمان سے نازل ہو یا آسمان کی طرف بلند ہو، زمین میں جو کچھ پھیلا ہوا ہے اس کے شر سے اور جو اس سے نکلتا ہے اس کے شر سے اور رات اور دن کے شر سے اور ہر طارق کے شر سے مگر جو خیر لاتا ہے یا رَحْمَن۔

بیہتی رحمۃ اللہ علیہ نے ابی بزی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو ایک حبشی عورت منہ نوچتے ہوئے آئی اور ہلاکت ہلاکت پکار رہی تھی۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ ﷺ ہم نے گھنٹھکریا لے بالوں والی ایک حبشی عورت دیکھی ہے جو منہ نوچ رہی ہے اور ہلاکت ہلاکت پکار رہی ہے تو حضور ﷺ نے فرمایا وہ یہ کہہ رہی ہے کہ وہ اب مایوس ہو چکی ہے کہ تمہارے شہروں میں اب بتوں کی پوجا کی جائے (1)۔ فتح مکہ کے روز ہی یہ حکم نازل ہوا إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا۔ حضور ﷺ نے عثمان بن طلحہ کو بلایا، چابی اسے دے دی، فرمایا اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنے پاس رکھو، ظالم کے سوا تجھ سے کوئی یہ نہ لے گا۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے گھر کی امانت سونپی ہے۔ اس گھر کی خدمت سے جو تمہیں حاصل ہو اس کو نیکی کے انداز میں کھاؤ۔ ایک روایت یہ بھی بیان کی گئی کہ جبرئیل امین آئے اور فرمایا جب تک یہ گھر قائم ہے اس کی ولایت اس کے خاندان میں رہے گی۔ چابی اور بیت اللہ کی در بانی آل عثمان میں رہی۔ چابی اس کے پاس ہوتی۔ جب وہ فوت ہو گیا تو چابی اس کے بھائی شیبہ کو مل گئی۔ چابی اور بیت اللہ کی خدمت اس کے خاندان میں رہے گی حضور ﷺ مکہ مکرمہ میں انیس دن رہے۔ آپ وہاں نماز میں قصر کرتے تھے۔ اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (2)۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے سترہ دن تک رہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اور بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اٹھارہ دن رہے۔ ان میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ انیس دن اس صورت میں بنیں گے جب مکہ مکرمہ میں داخل ہونے اور اس سے نکلنے والے دن کو شمار کر لیا جائے۔ سترہ دن اس صورت میں بنیں گے جب ان دنوں کو شمار نہ کیا جائے اور اٹھارہ پہروں کا اعتبار کرتے ہوئے بنیں گے جو پندرہ دن کا قول کیا گیا ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے خلاصہ میں اسے ضعیف قرار دیا گیا ہے۔ جب مکہ مکرمہ فتح ہو گیا تو عربوں نے ایک دوسرے کو کہا جب محمد ﷺ نے اہل حرم پر غلبہ پالیا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اصحاب فیل سے پناہ دی تھی۔ اب تمہارے لئے کوئی چارہ کار نہیں۔ اس لئے وہ اللہ تعالیٰ کے دین میں جماعت در جماعت داخل ہونے لگے جبکہ اس سے پہلے وہ ایک ایک یا دو دو کر کے داخل ہوتے تھے مابعد فرمان کا یہی مفہوم ہے۔

۲۔ یدخلون والاجملہ رایت کے مفعول الناس سے حال ہے۔ یہ اس صورت میں ہوگا جب ر ویت ابصار کے معنی میں ہو۔ اگر یہ علم کے معنی ہو تو یہ جملہ مفعول ثانی بنے گا۔ افواجا یہ یدخلون کے فاعل سے حال ہوگا۔ مقاتل اور عکرمہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا یہاں الناس سے مراد یمن کے لوگ ہیں (3)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ یمن والے رقیق القلب اور ایمان کے لئے سب سے نرم دل والے ہیں۔ حکمت یعنی ہے فخر اور تکبر اونٹ پالنے والوں میں ہے، سکون اور وقار بکریاں پالنے والوں میں ہے، متفق علیہ (4)۔ اذا کا جواب مابعد کلام ہے۔

2- صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 615 (وزارت تعلیم)

4- صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 630 (وزارت تعلیم)

1- دلائل النبوة از بیہقی، جلد 5، صفحہ 75 (العلمیہ)

3- تفسیر قرطبی زیر آیت ہذا

سے اپنے رب کی حمد بیان کرتے ہوئے اس کی پاکی بیان کرو، یعنی سبحان اللہ وبحمدہ کہو۔ یہ کلمات خوش ہو کر اور اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں اس کی حمد بیان کرتے ہوئے کہو کیونکہ کسی کے دل میں یہ گمان بھی نہ تھا کہ کوئی بزور بازو اس شہر میں داخل ہو سکتا ہے کیونکہ اسے اللہ تعالیٰ نے اصحاب فیل سے محفوظ رکھا تھا۔ حضرت انس رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو لوگوں نے آپ کی بڑی عزت کی حضور ﷺ نے عاجزی کرتے ہوئے اپنا سر کجاوے کی لکڑی پر رکھ دیا۔ اسے حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے عمدہ سند کے ساتھ بیان کیا ہے (1)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے، اس میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ کا سر کجاوے کے درمیانی حصہ کو چھو رہا تھا اور اس کے قریب ہو رہا تھا۔ آپ یہ عمل تو اضع کے طور پر کر رہے تھے کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتح اور مسلمانوں کی کثرت دیکھ رہے تھے۔ پھر آپ نے یہ دعا کی اسے اللہ زندگی تو آخرت کی زندگی ہے۔ اسے ابو یعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔

تواضع کرتے ہوئے، اپنے نفس کو مطیع کرنے کے لئے، اپنے اعمال کی بخشش کے لئے اور جو آپ نے افضل عمل نہ کیا محض اسی وجہ سے کہ آپ نے امت پر شفقت کرنے کے لئے فاضل عمل کو ترجیح دی تھی اس کا ازالہ کرنے کے لئے اپنے رب سے بخشش طلب کریں۔ یا اس کا معنی ہے اپنی امت کے لئے بخشش طلب کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں ہر روز ستر بار اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرتا ہوں (2)۔ ایک روایت میں ہے ستر سے زیادہ دفعہ بخشش طلب کرتا ہوں۔ ایک روایت میں ہے سو دفعہ بخشش طلب کرتا ہوں۔ اسے امام بخاری، امام نسائی، ابن ماجہ، طبرانی اور ابو یعلیٰ رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو ہریرہ، حضرت انس اور شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کیا پہلے تسبیح پھر حمد پھر استغفار یہ بطریق نزول (1) ہے، یعنی خالق سے مخلوق کے ذکر کی طرف منتقل ہونا ہے۔ یہی دعا کا طریقہ ہے۔ نبی کے علاوہ جب کوئی دعا کرے تو اس پر یہ بھی لازم ہے کہ وہ دعا سے پہلے حضور ﷺ پر درود و سلام پڑھے۔ جب سے اللہ تعالیٰ نے بخشش طلب کرنے والوں کو پیدا کیا ہے وہ ان کی توبہ قبول کرنے والا ہے۔ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ جب حضور ﷺ نے اس کی تلاوت کی تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ رونے لگے۔ حضور ﷺ نے پوچھا تم کیوں روتے ہو؟ عرض کی آپ نے تو اپنی وفات کی خبر دی ہے تو حضور ﷺ نے فرمایا بات وہی ہے جو تم نے کہی ہے (3)۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس آیت سے حضور ﷺ کے وصال کے استدلال کی وجہ یہ ہے کہ اس میں دعوت کے مکمل ہونے اور دین کے مکمل ہونے پر دلالت موجود ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے اَلْيَوْمَ اَکْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ۔ یا استغفار کا حکم اس لئے دیا گیا کیونکہ آپ کے اس جہان فانی سے پردہ فرمانے کا وقت قریب آ گیا تھا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھے بدری صحابہ میں شامل کرتے۔ بعض نے کہا آپ اس نوجوان کو ہمارے ساتھ کیوں شامل کرتے ہیں جبکہ ہمارے بیٹے اس کی عمر کے ہیں تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یہ ان میں سے ہے جنہیں تم خوب جانتے ہو۔ ایک روز حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھے اور بدری صحابہ کو طلب فرمایا مجھے محض اس لئے بلایا کہ انہیں میری حیثیت بتائیں۔ آپ نے حاضرین سے پوچھا جب سورہ فتح نازل ہوئی تو

1- مستدرک حاکم، جلد 3، صفحہ 50 (العلمیہ)
2- صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 933 (وزارت تعلیم)
3- تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 812 (دارالکتب العربیہ)
(1) پہلے اعلیٰ و برتر کا ذکر ہو پھر ادنیٰ کا ذکر ہو، مترجم۔

آپ نے کیا سمجھا؟ بعض نے کہا اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ حکم دیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی حمد کریں اور اس سے بخشش طلب کریں کیونکہ اس نے ہماری مدد کی اور ہمیں فتح عطا کی۔ بعض نے کہا ہم تو کچھ بھی نہیں جانتے، بعض نے کوئی بات نہ کی۔ آپ نے مجھ سے پوچھا اے ابن عباس تم بھی وہی کہتے ہو جو انہوں نے کہا۔ میں نے کہا میں ایسا نہیں کہتا۔ آپ نے پوچھا تم کیا کہتے ہو؟ میں نے عرض کیا اس میں حضور ﷺ کے وصال کی خبر تھی۔ آپ کو بتا دیا گیا کہ جب اللہ کی مدد اور فتح مکہ حاصل ہو جائے گی تو وہ آپ کے وصال کی علامت ہو گی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں بھی وہی جانتا ہوں جو تم جانتے ہو (1)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا ہے جب یہ سورت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے میری موت کی خبر دی گئی ہے (2)۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سورہ نصر قرآن حکیم کا چوتھائی ہے (3)۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ اپنے رکوع اور سجدہ میں اکثر یہ کلمات کہتے سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي (4)۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے کہ آپ اکثر یہ کلمات کہتے سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ أَسْتَغْفِرُ اللَّهَ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ فرمایا۔ میرے رب نے مجھے خبر دی تھی کہ تم اپنی امت پر ایک نشانی دیکھو گے۔ جب تم اس نشانی کو دیکھو تو اس وقت کثرت سے سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ أَسْتَغْفِرُ اللَّهَ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ کہنا تو میں نے وہ نشانی دیکھی۔ جب اللہ تعالیٰ کی مدد اور اس کی طرف سے فتح آگئی میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اللہ کے دین میں جماعت در جماعت داخل ہو رہے ہیں۔ اس لئے اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کہئے وہ ثواب ہے (5)۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعے یہ بتا دیا کہ آپ کے وصال کا وقت قریب آ گیا ہے۔ اس لئے تسبیح اور استغفار کا حکم دیا تاکہ زائد عمل صالح پر آپ کا خاتمہ ہو۔ قتادہ اور مقاتل رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا کہ حضور ﷺ اس سورت کے نزول کے بعد دو سال تک دنیا میں رہے (6)۔ واللہ اعلم۔

www.nafseislam.com

- 1- صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 743 (وزارت تعلیم)
 2- الدر المنثور زیر آیت ہذا
 3- جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 113 (وزارت تعلیم)
 4- صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 742 (وزارت تعلیم)
 5- صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 192 (قدیمی)
 6- تفسیر ابن کثیر زیر سورت ہذا

سورة اللهب

اساتھا ۵ ﴿﴾ سورة اللهب مکتہ ۱۱ ﴿﴾ رکوعھا ۱ ﴿﴾

سورة اللهب مکی ہے، اس میں ایک رکوع اور پانچ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

”اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے“

شیخین نے صحیحین میں روایت کیا ہے جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی وَأَنْذَرْنَا عَثِرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ تُوْرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ نے اپنے قریبی رشتہ داروں کو جمع کیا اور انہیں ڈرایا (1)۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے محدثین کے ہاں ایک روایت ہے کہ حضور ﷺ صفا پر چڑھے۔ آپ ﷺ نے لوگوں کو بلایا قریش آپ کے پاس جمع ہو گئے۔ آپ ﷺ نے پوچھا اگر میں تمہیں یہ بتاؤں کہ دشمن صبح یا شام تم پر حملہ کرنے والا ہے، کیا تم میری تصدیق کرو گے؟ سب نے کہا کیوں نہیں۔ تو فرمایا میں تمہیں آنے والے سخت عذاب سے ڈراتا ہوں۔ ابولہب نے کہا تو ہلاک ہو (2)۔ کیا تو نے اس لئے ہمیں جمع کیا تھا اور آپ کو مارنے کے لئے ایک پتھر اٹھایا تو یہ سورت نازل ہوئی۔

تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ ۗ مَا أَغْنَىٰ عَنْهُ كَمَالُهُ وَمَا كَسَبَ ۗ سَيَصْلَىٰ نَارًا إِذْ ذَاتَ

لَهَبٍ ۗ وَامْرَأَتُهُ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۗ فِي جِيدِهَا حَبْلٌ مِّن مَّسَدٍ ۗ

”ٹوٹ جائیں ابولہب کے دونوں ہاتھ اور وہ تباہ و برباد ہو گیا۔ کوئی فائدہ نہ پہنچایا اسے اس کے مال نے اور جو اس نے کمایا۔ عنقریب وہ جھونکا جائے گا شعلوں والی آگ میں سے اور اس کی جو رو بھی بد بخت ایندھن اٹھانے والی ہے اس کے گلے میں مومج کی رسی ہوگی۔“

۱۔ تباب ایسے نقصان کو کہتے ہیں جو ہلاکت کی طرف لے جائے۔ بدابھی لہب سے مراد اس کی ذات ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے فرمان میں ہے وَلَا تَلْقُوا أَيُّدِيَكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ ہاتھوں کو خصوصی طور پر اس لئے ذکر کیا کیونکہ اس نے پتھر اٹھایا تھا تاکہ آپ کو مارے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ دونوں ہاتھوں سے مراد دنیا اور آخرت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس سے مراد ماں اور اقتدار ہے کیونکہ یہ حملہ بولا جاتا ہے فَلَانَ قَلِيلٌ ذَاتِ يَدِ فَلَانٍ كَم مَالٍ وَاللَّهِ بِهِ۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لہب کو ہاء کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے ہاء کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس کا نام عبدالعزی بن عبدالمطلب تھا۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ابولہب اس کی کنیت تھی۔ اس کی وجہ اس کا حسن اور چہرے کا چمکدار ہونا ہے (3)۔ یہاں اس کی کنیت ذکر کی کیونکہ اس کا نام لینا ناپسند کیا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ وہ جہنمی تھا اور اس کی کنیت اس کے حال کے موافق اور ذات لہب کے ہم وزن تھی۔ وتب کے الفاظ سے خبر

کے بعد خبر دی جاتی ہے۔ مقصود تاکید بیان کرنا ہے یا پہلے انکار کیا ہے اور دوسرا خبر یہ ہے۔ مانسی کے ساتھ اس لئے تعبیر کیا کیونکہ اس کا وقوع یقینی تھا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جب حضور ﷺ نے اپنے قریبی رشتہ داروں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلا یا تو ابولہب نے کہا اگر وہ حق ہے جو میرا بھتیجا کہتا ہے تو میں اپنے بدلے میں اپنا مال اور اپنی اولاد فدیا کے طور پر دے دوں گا اور بیچ جاؤں گا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ (1)

۲۔ اس میں ماننا یہ ہے یا استغناء یہ ہے اور انکار کے لئے ہے، یعنی اس نے جو مال بیع کر رکھا ہے وہ مال اسے عذاب سے نہیں بچا سکتا یا وہ کوئی چیز ہے جس سے اس کا مال اسے بچائے گا، یعنی کسی سے بھی نہیں بچا سکتا گا۔ ابولہب بڑا مالدار تھا۔ ہا کسب سے مراد مال اور اولاد ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک مرفوعہ روایت مروی ہے سب سے پاکیزہ چیز جسے تم ہاتھ ہو وہ وہ ہے جو تمہاری کمائی ہو اور تمہاری اولاد بھی تمہاری کمائی ہے (2)۔ اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ اس کے بیٹے یوسف کے راستے میں شیر نے پھاڑ ڈالا تھا جس طرح ہم نے سورہ بھیس میں ذکر کیا ہے جبکہ ابولہب بدر کے واقعہ کے چند روز بعد مر گیا تھا۔ اسے ایک دانہ نکالا تھا۔ وہ تین دن اسی طرح پڑا رہا یہاں تک کہ اس سے بد بو آنے لگی۔ پھر گھر والوں نے جوشی خانوں کو اجرت پر لیا تو انہوں نے اسے دفن کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے جہنم کی دھمکی دی۔

۳۔ یہ جملہ مستانہ ہے یا ما اغسی کی نسلت بیان کر رہا ہے۔ یہاں تمام قراء کا اتفاق ہے کہ لہب کے ہاء پر فتح ہوگا کیونکہ قافیوں کی یہاں رعایت کی گئی ہے۔

۴۔ امراتہ کا عطف پوشیدہ ضمیر پر ہے جو سیصلی میں موجود ہے کیونکہ درمیان میں فاصلہ ہے اس لئے اسم ظاہر کا اسم ضمیر پر عطف تاکید کے بغیر بھی جائز ہے یا یہ مبتدا ہے اور ما بعد اس کی خبر ہے اس کی بیوی کا نام ام جمیل تھا جو ابوسفیان کی بہن تھی۔

عاسم نے حمالہ پر نصب پڑھی ہے۔ مقصود مذمت بیان کرنا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے مرفوع پڑھا ہے کیونکہ یہ مبتدا کی خبر ہے۔ ابن جریر نے ابن اسحاق رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے انہوں نے ہمدان کے ایک آدمی سے روایت کیا ہے جسے یزید کے نام سے یاد کیا جاتا تھا کہ ابولہب کی بیوی حضور ﷺ کے راستے میں کانٹے پھینکتی تھی تاکہ آپ کے پاؤں زخمی ہو جائیں تو یہ آیت نازل ہوئی۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ سے اسی طرح مروی ہے۔ ابن منذر نے عکرمہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ عطیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی ایک روایت اسی طرح نقل کی ہے۔ قتادہ، مجاہد اور سدی رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا یہ چغل خور تھی اور باتیں ایک دوسرے تک پہنچاتی تھی اور دشمنی ڈال دیتی تھی۔ اس کی باتیں اسی طرح آگ بھڑکاتی تھیں جس طرح ایندھن آگ جلاتا ہے۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وہ گناہوں کو اٹھانے والی تھی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے **هُمْ يَحْمِلُونَ أَوْزَارَهُمْ عَلَىٰ خُلُوفِهِمْ**۔ (3)

۵۔ یہ امراتہ سے دوسری خبر ہے۔ جب اسے مبتدا بنایا جائے یا اس سے حال ہے۔ یہ اس صورت میں ہوگا جب امراتہ کو سیصلی کا حال بنایا جائے۔ حضرت ابن عباس اور عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا مسد اسے کہتے ہیں جسے بانٹا گیا ہو اور مضبوط کیا گیا ہو، خواہ وہ کسی چیز سے بھی ہو۔

اعمش نے مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ مسد سے مراد لوہا ہے۔ شععی اور مقاتل رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا یہ کھجور کے

جہاں کی بنی ہوئی رہی تھی۔ یہ وہی رہی تھی جس میں وہ لکڑیاں لاتی تھی۔ ایک روز وہ لکڑیوں کا گٹھا اٹھائے ہوئے تھی کہ وہ تھک گئی۔ اس نے آرام کرنے کے لئے ایک پتھر پر گٹھا رکھا، فرشتہ آیا اور پیچھے سے رہی کو کھینچ کر اسے بلا کر کر دیا۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ ایک ایسے درخت کی بنائی گئی رہی تھی جو یمن میں اگتا ہے جسے مسد کہتے ہیں۔ قنادیہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے اس کا بار مراد ہے۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا یہ موتیوں کا بار تھا جو اس کے گلے میں ہوتا تھا۔ سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کی گردن میں عمدہ بار تھا۔ اس نے کہا میں اسے حضور ﷺ کی دشمنی میں خرچ کر ڈالوں گی۔ (1)

میں کہتا ہوں اگر حبل سے مراد وہ رہی ہے جو آخرت میں اس کے گلے میں ہوگی یا تو یہ امر اتھ سے دوسری خبر ہوگی۔ اگر یہ مبتدا ہو یا اس سے حال ہوگا۔ اگر وہ سیصلی کا فاعل ہو اور حمالة الحطب ہمارے متن کے طور پر منسوب ہوگا۔ مقصود اس کی مذمت بیان کرنا ہوگا۔ فی حبل من مسد کو حمالة الحطب کی ضمیر سے حال بنا کر صحیح نہیں کیونکہ دونوں کا زائد نہ ایک نہیں کیونکہ لکڑیاں اٹھانے کا عمل تو دنیا میں ہوا۔ ہاں اس صورت میں حال بن سکتا ہے کہ حمالة الحطب سے یہ مراد ہو کہ وہ جہنم میں لکڑیوں کا گٹھا اٹھائے گی۔ جس طرح زقوم اور ضریح وغیرہ یا جس کے ساتھ جہنم کو بھڑکایا جائے گا۔ یہ اس عمل کی جزا ہے جو وہ دنیا میں حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ کے ساتھ دشمنی کی صورت میں کیا کرتی تھی، امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی ذکر کیا ہے۔ لیکن یہ تاویل اسلاف سے منقول نہیں۔ اگر مراد یہ ہو کہ دنیا میں اس کی گردن میں رہی مراد ہے تو اس صورت میں یا تو یہ مبتدا محذوف کی خبر ہوگی وہ ہی ہے یا امر اتھ کی دوسری خبر ہوگی یا اس پوشیدہ ضمیر سے حال ہوگا جو حمالة الحطب میں ہے۔ اس میں پھر کوئی اشکال نہ ہوگا۔ اس تاویل کی صورت میں یہ استعارہ مرثیہ ہوگا۔ یا اس لکڑیاں اٹھانے والے کی تصویر کشی ہوگی جو گٹھا اٹھاتی ہے اور رہی کو گردن میں باندھ لیتی ہے تاکہ وہ گٹھا سر سے نہ گرے۔ یہاں مقصود اس کی حقارت بیان کرنا ہے۔ پھر یہ کلام حقیقی معنی میں نہ ہوگی۔ امام شعبی رحمۃ اللہ علی نے جو کچھ کہا ہے وہ حقیقت سے بہت ہی دور ہے کیونکہ وہ اور اس کا خاندان بہت ہی مالدار اور صاحب ثروت لوگ تھے۔

www.nafseislam.com

سورة الاخلاص

ابانھا ۴ ﴿﴾ سُورَةُ الْاِخْلَاصِ مَكِّيَّةٌ ۱۱۲ ﴿﴾ رُكُوعُهَا ۱ ﴿﴾

سورة الاخلاص کئی ہے اس میں ایک رکوع اور چار آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

”اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے“

امام ترمذی، امام حاکم اور ابن حزم رحمہم اللہ تعالیٰ نے ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ مشرکوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا اپنے رب کا نسب بیان کر دو تو اللہ تعالیٰ نے اس سورت کو نازل فرمایا (1)۔ طبرانی اور ابن جریر رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔ ان دونوں روایتوں کی بناء پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ سورت کئی ہے۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا ہے کہ یہودی حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے ان میں کعب بن اشرف اور جی بن اخطب تھا۔ انہوں نے عرض کی جس رب نے تمہیں مبعوث کیا ہے اس کی ہمارے سامنے صفت بیان کر دو تو اللہ تعالیٰ نے اس سورت کو نازل فرمایا (2)۔ ابن جریر نے قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے اور ابن منذر نے سعید بن جبیر رحمہما اللہ تعالیٰ سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے جھاگ، قتادہ اور مقاتل رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ذکر کیا ہے کہ یہود کے علماء حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی ہمارے سامنے اپنے رب کی صفات بیان کرو شائد ہم آپ پر ایمان لے آئیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تورات میں اپنی نعت بیان کی ہے ہمیں بتائیں وہ کس چیز کا بنا ہوا ہے؟ کیا وہ کھاتا پیتا ہے؟ وہ کس کا وارث ہے اور اس کا وارث کون ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے اس سورت کو نازل فرمایا۔ ابو الشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب العظمت میں ابان کے واسطے سے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ خیبر کے یہودی حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے، انہوں نے کہا اے ابوالقاسم اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حجاب کے نور سے پیدا کیا اور حضرت آدم علیہ السلام کو گوندھی ہوئی لیس دارمٹی سے پیدا کیا، انہیں کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا، آسمان کو دھوئیں سے زمین کو پانی کی جھاگ سے پیدا کیا، ہمیں اپنے رب کے بارے میں بتائیے وہ کس چیز سے پیدا ہوا؟ حضور ﷺ نے کوئی جواب نہ دیا۔ جبرئیل امین آئے اور یہ سورت پیش کی (3)۔ ان روایات کو پیش نظر رکھا جائے تو یہ سورت مدنی ہے۔ ابن جریر نے ابو العالیہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ قبیلوں کے سرداروں نے کہا ہمارے سامنے اپنے رب کا نسب بیان کریں تو جبرئیل امین یہ سورت لائے (4)۔ اس روایت کی بناء پر تعارض ختم ہو جاتا ہے۔ اس سے بات واضح ہو جاتی ہے کہ سورت مدنی ہے اور ابی بن کعب کی روایت میں مشرکین سے مراد قبائل کے سردار ہیں۔ شاید یہودیوں اور غزوہ احزاب میں

2۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 705 (العلمیہ)

1۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 172 (وزارت تعلیم)

4۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 269 (الامیریہ)

3۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 704 (العلمیہ)

شریک قبائل کے سرداروں نے حضور ﷺ سے اللہ تعالیٰ کے بارے میں سوال کیا تھا تو یہ سورت نازل ہوئی۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ابو ظبیان سے اور ابوصالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ عامر بن طفیل اور ابوبکر بن ربیعہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عامر نے کہا اے محمد ﷺ آپ ہمیں کس کی طرف بلاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہوں۔ اس نے پوچھا ہمارے سامنے اس کے اوصاف بیان کیجئے، کیا وہ سونے کا ہے، چاندی کا ہے، لوہے کا ہے یا لکڑی کا ہے؟ تو یہ سورت نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اربد کو آسمانی بجلی اور عامر کو طاعون کے ساتھ ہلاک کر دیا۔

قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ۝ اللَّهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ ۝ لَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ ۝

”(اے حبیب) فرمادیتے وہ اللہ ہے، یکتا، اللہ صمد ہے، نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ جنا گیا۔ اور نہ ہی اس کا کوئی

ہمسر ہے۔“

۱۔ قل سے خطاب حضور ﷺ کی ذات کو ہے۔ ہو ضمیر یا تو ضمیر شان ہے اور مابعد جملہ اس کی خبر ہے۔ ضمیر عائد ذکر کرنے کی ضرورت اس لئے نہیں کیونکہ وہ بھی ہوئی ہوگی یا یہ ضمیر اس ذات کی طرف لوٹ رہی ہے جس کے بارے میں انہوں نے سوال کیا تھا لفظ اللہ اسم جلالت مبتدا کی خبر ہے۔ احد لفظ اللہ اسم جلالت سے بدل ہے یا دوسری خبر ہے۔ اصل میں یہ وحد تھا جو واحد کے معنی میں ہے۔ واؤ کو ہمزہ سے بدل دیا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں قل هو اللہ لو احد ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اسی طرح قرأت کی۔ جب کلام کی تعبیر یوں کی جائے کہ ہو ضمیر شان ہے اور اللہ احد مبتدا خبر ہے تو کلام اپنے ظاہر معنی میں نہ ہوگی کیونکہ لفظ اللہ جزء حقیقی کا نام ہے جو ایک ہی ہو سکتا ہے جس کا صدق کثیر افراد پر فرض کرنا ممتنع ہے۔ جس طرح زید کا صدق کثیر افراد پر ممتنع ہے تو اس صورت میں استدراک لازم آئے گا اور کلام فائدہ نہ دے گی۔ پس ضروری ہے کہ لفظ اللہ سے کلی معنی مراد لیا جائے، یعنی وہ مستحق عبادت ہے اور اس کا صدق ذات واجب الوجود کے علاوہ پر بھی ہوتا ہے جبکہ عبادت کا استحقاق اس وقت تک متصور نہیں ہو سکتا جب تک وہ کسی کو عدم سے وجود عطا نہ کرے اور اس کے لوازمات کا فیضان نہ کرے اور اس فیضان کا تصور ذات واجب الوجود سے ہی ممکن ہے جو صفات کمال سے متصف ہے جس کے لئے نقص کی صفات اور زوال ممتنع ہو اور وہ اپنی ذات کی حقیقت اور صفات میں ممکنات سے الگ تھلگ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی غیر کو وجود عطا کرنا اس امر کے تابع ہے کہ اس کا اپنا وجود فی نفسہ ہو۔ جب اس کا وجود فی نفسہ نہ ہو تو وہ غیر کے وجود کا تقاضا کیسے کر سکتا ہے، خواہ غیر جوہر ہو، عرض ہو یا بندے کا فعل ہو۔ اس معنی میں وجود (جو غیر کا مرہون منت ہے)، نقص، زوال اور ممکنات کے ساتھ مشابہت واجب الوجود اور استحقاق عبادت کے منافی ہے۔ پھر اس جملہ کا معنی یہ ہوگا وہ علی الاطلاق مستحق عبادت ہے، وہ اپنی ذات کی وجہ سے قائم ہے، وہ صفات کاملہ سے متصف ہے، اس پر نقص اور زوال ممتنع ہے، وہ واحد ہے، کوئی اس کا شریک نہیں۔ اس تعبیر میں کلام مکمل فائدہ دے گی، مگر اس تاویل کی صورت میں جو اب سوال کے مطابق نہ ہوگا کیونکہ انہوں نے یہ سوال نہ کیا تھا کہ وہ ایک ہے یا زیادہ ہیں کیونکہ حضور ﷺ تو علی الاعلان توحید کی طرف دعوت دیتے تھے اور حضور کا یہ قول تھا لا الہ الا اللہ بلکہ وہ حقیقت ذاتیہ کے بارے میں پوچھتے تھے کہ ہمارے سامنے رب کی صفات بیان کرو، جس نے تمہیں مبعوث کیا ہے کیا وہ سونے کا ہے یا چاندی کا ہے۔ اسی طرح اگر ضمیر مسؤل عنہ کی طرف لوٹے تو پھر بھی جملہ کا یہ معنی کرنا جائز نہ ہوگا کہ وہ ایک ہے یا زیادہ نہیں کیونکہ وہ سوال کے مطابق نہیں۔ دونوں تاویلوں کی صورت میں احد سے یہ مراد لینا

واجب ہوگا کہ وہ مرکب اور متعدد ہونے سے پاک ہے۔ اسی طرح جسم ہونے اور کسی مکان میں ہونے سے بھی پاک ہے اور حقیقت میں کسی شے کے ساتھ شریک ہونے سے بھی پاک ہے، صفات کمال میں کسی صفت میں کسی شے کے ساتھ مشابہت سے بھی پاک ہے۔ جب کوئی بھی ذات میں اور صفت میں اس کے مشابہ نہیں تو نہ اس کا کوئی مدبے اور نہ ضد اور نہ ہی اس کی کوئی مثل ہے۔ اسی وجہ سے صوفیاء کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی احدیت اور کسی کا اس کے ساتھ صفت میں شریک نہ ہونا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ وجود میں بھی اس کے ساتھ کوئی شریک نہ ہو کیونکہ وجود تمام صفات کی اصل ہے حیات تمام صفات علم، قدرت، ارادہ، کلام، سمع اور تکوین کا مبداء ہے اور حیات وجود کی فرع ہے۔ وجود مصدر کے حکم میں ہے اور حیات اس سے مشتق کی طرح ہے جو اس پر مرتب ہے۔ اسی وجہ سے صوفیاء نے لا الہ الا اللہ کا معنی لا موجود الا اللہ کیا ہے کیونکہ حقیقت میں موجود صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے باقی جتنی بھی ممکنات ہیں سب اس کے وجود کی وجہ سے موجود ہیں۔ ان کے وجود کی حیثیت وہی ہے جس طرح سایہ ہوتا ہے۔ پس ہر شے کا وجود وجود حقیقی کے لئے سایہ کا درجہ رکھتا ہے۔ علم، قدرت اور تمام دوسری صفات کا بھی یہی حال ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ذَلِك بِانِّ اللهُ هُوَ الْحَقُّ ذَا الَّذِي لَا يَمُوتُ مِنْ دُونِهِ هُوَ الْبَاطِنُ كَيْونَكَ اللهُ تَعَالَى كِي ذَاتِى حَقِيْقَتِى مِيں موجود ہے، باقی کوئی چیز بھی فی نفسہ متحقق نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے كَلِّمْ شَيْءًا مِمَّا يَكُنُّ اِلَّا وَجْهًا۔ ممکنات کی جتنی بھی صفات ہیں اللہ تعالیٰ کی صفات کے ساتھ محض نام میں مشترک ہیں۔ وہاں حقیقت میں کوئی اشتراک نہیں۔ جو آدمی صوفیاء کا کلام نہیں سمجھ سکتا اس پر لازم ہے کہ ان کے دامن کو مضبوطی سے پکڑ لے تاکہ ان پر حق واضح ہو جائے۔ کیا اللہ تعالیٰ کی توحید اور مستحق عبادت ہونے کے لئے یہ کافی نہیں کہ وہ ہر چیز پر گواہ ہے۔ خبردار یہ لوگ اس کی ملاقات سے شک میں پڑے ہوئے ہیں، خبردار وہ ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ ایک جملہ میں ذات اور صفات کی تمام مباحث کی طرف اشارہ موجود ہے۔ قل کے کلمہ میں نبوت اور تبلیغ کی طرف اشارہ ہے۔ آیت کا اعجاز نبوت پر مشابہ ہے اسی وجہ سے قُلْ هُوَ اللهُ اَحَدٌ ایسا کلام ہے جو بڑی بڑی ضخیم جلدوں سے غنی کر دیتا ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ صفات باری تعالیٰ عین ذات ہیں یا غیر ذات اس کلام میں کوئی دلیل نہیں اور نہ اس بحث سے کوئی دینی غرض وابستہ ہے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ فلسفہ کی یہ بحثیں انسان کو ہلاکت کی طرف لے جانے والی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: يَسْئَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّي وَمَا اُوْتِيْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا۔ جب انسان کو روح کے بارے میں معمولی علم عطا کیا گیا ہے جبکہ روح بھی مخلوق ہے تو اسے اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کا علم کیسے ہو سکتا ہے۔ وہ اس کے ادراک سے عاجز ہے۔ اس سے بحث کرنا شرک کرنا ہے جبکہ اس تک رسائی حاصل کرنے کا طریقہ صرف معیت ہے کوئی اور راستہ نہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے جبکہ ہم تقدیر کے بارے میں بحث کر رہے تھے۔ آپ ﷺ سخت غصے ہو گئے یہاں تک کہ آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا، گویا آپ کے رخسار پر دو انار توڑ دیئے گئے ہیں۔ فرمایا کیا تمہیں اس چیز کا حکم دیا گیا، کیا مجھے اس لئے تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے؟ تم سے پہلی تو میں بھی اس وقت ہلاک ہو گئیں جب انہوں نے اس معاملہ میں آپس میں جھگڑا کیا۔ میں تمہیں قسم دے کر کہتا ہوں کہ اس مسئلہ میں آپس میں نہ جھگڑنا۔ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا (1)۔ ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی کی مثل عمرو بن شعیب سے، وہ اپنے باپ سے اور وہ دادا سے روایت کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس، حضرت حسن بصری اور سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا صمد اسے کہتے ہیں جسے کوئی خوف نہیں (2)۔ ابن

جزیر نے بریدہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ میرا خیال ہے انہوں نے اسے مرفوعاً نقل کیا ہے۔ میں کہتا ہوں شانہ یہ مجاز ہے اس ذات سے جو عقل و وہم سے ماوراء ہے اور جہاں تک عقل نہیں پہنچ سکتی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا صمد و ذات ہوتی ہے جو نہ کھائے اور نہ پیے۔ ایک قول یہ کیا گیا اس کی تفسیر مابعد کلام ہے۔ ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ابی بن کعب سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ ابو اثلث شقیق بن سلمہ نے کہا صمد ایسے سردار کو کہتے ہیں جس پر سرداری ختم ہو جائے۔ ابو طلحہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی ایک روایت یہی کی ہے، یعنی ایسی ذات جس میں تمام سرداریاں جمع ہو جائیں۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے صمد اس ذات کو کہتے ہیں جو اپنی تمام صفات اور افعال میں کامل ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا اس سے مراد وہ سردار ہے جس کا تمام ضروریات میں قصد کیا جاتا ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا صمد اسے کہتے ہیں جو مخلوق کے فناء ہونے کے بعد بھی باقی رہے۔ ایک قول یہ ہے ایسا سردار جس کا پسندیدہ چیزوں میں قصد کیا جائے اور مصائب میں اس سے مدد لی جائے۔ کہتے ہیں صمدتہ اس وقت کہتے ہیں جب تو ان کا قصد کرے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا صمد اسے کہتے ہیں جو مخلوق کے فناء ہونے کے بعد باقی رہے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا صمد اسے کہتے ہیں جس سے برتر کوئی نہ ہو۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی یہی قول ہے۔ ربیع نے کہا صمد اسے کہتے ہیں جسے آفات لاحق نہ ہوں۔ مقاتل بن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جس میں کوئی عیب نہ ہو (1)۔ میں کہتا ہوں اس کا حقیقی معنی ہے جو مقصود ہو۔ قاصدوں میں ہے الصمد جس کا معنی قصد کرنا ہے جب میم پر زبر ہو تو اس کا معنی سردار ہے کیونکہ لوگ اس کا قصد کرتے ہیں۔ اس پر الف لام ان کے لئے داخل کیا کیونکہ وہ بے نیازی کے اعلیٰ اور اکمل ترین درجہ پر فائز ہے کیونکہ لوگ اپنی فاسد رائے اور مرتبہ حق الیقین پر فائز نہ ہونے کی وجہ سے کبھی وہ اللہ تعالیٰ کی چھوڑ کر دنیا اور اس کی چیزوں کا بھی قصد کرتے ہیں۔

ہم نے اسلاف کے جو اقوال بھی ذکر کئے وہ صمد کے معنی کے لوازمات ہیں کیونکہ مقصود حقیقت میں وہ ہوتا ہے کہ ہر دوسری چیز اس کی محتاج ہو لیکن وہ کسی چیز میں بھی غیر کا محتاج نہ ہو تو وہ لازماً تمام کمالات، ہر قسم کی سرداری کو جامع ہو، عیوب اور لاحق ہونے والی آفات سے پاک ہو، کھانے پینے کا محتاج نہ ہو، وہ قدیم ہو، اسے کسی نے نہ جانا ہو، وہ کسی کے جس سے تعلق نہ رکھتا ہو کہ اس سے کوئی مثل پیدا ہو، اس سے برتر کوئی نہ ہو بلکہ اس کی مثل بھی کوئی نہ ہو تو وہ لازماً ایسا ہی ہوگا کہ کسی کا فہم اور ادراک اس تک نہ پہنچے گا۔ جب سابقہ جملہ اس جملہ اور بعد والے جملوں سے غنی ہے تو یہ جملہ اور بعد والا جملہ پہلے جملہ کے لئے تاکید کی طرح ہے۔ یہ اہتمام کی زیادتی کے لئے لائے گئے ہیں جس طرح عام کے بعد خاص کو ذکر کیا جاتا ہے۔ مقصود پا کی بیان کرنے میں مبالغہ کرنا ہے اور جو مخاطب منکر و مشرک ہیں اور غیر اللہ کا قصد اور عبادت کرتے ہیں ان کا صریح رد کرنا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ وہ مشرک اللہ تعالیٰ کے لئے بیٹوں اور بیٹیوں کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ اس جملہ اور بعد والے جملوں میں حرف عطف ذکر نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ کے نام کو مکرر ذکر کیا۔ مقصود یہ شعور دلانا ہے کہ جو ذات ان صفات سے متصف نہ ہو وہ عبادت کی مستحق نہیں ہو سکتی اور مقصود بھی اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کوئی اور نہیں ہونا چاہئے۔

اسی وجہ سے صوفیاء کہتے ہیں کہ لا الہ الا اللہ کا معنی ہے لا مقصود الا اللہ اور انہوں نے یہ کہا جو تیرا مقصد ہے وہی تیرا معبود ہے کیونکہ انسان اپنے مقصد کے حصول کے لئے حد درجہ عاجزی کرتا ہے جبکہ عبادت کا معنی بھی حد درجہ کی عاجزی ہوتی ہے۔ صوفیاء

گرام جب نفی اور اثبات کا ذکر کرتے ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ غیر کے مقصود ہونے کی نفی کو ملحوظ خاطر رکھتے ہیں اور اس میں حدود و جہد کوشش کرتے ہیں یہاں تک کہ ان کے دلوں سے غیر اللہ کے کسی بھی اعتبار سے مقصود ہونے کا تصور نکل جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مشکل کو آسان کرنے والا ہے۔

سے مشرکوں نے جس طرح گمان کیا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اور یہودیوں نے گمان کیا کہ عزیر اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور انہوں نے گمان کیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں۔ بات اس طرح نہیں، اللہ تعالیٰ نے کسی کو بھی نہیں جنا کیونکہ اس کی جنس ہونا محال ہے اسے کسی مددگار کی ضرورت نہیں۔ اسے کسی نائب کی ضرورت نہیں کیونکہ اس کے لئے احتیاج اور فناء محال ہے۔ اسے ماضی کے لفظ سے تعبیر کیا اگرچہ اس کی اولاد کا نہ ہونا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہے۔ یہ اصل میں ان کے قول کا رد ہے۔ نیز اس لئے بھی ماضی کا صیغہ ذکر کیا تاکہ مابعد کلام کے مطابق ہو جائے وہ کسی کی اولاد اس لئے نہیں کیونکہ حادث ہونا الوہیت کے منافی ہے۔

اس کا کوئی ہم پلہ نہیں جنس رحمتہ اللہ علیہ نے کفوا کو کاف کے ضمہ اور فاء کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ حمزہ رحمتہ اللہ علیہ نے فاء کے سکون اور وصل میں حمزہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ جب اس پر وقف ہوگا تو حمزہ کو واؤ مفتوحہ سے بدل دیں گے تاکہ خط کا اتباع ہو جائے۔ قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ اس کی حرکت فاء کو دے دی جائے جبکہ باقی قراء نے فاء کے ضمہ اور حمزہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ احد یکن کا اسم ہے اور کفوا اس کی خبر ہے اور ظرف کفوا کے متعلق ہے۔ خبر کو اسم پر مقدم کیا اور ظرف کو خبر پر مقدم کیا۔ مقصود اہتمام کرنا ہے کیونکہ یہاں مقصود اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنا ہے اور مکافات (برابری) کی نفی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ آیات کے سببوں کی رعایت کی گئی ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ صرف اس ضمیر سے حال ہو جو کفوا میں پوشیدہ ہے یا ظرف خبر ہو اور کفوا احد سے حال ہو۔ ان تین جملوں میں حرف عطف ذکر کیا کیونکہ یہاں مقصود اس کی مثل ہونے کی نفی اور جن چیزوں سے وہ اس کی صفت بیان کرتے تھے اس سے پاکی بیان کرنا ہے۔ اس لئے یہ تینوں جملے ایک جملہ کے حکم میں ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ابن آدم نے میری تکذیب کی جب کہ اسے یہ حق نہیں تھا اس نے مجھے گالیاں دی جبکہ اسے یہ حق حاصل نہیں تھا۔ اس کا مجھے جھٹلانا تو یہ ہے کہ وہ یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دوبارہ پیدا نہیں کرے گا جس طرح اس نے مجھے پہلی دفعہ پیدا کیا حالانکہ پہلی دفعہ پیدا کرنا دوسری دفعہ پیدا کرنے سے آسان نہیں۔ اس کا مجھے گالی دینا یہ ہے کہ وہ یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیٹا بنا رکھا ہے حالانکہ میں احد اور صمد ہوں، نہ میں نے کسی کو جنا اور نہ ہی مجھے کسی نے جنا اور نہ ہی میرا کوئی شریک ہے۔ (1)

فصل: حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم میں سے کوئی ایک اس امر سے عاجز ہے کہ وہ ایک رات میں قرآن کا تیسرا حصہ پڑھے۔ لوگوں نے عرض کی ایک آدمی قرآن کا تیسرا حصہ کیسے پڑھ سکتا ہے؟ فرمایا اقل هو اللہ احدث الخ یہ قرآن کے تیسرے حصے کے برابر ہے۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا (2)۔ اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ اسی کی مثل حضرت ابن عباس اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہے جسے ہم نے سورہ زلزال میں روایت کیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ایک آدمی کو ایک چھوٹے لشکر کا امیر بنا کر بھیجا جو اپنے ساتھیوں کو جب نماز پڑھاتا تو سورہ اخلاص پڑھتا۔ جب یہ صحابہ واپس آئے تو حضور ﷺ کی

بارگاہ اقدس میں ذکر کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا اس سے پوچھو کہ تو ایسا کیوں کرتا تھا۔ لوگوں نے اس سے پوچھا، تو اس نے جواب دیا کہ یہ رحمن کی صفت ہے اور میں پسند کرتا ہوں کہ اسے پڑھوں تو حضور ﷺ نے فرمایا اسے خبر دے دو اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے (1)۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے ایک آدمی نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں اس سورت کو پسند کرتا ہوں۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا تیرا اس صورت کو پسند کرنا تجھے جنت میں داخل کر دے گا۔ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (2)۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی ہم معنی روایت کی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک آدمی کو قتل ہوا اللہ اُحَد پڑھتے ہوئے سنا تو فرمایا واجب ہوگئی۔ میں نے عرض کی کیا واجب ہوگئی فرمایا جنت (3)۔ اسے امام مالک، امام ترمذی اور امام نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ جو آدمی اپنے بستر پر سونے کا ارادہ کرے تو وہ اپنے دائیں پہلو کے بل سوئے پھر سورۃ سورۃ اخلاص پڑھے۔ جب قیامت کا روز ہوگا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے میرے بندے اپنی دائیں طرف جنت میں داخل ہو جا (4)۔ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے اور کہا یہ روایت حسن غریب ہے۔ آپ (حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے ہی ایک روایت مروی ہے وہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جس نے دن میں سو بار قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ سورت پڑھی تو اس کے پچاس گناہ مٹا دیئے جاتے ہیں مگر قرض باقی رہتا ہے (5)۔ اسے امام ترمذی اور دارمی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ ایک روایت میں پچاس دفعہ کا ذکر ہے اس میں یہ ذکر نہیں کہ اس پر قرض ہو۔ سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک مرسل روایت ہے، وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جس نے قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ گیارہ دفعہ پڑھی اس کے لئے جنت میں ایک محل بنایا جاتا ہے، جس نے بیس دفعہ پڑھی اس کے لئے جنت میں دو محل بنائے جاتے ہیں، جس نے تیس دفعہ پڑھی اس کے لئے جنت میں تین محل بنائے جاتے ہیں۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اللہ کی قسم ہمارے تو پھر محل بہت زیادہ ہوں گے۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا احسان اس سے بھی بہت وسیع ہے (6)، واللہ تعالیٰ اعلم۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ بیمار ہوئے یہاں تک کہ طبیعت یوں ہو گئی کہ آپ خیال کرتے تھے کہ میں نے یہ کام کر لیا ہے حالانکہ آپ نے وہ کام نہیں کیا ہوتا تھا۔ آپ نے اپنے رب سے دعا کی۔ پھر فرمایا میں نے اپنے رب سے پوچھا تھا اللہ تعالیٰ نے مجھے بتا دیا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کی وہ کیا ہے۔ یا رسول اللہ ﷺ؟ فرمایا میرے پاس دو آدمی آئے، ان میں سے ایک میرے سر کے پاس بیٹھ گیا اور دوسرا میرے پاؤں کے پاس بیٹھ گیا۔ ان میں سے ایک نے کہا ان کو کیا تکلیف ہے؟ دوسرے نے کہا اس پر جادو کیا گیا ہے۔ پہلے نے پوچھا کس نے جادو کیا ہے؟ دوسرے نے جواب دیا لبید بن اعصم نے جادو کیا ہے۔ پہلے نے پوچھا کس میں جادو کیا ہے؟ اس نے کہا کنگھی، بالوں اور زکھجور کے گائے پر۔ پہلے نے پوچھا وہ کہاں ہے؟ دوسرے نے کہا وہ بنی زریق کے ذروان کنویں میں ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا رسول اللہ ﷺ وہاں تشریف لے گئے پھر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس واپس تشریف لائے تو فرمایا اللہ کی قسم اس کا پانی ایسا تھا جیسے اس میں مہندی ڈالی گئی ہو اور اس کی کھجوریں ایسی تھیں جیسے شیاطین کے سر ہوں۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ نے اس سے نکال کیوں نہیں لیا۔ فرمایا مجھے تو اللہ تعالیٰ نے شفا دی۔ اس لئے میں نے ناپسند کیا کہ میں لوگوں کو ایک فتنہ میں ڈال دوں۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ روایت بھی کی گئی ہے کہ وہ کنویں میں پتھر کے نیچے تھا۔ صحابہ نے اس پتھر کو اٹھایا تھا اور نیچے سے زکھجور کا گابھا نکالا تھا تو اس میں سر کے کچھ بال اور کنگھی کے دندانے تھے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے یزید بن ارقم سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ پر ایک یہودی نے جادو کیا۔ حضور ﷺ اس وجہ سے بیمار ہو گئے تو جبرئیل امین حاضر ہوئے، کہا ایک یہودی نے آپ ﷺ پر جادو کیا ہے اور آپ کے لئے گرہیں لگائیں ہیں۔ حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا جنہوں نے اسے نکالا۔ جب وہ کوئی گرہ کھولتے تو حضور ﷺ کو تکلیف میں آ جاتی۔ حضور ﷺ یوں اٹھے گویا پھندے سے آزاد کیا ہو۔ آپ نے اس یہودی کا ذکر نہ کیا اور نہ ہی اس کے منہ پر کچھ کہا۔

ابن مردویہ اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے دلائل میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نقل کیا ہے کہ ایک یہودی نے ایک تانت میں گیارہ گرہیں لگا کر حضور ﷺ پر جادو کیا پھر اسے کنویں میں دبا دیا جس وجہ سے حضور ﷺ بیمار ہو گئے تو معوذتیں نازل ہوئیں۔ جبرئیل امین نے جادو کی جگہ کے بارے میں بتایا۔ آپ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا، وہ اسے لے آئے۔ حضور ﷺ نے دونوں سورتیں اس پر پڑھیں، گویا جب بھی آپ آیت پڑھتے تو ایک گرہ کھل جاتی اور آپ کو کچھ آسودگی نصیب ہوتی۔ ایک روایت یہ بھی کی گئی کہ حضور ﷺ چھ ماہ تک اس مرض میں مبتلا رہے اور تین دن سخت تکلیف میں گزارے تو یہ دونوں سورتیں نازل ہوئیں۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ابوسعید سے روایت کی ہے کہ جبرئیل امین حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، عرض کی آپ ﷺ بیمار ہیں؟ فرمایا ہاں۔ تو جبرئیل امین نے کہا بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُؤْذِيْكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ اَوْ عَيْنٍ حَاسِدٍ اللّٰهُ يَشْفِيْكَ بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ۔ اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ تجھے دم کرتا ہوں ہر ایسی چیز سے جو آپ کو اذیت دیتی ہے، یعنی ہر نفس اور حاسد کی نظر کے شر سے بچنے کے لئے اللہ آپ کو شفا دے اللہ تعالیٰ کے نام سے آپ کو دم کرتا ہوں۔ (۱)

قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۝ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ إِذَا وَقَبَ ۝ وَمِنْ شَرِّ النَّفَّاثَاتِ فِي الْعُقَدِ ۝ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ ۝

”آپ عرض کیجئے میں پناہ لیتا ہوں صبح کے پروردگار کی۔ ہر اس چیز کے شر سے جس کو اس نے پیدا کیا ہے اور (خصوصاً) رات کی تاریکی کے شر سے جب وہ چھا جائے اور ان کے شر سے جو پھونکیں مارتی ہیں گرہوں میں ہے اور (میں پناہ مانگتا ہوں) حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرے ہے۔“

۱۔ بِرَبِّ الْفَلَقِ سے مراد صبح پھوٹنے کے رب کی پناہ چاہتا ہوں۔ یہ جابر بن حسن، سعید بن جبیر، مجاہد اور قتادہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فالق الاصحاح (1)۔ ایک قول یہ کیا کہ اس کا معنی ہے دانے اور گٹھلی کو کوئیل سے، بادل کو بارش سے، زمین کو چشموں سے اور رحم کو بچے سے پھاڑنے والے رب کی پناہ چاہتا ہوں۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی مخلوق ہے (2)۔ والسی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی ایک روایت یہی نقل کی ہے جبکہ مشہور پہلا معنی ہے۔ اکثر مفسرین نے کہا اور یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی ایک روایت ہے کہ فلق سے مراد جہنم میں ایک قید خانہ ہے۔ اسے ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ جہنم میں ایک وادی ہے (3)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ایک روایت نقل کی ہے وہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ فلق جہنم میں ایک ڈھکا ہوا گڑھا ہے (4)۔ ابن جریر اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے عبد الجبار خولانی سے روایت کیا ہے کہ ہمارے پاس دمشق میں ایک صحابی رسول تشریف لائے تو دیکھا کہ لوگ کس طرح دنیا میں منہمک ہیں فرمایا یہ تو انہیں کچھ نفع نہ دے گا کیا ان کے آگے فلق نہیں؟ لوگوں نے پوچھا فلق کسے کہتے ہیں تو آپ نے جواب دیا یہ جہنم میں ایک گڑھا ہے جب اسے کھولا جائے گا تو جہنمی بھاگ کھڑے ہوں گے۔

ابن ابی حاتم اور ابن ابی الدنیا رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ فلق جہنم میں ایک کنواں ہے۔ جہنم اس سے اس طرح تکلیف محسوس کرے گی جس طرح انسان جہنم سے اذیت محسوس کرتے ہیں (5)۔ اس کے اوپر ڈھلنا ہے جب ڈھلنا ہٹا دیا جاتا ہے تو اس سے آگ نکلتی ہے تو اس آگ کی وجہ سے جہنم بھی چیخ اٹھتی ہے۔ ابن ابی حاتم اور ابن جریر نے کعب رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ فلق جہنم میں ایک گھر ہے۔ جب اسے کھولا جائے گا تو اس کی گرمی کی شدت سے جہنمی چیخ اٹھیں گے (6)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے زید بن علی سے وہ اپنے معزز آباء و اجداد سے روایت کرتے ہیں کہ فلق جہنم کی گہرائی میں ایک گڑھا ہے (7)۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے پناہ حاصل کرنے کا خصوصی ذکر کیا کیونکہ جہنم اور فلق (جو جہنم کا سخت ترین جزء ہے) شدید ترین مصیبتیں ہیں اور بہت بڑا اثر ہیں۔ جب ان کا خالق انہیں دور کر سکتا ہے تو تمام دوسری مصیبتوں کو بھی دور کر سکتا ہے۔ اگر فلق کا معنی صبح کیا جائے تو بھی درست ہے کیونکہ صبح بھی مصیبتوں کو دور کرتی ہے خصوصاً جو رات کی تاریکی کی وجہ سے متحقق ہوتی ہیں۔ جب صبح مصیبتیں اور تکالیف دور کرتی ہے تو صبح کا رب ہر قسم کی مصیبت کو ختم کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اس صفت کا ذکر تمام مصیبتوں کو ختم کرنے کا باعث ہے۔

4- تفسیر طبری زیر آیت ہذا

3- ایضاً

2- ایضاً

1- تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

7- الدر المنثور زیر آیت ہذا

6- تفسیر طبری زیر آیت ہذا

5- الدر المنثور زیر آیت ہذا

۲۔ ماحلق سے مراد تمام مخلوق ہے کیونکہ کوئی ممکن شر سے خالی نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عدم ہر ممکن کی ماہیت میں داخل ہے مگر جب بھی کوئی ممکن اللہ تعالیٰ کی ذاتی اور صفاتی تجلیات سے جگمگا جاتا ہے تو اس کا شرزائل ہو کر خیر میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اولنک بیدل اللہ سیناتہم حسنات

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: میرا شیطان مسلمان ہو چکا ہے وہ مجھے خیر کا ہی مشورہ دیتا ہے (1)۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں آیت کریمہ میں صرف عالم خلق کے شر سے پناہ مانگنے کا حکم اس لئے دیا کیونکہ عالم امر سراسر خیر ہے اور عالم خلق کا شر یا تو انسان اختیاری ہے جو اپنی ذات تک محدود رہتا ہے جیسے کفر یا ایسا اختیاری ہے جو دوسروں تک بھی پہنچتا ہے، جیسے ظلم، یا عالم خلق کا شرطبی ہے جیسے آگ کا جلانا اور زہر کا ہلاک کرنا۔

۳۔ غسق کا معنی بھر جانا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ اِلٰی غَسَقِ اللَّیْلِ اس وقت تک جب رات تاریکی سے بھر جائے۔ جب آنکھ آنسوؤں سے بھر جائے تو کہتے ہیں غَسَقَ الْعَیْنُ۔ جب چاند مکمل ہو جائے تو کہتے ہیں غَسَقَ الْقَمَرُ۔ قاموس میں غاسق سے مراد چاند ہے اور رات ہے جب شفق غائب ہو جائے۔ غسوق اور غساق کا معنی تاریکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی بہنا ہے جیسے غسق اللیل، یعنی اس کی تاریکی بہ پڑی۔ غسق العین اس کا آنسو بہ پڑا۔ غسق القمر اس کی رفتار تیز ہو گئی۔ ایک قول یہ کیا گیا غسق کا معنی ٹھنڈک ہے۔ رات کو غاسق اس لئے کہتے ہیں کیونکہ وہ دن کے مقابلہ میں ٹھنڈا ہوتا ہے اور چاند کو غاسق اس لئے کہتے ہیں کیونکہ یہ سورج سے ٹھنڈا ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے چاند کو زمہریر کہتے ہیں۔ یہاں غاسق سے مراد چاند ہے کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک حدیث مروی ہے کہ حضور ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا تو چاند کی طرف دیکھا فرمایا اِسْتَعْبَذْتُ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ۔ اسے امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ اس تقدیر کی بناء پر وقف کا معنی ہو گا۔ جب اس کی روشنی کم ہونے لگے اور وہ غائب ہو جائے کیونکہ چاند کی روشنی اسی وقت کم ہونا شروع ہو جاتی ہے جب وہ پہلے مکمل ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس، حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے رات مراد ہے جب وہ آ رہی ہو اور اس کی تاریکی دن کی روشنی میں داخل ہو رہی ہو (2)۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے مراد شریا ہے جب وہ گرے۔ عرب کہتے ہیں جب شریا گر رہا ہو تو مصائب زیادہ ہوتے ہیں، جب بلند ہو رہا ہو تو مصائب اٹھ جاتے ہیں۔

۴۔ نفاثات سے مراد جادو گر مرد ہیں یا جادو گر عورتیں ہیں جو دھانگے کی گروہ میں پھونکنے مارتے ہیں جب وہ حضور ﷺ پر جادو کرتے ہیں۔ ابو عبید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا لبید کی بیٹیاں لبید کے کہنے پر ایسا کرتی تھیں۔ (3)

۵۔ جب وہ حسد ظاہر کرے اور حسد کے مطابق تکلیف پہنچانے کی کوشش کرے۔ یہ قید اس لئے ذکر کی کیونکہ سب سے پہلے حسد کا نقصان حاسد کی ذات کو ہوتا ہے کیونکہ وہ غیر کی خوشی سے غمگین ہوتا ہے اور جس سے حسد کیا جا رہا ہوتا ہے اسے نقصان نہیں ہوتا۔ پہلے عام کا ذکر کیا یعنی فرمایا مِنْ شَرِّ مَا بَلَغَتْ پھر ان چیزوں کو ذکر کیا تو یہ اسی طرح ہے جس طرح عام کے بعد خاص کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اس کی تخصیص کی حکمت یہ ہے کیونکہ یہ تینوں چیزیں اس شر میں داخل تھیں جو حضور ﷺ کو پہنچانے کی کوشش کی گئی، یعنی حضور ﷺ پر جادو کیا گیا جنوں کے شیطان یعنی ابلیس کا وسوسہ بھی تھا اور انسانوں کے شیطان، یعنی لبید بن اعصم کا کردار بھی تھا۔ نفاثات کو جمع

ذکر کیا جبکہ اس پر الف لام عہدی ہے جبکہ غاسق اور حاسد کو مفرد اور نکرہ ذکر کیا کیونکہ جب پناہ طلب کی جا رہی ہے تو اس وقت لبید کی بنیادیں تو معین ہیں جبکہ غاسق اور حاسد معین نہیں کیونکہ یہاں مقصود ہر حاسد اور غاسق کے شر سے پناہ چاہتا ہے کیونکہ حضور ﷺ کے حاسد تو شمار سے بھی باہر ہیں اور وہ ہمیشہ حسد کرنے والے تھے تو ان کے شر سے اس طرح پناہ مانگی کہ مستقبل میں بھی امن حاصل ہو۔ عقبہ بن عامر سے مروی ہے کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں سورہ ہود اور سورہ یوسف پڑھتا ہوں فرمایا سورہ فلق سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رسائی حاصل کرنے والی کوئی سورت نہیں (1)۔ اسے امام احمد، امام نسائی اور دارمی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔



سورة الناس

﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ﴾ ﴿سُوْرَةُ النَّاسِ مَكِّيَّةٌ ۱۱۴﴾ ﴿مَرْكُوعًا ۱﴾

سورة الناس مکی ہے، اس میں ایک رکوع اور چھ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

”اللہ کے نام سے شروع کرتے ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے“

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ صَدِّكَ النَّاسِ ۝ اِلٰهِ النَّاسِ ۝ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ۝

اَلَّذِي يُّوسْوِسُ فِىْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۝ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝

”(اے حبیب) عرض کیجئے میں پناہ لیتا ہوں انسانوں کے پروردگار کی۔ سب انسانوں کے بادشاہ کی ہے سب

انسانوں کے معبود کی ہے بار بار وسوسہ ڈالنے والے، بار بار پوسپا ہونے والے کے شر سے ہے جو وسوسہ ڈالتا رہتا ہے لوگوں

کے دلوں میں ہے خواہ وہ جنات میں سے ہو یا انسانوں سے ہے۔“

اے محمد ﷺ کہو میں پناہ مانگتا ہوں رب الناس کی۔ یہاں رب سے مراد خالق، تربیت کرنے والا اور امور درست کرنے والا ہے۔

صَدِّكَ النَّاسِ یعنی ان کا مالک اور امور کی تدبیر کرنے والا ہے۔

اِلٰهِ النَّاسِ یعنی لوگوں کا معبود ہے۔ صَدِّكَ النَّاسِ اور اِلٰهِ النَّاسِ دونوں رب الناس کا عطف بیان ہیں کیونکہ لفظ رب کا اطلاق کبھی

والد اور کبھی گھر کے مالک پر ہوتا ہے۔ نیز عام مالک پر بھی ہوتا ہے جبکہ وہ نہ مملک ہوتا ہے اور نہ ہی معبود ہوتا ہے۔ ملک کا اطلاق

کبھی بادشاہ پر ہوتا ہے جبکہ وہ معبود اور مستحق عبادت نہیں ہوتا۔ الناس میں الف لام عہدی ہے اور اس سے مراد حضور ﷺ کی ذات

اور آپ کے پیروکار ہیں۔ جب وہ ہر چیز کا رب، ملک اور الہ ہے تو پاس کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ انسانوں کی شرافت کا اظہار ہو

ایک اور وجہ یہ ہے کہ ان دونوں سورتوں کو اس لئے نازل کیا تا کہ حضور ﷺ اور آپ کے غلاموں سے جاہد اور اس جیسے شر کو دور کیا

جائے کیونکہ جو رب، مالک اور الہ ہو اس کا حق بنتا ہے کہ مر بوب، مملوک اور عابد کو ہر شے سے محفوظ رکھے۔

غوث الثقلین نے فرمایا:

ترجمہ: کیا مجھے زلت پہنچ سکتی ہے جب تو میرا مددگار ہے

کیا دنیا میں مجھ پر ظلم کیا جا سکتا ہے جبکہ تو میرا مددگار ہے

جب چراگاہ کی حفاظت کرنے والا قادر ہو تو اس کے لئے یہ عار کا باعث ہے کہ میدان میں اونٹ کا ڈھنگا گم ہو جائے۔

کفار بھی اگرچہ اللہ تعالیٰ کے مر بوب (جن کی پرورش کی جا رہی ہو) اور مملوک ہیں لیکن جب وہ اس بات کا اعتراف نہیں کرتے تو وہ

حمایت کے مستحق نہیں ہو سکتے۔ اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے غزوہٴ احزاب (۱) میں فرمایا اللہ مولانا ولا مولانا لکم۔ یہاں الناس کے لفظ کو مکرر ذکر کیا حالانکہ ضمیر سے کام چل سکتا تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عطف بیان اصل میں وضاحت کے لئے وضع کیا گیا ہے اور اسم ظاہر ذکر کرنے میں زیادہ وضاحت ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اس میں حضور ﷺ اور آپ کے تبعین کے شرف کا اظہار بھی ہے۔

امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جب سابقہ سورت میں بدن کو لاحق ہونے والی مصیبتوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ کا سوال تھا جبکہ ایسی مصیبتیں انسان اور دوسری جاندار چیزوں کو لاحق ہو سکتی ہیں جبکہ اس سورت میں ان مصیبتوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ کا سوال ہے جو نفوس بشریہ کو لاحق ہوتی ہیں۔ اسی وجہ سے وہاں مضاف الیہ عام تھا جبکہ یہاں یہ خاص ہے۔ گویا کلام یوں کی گئی میں انسانوں کے دلوں میں وسوسہ اندازی کرنے والوں کے شر سے ان کے اس رب کی پناہ چاہتا ہوں جو ان کے امور کا مالک ہے اور ان کی عبادت کا مستحق ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ الناس کا تکرار اس لئے ہے کیونکہ پہلے الناس سے مراد بچے ہیں جس پر لفظ رب کا معنی دلالت کرتا ہے۔ دوسرے لفظ الناس سے مراد اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے جوان ہیں۔ ملک کا لفظ اس پر دلالت کرتا ہے کیونکہ ملک میں سیاست کا مفہوم موجود ہے۔ تیسرے لفظ ناس کا مطلب وہ شیوخ ہیں جو سب کچھ چھوڑ کر اللہ سے لوگا کر بیٹھے ہیں۔ لفظ اللہ اس پر دلالت کرتا ہے کیونکہ اس لفظ میں عبادت کا مفہوم موجود ہے۔ چوتھے لفظ ناس سے مراد صالح لوگ ہیں کیونکہ شیطان ان کی دشمنی کا حریص ہوتا ہے اور پانچویں لفظ ناس سے مراد فسادی لوگ ہیں کیونکہ اس کا عطف ایسے اسم پر ہے جس سے پناہ مانگی جاتی ہے۔ مومنوں کے بچوں اور صالح لوگوں کے ذکر میں رحمت کی طلب اور عذاب کو دور کرنے کی تمنا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر کوڑہ پشت بوڑھے نہ ہوتے، دودھ پینے والے بچے نہ ہوتے اور چرنے والے جانور نہ ہوتے تو تم پر عذاب بارش کی طرح برستا۔ اسے ابو یعلیٰ، بزار اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ایک مرسل روایت اس کی شاہد ہے۔ اسے ابو نعیم نے زہری رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے لَوْلَا رَجَالٌ مُّؤْمِنُونَ وَنِسَاءٌ مُّؤْمِنَاتٌ لَّمْ تَعْلَبُوهُمْ الْفِجْ اِگر مومن مرد اور مومن عورتیں نہ ہوتے جنہیں تم نہیں جانتے۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس نظم میں اس بات پر دلالت ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں زندہ کرنے کا حق رکھتا ہے اور اس پر قادر ہے اور یہ اس کے لئے ممنوع نہیں۔ نیز اس میں اس امر کا بھی شعور دلایا گیا ہے کہ عارف کے مراتب کیا ہیں کیونکہ جب وہ اپنے اوپر ظاہری اور باطنی نعمتیں دیکھتا ہے تو وہ جان لیتا ہے کہ اس کا کوئی رب ہے پھر غور و فکر کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ وہ ہر شے سے غنی ہے، ہر چیز اس کی ملک میں ہے اور تمام امور میں تصرف اس کے قبضہ قدرت میں ہے۔ پس وہی حقیقی بادشاہ ہے پھر وہ یہ استدلال کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی مستحق عبادت ہے۔

سوساں وسوسہ کے معنی میں ہے۔ یہ مخفی آواز ہوتی ہے جس کا مفہوم دل تک پہنچ جاتا ہے لیکن آواز سنائی نہیں دیتی۔ یہ ذنزال کے وزن پر ہے۔ یہاں اس سے مراد شیطان ہے۔ مبالغہ کے طریقہ پر وسوساں کا ذکر کیا۔ یا یہاں مضاف مقدر ہے جو ذو ہے۔ زجاج رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح کہا خناس یہ وسوساں کی صفت ہے۔ اس سے مراد شیطان ہے کیونکہ اس کی عادت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے تو وہ پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن شقیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ ہر آدمی کے دل میں دو گھر ہیں، ایک میں فرشتہ ہوتا ہے اور دوسرے میں شیطان ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے تو

(۱) شاید کتابت کی غلطی ہے۔ یہ الفاظ حضور ﷺ نے غزوہٴ احد میں ابوسفیان کے جواب میں کہے تھے، مترجم۔

شیطان پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کیا جائے تو شیطان اپنی چونچ اس کے دل میں رکھ دیتا ہے اور اس میں وسوسہ اندازی کرتا ہے۔ اسے ابو یعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ ابو یعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، انہوں نے حضور ﷺ سے اس کی مثل روایت کیا ہے۔

یہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کیا جائے تو وہ لوگوں کے دلوں میں وسوسہ اندازی کرتا ہے۔ اسم موصول محل جرم میں ہے کیونکہ یہ وسوسہ کی صفت کے بعد صفت ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ وہ مذمت کے طور پر منصوب ہو یا وہ مرفوع ہو کیونکہ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔

۳۔ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ یہ وسواس کا بیان ہے یا الذی کا بیان ہے۔ وسوسہ جنوں اور انسانوں کا فعل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَ كَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ شَيْءٍ عَدُوًّا شَاطِئِينَ الْإِنْسِ وَالْجِنَّةِ الْآيَةَ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی نبی کو حکم دیا کہ وہ تمام انسانوں اور جنوں کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ لوگ تو انسانوں کے دلوں میں وسوسہ اندازی نہیں کرتے، یہ تو صرف جنوں کا فعل ہے۔

ہم جواب دیتے ہیں انسان بھی وسوسہ اندازی کرتے ہیں مگر ایسے طریقہ پر جو ان کے لئے موزوں اور مناسب ہوتا ہے۔ وہ ایسی باتیں کرتے ہیں جو لوگوں کے دلوں میں پھوسٹ ہو جاتی ہیں۔ اسی سے وسوسہ جنم لیتا ہے۔ یا جار مجرور یوسوس کے متعلق ہے یعنی وہ لوگوں کے سینوں میں جنوں اور لوگوں کے معاملات کے متعلقہ وسوسہ اندازی کرتے ہیں۔ کلی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ جار مجرور اس الناس کا بیان ہے جو فِي صُدُورِ النَّاسِ میں ہے وہاں الناس عام ہے (1) جو جنوں اور انسانوں سب کو شامل ہے۔ جنوں کو ناس کا نام دیا جس طرح انہیں رجال کہا گیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان عالی شان ہے وَ اِنَّهٗ كَانَ بِمَا جَاؤُا بِالنَّاسِ يَعُوذُونَ بِوَجْهِكَ مِنَ الْجِنَّةِ۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ایک عرب سے یہ بات نقل کی گئی ہے کہ وہ بات گور ہاتھ جنوں کی ایک قوم آئی، وہ رک گئے۔ ان سے پوچھا گیا تم کون ہو؟ انہوں نے کہا اناس من الجن یعنی ہم جنوں میں سے لوگ ہیں۔ فرما، رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا بھی یہی مطلب اور مفہوم ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ کا بیان ہو اور الناس کا عطف وسواس پر ہو۔ پھر معنی یہ ہوگا میں شیطان کے شر سے جو وسوسہ اندازی کرتا ہے اور جنوں میں سے ہے اور لوگوں کے شر سے لوگوں کے رب کی پناہ چاہتا ہوں۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تمہیں ان آیات کی خبر نہیں جو آج رات نازل ہوئیں تم نے ان کی مثل کبھی نہ دیکھی ہوں گی۔ وہ یہ ہیں قُلْ اَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (2)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ کے ساتھ اسے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا میں تمہیں ان آیات کے بارے میں نہ بتاؤں جو تورات، زبور، اور انجیل میں نازل نہ کی گئیں اور ان کی مثل قرآن میں بھی نازل نہ کی گئیں۔ میں نے کہا کیوں نہیں۔ فرمایا قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ، قُلْ اَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ۔ (3)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب آپ ہر رات بستر پر تشریف لے جاتے تو اپنی ہتھیلیوں کو جمع کرتے پھر ان میں پھونک مارتے۔ ان ہاتھوں میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ، قُلْ اَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھتے۔ پھر جہاں تک ممکن ہوتا اپنے جسم پر ہاتھ پھیرتے اپنے سر اور چہرے سے ہاتھ پھیرنا شروع کرتے اور جسم کے اگلے حصے پر ایسا

کرتے۔ آپ ﷺ اس طرح تین دفعہ کرتے، متفق علیہ۔ (1)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اسی اثناء میں کہ میں حضور ﷺ کے ساتھ حجہ اور ابواء کے درمیان چل رہا تھا کہ ہمیں سخت تاریکی اور آندھی نے آیا۔ حضور ﷺ قُلْ اَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھنے لگے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے عقبہ تم بھی یہ پڑھ کر اللہ کی پناہ طلب کرو۔ کسی پناہ چاہنے والے نے اس جیسی چیز سے پناہ نہ چاہی ہوگی۔ اسے ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (2)۔ حضرت عبداللہ بن حبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے ہم ایک بارش اور سخت تاریکی رات میں حضور ﷺ کی تلاش میں نکلے۔ ہم نے آپ کو تلاش کر لیا۔ آپ نے فرمایا پڑھو۔ میں نے عرض کی کیا پڑھوں۔ فرمایا صبح و شام قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ اور معوذتین (قُلْ اَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ) تین دفعہ پڑھا کرو، یہ تیرے لئے ہر چیز کے لئے کافی ہو جائیں گی (3)۔ اسے امام ترمذی، ابو داؤد اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ جب بیمار ہوتے تو اپنے آپ پر معوذتین پڑھتے اور پھونک مارتے۔ جب آپ کو تکلیف زیادہ ہوتی تو میں آپ پر پڑھتی اور برکت حاصل کرنے کے لئے آپ ﷺ کا ہاتھ مبارک آپ کے جسم پر پھیر دیتی۔ اسے امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔

قرآن حکیم کے فضائل

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے بہترین وہ ہے جس نے قرآن سیکھا اور سکھایا۔ اسے امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ (1)۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اسما میں یہ بات زائد ذکر کی ہے کہ تمام کلاموں پر قرآن کی فضیلت اس طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کو مخلوقات پر فضیلت حاصل ہے۔ (2)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دو آدمیوں کے علاوہ کسی پر حسد اور شک نہیں کرنا چاہئے۔ ایک ایسا آدمی جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن کا علم عطا فرمایا اور وہ صبح و شام اسی میں مصروف رہتا ہے (یاد کرتا ہے اس پر عمل کرتا ہے)۔ دوسرا وہ جسے اللہ تعالیٰ نے مال عطا فرمایا وہ دن رات اس میں سے خرچ کرتا ہے۔ (3)

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ قیامت کے روز تین چیزیں عرش کے نیچے ہوں گی:-

- (1) قرآن یہ بندوں کے لئے جھگڑے گا، اس کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے۔
- (2) امانت۔

(3) رحم جو اعلان کر رہی ہوگی خبردار جس نے مجھے جوڑا سے اللہ تعالیٰ نے جوڑا، جس نے مجھے قطع کیا اسے اللہ تعالیٰ نے قطع کیا۔ اسے امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح السنہ میں روایت کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حافظ قرآن سے کہا جائے گا پڑھتا جا اور اوپر چڑھتا جا، ٹھہر ٹھہر کر اس طرح پڑھ جس طرح تو دنیا میں پڑھتا تھا، تیرا ٹھکانہ وہ جگہ ہوگی جہاں تو آخری آیت پڑھے گا (4)۔ اسے امام احمد، امام ترمذی، ابوداؤد اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے جسے قرآن حکیم نے میرے ذکر اور مجھ سے مانگنے سے غافل رکھا تو اسے ان لوگوں سے بہتر عطا کروں گا جو ساکلوں کو عطا کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ کے کلام کی فضیلت دوسرے کلاموں پر اسی طرح ہے جس طرح مخلوق پر اللہ تعالیٰ کی فضیلت ہے (5)۔ اسے امام ترمذی، دارمی اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے کتاب اللہ میں سے ایک حرف پڑھا اس کے لئے نیکی ہے اور نیکی کا بدلہ دس گنا ہوگا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ الم مکمل ایک حرف ہے بلکہ الف حرف ہے

1- صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 752 (وزارت تعلیم) 2- مسند امام احمد، جلد 1، صفحہ 360 (صادر) 3- صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 272 (قدیمی)
4- جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 115 (وزارت تعلیم) 5- سنن دارمی، جلد 2، صفحہ 317 (المحاسن)

لام حرف ہے اور میم حرف ہے (1)۔ اسے امام ترمذی اور دارمی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کی سند حسن صحیح غریب ہے۔

حادثہ عموماً سے مروی ہے کہ میں ایک مسجد کے پاس سے گزرا تو کیا دیکھتا ہوں کہ لوگ احادیث میں بحث و تہیج کر رہے ہیں اور نئے نئے معانی اخذ کر رہے ہیں تو میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے سب کچھ بتایا۔ آپ نے فرمایا کیا انہوں نے ایسا کہا ہے؟ میں نے عرض کی ہاں۔ فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ عنقریب ایک فتنہ رونما ہوگا میں نے عرض کی اس سے بچنے کی کیا تدبیر ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کی کتاب، اس میں پہلے لوگوں کی خبریں ہیں اور اس میں مابعد کی خبریں بھی ہیں۔ جو تمہارے باہم کے معاملات ہیں ان کے احکام بھی ہیں۔ یہ مکمل قول فیصل ہے، اس میں کوئی بات فضول نہیں۔ جس نے اسے چھوڑ دیا اللہ تعالیٰ نے اسے بہرہ بنا دیا، جس نے قرآن کے علاوہ کسی اور چیز سے ہدایت طلب کی اسے اللہ تعالیٰ نے گمراہ کر دیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی ہے یہ ذکر حکیم ہے، یہ صراط مستقیم ہے۔ اسی وجہ سے خواہشات میں کچی واقعہ نہیں ہوتی اور نہ ہی زبانوں میں التباس ہوتا ہے۔ علماء اس سے سیر نہیں ہوتے۔ اس کا بار بار پڑھنا انسانوں کو اکتابت عطا نہیں کرتا۔ اس کے عجائبات ختم نہیں ہوتے۔ یہی وہ کلام ہے جس سے جن آگاہ نہ تھے۔ جب انہوں نے کلام کو سنا تو کہا ہم نے عجیب و غریب قرآن سنا ہے جو ہدایت کی طرف راہنمائی کرتا ہے، ہم اس پر ایمان لائے جو اس کے موافق بات کرے گا وہ سچا ہوگا، جو اس کے مطابق عمل کرے گا اسے اجر دیا جائے گا۔ جس نے اس کے مطابق فیصلہ کیا وہ عدل کرنے والا ہوگا۔ جسے اس کی طرف بلایا گیا اس کی صراط مستقیم کی طرف راہنمائی کی گئی۔ اسے امام ترمذی اور دارمی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ (2)

حضرت معاذ جنینی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے قرآن حکیم پڑھا اور اس کے مطابق عمل کیا۔ قیامت کے روز اس کے والدین کو ایسے تاج پہنائے جائیں گے جس کی روشنی سورج کی روشنی سے بڑھ کر ہوگی جو تم اپنے گھروں میں سورج کی روشنی پاتے ہو تو جس نے مکمل کیا اس کے مقام و مرتبہ کا اندازہ کر لو۔ اسے امام احمد اور ابوداؤد رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ (3)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا اگر قرآن کو کسی چمڑے میں رکھا جائے پھر اسے آگ میں پھینک دیا جائے تو وہ نہیں جلے گا اسے دارمی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا (4)۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے قرآن پڑھا، اسے پناہ گاہ بنا یا، اس کے حلال کو حلال جانا اور حرام کو حرام جانا اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کرے گا اور اپنے گھر کے دس ایسے افراد کی شفاعت کرے گا جن کے لئے جہنم ثابت ہو چکی تھی، اسے امام احمد، ترمذی، ابن ماجہ اور دارمی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ (5)۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا نماز میں قرآن پڑھنا نماز کے علاوہ قرآن پڑھنے

سے بہت بہتر ہے، نماز کے علاوہ قرآن پڑھنا تسبیح اور تکبیر سے افضل ہے، تسبیح (سبحان اللہ کہنا) صدقہ سے افضل ہے، صدقہ روزے سے افضل ہے اور روزہ جہنم سے ڈھال ہے۔ (1)

حضرت اوس ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کوئی آدمی جب مصحف کے بغیر قرآن پڑھے تو اس کے لئے ہزار درجے ہیں اور مصحف سے قرآن پڑھنا اس سے دگنے درجات کا باعث ہے جو دو ہزار درجات بنتے ہیں۔ (2)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دلوں کو اسی طرح زنگ لگ جاتا ہے جس طرح لوہے کو زنگ لگ جاتا ہے جب اسے پانی پہنچتا ہے۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ ﷺ اس زنگ کو کس طرح دور کیا جاسکتا ہے؟ فرمایا موت کو کثرت سے یاد کرنا اور قرآن حکیم کی تلاوت کرنا۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے تینوں احادیث شعب الایمان میں روایت کی ہیں۔ (3)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کسی آواز کو اتنی توجہ سے نہیں سنتا جتنا وہ نبی کی آواز کو توجہ سے سنتا ہے جب وہ قرآن خوش الحانی سے پڑھ رہا ہو، متفق علیہ (4)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کسی اچھی آواز کی طرف کان نہیں لگاتا جتنا قرآن بلند آواز سے پڑھے جانے کی طرف کان لگاتا ہے، متفق علیہ۔ (5)

آپ سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو آدمی قرآن خوش الحانی سے نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۔ اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (6)۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ باہر تشریف لائے جبکہ ہم قرآن پڑھ رہے تھے جبکہ ہم میں عربی اور عجمی لوگ بھی تھے۔ فرمایا پڑھو سب کا پڑھنا اچھا ہے۔ غنقریب ایسے لوگ آئیں گے جو قرآن کو پڑھنے میں ایسی مشق کریں گے جیسے تیر کو سیدھا کرنے میں کوشش کی جاتی ہے۔ وہ دنیا میں اس کے اجر کے طالب ہوں گے۔ آخرت میں اس کے اجر کو طلب نہ کریں گے۔ اسے ابو داؤد اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ (7)

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قرآن کو عربی لہجوں اور آوازوں میں پڑھو۔ اسے اہل عشق اور اہل کتاب کے لہجوں میں نہ پڑھو۔ میرے بعد ایک ایسی قوم آئے گی جو قرآن کو یوں پھیر پھیر کر پڑھیں گے جس طرح نغمہ اور نوچہ پڑھا جاتا ہے۔ لیکن یہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ ان کے دل آزمائش میں مبتلا ہوں گے۔ اسی طرح ان کے دل بھی فتنہ میں مبتلا ہوں گے جو انہیں اچھا جانتے ہیں۔ اسے بیہقی اور ابن رزین رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ (8)

حضرت عبیدہ مملکی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے جسے صحابیت کا شرف حاصل تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے اہل قرآن قرآن کو تکیہ نہ بنا لو صبح و شام اس کی تلاوت کا حق ادا کرو، اس کو عام کرو، اس کو خوش الحانی سے پڑھو، اس میں غور و فکر کرو تا کہ تم کامیاب ہو، دنیا میں اس کا بدلہ طلب نہ کرو، بے شک اس کا ثواب ہے۔ اسے امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے۔ (9)

حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ بہترین دوا قرآن ہے۔ اسے

- | | | |
|---|--------------------------|---|
| 1- شعب الایمان، جلد 2، صفحہ 413 (العلمیہ) | 2- ایضاً جلد 2، صفحہ 407 | 3- ایضاً جلد 2، صفحہ 353 |
| 4- صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 268 (قدیمی) | 5- ایضاً | 6- صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 1123 (وزارت تعلیم) |
| 7- شعب الایمان، جلد 2، صفحہ 538 (العلمیہ) | 8- ایضاً صفحہ 540 | 9- ایضاً جلد 2، صفحہ 350 |

ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ ایک میں الفاظ یہ ہیں قرآن ہی دواء ہے (1)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے تمہارے لئے دو چیزیں شفاء کا باعث ہیں شہد اور قرآن (2)۔ واثلہ بن اسقع سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں اپنے حلق میں درد کی شکایت کی فرمایا تم قرآن پڑھا کرو۔ اسے امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے (3)۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے ایک آدمی حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا۔ عرض کی میرے سینے میں درد ہوتا ہے۔ فرمایا قرآن پڑھو۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ یہ بشفاء لِمَا فِي الصُّدُورِ ہے۔ حضرت طلحہ بن مطرف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے وہ فرمایا کرتے تھے جب مریض کے پاس قرآن پڑھا جائے تو اس وجہ سے اس کی تکلیف میں کمی ہو جاتی ہے۔ اسے ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا (4)، واللہ تعالیٰ اعلم۔

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على خير خلقه محمد وآله واصحابه اجمعين۔

2 شوال، 29 دسمبر 2000ء

